تفسیر ابن کثیر

رئیس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

تسہیل وتخریج وعنوانات

مولانا ابو عبید اللہ صاحب

حواشی

مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری

اسلامی کُتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ ۰ چوک اردو بازار ۰ لاہور
Ph:7223506-7230718

تفسیر ابن کثیر

رئیس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفدا ابن کثیرؒ

مترجم

خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھیؒ

جلد دوم

تسهیل و تخریج و عنوانات
مولانا ابو عبید اللہ صاحب

حواشی
مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری

اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامی کتب خانہ
Islami Kutab Khana
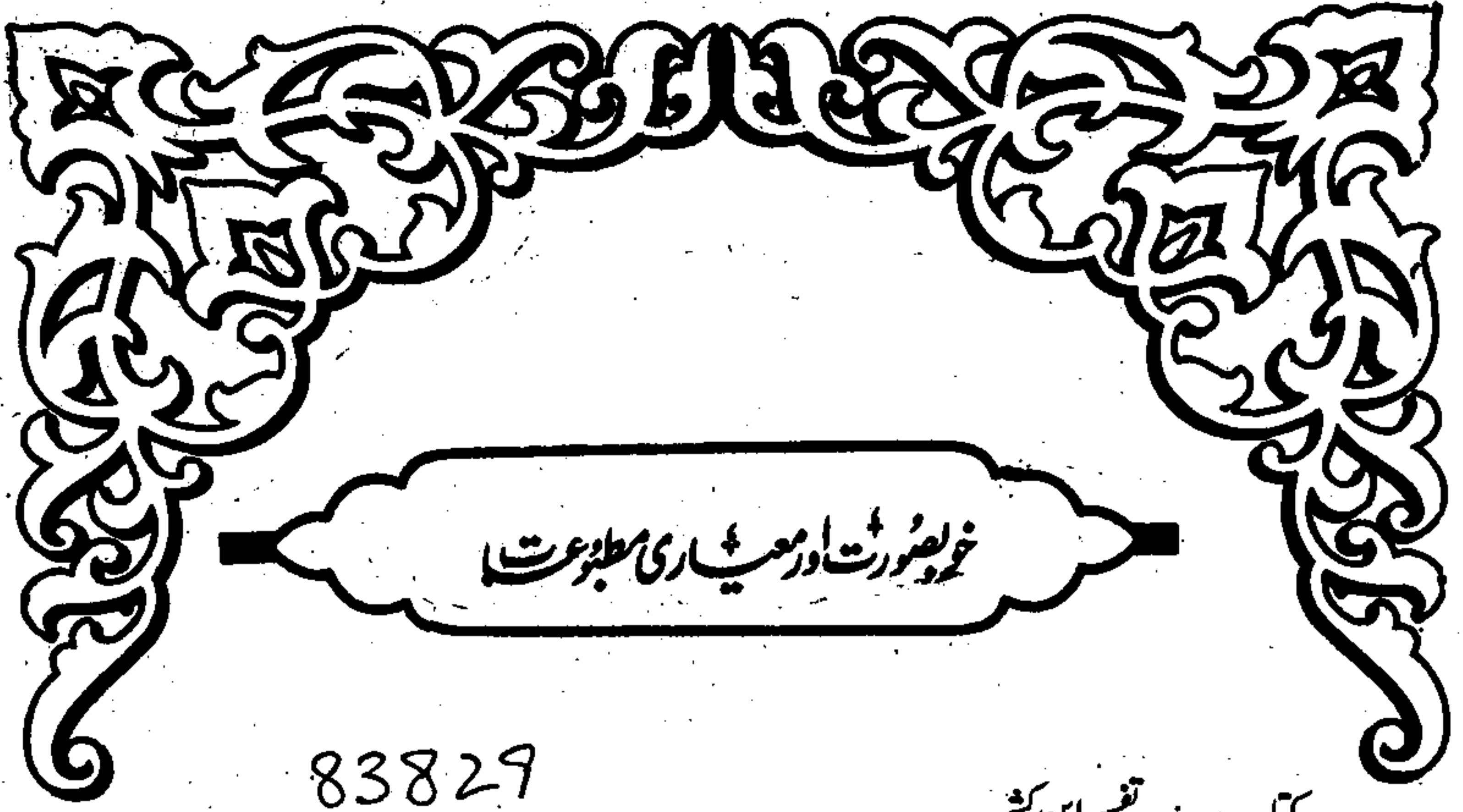
خوبصورت اور معیاری مطبوعات

کتاب : تفسیر ابن کثیر
مترجم : مولانا ابو محمد جونا گڑھی
حواشی : مولانا سید انظر شاہ کشمیری خلف الرشید علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
تسہیل : مولانا ایوب صاحب لاہور
متن قرآن : مولانا رحیم بخش صاحب ملتان، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کراچی
تخریج : مولانا ابو عبید اللہ صاحب حفظہ اللہ
طابع : اسلامی کتب خانہ، فضل الٰہی مارکیٹ، چوک اُردو بازار لاہور ۷۲۲۳۵۰۶، ۷۲۳۰۷۱۸

اس تفسیر میں قرآن کریم کے متن کا اُردو ترجمہ
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا درج کیا گیا ہے

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

فہرست

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید فرماتی ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئے تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ مائدہ پوری نازل ہوئی۔ بوجھ اتنا تھا کہ اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں[1]۔ (مسند احمد) دوسری روایت میں کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گردن ٹوٹ گئی (ابن مردویہ) ایک اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے اُتر گئے (مسند احمد) ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری وہ سورہ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے حضرت جبیر بن نضیر فرماتے ہیں' میں حج کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے مجھ سے فرمایا تم سورہ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا: سنو! سب سے آخر یہی سورت نازل ہوئی۔ اس میں جس چیز کو حلال پاؤ حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی نسبت سوال کیا، تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کے عملی نمونہ تھے۔ یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

کُل رکوع: ۱۶ ‏ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ‏ کُل آیات: ۱۲۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ

---

[1] یہ وحی کی عظمت کی وجہ سے تھا۔ اگرچہ وحی کوئی ایسی چیز نہیں جس کو وزن کیا جا سکے لیکن بہت سی چیزیں اپنی عظمت کی بناء پر نہایت ثقیل ہوتی ہیں۔ مثلاً علم' ایمان' اعمال اور قرآنِ مجید وغیرہ۔

وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

اے ایمان والو عہد کو پورا کرو تمہارے لئے تمام چوپائے جو مشابہ انعام (یعنی اونٹ بکری گائے) کے ہیں حلال کئے گئے ہیں۔ مگر جن کا ذکر آگے آتا ہے لیکن شکار کو حلال مت کرنا جس حالت میں کہ تم احرام میں ہو بے شک اللہ جو چاہیں حکم کریں۔ اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ حرم میں قربان ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کے جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ اُن کی جو بیت الحرام میں قصد سے جارہے ہوں۔ اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہو اور جس وقت تم احرام سے باہر آ ؤ تو شکار کیا کرو اور ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم سے جو اسی سبب سے افضل ہے انہوں نے مسجد حرام سے روک دیا تھا وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۝

حرام اور حلال اشیاء☆

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا آپ مجھے کوئی خاص نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تو قرآن میں لفظ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سنے تو فوراً کان لگا کی متوجہ ہو جا کیونکہ اس کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم ہوگا یا کسی نہ کسی برائی سے ممانعت ہوگی۔ حضرت زہری فرماتے ہیں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کوئی حکم دیا ہے۔ اس حکم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔ حضرت خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات میں بجائے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے يَاَيُّهَا الْمَسَاكِيْنُ ہے۔ ایک روایت میں جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نام سے بیان کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں لفظ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ہے۔ ان تمام مواقع پر ان سب ایمان والوں کے سردار و شریف اور امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اصحاب رسول میں سے ہی ایک کو ڈانٹا گیا ہے (ماسوا) حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کے کہ انہیں کسی اَمر میں نہیں ڈانٹا گیا۔ یاد رہے کہ یہ اثر بالکل واہی ہے۔ اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔

حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ اس کا راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ہے۔ اس کی روایت منکر ہے میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا دوسرا راوی علی بن بذیمہ گو ثقہ ہے۔ پھر بھلا اس کی ایسی روایت جو اس کے اپنے خاص خیالات کی تائید میں ہو کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ یقیناً وہ اس میں ناقابل قبول ٹھہرے گا اس روایت میں یہ جو ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو ماسوا حضرت علیؓ کے ڈانٹا گیا۔ اس سے مراد ان کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کا پہلے حکم دیا تھا۔ پس ایک سے زیادہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس پر عمل صرف علیؓ ہی نے کیا اور پھر یہ فرمان: ﴿ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا......﴾ لیکن یہ غلط ہے کہ اس آیت میں صحابہ کو ڈانٹا گیا۔ بلکہ دراصل یہ حکم بطور وجوب کے تھا ہی نہیں۔ اختیاری امر تھا

پھر اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا۔ پس حقیقتاً کسی سے اس کا خلاف سرزد ہی نہیں ہوا پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی بات پر ڈانٹا نہیں گیا ہے۔ سورہ انفال کی آیت ملاحظہ ہو جس میں ان تمام صحابہ کو ڈانٹا گیا ہے جنہوں نے بدری قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ دراصل سوائے حضرت عمر بن خطابؓ کے باقی تمام صحابہ کا مشورہ یہی تھا۔ پس یہ ڈانٹ حضرت عمرؓ کے باقی سب کو ہے جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔ پس یہ تمام باتیں اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ یہ اثر بالکل غلط اور ضعیف ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے حضرت محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں: جو کتاب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انہیں نجران بھیجا گیا تھا۔ اس کتاب کو میں نے ابوبکر بن حزم کے پاس دیکھا تھا اور اسے پڑھا تھا۔ اس میں خدا اور رسول ﷺ کے بہت سے احکام تھے۔ اس میں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ تک لکھا ہوا تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن حزمؓ کے پوتے حضرت ابوبکر بن محمد نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی یہ کتاب ہے جسے آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھ کر دی تھی۔ جبکہ انہیں یمن والوں کو دینی سمجھ اور حدیث سکھانے کے لیے اور ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا۔ اس وقت یہ کتاب لکھ کر دی تھی۔ اس میں عہد و پیان اور احکام کا بیان ہے۔ اس میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کے بعد لکھا ہے۔ یہ کتاب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اے ایمان والو وعدہ کو اور عہد و پیان کو پورا کرو۔ یہ عہد ہے رسول اللہ ﷺ کی طرف عمرو بن حزم کے لئے جبکہ انہیں یمن بھیجا۔ انہیں اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور جو احسان، خلوص اور نیکی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں عقود سے مراد عہد ہے۔ ابن جریر اس پر اجماع بتلاتے ہیں، خواہ قسمیہ عہد و پیان ہو یا وعدے ہوں سب کو پورا کرنا فرض ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ عہد کو پورا کرنے میں اللہ کے حلال کو حلال جاننا، اس کے حرام کو حرام جاننا، اس کے فرائض کی پابندی کرنا، اس کے حدود کی نگہداشت کرنا بھی ہے۔ کسی بات کا خلاف نہ کرو۔ کسی حد کو نہ توڑو کسی حرام کام کو نہ کرو۔ اس پر سختی بہت ہے۔ پڑھو آیت: ﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ﴾ کو ﴿سُوْٓءُ الدَّارِ﴾ تک۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مراد یہ ہے کہ خدا کے حلال کو، اس کے حرام کو، اس کے وعدوں کو جو ایمان کے بعد ہر مومن کے ذمہ آجاتے ہیں پورا کرنا، اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ فرائض کی پابندی حلال حرام کی عقیدت مندی وغیرہ وغیرہ۔ حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں یہ چھ عہد ہیں: (۱) اللہ کا عہد (۲) آپس کی یگانگت کا قسمیہ عہد (۳) شرکت کا عہد (۴) تجارت کا عہد (۵) نکاح کا عہد (۶) قسمیہ وعدہ۔ محمد بن کعب کہتے ہیں پانچ ہیں جن میں جاہلیت کے زمانہ کی قسمیں ہیں اور شرکت تجارت کے عہد و پیان ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت پوری ہو چکنے کے بعد گو اب تک خریدار اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں، تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں۔ وہ اپنی دلیل اس آیت کو بتلاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

لیکن امام شافعیؒ اور امام احمد اس کے خلاف ہیں اور جمہور علما بھی اس کے مخالف ہیں اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خرید و فروخت کرنے والے کو سودے کے واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہو جائیں۔ صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ

جب دو شخصوں نے خرید وفروخت کر لی تو ان میں سے ہی ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے۔ یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید وفروخت پورے ہونے کے بعد کا ہے۔ ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے۔ پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔

پھر فرمایا گیا مویشی چوپائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں یعنی اونٹ گائے بکری۔ ابوالحسن قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں عرب میں ان کی لغت کے مطابق یہی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت سے بزرگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے گو وہ مردہ نکلے پھر بھی حلال ہے۔ ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ صحابہ نے حضور ﷺ سے دریافت کی کہ اونٹنی' گائے' بکری ذبح کی جاتی ہے ان کے پیٹ میں سے بچہ نکلتا ہے تو ہم اسے کھالیں یا پھینک دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو کھالو۔ اس کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں پیٹ کے اندر والے بچہ کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔

پھر فرمایا مگر وہ جن کا بیان تمہارے سامنے کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مطلب مردار' خون اور خنزیر کا گوشت ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مراد اس سے از خود مرا ہوا جانور اور وہ جانور ہے۔ جس کے ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ پورا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ﴾ (المائدہ:۳) یعنی تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز جو خدا کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر لگنے سے مر جائے اور جسے درندہ کھانے لگے پس یہ بھی گو مویشی چوپایوں میں سے ہیں لیکن ان وجوہ سے وہ حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور پھر جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے۔ وہ بھی حرام ہے اور ایسا حرام ہے کہ اس میں سے حلال کوئی چیز نہیں۔ اسی لئے استدراک نہیں کیا گیا اور حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد ملایا نہیں گیا پس یہاں بھی یہی فرمایا جا رہا ہے کہ چوپائے مویشی تم پر حلال ہیں۔ گو وہ جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ جو بعض احوال میں حرام ہیں اس کے بعد کا جملہ مالیت کی بنا پر منصوب ہے مراد انعام سے عام ہے۔ بعض تو وہ جو انسانوں میں رہتے پلتے ہیں۔ جیسے اونٹ' گائے' بکری اور بعض وہ جنگلی ہیں جیسے ہرن' نیل گائے اور جنگلی گدھے پس پالتو جانوروں سے تو ان کو مخصوص کر لیا۔ جو بیان ہوئے اور وحشی جانوروں میں سے احرام کی حالت میں کسی کو بھی شکار کرنا ممنوع قرار دیا۔ یہ بھی کیا گیا ہے کہ مراد یہ ہے ہم نے تمہارے لئے چوپائے جانور ہر حالت میں حلال کئے ہیں۔ پس تم احرام کی حالت میں شکار کھیلنے سے رک جاؤ اور اسے حرام جانو کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے اور اس کے تمام احکام سراسر حکمت سے پر ہیں۔ اسی طرح اس کی ہر ممانعت میں بھی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ حکم فرماتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

ایماندارو! رب کے نشانوں کی توہین نہ کرو۔ یعنی مناسک حج صفا' مروہ' قربانی کے جانور اونٹ اور خدا کی حرام کردہ ہر چیز حرمت والے مہینوں کی توہین نہ کرو' ان کا ادب کرو' ان کا لحاظ ان کی تعظیم کو مانو اور ان میں خصوصیت کے ساتھ خدا کی نافرمانیوں سے بچو اور اب مبارک اور محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیڑو جیسے ارشاد ہے۔

وہ مہینے جن میں جنگ حرام ہے☆

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ﴾ (البقرہ: ۲۱۷) اے نبی ﷺ لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں، تم ان سے کہو کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے اور آیت میں ہے مہینوں کی گنتی خدا کے نزدیک بارہ کی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا: زمانہ گھوم کر ٹھیک اسی طرز پر آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے۔ جن میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں۔ تین تو پے در پے ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جسے قبیلہ مضر رجب کہتا ہے جو جمادی الآخری اور شعبان کے درمیان ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت تا قیامت ہے۔ جیسے کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ بھی نقل ہے کہ ان مہینوں میں لڑائی کرنا جائز نہ کر لیا کرو۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنانِ اسلام سے جہاد کی ابتدا کرنا جائز ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ﴾ (التوبہ: ۵) جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور مراد یہاں ان چار مہینوں کا گزر جانا ہے۔ جب وہ چار مہینے گزر چکیں جو اس وقت تھے۔ تو اب ان کے برابر جہاد جاری ہے اور قرآن نے پھر کوئی مہینہ خاص نہیں کیا۔ امام ابوجعفر تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد کرنا ہر وقت اور ہر مہینے میں جاری ہی رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر کوئی کافر حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے۔ تاہم اس کے لئے امن وامان نہ سمجھی جائے گی۔ اگر مسلمانوں نے از خود اس سے پہلے اسے امن نہ دیا ہو۔ اس مسئلہ کی پوری بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔

پھر فرمایا کہ ھَدْی اور قَلَآئِدْ کی بے حرمتی بھی مت کرو۔ یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجنے سے باز نہ رہو۔ کیونکہ اس میں خدا کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لئے جو اونٹ بیت الحرام کی طرف بھیجو ان کے گلے میں بطور نشان پٹہ ڈالنے سے بھی نہ رکو تا کہ اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے کہ یہ جانور فی اللہ اور راہ اللہ ہو چکا ہے اب اسے کوئی برائی سے ہاتھ نہیں لگائے گا بلکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہوگا کہ تم بھی اس طرح خدا کے نام جانور بھیجیں اور اس صورت میں تمہیں اس کی نیکی پر بھی اُجر ملے گا۔ کیونکہ جو شخص ہدایت کی طرف دوسروں کو بلائے اسے بھی وہ اجر ملے گا جو اس کی بات مان کی اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کم کر کے اسے نہیں دے گا بلکہ اسے اپنے پاس سے عطا فرمائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کے لئے نکلے تو آپؐ نے وادی عقیق میں یعنی ذوالحلیفہ میں رات گزاری۔ صبح اپنی نو بیویوں کے پاس گئے پھر غسل کر کے خوشبو ملی اور دو رکعت ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کی کوہان پر نشان کیا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا۔ قربانی کے لئے آپ ﷺ نے بہت خوش رنگ مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اپنے ساتھ لئے تھے جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے: جو شخص خدا کے احکام کی تعظیم کرے اس کا دل تقویٰ والا ہے۔ بعض سلف کا فرمان ہے کہ تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا پلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں۔ (رواہ اہل السنن) مقاتل بن حبانؒ فرماتے ہیں: جاہلیت کے زمانہ میں جب یہ لوگ اپنے وطن سے نکلتے تھے اور

حرمت والے مہینے نہیں ہوتے تھے تو یہ اپنے اوپر بالوں کو لپیٹ لیتے تھے اور حرم میں رہنے والے مشرک لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں اپنے جسم پر باندھ لیتے تھے۔ اس سے عام لوگ انہیں امن دیتے تھے اور ان کو مارتے پیٹتے نہ تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت حضرت مجاہد مروی ہے کہ اس سورت کی دو آیتیں منسوخ ہیں۔ آیت قلائد اور یہ آیت: ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ (المائدہ:۴۲) لیکن حضرت حسنؒ سے جب دریافت کیا گیا کہ اس سورت میں سے کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ وہ لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں لٹکایا کرتے تھے اور اس سے امن ملتا تھا پس اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنا منع فرمادیا۔ پھر فرماتا ہے جو لوگ بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہوں ان سے لڑائی مت لڑو۔ یہاں جو آئے وہ امن میں پہنچ گیا۔ پس جو اس کے قصد سے چلا ہے اس کی نیت خدا کے فضل کی تلاش اور اس کی رضامندی کی جستجو ہے تو اب اسے ڈر خوف میں نہ رکھو اس کی عزت اور ادب کرو اور اسے بیت اللہ سے نہ روکو۔ بعض کا قول ہے کہ خدا کا فضل تلاش کرنے سے مراد بیوپار تجارت ہے جیسے اس آیت میں ہے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (البقرہ:۱۹۸) یعنی زمانہ حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ رضوان سے مراد حج کرتے میں خدا کی مرضی تلاش کرنا ہے۔ ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں یہ آیت حطیم بن مندبکری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا ڈالا تھا۔ پھر اگلے سال یہ عمرے کے ارادے سے آرہا تھا تو بعض صحابہ کا ارادہ ہوا کہ اسے راستے میں روکیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابن جریرؒ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو مشرک مسلمانوں کی امان لئے ہوئے نہ ہو تو گو وہ بیت اللہ شریف کے ارادے سے جارہا ہو یا بیت المقدس کے ارادے سے اسے قتل کرنا جائز ہے۔ یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے واللہ اعلم۔

ہاں جو شخص الحاد پھیلانے کے لئے جارہا ہو اور شرک و کفر کے ارادے سے قصد کرتا ہو تو وہ تو روکا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے مومن مشرک سب حج کیا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کی ممانعت تھے کہ کسی مومن کافر کو نہ روکو۔ لیکن اس کے بعد یہ آیت اتری کہ ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (التوبۃ:۲۸) یعنی مشرکین سراسر نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں اور فرمان ہے: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ:۱۷) یعنی مشرکین اللہ کی مسجدوں کو آباد رکھنے کے ہرگز اہل نہیں اور فرمان ہے: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (التوبۃ:۱۸) یعنی خدا کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں پس مشرکین مسجدوں سے روک دیئے گئے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں آیت ﴿وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ منسوخ ہے جاہلیت کے زمانہ میں جب کوئی شخص اپنے گھر سے حج کے ارادے سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ باندھ لیتا تو راستے میں اسے کوئی نہ ستاتا۔ پھر لوٹتے وقت بالوں کا ہار ڈال لیتا اور محفوظ رہتا۔ اس وقت تک مشرکین بیت اللہ سے روکے نہ جاتے تھے۔ تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں نہ لڑیں اور نہ بیت اللہ کے پاس لڑیں۔ پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا۔ کہ مشرکین سے لڑو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔ ابن جریر کا قول ہے کہ قلائد سے مراد یہی ہے جو ہار وہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اس کی وجہ سے امن میں رہتے تھے۔ عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آرہی تھی اور جو اس کا خلاف کرتا تھا اُسے بہت برا کہا جاتا تھا اور شاعر اس کی ہجو کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے جب تم احرام کھول ڈالو

تو شکار کر سکتے ہو۔ احرام میں شکار کی ممانعت تھی۔ اب احرام کے بعد پھر اس کی اباحت ہو گئی۔

ایک اصول ☆

جو علم ممانعت کے بعد ہو اس حکم سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ممانعت کے پہلے اصل میں تھا۔ یعنی اگر وجوب اصلی تھا تو ممانعت کے بعد کا اَمر بھی وجوب کے لئے ہو گا اور اسی طرح مستحب و مباح۔ گو بعضوں نے کہا ہے کہ ایسا امر وجوب کے لئے ہی ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے صرف مباح ہونے کے لئے ہی ہوتا ہے لیکن دونوں جماعتوں کے خلاف قرآن کی آیتیں موجود ہیں۔ پس صحیح مذہب جس سے تمام دلیلیں مل جائیں وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور بعض علمائے اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

عدل کا حکم ☆

پھر فرماتا ہے جس قوم نے تجھے حدیبیہ والے سال مسجد حرام سے روکا تھا تو تم ان سے دشمنی باندھ کر قصاص پر آمادہ ہو کر خدا کے حکم کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ظلم و زیادتی پر نہ اتر آنا۔ بلکہ کسی وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اسی طرح کی وہ آیت بھی ہے جس میں فرمایا ہے تمہیں کسی قوم کی عداوت خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو' عدل ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ کوئی تجھ سے تیرے بارے میں خدا کی نافرمانی کرے۔ لیکن تجھے چاہئے کہ تو اس کے بارے میں خدا کی فرمانبرداری ہی کر۔ عدل ہی کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو جب کہ مشرکین نے بیت اللہ کی زیارت سے روکا اور حدیبیہ سے آگے بڑھنے ہی نہ دیا۔ اسی رنج و غم میں صحابہ واپس آ رہے تھے جو بعض مشرک مکہ جاتے ہوئے انہیں ملے تو ان کا ارادہ ہوا کہ جیسے ان کے گروہوں نے ہمیں روکا' ہم بھی انہیں اُن تک نہ جانے دیں اس پر یہ آیت اتری۔ شَنَاٰنُ کے معنی بغض کے ہیں۔

بعض عرب اسے شَنَآنُ بھی کہتے ہیں لیکن کسی قاری سے یہ قراءت روایت نہیں ہے۔ ہاں عربی شعروں میں شَنْئَانُ بھی آیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی تائید کرنے کو فرماتا ہے بِرّ کہتے ہیں نیکیوں کے کرنے کو اور تقویٰ کہتے ہیں برائیوں کے چھوڑنے کو اور انہیں منع فرماتا ہے گناہوں اور حرام کاموں پر کسی کی مدد کرنے سے۔ ابن جریر فرماتے ہیں جس کام کے کرنے کا خدا کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے' یہ اثم ہے اور دین میں جو حدیں خدا نے مقرر کر دی ہیں جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں جناب باری نے مقرر فرمائے ہیں' ان سے آگے نکل جانا عدوان ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کرنا ٹھیک ہے۔ لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں؟ فرمایا اسے ظلم نہ کرنے دو۔ ظلم سے روک لو یہی اس وقت کی مدد ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے وہ اُس مسلمان سے بڑے اجر والا ہے جو نہ لوگوں سے ملے جلے' نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے[1]۔

مسند بزار میں ہے: ﴿اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ﴾ یعنی جو شخص کسی بھلی بات کی کسی دوسرے کو ہدایت کرے۔ وہ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ گوشہ نشینی سے بہتر مسلمانوں کے ساتھ اوقات گزارنا' ان کو تبلیغ کرنا' اسلام کی اشاعت اور اللہ کے رسول (ﷺ) کا پیغام پہنچانا ہے اور اگر اس راہ میں تکالیف بھی پیش آئیں تو ان کو سہنا مزید اجر کا باعث ہوتا ہے۔

اس بھلائی کے کرنے والے جیسا ہی ہے امام ابوبکر بزار اسے بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کی شاید یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے اسے ان تمام کے برابر ثواب ملے گا جو قیامت تک آئیں اور اس کی تابعداری کریں لیکن ان کے ثواب میں گھٹا کر نہیں اور جو شخص کسی برائی کی طرف بلائے تو قیامت جتنے لوگ اس برائی کو کریں گے ان سب کو جو گناہ ہوگا۔ وہ سارا اس اکیلے کو ہوگا۔ لیکن ان کے گناہ گھٹا کر نہیں۔ طبرانی میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تا کہ اس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ یقیناً دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے[1]۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳﴾

تم پر حرام کئے گئے مردار اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو اور گلا گھونٹنے سے مر گیا ہو اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور اور جو کسی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ ہیں۔ آج کے دن ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں ○

بعض حرام اشیاء ☆

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ وہ اشیاء بیان فرما رہا ہے۔ جن کا کھانا اس نے حرام کیا ہے یہ الفاظ ان چیزوں کے نہ کھانے

[1] یہ حکم تہدید کے لئے ہے جیسا کہ: من ترك الصلوة متعمد افقد كفر۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان سے ظالم کی اعانت ممکن ہی نہیں اور جو کرتا ہے وہ اسلام کے مزاج کے خلاف کرتا ہے۔

کے حکم کو شامل ہیں۔ مَیْتَۃُ: وہ از خود اپنے آپ مرجائے نہ تو اسے ذبح کیا جائے نہ شکار کیا جائے۔ اس کا کھانا اس لئے حرام کیا گیا کہ وہ خون جو مضر ہے اسی میں رہ جاتا ہے۔ ذبح کرنے سے بہہ جاتا ہے اور یہ خون دین اور بدن کو مضر ہے۔ ہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار حرام ہے۔ مگر مچھلی نہیں۔ کیونکہ موطا مالک' مسند شافعی' مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے اور اسی طرح ٹڈی بھی۔ گو خود ہی مرگئی ہو' حلال ہے۔ اس کے جواز کی حدیث آرہی ہے۔ دم سے مراد دمِ مسفوح یعنی وہ خون جو بوقت ذبح بہتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ آیا تلی کھا سکتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں: ہاں! لوگوں نے کہا: وہ تو خون ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! صرف وہ خون حرام ہے جو بوقت ذبح بہتا ہے۔ حضرت عائشہ بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہا ہوا خون حرام ہے۔ امام شافعیؒ نے حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہمارے لئے دو قسم کے مردے ہیں اور دو خون حلال کئے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی' کلیجی اور تلی۔ یہ حدیث مسند احمد' ابن ماجہ' دارقطنی اور بیہقی میں بھی بروایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ موجود ہے اور یہ ضعیف ہیں۔ حافظ بیہقی فرماتے ہیں عبدالرحمٰن کے ساتھ ہی اسے اسمٰعیل بن ادریس اور عبداللہ بھی روایت کرتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں بھی ضعیف ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ضعف میں کمی بیشی ہے۔ سلیمان بن بلال نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہ ہیں بھی ثقہ لیکن اس روایت کو بعضوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف رکھا ہے۔

حافظ ابوزرعہ فرماتے ہیں زیادہ اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت صدی بن عجلان سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی طرف بھیجا کہ انہیں خدا اور رسول ﷺ کی طرف بلاؤں اور احکام اسلام ان کے سامنے پیش کروں۔ میں وہاں پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔ اتفاقاً ایک روز وہ ایک پیالہ خون کا بھر کر میرے سامنے آبیٹھے اور حلقہ باندھ کر کھانے کے ارادے سے بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے آؤ صدی تم بھی کھالو۔ میں نے کہا تم غضب کررہے ہو میں تو ان کے پاس سے آرہا ہوں' جو اس کا کھانا تم سب پر حرام کرتے ہیں تب جو وہ سب کے سب میری طرف متوجہ ہوگئے اور کہا پوری بات کہو تو میں نے یہی آیت: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ پڑھ کر سنادی۔ یہ روایت ابن مردویہ میں بھی ہے۔ اس میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میں وہاں بہت دنوں تک رہا اور انہیں پیغام اسلام پہنچاتا رہا لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ ایک دن جب کہ مجھے سخت پیاس لگی اور پانی بالکل نہ ملا تو میں نے ان سے پانی مانگا اور کہا کہ پیاس کے مارے میرا برا حال ہے۔ تھوڑا سا پانی پلادو لیکن کسی نے پانی نہ دیا۔ بلکہ کہا ہم تو تجھے یونہی پیاسا ہی تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے۔ میں غمناک ہوکر دھوپ میں تپتے ہوئے انگاروں جیسے سنگریزوں پر اپنا کھردرا کمبل منہ پر ڈال کر اسی سخت گرمی میں میدان میں پڑا رہا۔ تو اتفاقاً میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہترین جام لئے ہوئے اور اس میں بہترین خوش ذائقہ مزیدار پینے کی چیز لئے ہوئے میرے پاس آیا اور جام میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے خوب پیٹ بھر کر اس میں سے پیا۔ وہیں آنکھ کھل گئی تو خدا کی قسم مجھے مطلق پیاس نہ تھی بلکہ اس کے بعد سے لے کر آج تک مجھے کبھی پیاس کی تکلیف ہی نہ ہوئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پیاس ہی نہیں لگی نہ لوگ میرے جاگنے کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ آخر تو یہ تمہاری قوم کا سردار ہے۔ تمہارا مہمان آیا ہے۔ اتنی بے رُخی بھی ٹھیک نہیں کہ ایک گھونٹ پانی بھی اسے نہ دیں۔ چنانچہ اب یہ لوگ میرے پاس کچھ لے آئے۔ میں نے کہا اب تو

مجھے کوئی حاجت نہیں مجھے میرے رب نے کھلا پلا دیا یہ کہہ کر میں نے انہیں اپنا بھرا ہوا پیٹ دکھا دیا۔ اس کرامت کو دیکھ کر وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اعشی نے اپنے قصیدے میں کیا ہی خوب کہا ہے کہ مردار کے قریب بھی نہ ہو اور کسی جانور کی رگ کاٹ کر خون نکال کر نہ پی اور پرستش گاہوں پر چڑھا ہوا نہ کھا اور خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کر صرف خدا ہی کی عبادت کر ﴿لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ حرام ہے خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو۔ لفظ لحم شامل ہے اس کے تمام اجزا کو جس میں چربی بھی داخل ہے۔ پس ظاہریہ کی طرح تکلفات کرنے کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ دوسری آیت میں سے ﴿فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ (الانعام:۱۴۵) لے کر ضمیر کا مرجع خنزیر کو بتلاتے ہیں تاکہ اس کے تمام اجزا حرمت میں آ جائیں۔ درحقیقت یہ لغت سے بعید ہے۔ مضاف الیہ کی طرف ایسے موقعوں پر ضمیر پھرتی ہی نہیں۔ صرف مضاف ہی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے۔ صاف ظاہر بات یہی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزا کو لغت عرب کا مفہوم اور عام عرف یہی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت و خون میں رنگنے والا ہے۔ خیال کیجئے کہ صرف چھونا بھی شرعاً کس قدر نفرت کے قابل ہے پھر کھانے کے بے حد برا ہونے میں کیا شک رہا؟ اس میں دلالت ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزا کو خواہ وہ چربی ہو خواہ اور۔ صحیحین میں ہے نبیؐ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے شراب اور مدار اور خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت کر دی ہے۔ تو پوچھا گیا کہ یا رسول اللہؐ مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہے' وہ کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے' کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور چراغ جلانے کے کام بھی آتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں نہیں! وہ حرام ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابوسفیان نے ہرقل سے کہا وہ (نبی) ہمیں مردار اور خون سے روکتا ہے وہ جانور بھی حرام ہے جس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر فرض کر دیا ہے کہ وہ اسی کا نام لے کر جانور کو ذبح کرے۔ پس اگر کوئی اس سے ہٹ جائے اور اس نام پاک کے بدلے کسی بت وغیرہ کا نام لے۔ خواہ وہ مخلوق وغیرہ میں سے کوئی بھی ہو تو یقیناً وہ جانور بالاجماع حرام ہو جائے گا۔ ہاں جس جانور کے ذبیحہ کے وقت بسم اللہ کہنا رہ جائے' خواہ جان بوجھ کر خواہ بھولے چوکے سے' وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے' جس کا بیان سورہ انعام میں ہے حضرت ابوالطفیلؒ فرماتے ہیں' حضرت آدمؑ کے وقت سے لے کر آج تک یہ چاروں چیزیں حرام رہیں۔ کسی وقت ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہوئی: (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) اور خدا کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔ البتہ بنو اسرائیل کے گنہگاروں کے گناہ کی وجہ سے بعض غیر حرام چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے ذریعے دوبارہ حلال کر دی گئیں۔ لیکن بنی اسرائیل نے آپ کو سچا نہ مانا اور آپ کی مخالفت کی (ابن ابی حاتم) یہ اثر غریب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفے کے حاکم تھے اس وقت ابن نائل نامی قبیلہ بنو رباح کا ایک شخص جو شاعر تھا' فرزدق کے دادا غالب سے مقابل ہوا اور یہی طے ہوا کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سو اونٹوں کو چیر کاٹیں گے[1]۔ چنانچہ کوفے کی پشت پر پانی کی جگہ یہ آئے اور جب یہاں انکے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے اور اونٹوں کی کونچیں کاٹنی شروع کیں

[1] کونچیں کاٹنے کی وجہ سے جانور اتنی جلدی نہیں مرتا جتنا کہ شہ رگ کاٹنے سے اور مقصد محض بہادری دکھانا تھا۔ ایسے ہی جانور کے پچھلے پاؤں میں کچھ رگیں ہوتی ہیں اگر ان کو کاٹ دیا جائے تو جسم کا تمام خون نکل جاتا ہے اور جانور ہلاک ہو جاتا ہے۔ گاؤں میں رہنے والوں نے اکثر مشاہدہ کیا ہوگا کہ جو لوگ کام کاج کے لئے خچر یا گھوڑے پالتے ہیں اگر ان کے پاؤں پر کوئی زخم آ جائے اور اس پر مرہم نہ لگایا جائے تو اندھیرا چھاتے ہی چمگادڑ آ کر ان کا خون چوسنے لگ جاتی ہیں اور اگر اس زخم کو ایک دو دن یونہی رہنے دیا جائے تو وہ جانور کو ادھ موا کر ڈالتی ہیں۔ (حافظ)

اور فخر وریا کاری کے لئے دونوں اس میں مشغول ہو گئے۔کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لئے آنے لگے۔ اتنے میں جناب علی مرتضیٰؓ رسول کریم ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ لوگو! یہ گوشت نہ کھانا۔ یہ جانور ﴿مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں داخل ہیں۔ (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی غریب ہے۔ ہاں اس کی صحت کی شاید وہ حدیث ہے جو ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کونچیں کاٹنے سے ممانعت فرما دی۔ پھر ابن داؤد نے فرمایا ہے کہ محمد ابن جعفر نے اسے ابن عباسؓ پر وقف کیا ہے ابوداؤد ہی کی اور حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں اشخاص کا کھانا کھانا منع فرما دیا' جو آپس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ اور ریا کاری کرنا چاہتے ہوں۔ ﴿مُنْخَنِقَةُ﴾ جس کا گلا گھٹ جائے۔ خواہ کسی نے عمداً گلا گھونٹ کر' گلا مروڑ کر اسے مار ڈالا ہو۔ خواہ از خود اس کا گلا گھٹ گیا ہو۔ مثلاً اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہے اور بھاگنے لگا۔ پھندا گلے میں آ پڑا اور کھینچ کھچاؤ کرتا ہوا مر گیا تو وہ بھی حرام ہے۔ مَوْقُوْذَةُ وہ ہے' جس جانور کو کسی نے ضرب لگائی۔ لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے' جو دھار دار نہیں اور اسی سے وہ مر گیا تو وہ بھی حرام ہے۔ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور کو لٹھ سے مار ڈالتے پھر کھاتے۔ قرآن نے ایسے جانور کو حرام بتایا۔

صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! میں معراض سے شکار کھیلتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تو اسے پھینکے اور وہ جانور کو زخم لگائے۔ تو کھا سکتا ہے اور اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور لٹھ مارے ہوئے مرنے والے جانور کے حکم میں ہے۔ اسے نہ کھا پس آپ ﷺ نے اس میں جسے دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اور اس میں جسے چوڑائی کی جانب سے لگا ہو' فرق کیا۔ اوّل کو حلال اور دوسرے کو حرام۔ فقہاء کے نزدیک بھی یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ زخم کرنے والی چیز نے شکار کو صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا ہے اس کے بوجھ اور چوڑائی کی طرف سے تو آیا یہ حلال یا حرام ہے؟ امام شافعیؒ کے قول اس دونوں ہیں۔ ایک حرام ہونا اوپر والی حدیث کو سامنے رکھ کر۔ دوسرے حلال ہونا کتے کے شکاری کی حدت کو مدنظر رکھ کر۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو۔

تشریح علمائے کرامؒ کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اسے اپنی مار سے اور بوجھ سے مار ڈالا زخمی نہیں کیا یا اسے اس قدر صدمہ پہنچایا کہ وہ مر گیا اور زخمی نہیں ہوا تو کیا وہ حلال ہے یا نہیں؟ اس میں دو اقوال ہیں' ایک یہ کہ یہ حلال ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں: ﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ (المائدہ:۴) یعنی وہ جانوروں کو روک لیں' تم انہیں کھا سکتے ہو۔ اسی طرح حضرت عدیؓ وغیرہ کی صحیح حدیثیں بھی عام ہی ہیں۔ امام شافعیؒ کے ساتھیوں نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اور متاخرین نے اس کو صحیح کہا ہے جیسے نوویؒ اور رافعیؒ میں کہتا ہوں کہ گویوں کیا جاتا ہے لیکن امام صاحب کے کلام سے صاف طور یہ معلوم نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو اُمّ اور مختصر ان دونوں میں جو کلام ہے وہ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ پس دونوں فریق نے اس کی توجیہ کر کے دونوں جانب علی الاطلاق ایک قول کہہ دیا۔ ہم تو بصد مشکل صرف کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں حلال ہونے کے قول کی حکایت کچھ قدرے قلیل زخم کا ہو بھی ہے۔ گو ان دونوں میں سے کسی کی تصریح نہیں اور نہ کسی کی مضبوطی۔

ابن الصباغ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حلال ہونے کا قول نقل کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ان سے نقل نہیں کیا اور امام

جریر نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرت سلمان فارسی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سعد بن وقاص اور حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔ لیکن یہ بہت غریب ہے اور دراصل ان بزرگوں سے صراحت کے ساتھ یہ اقوال پائے نہیں جاتے۔ یہ صرف اپنا تصرف ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے دونوں قولوں میں سے ایک قول یہ ہے۔ مزنی نے اسے بہت پسند کیا ہے اور ابن صباغ کے قول سے بھی اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے واللہ اعلم اور اسی کو روایت کیا ہے۔ ابو یوسفؒ اور محمد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اور یہی مشہور ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے اور یہی قول ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس لئے کہ اصول قواعد اور احکام شرعی کے مطابق یہی جاری ہے۔ ابن الصباغ نے حضرت رافع بن خدیج کی حدیث سے دلیل پیش کی ہے کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہؐ! ہم کل دشمنوں سے مقابل ہونے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں ہیں۔ تو کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اس کے اوپر اللہ کا ذکر کیا جائے۔ اسے کھا لیا کرو (بخاری ومسلم) یہ حدیث گو ایک خاص موقع کے لئے ہے۔ لیکن حکم عام الفاظ کا ہوگا۔ جیسے کہ جمہور علمائے اصول وفوع کا فرمان ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ شہد کی نبیذ سے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔ پس یہاں سوال ہے شہد کی نبیذ سے لیکن جواب کے الفاظ عام ہیں اور مسئلہ بھی ان سے عام سمجھا گیا۔ اسی طرح اوپر والی حدیث ہے کہ گو سوال ایک خاص صورت سے ذبح کرنے کا ہے لیکن جواب کے الفاظ اسے اور اس کے سوا کی عام صورتوں کو شامل ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک خاص معجزہ ہے کہ الفاظ تھوڑے اور معانی بہت۔ اسے ذہن میں رکھنے کے بعد اب غور کیجئے کہ کتے کے صدمہ سے جو شکار مر جائے یا اس کے بوجھ اور تھپڑ کی وجہ سے اس کا دم نکل جائے ظاہر ہے کہ اس کا خون کسی چیز سے نہیں بہا۔ پس اس حدیث کے مفہوم کی بنا پر وہ حلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو کتے کے شکار کے مسئلہ سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اس لئے کہ سائل نے ذبح کرنے لے ایک آلے کی نسبت سوال کیا تھا۔ ان کا سوال اس چیز کی نسبت نہ تھا جس سے ذبح کیا جائے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دانت اور ناخن کو مستثنیٰ کر لیا اور فرمایا سوائے دانت اور ناخن کے اور میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے سوا کیوں؟ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ منہ پر ہوا کرتی ہے ورنہ متصل نہیں مانا جا سکتا۔

پس ثابت ہوا کہ سوال آلۂ ذبح ہی کا تھا۔ تو اب کوئی دلالت تمہارے پر باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے جملہ کو دیکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر نام خدا بھی لیا گیا ہو اسے کھا لو۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ساتھ ذبح کر لو۔ پس اس جملہ سے دو حکم ایک ساتھ معلوم ہوتے ہیں۔ ذبح کرنے کے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی اور یہ کہ اس جانور کا خون کسی آلہ سے بہانا ضروری ہے جو دانت اور ناخن کے سوا ہو۔ ایک مسلک تو یہ ہے۔ دوسرا مسلک جو مزنی کا ہے۔ وہ یہ کے تیر کے بارے میں صاف لفظ آ چکے کہ وہ اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہے اور جانور مر گیا ہے تو نہ کھاؤ اور اگر اس نے اپنی دھار اور انی سے زخم کیا ہے پھر مرا ہے تو کھا لو اور کتے کے بارے میں علی الاطلاق احکام ہیں۔ پس چونکہ موجب یعنی شکار دونوں جگہ ایک ہی ہے تو مطلق کا حکم بھی مقید پر محمول ہوگا۔ گو سبب جداگانہ ہوں۔ جیسے کہ ظہار کے وقت آزادگی گردن جو مطلق ہے محمول کی جاتی ہے۔ قتل کی آزادگی گردن پر جو مقید ہے ایمان کے ساتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ

ضرورت شکار کے اس مسئلہ میں ہے۔ یہ دلیل ان لوگوں پر یقیناً بہت بڑی حجت ہے جو اس قاعدہ کے اصل کو مانتے ہیں اور چونکہ ان لوگوں میں اس قاعدے کے مسلم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تو ضروری ہے کہ یا تو وہ اسے تسلیم کریں ورنہ کوئی پختہ جواب دیں۔ علاوہ بریں یہ فریق بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس شکار کو کتے نے بوجہ اپنے ثقل کے مار ڈالا ہے اور یہ ثابت ہے کہ تیر جب اپنی چوڑائی سے لگ کر شکار کو مار ڈالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ پس اس پر قیاس کر کے کتے کا یہ شکار بھی حرام ہو گیا۔ دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ اور زور سے شکار کی جان لی ہے اور آیت کا عموم اس کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ عموم پر قیاس مقدم ہے۔ جیسا کہ چاروں اماموں اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔ یہ مسلک بھی بہت اچھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ یعنی شکاری کتے جس جانور کو روک رکھیں اُس کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ عام ہے' شامل ہے اُسے بھی جسے زخمی کیا ہو اور اس کے سوا کو بھی۔ لیکن جس صورت میں بھی اس وقت بحث ہے' وہ یا تو ٹکر لگا ہوا ہے یا اس کے حکم میں یا گلا گھونٹا ہوا ہے یا اس کے حکم میں' بہر صورت اس آیت کی تقدیم ان وجوہ پر ضرور ہو گی۔ اوّلاً تو یہ کہ شارع نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے۔ کیونکہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم سے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا' اگر وہ چوڑائی کی طرف لگا ہے تو وہ لٹھ مارا ہے' اسے نہ کھاؤ یہاں تک ہمارا علم ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ لٹھ سے اور مار سے مرا ہوا شکار کی حالت میں معتبر ہو اور سینگ اور ٹکر لگا معتبر نہ ہو۔ پس جس صورت میں اس وقت بحث چل رہی ہے۔ اس جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنا ہے جسے کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ اکثر علماء اسے ممنوع بتلاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت ﴿فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ﴾ اپنے عموم پر باقی نہیں اور اس پر اجماع ہے بلکہ آیت سے مراد صرف حلال حیوان ہیں تو اس کے عام الفاظ سے وہ حیوان جن کا کھانا حرام ہے بالاتفاق نکل گئے اور یہ قاعدہ ہے کہ عموم محفوظ مقدم ہوتا ہے۔ عموم غیر محفوظ پر ایک تقریر اسی مسئلہ میں اور بھی گوش گزار کر لیجئے کہ اس طرح کا شکار میتہ کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ اس کا خون اور اسکے ردّی رطوبات اسی میں رہے۔ پس جس وجہ سے مردار حرام ہے وہی وجہ یہاں بھی ہے تو یہ بھی اسی قیاس سے حلال نہیں۔ ایک اور وجہ بھی سنئے کہ حرمت کی آیت حُرِّمَتْ بالکل محکم ہے۔ اس میں کسی طرح سے نسخ کا دخل نہیں نہ کوئی تخصیص ہوئی ہے۔ ٹھیک اسی طرح آیت تحلیل بھی محکم ہی ہونی چاہئے یعنی فرمان باری تعالیٰ: ﴿يَسْئَلُونَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے تو کہہ دے کہ تمام طیّب چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ جب دونوں آیتیں محکم اور غیر منسوخ ہیں تو یقیناً ان میں تعارض نہ ہونا چاہئے۔ پس حدیث کو اس کے بیان کے لئے سمجھنا چاہئے اور اسی کی شہادت تیر کا واقعہ ہے۔ جس میں یہ بیان ہے کہ اس میں یہ صورت داخل ہے۔ یعنی جبکہ جانور انی اور دھار دار اور تیزی کی طرف سے زخمی ہو تو وہ حلال ہو گا۔ کیونکہ وہ طیبات میں آ گیا۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بیان آ گیا کہ آیت تحریم میں کونسی صورت داخل ہے۔ یعنی وہ صورت جس میں جانور کی موت تیر کی چوڑائی کی چوٹ سے ہوئی ہے وہ حرام ہو گیا جسے کھایا نہ جائے گا۔ اس لئے کہ وہ وقیذ ہے اور وقیذ آیت تحریم کا ایک فرد ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر شکاری کتے نے جانور کو اپنے دباؤ' زور' بوجھ اور سخت پکڑ کی وجہ سے مار ڈالا ہے تو وہ نطیح ہے یا فطیح ہے۔ یعنی ٹکر اور سینگ لگے ہوئے کے حکم میں ہے اور حلال نہیں۔ ہاں اگر اسے مجروح کیا ہے تو وہ آیت تحصیل کے حکم میں ہے اور یقیناً حلال ہے اس پر اگر یہ

اعتراض کیا جائے کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو کتے کے شکار میں بھی تفصیل کر دی جاتی اور فرما دیا جاتا کہ اگر وہ جانور کو چیرے پھاڑے' زخمی کرے تو حلال اور اگر زخم نہ لگائے تو حرام۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخم کئے قتل کرنا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اس کی عادت یہ نہیں بلکہ عادت تو یہ ہے کہ اپنے پنجوں اور کچلیوں سے ہی شکار کو مارے یا دونوں سے بہت کم کبھی کبھی شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور بوجھ سے شکار کو مار ڈالے۔ اس لئے اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کا حکم بیان کیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب آیت تحریم میں میتة—منخنقة—موقوذة—تردیّة— نطیحة کی حرمت موجود ہے تو اس کے جاننے والے کے سامنے اس قسم کے شکار کا حکم بالکل ظاہر ہے۔ تیر اور معراض میں اس حکم کو اس لئے الگ بیان کیا کہ وہ عموماً خطا کر جاتا ہے۔ بالخصوص اس شخص کے ہاتھ سے جو تیر انداز نہ ہو یا نشانے میں خطا کرتا ہو۔ اس لئے کہ اس کے دونوں حکم تفصیل وار بیان فرما دیئے۔ واللہ اعلم

دیکھئے چونکہ کتے کے شکار میں یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے وہ اپنے کئے ہوئے شکار میں سے کچھ کھالے۔ اس لئے یہ حکم صراحت کے ساتھ الگ بیان فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ اگر وہ خود کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ ممکن اس نے خود اپنے لئے شکار کو روکا ہو۔ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور یہ صورت اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا قول ہے کہ جس شکار کو کتا کھالے اُس کا کھانا حلال نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے۔ حضرت حسنؒ، شعبیؒ اور نخعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اور اسی کی طرف ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دونوں صاحبؒ اور احمد بن حنبلؒ اور مشہور روایت میں شافعیؒ بھی گئے ہیں۔ ان جریرؒ نے اپنی تفسیر میں علی' سعد' سلمان' ابو ہریرہ' ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گو کتے نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہو تا ہم اسے کھالینا جائز ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ اپنے قدیم قول میں اسی طرف گئے ہیں اور قول جدید میں دونوں قولوں کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے امام ابوالمنصور بن صباغ وغیرہ نے کہا ہے۔ ابوداؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنے کتے کو چھوڑو اور خدا کا نام تو نے لے لیا ہو تو کھالے۔ گو اس نے بھی اس میں سے کھالیا ہو اور کھالے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹا لائے۔ نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا' اس نے شکار کو پکڑا اور اس کا کچھ گوشت کھالیا تو اسے اختیار ہے کہ باقی جانور یہ اپنے کھانے کے کام میں لے۔ اس میں اتنی علت ہے کہ یہ موقوفاً حضرت سلمانؓ کے قول سے مروی ہے۔ جمہور نے عدی والی حدیث کو اس پر مقدم کیا ہے اور ابو ثعلبہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف بتلایا ہے۔ بعض علمائے کرام نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب اس نے شکار پکڑا اور دیر تک اپنے مالک کا انتظار کیا جب وہ نہ آیا تو بھوک وغیرہ کے باعث اس نے کچھ کھالیا۔ اس صورت میں یہ حکم ہے کہ باقی کا گوشت مالک کھالے۔ کیونکہ ایسی حالت میں یہ ڈر باقی نہیں رہتا کہ شاید شکاری کتا ابھی سدھا ہوا نہیں ہے۔ ممکن ہے اس نے اپنے لئے شکار کیا ہو۔ بخلاف اس کے کہ کتے نے پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا۔ تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے لئے ہی شکار دبوچا ہے۔ واللہ اعلم

اب رہے شکاری پرند تو امام شافعیؒ نے تو صاف کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں تو اگر یہ شکار میں سے کچھ کھالیں تو شکار کا کھانا جمہور کے نزدیک تو حرام ہے اور دیگر کے نزدیک حلال ہے۔ ہاں! مزنی کا مختار یہ ہے کہ گو شکاری پرندوں نے شکار کا گوشت کھالیا ہو۔ تاہم وہ حرام نہیں۔ یہی مذہب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس لئے پرندے کو کتوں کی طرح مار

83829

پیٹ کر سدھا بھی نہیں سکتے اور وہ تعلیم حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ جب تک اسے کھائے نہیں تو یہاں یہ بات معاف ہے اور اس لئے بھی کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ پرندوں کے بارے میں نہیں۔ شیخ ابو علی افصاح میں فرماتے ہیں: جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے جس میں سے شکاری کتے نے کھا لیا ہو تو جس شکار میں سے شکاری پرند کھالے اس میں دو وجہیں ہیں لیکن قاضی ابوالطیب نے اس فرع کا اور اس ترتیب کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ نے ان دونوں کو صاف لفظوں میں برابر رکھا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

شرح الالفاظ ☆ مُتَرَدِّيَة وہ ہے جو پہاڑی سے گر کر مر جائے یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو۔ وہ جانور بھی حرام ہے۔ ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یہ وہ ہے جو کنوئیں میں گر پڑے۔ نَطِيحَة وہ ہے جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے۔ گو اس سے زخم بھی ہوا ہو اور وہاں سے خون بھی نکلا ہو۔ بلکہ گو ٹھیک ذبح کرنے کی جگہ ہی لگا ہو اور خون بھی نکلا ہو۔ یہ لفظ معنی میں مفعول منطوحہ کے ہے۔ یہ وزن عموماً کلام عرب میں بغیر تے کے نام سے آتا ہے۔ جیسے عَيْنٌ كَحِيلٌ اور كَفٌّ خَضِيبٌ ان مواقع میں كَحِيلَةٌ اور خَضِيبَةٌ کہتے ہیں۔ اس جگہ پر اس لئے لایا گیا ہے کہ یہاں اس لفظ کا استعمال قائم مقام اسم کے ہے۔ جیسے عرب کا یہ کلام طَرِيقَةٌ طَوِيلَةٌ بعض نحوی کہتے ہیں تاء تانیث یہاں اس لئے لایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ ہی تانیث پر دلالت ہو جائے۔ بخلاف کحیل اور خضیب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے معلوم ہوتی ہے۔ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ مراد وہ جانور ہے جس پر شیر یا بھیڑیا یا چیتا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کرے اور اس کا کوئی حصہ کھا جائے اور اس سبب سے وہ مر جائے تو اس جانور کو کھانا بھی حرام ہے۔ اگرچہ اس سے خون بہا ہو بلکہ اگرچہ ذبح کرنے کی جگہ سے ہی خون نکلا ہو۔ تاہم وہ جانور بالا جماع حرام ہے۔ اہل جاہلیت ایسے جانور کا بقیہ کھا لیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اس سے منع فرمایا۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جسے تم ذبح کر لو۔ یعنی گلا گھونٹا ہوا' لٹھ مارا ہوا' اوپر سے گر پڑا ہو' سینگ اور ٹکر لگا ہوا' درندوں کا کھایا ہوا' اگر اس حالت میں تمہیں مل جائے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس پر باقاعدہ نام لے کر چھری پھیر لو۔ تو پھر یہ جانور تمہارے لئے حلال ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیر' حسن اور سدیؒ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے اگر تم ان کو اس حالت میں پا لو کہ چھری پھیرتے ہوئے وہ دُم رگڑیں یا پیر ہلائیں یا دیدے پھرائیں تو بے شک ذبح کر کے کھا لو۔ ابن جریر میں آپ سے مروی ہے کہ جس جانور کو ضرب لگی ہو یا اُوپر سے گر پڑا ہو یا ٹکر لگی ہو اور اس میں روح باقی ہو اور تمہیں وہ ہاتھ پیر رگڑتا مل جائے تو تم اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ حضرت طاؤس' حسن' قتادہ' عبید بن عمیر' ضحاک رحمۃ اللہ علیہم اور بہت سے حضرات سے مروی ہے کہ بوقت ذبح اگر کوئی حرکت بھی اس جانور سے ایسی ظاہر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں حیات ہے تو وہ حلال ہے' جمہور فقہا کا یہی مذہب ہے۔ تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ اس بکری کے بارے میں جسے بھیڑیا پھاڑ ڈالے اور اس کی آنتیں نکل آئیں' فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے۔ اس میں ہے کس چیز کا ذبیحہ ہوگا؟ ایک مرتبہ آپ سے سوال ہوا کہ درندہ اگر حملہ کر کے بکری کی پیٹھ توڑ دے' تو کیا اس بکری کی جان نکلنے سے پہلے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ نے کہا: بالکل آخر تک پہنچ گیا ہے تو میری رائے میں نہ کھانی چاہئے اور اگر اطراف میں ہی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ سائل نے کہا درندے نے اس حملہ کیا اور کود کر اس کو پکڑا جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی

ہے؟ تو آپ نے فرمایا' مجھے اس کا کھانا پسند نہیں ۔ کیونکہ اتنی زبردست چوٹ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی ۔ آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اچھا اگر پیٹ پھاڑ ڈالا اور آنتیں نہیں نکلیں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا میں تو یہ رائے رکھتا ہوں کہ یہ کھائی جائے ۔ یہ ہے امام مالک کا مذہب لیکن چونکہ آیت عام ہے ۔ اس لئے امام صاحبؒ سے جن صورتوں کو مخصوص کیا ہے ان پر کوئی خاص دلیل چاہئے ۔ واللہ اعلم

صحیحین حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور کل ہم دشمن سے لڑائی میں اُلجھنے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں' کیا ہم بانس سے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھالو سوائے دانت اور ناخن کے ۔ یہ اس لئے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں ۔ مسند احمد اور سنن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ذبیحہ صرف حلق اور نرخرے میں ہی ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر تو نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے ۔ یہ حدیث ہے تو سہی ۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ صحیح طور پر ذبح کرنے پر قادر نہ ہوں نُصُبْ پر جو جانور ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے ۔ مجاہد فرماتے ہیں یہ پرستش گاہیں کعبہ کے اردگرد تھیں ۔ ابن جریج فرماتے ہیں یہ تین سو ساٹھ بت تھے جاہلیت کے عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے اور ان میں سے جو بیت اللہ کے بالکل متصل تھا' اس پر ان جانوروں کا خون چھڑکتے تھے اور گوشت کو ان میں بتوں پر بطور چڑھاوے کے چڑھاتے تھے ۔ پس خدا نے یہ کام مؤمنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا ۔ اگرچہ ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ بھی کہی گئی ہو ۔ کیونکہ یہ شرکت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے اور یہی لائق ہے اور اس جملہ سے بھی مطلب یہی ہے ۔ کیونکہ اس سے پہلے ان کی حرمت بیان ہو چکی ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر چڑھائے جاتے ہیں ۔

فال اور اِس کی حرمت ☆

ازلام سے تقسیم کرنا جو حرام ہے وہ یہ ہے جو جاہلیت کے عرب میں دستور تھا ۔ انہوں نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے ۔ ایک پر لکھا ہوا تھا افعل یعنی کر دوسرے پر لکھا ہوا تھا لاتفعل یعنی نہ کر ۔ تیسرا خالی تھا ۔ بعض کہتے ہیں ایک پر لکھا تھا' مجھے میرے ربّ کا حکم ہے ۔ دوسرے پر لکھا تھا مجھے میرے ربّ کی ممانعت ہے ۔ تیسرا خالی تھا اُس پر کچھ لکھا ہوا نہ تھا ۔ وہ لوگ بطور قرعہ اندازی کے کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں جب انہیں تردّد ہوتا تو ان تیروں کو نکالتے ۔ اگر حکم کا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے ۔ اگر ممانعت کا تیر نکلا تو باز رہ جاتے ۔ اگر خالی تیر نکلا تو پھر نئے سرے سے قرعہ اندازی کرتے ۔ ازلام جمع ہے زلم کی اور بعض زلم بھی کہتے ہیں ۔ استقسام کے معنی ان تیروں سے تقسیم کی طلب ہے ۔ قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر کنوئیں پر نصب تھا ۔ جس کنوئیں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع رہا کرتے تھے ۔ اس بت کے پاس سات تیر تھے ۔ جن پر کچھ لکھا ہوا تھا ۔ جس کام میں اختلاف پڑتا یہ قریشی یہاں آ کر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اس پر جو لکھا پاتے اسی کے مطابق عمل کرتے ۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے مجسمے گڑے ہوئے پائے' جن کے ہاتھوں میں تیر تھے ۔ تو آپ نے فرمایا اللہ انہیں غارت کرے ۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی ۔

صحیح حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک بن جعشم جب نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈنے نکلا کہ انہیں پکڑ کر کفار مکہ کے سپرد کر دیں اور آپ اس وقت ہجرت کر کے مکہ سے مدینے کو جا رہے تھے تو اس نے اس طرح قرعہ اندازی کی۔ اس کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ وہ تیر نکلا جو میری مرضی کے خلاف تھا۔ میں نے پھر تیروں کو ملا جلا کر تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا کہ انہیں تو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ میں نے پھر نہ مانا۔ تیسری مرتبہ فال لینے کے لئے تیر نکالا۔ تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا۔ لیکن میں ہمت کر کے ان کا کوئی لحاظ نہ کر کے انعام حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کے لئے آپ کی طلب میں نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت تک سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ یہ حضور ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور پھر بعد میں نے اسے خدا نے اسلام سے مشرف فرما لیا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول ﷺ فرماتے ہیں: وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو پا نہیں سکتا جو کہانت کرے یا تیر اندازی کرے یا کسی بدفالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ عرب ان تیروں کے ذریعے اور فارسی اور رومی پانسوں کے ذریعے جوا کھیلا کرتے تھے۔ جو مسلمانوں پر حرام کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق ہم یوں کہیں کہ تھے تو یہ تیر استخارے کے لئے مگر ان کے ذریعے جوا بھی گاہے گاہے کھیل لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ اسی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جوئے کو بھی حرام کیا ہے اور فرمایا ہے: اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور تیر نجس اور شیطانی کام ہیں۔ تم ان سے الگ رہو تا کہ تمہیں نجات ملے۔ شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ ان کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے اسی طرح یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے۔ اس کام کا کرنا فسق و گمراہی اور جہالت اور شرک ہے۔ اس کے بجائے مؤمنوں کو حکم ہوا کہ جب تمہیں اپنے کسی کام میں تردّد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لو۔

استخارہ ☆

استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کر کے اللہ سے بھلائی طلب کرو۔

مسند احمد بخاری اور سنن میں مروی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے۔ اسی طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم سے کسی کو کوئی اہم کام آ پڑے تو اسے چاہئے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر پھر یہ دعا پڑھے: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَالُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُوَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَااَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَ مْرَخَیْرُ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَتَیْسِرُهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ شَرُّلِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیَ فَاَصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاَصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاقْدِرلِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ۔)) یعنی اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعے بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے بہت بڑے فضل کا طالب ہوں۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں محض مجبور ہوں۔ تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں۔ تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے اور میں محض مجبور ہوں۔ تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں۔ تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے۔ اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا، آغاز و انجام کے اعتبار سے بہتر ہی بہتر ہے تو تُو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور اسے میرے لئے آسان بھی کر دے اور اس میں مجھے ہر

طرح کی برکتیں عطا فرما اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا کی زندگی اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہو تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لئے خیر و برکت جہاں کہیں ہو مقرر کر دے۔ پھر مجھے اسی سے رضامند کر دے۔

دُعا کے یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں هٰذَا الْاَمْرَ جہاں ہے وہاں اپنے کام کا نام لے۔ مثلاً نکاح ہو تو کہے هٰذَا النِّكَاحَ سفر ہو تو هٰذَا السَّفَرَ بیوپار ہو تو هٰذِهِ التِّجَارَةَ وغیرہ۔ بعض روایتوں میں خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ سے اَمْرِيْ تک کے بجائے یہ الفاظ ہیں خَيْرٌ لِّيْ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔ پھر فرمایا آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے۔ یعنی ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں گڈمڈ کر لیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں' ہاں وہ اس کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتا رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہی کہ مشرکین مکہ اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمانوں میں ملے جلے رہیں۔ کیونکہ احکام اسلام نے ان دونوں جماعتوں میں بہت کچھ تفاوت ڈال کیا۔ اسی لئے حکم خداوندی ہو رہا ہے کہ مؤمن صبر کریں۔ ثابت قدم رہیں اور سوا خدا کے کسی سے نہ ڈریں۔ کفار کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کریں۔ خدا ان کی مدد کرے گا اور انہیں اپنے مخالفین پر غلبہ دے گا اور ان کے ضرر سے ان کی محافظت کرے گا اور دُنیا اور آخرت میں انہیں بلند و بالا رکھے گا پھر اپنی زبردست' بہترین' اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ میں تمہارا دین کر طرح اور ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل مکمل کر دیا۔ تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں۔ نہ اس نبی ﷺ کے سوا کسی اور نبی کی طرف تمہاری حاجت ہے۔ خدا نے تمہارے نبی کو خاتم النبیین کیا ہے۔ انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔ حلال وہی ہے' جسے وہ حلال کہیں۔ حرام وہی ہے' جسے وہ حرام کہیں۔ دین وہی ہے جسے وہ مقرر کریں۔ ان کی تمام باتیں حق اور صداقت والی جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور خلاف نہیں جیسے فرمان جاری ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (الانعام: ۱۱۵) یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا' جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم و منع میں عدل ہے۔ دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو بھرپور کرنا ہے۔ چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں۔ اس لئے تم بھی اسی پر راضی رہو۔ یہی دین خدا کا پسندیدہ ہے۔ اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسول ﷺ کو بھیجا ہے اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کامل مکمل کر دیا ہے اور اپنے نبی اور مؤمنوں کو اس کا کامل ہونا خود اپنے کلام میں فرما چکا ہے۔ اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں۔ اسے خدا نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہونے کا۔ اس سے خدا خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں' یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی۔ اس کے بعد حلال حرام کا کوئی حکم نہیں اترا۔ اس حج سے لوٹ کر اللہ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں' اس آخری حج میں حضور ﷺ کے ساتھ میں بھی تھی۔ ہم جا رہے تھے' اتنے میں حضرت جبرئیل کی تجلی ہوئی۔ حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر جھک پڑے۔ وحی اُترنی شروع ہوئی۔ اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ کے رسول (ﷺ) پر اوڑھا دی۔ ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں' اس کے بعد اکیاسی دن تک حضور ﷺ حیات رہے۔ حج اکبر والے دن جب کہ یہ آیت اتری تو حضرت عمرؓ رونے لگے' حضور ﷺ نے سبب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم ابھی اپنے دین کی اور زیادتی کی امید میں تھے۔ اب وہ کامل ہو گیا اور دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد

نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سچ ہے۔ اس معنی کی شہادت اس ثابت شدہ حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اسلام غربت اور انجان پن سے شروع ہوا اور عنقریب پھر غریب انجان ہو جائے گا۔ پس غربا کے لئے خوشخبری ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا' تم جو اس آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ کو پڑھتے ہو۔ اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: بخدا مجھے علم ہے کہ یہ آیت کس وقت اور کس دن نازل ہوئی۔ عرفے کے دن جمعہ کی شام کو نازل ہوئی ہے۔ ہم سب اس وقت میدان عرفہ میں تھے اور تمام سیرت والے اس بات پر متفق ہیں کہ حجۃ الوداع والے سال عرفے کا دن جمعہ کو تھے اور روایت میں ہے کہ حضرت کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ کہا تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا' یہ آیت ہمارے ہاں تو دو عید والے دن نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر بھی یہودیوں نے یہی کہا تھا۔ جس پر آپ نے فرمایا یہ آیت ہمارے ہاں دو عید والے دن نازل ہوئی ہے۔ عید کا دن بھی تھا اور جمعہ کا دن بھی۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن شام کو نازل ہوئی ہے۔ حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں: اس وقت حضور ﷺ موقف میں کھڑے ہوئے تھے۔ ابن عباسؓ سے جو روایت ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے' پیر کے دن مکہ سے نکلے اور پیر کے دن ہی مدینہ میں تشریف لائے۔ یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند غریب ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے۔ پیر کے دن نبی بنائے گئے۔ پیر کے دن ہجرت کے ارادے سے مکہ سے نکلے۔ پیر کے روز ہی مدینے پہنچے اور پیر کے دن ہی فوت کئے گئے۔ حجر اسود بھی پیر ہی کے دن واقع ہوا۔ اس میں سورہ مائدہ کا پیر کے دن نازل ہونا مذکور نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا ہوگا۔ دو عیدوں کے دن یہ آیت نازل ہوئی تو دو کیلئے بھی لفظ اثنیں ہے اور پیر کے دن کو بھی اثنیں کہتے ہیں۔ اس لئے راوی کو شبہ سا ہو گیا۔ واللہ اعلم

دو اقوال اس میں اور بھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دن لوگوں کو نامعلوم ہے۔ دوسرا یہ کہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی ہے۔ جس دن کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا تھا کہ جس کا مولیٰ میں ہوں' اس کا مولیٰ علیؓ ہے۔ تو گویا ذی الحجہ کی اٹھارویں تاریخ ہوئی جبکہ آپ حجۃ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں صحیح نہیں۔ صحیح قول یہی ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن جمعہ کو نازل ہوئی ہے۔ امیر المؤمنین عمر بن خطاب اور امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہما) اور اسلام کے پہلے بادشاہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے یہی روایت ہے اور اسی کو حضرت شعبی' حضرت قتادہ' حضرت شہر وغیرہ ائمہ نے اور علما نے مختار کہا ہے۔ یہی مختار قول ابن جریر اور طبری کا ہے۔ پھر فرماتا ہے: جو شخص ان کو حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کی طرف مجبور بے بس ہو جائے تو وہ ایسے اضطرار کی حالت میں انہیں کام میں لا سکتا ہے۔ اللہ غفور رحیم ہے' وہ جانتا ہے کہ اس بندے نے اس کی حد نہیں توڑی۔ لیکن بے بسی اور ضطرار کی حالت میں اس نے یہ کیا ہے تو خدا اسے معاف فرما دے گا۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنا ایسا بھاتا ہے جیسے اپنی نافرمانی سے رک جانا۔ مسند احمد میں ہے جو شخص خدا کی دی ہوئی رخصت نہ قبول کرے' اس پر عرفات کے پہاڑ کے برابر گناہ ہے۔ اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں مردار کا کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک شخص کی بھوک کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب مرا چاہتا ہے اور کبھی جائز ہو جاتا ہے اور کبھی مباح۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بھوک کے وقت جبکہ حلال چیز میسر نہ ہو تو حرام صرف اتنا ہی

کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے یا پیٹ بھر سکتا ہے۔ بلکہ ساتھ ہی رکھ سکتا ہے۔ یہ تفصیل احکام کی کتب میں ذکر ہوگی۔ اس مسئلہ میں کہ جب بھوکا شخص جس کے اوپر اضطرار کی حالت ہے' مردار اور دوسرے کا کھانا اور حالت احرام میں شکار' تینوں چیزیں موجود پائے تو کیا وہ مردار کھا لے یا حالت احرام میں ہونے کے باوجود شکار کرے اور اپنی آسانی میں اُس کی جزا یعنی فدیہ ادا کر دے یا دوسرے کی چیز بلا اجازت کھا لے اور اپنی آسانی کے وقت اسے واپس کر دے۔ اس میں دو اقوال ہیں۔ امام شافعی سے دونوں منقول ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردار کھانے کی یہ شرط جو عوام میں مشہور ہے کہ جب تین دن کا فاقہ ہو جائے تو حلال ہوتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ جب اضطرار بے قراری اور مجبوری کی حالت میں ہو تو اس کے لئے مردار کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایسی جگہ رہتے ہیں کہ جب ہمیں فقر و فاقہ کی نوبت آ جاتی ہے تو ہمارے لئے مردار کھا لینا کب جائز ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب صبح و شام کھانا نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے' تو تمہیں اختیار ہے۔ اس حدیث کی ایک سند میں ارسال بھی ہے۔ لیکن مسند والی مرفوع حدیث کی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے۔

ابن عون فرماتے ہیں: حضرت حسن کے پاس حضرت سمرہ کی کتاب تھے۔ جس کو میں ان کے ساتھ پڑھتا تھا۔ اس میں یہ بھی تھا کہ صبح شام نہ ملنا اضطرار ہے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ حرام کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک کہ تو اپنے بچوں کو دودھ سے شکم سیر نہ کر سکے اور جب تک کہ ان کا سامان نہ آ جائے۔ ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے حلال و حرام کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ کل پاکیزہ چیزیں حلال اور کل خبیث چیزیں حرام۔ ہاں جب کہ ان کی طرف محتاج ہو جائے تو انہیں کھا سکتا ہے۔ جب تک کہ تو ان سے غنی نہ ہو جائے۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ وہ محتاجی کونسی ہے؟ جس میں میرے لئے وہ حرام چیز حلال ہو جائے۔ وہ غنی ہونا کونسا ہے۔ جس سے مجھے ان سے رک جانا چاہئے۔ فرمایا: جب کہ تو صرف رات کو اپنے بال بچوں کو دودھ سے آسودہ کر سکتا ہے تو تو حرام چیز سے پرہیز کر۔

ابو داؤد میں ہے کہ حضرت نجیع عامریؓ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے لئے مردار کا کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کھانے کو کیا ملتا ہے؟ اس نے کہا صبح کو صرف ایک پیالہ دودھ اور شام کو بھی صرف ایک پیالہ دودھ۔ آپ ﷺ نے کہا: یہی ہے اور کونسی بھوک ہوگی؟ پس اس حالت میں آپ ﷺ نے انہیں مردار کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ کا انہیں ناکافی تھا۔ بھوک باقی رہتی تھی۔ اس لئے ان پر مردار حلال کر دیا گیا تاکہ وہ پیٹ بھر لیا کریں۔ اسی کو دلیل بنا کر بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کو پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے۔ صرف جان بچ جائے' اتنا ہی کھانا جائز ہے' یہ قید ٹھیک نہیں' واللہ اعلم۔ ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مع اہل و عیال آیا اور حرہ میں ٹھہرا' کسی صاحب کی اونٹنی گم ہو گئی تھے۔ اس نے ان سے کہا اگر میری اونٹنی تمہیں مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ اتفاق سے یہ اونٹنی انہیں مل گئی۔ اب یہ اس کے مالک کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن وہ نہ ملا اور اونٹنی بیمار پڑ گئی تو اس شخص کی بیوی صاحبہ نے کہا کہ ہم بھوکے رہا کرتے ہیں تم اسے ذبح کر ڈالو۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ آخر اونٹنی مر گئی تو پھر بیوی صاحبہ نے کہا: اب اس کی کھال کھینچ لو اور اس کے گوشت اور چربی کے ٹکڑے کر کے سکھا لو۔ ہم بچوں کے کام آ جائے گا۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں تو یہ بھی نہیں کروں گا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اجازت دے دیں تو اور بات ہے۔ چنانچہ حاضر حضور ﷺ ہو کر اس نے تمام قصہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ اور کھانے کو ہے جو تمہیں کافی ہو؟

جواب دیا کہ نہیں' آپ ﷺ نے فرمایا: پھرتم کھا سکتے ہو۔ اسکے بعد اونٹنی والے سے ملاقات ہوئی اور جب اسے علم ہوا تو اس نے کہا پھرتم نے اسے ذبح کر کے کھا کیوں نہ لیا؟ اس بزرگ صحابیؓ نے جواب دیا کہ شرم معلوم ہوئی ۔ یہ حدیث دلیل ہے۔ ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ بوقت اضطرار مردار کا پیٹ بھر کر کھانا بلکہ اپنی حاجت کے مطابق پاس رکھ لینا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

پھر ارشاد ہوا کہ یہ حرام بوقت اضطرار اس کے لئے مباح ہے جو کسی گناہ کی طرف میلان نہ رکھتا ہو۔ اس کے لئے اسے مباح کر کے دوسرے سے خاموشی ہے۔ جیسے سورہ بقرہ میں ہے ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرہ: ۱۷۳) یعنی جو شخص بے قرار کیا جائے سوائے باغی اور حد سے گزر والے کے۔ پس اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص خدا کی کسی نافرمانی کیلئے سفر کر رہا ہوا سے شریعت کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں۔ اسلئے کہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں[1]۔ واللہ اعلم

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور اُن کے لئے حلال کئے گئے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے گئے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں ۝

حلال اشیاء ☆

چونکہ اس پہلے اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے والی خبیث چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا۔ خواہ وہ نقصان جسمانی ہو یا دینی یا دونوں پھر ضرورت کی حالت کو خاص کر لیا' جیسے فرمان ہے ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ (الانعام: ۱۱۹) یعنی تمام حرام جانوروں کا بیان تفصیل کے ساتھ تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تم ان کی طرف بے بس اور بے قرار ہو جاؤ۔ تو اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال چیزوں کے دریافت کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ تمام پاک چیزیں تم پر حلال ہیں۔ سورہ اعراف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ آپ ﷺ طیب

[1] یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے' وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کے ارادے سے سفر کر رہا ہو' مثلاً اُس کا ارادہ ہو کہ فلاں جگہ پہنچ کر فلاں آدمی کو قتل کروں گا یا ڈاکہ ڈالوں گا تو اُس مسافر کو سفر میں جو شریعت کی جانب سے رخصتیں ملتی ہیں مثلاً قصر' افطار وغیرہ اُس کو حاصل نہ ہوں گی لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نفسِ سفر میں معصیت کا کوئی اثر نہیں۔ یہ تو مسافر کے اپنے احوال ہیں اور شریعت نے جو رخصت دی ہے اس کا تعلق سفر سے ہے مسافر سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سفر میں افطار کی اجازت ہے حالانکہ بعض مسافر بہت آرام کے ساتھ سفر کرتے ہیں اور ان کو سفر میں کسی قسم کی بھی تکلیف یا پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔

چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا' اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت مبارکہ اُتری۔ حضرت سعید فرماتے ہیں یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔ مقاتل فرماتے ہیں: ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ امام زہری سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں۔ امامؒ سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا بیچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں؟ فرمایا: وہ طیبات میں داخل نہیں اور تمہارے لئے شکاری جانوروں کے ذریعے کھیلا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے۔ مثلاً بندھے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے جمہور صحابہ' تابعین ائمہ وغیرہ کا۔ ابن عباسؓ سے نقل ہے کہ شکاری سدھے ہوئے کتے' باز' چیتے' شکرے وغیرہ ہر وہ پرندہ جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جا سکتا ہو اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی نقل ہے کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کر لے۔ ان کے ذریعے شکار کھیلنا حلال ہے۔ لیکن حضرت مجاہدؒ سے نقل ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ ہے اور دلیل میں ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ﴾ (المائدہ:۴) پڑھا ہے۔ سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر میں ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں' اگر وہ زندہ مل جائے۔ تو ذبح کر کے کھا لو۔ ورنہ نہ کھاؤ۔ لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعے جو شکار ہو اس کا اور شکاری کتوں کے کئے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی اپنے پنجوں کے ذریعے کتے کی طرح شکار کھیلتا ہے۔ پھر ان میں فرق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ چاروں ائمہ وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے کئے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اسے کھا لے۔ امام احمدؒ نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کر لیا ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ تین چیزیں نماز توڑ دیتی ہیں۔ گدھا' عورت اور سیاہ کتا۔ اس پر حضرت ابیؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شیطان ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا' پھر فرمایا: انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت کتوں کو مار ڈالا کرو۔ شکاری حیوانات کو جَوَارِحُ اس لئے کہا گیا ہے کہ جرح کہتے ہیں کسب اور کمائی کو۔ جیسے عرب کہتے ہیں فَلَانٌ جَرَحَ اَهْلَهٗ خَيْرًا یعنی فلاں شخص نے اپنے اہل کے لئے بھلائی حاصل کر لے اور عرب کہتے ہیں فَلَانٌ لَا جَارِحَ لَهٗ فلاں شخص کا کوئی کماؤ نہیں۔ قرآن میں بھی لفظ جَرح کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ فرمان ہے ﴿وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ (الانعام:۶۰) یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو' اسے بھی خدا جانتا ہے۔ اس آیۂ کریمہ کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کئے جانے لگے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! جس اُمت کے قتل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اُن سے ہمارے لئے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے

اور بسم اللہ ہی کہے۔ پھر وہ شکار پکڑے اور روک رکھے۔ تو جب تک وہ نہ کھائے' یہ کھائے۔ ابن جریر میں ہے کہ جبریلؑ نے حضور ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے اجازت دی۔ لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے قاصد خدا! ہم تو تمہیں اجازت دے چکے ہیں۔ پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا: ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت ابورافع کو حکم دیا کہ مدینے کے کل کتے مار ڈالے جائیں۔ ابورافع فرماتے ہیں: میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا۔ ایک بڑھیا کے پاس ایک کتا تھا جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور فریاد کے اس کے سامنے بھونکنے لگا۔ مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے بھی نہ چھوڑو۔ میں پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا۔ اب لوگوں نے آ کر حضور ﷺ سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے ان سے کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت یَسْئَلُوْنَکَ نازل ہوئی۔

شرح الالفاظ ☆ ایک روایت یہ بھی کہ مدینے کے کتوں کو قتل کر کے پھر ابورافع رضی اللہ عنہ آس پاس کی بستیوں میں پہنچے۔ اور مسئلہ پوچھنے والوں کے نام بھی اس میں ہیں یعنی حضرت عاصم بن عدی' حضرت سعید بن خثیمہ' حضرت عویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہم۔ محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا شان نزول کتوں کا قتل ہے۔ مُکَلِّبِیْنَ کا لفظ ممکن ہے کہ عَلَّمْتُمْ کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جَوَارِحِ یعنی مقتول کا حال ہو۔ یعنی جن کا شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھایا ہو۔ درآنحالیکہ وہ شکار کو اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں۔ اس سے یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی دبوچ کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہوگا۔ جیسے امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے اور علماء کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ اسی لئے فرمایا: تم نے انہیں اس میں سے کچھ سکھا دیا ہو' جو خدا نے تمہیں سکھا رکھا ہے۔ یعنی جب تم چھوڑو تو وہ شکار پر جائے اور جب تم روکو تو رک جائے اور شکار پکڑ کر تمہارے لئے روک رکھے۔ تاکہ تم جا کر اسے لے لو۔ اس نے خود اپنے لئے اسے شکار نہ کیا ہو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور اس نے اپنے چھوڑنے والے کے لئے شکار کیا ہو اور اس نے بھی اس چھوڑنے کے وقت خدا کا نام لیا ہو۔ تو وہ شکار مسلمانوں کے لئے حلال ہے گو وہ شکار بھی مر گیا ہو۔ اس پر اجماع ہے۔

اِس آیت کے مسئلہ کے مطابق یہ صحیحین کے یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اسے کھا لے اگرچہ کتے نے اسے مار بھی ڈالا ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ شکار کرنے میں دوسرا کتا نہ ملنا چاہئے۔ اس لئے کہ تو نے اپنے کتے کو خدا کا نام لے کر چھوڑا ہے۔ دوسرے کو بسم اللہ پڑھ کر نہیں چھوڑا ہے۔ میں نے کہا میں نوکدار لکڑی سے شکار کھیلتا ہوں؟ فرمایا اگر تو اپنی تیزی کی طرف سے زخمی کرے تو کھا لے اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھ مارا ہوا ہے۔ دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے لیا کر۔ پھر اگر وہ شکار کو تیرے لئے پکڑ رکھے اور تیرے پہنچ جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈال اور اگر کتے نے ہی اسے مار ڈالا ہو اور اس میں سے کھایا نہ ہو تو تو اسے بھی کھا سکتا ہے۔ اس لئے کہ کتے کا اسے شکار کر لینا ہی اس کا ذبیحہ ہے اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اس نے کھا لیا ہو تو پھر تو اسے نہ کھا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے کھانے کے لئے شکار کو نہ پکڑا ہو۔ یہی دلیل جمہور کی ہے اور حقیقتاً امام

شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھالے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے۔ اسکی کوئی تفصیل نہیں۔ جیسے کہ حدیث میں ہے۔

ہاں سلفؒ کی ایک جماعت کو قول بھی ہے کہ مطلقاً حلال ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔ سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں: تو کھا سکتا ہے اگر چہ کتے نے تہائی حصہ کھالیا ہو۔ حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گوایک ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو' تاہم کھا سکتے ہو۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں گو دو تہائیاں کتا کھا گیا ہو۔ پھر بھی تو کھا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما فرمائے ہیں۔ جب بسم اللہ کہہ کر تو نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا ہو تو جس جانور کو اس نے تیرے لئے پکڑ رکھا ہے' تو اسے کھالے۔ کتے نے اس میں کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔ یہی روایت ہے حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے۔ حضرت عطاؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے اس میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ زہری' ربیعہ اور مالک سے بھی یہی روایت کی گئی ہے۔ یہی امام شافعی کا پہلا قول ہے اور نئے قول میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے۔ پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھالیا ہو تو جو باقی ہو اسے کھا سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریرؒ کچھ اشکال ہیں اور سعید راوی کا حضرت سلمانؓ سے سننا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے۔ بلکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ قول نقل کرتے ہیں۔ یہ قول ہے تو صحیح' لیکن اس معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی ہیں۔ ابوداؤد میں ہے: حضرت شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی ابو ثعلبہؓ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں' اُن کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو جانور وہ تیرے لئے پکڑیں وہ تجھ پر حلال ہے۔ انہوں نے کہا ذبح کر سکوں' جب بھی اور ذبح نہ کر سکوں تو بھی؟ اور اگر چہ کتے نے کھالیا ہو تو بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں گو کھا بھی لیا ہو۔ انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیر کمان سے جو شکار کروں' اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا: اسے بھی تو کھا سکتا ہے۔ پوچھا اگر زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیر لگتے ہی مر جائے تب بھی؟ فرمایا: بلکہ گو وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی۔ بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو۔ انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لئے کیسا ہے؟ فرمایا: تم انہیں دھوڈالو' پھر ان میں کھا پی سکتے ہو۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے' جب تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو اس کا شکار کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں سے کھا بھی لیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہو اسے بھی تو کھا سکتا ہے ان دونوں حدیثوں کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھا ہوا کتا جو شکار تیرے لئے لایا اسے کھالے۔ حضرت عدیؓ نے پوچھا: اگر چہ اُس نے اِس میں سے کھالیا ہو؟ فرمایا: ہاں پھر بھی۔ ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو گو کھالیا ہو۔ تاہم بغیر شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام کہنے والوں کے دلائل ہیں۔ ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان سے وہ کہتی ہے کہ اگر شکار پکڑتے پکڑتے ہی کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور اگر شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کرتا ہے اور باوجود خاصی دیر گزر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھالیا' تو بقیہ حلال پہلی بات پر محمول ہے۔ حضرت عدی والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابو ثعلبہ والی حدیث۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو

صحیح حدیثیں جمع بھی ہو جاتی ہیں۔ استاد ابو المعالی جوینیؒ نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس میں یہ تفصیل کرے۔ تو الحمد للہ یہ تفصیل لوگوں نے کر لی۔

اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے۔ وہ یہ کہ کتے کا کھایا ہوا شکار تو حرام ہے۔ جیسا کہ حضرت عدیؓ کی حدیث میں ہے اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں۔ اس لئے کہ وہ تو کھانے ہی سے تعلیم قبول کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر پرندہ اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مرا نہیں۔ پھر وہ پر نوچے اور گوشت کھائے تو تو کھالے۔ ابراہیم نخعی، شعبی، حماد بن سلمان یہی کہتے ہیں۔ ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدی نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلا کرتے ہیں۔ تو ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شکاری جانور شکار حاصل کرنے والے سدھائے تمہارے لئے شکار روک رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام ذکر کیا ہو۔ اسے تم کھا سکتے ہو۔ پھر فرمایا: جس کتے کو تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو وہ جانور کو روک رکھے تو اسے کھالے۔ میں نے کہا: گو اسے مار ڈالا ہو۔ فرمایا: ہاں لیکن شرط یہ ہے کہ کھایا نہ ہو۔ میں نے کہا اگر کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں تو؟ فرمایا: پھر نہ کھا جب تک تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا ہم لوگ تیر سے شکار کیا کرتے ہیں، اس سے کون سا حلال ہے؟ فرمایا: جو تیر زخمی کرے اور تو نے خدا کا نام لے کر چھوڑا ہو اسے کھالے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ ﷺ نے بتلائی اور باز میں نہیں بتلائی۔ پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھالو۔ جب حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت خدا کا نام یاد کر لیا ہو۔ جیسے کہ حضرت عدیؓ اور حضرت ثعلبہؓ کی حدیث میں ہے۔ اسی لئے حضرت امام احمدؒ وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضرور بتلائی ہے کہ شکار کے لئے جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔ جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بسم اللہ کہہ لے۔ ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنا ہے۔ جیسے کہ صحیحین میں عمر بن ابی سامہ یعنی ربیب کو حضور ﷺ کا یہ فرمانا روایت ہے کہ اللہ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضور ﷺ نے پوچھا: لوگ ہمارے پاس جو گوشت لاتے ہیں وہ نو مسلم ہیں، اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں، تو کیا ہم اسے کھالیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم خود خدا کا نام لے لو اور کھالو۔ مسند میں ہے کہ حضور ﷺ چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ جو ایک اعرابی نے آ کر دو لقمے اس میں سے اٹھائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ بسم اللہ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا۔ تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے۔ اگر اوّل میں بھول گیا تو جب یاد آ جائے کہہ دے: بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔

دوسری سند سے یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ جابر ابن صبیح فرماتے ہیں: حضرت مثنیٰ بن عبدالرحمٰن خزاعی کے ساتھ میں نے واسط کا سفر کیا۔ ان کی عادت یہ تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت تو بسم اللہ کہہ لیتے اور آخری لقمہ کے ساتھ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ کہہ لیا کرتے اور مجھ سے انہوں نے فرمایا کہ خالد بن

امیہ بن مخشی صحابی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ کھانا کھاتا رہتا ہے جس نے اللہ کا نام نہ لیا ہو۔ جب کھانے والا اللہ کا نام لیتا ہے تو اسے قے ہو جاتی ہے اور جتنا اس نے کھایا ہے سب نکل جاتا ہے (مسند احمد وغیرہ) اس کے راوی کو ابن معین اور نسائی تو ثقہ بتلاتے ہیں۔ لیکن ابوالفتح ازدی فرماتے ہیں' یہ راوی اس قابل نہیں کہ ان کی روایت پر اعتماد کیا جائے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے' جو ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی جیسے اسے کوئی دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھانا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا۔ آپ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لئے حلال کر لیتا ہے وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تا کہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر وہ اس اعرابی کے ساتھ آیا تو میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا۔ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ (مسند' مسلم' ابوداؤد' نسائی)

مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانو! نہ تو تمہارے لئے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے اور کھاتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ مسند احمد ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے۔ کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ اس میں خدا کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۗ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵

ع ۵

آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اس شخص کا عمل غارت ہو جائیگا اور وہ شخص کی آخرت میں بالکل غارت ہو جائے گا۔

اہلِ کتاب کا ذبیحہ اور اِس کا شرعی حکم ☆

حلال وحرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل طیب چیزیں حلال ہیں پھر یہود و نصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ، ابوامامہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطا، حسن، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی، مقاتل بن حیانؒ یہ سب یہی کہتے ہیں کہ طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے۔ جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے۔ علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے۔ کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا ناروا جانتے ہیں اور ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے۔ گو ان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں۔ جب سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی مشک مل گئی۔ میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا۔ اب ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے بھی لے لینی جائز ہیں اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ تینوں مذہب کے فقہا نے مالکیوں پر اپنی یہ سند پیش کی ہے اور کہا ہے تم جو یہ کہتے ہو کہ اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہو' یہ غلط ہے۔ دیکھو چربی کو یہودی حرام جانتے ہیں' لیکن مسلمان اسے لے رہا ہے۔ مگر یہ ہے ایک شخصی معاملہ۔ ساتھ ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ چربی ہو جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے۔ یعنی پشت کی چربی انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی۔

اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے' جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضور ﷺ کو تحفہ میں دی۔ جس کے شانے کے گوشت کو انہوں نے زہر آلود کر رکھا تھا۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضور ﷺ کو شانے کا گوشت پسند ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا' تو فرمان باری سے اس شانے نے کہا کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپ ﷺ کے سامنے کے دانتوں میں رہ بھی گیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بشر ابن براد بن معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جو اسی کے اثر سے راہی بقا ہوئے۔ جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو قتل بھی کیا گیا جس کا نام زینب تھا۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضور ﷺ نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حرام جانتے ہو' اسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی۔ حضرت مکحول فرماتے ہیں: جس چیز پر نام رب نہ لیا جائے اس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر اسے منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور حلال کر دیئے۔ یہ بات رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام خدا نہ لیا جائے وہ حلال ہو؟ اس لئے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر خدا کا نام لیتے تھے۔ بلکہ وہ جس گوشت کو کھاتے تھے' اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے۔ بلکہ مردہ جانور بھی کھا لیتے تھے۔ بخلاف ان کے سوا کے جیسے سامرہ اور صابتہ اور ابراہیم وشیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدعی جیسے کہ علماء کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنو تغلب' تنوخ' بہرا' جذام لخم' عاملہ اور ان جیسے اور۔ کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ انہوں نے تو نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی۔ ہاں سعید بن مسیب اور حسن بنو تغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں میں ذبح کئے ہوئے جانور کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ باقی رہے مجوسی تو ان سے گو جزیہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود و نصاریٰ سے ملا دیا گیا ہے اور ان کا تابع کر دیا گیا ہے لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے ذبح کئے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے۔ ہاں ابو ثور ابراہیم بن خالد کلبی جو شافعی اور احمد کے ساتھیوں میں سے تھے۔ اس کے خلاف ہیں۔ جب انہوں نے یہ کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہا نے اس قول کی زبردست تردید کی۔ یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تو فرمایا کہ ابو ثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے۔ یعنی بیل کا باپ۔ ممکن ہے ابو ثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ مسئلہ کہا ہو۔ جس میں ہے مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا طریقہ برتو لیکن اوّل تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں، دوسرے یہ روایت مرسل ہے۔

البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ ﷺ نے جزیہ لیا۔ علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابو ثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی بدلیل اس آیت کے مفہوم مخالف کے اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے پھر فرمایا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنے ذبیحے کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے۔ ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ خبر ہو اس بات کی کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ خدا کے نام پر ہوا ہو اُسے وہ کھا سکتے ہیں، عام اس کے کہ ذبح کرنے والا انہیں میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو۔ لیکن زیادہ ظاہر بات پہلی ہی ہے۔ یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنے ذبیحے کھلاؤ۔ جیسے ان کے ذبح کئے ہوئے جانور تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا ادل بدل کے طور پر ہے۔ جس طرح حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے میں کفن دیا جس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا کرتا دیا تھا۔ جب کہ وہ مدینے میں آئے تھے۔ تو آپ ﷺ نے اس کا بدلہ کر دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مؤمن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیزگاروں کے اور کو نہ کھلا۔ اسے اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور استحباب اور افضلیت کے ہو۔ واللہ اعلم

ازدواجی زندگی کے احکام ☆

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاک دامن مؤمن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ یہ بطور تمہید کے ہے۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ اُن میں کی عفیفہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے۔ یہ قول بھی ہے کہ مراد محصنات سے آزاد عورتیں ہیں۔ یعنی لونڈیاں نہ ہوں۔ یہ قول حضرت مجاہد کی طرف منسوب ہے اور حضرت مجاہد کے الفاظ یہ ہیں کہ محصنات سے آزاد عورتیں مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں۔ وہاں یہ معنی بھی لئے جا سکتے ہیں کہ پاک دامن عفت شعار جیسے کہ ان ہی سے دوسری روایت ان ہی لفظوں میں موجود ہے۔ جمہور بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ٹھیک ہے۔ تاکہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ہی غیر عفیفہ

ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعث فساد نہ بن جائے اور اس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے طور پر اور برے پیانے کے طور پر نہ ہو جائے۔ پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد یہاں عفت مآب اور بدکاری سے بچنے والیاں ہی لی جائیں۔ جیسے دوسری آیت میں مُحْصَنَاتٍ کے ساتھ ہی ﴿غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ﴾ آیا ہے۔ علماء اور مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا یہ آیت ہر عفیفہ عورت کو شامل ہے خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو۔

ابن جریر نے سلف کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ محصنٰت سے مراد پاک دامن ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد اہل کتاب سے اسرائیلی عورتیں ہیں۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں' سوائے آزاد عورتوں کے اور دلیل یہ آیت ہے: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ......﴾ (التوبۃ: ۲۹) یعنی ان سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے: اس سے بڑا شرک کیا ہوگا' کہ وہ کہتی ہو کہ اس کا رب عیسیٰ ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص قرآنی موجود ہے کہ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ (البقرہ: ۲۲۱) یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ ان سے رک گئے۔ یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت کی نازل ہوئی تو صحابہؓ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح گئے اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر ثابت کرتے ہیں تو گویا پہلے سورہ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں۔ لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا۔ یہ اس وقت جب مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارضہ نہیں اس لئے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے۔ جیسے آیت: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (البینۃ: ۱) اور ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ﴾ (آل عمران: ۲۰)

پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو۔ وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ، عامر، شعبی، ابراہیم نخعیؒ، حسن بصری کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے' اسے واپس دلوا دیا جائے۔ (ابن جریر) پھر فرمایا ہے تم بھی پاک دامن' عفت مآب ہو اور اعلانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ بنو۔ پس عورتوں میں جس طرح پاک دامن اور عفیفہ ہونے کی شرط لگائی تھی۔ مردوں میں بھی یہی شرط لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر اُدھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں۔ سورۂ نساء میں بھی اسی کے برابر گزر چکا ہے۔ حضرت امام احمدؒ اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے۔ کہ بدکار مردوں کا نکاح نیکوکار' عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک وہ سچی توبہ نہ کریں اور بدفعل سے باز نہ آجائیں۔ ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے' جس میں ہے کہ کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جیسے سے ہی نکاح کرسکتا ہے۔ خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے میں اسے ہرگز کسی مسلمان پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کی

کہ اے امیر المومنین شرک اس سے بہت بڑا ہے۔ باوجود اس کے بھی اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ اس مسئلے کو ہم آیت: ﴿اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً﴾ (النور:۳) کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞

اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیر لو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو۔ یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھر لیا کرو۔ زمین پر سے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے اور یہ کہ تم پر انعام تمام فرما دے تا کہ تم شکر کرو۔ ○

وضو اور اس کے متعلق احکام ☆

اکثر مفسرین نے کہا ہے: حکم وضو اس وقت ہے جب کہ آدمی بے وضو ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے جب تم کھڑے ہو، یعنی نیند سے جاگو۔ ان دونوں قولوں کا مستفاد تقریباً ایک ہی ہے اور حضرات فرماتے ہیں آیت تو عام ہے اور اپنے عموم پر ہی رہے گی۔ لیکن جو بے وضو ہو اس پر وضو کرنے کا حکم وجوباً ہے اور جو باوضو ہو اس پر استحباباً۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہر نماز کے وقت وضو کرنے کا حکم تھا۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آج آپ ﷺ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے کبھی نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ قصداً یہ کیا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ ہاں پیشاب کرتے یا وضوٹوٹ جائے تو پھر کر لیا کرتے اور وضو ہی کے بچے ہوئے پانی سے جرابوں پر مسح کر لیا کرتے۔ یہ دیکھ کر حضرت فضل بن مبشرؒ نے سوال کیا کہ کیا آپ اسے اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں' بلکہ میں نے نبی ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے دیکھ کر خواہ وضوٹوٹا ہو یا نہ ٹوٹا ہو۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ سے سوال کیا گیا کہ اس کی کیا سند ہے؟ فرمایا: ان سے حضرت اسماء بنت یزید بن خطابؓ نے کہا ہے۔ ان سے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ نے جو فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے کے صاحبزادے[1] تھے۔ بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا' اس حالت میں کہ وضو باقی ہو تو بھی لیکن اس میں قدرے مشقت معلوم ہوئی تو وضو کے حکم کے بدلے مسواک کا حکم رکھا گیا۔ ہاں جب وضوٹوٹے تو نماز کے لئے نیا وضو ضروری ہے۔ اسے سامنے رکھ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال ہے کہ چونکہ انہیں قوت ہے' اس لئے وہ ہر نماز کے وقت وضو کرتے ہیں۔ آخری دم تک آپ کا یہی حال رہا۔ اس کے ایک راوی حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ لیکن چونکہ انہوں نے صراحت نہیں کی حَدَّثَنَا کہا ہے اور اس لئے تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا۔ ہاں ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ لفظ نہیں۔ واللہ اعلم

حضرت عبداللہ کے اس فعل اور اس مداومت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحب ضرور ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یوم القیامہ ہر نماز کے لئے وضو کرتے اور دلیل میں یہ آیت تلاوت فرما دیتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے۔ پھر پانی لایا گیا اور آپ ﷺ نے منہ دھویا۔ ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور پیر اور فرمایا: یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے خفیف وضو کر کے بھی فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابوداؤد وطیالسی میں حضرت سعید بن مسیبؒ کا قول ہے کہ وضوٹوٹے بغیر وضو کرنا اسراف اور پانی کا بلاضرورت استعمال ہے۔ اوّلاً تو یہ قول سنداً بہت غریب ہے۔ دوسرے یہ کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو اسے واجب جانتا ہو اور صرف مستحب سمجھ کر جو ایسا کرے وہ تو عامل بالحدیث ہے۔ بخاری' سنن وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے تھے۔ ایک انصاری نے حضرت انسؓ سے یہ سن کر کہا اور آپ لوگ کیا کرتے تھے۔ فرمایا: ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے۔ جب تک وضوٹوٹے نہیں۔ ابن جریر میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کے ساتھ ہی امام ترمذی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ کسی اور کام کے وقت وضو کرنا واجب نہیں۔ صرف نماز کے لئے ہی اس کا وجوب ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ

---

[1] یہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بڑے درجے کے صحابی تھے۔ غزوۂ اُحد میں شہادت ہوئی تو حالت جنابت میں کیونکہ جب انہوں نے جہاد کا حکم سنا تھا تو زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہم بستری میں مشغول تھے۔ معاً جہاد کا اعلان سننے کے بعد تاخیر نہ کی اور نہ ہی غسل کی مہلت مل سکی۔ اسی حالت میں شہادت پائی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں نے غسل دیا ہے۔

حضور ﷺ کی سنت یہ تھی کہ وضو ٹوٹنے پر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ جب تک کہ وضو نہ کرلیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک ضعیف غریب روایت میں ہے کہ حضور ﷺ جب پیشاب کا ارادہ کرتے ہم آپ ﷺ سے بولتے لیکن آپ ﷺ جواب نہ دیتے۔ ہم سلام علیک کرتے۔ پھر بھی آپ ﷺ جواب نہ دیتے۔ یہاں تک کہ یہ آیت رخصت کی اتری۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ پاخانہ سے نکلے اور کھانا آپ ﷺ کے سامنے لایا گیا تو ہم نے کہا اگر فرمائیں تو وضو کا پانی حاضر کریں؟ فرمایا: وضو کا حکم تو مجھے صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے کے وقت ہی کیا گیا ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن بتلاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے نماز تو پڑھنی نہیں جو میں وضو کروں۔ آیت کے ان الفاظ سے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو۔

علمائے کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ وضو میں نیت واجب[1] ہے۔ یہ مطلب کلام اللہ شریف کا ہے کہ نماز کے لئے وضو کر لیا کرو جیسے عرب میں کہا جاتا ہے۔ جب تو امیر کو دیکھے تو کھڑا ہو جا۔ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ امیر کے لئے کھڑا ہو جا۔ صحیحین کی حدیث میں ہے۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے صرف وہی ہے جو نیت کرے اور منہ کے دھونے سے پہلے وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص

[1] وضو میں نیت کے وجوب کے قائل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضو میں نیت کو واجب نہیں کیا ہے کیونکہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر علماء کا مسلک ذکر کیا ہے اس لئے ہم شوافع کے استدلال کا ایک جائزہ لیتے ہوئے اس سلسلہ میں احناف کے نقطہ نظر کو واضح کریں گے۔ ہماری آئندہ سطور سیدنا الامام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر مجازی سے ماخوذ ہے۔ حضرت الامام العصر کو اللہ تعالیٰ نے حنفیت کو مطابق قرآن وحدیث کرنے کا جو خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اس کی شہادت آنے والی تقریر سے ملے گی۔ آپ کی تقریر بخاری چار جلدوں میں فیض الباری کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: (۱) عبادت (۲) قربت (۳) طاعت۔ یہ تین چیزیں ہیں۔ عبادت میں نیت بھی شرط ہے اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ وہ کس کی عبادت کر رہا ہے اور قربت میں نیت ضروری نہیں ہے۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ وہ کس لئے کر رہا ہے۔ اس کی مثال تلاوتِ قرآن ہے اور طاعت میں نہ تو نیت ہی ضروری ہے اور نہ یہ جاننا ضروری ہے کہ کس کے لئے کر رہا ہے مثلاً عالم اور مخلوقات میں غور وفکر سے کام لے کر اسلام کو صحیح مذہب اور دین حق جاننا۔ اس اجمال کے بعد تفصیل یہ ہے کہ دین پانچ چیزوں سے مرکب ہے: (۱) عبادات (۲) عقوبات (۳) معاملات (۴) اعتقادات (۵) اطلاق۔ اخلاق اور اعتقادات کی بحث ان سے متعلق کتابوں میں ملے گی۔ عبادات میں سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان چار میں نیت باتفاق ضروری ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ معاملات بھی پانچ قسم کے ہیں: (۱) نکاح (۲) خرید وفروخت (۳) باہمی جھگڑے (۴) ترکہ اور (۵) امانت۔ ان پانچوں میں کسی امام کے یہاں نیت ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص خرید وفروخت نیت کے بغیر کرتا ہے تو وہ صحیح ہوگا اور عقوبات کی بھی پانچ صورتیں ہیں: (۱) مرتد ہونے پر سزا (۲) کسی پاک دامن عورت پر زنا کا الزام لگانا اور پھر اسے صحیح ثابت نہ کرنے پر سزا (۳) زنا کی سزا (۴) چوری پر سزا اور (۵) قصاص۔ ان پانچوں میں کسی نے نیت کی شرط نہیں لگائی ہے۔ یہ تمام تفصیل آپ کے سامنے ہے۔ اب بتائیے کہ اتنے معاملات میں کوئی امام نیت کی شرط نہیں لگاتا اور اس کے باوجود ان پر ((انما الاعمال بالنیات)) والی حدیث سے اعتراض نہیں ہوتا اور وضو تو صرف ایک ذریعہ ہے اس میں نیت کی شرط نہ لگانے پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا زیادتی نہیں ہے۔ (فیض الباری ص: ۷، ج: ۱) اور اسی طرح وضو سے پہلے بسم اللہ۔ احناف اس کو بھی واجب نہیں کہتے۔ ایک واقعہ حدیث میں موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ کو کسی شخص نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا اور وضو فرمانے کے بعد جواب ارشاد فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ بے وضو خدا کا نام لینا ٹھیک نہیں ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ وضو سے پہلے بسم اللہ جو قرآن کریم کی ایک آیت ہے کیسے مناسب ہوگی؟

کا وضو ہی نہیں۔ جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ وضو کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کا دھو لینا مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھا ہو تب تو سخت تاکید آئی ہے۔ صحیحین میں رسول خدا ﷺ کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھو نہ لے اسے نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں۔ منہ کی حد فقہا کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کے اگنے کی جو جگہ عموماً ہے وہاں سے داڑھی کی ہڈی اور ٹھوڑی تک ہے اور چوڑائی میں ایک سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کے پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے حکم میں ہے یا منہ کے؟ اور داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو اقوال ہیں: ایک تو یہ کہ ان پر پانی کا بہانا واجب ہے۔ اس لئے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے ایک شخص کو داڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اسے کھول دے۔ یہ بھی منہ میں داخل ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں عرب کا محاورہ بھی یہی ہے کہ جب لڑکے کے داڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں طَلَعَ وَجْهُهُ پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں داڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ وَجْهه میں داخل ہے۔ داڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اس کا خلال کرنا بھی مستحب ہے۔ حضرت عثمانؓ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ داڑھی کا خلال کیا پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا اسی طرح میں نے رسول خدا ﷺ کو کرتے دیکھا ہے (ترمذی وغیرہ) اس روایت کو امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ حسن بتلاتے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی تلے ڈال کر اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے رب عزوجل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقی فرماتے ہیں ڈاڑھی کا خلال کرنا حضرت عمار' حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ' حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمرؓ' حسن بن علیؓ' نخعیؒ اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ صحاح وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ جب وضو کرنے بیٹھتے تو کلی کرتے اور ناک میں پانی دیتے۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب تو وجوب کا ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالک مستحب کہتے ہیں۔ ان کی دلیل سنن کی وہ حدیث میں ہے جس میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے حضور ﷺ کا یہ فرمانا موجود ہے کہ وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ غسل میں واجب اور وضو میں نہیں۔ ایک روایت امام احمدؒ سے ہے کہ ناک میں پانی دینا تو واجب اور کلی کرنا مستحب۔ کیونکہ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان ہے: جو وضو کرے وہ ناک میں پانی ڈالے اور روایت میں ہے تم میں سے جو وضو کرے وہ اپنے دونوں نتھنوں میں پانی ڈالے اور اچھی طرح۔

مسند احمد اور بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ وضو کرنے بیٹھے تو منہ دھویا۔ ایک چلو پانی کا لے کر کلی کی اور ناک کو صاف کیا۔ پھر ایک چلو لے کر داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک پانی چلو لے کر اس سے بایاں ہاتھ دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا ایک چلو لے کر اپنے پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا۔ پھر ایک چلو سے بایاں پاؤں دھویا پھر فرمایا: میں نے خدا کے پیغمبر ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ اِلَى المرافق سے مراد مَعَ المرافِقِ ہے جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَا تَاكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ (النساء:۲) یعنی یتیموں کے والوں کو اپنے مالوں سمیت نہ کھایا جایا کرو۔ یہ بڑا گناہ ہے۔ اس

طرح یہاں بھی ہے تو ہاتھوں کو کہنیوں تک نہیں۔ بلکہ کہنیوں سمیت دھونا چاہئے۔ دار قطنی وغیرہ میں ہے کہ وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ کہنیوں سے آگے اپنے شانوں کو بھی وضو میں دھوئے۔ کیونکہ بخاری و مسلم میں حدیث ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: میری امت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کو چمکتے ہوئی اعضاء سے آئے گی۔ پس تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دُور تک لے جائے۔ صحیح مسلم میں ہے مؤمن کو وہاں تک زیور پہنچائے جائیں گے۔ جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچا تھا۔

بِرُءُ وْسِكُمْ میں جو ''ب'' ہے اس کا الصاق یعنی ملا دینے کے معنی میں ہونا تو زیادہ ظاہر ہے اور تبعیض یعنی کچھ حصے کے لئے ہونا غور طلب ہے۔ بعض اصولی حضرات فرماتے ہیں: چونکہ آیت میں اجمال ہے اس لئے سنت نے جو اس کی تفصیل کی ہے وہی معتبر ہے اور اسی پر عمل کرنا مناسب ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم صحابیؓ سے ایک شخص نے کہا آپ وضو کر کے ہمیں بتلائیے۔ آپ نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو دفعہ دھوئے پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی دیا۔ تین ہی دفعہ اپنا منہ دھویا۔ پھر کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دو مرتبہ دھوئے پھر دونوں ہاتھ سے سر کا مسح کیا۔ سر کے ابتدائی حصہ سے گدی تک لے گئے۔ پھر وہاں سے یہیں تک واپس لائے۔ پھر اپنے دونوں پیر دھوئے (صحیحین) حضرت علیؓ سے بھی آنحضرت ﷺ کے وضو کا طریقہ اسی طرح منقول ہے۔ ابوداؤد میں حضرت معاویہ اور حضرت مقدادؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ یہ احادیث دلیل ہیں اس پر کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔ یہی مذہب حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے اور یہی مذہب ان تمام حضرات کا ہے جو آیت کو مجمل مانتے ہیں اور حدیث کو اس کا بیان جانتے ہیں۔ حنفیوں کا خیال ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ جو سر کا ابتدائی حصہ ہے اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فرض صرف اتنا ہے جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہو گئی۔ ان دونوں جماعتوں کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ والی حدیث ہے کہ نبی ﷺ پیچھے رہ گئے اور میں آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ جب آپ ﷺ قضائے حاجت کر چکے تو مجھ سے پانی طلب کیا۔ میں لوٹا لے آیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں پہنچے دھوئے۔ پھر منہ دھویا۔ پھر کلائیوں پر سے کپڑا اٹھایا اور پیشانی سے ملے ہوئے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا اور دونوں جرابوں پر بھی (مسلم وغیرہ) اس کا جواب امام احمد اور ان کے ساتھی یہ دیتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کر کے باقی پگڑی پر پورا کر لیا اور اس کی بہت سے مثالیں حدیثوں میں ہیں۔ آپ صافے پر اور جرابوں پر برابر مسح کیا کرتے تھے۔ پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں ہرگز اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ سر کے بعض حصے پر یا صرف پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کرے اور اس کی تکمیل پگڑی پر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعیؒ کا مذہب اوّل ہے اور امام احمدؒ اور ان کے متبعین کا دوم۔ دلائل یہ ہیں۔ حضرت عثمان بن عفانؓ وضو کرنے بیٹھتے ہیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں۔ انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی ڈالتے ہیں۔ پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں۔ پھر تین تین مرتبہ دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے ہیں۔ پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں۔ پھر دونوں پیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا اور وضو کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل میں باتیں نہ کرے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے دلیل لی ہے جس میں حضور ﷺ نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ آپ نے وضو کیا۔ پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں پیر دھوئے۔ پھر فرمایا: میں نے حضور ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا: جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے لیکن حضرت عثمانؓ سے جو حدیثیں صحاح میں ہیں۔ ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے۔

اَرْجُلَكُمْ لام کے زبر سے عطف ہے وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ پر ماتحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباسؓ یوں ہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عروہؒ، حضرت عطا، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت ابراہیم، حضرت ضحاک، حضرت سدی، حضرت مقاتل بن حبان، حضرت زہری، حضرت ابراہیم تیمیؒ وغیرہ کا یہی قول ہے اور یہی قرأت ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں کو دھونا چاہیے۔ یہی فرمان سلف کا ہے اور یہیں سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ صرف ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں۔ وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے پیروں کو دھوئے۔ پھر سر کا مسح کرے۔ پھر ہاتھ دھوئے پھر منہ دھوئے' جب بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واؤ کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی۔ اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ''ف'' ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔ آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم فَاغْسِلُوْا سے ہوتا ہے تو کم از کم منہ کا اوّل دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا۔ اب اس کے بعد اعضاء میں ترتیب اجماع سے ثابت ہے' جس میں خلاف[1] نظر نہیں آتا۔ پھر جبکہ ف تو تعقیب کے لئے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے۔ ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسرے کی ترتیب کا کوئی انکار نہیں کرتا بلکہ یا تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں[2]۔ پس یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سرے سے ترتیب کے منکر ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا۔ اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحویوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہا کا مذہب ہے[3]۔ پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ بالفرض لغتاً اس کی دلالت ترتیب پر نہ بھی ہو۔ تاہم شرعاً تو جن چیزوں میں ترتیب ہو سکتی ہے۔ ان میں اس کی دلالت ترتیب پر ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر کے باب صفا سے نکلے۔ تو آپ آیت: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرمایا: میں اسے شروع کروں گا جسے خدا نے پہلے بیان فرما دیا۔ چنانچہ صفا سے سعی شروع کی۔ نسائی میں رسول خدا ﷺ کا یہ حکم ہے کہ اس سے شروع کر جس سے خدا تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔ اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور اس میں امر پس معلوم ہوا کہ جس کا ذکر پہلے ہو اسے پہلے کرنا اور اس کے بعد اسے جس کا ذکر بعد میں ہو' کرنا واجب ہے۔ پس صاف ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر

---

[1] یہ دعویٰ اجماع قطعاً غلط ہے تاوقتیکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں اتفاق منقول نہ ہو اجماع کہاں ہو گا؟

[2] جو ترتیب ہی کا قائل نہیں اُن کے لئے یہ دلیل کارآمد نہ ہو گی اور ان کو اس طرح کیسے قائل کیا جا سکتا ہے؟

[3] کاش کہ ابن کثیر حق ظاہر کرتے اور خود ہی بتاتے کہ اکثریت ان کی ہے جو ترتیب کو نہیں مانتے یا ان کی جو ترتیب کو مانتے ہیں۔

شرعاً ترتیب مراد ہوئی ہے واللہ اعلم۔

تیسری جماعت جواباً کہتی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کے حکم کے درمیان سر کے مسح کے حکم کا بیان کرنا صاف دلیل ہے اس امر کی کہ مراد ترتیب کو باقی رکھنا ہے۔ ورنہ نظم کلام کو یوں اُلٹ پلٹ نہ کیا جاتا ایک جواب اس کا یہ بھی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند سے ہے کہ حضور ﷺ نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھو کر وضو کیا، پھر فرمایا: یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں فرماتا اب دو صورتیں ہیں یا تو اس وضو میں ترتیب تھی یا نہ تھی؟ اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ کا یہ وضو مرتب تھا۔ یعنی باقاعدہ ایک کے بعد ایک عضو دھویا تھا تو معلوم ہوا کہ جس وضو میں تقدیم تاخیر ہو اور صحیح طور پر ترتیب نہ ہو وہ نماز نامقبول ہوتی ہے۔ لہٰذا ترتیب واجب و فرض ہوئی اور اگر یہ مان لیا کہ اس وضو میں ترتیب نہ تھی بلکہ وضو بلا ترتیب تھا۔ پیر دھولئے، کلی کرلی پھر مسح کرلیا۔ پھر منہ دھولیا وغیرہ تو عدم ترتیب واجب ہو جائے گی۔ حالانکہ اس کا قائل امت میں سے ایک بھی نہیں پس ثابت ہو گیا کہ وضو میں ترتیب فرض[1] ہے۔ آیت کے اس جملہ کی ایک قرأت اور بھی ہے وَاَرْجُلِكُمْ لام کے زیر سے اور اسی سے شیعہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے۔ بعض سلف سے بھی کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے مسح کے قول کا وہم ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انسؓ سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجاج نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو، عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے۔ پس تلوؤں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب دھویا کرو۔ حضرت انسؓ نے جواباً کہا کہ اللہ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ﴾ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے، انہیں بھگویا کرتے۔ آپ ہی سے روایت ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ ہاں حضور ﷺ کی سنت پیروں کا دھونا ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے وضو میں دو چیزوں کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا ہے۔ حضرت قتادہ سے بھی یہی روایت ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔ ابن عمر، علقمہ، ابوجعفر، احمد بن علی اور ایک روایت میں حضرت حسن اور جابر بن زید اور ایک روایت میں مجاہدؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت عکرمہ اپنے پیروں پر مسح کرلیا کرتے تھے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔ آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا ان پر تو تیمم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جب چیزوں کے مسح کا حکم تھا، تیمم کے وقت انہیں چھوڑ دیا گیا۔ عامرؒ سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت جبریلؑ پیروں کو دھونے کا حکم لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جبریلؑ مسح کا حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے۔ پس یہ سب آثار بالکل غریب ہیں اور محمول ہیں اس پر کہ مراد مسح سے ان بزرگوں کی زیادہ مبالغہ سے نہ دھونا ہے۔ کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے۔ یاد رہے کہ زیر کی قرأت یا تو مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے۔ جیسے عرب کا کلام حجر ضب حزب میں اور خدا کے کلام ﴿عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ﴾ (الرعد:۲۱) میں لغت عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دے دینا یہ اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ حکم اس وقت ہے جب پیروں

[1] اگر یہی بحث ہے تو پھر وضو میں بہت سی متضاد صفات کا امکان نکل آئے گا حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں۔ ۱۲

پر جرابیں ہوں۔ بعض کہتے ہیں مراد مسح سے ہلکا دھولینا ہے۔ جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے۔ الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے۔ جس کے بغیر وضو نہ ہوگا۔ آیت میں بھی یہی ہے اور حدیثوں میں بھی یہی ہے چنانچہ اب ہم انہیں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ بیہقی میں ہے حضرت علی بن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھے رہے اور عصر تک لوگوں کے کام کاج میں مشغول رہے۔ پھر پانی منگوایا اور ایک چلو سے منہ کا اور دونوں ہاتھوں کا اور سر کا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے جو کیا یہی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور فرمایا: یہ وضو ہے اُس کا جو بے وضو نہ ہو۔ (بخاری)

شیعیوں میں جن لوگوں نے پیروں کا مسح اسی طرح قرار دیا جس طرح جرابوں پر مسح کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطا کار ہیں، جو مسح کو اور دھونے دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریرؒ کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کی بناء پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بناء پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے، ان کی تحقیق صحیح نہیں۔ تفسیر ابن جریرؒ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے اور اعضاء میں یہ واجب نہیں۔ کیونکہ پیر زمین کی مٹی وغیرہ سے سنتے رہتے ہیں تو ان کو دھونا ضروری ہے تا کہ جو کچھ لگا ہو ہٹ جائے۔ لیکن اس رگڑنے کے لئے لفظ مسح کا وہ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو شبہ سا ہو گیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح اور غسل کے درمیاں اس طرح جمع کر رہی ہے۔ حالانکہ دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے۔ مسح تو غسل میں داخل ہے۔ چاہے مقدم ہو چاہے مؤخر ہو۔ پس حقیقتاً امام صاحب کا ارادہ وہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہا نے اسے مشکل جان لیا۔ میں نے غور و فکر کیا تو مجھ پر صاف طور یہ عیاں ہو گیا ہے کہ امام صاحب دونوں قرأتوں میں جمع کرنا تلاش کر رہے ہیں۔ پس زیر کی قرأت یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں دلک پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زبر کی قرأت تو غسل پر یعنی دھونے پر ہے ہی۔ پس وہ دھونے کو اور ملنے کو دونوں کو واجب کہتے ہیں۔ تا کہ زیر اور زبر کی دونوں قرأتوں پر ایک ساتھ عمل ہو جائے۔

اب ان حدیثوں کو سنئے، جن میں پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ، امیر المؤمنین حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت ابن عباسؓ، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ، حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہم کی روایات بیان ہو چکی ہیں کہ حضور ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا۔ ایک بار یا دو بار یا تین بار۔ عمرو بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیر دھوئے۔ پھر فرمایا: یہ وضو ہے۔ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے۔ کیونکہ عصر کی نماز کا وقت دیر ہوئی ہو چکا تھا۔ ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر پانی بہانا شروع کر دیا تو آپ ﷺ نے بہت بلند آواز سے سنایا۔ وضو کو کامل اور پورا کرو۔ ایڑیوں کو خرابی ہے آگ لگنے سے۔ ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ویل ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے۔ (بیہقی و حاکم) اور روایت میں ہے ٹخنوں کو ویل ہے آگ سے (مسند) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جن کی ایڑیوں کو اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ان ایڑیوں کو آگ سے خرابی ہوگی۔ مسند احمد میں بھی حضور ﷺ کے یہ الفاظ

وارد ہیں۔ ابن جریر میں دو مرتبہ حضور ﷺ کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے۔ راوی حضرت امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر تو مسجد میں ایک بھی شریف و وضیع ایسا نہ رہا جو اپنی ایڑیوں کو موڑ موڑ کر نہ دیکھتا ہو[1] اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' جس کی ایڑی یا ٹخنے میں بقدر ایک درہم کے خشکی رہ گئی تھی تو یہی فرمایا: پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ پیر کی خشک رہ جاتی تو وہ پورا وضو دوبارہ کرتے پس ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے۔ اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا ہی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ کے نبی ﷺ وعید سے اور وہ بھی آتش جہنم کی وعید سے نہ ڈراتے۔ اس لئے کہ مسح میں ذرا ذرا سی جگہ پر ہاتھ کا پہنچانا داخل ہی نہیں۔ بلکہ پیر کے مسح کی وہی صورت ہے جو اور چیزوں کے مسح کی ہوتی ہے۔ یہی چیز ابن جریرؒ نے شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں خشک رہ گیا تو آپ نے فرمایا: لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند میں ہے کہ ایک نمازی کو آپ ﷺ نے نماز میں دیکھا کہ اس کے پیر میں بقدر درہم جگہ خشک رہ گئی ہے تو اسے وضو لوٹانے کا حکم کیا۔ حضرت عثمانؓ سے حضور ﷺ کے وضو کا طریقہ جو روایت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔ سنن میں ہے۔ حضرت صبرہؓ نے رسول خدا ﷺ سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وضو کامل اور اچھا کرو' انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح دو' روزے کی حالت میں ہو تو اور بات ہے۔ مسند' مسلم وغیرہ میں ہے۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں:: یارسول اللہ ﷺ مجھے وضو کی بابت خبر دیجئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو کا پانی لے کر کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے۔ اس کے منہ اور نتھنوں سے پانی کے ساتھ ہی خطائیں جھڑ جاتی ہیں جب کہ وہ ناک جھاڑتا ہے۔ پھر وہ منہ دھوتا ہے جیسا کہ خدا کا حکم ہے تو اس کے منہ کی خطائیں داڑھی اور داڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں۔ پھر جب وہ اپنے ٹخنوں سمیت مطابق حکم خداوندی دھوتا ہے تو انگلیوں سے پانی ٹپکنے کے ساتھ ہی اس کے پیروں کے گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد و ثنا ہے اسے بیان کر کے دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے آج وہ تولد ہوا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوامامہ نے حضرت عمرو بن عبسہؓ سے کہا خوب غور کر لیجئے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے آپ نے اسی طرح سنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت عمرو نے جواب دیا کہ ابوامامہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں۔ میری موت قریب آ پہنچی ہے۔ مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولوں۔ ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں تین دفعہ نہیں' میں نے تو اسے حضور ﷺ کی زبانی سات مرتبہ بلکہ اس سے زیادہ سنا ہے۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں ہے' پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے۔ جیسا کہ خدا نے اسے حکم دیا ہے۔ پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن کا حکم پیروں کے دھونے کا ہے۔ ابو اسحاق سبیعی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الجنۃ سے بواسطہ حضرت حارث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھوؤ جیسے کہ تم کو حکم دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علیؓ سے ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں قدم جوتی میں ہی بھگو لئے۔ اس سے مراد جوتیوں میں ہی بلا

[1] دیکھتے تھے کہ پیچھے بھی پانی پہنچ گیا یا نہیں؟

مبالغہ دھونا ہے اور چپل' جوتی پیر میں ہوتے ہوئے پیر دھل سکتا ہے۔ غرض یہ حدیث بھی دھونے کی دلیل ہے۔ البتہ اس سے وسواسی اور وہمی لوگوں کا رد ہوتا ہے' جو حد سے گزر جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ دوسری حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قوم کے کوڑی ڈالنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ پھر پانی منگوا کر وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا۔ لیکن یہی حدیث دوسری سندوں سے روایت ہے اور ان میں ہے کہ آپ نے اپنی جرابوں پر مسح کیا اور ان میں اس طرح جمع بھی ہو سکتی ہے کہ جرابیں پیروں میں تھیں اور ان پر نعلین تھے اور ان دونوں پر آپ نے مسح کیا یہی مطلب ہے اس حدیث کا بھی۔ مسند احمد میں اوس بن ابو اوس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور ﷺ نے میرے دیکھتے ہوئے وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ یہی روایت دوسری سند سے ہے۔ اس میں آپ کا کوڑی پر پیشاب کرنا پھر وضو کرنا اور اس میں نعلین اور دونوں قدموں پر مسح کرنا مذکور ہے۔ امام ابن جریر اسے لائے ہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ یہ محمول ہے اس پر کہ اس وقت آپ کا پہلا وضو تھا بھلا کوئی مسلمان اسے کیسے قبول کر سکتا ہے کہ خدا کے فریضے میں اور پیغمبر ﷺ کی سنت میں تعارض ہو۔ خدا کچھ فرمائے اور پیغمبر کچھ اور ہی کریں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ سلم کے دوامی فعل سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور آیت کا صحیح مطلب بھی یہ ہے جس کے کانوں تک یہ دلیلیں پہنچ جائیں۔ اس پر خدا کی حجت پوری ہو گئی۔ چونکہ زبر کی قرأت سے پیروں کا دھونا اور زیر کی قرأت سے بھی اسی پر محمول ہونا فرضیت کا قطعی ثبوت ہے۔ اس سے بعض سلف تو یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس آیت سے جرابوں کا مسح ہی منسوخ ہے۔ گو یا ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسے ہی مروی ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں بلکہ خود آپ سے صحت کے ساتھ اس کا خلاف ثابت ہے اور جن کا بھی یہ قول ہے ان کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ حضور ﷺ سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ مسند احمد میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورہ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد ہی میں مسلمان ہوا اور اپنے اسلام کے بعد میں نے پیغمبر خدا ﷺ کو جرابوں پر مسح کرتے دیکھا۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا۔ پھر وضو کرتے ہوئے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں یہی کرتے ہوئے میں نے خدا کے رسول ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں۔ لوگوں کو یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی۔ اس لئے کہ حضرت جریرؓ کا اسلام ہی سورہ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا تھا۔ احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں تواتر کے ساتھ حضور ﷺ کے قول وفعل سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ اب مسح کی مدت ہے یا نہیں؟ اس کے ذکر کی یہ جگہ نہیں' احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

رافضیوں نے اس میں بھی خلاف کیا ہے اور اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں' صرف جہالت اور ضلالت ہے۔ خود حضرت علیؓ کی روایت سے بخاری ومسلم میں نکاحِ متعہ کی ممانعت ثابت ہے لیکن تاہم شیعہ اسے مباح قرار دیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح یہ آیہ کریمہ دونوں پیروں کے دھونے پر صاف دلالت کرتی ہے اور یہی امر حضور ﷺ کا متواتر حدیثوں سے ثابت ہے لیکن شیعہ جماعت اس کی بھی مخالف ہے۔ فی الواقع ان مسائل میں ان کے ہاتھ دلیل سے خالی ہیں۔ وللہ الحمد۔ اسی طرح ان لوگوں نے آیت کا اور سلف صالحین کا کعبین کے بارے میں بھی اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قدم کی پشت پر ہے۔ پس ان کے نزدیک ہر قدم میں ایک ہی کعب یعنی ٹخنہ ہے اور جمہور کے نزدیک ٹخنے کی وہ ہڈیاں جو قدم اور پنڈلی کے درمیان ابھری

ہوئیں ہیں وہ کعبین ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب کعبین کا یہاں ذکر ہے۔ یہ ٹخنے کی دو ہڈیاں ہیں۔ جو ادھر اُدھر قدرے ظاہر دونوں طرف ہیں ایک ہی قدم میں کعبین ہیں۔ لوگوں کے عرف میں بھی ہے اور حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے وضو کرتے ہوئے اپنے داہنے پاؤں کو کعبین سمیت دھویا پھر بائیں کو بھی۔ اسی طرح بخاری میں تعلیقاً بصیغہ جزم اور صحیح ابن خزیمہ میں اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو کر خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا: اپنی صفیں درست کرلو۔ تین بار یہ فرما کر فرمایا: قسم خدا کی یا تو تم اپنی صفوں کو پوری طرح درست کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔ حضرت نعمان بن بشیر راوی حدیث فرماتے ہیں: پھر تو یہ حال ہو گیا کہ معلوم ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے ٹخنے اور گٹے سے گٹا اور مونڈھے سے مونڈھا ملالیا کرتے تھے۔ اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کعبین اس ہڈی کا نام نہیں جو قدم کی پشت کی طرف ہے۔ کیونکہ اس کا ملانا دو پاس پاس کے شخصوں میں ممکن نہیں بلکہ یہ وہی دو ابھری ہوئی ہڈیاں جو پنڈلی کے خاتمہ پر ہیں اور یہی مذہب اہل سنت کا ہے۔ ابن ابی حاتم میں یحییٰ بن حارث بھی سے منقول ہے کہ زید کے جو ساتھی شیعہ قتل کیے گئے تھے انہیں میں نے دیکھا تو ان کا ٹخنہ قدم کی پشت پر پایا۔ یہ انہیں قدرتی سزا تھی۔ جو ان کی موت کے بعد ظاہر کی گئی اور مخالفتِ حق اور کتمانِ حق کا بدلہ دیا گیا۔ اس کے بعد تیمم کی صورتیں اور تیمم کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ اس کی تفسیر سورہ نسا میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا یہاں بیان نہیں کی جاتی۔ آیت تیمم کا شانِ نزول بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے۔

لیکن امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ نے اس آیت کے متعلق ایک حدیث ذکر کی ہے۔ اسے سن لیجئے۔
حضرت عائشہ صدیقہؓ ام المؤمنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا ہار بیدا میں گر پڑا۔ ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں میرے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے۔ ہار کھو کر لوگوں کو روک دیا اور مجھے کچو کے مارنے لگے۔ جس سے مجھے تکلیف ہوئی۔ لیکن حضور ﷺ کی نیند میں خلل اندازی نہ ہو اس خیال سے میں ہلی نہیں۔ حضور ﷺ جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی۔ حضرت اسید ابن حضیرؓ کہنے لگے اے آل ابو بکر! اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہیں بابرکت بنا دیا ہے۔ تم ان کے لئے سرتاپا بابرکت ہو۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس لئے اپنے دین کو سہل آسان اور ہلکا کر رہا ہے۔ بوجھل سخت اور مشکل نہیں بناتا۔ حکم تو اس کا یہ تھا کہ پانی سے وضو کرو لیکن جب میسر نہ ہو یا بیماری ہو تو تمہیں تیمم کرنے کی رخصت عطا فرماتا ہے۔ باقی احکام حکام کی کتابوں میں ملاحظہ ہوں۔ بلکہ خدا کی خواہش یہ ہے کہ تمہیں پاک صاف کر دے اور تمہیں پوری پوری نعمتیں عطا فرماتے تاکہ تم اس کی رحمتوں پر اس کی شکر گزاری اس کی توسیع احکام اور رافت ورحمت آسانی اور رخصت پر اس کا احسان مانو۔ وضو کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے۔ جو گویا اس آیت کے ماتحت ہے۔

مسند سنن اور صحیح مسلم میں حضرت عقبیٰ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے۔ میں اپنی باری والی رات عشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں میں جب وہاں پہنچ گیا اس وقت میں نے آپ سے یہ سنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کر کے دلی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کر لے۔ اس کے لئے جنت واجب ہے۔ میں نے کہا: واہ واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میری یہ بات سن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے

تھے۔ فرمایا: اس سے پہلے جو بات حضور ﷺ نے فرمائی ہے وہ اس سے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو حضرت عمر فاروقؓ تھے آپ مجھ سے فرمانے لگے: تم ابھی آئے ہو تمہارے آنے سے پہلے حضور ﷺ نے فرمایا جو عمدگی اور اچھائی سے وضو کرے پھر کہے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔ اور روایت میں ہے جب ایمان و اسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے' اس کے منہ دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں اور اسی طرح پاؤں کے دھونے کے وقت پاؤں کی تمام خطائیں دھل کر وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ابن جریر میں ہے جو شخص وضو کر کے اپنے ہاتھ یا بازوؤں کو دھوتا ہے۔ ان سے اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ منہ کے دھوتے وقت منہ کے گناہ الگ ہو جاتے ہیں۔ سر کا مسح سر کے گناہ جھاڑ دیتا ہے۔ پیر کا دھونا ان کے گناہ دھو دیتا ہے۔ دوسری سند میں سر کے مسح کا ذکر نہیں۔

ابن جریر میں ہے جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے کانوں سے' آنکھوں سے' ہاتھوں سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے وضو آدھا ایمان ہے۔ الحمد للہ کہنے سے نیکی کا پلڑا پُر ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ اور الحمد للہ پر کر دیتا ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے نیکی سے۔ روزہ ڈھال ہے اور صبر روشنی ہے صدقہ دلیل ہے' قرآن یا تو تیری موافقت میں دلیل ہے یا تیرے خلاف دلیل ہے۔ ہر شخص صبح ہی صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے پس یا تو تو اپنے تئیں آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاک کر گزرتا ہے اور حدیث میں ہے مالِ حرام کا صدقہ اللہ قبول نہیں کرتے اور بے وضو کی نماز بھی غیر مقبول ہے۔ (صحیح مسلم) یہ روایت ابوداؤد طیالسی مسند احمد' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

الْجَحِيمِ ۝١٠ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝١١

اورتم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام کو جوتم پر ہوا ہے یاد کرو اور اس کے عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جب کہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں۔اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو۔عدل کیا کرو کہ وہ تقوے سے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری اطلاع ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے اچھے کام لئے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور ثواب عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتلا دیا ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جوتم پر ہوا ہے جب کہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اہل ایمان کو حق تعالیٰ پر اعتماد رکھنا چاہئے۔○

شکر نعمت ☆

اس دین عظیم اور اس رسول کریم ﷺ کو بھیج کر جو احسان خدا تعالیٰ نے اس امت پر کیا ہے۔اسے یاد دلا رہا ہے اور اس عہد پر مضبوط رہنے کی انہیں ہدایت کر رہا ہے۔ جو مسلمانوں نے خدا کے پیغمبر کی تابعداری کرنے اور امداد کرنے۔ دین پر قائم رہنے۔ اسے قبول کر لینے۔ اسے دوسروں تک پہنچانے کا کیا ہے۔ اسلام لانے کے وقت انہی چیزوں کا ہر مؤمن اپنی بیعت میں اقرار کرتا تھا۔ چنانچہ صحابہؓ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔خواہ طوعاً ہو یا کرہاً۔ خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو چھینیں گے نہیں' باری عزوجل کا ارشاد ہے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول ﷺ تمہیں رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اور انہوں نے تم سے عہد بھی لے لیا ہے اگر تمہیں یقین ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو یاد دلائی جا رہی ہے کہ تم سے حضور ﷺ کی تابعداری کے قول و قرار ہو چکے ہیں۔ پھر آپ کے نہ ماننے کے کیا معنی؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے ان کی ذریت نکال کر جو عہد خدائے رب العزت نے بنو آدمؑ سے لیا تھا' اسے یاد دلایا جا رہا ہے' جو فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں' سب نے اقرار کیا کہ ہاں ہم اس پر گواہ ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے یہی سدیؒ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے اور امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو مختار بتلایا ہے۔ ہر حال میں انسان کو خوف خدا رکھنا چاہئے۔ دلوں اور سینوں کے بھید سے وہ واقف ہے۔ایمان والو! لوگوں کے کھلانے کو نہیں بلکہ خدا کی وجہ سے حق پر قائم ہو جاؤ اور عدل کے ساتھ صحیح گواہ بن جاؤ۔

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دے رکھا تھا۔ میری ماں عمرہ

بنت رواحہ نے کہا میں تو اس وقت تک مطمئن نہیں ہونے کی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنالو۔ میرے باپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ بیان کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی دوسری اولاد کو بھی ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو' اپنی اولاد میں عدل کیا کرو۔ جاؤ میں کسی ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ چنانچہ میرے باپ نے وہ صدقہ لوٹا لیا۔ پھر فرمایا کہ دیکھو کسی عداوت اور ضد میں آ کر عدل سے نہ ہٹ جانا۔ دوست ہو یا دشمن ہو' تمہیں عدل وانصاف کا ساتھ دینا چاہئے۔ یہ تقویٰ سے زیادہ قریب یہی ہے ھُوَ کی ضمیر کے مرجع پر دلالت فعل نے کر دی ہے۔ جیسے کہ اس کی نظیریں قرآن میں اور بھی ہیں اور کلام عرب میں بھی جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ﴾ (النور: ۲۸) یعنی تم اگر کسی مکان میں جانے کی اجازت مانگو اور نہ ملے بلکہ کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ' یہی تمہارے لئے پاکیزگی کا باعث ہے۔ پس یہاں بھی ھو کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں لیکن فعل کی دلالت موجود ہے یعنی لوٹ جانا۔ اسی طرح مندرجہ بالا آیت میں یعنی عدل کرنا۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہاں پر اَقْرَبُ اَفعل التفضیل کا صیغہ ایسے موقعہ پر ہے کہ دوسری جانب اور کوئی چیز نہیں جیسے اس آیت میں ہے: ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾ (الفرقان: ۲۴) اور جیسے کسی صحابیہ کا حضرت عمرؓ سے کہنا کہ: اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔ اللہ سے ڈرو وہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے۔ خیر وشر کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وہ ایمانداروں' نیکوکاروں سے ان کے گناہوں کی بخشش کا اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ گو دراصل وہ اس رحمت کو صرف فضل خداوندی سے حاصل کریں گے۔ لیکن رحمت کی توجہ کا سبب ان کے نیک اعمال بنے پس درحقیقت ہر طرح قابل تعریف وستائش خدا ہی ہے اور یہ سب کچھ اس کا فضل ورحم ہے۔ حکمت وعدل کا تقاضا یہی تھا کہ ایمانداروں اور نیکوکاروں کو جنت دی جائے اور کافروں اور آیات اللہ کی تکذیب کرنے والوں کو جہنم رسید کیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوگا۔

ایک واقعہ ☆

پھر اپنی ایک اور نعمت یاد دلاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ حضور ﷺ ایک منزل پر اُترے لوگ اِدھر اُدھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے ہتھیار اُتار کر ایک درخت پر لگا دیئے۔ ایک اعرابی نے آ کر آپ ﷺ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آنحضرت ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فوراً جواب دیا کہ اللہ عزوجل اس نے پھر یہی سوال کیا' آپ ﷺ نے پھر یہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ کے جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ اب آپ ﷺ نے صحابہ کو آواز دی اور جب وہ آ گئے تو آپ ﷺ نے ان سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اعرابی اس وقت بھی موجود تھا۔ لیکن اُس سے آپ ﷺ نے کوئی بدلہ نہ لیا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دھوکہ سے حضور ﷺ کو قتل کرنا چاہا تھا اور انہوں نے اس اعرابی کو گھات میں بھیجا تھا۔ لیکن خدا نے اسے ناکام اور نامراد رکھا۔ فالحمدللہ

اس اعرابی کا نام صحیح حدیثوں میں غورث بن حارث آیا ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو قتل کے ارادے سے زہر ملا کر کھانا پکا کر دعوت کر دی۔ لیکن خدا نے آپ ﷺ کو علم کرا دیا اور آپ ﷺ بچ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپ ﷺ کو صدمہ

پہنچانا چاہا۔ ابن اسحاقؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنونضیر کے وہ لوگ ہیں' جنہوں نے چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے آپ ﷺ کے سر پر گرانا چاہا تھا۔ جبکہ آپ عامری لوگوں کی دیت لینے کیلئے انکے پاس گئے تھے تو ان شریروں نے عمرو بن جحاش بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم حضور ﷺ کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کر لینگے تو اوپر سے یہ پھینک کر آپ کا کام تمام کر دینا۔ لیکن راستہ ہی میں خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو انکی شرارت وخباثت سے آگاہ کر دیا۔ آپ مع اپنے صحابہؓ کے وہیں سے لوٹ گئے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ کفایت کرنے والا حفاظت کرنے والا وہی ہے۔ اسکے بعد حضور ﷺ بحکم خدا اُن کی طرف مع لشکر کے گئے محاصرہ کیا وہ ہارے اور انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا

يَصۡنَعُوۡنَ ⑭

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کئے اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرما دیا کہ میں تمہارے پاس ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے کو نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص بعد اس کے بھی کفر کرے تو وہ بے شک راہ راست سے دور جا پڑا ہو گا تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا وہ لوگ کلام کو اسکے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی۔ اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے اور آپ کو آئے دن کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی ہے۔ ان میں سے معدودے چند شخصوں کے سوا آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں ہم انصاری ہیں ہم نے ان سے بھی ان کا عہد کیا تھا سو وہ بھی جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے۔ تو ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لئے بغض و عداوت کو ڈال دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔ ○

بنی اسرائیل سے کچھ وعدے ☆

اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عہد و پیمان کی وفاداری کا حق پر قائم رہنے کا عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی ظاہری باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا' تو اب آیتوں میں ان سے پہلے کے اہل کتاب سے عہد و پیمان جو لیا تھا' اس کی حقیقتوں کو بیان فرما رہا ہے۔ پھر جبکہ انہوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ ڈالے تو ان کا کیا حشر ہوا۔ اسے بیان فرما کر گویا مسلمانوں کو عہد شکنی سے روکتا ہے۔ ان کے بارہ سردار تھے۔ یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چودھری تھے۔ جو ان سے ان کی بیعت کو پوری کراتے تھے کہ خدا رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہیں۔ حضرت موسیٰ جب سرکشوں سے لڑنے کے لئے گئے۔ تب ہر قبیلہ میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے: (۱) اوبیل قبیلہ کا سردار شامون بن اکون تھا اور (۲) شمعونیوں کا چودھری شافا ابن جدی اور (۳) یہودا کا کالب بن یوفنا اور (۴) فیخائیل کا ابن یوسف اور (۵) افرائیم کا یوشع بن نون اور (۶) بنیامین قبیلے کا چودھری قینمطمی بن وفون اور (۷) زبولون کا جدی بن شوری اور (۸) منشا کا جدی بن سوسیٰ اور (۹) دان حملاسل کا ابن حمل اور (۱۰) اشار کا ساطور اور (۱۱) نفتالی کا بحر اور (۱۲) یساخر کا لابل۔ تورات کے چوتھے جز میں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں۔ جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں واللہ اعلم۔

موجودہ تورات میں نام یہ ہیں: (۱) بنو اوبیل پر صوفی بن سادون (۲) بنی شمعون پر شموال بن صور (۳) بنی یہودا پر حشون بن عمیا ذاب (۴) بنی یساخر پر شال بن صاعون (۵) بنی زبولون پر الیاب بن حالوب (۶) بنی فرایم پر منشا بن عمہور (۷) بنو منشا پر حمیائیل (۸) بنو بنیامین پر ابیدن (۹) بنو دان پر جعیذر (۱۰) بنو اشار پر نحایل (۱۱) بنو کان پر سیف بن دعوابیل (۱۲) بنو نفتالی پر اجذع۔ یہ یاد رہے کہ لیلۃ العقبہ میں جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے بیعت لی۔ اس وقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے۔ تین قبیلہ اوس کے حضرت اسید بن حضیر، حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت رفاعہ بن

عبدالمنذر رضی اللہ عنہ بعض روایتوں میں ان کے بجائے حضرت ابوالہیثم بن تیہان کا نام ہے اور نو سردار قبیلہ خزرج کے تھے: (۱) ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (۲) سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ (۳) عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (۴) رافع بن مالک بن عجلان (۵) براء بن معرور رضی اللہ عنہ (۶) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (۷) سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (۸) عبداللہ بن عمرو حرام رضی اللہ عنہ (۹) منذر بن عمر بن حبیش رضی اللہ عنہ۔ انہی سرداروں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور ماننے کی بیعت کی۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ ہمیں اس وقت پڑھا رہے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی پوچھا ہے کہ اس امت کے کتنے خلیفہ ہوں گے؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں جب سے عراق آیا ہوں اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا۔ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا: بارہ ہوں گے۔ جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نقیبوں کی تھی۔ یہ روایت سنداً غریب ہے۔ لیکن مضمون حدیث بخاری و مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لوگوں کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ ان کے والی بارہ شخص نہ ہولیں۔ پھر ایک لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں سن نہ سکا۔ تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اب کونسا لفظ فرمایا' انہوں نے جواب دیا کہ سب قریش ہوں گے۔ صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ صالح نیک بخت ہوں گے۔ جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سب پے در پے یکے بعد دیگرے ہوں گے۔ پس چار خلیفہ تو پے در پے ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کی خلافت بطریق نبوت رہی۔ انہی بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بنو عباس میں سے بھی بعض اسی طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہونی ضروری ہے۔

امام مہدی ☆

اور انہی میں سے حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کی بشارت حدیثوں میں آچکی ہے۔ ان کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام پر ہوگا۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم و جبر سے پر ہوگی۔

بعض کے توہمات ☆

لیکن اس سے کسی طرح امام منتظر مراد نہیں۔ اس کی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں۔ نہ سرے سے اس کا کوئی وجود ہے۔ بلکہ یہ تو صرف بعض کی وہم پرستی ہے اور ان کا تخیل ہے۔ نہ اس حدیث سے اسلام کے فرقے اثنا عشری کے ائمہ مراد ہیں۔ اس حدیث کو ان ائمہ پر محمول کرنا بھی اسلام کے اس فرقہ کی بناوٹ ہے۔ جو ان کے غلط استعمال کا کرشمہ ہے۔ تورات میں حضرت اسمٰعیل کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ ان کی نسل میں بارہ بڑے شخص ہوں گے۔ اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی حکمران ہیں۔ لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے اور تھا ان کا اسلام ناقص اور ساتھ ہی جاہل بھی تھے۔ انہوں نے بعض کے کان میں کہیں یہ صور پھونک دیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں۔ ورنہ حدیثیں اس کے صاف خلاف موجود ہیں۔ اب اس عہد و پیمان کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے لیا تھا کہ نمازیں پڑھتے رہیں گے۔ زکوٰۃ دیتے رہیں۔ خدا کے رسولوں کی تصدیق کریں۔ ان کی نصرت و اعانت کریں اور خدا کی مرضی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کریں۔

جب وہ یہ کریں گے تو خدا کی مدد و نصرت ان کے ساتھ رہے گی۔ ان کے گناہ معاف ہوں گے اور یہ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے۔ مقصود حاصل ہوگا اور خوف زائل ہوگا۔ لیکن اگر وہ اس عہد و پیمان کے بعد بھی پھر گئے اور اسے غیر معروف بھی کر دیا تو یقیناً وہ حق سے دور ہو جائیں گے۔ بھٹک اور بہک جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ انہوں نے میثاق توڑ دیا' وعدہ خلافی کی تو ان پر لعنت خدا نازل ہوئی۔ ہدایت سے دُور ہو گئے دل کے سخت ہو گئے۔ وعظ و پند سے مستفید نہ ہو سکے۔ سمجھ بگڑ گئی۔ خدا کی باتوں کی تاویلات کرنے لگے اور باطل تاویلیں گھڑنے لگے جو مراد حقیقی تھی۔ اس سے کلام اللہ کو پھیر کر اور ہی مطلب سمجھنے سمجھانے لگے اور خدا کا نام لے کر وہ وُہ مسائل بیان کرنے لگے جو خدا کے بتلائے ہوئے نہ تھے۔ یہاں تک کہ خدا کی کتاب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔ وہ اس سے بے عمل ہی نہیں بلکہ بے رغبت ہو گئے۔ دین کی اصل حب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔ پھر فروعی عمل کیسے قبول ہوتے؟ عمل چھوٹ جانے کی وجہ سے نہ تو دل ٹھیک رہے نہ فطرت اچھی رہی۔ نہ خلوص و اخلاص رہا۔ غداری اور مکاری کو اپنا شیوہ بنا لیا۔ نت نئے جال نبی ﷺ اور اصحاب نبی (رضی اللہ عنہم) کے خلاف بنتے رہے۔

پھر نبی ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے چشم پوشی کیجئے۔ یہی معاملہ ان کے ساتھ اچھا ہے۔ جیسے حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ جو تجھ سے خدا کے فرمان کے خلاف معاملہ کرے تو اس سے حکم خدا کی بجا آوری کے ماتحت کر اس میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ممکن ہے کہ ان کے دِل حق کی طرف مائل ہو جائیں۔ ہدایت نصیب ہو جائے اور حق کی طرف آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یعنی دوسروں کی بدسلوکی سے چشم پوشی کر کے خود نیک سلوک رکھنے والے خدا کے محبوب ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' درگزر کرنے کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان نصرانیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسول آئے گا یہ اس پر ایمان لائیں گے' اس کی مدد کریں گے اور اس کی باتیں مانیں گے۔ لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی۔ جس کی سزا میں ہم نے اُن میں آپس عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے۔ جو ایک دوسرے کو کافر و ملعون کہتے اور اپنے عبادت خانوں میں بھی نہیں آنے دیتے۔ ملکیہ فرقہ یعقوبیہ فرقے کو اور یعقوبیہ فرقہ ملکیہ فرقے کو کھلے بندوں کافر کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام فرقے۔ اُنہیں اِن کے اعمال پر پوری تنبیہ عنقریب ہوگی۔ انہوں نے بھی خدا کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور خدا کے ذمے تہمتیں لگائی ہیں۔ اس کی بیوی اور اولاد قائم کی ہے۔ یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ واحد فرد واحد لصمد لم یلد ولم یو لد ولم یکن له کفوا احد (الاخلاص: ۱ تا ۴) ہے۔

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡـكِتٰبِ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ‌ؕ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ‏ ﴿۱۵﴾ يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں۔ کتاب میں سے جن اُمور کا تم اخفا کرتے ہو ان میں سے بہت سے باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور بہت سے امور کو واگزاشت کرتے ہیں۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔ O

بعثتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہلِ کتاب کا فرض ☆

فرماتا ہے کہ رب العالی نے اپنے عالی قدر رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف بھیج دیا ہے معجزے اور روشن دلیلیں انہیں عطا فرمائی ہیں' جو باتیں یہود نصاری نے بدل ڈالی تھیں' تاویلیں کر کے دوسرے مطلب بنا لئے تھے اور خدا کی ذات پر بہتان باندھتے تھے۔ کتاب اللہ کے جو حصے اپنی خواہشات کے خلاف پاتے انہیں چھپا لیتے تھے۔ ان سب کو یہ رسول ظاہر کرتے ہیں۔ ہاں جس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو' یہ بیان نہیں فرماتے۔ مستدرک میں ہے جس نے رجم کے مسئلہ کا انکار کیا اُس نے قرآن سے انکار کیا۔ چنانچہ اس آیت میں اسی رجم کو چھپانے کا ذکر ہے۔ پھر قرآن عظیم کی بابت فرماتا ہے کہ اسی نے اس نبی کریم پر اپنی یہ کتاب اتاری ہے۔ جو کہ جویائے حق کو سلامتی کی راہ بتلاتی ہے۔ لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کی نور کی طرف لے جاتی ہے اور راہ مستقیم کی رہبر ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے خدا کے انعاموں کو حاصل کر لینا اور اس کی سزاؤں سے بچ جانا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ یہ ضلالت کو مٹا دینے والی اور ہدایت کو واضح کر دینے والی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

بلا شبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے۔ آپ یوں پوچھئے اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ایسا شخص ہے جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں ان پر اور جس چیز کو چاہیں پیدا کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے اور یہود اور انصاری دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ آپ یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض عذاب کیوں دیں گے۔ بلکہ تم بھی منجملہ اور مخلوقات کے ایک معمولی آدمی ہو۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے اور جس کو چاہیں گے سزا دیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ○

عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنا کفر ہے ☆

اللہ تبارک وتعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے خدا کی مخلوق کو خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ شریک سے پاک ہے تمام چیزیں اس کی محکوم اور مقدور ہیں۔ ہر چیز پر اسکی حکومت اور ملکیت ہے۔ کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرأت کر سکے۔ وہ اگر مسیح کو اُن کی والدہ کو اور رُوئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہے تو بھی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آگے دَم مار سکے اسے روک سکے۔ تمام موجودات اور مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے۔ سب کا خالق اور سب کا حکمران وہی ہے۔ جو چاہے کر گزرے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔ اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے۔ اس کی عظمت عزت بہت بلند ہے۔ وہ عادل و غالب ہے۔ جسے جس طرح چاہے بناتا ہے بگاڑتا ہے۔ اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں۔

نصرانیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نصرانیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے خدا پر ایک جھوٹ یہ باندھا ہے کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ ہم انبیا کی اولاد ہیں اور وہ خدا کے لاڈلے فرزند ہیں۔ اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے اسرائیل کو کہا ہے: اَنْتَ اِبْنِیْ بِكْرِیْ۔ پھر تاویلیں کر کے مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے کہ جب وہ اللہ کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی اللہ کے بیٹے اور عزیز ہیں حالانکہ خود ان ہی میں سے جو عقل مند صاحب دین تھے۔ وہ انہیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف عظمت ثابت ہوتی ہے نہ کہ قرابت داری۔ اس معنی کی آیت نصرانی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی اَبِیْ وَاَبِیْكُمْ۔ اس سے مراد ان کا سگا باپ نہ تھا۔ بلکہ ان کے اپنے محاورے میں خدا کے لئے یہ لفظ بھی آیا تھا۔ پس مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں اور یہ اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں اس آیت میں جو کہ نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف ہے۔ وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے۔ لیکن وہ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی نسبت دیتے ہیں۔ اس نسبت پر اپنے تئیں نہیں

سمجھتے۔ پس یہ لفظ عزت و رفعت کے لئے تھا نہ کہ کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفرو کذب بہتان و افترا پر خدا تمہیں سزا کیوں کرتا ہے۔ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرمادی۔ یہ قول نہایت عمدہ ہے اور اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گزر رہے تھے۔ ایک چھوٹا سا بچہ راہ میں کھیل رہا تھا۔ اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ آ رہی ہے۔ تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندا نہ جائے میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھالیا اس پر صحابہؓ نے کہا حضور ﷺ! یہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے سارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا۔

یہودیوں کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو۔ تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے۔ وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے پکڑے۔ وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ اس کا حکم کوئی رَد نہیں کر سکتا اور وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اس کی ملک ہے اس کے دباؤ میں ہے اس کی بادشاہت تلے ہے۔ سب کو لوٹنا اسی کی طرف ہے۔ وہی بندوں کا فیصلہ کرے گا۔ وہ ظالم نہیں عادل ہے۔ نیکوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا۔ نعمان بن آصا بحر بن عمر، شاس بن عدی جو یہودیوں کے بڑے درجے کے علما تھے۔ حضور ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا بجھایا اور آخر میں عذابوں سے ڈرایا تو کہنے لگے۔ سنئے حضرت آپ ہمیں کیا ڈرا رہے ہیں ہم تو اللہ کے بچے اور اس کے پیارے ہیں۔ نصرانی بھی کہتے تھے۔ پس یہ آیت اتری۔ ان لوگوں نے یہ ایک بات بھی گھڑ کر آپس میں مشہور کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیل کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تیرا پہلوٹھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے۔ اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی۔ اس مدت میں آگ انہیں پاک کر دے اور ان کی خطاؤں کو کھا جائے گی۔ پھر ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ اسرائیل کی اولاد میں سے جو ختنہ شدہ ہوں وہ نکل آئیں یہی معنی ہیں ان کے اس قول کے جو قرآن میں مروی ہیں کہ وہ کہتے تھے ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ پہنچے ہیں جو کہ تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم یوں کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ چکے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ O

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی عذر مسموع نہ ہوگا ☆

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے فرماتا ہے میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے۔ جو خاتم انبیاء ہیں اور جن کے بعد کوئی نبی رسول آنے والا نہیں۔ یہ سب کے بعد ہیں۔ دیکھو حضرت عیسیٰؑ سے لے کر حضور ﷺ کی بعثت تک چھ سال کی مدت ہے کوئی پانچ سو ساٹھ کہتا ہے بعض پانچ سو چالیس برس کی مدت کہتے ہیں کوئی کہتا ہے چار سو کچھ اور تیس برس کی مدت سے ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو تینتیس سال کا فاصلہ تھا لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے۔ یعنی چھ سو سال کا۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سو بیس سال کا فاصلہ تھا۔ ان دونوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول شمسی حساب سے ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اور اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اسی لئے اہل کہف کے قصے میں ہے: ﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾ (الکہف: ۲۵) وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو برس اور زیادہ۔

پس شمسی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھے۔ وہ تین سو سال کی تھی۔ تو بڑھا کر قمری حساب پورا ہوا۔ آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ سے جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ حضرت محمد ﷺ تک جو علی الاطلاق خاتم النبیین تھے۔ فترت کا زمانہ تھا۔ یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں حضرت عیسیٰؑ سے بہ نسبت اور سب لوگوں کے زیادہ اولیٰ ہوں۔ اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے' جو خیال کرتے ہیں کہ دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نبی گزرے ہیں۔ جن کا نام خالد بن سنان تھا۔ جیسے کہ قضاعی وغیرہ نے بیان کیا۔ مقصود یہ کہ خاتم الانبیا حبیب اللہ ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لائے ہیں' جب کہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے۔ ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں۔ دنیا توحید کو بھلا چکی ہے۔ جگہ جگہ مخلوق پرستی ہو رہی ہے۔ سورج' چاند' بت' آگ پوجی جا رہی ہے۔ خدا کا دین بدل چکا ہے۔ کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے۔ دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی سے بھر چکا ہے۔ عدل و انصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے۔ جہالت و غباوت کا دور دورہ ہے۔ بجز چند نفوس کے خدا کا نام لیوا زمین پر نہیں رہا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت و عزت خدا کے پاس بہت بڑی تھی اور آپ ﷺ نے جو خدائی رسالت ادا کی وہ کوئی معمولی رسالت نہ تھی۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا: مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں جس سے تم واقف نہیں اور خدا تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں۔ فرمایا ہے: میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے وہ ان کے لئے حلال کیا ہے۔ میں نے اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا ہے۔ لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انہیں بہکاتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ میرے ساتھ بے دلیل شرک کریں۔ سنو! اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور تمام عرب و عجم کو ناپسند فرمایا۔ ان چند بقایا بنی اسرائیل کے جو توحید پر قائم ہیں۔ پھر (مجھ سے) فرمایا: میں نے تجھے اسی لئے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اوروں کی بھی آزمائش کروں۔ میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا۔ جسے تو سوتے جاگتے پڑھتا ہے۔

پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ میں قریشیوں میں پیغام حق پہنچاؤں۔ میں نے کہا: خدایا یہ تو میرا سر کچل کر روٹی جیسا

بنا دیں گے۔ پروردگار نے فرمایا: تو انہیں نکال جیسے انہوں نے تجھے نکالا۔ تو ان سے جہاد کر' تیری امداد کی جائے گی۔ تو ان پر خرچ کر' تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ان کے مقابل میں لشکر بھیج ہم اس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے۔ اپنے فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر۔ جنتی لوگ تین قسم کے ہیں: (۱) بادشاہ عادل توفیق خیر والا۔ صدقہ خیرات کرنے والا اور (۲) رحم دل ہر قرابت دار مسلمان کے ساتھ نرم دلی کرنے والا اور (۳) باوجود مفلس ہونے کے حرام سے بچنے والا۔ حالانکہ اہل وعیال بھی ہے اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں: (۱) وہ سفلے جو بے دین خوشامد پسند اور ماتحت ہیں جن کے آل اولاد' دھن دولت نہیں اور (۲) وہ خائن لوگ جن کی نظر چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی ہوتی ہے اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے اور (۳) وہ لوگ جو صبح شام لوگوں کو ان کے اہل مال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں اور (۴) بخیل یا فرمایا کذاب اور (۵) شنظیر یعنی بدگو۔ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت سچا دین دنیا پر نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے لوگوں کو اندھیروں سے اور گمراہیوں سے نکال کر اجالے میں اور راہ راست پر لا کھڑا کیا اور اسے روشن وظاہر شریعت عطا فرمائی۔ اس لئے کہ لوگوں کا عذر ختم ہو جائے۔ انہیں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ نہ تو کسی نے کوئی خوشخبری سنائی نہ دھمکایا نہ ڈرایا۔ پس کامل قدرتوں والے خدا نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ وہ اپنے فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر اور نافرمانوں کو عذاب کرنے پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا

دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ ع

اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔ اے میری قوم اس متبرک ملک میں داخل ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصے میں لکھ دیا ہے اور پیچھے واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ کہنے لگے: اے موسیٰ! وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی ہیں اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نہ نکل جائیں۔ ہاں اگر وہ وہاں سے کہیں اور جگہ چلے جائیں تو ہم بیشک جانے کو تیار ہیں۔ ان دو شخصوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں سے تھے جن پر اللہ نے فضل کیا تھا کہ کہ تم ان پر دروازہ تک تو چلو۔ سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم تو ہرگز کبھی بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے۔ جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں تو آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جایئے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔ موسیٰ دعا کرنے لگے: اے میرے پروردگار! اپنی جان اور اپنے بھائی پر البتہ اختیار رکھتا ہوں سو آپ ہم دونوں کے اور اس بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ ارشاد ہوا تو یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا۔ یوں ہی زمین میں سر مارتے پھرتے رہیں گے۔ سو آپ اس بے حکم قوم پر غم نہ کیجئے۔ ○

نبوت اور سلطنت اللہ عزوجل کے دو انعام ہیں ☆

حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو خدا کی نعمتیں یاد دلا کر اطاعت خدا کی طرف مائل کیا تھا۔ یہاں اسی کا بیان ہے فرمایا: لوگو! خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے مسلسل نبی تم میں تمہیں میں سے بھیجے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بعد انہی کی نسل میں نبوت رہی۔ یہ سب انبیا علیہم السلام تمہیں دعوت توحید و اتباع دیتے رہے۔ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح اللہ پر ختم ہوا۔ پھر خاتم الانبیا والرسل حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کو نبوت کاملہ عطا ہوئی۔ آپ حضرت اسمٰعیل کے واسطے سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے۔ جو اپنے سے پہلے کے تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل تھے۔ خدا آپ ﷺ پر درود و سلام نازل فرمائے اور تمہیں اس نے بادشاہ بنا دیا۔ یعنی خادم دیئے بیویاں دیں گھر بار دیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے تھے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ کہا گھر بھی ہے؟ کہا پھر تو غنی ہے۔ اس نے کہا: یوں تو میرا خادم بھی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر تو تو باشاہوں میں سے ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں سواری

اور خادم ملک ہے۔ بنی اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے۔ بقول قتادہؒ خادموں کا اوّل اوّل رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم سواری اور بیوی ہو وہ بادشاہ کہا جاتا تھا۔ ایک اور مرفوع حدیث ہے جس کا گھر ہو اور خادم ہو وہ بادشاہ ہے۔ یہ حدیث مرسل اور غریب ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے: جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو اس کا نفس امن و امان میں ہو۔ دن بھر کفایت کرے۔ اثاثہ مال بھی ہو اس کے لئے گویا کل دنیا سمٹ کر آ گئی۔ اس وقت جو یونانی قبطی وغیرہ تھے۔ ان سے یہ اشرف و افضل بنا دیئے گئے تھے اور آیت میں ہے ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب حکم نبوت پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی حضرت موسیٰؑ سے جب انہوں نے مشرکوں کی دیکھا دیکھی خدا بنانے کو کہا اس کے جواب میں موسیٰؑ نے خدا کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اس وقت کے تمام لوگوں پر کیونکہ ایک یہ حقیقت ہے کہ یہ امت ان سے افضل ہے۔ شرعی حیثیت سے بھی اور احکامی حیثیت سے بھی کیا نبوت کی حیثیت سے۔ کیا بادشاہت عزت مملکت و دولت، حشمت مال اولاد وغیرہ کی حیثیت سے۔ خود قرآن فرماتا ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ......﴾ (آل عمران: ۱۱۰) اور فرمایا: ﴿وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا﴾ (البقرہ: ۱۴۳) یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ساتھ اس فضیلت میں امت محمدی کو شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض امور میں انہیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی۔ جیسے من و سلویٰ کا اترنا۔ بادلوں سے سایہ دینا وغیرہ وغیرہ۔ جو خلاف عادت چیزیں تھیں۔ یہ قول تو اکثر مفسرین کا ہے۔ جیسا پہلے بیان ہو چکا کہ مراد اس سے ان کے اپنے زمانے والوں پر انہیں فضیلت دیا جانا ہے۔ واللہ اعلم۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی ☆

پھر بیان ہوتا ہے کہ بیت المقدس ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں انہی کے قبضہ میں تھا اور جب وہ مع اہل و عیال کے حضرت یوسفؑ کے پاس مصر میں چلے گئے تو یہاں عمالقہ قوم اس پر قبضہ جما بیٹھی تھی۔ وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو۔ خدا تمہیں ان پر غالب کرے گا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادی تیہ میں حیران و سرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے۔ مقدسہ سے مراد پاک ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں اریحا کا ذکر ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ نہ تو اریحا کا فتح کرنا مقصود تھا نہ وہ ان کے راستہ میں تھا۔ کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آ رہے تھے اور بیت المقدس جا رہے تھے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشہور ہو جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرق رخ تھا۔ اللہ نے اسے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے باایمان لوگوں کے ورثہ میں آئے گی۔ تم اپنی پیٹھوں کو نہ پھیر لو۔ یعنی جہاد سے منہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ۔ ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ جس شہر میں جانے کو اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کو آپ فرما رہے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی طاقتور اور جنگجو ہیں ہم اُن سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ ہم وہاں جا نہیں سکتے ہیں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں۔ تو ہم چلے جائیں گے ورنہ آپ کی حکم برداری ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب اریحا کے

قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کئے۔ بنو اسرائیل کے قبیلہ میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحا میں بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں۔ یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوف زدہ ہو گئے۔ ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے۔ اتفاق سے باغ والا پھل توڑنے کے لئے آ گیا۔ وہ پھل توڑتا ہوا اُن کے نشانِ قدم ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی ساتھ اس گٹھڑی میں باندھ لیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے باغ کے پھل کی گٹھڑی کھول کر ڈال دی جس میں یہ سب تھے۔ بادشاہ نے انہیں کہا: اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا میں تمہیں قتل نہیں کرتا۔ جاؤ واپس جاؤ اور اپنے لوگوں سے کہہ دو۔ چنانچہ انہوں نے جا کر سب حال بیان کیا جس سے بنی اسرائیل رعب میں آ گئے۔ لیکن اس کی اسناد ٹھیک نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ان میں سے ایک شخص نے پکڑ لیا اور چادر میں ان کی گٹھڑی باندھ کر شہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے ان کو ڈال دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا کہ ہم موسیٰ ﷺ کی قوم کے لوگ ہیں۔ ہم تمہاری خبریں لینے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے ایک انگور ان کو دیا۔ جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ ان سے کہہ دو کہ یہ ہمارے میوے ہیں۔ انہوں نے جا کر قوم سے کہہ دیا۔ اب حضرت موسیٰؑ نے انہیں جہاد کا حکم دیا اور شہر میں جانے کا حکم دیا۔ تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا خدا جائیں اور لڑیں۔ ہم تو یہاں سے ہلنے کے نہیں۔ حضرت انسؓ نے ایک بانس لے کر ناپا جو پچاس یا پچپن ہاتھ کا تھا۔ پھر اسے گاڑ کر فرمایا: ان عمالیق کے قد اس قدر لمبے تھے۔ مفسرین نے یہاں پر اسرائیلی روایتیں بہت سی بیان کی ہیں کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے ایسے موٹے اور اس قدر لمبے تھے۔

عوج بن عنق ☆

ان ہی میں عوج بن عنق بن حضرت آدمؑ تھا۔ جس کا قد لمبائی میں تین ہزار تین سو تینتیس گز کا تھا اور چوڑائی اس کے جسم کے تین گز کی تھی۔ لیکن یہ سب باتیں واہی ہیں۔ ان کے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے۔ پھر یہ حدیث صحیح کے خلاف بھی ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ساٹھ ہاتھ کا پیدا کیا۔ تب سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے۔ ان اسرائیلی روایتوں میں بھی ہے کہ عوج بن عنق کافر تھا اور ولد الزنا تھا۔ یہ طوفانِ نوح میں تھا اور حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں نہ بیٹھا تھا۔ لیکن تاہم پانی اس کے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچا تھا۔ یہ بھی محض لغو اور بالکل جھوٹ ہے۔ بلکہ قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں نوح نبی علیہ السلام کی دعا یہ مذکور ہے کہ زمین پر ایک کافر بھی باقی نہ رکھ۔ یہ دعا ہوئی اور یہی ہوا بھی۔ قرآن فرماتا ہے کہ ہم نے نوحؑ اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی اور سب کافروں کو غرق کر دیا۔ خود قرآن میں ہے کہ آج کے دن بجز اُن لوگوں کے جن پر رحمت خدا ہے کوئی بھی بچنے کا نہیں تعجب ہے کہ نوحؑ کا لڑکا بھی جو ایماندار نہ تھا' نہ بچ سکا۔ لیکن عوج بن عنق کافر (ولد الزنا) بچ رہے۔ یہ بالکل عقل ونقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو سرے سے اس کے بھی قائل نہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص تھا۔ واللہ اعلم۔ بنی اسرائیل جب اپنے نبیؑ کی نہیں مانتے۔ بلکہ ان کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو دو شخص جن پر خدا کا انعام واکرام تھا۔ وہ انہیں سمجھاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں خوف تھا کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذاب خدا نہ آ جائے۔ ایک قرأت میں یَخَافُوْنَ کے بدلے یُخَافُوْنَ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت وعظمت تھی۔ ایک کا نام یوشع بن نون تھا۔ دوسرے کا نام کالب بن یوفنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھو گے۔ اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کر دے گا اور وہ خود تمہاری مدد اور تائید کرے گا اور

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ ۶

تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔ تم دروازے تک تو چلو۔ یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے۔ لیکن ان نامرادوں نے بڑے اصرار کے ساتھ کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے یہ دیکھ کر بہت سمجھایا۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی۔ لیکن وہ نہ مانے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت یوشع اور حضرت کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انہیں بہت کچھ ملامت کی۔ لیکن یہ بدنصیب اور اکڑ گئے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انہوں نے پتھروں سے شہید کر دیا۔ ایک طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا اور بے طرح مخالفت رسول پر تل گئے۔ ان کے اس حال کو سامنے رکھ کر پھر صحابۂ رسول ﷺ کے حال کو دیکھئے کہ جب نو سو یا ایک ہزار کافر اپنے قافلہ کو بچانے کے چلے۔ قافلہ تو دوسرے راستہ سے نکل گیا۔ لیکن انہوں نے اپنی طاقت اور قوت کے گھمنڈ پر رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رخ کیا۔ ادھر حضور ﷺ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے اپنے اصحابؓ سے کہا کہ بتلاؤ اب کیا کرنا چاہئے۔ اللہ ان سب سے خوش رہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے اپنے مال اپنی جانیں اور اپنے زن و فرزند سب رکھ دیئے اور کہا: حضور ﷺ مالک ہیں۔ ہم نہ تعداد کو دیکھتے ہیں نہ غلبہ کو دیکھتے ہیں نہ اسباب پر نظریں ہیں۔ بلکہ حضور ﷺ کے فرمان کے منتظر ہیں۔ سب سے پہلے حضرت صدیقؓ نے اس قسم کی گفتگو کی۔ پھر مہاجرین صحابہ میں سے بہت سوں نے اسی قسم کی تقریر کی۔ لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا اور صاحب بھی اپنا ارادہ ظاہر کریں۔ آپ ﷺ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ انصار کا دلی ارادہ معلوم کریں۔ اس لئے کہ یہ جگہ انہی کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے۔

اس پر سعد بن معاذ انصاریؓ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: شاید آپ کا ارادہ ہمارا منشا معلوم کرنے کا ہے۔ سنئے یا رسول اللہ! قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ ﷺ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کر کے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ' بے پس و پیش اس میں کود جائیں گے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہو گا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے۔ حضور آپ ﷺ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیں شوق سے لے چلئے۔ آپ ﷺ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں۔ آپ ﷺ جان لیں گے کہ ہم خدا کی ملاقات کو سچ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کا نام لیجئے' اٹھ کھڑے ہو جایئے' ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ سن کر خدا کے رسول ﷺ خوش ہو گئے اور آپ ﷺ کو انصارؓ کی باتیں بہت ہی اچھی معلوم ہوئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر آپ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ کہا۔ پھر انصاریوں سے کہا کہ اگر آپ ہمارے سننا چاہتے ہیں تو سنئے: ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ کہہ دیں' آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ خدا کی مدد لے کر جہاد کے لئے چلئے' ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت مقداد انصاریؓ نے بھی کھڑے ہو کر یہی فرمایا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقدادؓ کے اس قول سے اللہ کے رسول ﷺ خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ حضور لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہوں گے۔ کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کو اس قدر خوش کر سکتا۔

ایک روایت میں حضرت مقدادؓ کا یہ قول حدیبیہ کے دن کا ہے۔ جب کہ مشرکین نے آپ کو عمرہ کے لئے بیت اللہ

شریف جاتے ہوئے راستہ میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ نہ پہنچ سکے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی قربانی کے جانور کو لے کر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں تو حضرت مقداد بن اسودؓ نے فرمایا کہ ہم اصحاب موسیٰ کی طرح نہیں۔ یہ ان ہی سے ہو سکا کہ اپنے نبی سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ آپ چلئے خدا کی مدد آپ ﷺ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپ ﷺ کے ساتھی ہیں۔ یہ سن کر اور اصحابؓ نے اسی طرح جانثاریوں کے وعدے کرنے شروع کر دیئے۔ پس اگر اس روایت میں حدیبیہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہو اور حدیبیہ والے دن بھی یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

حضرت موسیٰ کو یہ سن کر اپنی امت پر بہت غصہ آیا اور خدا کے سامنے ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا کہ رب العالمین مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ تو اب میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ جناب باری نے اس دعا کو قبول فرمایا اور فرمایا کہ اب یہ چالیس سال تک یہاں سے نہیں جا سکتے۔ وادیٔ تیہ میں حیران و سرگرداں پھرتے رہیں گے۔ کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔

عجائبات ☆

یہاں انہوں نے عجیب و غریب خلافِ عادت امور دیکھے۔ مثلاً اَبر کا سایہ ان پر ہونا' من و سلویٰ کا اُترنا' ایک ٹھوس پتھر سے جو ان کے ساتھ تھا' پانی کا نکلنا۔ حضرت موسیٰ نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلہ کی طرف ایک چشمہ بہہ نکلا۔ اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنی اسرائیل نے وہاں پر دیکھے۔ یہیں تورات اتری' یہیں احکام خدا نازل ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی میدان میں چالیس سال تک یہ گھومتے پھرتے رہے۔ لیکن کوئی راہ وہاں سے نکل جانے کی انہیں نہیں ملی۔ ہاں اَبر کا سایہ اُن پر کر دیا گیا اور من و سلویٰ اتار دیا گیا۔ فتون کی مطول حدیث میں ابن عباسؓ سے یہ مروی ہے۔ پھر حضرت ہارونؑ کی وفات ہو گئی اور اس تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ بھی انتقال کر گئے۔ پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نونؑ نبی بنائے گئے۔ اس اثنا میں بہت سے بنی اسرائیل مر مرا چکے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت یوشع اور کالب ہی باقی رہے تھے۔ بعض مفسرین سَنَةً پر وقف تام کرتے ہیں اور اَرْبَعِيْنَ سَنَةً کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا عامل يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ کو بتلاتے ہیں۔ اس چالیس مدت کے گزرنے کے بعد جو بھی باقی تھے' انہیں لے کر حضرت یوشع بن نونؑ نکلے اور اور دوسرے پہاڑ سے باقی بنو اسرائیل ان کے ساتھ ہو لئے اور آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد جب کہ فتح کا وقت آ پہنچا۔ دشمنوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور سورج ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی۔ اس لئے اللہ کے نبی نے فرمایا: اے سورج تو بھی خدا کا غلام ہے اور میں بھی خدا کا محکوم ہوں۔ اے اللہ اسے ذرا سی دیر روک دے۔ چنانچہ خدا کے حکم سے سورج رک گیا اور آپ نے دِلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو اس شہر کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جائیں اور حِطَّةٌ کہیں۔ یعنی خدایا ہمارے گناہ معاف فرما۔ لیکن انہوں نے خدا کے حکم کو بدل دیا۔ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور زبان سے حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ کہتے ہوئے شہر میں گئے۔ مزید تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ دوسری روایت میں اتنا اور ہے کہ

[1] یہ بنی اسرائیل کی معاندت اور اللہ کے احکام کے ساتھ تمسخر کا مظہر ہے۔

اس قدر مال غنیمت انہیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انہوں نے دیکھا نہ تھا۔ فرمان خدا کے مطابق اسے آگ میں جلانے کے لئے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اسے نہ جلایا۔ اس پر ان کے نبی یوشع نے فرمایا: تم میں سے کسی نے اس میں سے چرا لیا ہے۔ پس میرے پاس ہر قبیلہ کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔ چنانچہ یوں ہی کیا گیا۔ ایک قبیلہ کے سردار کا کا ہاتھ اللہ کے نبی کے ہاتھ سے چپک گیا۔ آپ نے فرمایا: تیرے پاس وہ خیانت کی چیز ہے جا اسے لے آ۔ اس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا۔ جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے۔ جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا۔ اب آگ نے سب مال کو جلا دیا۔ امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً میں فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عامل ہے اور بنی اسرائیل کی یہ جماعت چالیس برس تک اسی میدان تیہ میں سرگردان رہی۔ پھر حضرت موسیٰ کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا۔

اِس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت کلیم اللہ نے ہی قتل کیا ہے۔ تو اگر اس کا قتل عمالیق کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیق کا انکار کر بیٹھتے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے۔ علما یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعور نے قوم عمالیق کے سرکشوں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰ پر بددعا کی۔ یہ واقعہ بھی اس میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے۔ اِس لئے کہ اس سے پہلے تو سرکشوں کو موسیٰ اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا۔ ابن جریر کی یہی دلیل ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ اُوپر اچھل کر آپ نے عوج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا۔ اس کے جثے سے نیل کا پل بنایا گیا تھا۔ جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین سو گز کا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم و رنج نہ کرو وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں۔ اس واقعہ میں یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ ہے اور ان کی مخالفتوں اور برائیوں کا بیان ہے کہ یہ دشمنان خدا سختی کے وقت خدا کے دین پر قائم نہیں رہتے۔ رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے ہیں۔ جہاد سے جی چراتے ہیں۔ خدا کے اس کلیم و بزرگ رسول کی موجودگی کا ان کے وعدے کا ان کے حکم کا کوئی پاس انہوں نے نہیں کیا۔ دن رات معجزے دیکھتے تھے۔ فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گزرا تھا۔ خدا کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ تھے۔ وہ نصرت و فتح کے وعدے کر رہے ہیں۔ مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا رہے ہیں اور نہ صرف انکار بلکہ بے باکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں۔ نبی کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دے دیتے ہیں۔ اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے ساز و سامان اور لشکر و رعیت سمیت اس ربّ نے ڈبو دیا۔ لیکن پھر بھی اس بستی والوں کی طرف خدا کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے۔ حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے۔ پس خدا کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے۔ ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہوتی ہے اور آئے دن اس کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ گو اپنے تئیں خدا کے محبوب جانتے تھے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے۔ دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے۔ سؤر و بندر بھی بنائے گئے لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے۔ پس تمام تعریف اس خدا کے لئے ہے جس کی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾

اور آپ ان اہل کتاب کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنایئے۔ جب کہ دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔ وہ دوسرا کہنے لگا میں تجھ کو ضرور قتل کر دوں گا۔ اس ایک نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ متقیوں کا عمل قبول کرتے ہیں۔ اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے دست درازی نہ کروں گا۔ میں تو خدائے پروردگار سے ڈرتا ہوں۔ میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر پر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی۔ سو اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ پھر اس کو قتل ہی کر ڈالا۔ جس سے بڑے نقصان اُٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ زمین کرید رہا تھا۔ تا کہ اس کو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریقہ سے چھپا دے۔ کہنے لگا افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے گیا گزرا ہوں کہ اس کوے کے ہی برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا' سو بڑا شرمندہ ہوا۔ ○

رُوئے زمین پر پہلا قتل ☆

اس قصے میں حسد' بغض' سرکشی اور صبر کا برا انجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہوئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بن کر مارڈالا گیا اور اپنا ٹھکانہ جنت میں بنالیا اور دوسرے نے اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ

بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہانوں میں برباد ہوا۔ ارشاد ہے اے نبی انہیں حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم و کاست قصہ سنا دو۔ ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا۔ روایت میں ہے چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی۔ اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو ہوتے تھے۔ پھر دوسرے حمل سے بھی اسی طرح۔ تو ایک حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا۔ ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی۔ تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کر لے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے منع کیا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں خدا کے نام پر کچھ نکالو جس کی خیرات قبول ہو جائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے۔ ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی۔ جس کا بیان قرآن کی ان آیات میں ہے۔

حاصل کلام ☆ مفسرین کے اقوال سنئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرمانے کے بعد روایت ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا۔ قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوبرو تھی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے روکا۔ اب دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہو جائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا' زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ نے کہا نہیں۔ حکم ہوا مکہ میں ہے تم وہیں جاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے کہا میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا۔ زمین سے کہا وہ بھی انکاری ہو گئی۔ پہاڑوں سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا۔ قابیل سے کہا' اس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں۔ آپ جائیے آ کر ملاحظہ فرمالیں گے اور خوش ہوں گے۔ اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ بھیڑ نام خدا پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ للہ نکالا۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی۔ اس کی کھیتی یوں ہی رہ گئی۔ اس نے راہ للہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالی تھیں۔ چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آئے گی۔ اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ اس نے کہا اللہ تقویٰ کرنے والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہی بھیڑ جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ بھیڑ ہے' جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب جانور خدا کے نام قربان کیا اور خوشی کے ساتھ۔ برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بھی بد دلی سے خدا کے نام نکالی تھی۔ ہابیل تنومندی میں اور طاقتوری میں قابیل سے زیادہ تھا۔ تاہم خدا کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کی ظلم و زیادتی برداشت کی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے کہا۔ تو اس نے کہا کہ آپ چونکہ ہابیل کو چاہتے ہیں' اس کے لئے دعا کی اس کی قبول ہو گئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے کو ہی اکھاڑ ڈالوں۔ موقع کا منتظر تھا' اتفاقاً ایک روز حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی۔ تو انہیں بلانے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو بھیجا۔ یہ ایک چھری اپنے ساتھ چھپا کر چلا۔ راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہو گئی تو اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا۔ کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی۔ اس پر ہابیل نے کہا' میں نے بہترین اور عمدہ محبوب و مرغوب چیز اللہ کی راہ میں نکالی اور تو نے ردی چیز۔ اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔ اس پر وہ اور بگڑا اور چھری جھونک دی۔ ہابیل کہتے رہ گئے کہ خدا کو کیا جواب دو گے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بدلہ تجھ سے بُری طرح لیا جائے گا۔ اللہ کا خوف کر' مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا۔ قابیل نے اپنی ہی توام بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کا

ایک یہ وجہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے میں ہی اس کا حقدار ہوں۔ یہ بھی روایت ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی۔ چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں' جسے صدقہ دیا جائے۔ اس لئے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے۔ آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا دیتی۔ یہ نشان تھا قبولیت کا۔ اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی بڑا بھائی خار (غصہ) کھا گیا اور اس کے قتل کے درپے ہو گیا۔ یوں ہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی۔ نکاح کے اختلاف مٹانے کی وجہ نہ تھی۔ قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ باعثِ ناراضگی' عدم قبولیتِ قربانی تھی نہ کچھ اور۔

ایک روایت مندرجہ روایتوں کے خلاف بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی خدا کے نام نذر دی تھی' جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے بھی خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا رہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لوگ میدان قیامت میں ہوں گے۔ تو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیز گار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور خدا کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ نہ ان سے رخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابو عفیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا جو شرک اور بُت پرستی سے بچے اور خالص خدا کی عبادت کرے۔ پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی۔ وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سُن کر اس سے کہتا ہے کہ خیر تو جو چاہے کر' میں تو تیری طرح کروں گا نہیں۔ بلکہ میں صبر کر لوں گا۔ تھے تو وہ زور آور طاقت میں اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی' نیک بختی اور تواضع' فروتنی اور پرہیز گاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے' لیکن مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہونے کا۔ میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ وہ تمام جہان کا رب ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا قاتل تو خیر ہے لیکن مقتول کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو گھیر رکھا تھا' کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے' عنقریب فتنہ برپا ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔ کسی نے پوچھا' حضور اگر کوئی میرے گھر میں گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر بھی تو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح ہو جا۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی منقول ہے۔ حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس امت میں سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جانور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ آ سکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا جو حکم خدا اور رسول ہو۔ فرمایا صبر کرو۔ پھر فرمایا جب کہ آپس میں خونریزی ہو گی۔ یہاں تک کہ ریت کے پتھر بھی خون میں ڈوب جائیں گے' تب تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کر لے۔ کہا پھر اگر چہ میں نہ اُتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا جن کا تو ہے اور وہیں رہ۔ عرض کیا کہ پھر میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں۔ فرمایا پھر تو تُو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعاعیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے۔ تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔

حضرت ربعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں تھے تو ایک صاحب نے فرمایا' میں نے مرحوم سے سنا

ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز کے گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا۔ اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے تو میں کہہ دوں گا کہ تو اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر لے لے پس میں حضرت آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں سے جو بہتر تھا اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر رکھ لے جائے یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی' یہ مطلب بھی حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ میری خطائیں بھی تجھ پر آ پڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی' لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی ہے۔ ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اس بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اُوپر لیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اسکی کوئی اصل نہیں۔

بزار میں ایک حدیث میں ہے کہ بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں' تاہم یہ بھی صحیح نہیں اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذا کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اب وہ قاتل پر آ جاتے ہیں۔ یہ بات ثابت نہیں۔ ممکن ہے بعض قاتل ایسے بھی ہوں۔ قاتل کو میدانِ قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لیتا جائے گا اور اگر سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے۔ تو ممکن ہے بعض قاتلوں کے سر پر سارے ہی گناہ پڑ جائیں گے کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے کے لئے جانے حدیثوں سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑا ظلم ہے اور سب سے بدتر۔ واللہ اعلم۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے لے۔ تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آ جائیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور اور ڈرایا اور خوف زدہ کیا کہ اس کام سے باز آ جائے۔ ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے کا ہی نہیں تو سارا بوجھ تجھ ہی پر ہو گا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ باوجود اس نصیحت کے بھی اس کے نفس نے اسے دھوکہ دیا اور غصے' حسد اور تکبر میں آ کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اسے شیطان نے قتل پر اُبھار دیا اور اس نے اپنے نفس امّارہ کی پیروی کر لی اور لوہے سے اسے مار ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے۔ یہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور بڑا بھاری پتھر اُٹھا کر ان کے سر پر دے مارا۔ یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر اور گلا دبا دبا کر ان کی جان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔ یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر زور سے دے مارا۔ جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا۔ یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا۔ یہ بھی منقول ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا۔ تو قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا' کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا۔ یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتلایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال۔ جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوا کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ انہوں نے کہا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب وہ نہ کھاتا پیتا ہے' نہ بولتا چالتا ہے' نہ ہلتا ڈولتا ہے۔ کہا کہ شاید موت آ گئی۔ اس نے کہا وہی موت۔ اس پر حوا چیخنے چلانے لگیں۔ اتنے میں حضرت آدم علیہ السلام آئے پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں۔ آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرطِ غم و

رنج کی وجہ سے ان کی زبان نہ اُٹھی۔ تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں۔ قابیل خسارے اور نقصان والا ہو گیا۔ دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا بوجھ آدم کے اس پہلے لڑکے پر بھی پڑتا ہے اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خونِ ناحق گرایا ہے۔

مجاہد کا قول ہے کہ قابیل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے لٹکا دیا گیا اور اس دن سے اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا۔ سورج کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہنم کے آدھوں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے۔ سب سے بڑا معذب یہی ہے۔ زمین کے ہر قتل کا حصہ گناہ اس کے ذمہ ہے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے۔ وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے۔ یہ اس کے سامنے لڑنے لگے یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش رکھ دی اور اُوپر سے مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں یہ ترکیب آ گئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح دفن کیا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ سال بھر تک تو قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کاندھے پر لادے پھرتا رہا۔ پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا۔ کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مار ڈال کر پھر بہت پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔

اہل تورات کہتے ہیں کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر۔ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے۔ تجھ پر میری لعنت ہے اس زمین میں' جس کو منہ کھول کر تو نے اسے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے۔ اب تو زمین میں جو کچھ کام کرے۔ وہ اپنی کھیتی تجھے نہیں دے گی۔ جب تک کہ تو اس میں سرگردانی نہ کرے۔ تو اس نے اس کام کو کر لیا۔ لیکن پھر تو بڑا ہی نادم ہوا۔ نقصان کے ساتھ' پچھتاوا' گویا عذاب پر عذاب تھا۔ اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدم کے صلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے' اس کا ایک حصہ گناہ کا حضرت آدم علیہ السلام کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ لیکن حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ دونوں ہی اسرائیل میں سے تھے۔ قربانی سب سے پہلے انہی میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا ہے۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے۔ تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برائی کو چھوڑ دو۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ کہتے ہیں اس صدمے سے حضرت آدم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور سال بھر انہیں ہنسی نہ آئی۔ آخر فرشتوں نے ان کے غم دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں' زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بدصورت ہو گئی' ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندہ نے بھی گویا اپنے تئیں ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی' اس کا بوجھ اس پر آ گیا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اسی وقت کوئی سزا دی گئی۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا

اُدھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدوں کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور جو شخص کسی شخص کو بچالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا اور بنی اسرائیل کے پاس ہمارے بہت سے پیغمبر بھی دلائل واضح لے کر آئے پھر اس کے بعد بھی بہتیرے ان میں سے دنیا میں زیادتی کرنے والے رہے اور جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں۔ یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں عذاب عظیم ہوگا ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کر لیں تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخش دے گے مہربانی فرمائیں گے۔ حدیث

ایک انسان کا قتل کُل کائنات کا قتل ہے☆

ارشاد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس لڑکے کے ظلماً قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کی کتاب میں لکھ دیا اور ان کے لئے اس

حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ جو شخص کسی ایسے کو بلا وجہ مار ڈالے کہ نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا' نہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اس لئے کہ خدا کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو جلا لیا۔ اس لئے کہ سب لوگ اس طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں' میں آپ کی طرفداری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے آیا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ یہ سن کر بے گناہ خلیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا' کیا تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو۔ جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا نہیں نہیں۔ فرمایا ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کا قتل کرنا۔ جاؤ واپس لوٹ جاؤ۔ میری یہی خواہش ہے۔ اللہ تمہیں اجر دے اور گناہ نہ دے۔ یہ سن کر آپ واپس لوٹ گئے اور نہ لڑے۔ مطلب یہ ہے کہ قتل کا اقدام دنیا کی بربادی کا باعث ہے اور اس سے رک جانا لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو بچا رہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کو اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے مقصد کو مضبوط کرنا دنیا کو زندگی دینا ہے۔ (ابن جریر) اور روایت میں ہے کہ ایک کو بے وجہ مار ڈالتے ہی جہنمی ہو جاتا ہے۔ گویا سب کو مار ڈالا۔ مجاہد فرماتے ہیں مومنوں کو بے وجہ شرعی مار ڈالنے والا جہنمی' دشمن خدا' ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے رک جائے گویا اس کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے۔ عبد الرحمٰن فرماتے ہیں ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا۔ یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل کرے' جب ہی وہ قصاص کے قابل ہو اور جو اسے جلا لے یعنی قاتل کے ولی سے درگزر کرے اس نے گویا لوگوں کو جلا لیا اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس نے انسان کی جان بچالی۔ مثلاً ڈوبتے کو نکال لیا۔ جلتے کو بچا لیا۔ کسی کو ہلاکت سے ہٹا لیا۔ مقصد لوگوں کو خونِ ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی کرنا اور امن و امان پر آمادہ کرنا ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا بنی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلّف تھے' ہم بھی ہیں؟ فرمایا ہاں یقیناً خدا کی قسم بنی اسرائیل کے خون خدا کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ باوقعت نہ تھے۔ پس ایک شخص کا بے سبب قتل سب کے قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کی حفاظت کا ثواب سب کو بچا لینے کے برابر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی بات بتائیے کہ میری زندگی با آرام گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کسی کو مار ڈالنا تم کو پسند ہے یا کسی کو بچا لینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا بچا لینا۔ فرمایا اب اپنی اصلاح میں لگے رہو۔ پھر فرماتا ہے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل اور روشن احکام اور کھلے معجزات لے کر آئے۔ لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ اپنی سرکشی اور دراز دستی سے باز نہ رہے۔ بنو قینقاع کے یہود' بنو قریظہ' بنی نضیر وغیرہ کو دیکھ لیجئے وہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے جس پر انہیں قرآن میں سمجھایا گیا کہ تم سے یہ عہد کیا گیا تھا کہ نہ تو اپنے آدمیوں کا خون بہاؤ نہ انہیں دیس نکالا دو۔ لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد و پیمان کے اس کا خلاف کیا۔ گو فدیے ادا کئے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا۔ اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانو اور کسی سے انکار کرو۔ ایسوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت ترین عذاب کا شکار ہوں۔ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ محاربہ کے معنی خلاف کرنا حکم کے برعکس کرنا مخالفت پر تل جانا ہے۔ مراد اس سے کفر' ڈاکہ زنی' زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بدامنی پیدا کرنا ہے۔ یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا کہ سکّے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے۔

قرآن کی دوسری آیت میں ہے جب وہ کسی کام کے نگران ہو جاتے ہیں تو فساد پھیلاتے ہیں اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کر لے تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ برخلاف اس کے اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے۔ تو حد شرعی سے آزاد نہیں ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اُتری ہے۔ پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آ جانے سے پہلے توبہ کر لے تو جو حکم اس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا ہے۔ وہ ٹل نہیں سکتا۔ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اسے توڑ دیا اور فساد کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعد فرماتے ہیں ضرور یہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جو بھی یہ کام کرے اس کے لئے یہ حکم ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا' اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا۔ چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری جاتی رہی تو انہوں نے ان چرواہوں کو مار ڈالا اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لاؤ۔ چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور دھوپ میں پڑے پڑے تڑپ تڑپ کر مر گئے[1] مسلم میں ہے یا تو لوگ عکل کے تھے یا عرنیہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا۔ نہ ان کے زخم داغے گئے۔ انہوں نے چوری بھی کی تھی' قتل بھی کیا تھا۔ ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور خدا اور رسول سے لڑے بھی۔ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں بھی پھیری تھیں۔ مدینے کی آب و ہوا اس وقت درست نہ تھی۔ برسام کی بیماری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑ سوار بھیجے تھے اور ایک نکی تھا جو نشانِ قدم دیکھ کر رہبری کرتا جاتا تھا۔ موت کے وقت ان کی پیاس کے بارے میں یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے۔ انہی کے بارے میں یہ آیت اُتری ہے۔ ایک مرتبہ حجاج نے حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ سب سے بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو دی ہو تو تم بیان کرو تو آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے۔ بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ جاؤ اونٹوں میں رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو[2]۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ حجاج نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنا لیا۔ تب مجھے سخت ندامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو عرینہ قبیلے کے تھے اور تین عکل کے تھے۔ یہ سب تندرست ہو گئے تو یہ مرتد بن گئے اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انہوں نے بند کر دیئے تھے اور یہ زانی بھی تھے۔ یہ جب آئے تو ان کے پاس غربت کی وجہ سے پہننے کے کپڑے تک نہ تھے۔ یہ قتل و غارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے۔ حضرت جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے ہی والے تھے۔ جو ہم نے انہیں جا لیا۔ وہ پانی مانگتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس

[1] اس سزا کو مثلہ بھی کہتے ہیں۔ جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اُس وقت تک مثلہ حرام نہ تھا بعد میں مثلہ کو حرام قرار دے دیا گیا۔

[2] شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہوا کہ ان کی بیماری کا علاج پیشاب ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہوں کہ اس بیماری کا علاج پیشاب ہے۔ ورنہ عام طور پر پیشاب کو کسی طرح بھی استعمال کرنا جائز نہیں۔

روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا خدا کو ناپسند آیا۔ یہ ضعیف اور غریب ہے۔

لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ان کے سردار حضرت جریر رضی اللہ عنہ تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا مکروہ رکھا۔ اس لئے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔ بس یہ ان کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا۔ جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ وہی ان کے ساتھ کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ بنو فزارہ کے تھے اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سزا کسی کو نہ دی۔ اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام تھا۔ جس کا نام یسار تھا۔ چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے اونٹوں میں انہیں بھیج دیا تھا کہ یہ ان کی نگرانی رکھیں۔ انہی کو ان مرتدوں نے قتل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ جو لشکر انہیں گرفتار کر کے لایا تھا۔ ان میں ایک شہ زور حضرت کرز بن جابر فہری تھے۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا ہے۔ خدا انہیں جزائے خیر دے۔ ابوحمزہ بن عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ ان محاربین کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینے کی آب و ہوا کی ناموافقت کی شکایت کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دغابازی اور قتل و غارت اور ارتداد کا علم ہوا تو آپ نے منادی کرائی کہ اللہ کے لشکریو! اُٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ یہ آواز سنتے ہی مجاہدین کھڑے ہو گئے بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے' ان مرتد ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے۔ وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچنے ہی کو تھے' کہ صحابہ نے انہیں گھیر لیا اور ان میں جتنے گرفتار ہو سکے انہیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اُتری۔ ان کی جلاوطنی یہی تھی کہ انہیں حکومتِ اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا۔ پھر ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے بھی اعضاء بدن سے جدا نہیں کرائے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قتل کے بعد انہیں جلا دیا گیا۔

بعض کہتے ہیں یہ بنو سُلیم کے لوگ تھے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سزا انہیں دی وہ خدا کو پسند نہ آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا ہے اس سزا سے۔ جیسے آیت: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ میں اور بعض کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مُثلہ کرنے سے یعنی ہاتھ' پاؤں' کان' ناک کاٹنے سے جو ممانعت فرمائی ہے۔ اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہو گئی لیکن ہے ذرا یہ غور طلب۔ پھر یہ بھی سوال ہوتا ہے کہ ناسخ کی تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں۔ حدودِ اسلام مقرر ہونے سے پہلے کا یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی ٹھیک نہیں معلوم ہوتا بلکہ حدود کے تقرر کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کا اسلام سورۂ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنا چاہی تھیں لیکن یہ آیت اُتری اور آپ اپنے ارادے سے باز رہے لیکن یہ بھی درست نہیں۔ اس لئے بخاری و مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ محمد بن عجلان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سخت سزا انہیں دی' اُس کے انکار میں یہ آیتیں اُتری ہیں اور ان میں صحیح سزا بیان کی گئی ہے۔ جو قتل کرنے ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنے اور وطن سے نکال دینے کے حکم میں شامل ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس کے بعد پھر کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں۔ لیکن اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر ڈانٹا گیا ہو۔ بات یہ ہے کہ جو انہوں نے کیا تھا اسی کا وہی بدلہ

مل گیا۔ اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا۔
اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہروں میں لڑنا دونوں برابر ہے۔ کیونکہ لفظ ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ کے یہی معنی ہیں۔ مالک اوزاعی لیث شافعی احمد رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرون شہر میں۔ ان کی سزا یہی ہے بلکہ امام تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دہی سے مار ڈالے۔ تو اسے پکڑ لیا جائے اور اس کا تمام مال و اسباب جو اس کے پاس ہے لے لیا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے نہ کہ مقتول کے ہاتھ میں یہ کام ہوں گے۔ بلکہ اگر وہ درگزر کرنا چاہے تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم بے واسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محاربہ اسی وقت مانا جائے گا جبکہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے کیونکہ شہر میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے۔ راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے۔ جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے' مسلمانوں کو پُرخطر بنا دے' امام المسلمین ان تینوں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کو اختیار ہے۔ یہی قول اور بھی بہت سوں کا ہے اور اسی طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے محرم ہو کر جو شکار کھیلے' اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مساکین کا کھانا' اس کے برابر کے روزے بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوانے اور خلاف احرام کام کرنے والے کے فدیہ میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا بیان ہے۔ قسم کے کفارے میں درمیانی درجے کا کھانا دس مسکینوں کا یا اُن کا کپڑا یا ایک غلام کی آزادی ہے۔ تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے اسی طرح ایسے محارب مرتد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنا ہے یا جلاوطن کرنا اور جمہور کا قول ہے کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے۔ جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوئے تو قابل دار اور گردن زدنی ہیں اور جب قتل سرزد ہوا تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر صرف مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے اور جب راستہ پُرخطر کر دیا ہو' لوگوں کو خوف زدہ کر دیا ہو اور کسی دوسرے گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لئے جائیں تو صرف جلاوطنی ہے۔ اکثر سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر یوں ہی چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکا دیا جائے تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن سولی پر رہنے دے کر پھر اتار لیا جائے؟ یا یوں ہی چھوڑ دیا جائے لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ ایسے جزئی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک کی دلیلیں وغیرہ بیان کریں۔ ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے۔ اگر اس کی سند صحیح ہو تو وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' جنہوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنا دیا۔ ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجئے اور پاؤں بدامنی کے بدلے اور جس نے قتل کیا ہے اسے قتل کر دیجئے اور جس نے قتل اور خطرہ راہ اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے' اسے سولی چڑھا دو۔ فرمان ہے کہ زمین سے الگ کر دیئے جائیں یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حدود قائم کی جائے یا وہ دارالاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر اسے بھیج دیا جاتا رہے یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے۔ شعبی تو نکال ہی دیتے تھے اور عطا خراسانی کہتے ہیں ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے۔ یونہی کئی سال تک مارا مارا پھرایا جائے۔ لیکن دارالاسلام سے باہر نہ کیا جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں' اسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔

ایسے لوگ دنیا میں ذلیل در ذلیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذاب میں معذب ہوں گے۔ آیت کا یہ ٹکڑا تو ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اُتری ہے اور مسلموں کے بارے میں وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ہم سے ویسے ہی عہد لئے جیسے عورتوں سے لئے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ چوری نہ کریں۔ زنا نہ کریں ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں۔ جو اس وعدے کو نبھائے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی گناہ کے ساتھ آلودہ ہو جائے۔ پھر اگر اسے سزا ہو گئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس کا امر اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے چھوڑ دے اور حدیث میں ہے کہ جس کسی نے کوئی گناہ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھانپ لیا اور اسے سے چشم پوشی کر لی۔ تو اللہ کی ذات اور اس کا رحم و کرم اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ معاف کئے ہوئے جرم پر پھر سے پکڑے۔ اسی دنیوی سزا میں اگر بے توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزائیں باقی ہیں جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے۔ ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔ پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا اس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے۔ لیکن جو مسلمان محارب ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کا کٹنا تو ہٹ جاتا ہے یا نہیں اس میں علما کے اقوال ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ:

صحابہ کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ جاریہ بن بدر تیمی بصری نے زمین میں فساد کیا۔ مسلمانوں سے لڑا۔ اس بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سفارش کی۔ جن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن آپ نے اسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا۔ آپ نے اپنے گھر میں اسے ٹھہرایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا بتلائیے تو جو خدا اور اس کے رسول ﷺ سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے۔ پھر ان آیتوں کی قبل: ﴿قَبْلَ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ﴾ تک تلاوت کی تو آپ نے فرمایا، میں تو ایسے شخص کو امن لکھ دوں گا۔ حضرت سعید نے فرمایا، یہ جاریہ بن بدر ہے۔ چنانچہ جاریہ نے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں۔

قبیلۂ مراد کا ایک شخص حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ کی مسجد میں جہاں کے یہ گورنر تھے۔ ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا۔ اے امیر کوفہ! میں فلاں بن فلاں مرادی قبیلے کا ہوں۔ میں نے اللہ اور رسول سے لڑائی لڑی، زمین میں فساد کی کوشش کی۔ لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں اس سے پہلے میں تائب ہو گیا۔ اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں اس پر حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی کوئی برائی نہ کرے۔ اگر یہ سچا ہے تو الحمد للہ اور یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اس کو ہلاک کر دیں گے یہ شخص ایک مدت تو ٹھیک ٹھیک رہا لیکن پھر نکل کھڑا ہوا۔ خدا نے بھی اس کے گناہوں کے بدلے اسے غارت کر دیا اور یہ مار ڈالا گیا۔

علی نامی ایک اسدی شخص نے بھی لڑائی کی۔ راستے پُر خطر کر دیئے لوگوں کو قتل کیا، مال لوٹا، بادشاہ لشکر اور رعایا نے اسے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ ایک مرتبہ یہ جنگل میں تھا۔ جو ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا ......﴾ (الزمر: ۵۳) یہ اسے سن کر ٹھٹک گیا اور اس سے کہا، اے خدا کے بندے یہ آیت مجھے دوبارہ سنا۔ اس نے پھر پڑھی۔ خدا کی اس آواز کو سن کر وہ فرماتا ہے اے میرے گنہگار بندو! تم میری رحمت سے نا اُمید نہ ہو جاؤ۔ میں سب گناہوں کے

بخشنے پر قادر ہوں۔ میں غفور رحیم ہوں۔ اس شخص نے جھٹ سے اپنی تلوار میان میں کر لی۔ اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کی نماز سے پہلے مدینے میں پہنچ گیا۔ غسل کیا اور مسجد نبوی ﷺ میں نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے ان ہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب دن خوب نکل آیا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی، بہت بڑا مجرم، مفرور شخص علی اسدی ہے۔ اُٹھ کھڑے ہوئے کہ اسے گرفتار کر لیں۔ اس نے کہا سنو بھائیو! تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ تم مجھ پر قابو پاؤ، اس سے پہلے ہی میں توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے۔ یہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینے کے گورنر تھے۔ وہاں پہنچ کر فرمایا کہ یہ علی اسدی ہیں، یہ توبہ کر چکے ہیں۔ اس لئے اب تم انہیں کچھ کر نہیں سکتے۔ چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا۔ جب مجاہدین کی ایک جماعت رومیوں کے ساتھ لڑنے کے لئے چلی، تو ان مجاہدین کے ساتھ یہ بھی ہو لئے۔ سمندر میں ان کی کشتی جا رہی تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آ گئیں۔ یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کے لئے ان کی کشتی میں کود گئے۔ ان کی آبدار، خارا شگاف تلوار کی چمک کی تاب رومی نہ لا سکے اور نامردی سے ایک طرف کو بھاگے۔ یہ بھی ان کے پیچھے اسی طرح چلے، چونکہ سارا بوجھ ایک طرف ہو گیا۔ اس لئے کشتی پلٹ گئی۔ جس سے وہ سارے رومی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی رحمۃ اللہ علیہ بھی ڈوب کر شہید ہو گئے۔ (اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے)۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ز وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔ امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دُنیا بھر کی چیزیں اور بھی ہوں تا کہ وہ اس کو دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ جاویں جب بھی وہ چیزیں ان سے ہرگز قبول نہ کی جاویں گی اور ان کو دردناک عذاب ہوگا اس بات کی خواہش کریں گے کہ دوزخ سے نکل آویں اور وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو عذاب دائمی ہوگا۔ ☆

حسنِ اعمال کا وسیلہ ☆

تقویٰ کا حکم ہو رہا ہے اور وہ بھی اطاعت سے ملا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے منع کردہ کاموں سے رکا رہے۔ اس کی طرف قربت یعنی نزدیکی تلاش کریں۔ یہی معنی وسیلہ کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ حضرت مجاہد، حضرت ابو وائل، حضرت حسن، حضرت

ابن زید اور بہت سے مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بھی روایت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال سے اس سے قریب ہوتے جاؤ۔ ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ (الاسراء: ۵۷) جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان ائمہ نے وسیلے کے جو معنی اس آیت میں کئے ہیں۔ اس پر سب مفسرین کا گویا اجماع ہے۔ اس میں کسی ایک کا بھی بالکل خلاف نہیں۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک عربی شعر بھی بیان کیا ہے۔ جس میں وسیلہ معنی میں قربت اور نزدیکی کے مستعمل ہوا ہے۔ وسیلے کے معنی اس چیز کے ہیں۔ جس سے مقصود کے حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے اور وسیلہ جنت کی اس اعلیٰ منزل کا نام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ہے۔ عرش سے بہت زیادہ قریب یہی درجہ ہے۔

یہ صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے جو شخص اذان سن کر: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ ...... پڑھے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہو وہی تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو۔ وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا۔ اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی مسند احمد میں ہے جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے وسیلہ مانگو۔ پوچھا کیا ہے؟ فرمایا جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ جسے صرف ایک ہی شخص پائے گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ شخص میں ہو جاؤں۔ طبرانی میں ہے تم اللہ سے دعا کرو کہ خدا مجھے وسیلہ عطا فرمائے۔ جو شخص دنیا میں میرے لئے دعا کرے گا میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی قیامت کے دن بن جاؤں گا اور حدیث میں ہے وسیلے سے بڑا درجہ جنت میں کوئی نہیں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کے ملنے کی دعا کرو۔ ایک منکر حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اس وسیلے میں آپ کے ساتھ اور کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ نے حضرت فاطمہ اور حسن، حسین رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ ایک اور بہت غریب حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منبر کوفہ پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں۔ ایک سفید اور ایک زرد۔ زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی ہے جس میں ستر ہزار بالا خانے ہیں۔ جن میں ہر گھر تین میل کا ہے۔ اس کے دریچے دروازے، تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑ سے ہیں۔ اسی کا نام وسیلہ ہے۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے۔

تقویٰ کا معنی ممنوعات سے رکنے اور حکم احکام کے بجالانے کا حکم دے کر پھر فرمایا کہ اس کی راہ میں جہاد کرو مشرکین و کفار کو جو اس کے دشمن ہیں، اس کے دین سے الگ ہیں۔ اس کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ انہیں قتل کرو۔ ایسے مجاہدین بامراد ہیں۔ فلاح وصلاح سعادت وشرافت ان ہی کے لئے ہے۔ جنت کے بلند بالا خانے اور خدا کی بے شمار نعمتیں ان ہی کے لئے ہیں۔ یہ اس جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ جہاں موت نہیں۔ جہاں کمی اور نقصان نہیں، جہاں لازوال جوانی اور ابدی صحت اور دوامی عیش وعشرت ہے۔

عذاب دَر عذاب ☆ اپنے دوستوں کا نیک انجام بیان فرما کر اب اپنے دشمنوں کا بُرا انجام ظاہر فرماتا ہے کہ ایسے سخت اور بُرے عذاب انہیں ہو رہے ہوں گے کہ اگر اس وقت روئے زمین کے مالک ہوں بلکہ اتنا ہی اور بھی ہو تو ان عذابوں سے بچنے کے لئے بطور بدلے کے سب دے ڈالیں ایسا ہو بھی جائے تو بھی ان سے اب فدیہ قبول نہیں بلکہ جو عذاب ان پر ہیں وہ دائمی ابدی اور دوامی ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ جہنمی جب جہنم میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر دوبارہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے ...... بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے ساتھ اُوپر آ جائیں گے۔ کہ داروغے انہیں لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر پھر قعر جہنم میں گرا دیں گے۔ غرض ان دائمی عذابوں سے چھٹکارا

محال ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ایک جہنمی کو لایا جائے گا۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا۔ کہ اے ابن آدم کہو تمہاری جگہ کیسی ہے وہ کہے گا بدترین اور سخت ترین۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے چھوٹنے کے لئے تو کیا خرچ کر دینے پر راضی ہے؟ وہ کہے گا ساری زمین بھر سونا دے کر بھی یہاں سے چھوٹوں تو بھی سستا چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جھوٹا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہی کم مانگا تھا لیکن تو نے کچھ بھی نہ کیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

ایک واقعہ ☆ ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ ایک قوم جہنم میں سے نکال کر جنت میں پہنچائی جائے گی۔ اس پر ان کے شاگرد حضرت یزید فقیر) نے پوچھا کہ پھر اس آیت قرآنی کا کیا مطلب: ﴿یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا......﴾ یعنی وہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں گے لیکن وہ آزاد ہونے والے نہیں۔ تو آپ نے فرمایا اس سے پہلے کی آیت: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا......﴾ پڑھو۔ جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں یہ کبھی نہ نکلیں گے۔ (مسند وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ یزید رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہی تھا کہ جہنم میں سے کوئی بھی نہ نکلے گا۔ اس لئے یہ سن کر انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے اور لوگوں پر تو افسوس نہیں ہاں آپ صحابیوں پر افسوس ہے کہ آپ بھی قرآن کے خلاف کہتے ہیں۔ اس وقت مجھے بھی غصہ آ گیا تھا۔ اس پر ان کے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ بہت ہی حلیم الطبع تھے۔ انہوں نے سب کو روک دیا اور مجھے سمجھایا کہ قرآن میں جن کے جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے۔ وہ کفار ہیں۔ تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ میں نے کہا ہاں مجھے سارا قرآن یاد ہے کہا پھر کیا یہ آیت قرآن میں نہیں ہے: ﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ......﴾ (بنی اسرائیل: ۷۹) اس میں مقام محمود کا ذکر ہے۔ یہی مقام شفاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جہنم میں ان کی خطاؤں کی وجہ سے ڈالے گا اور جب تک چاہے گا انہیں جہنم میں رکھے گا۔ پھر جب چاہے گا انہیں اس سے آزاد کر دے گا۔

حضرت یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرا خیال ٹھیک ہو گیا حضرت طلق بن حبیب کہتے ہیں میں بھی منکر شفاعت تھا۔ یہاں تک کہ حضرت جابر رحمۃ اللہ علیہ سے ملا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں جن جن آیتوں میں جہنم کی ہمیشگی کا بیان ہے سب پڑھ ڈالیں۔ تو آپ نے سن کر فرمایا اے طلق کیا تم اپنے تئیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے علم میں مجھ سے افضل جانتے ہو؟ سنو! جتنی آیتیں تم نے پڑھی ہیں۔ وہ سب اہل جہنم کے بارے میں ہیں۔ یعنی مشرکوں کے لئے لیکن جو لوگ نکلیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو مشرک نہ تھے لیکن گنہگار تھے۔ گناہوں کے بدلے سزا بھگت لی۔ پھر جہنم سے نکال دیئے جائیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ سب فرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہو کہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی لوگ اس میں سے نکالے جائیں گے اور وہ جہنم سے آزاد کر دیئے جائیں گے قرآن کی یہ آیتیں جس طرح تم پڑھتے ہو ہم بھی پڑھتے ہی ہیں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

اور جومرد چوری کرے اور جوعورت چوری کرے سوان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالوان کے کردار کے عوض بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بڑے قوت والے (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں) پھر جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرمائیں گے بے شک خدا تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (کہ اس کا گناہ معاف کر دیا) بڑے رحمت والے ہیں کہ (آئندہ بھی مزید عنایت کی) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے ثابت ہے حکومت آسمانوں کی وہ جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہیں۔ ○

چوری اور اس سے متعلق احکام ☆

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت میں فَاقْطَعُوْٓا اَيْمَانَهُمَا ہے۔لیکن یہ قراءت شاذ ہے گو عمل اسی پر ہے۔لیکن وہ عمل اس قراءت کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بنا پر ہے۔چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا۔اسلام نے اسے تفصیل وار اور منظم کر دیا۔اسی طرح قسامت' دیت' فرائض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظم اور ادھورے۔اسلام نے انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دُوَیک نامی ایک خزاعی شخص کے ہاتھ چوری کے الزام میں قریش نے کاٹے تھے۔اس نے کعبہ کے غلاف چرایا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوروں نے اس کے پاس رکھ دیا تھا۔بعض فقہا کا خیال ہے کہ چوری کی چیز کوئی نہیں۔تھوڑی یا بہت' محفوظ جگہ سے لی ہو یا غیر محفوظ جگہ سے' بہر صورت ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت عام ہے تو ممکن ہے اس قول سے یہی مطلب ہو اور دوسرے مطالب بھی ممکن ہیں۔ ایک دلیل ان حضرات کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے اور ہاتھ کٹواتا ہے رسّی چرائی ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے۔گو اس حد کے تقرر میں اختلاف ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' تین درہم سکے والے خالص یا ان کی قیمت کی یا زیادہ کی کوئی چیز۔چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت اتنی ہی تھی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اترنج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے۔جب کہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل گویا صحابہ کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پھل کے چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے۔اس میں شافعیہ کے خلاف ہے پاؤ دینار کے تقرر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ۔ان کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں پھر جو اس سے اوپر ہو' اس میں کاٹنا چاہئے۔مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار یا اس سے اوپر میں۔پس یہ حدیث اس مسئلے کا صاف فیصلہ کر دیتی ہے اور جس حدیث میں تین درہم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ کاٹنا کا فرمانا مروی ہے وہ اس کے خلاف نہیں۔اس لئے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا۔پس اصل چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔حضرت عمر بن خطاب' حضرت عثمان بن عفان' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیز' لیث بن سعد' اوزاعی' شافعی' اسحاق بن راہویہ' ابوثور' داؤد ابن علی ظاہری رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے۔ایک روایت میں امام اسحٰق بن راہویہ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ خواہ ربع دینار ہو خواہ تین درہم' دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہیں۔مسند احمد کی ایک

حدیث میں ہے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو۔ اس سے کم نہیں۔ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔ نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔ پس اب تمام حدیثوں سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دس درہم کی شرط لگانی کھلی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ جس ڈھال کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔ اس کی قیمت دس درہم تھی۔ چنانچہ ابو بکر بن شیبہ میں یہ موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ سے عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما لفت کر رہے ہیں اور حدود کے بارے میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط زیادتی میں ہے۔ اس لئے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے۔ علی ابن مسعود ابراہیم نخعی ابو جعفر باقر رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے۔ سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پانچوں نہ کاٹی جائیں۔ مگر پانچ دینار یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ ظاہریہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا۔ انہیں جمہور نے یہ جواب دیا کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن جواب ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ تاریخ نسخ کا کوئی یقین نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد ہے لوہے کا انڈا اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رسے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہیں۔ یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے۔ آخر قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور بیان واقعہ کے ہو۔ ایام جاہلیت میں ہر چھوٹی چیز کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور افسوس کے اور چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا ذلیل اور بے وقوف آدمی ہے کہ معمولی چیز کے لئے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم بیٹھ جاتا ہے۔ مذکور ہے کہ ابو العلا معری جب بغداد میں آیا تو اس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کئے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا۔ تو اس نے ایک شعر میں کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت میں پانچ سو دلوائیں اور پھر اسی ہاتھ کو پاؤ دینار کی چوری پر کٹوا دیں۔ یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں، خاموش ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے۔ لیکن اس کی جب یہ بکواس مشہور ہوئی تو علمائے کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا۔ پھر جواب بھی مشہور کر دیئے گئے۔ قاضی عبدالوہاب نے جواب دیا تھا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔ بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن قائم ہوتا ہے۔ جو کسی کے ہاتھ بے وجہ کاٹ ڈالے اس پر بڑا جرمانہ رکھا تا کہ لوگ اس برے فعل سے بچیں۔ وہاں یہی حکم مناسب تھا۔ چوری میں تھوڑی سی چیز پر ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا تا کہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے۔ پس یہ تو عین حکمت ہے۔ اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا انسداد نہ ہوتا۔ یہ اصل میں بدلہ ہے ان کی بری حرکتوں کا۔ مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے اسی عضو پر سزا ہو تا کہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو تنبیہ ہو جائے۔ اللہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے حکموں میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور خدا تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ وہ اس شخص کا حق ہے لہٰذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ وہ مال جس کا ہے اسے نہ پہنچائے یا اس کے بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے۔ صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو گیا ہے تو اس کا بدلہ دنیا میں اس پر ضروری نہیں۔ دار قطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ایک چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا۔ جس نے چادر چرائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

سے فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہوگی؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے چوری کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ ﷺ کے پاس واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا توبہ کرو۔ انہوں نے توبہ کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی (رضی اللہ عنہ) ابن ماجہ میں ہے کہ عمر بن سمرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس آکر کہتے ہیں کہ حضرت مجھ سے چوری ہوگئی ہے تو آپ ﷺ مجھے پاک کیجئے۔ فلاں قبیلے کا اونٹ میں نے چرالیا ہے اس قبیلہ والوں کے پاس آپ نے آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ایک اونٹ تو ضرور گم ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے خدا کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کردیا۔ تو نے میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہا تھا۔ (رضی اللہ عنہ)

ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک عورت نے کچھ زیور چرالئے۔ لوگوں نے حضور ﷺ کے پاس اسے پیش کیا۔ آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا مجھ پر توبہ بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم تو ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی ہو۔ اس پر آیت: ﴿فَمَنْ تَابَ ......﴾ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا' ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں لیکن آپ ﷺ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہ عورت مخزوم قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ صحیحین میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی۔ لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں۔ یہ واقعہ غزوۂ فتح مکہ میں ہوا تھا۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے بہت عزیز ہیں۔ وہ ان کے بارے میں حضور ﷺ سے سفارش کریں۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے جب سفارش کی۔ تو حضور ﷺ کو سخت ناگوار گزرا اور غصے سے فرمایا اسامہ تو خدا کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے اب تو حضرت اسامہؓ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی۔ میرے لئے آپ ﷺ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں خدا تعالیٰ کی پوری حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ پہلے لوگ اپنی خصلت پر تباہ و برباد ہوگئے کہ ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کریں تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں۔ پھر اس صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی[1] اور نکاح کرلیا۔ پھر وہ میرے پاس بھی اپنے کام کاج کے لئے آتی تھیں اور میں اس کی حاجت آنحضرت ﷺ سے بیان کردیا کرتی تھی۔ (رضی اللہ عنہا) مسلم میں ہے کہ ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی۔ پھر انکار کر جایا کرتی تھی۔ حضور صلی علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور روایت میں ہے کہ یہ زیور اس طرح لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا۔ کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں ہیں' جو چوری کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ فالحمد للہ۔ جمیع مملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ سچا حاکم اللہ ہی ہے۔ جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ ہر ہر چیز پر وہ قادر ہے اس کی قدرت کامل اور اس کا قبضہ سچا ہے۔

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ

[1] مطلب یہ ہے کہ پھر اس قسم کا جرم کبھی اُن سے سرزد نہیں ہوا۔

لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ
بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ
فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ
وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ
فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ
ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا
التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا
لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ
اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا
بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اے رسول! جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ گرتے ہیں آپ کو مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین لائے نہیں اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو یہودی ہیں۔ یہ یوں غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر کان دھر دھر سنتے ہیں۔ جس قوم کے یہ حالات ہوں کہ وہ آپ کے

پاس نہیں آئے کلام کو بعد اس کے کہ وہ اپنے موقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ہے تب تو اس کو قبول کر لیں اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو احتیاط رکھنا اور جس کا خراب ہونا خدا ہی کو منظور ہو تو اس کے لئے اللہ سے تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہیں ہوا ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے سزائے عظیم ہے یہ لوگ باتوں کے سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کھانے والے ہیں تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو خواہ آپ ان میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو ٹال دیں اور اگر آپ ان کو ٹال ہی دیں تو ان کی مجال نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل کے موافق فیصلہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور وہ آپ سے فیصلہ کیسے کراتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم ہے۔ پھر اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں اور یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں ہم نے تورات نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا۔ انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس کے موافق یہودیوں کو حکم دیا کرتے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا تھا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے۔ سو تم بھی لوگوں سے اندیشہ مت کرو اور مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کے بدلہ میں متاع قلیل مت لو اور جو شخص خدا کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔ ○

قرآنی مضامین کو بدلنا جرم عظیم ہے ☆

ان آیتوں میں اُن لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ جو رائے ٗقیاس اور خواہش نفسانی کو خدا کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں ٗاللہ کے رسول کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں۔ گو یہ لوگ زبانی ایمان کے دعوے کریں لیکن ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان کے کھرے دل کے کھوٹے اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے۔ جو اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں۔ یہ جھوٹ کو مزے سے سنتے ہیں اور دل کھول کر قبول کرتے ہیں لیکن سچ سے بھاگتے ہیں بلکہ نفرت کرتے ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں نہیں آتے یہ یہاں کی وہاں لگاتے ہیں۔ ان کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں۔ پھر اور ظلم یہ کرتے ہیں کہ بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں۔ مطلب کچھ ہو لے کچھ اُڑتے ہیں۔ ارادے یہی ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو طبیعت کے خلاف ہو تو دور رہو۔ کہا گیا کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اُتری تھی جن میں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تھا۔ اب کہنے لگے چلو حضور ﷺ کے پاس چلیں۔ اگر آپ دیت ٗجرمانے کا حکم دیں ٗتو منظور کر لیں گے اور اگر قصاص کا حکم دیں تو نہیں مانیں گے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک زنا کار کو لے کر آئے تھے ان کی کتاب تورات میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا تھا اور سو کوڑے مار کر منہ کالا کر کے الٹا گدھا سوار کر کے رسوائی کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ جب ہجرت کے بعد اس میں سے کوئی زنا کے جرم میں پکڑا گیا تو یہ کہنے لگے کہ آؤ حضور ﷺ کے پاس چلیں اور آپ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کریں۔ اگر آپ بھی وہی فرمائیں جو ہم کرتے ہیں تو اسے قبول کر لیں اور خدا کے ہاں بھی ہماری سند ہو جائے گی اور رجم کو فرمائیں ٗتو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ یہ آئے اور حضور ﷺ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے بدکاری کی ہے۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے ہاں تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو اسے رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سن کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٗجھوٹ کہتے ہو ٗتورات میں سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ لاؤ تورات پیش کرو انہوں نے تورات کھولی لیکن آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ کو تو ہٹا ٗہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی۔ اب تو انہیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے زانیوں کو

سنگسار کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ وہ زانی اس عورت کو پتھروں سے بچانے کے لئے آڑے آ جاتا تھا (بخاری و مسلم) ایک دوسری سند سے ہے کہ یہودیوں نے کہا ہم تو اسے کالا منہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے کہا ہے تو یہی حکم' لیکن ہم نے تو اسے چھپالیا تھا۔ جو پڑھ رہا تھا' اسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ جب اس کا ہاتھ اُٹھوایا تو آیت جھکتی ہوئی نظر پڑ گئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیج کر آپ کو بلوایا تھا۔ اپنے مدرسہ میں گدی پر آپ کو بٹھایا تھا اور جو تورات آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا اور روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا کہ تم تورات میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا خاموش ہی کھڑا رہا۔ آپ نے اس کی حالت دیکھ کر خاص اسے دوبارہ قسم دی اور جواب مانگا۔ اس نے کہا جب آپ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ واقعی تورات میں ان لوگوں کے ذمے سنگساری ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا پھر یہ بھی سچ سچ بتاؤ کہ پہلے پہل اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اُڑایا؟ اس نے کہا حضرت کسی بادشاہ کے رشتے دار بڑے آدمی نے زنا کی۔ اس کی عظمت اور بادشاہت کی ہیبت کے مارے اسے رجم نہ کیا۔ پھر ایک عامی نے بدکاری کی تو اسے رجم کرنا چاہا لیکن اس کی ساری قوم چڑھ دوڑی کہ یا تو اس اگلے شخص کو بھی رجم کرو ورنہ اسے بھی چھوڑ دو۔ آخر ہم نے مل ملا کر یہ طے کیا کہ بجائے رجم کے اس قسم کی سزا مقرر کر دی جائے چنانچہ حضور ﷺ نے تورات کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت: ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا......﴾ اُتری۔ پس آنحضرت ﷺ بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں۔ (احمد ابوداود)

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص کو یہودی کالا منہ کئے لے جا رہے تھے اور اسے کوڑے بھی مار رکھے تھے۔ تو آپ نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ اس نے زنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زانی کی یہی سزا تمہارے ہاں ہے؟ کہا ہاں۔ آپ نے ان کے عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زنا کی سزا سنگساری ہے۔ لیکن چونکہ امیر اُمرا اور شرفا لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی' اس لئے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے اور حکم خدا مارا نہ جائے اس لئے غریب غربا' کم حیثیت لوگوں کو رجم کرا دیتے تھے۔ پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی تجویز کرو کہ شریف اور غیر شریف' امیر غریب سب پر یکساں جاری ہو سکے۔ چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اجماع ہوا کہ منہ کالے کر دیں اور کوڑے لگائیں' یہ سن کر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ دونوں کو سنگسار کرو۔ چنانچہ انہیں رجم کر دیا گیا اور آپ نے فرمایا اے اللہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے ایک مردہ کو زندہ کیا۔ اس پر آیت: ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ﴾ سے ﴿هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ تک نازل ہوئی۔ اُنہی یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ خدا کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں اور آیت میں ہے فاسق ہیں (مسلم وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ واقعۂ زنا فدک میں ہوا تھا اور وہاں کے یہودیوں نے مدینہ شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضور ﷺ سے پچھوایا تھا۔ جو عالم ان کا آیا' اس کا نام ابن صوریا تھا۔ یہ آنکھ کا بھینگا تھا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضور ﷺ نے جب انہیں قسم دی تو دونوں نے اقرار کر لیا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ تمہیں اس خدا کی قسم' جس نے بنو اسرائیل کے لئے پانی میں راہ کر دی تھی اور ابر کا سایہ ان پر کیا تھا اور فرعونیوں سے بچالیا تھا اور من وسلویٰ اتارا تھا۔ اس قسم سے وہ چونک گئے اور آپس میں کہنے لگے بڑی زبردست قسم ہے۔ اس موقعہ پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں ہے' تو کہا حضور ﷺ تورات میں یہ ہے کہ بُری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے اور گلے لگانا بھی اور بوسہ لینا بھی۔ اگر چار گواہ اس بات کے ہوں کہ انہوں نے دخول وخروج دیکھا ہے۔ جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں

جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی مسئلہ ہے۔ پھر حکم دیا اور انہیں رجم کرا دیا گیا۔ اس پر آیت: ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ ......﴾ اتری۔ (ابوداؤد وغیرہ)

ایک روایت میں ہے کہ جو دو عالم آپ کے سامنے لائے گئے تھے یہ دونوں صوریا کے لڑکے تھے۔ ترکِ حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان لینی مناسب نہ سمجھی۔ پھر آپ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی لی۔ جنہوں نے بیان دیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں اس برائی میں مبتلا دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی آتی جاتی ہے۔ دراصل تورات کا منگوانا اُن کے عالموں کو بلوانا' یہ سب انہیں الزام دینے کے لئے نہ تھا۔ نہ اس لئے تھا کہ وہ اسی کے ماننے کے مکلّف ہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان واجب العمل ہے۔ اس سے مقصد ایک تو حضور ﷺ کی سچائی کا اظہار تھا کہ خدا کی وحی سے آپ نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کی تورات میں بھی حکم رجم موجود ہے اور یہی نکلا۔ دوسرے ان کی رسوائی کہ انہیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا۔ دل سے حضور ﷺ کے پاس کچھ اس لئے نہیں آئے تھے کہ آپ کی حکم برداری کریں گے بلکہ محض اس لئے آئے تھے کہ اگر آپ سے اپنے اجماع کے موافق پائیں گے تو لے لیں گے ورنہ ہرگز قبول نہ کریں گے۔ اس لئے فرمان ہے کہ جنہیں خدا گمراہ کرے تو ان کی ہدایت کا ذمہ دار نہیں ہے۔ ان کے گندے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ خدا کا نہیں ہے۔ یہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں اور رشوت جیسی حرام چیز کو دن دہاڑے کھانے والے ہیں۔ آخرت میں داخل نار ہوں گے۔ بھلا ان کے نجس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں خدا کیسے سنے گا؟ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے کہ ان کے فیصلے کر یا نہ کر۔ اگر تو ان سے منہ پھیرے' جب بھی یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں کیونکہ ان کا قصد اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے۔ بعض بزرگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے آیت: ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ......﴾ سے (طبری)۔ پھر فرمایا اگر تو ان میں فیصلے کر دے تو عدل و انصاف کے ساتھ کر۔ گو یہ خود ظالم ہیں اور عدل سے ہٹے ہوئے اور جان رکھ کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔

پھر ان کی خباثت' بد باطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ ایک طرف تو اس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ مشہور کر رکھا ہے اور پھر اس میں بھی نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے تو لے لیں گے۔ ورنہ چھوڑ دیں گے۔ تو فرمایا یہ کیسے تیری حکم برداری کریں گے۔ انہوں نے تو تورات کو بھی چھوڑ رکھا ہے۔ جس میں حکم اللہ تعالیٰ ہونے کا اقرار انہیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں۔ پھر اس تورات کی مدحت و تعریف بیان فرمائی۔ جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت و نورانیت تھی۔ انبیاء جو خدا کے زیر فرمان تھے اسی پر فیصلہ کرتے رہے۔ یہودیوں میں انہی کے احکام جاری کرتے رہے۔ تبدیلی' تحریف سے بچے رہے اور ربانی یعنی عابد علما اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے کیونکہ انہیں یہ کتاب پاک سونپی گئی تھی اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ و شاہد تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ بجز خدا کے کسی اور سے نہ ڈرو۔ ہاں قدم قدم پر خوفِ خدا رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ خدا کی وحی کو جو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اس میں دو اقوال ہیں' جو ابھی بیان ہوں گے ان شاء اللہ۔

ان آیتوں کا ایک اور شانِ نزول بھی سن لیجئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا۔ دوسری میں ظالم' تیسری میں فاسق' بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے۔ ایک غالب تھا اور دوسرا مغلوب۔ ان کی آپس میں اس بات پر صلح

ہوئی تھی کہ غالب ذی عزت فرقے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز شخص کو قتل کر ڈالے تو ایک سو وسق دیت دے۔ یہی رواج ان میں چلا آ رہا تھا۔ جب حضور ﷺ مدینے میں آئے۔ اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے اونچے یہودی کو مار ڈالا۔ یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو وسق دلواؤ۔ وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے ایک ہی دین کے ایک ہی نسب کے ایک ہی شہر کے پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ۔ ہم چونکہ اب تک تم سے دبے ہوئے تھے اس ناانصافی کو بادلِ نخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ حضرت محمد (ﷺ) جیسے عادل بادشاہ یہاں آ گئے ہیں۔ ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے۔ جتنی تم ہمیں دیتے ہو۔ اس پر ادھر اُدھر سے آستینیں چڑھ گئیں۔ پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا جھگڑے کا فیصلہ رسول خدا ﷺ کو سونپ دیا جائے لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے اپنے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھداروں نے کہا' دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضور ﷺ کوئی ناانصافی کا حکم کریں۔ یہ تو صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اسے منظور کیا تھا۔ اب جو تم نے آنحضرت (ﷺ) کو حکم اور ثالث مقرر کیا۔ تو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا۔ کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کرو' کسی کو حضور (ﷺ) کے پاس چپکے سے بھیج دو۔ وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟ اگر ہماری موافقت میں ہو تو بہت اچھا' چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ اور اگر خلاف ہو تو بس پھر الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا۔ یہاں وہ پہنچیں' اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اُتار کر اپنے رسول کو ان دونوں فرقوں کے بدارادوں سے مطلع فرما دیا۔ (ابوداؤد)

اور روایت میں ہے کہ دونوں قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ تھے۔ بنونضیر کی پوری دیت تھی اور بنوقریظہ کی آدھی۔ حضور ﷺ نے دونوں کی دیت برابر یکساں دینے کا فیصلہ فرمایا اور روایت میں ہے کہ قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں' سو وسق دیت تھی۔ یہ بہت ممکن ہے کہ اِدھر یہ واقعہ ہوا اُدھر زنا کا قصہ ہوا۔ جس کا تفصیلی بیان پہلے گزر چکا ہے اور ان دونوں پر آیتیں نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ ہاں ایک بات اور ہے' جس سے دوسرے شانِ نزول کو تقویت ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے: ﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا...... ﴾ یعنی ہم نے یہودیوں پر تورات میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض میں جان' آنکھ کے عوض میں آنکھ...... واللہ اعلم۔ پھر انہیں کافر کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں۔ گو یہ آیت شانِ نزول کے اعتبار سے بقول مفسرین اہل کتاب کی بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے۔ بنواسرائیل کے بارے میں اُتری اور اس اُمت کا بھی یہی حکم ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدی فرماتے ہیں' جس نے وحی خدا کے خلاف عمداً فتویٰ دیا' باوجود جاننے کے اس کا خلاف کیا وہ کافر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' جس نے خدا کے فرمان کا انکار کیا' اس کا یہ حکم ہے اور جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق بھی نہ کہا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی بھی ہو۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے۔ طاؤس فرماتے ہیں کہ اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو سرے سے خدا اور رسول' قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو۔ عطا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' کفر کفر سے کم ہے۔ اسی طرح ظلم وفسق کے ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملتِ اسلام سے نکل جانے والا نہیں ہو جاتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد وہ کفر

نہیں جس کی طرف جا رہے ہو۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کی اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔ پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا اور جو شخص خدا کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں۔ ○

قصاص کا حکم ☆

یہودیوں کو اور سرزنش کی جا رہی ہے کہ اُن کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا یہ کھلم کھلا اُس کا بھی خلاف کر رہے ہیں اور سرکشی اور بے پروائی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نضری یہودیوں کو تو قرظی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں۔ لیکن قریظہ کے یہود کو بنو نضیر کے یہود کے عوض قتل نہیں کرتے۔ بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف کالا منہ کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی لئے تو وہاں انہیں کافر کہا۔ یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ((وَالْعَيْنُ)) پڑھنا بھی مروی ہے (ابوداؤد وغیرہ)۔ علمائے کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت جو ہمارے سامنے بطور تقریر کے بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو جائے تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے۔ جیسے یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں۔ ایک تو وہی جو بیان ہوا۔ ایک اس کے بالکل برخلاف۔ ایک یہ کہ ابراہیمی شریعت صرف جاری اور باقی ہے اور کوئی باقی نہیں۔ اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ نفس ہے۔ جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ بلکہ صرف دیت لی جائے گی لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے قتل کے بدلے میں بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا اور سلف کے بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جاتا تھا۔ حدیثیں

بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت کو نہیں پہنچیں۔ امام شافعی تو فرماتے ہیں اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اجماع ہے لیکن ان باتوں سے اس قول کا بطلان لازم نہیں آتا۔ تاوقتیکہ آیت کے عموم کو خاص کرنے والی کوئی زبردست صاف ثابت دلیل نہ ہو۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے۔ اب لوگوں نے اس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاملہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ لینے کا حکم دے دیا۔ اس پر حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا اس عورت کے سامنے دانت کے توڑے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اے انس' خدا کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے۔ یہ سن کر فرمایا نہیں نہیں' یارسول اللہ' قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اس کے دانت ہرگز نہ توڑے جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی کہ وہ لوگ رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا' بلکہ معاف کر دیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا' بعض بندگان خدا ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ خدا پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری ہی کر دے۔

دوسری روایت میں ہے کہ پہلے انہوں نے نہ تو معافی دی نہ دیت یعنی منظور کی۔ نسائی وغیرہ میں ہے ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مال دار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے۔ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کی کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں' مال ہمارے پاس نہیں' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی جرمانہ نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ ہوسکتا ہے کہ ان سے سفارش کر کے معاف کرا لیا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی۔ آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی ناک کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے گی۔ دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں۔ مرد عورت ایک ہی حکم میں ہیں' جب کہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں۔ اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں۔ ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔

قاعدہ ☆ اعضاء کا کٹنا کبھی تو جوڑ سے ہوتا ہے۔ اس میں تو قصاص واجب ہے۔ جیسے ہاتھ پاؤں قدم ہتھیلی وغیرہ لیکن جوز خم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں۔ ان کی بابت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لئے کہ وہ خوف وخطر کی جگہ ہے۔ ان کے برخلاف حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں بجز دانت کے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔ یہی مروی ہے' حضرت عمر بن خطاب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اور یہی کہتے ہیں عطا' شعبی' حسن بصری' زہری' ابراہیم نخعی اور عمر بن عبدالعزیز بھی اور اسی طرف گئے ہیں سفیان ثوری اور لیث بن سعد بھی۔ یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہی حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ بغیر ٹوٹے جھڑ گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے نیچے تلوار ماردی جس سے اس کی کلائی کٹ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دیت ادا کرو۔ اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسی کو لے لے۔ اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کو نہیں فرمایا لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے۔ اس کے ایک راوی ہشیم بن عکلی اعرابی ضعیف ہیں۔ ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ دوسرے راوی غران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ دلوایا نہ جائے گا۔ اس کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں

چوٹ ماری۔ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوائیے۔ آپ نے دلوا دیا۔ اس کے بعد وہ پھر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میں تو لنگڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تو تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا۔ اب تیرے اس لنگڑے پن کا کچھ بدلہ نہیں۔ پھر حضور ﷺ نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے سے منع فرمایا۔

مسئلہ ☆ اگر کسی نے دوسرے کو زخمی کیا اور بدلہ اس سے لیا گیا اس میں وہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں۔ مالک' شافعی اور احمد اور جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے رحمتہ اللہ علیہم۔ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس پر دیت واجب ہے اسی کے مال میں سے۔ بعض اور بزرگ فرماتے ہیں۔ اس کے ماں باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے مال پر وہ دیت واجب ہے۔ بعض اور حضرات کہتے ہیں بقدر اس کے بدلے تو ساقط ہے باقی اسی کے مال میں سے واجب ہے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص قصاص سے درگزر کر لے اور بطور صدقے کے اپنے بدلے کو معاف کر دے تو زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا اور جو زخمی ہوا ہے اُسے ثواب ہو گا۔ جو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ کفارہ ہے زخمی کے لئے یعنی اس کے گناہ اسی زخم کی مقدار سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ آیا ہے کہ اگر چوتھائی دیت کے برابر کی چیز ہے اور اس نے درگزر کر لیا تو اس کے چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دے دیا۔ جس سے اس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ گیا اور جب اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا' اچھا جا تجھے اختیار ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ وہیں تھے۔ فرمانے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جسم میں کوئی ایذا پہنچائی جائے اور وہ صبر کرے۔ بدلہ نہ لے تو اللہ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے۔ اس انصاری نے یہ سن کر کہا کہ کیا سچ مچ آپ نے خود ہی اسے حضور ﷺ کی زبانی سنا ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں میرے ان کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے۔ اس نے کہا گواہ رہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام دیا۔ (ابن جریر)

ترمذی میں بھی یہ روایت ہے لیکن بقول امام ترمذیؒ یہ حدیث غریب ہے۔ ابو سفر راوی کا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہیں اور روایت میں ہے کہ تین گنی دیت وہ دینا چاہتا تھا۔ لیکن یہ راضی نہیں ہوتا تھا۔ اس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص خون یا اس سے کم معاف کر دے وہ اس کی پیدائش سے لے کر موت تک کا کفارہ ہے۔ مسند میں ہے کہ جس شخص کے جسم پر کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف فرماتا ہے۔ مسند میں بھی یہ حدیث ہے خدا کے حکم کے مطابق حکم نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ کفر کفر سے کم ہے۔ ظلم اور ظلم میں بھی تفاوت ہے اور فسق میں بھی درجے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے اِن کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور ہم نے انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا اور اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں اور جو شخص خدا کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں۔ ○

توراۃ وانجیل ☆

انبیائے بنی اسرائیل کے پیچھے ہم عیسیٰ علیہ السلام کو لائے جو تورات پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے احکام کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرتے تھے۔ ہم نے انہیں بھی اپنی کتاب انجیل دی۔ جس میں حق کی ہدایت تھی اور شبہات اور مشکلات کی توضیح تھی اور اگلی خدائی کتابوں کی موافقت تھی۔ ہاں چند مسائل جن میں یہودی مختلف تھے۔ ان کے صاف فیصلے اس میں موجود تھے۔ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کروں گا' جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ اس لئے علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ انجیل نے تورات کے بعض احکام منسوخ کر دیئے ہیں۔ انجیل سے پارسا لوگوں کی رہنمائی اور وعظ و پند ہوتی تھی کہ وہ نیکی طرف رغبت کریں اور برائی سے بچیں۔ اَهْلَ الْاِنْجِيْلِ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ علیہ السلام کو انجیل اس لئے دی تھی کہ وہ اپنے ماننے والوں کو اپنے زمانے میں اسی کے مطابق چلائیں اور اس لام کو امر کا لام سمجھا جائے اور مشہور قراءت ﴿وَلْيَحْكُمْ﴾ پڑھی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انہیں چاہئے کہ انجیل کے احکام پر ایمان لائیں اور اسی کے مطابق حکم کریں جیسے اور آیت میں ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ ......﴾ (المائدہ: ۶۸) یعنی اے اہل کتاب جب تک تم تورات وانجیل پر اور جو کچھ خدا کی طرف سے اُترا ہے اس پر قائم نہ ہو تم کسی چیز پر نہیں ہو اور آیت میں ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ ......﴾ (الاعراف: ۱۵۷) جو لوگ اُس رسول نبی اُمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرتے ہیں' جس کی صفت اپنے ہاں تورات میں لکھی ہوئی پاتے ہیں...... وہ لوگ کتاب اللہ اور اپنے نبی کے فرمان کے مطابق حکم نہ کریں وہ اطاعتِ خدا سے خارج حق کے تارک اور باطل کے عامل ہیں۔ یہ آیت نصرانیوں کے حق میں ہے۔ آیت سے بھی یہ ظاہر ہے اور پہلے بیان بھی گزر چکا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے تو ان کے باہمی معاملات میں ایسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دُور ہو کر ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ منظور ہوتا تو سب کو ایک ہی اُمت کر دیتے۔ لیکن ایسا نہیں کیا تاکہ جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرما دیں۔ تو مفید باتوں کی طرف دوڑو تم سب کو خدا ہی کی طرف جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے اور ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی بات سے احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کے خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچلا دیں۔ پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو یہ یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر ان کو سزا دیں اور اکثر آدمی تو بے حکم ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ پھر کیا زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہوگا یقین رکھنے والوں کے نزدیک۔ ○

عظمتِ قرآن ☆

تورات وانجیل کی ثنا وصفت اور تعریف ومدحت کے بعد ان قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ہم نے اسے حق وصداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ یقیناً یہ خدائے واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے۔ یہ تمام سابقہ آسمانی کتابوں کو سچا بتاتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت وثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب' آخری اور افضل رسول (ﷺ) پر اُترے گی۔ پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ......﴾ (الاسراء ۱۰۷) جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا۔ جب اس کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ تو وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا ہے۔ اس نے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی اور آخری رسول انبیاء کے سردار (ﷺ) آ ہی گئے اور یہ کتاب ان اگلی کتابوں کی امین ہے یعنی اس میں جو ہے وہی اگلی کتابوں میں تھا۔ اب اس

[1] مطلب یہ ہے کہ اس کی عظمت سے ان کا قلب معمور ہو جاتا ہے۔ ٹھوڑیوں کے بل گرنا گویا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ عظمت قرآن کے قائل ہوتے ہیں۔ کچھ ٹھوڑیوں کے بل گرنا ضروری نہیں۔

کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے۔ یہ ان کی سچی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے ج
اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں مل کر تھیں۔ وہ سب اس آخری کتاب میں یک جا موجود ہیں۔ اسی لئے یہ سب پر حاکم اور سب
مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود خدائے تعالیٰ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ......﴾ (الحج
بعضوں نے کہا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ حضور ﷺ امین ہیں اس کتاب پر۔ واقع میں تو یہ قول صحیح ہے لیکن اس آیت کی یہ تفسیر ک
ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ عربیت کے اعتبار سے بھی یہ محل نظر ہے۔ صحیح تفسیر پہلی ہی ہے۔ امام ابن جریر نے بھی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے
قول کو نقل کر کے فرمایا ہے۔ یہ بہت بعید بات ہے بلکہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے مہیمن کا عطف مصدق پر ہے۔ پس یہ بھی اس کی صف
ہے جس کی صفت مصدق کا لفظ کرتا ہے۔ اگر حضرت مجاہد کے معنی صحیح مان لئے جائیں تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہئے تھی۔

پس اے نبی ﷺ آپ ان سب میں خدا کی اس کتاب کے احکام پھیلایئے خواہ عرب ہوں خواہ عجم ہوں خواہ لکھے پڑھے ہو
خواہ بے پڑھے ہوں۔ خدا کی نازل کردہ سے مراد وحی خدا ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں خواہ جو اگلے احکام خدا نے مقرر کر
ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی۔ اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں چاہیں نہ کریں لی
اس آیت نے حکم دیا کہ وحی کے ساتھ ان میں فیصلے کرانے ضروری ہیں۔ ان بدنصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لئے
اور ان کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ خبردار اے نبی ﷺ! تو ان کی خواہشات کے پیچھے لگ کر حق کو نہ چھوڑنا۔ ان می
ایک کے لئے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے۔ کسی چیز کی طرف ابتدا کرنے کو شرعۃ کہتے ہیں۔ مِنھَاج لغت میں کہتے ہیں واضح
آسان راستے کو۔ پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔ اگلی تمام شریعتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تھیں۔ وہ سب تو
پر تو متفق تھیں البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا۔ جیسے حدیث میں ہے۔ ہم سب انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ہم سب کا د
ایک ہے۔ ہر نبی توحید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان اس کا ثبوت اور اسی کی طرف دعوت ہوتی رہی۔

جیسے قرآن فرماتا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے ہیں ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبو
نہیں۔ تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو اور آیت میں: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا ......﴾ (النحل: ۳۶) ہم نے ہر اُمت کو بزبانِ رسول کہلو
کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو۔ ہاں احکام کا اختلاف ضرور رہا۔ کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی۔
حلال ہو گئی یا اس کے برعکس یا کسی حکم میں تخفیف تھی اب تاکید ہو گئی یا اس کے خلاف اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجت خداوندی
ساتھ۔ پس تورات ایک شریعت ہے۔ انجیل ایک شریعت ہے۔ قرآن ایک مستقل شریعت ہے تاکہ ہر زمانے کے فرمانبرداروں
نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے۔ البتہ توحید ہر زمانہ میں یکساں رہی اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے اُمت محمد ﷺ تم میں سے ہر
کے لئے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے تم سب کو اس کی اقتدا اور تابعداری کرنی چاہئے۔ اس صورت
جَعَلْنَا کے بعد ضمیرہٗ کی محذوف ماننی پڑے گی۔ پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآن کریم ہی ہے اور بس ل
صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہی فرمان ہوا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ایک ہی اُمت سب کو کر دیتا
معلوم ہوا کہ اگلا خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب امتوں سے ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کی بہت بڑی اور کامل قدرت کا
ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا۔ کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی لیکن رب کی حکمت کاملہ کا تقاضا
کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کر کے ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پچھلے نبی سے بدلوا دے۔ یہاں تک ک

اگلے دین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے منسوخ ہو گئے اور آپ تمام روئے زمین کی طرف بھیجے اور خاتم الانبیاء بنا کر بھیجے گئے۔ یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کے لئے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا ملے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ تمہیں آزمانے اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب۔ پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت چاہئے۔ اللہ کی اطاعت اس کی شریعت کی فرمانبرداری کی طرف آگے بڑھنا چاہئے اور اس آخری شریعت اور آخری کتاب اور آخری پیغمبر (ﷺ) کی بدل و جان حکم برداری کرنی چاہئے لوگو! تم سب کا مرجع و ماویٰ اور لوٹنا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے۔ وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتا دے گا۔ سچوں کو ان کی سچائی کا اچھا پھل دے گا اور بروں کو ان کی تکذیب اور سرکشی اور خواہشِ نفس کی پیروی کی سزا دے گا۔

جو حق کو ماننا تو ایک طرف اور حق سے چڑتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں مراد اُمت محمدی ﷺ ہے مگر اول ہی اولیٰ ہے پھر پہلی بات کی اور تاکید ہو رہی ہے اور اس کے خلاف سے روکا جاتا ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو کہیں ان خائن مکار کذاب کفار یہود کی باتوں میں آ کر کسی خدائی حکم سے اِدھر اُدھر نہ ہو جانا۔ اگر وہ تیرے احکام سے روگردانی کریں اور شریعت کا خلاف کریں تو تو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے خدا کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے۔ اسی لئے توفیق خیر اُن سے چھین لی گئی ہے۔ اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعتِ حق سے خارج دین خدا کے مخالف ہدایت سے دُور ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یوسف: ۱۰۳) یعنی آپ کتنا ہی چاہیں لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں اور فرمایا: ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الانعام: ۱۱۶) اگر تو زمین والوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہِ خدا سے بہکا دیں گے۔ یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حاضرِ حضور ہو کر عرض کیا کہ آپ ﷺ جانتے ہیں کہ اگر ہم آپ ﷺ کو مان لیں تو تمام یہود آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کر لیں گے اور ہم آپ کو مان لیں گے آپ ﷺ صرف اتنا کیجئے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے اس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر لیجئے آپ نے انکار کر دیا اور اسی پر یہ آیتیں اُتریں۔

اس کے بعد جناب باری اُن لوگوں پر انکار کر رہا ہے جو خدا کے حکم سے ہٹ جائیں۔ جس میں تمام بھلائیاں موجود ہیں اور تمام برائیاں دور ہیں۔ ایسے پاک حکم سے ہٹ کر رائے قیاس کی طرف خواہش نفسانی کی طرف اور ان احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لئے ہیں۔ جیسے کہ اہل جاہلیت اپنی جہالت وضلالت اپنی رائے سے اور اپنی مرضی کے مطابق احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خانی احکام کی پیروی کرتے تھے۔ جنہیں الیاسق نے گھڑ دیئے تھے۔ وہ بہت سے احکام کے مجموعے کے دفاتر تھے۔ جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے۔ یہودیت نصرانیت اور اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے جو صرف اپنی عقل اور رائے اور دقت نظر سے ایجاد کئے گئے تھے۔ جن میں اپنی خواہش کی پیروی تھی۔ بس وہی مجموعے اُن کی اولاد کے لئے قابل عمل ٹھہر گئے اور اسی کو کتاب وسنت پر فوقیت اور ترجیح دے لی۔ درحقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے حکم کی طرف آ جائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے اہم یا غیر اہم معاملہ میں سوائے کتاب وسنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور حکمِ خدا سے ہٹ رہے ہیں؟ یقین والوں کے لئے اللہ سے بہتر حکمران اور کارفرما کون ہوگا اللہ سے زیادہ عدل وانصاف والے احکام کس کے ہوں گے۔ ایماندار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین سے زیادہ اچھے صاف سہل اور عمدہ احکام وقواعد مسائل وضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے وہ اپنی مخلوق پر اس سے زیادہ مہربان

ہے جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے۔ وہ پورے اور پختہ علم والا، کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل و انصاف والا ہے۔ حضرت حس... فرماتے ہیں اللہ کے فیصلے کے بغیر جو فتویٰ دے اس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے۔ ایک شخص نے حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا میں ا... اولاد میں سے ایک کو کم اور ایک کو زیادہ دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے بڑا دشمنِ خدا وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے۔ یہ حدیث بخار... میں بھی قدرے زیادت کے ساتھ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾

اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت مانو وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا۔ بیشک وہ ان میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سمجھ نہیں دیتے ان لوگوں کو جو اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ اسی لئے تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھستے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم کو خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے۔ سو عنقریب اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل فتح ظہور فرما دے یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے پھر اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے اور مسلمان لوگ کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے بڑے مبالغہ سے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان لوگوں کی ساری کاروائیاں غارت ہوگئیں جس سے ناکام رہے۔ ○

دُشمنانِ خدا سے دوستی اور تعلق، ایمان کی کمزوری ہے ☆

دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی اللہ تبارک و تعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض و عداوت ہے۔ ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستی اور محبت ہے۔ میرے نزدیک جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ ان ہی میں سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر پوری تنبیہ کی اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

حضرت عبداللہ بن عتبہ نے فرمایا' لوگو! تمہیں اس سے بچنا چاہئے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم خدا کے نزدیک یہود و نصاریٰ بن جاؤ۔ ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرب نصرانیوں کے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو آپ یہی آیت تلاوت کر دیتے ہیں۔ جن کے دل میں کھوٹ ہے وہ بڑھ کر پوشیدہ طور پر اس سے ساز باز اور محبت و مودّت کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آ گئے تو ہمارے تکے بوٹیاں کر دیں گے۔ اس لئے ہم ان سے بھی میل ملاپ رکھتے ہیں۔ ہم کیوں کسی سے بگاڑیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ممکن ہے اللہ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے۔ مکہ بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں حکومت ان کے قدموں میں ڈال دے۔ یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے۔ یعنی یہود و نصاریٰ کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کرے' ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دے دے۔ پھر تو یہ منافقین جو آج بڑھ کر سازشیں کر رہے ہیں۔ بڑے بھنانے لگیں گے اور اپنی اس چالاکی پر خون کے آنسو بہانے لگیں گے۔ ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے۔ اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں۔ کھو دیا جو کیا تھا اور برباد ہو گئے وَیَقُوْلُ تو جمہور کی قراءت ہے۔ ایک قراءت بغیر واؤ کے بھی ہے۔ اہل مدینہ کی یہی قراءت ہے۔ یَقُوْلُ تو مبتدا ہے دوسری قراءت اس کی یَقُوْلَ ہے تو یہ فَعَسٰی...... پر عطف ہو گا گویا وَاَنْ یَّقُوْلَ ہے۔

شانِ نزول ☆ اہل مدینہ کے نزدیک ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ اُحد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تا کہ موقعہ پر مجھے نفع پہنچے۔ دوسرے نے کہا میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں۔ اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا۔ اس پر یہ آیتیں اُتریں۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لبابہ بن عبدالمنذر کے بارے میں یہ آیتیں اُتریں۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنوقریظہ کی طرف بھیجا تھا۔ تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا' یعنی تم سب کو قتل کرا دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن اُبی بن سلول کے بارے میں اُتری ہیں۔ حضرت عبداللہ بن صامت رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے۔ مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں۔ مجھے اللہ اور رسول کی دوستی کافی ہے۔ اس پر اس منافق نے کہا میں آگا پیچھا سوچنے کا عادی ہوں' مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا نہ جانیں کس وقت کیا موقع پڑ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ تو عبادہ سے بہت ہی گھاٹے میں رہا۔ اس پر یہ آیتیں اُتریں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ تمہاری درگت ہوا اس سے پہلے ہی تم دین کو قبول کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جو لڑائی کے فنون سے بے بہرہ ہیں۔ فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا۔ ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تو معلوم کرا دیں گے کہ لڑائی اسے کہتے ہیں۔ اس پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن اُبی کا وہ مکالمہ ہوا جو اُوپر بیان ہو چکا۔ جب یہودیوں کے اس قبیلے سے مسلمانوں کی جنت ہوئی اور بفضل خدا یہ غالب آ گئے تو اب عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کریں۔ یہ لوگ خزرج کے ساتھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا' آپ نے منہ موڑ لیا۔ یہ آپ کے دامن سے لٹک گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ سے فرمایا کہ چھوڑ دے۔ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں احسان کریں۔ ان کی بڑی جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن میں یہ سب فنا کے گھاٹ اُتر جائیں گے۔ مجھے تو آنے والی مصیبتوں

کا بڑا کھٹکا ہے۔ آخر حضور ﷺ نے فرمایا' جا وہ سب تیرے لئے ہیں اور روایت میں ہے کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے حضور ﷺ سے جنگ کی اور خدا نے انہیں نیچا دکھایا تو عبداللہ بن ابی تو ان کی حمایت حضور ﷺ کے سامنے کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انہوں نے ان سے صاف برأت ظاہر کی۔ اس پر یہ آیتیں: ﴿هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ تک اُتریں۔ مسند میں ہے کہ اس منافق عبداللہ بن اُبی کی عیادت کے لئے حضور ﷺ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا' میں نے تو تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے روکا۔ تو اس نے کہا اسعد بن زرارتو ان سے دشمنی رکھتا تھا۔ وہ بھی مر گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔ مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں پر جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے اندیشہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا کریں اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت والے ہیں بڑے علم والے ہیں۔ تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایماندار لوگوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔ ○

ارتداد ☆

اللہ ربّ العزت جو قادر و غالب ہے' خبر دیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی قوت گھٹا نہیں دے گا اللہ تعالیٰ ایسوں کے بدلے ان لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا۔ جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا......﴾ اور آیت میں ہے: ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ﴾ اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ (النساء: ۱۳۳) مطلب ان سب آیتوں کا وہی ہے جو بیان ہوا۔ ارتداد کہتے ہیں۔ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت سردارانِ قریش کے بارے میں اُتری ہے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خلافتِ صدیقی میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے۔ ان کا حکم اس آیت میں ہے۔ جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ ہو رہا ہے۔ اہل قادسیہ ہیں یا قوم سبا ہے

اہل یمن ہیں۔ جو کندہ اور سکون قبیلوں کے ہیں۔ ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ پچھلی بات بیان ہوئی ہے اور روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ اس کی قوم ہے۔ ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو بچھ جانے والے جھک جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے اُن پر بھاری پڑنے والے اور ان پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹) حضور ﷺ کی صفتوں میں ہے کہ آپ ضحوک تھے اور قتال تھے۔ یعنی دوستوں کے سامنے ہنس مکھ، خندہ رُو اور دشمنانِ دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو سچے مسلمان راہِ خدا میں جہاد سے منہ نہیں موڑتے نہ پیٹھ دکھاتے ہیں، نہ تھکتے ہیں، نہ بزدلی، نہ آرام طلبی کرتے ہیں، نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں، نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں، وہ برابر اطاعتِ خدا میں اس کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں، بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی ہدایات ☆ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے میرے خلیل ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا ہے: (۱) مسکینوں سے محبت رکھنے اور ان کے پاس بیٹھنے اُٹھنے کا اور (۲) دنیاوی اُمور میں اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھنے اور اپنی سے بڑھے ہوئے لوگوں کو نہ دیکھنے کا اور (۳) صلہ رحمی کرتے رہنے کا گو دوسرے نہ کرتے ہوں اور (۴) کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے کا اور (۵) حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور (۶) دین کے معاملات کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور (۷) بکثرت لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنے کا کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے (مسند احمد) اور روایت میں ہے، میں نے حضور ﷺ سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں کی آپ ﷺ نے مجھے نصیحت کی ہے اور سات مرتبہ میں اپنے اوپر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اللہ کے دین کے بارے میں کسی بدگو کی بدگوئی کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ مجھے بُلا کر حضور ﷺ نے فرمایا کیا مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا۔ تو آپ ﷺ نے شرط کی کہ کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ فرمایا اگرچہ کوڑا بھی ہو یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اُتر کر لے لینا۔ (مسند احمد) حضور ﷺ فرماتے ہیں لوگوں کی ہیبت میں آ کر حق گوئی سے نہ رکنا، یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند۔ فرماتے ہیں خلافِ شرع امر دیکھ سن کر اپنے تئیں کمزور جان کر خاموش نہ ہو جانا ورنہ خدا کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی۔ اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چپکا ہو گیا۔ تو جناب باری فرمائے گا، میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا۔ (مسند احمد)

فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے خلاف شرع امر دیکھ کر اس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا کہ پروردگار میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا۔ (ابن ماجہ) ایک اور صحیح حدیث میں ہے مومن کو نہ چاہئے کہ خود کو ذلت میں ڈالے۔ صحابہؓ نے پوچھا کس طرح؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ان بلاؤں کو اپنے اُوپر لے لے۔ جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ پھر فرمایا اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہے دے یعنی کمال ایمان کی یہ صفات خدا ہی کا عطیہ ہیں۔ اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے۔ اس کا فضل بہت ہی وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے۔ خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ سے اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے تعلق رکھنا چاہئے۔ مومن بھی وہ جن میں یہ صفات ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں۔ جو اسلام کی اعلیٰ اور بہترین رکن ہوں اور صرف خدا کا حصہ ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوں۔ جو اللہ کے ضعیف اور مسکین بندوں کا حق ہے۔ آخری جملہ جو ہے۔ اس کی نسبت بعض لوگوں کو

وہم سا ہو گیا ہے کہ: ﴿یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ﴾ سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے کہ اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو ثابت یہ ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل نہیں۔ ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نماز کے رکوع میں تھے جو ایک سائل آ گیا۔ تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے مراد بقول عتبہ جملہ مسلمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ ایک مرفوع میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں۔ رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں پس یہ واقعہ بالکل غلط ہے اور صحیح نہیں۔ ٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں جبکہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہود کی دوستی توڑی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی دوستی پر راضی ہو گئے۔ اسی لئے ان تمام آیتوں کے آخر میں ارشاد ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کی دوستی رکھے۔ وہ خدائی لشکر میں داخل ہے اور یہی خدائی لشکر غالب ہے۔

جیسے فرمان باری ہے: ﴿کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ......﴾ (المجادلہ:۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ یہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی غالب رہیں گے۔ خدا پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو خدا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی نہ پائے گا۔ گو وہ باپ بیٹے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگ ہوں۔ یہی ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ رب ان سے راضی ہے یہ خدا سے خوش ہیں۔ یہی خدا کے لشکر ہیں اور خدا ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔ پس جو بھی خدا اور اس کے رسول اور مومنوں کے تعلق پر رضامند ہو جائے وہ دنیا میں کامیاب ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے۔ اسی لئے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

اے ایمان والو جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے۔ ○

دین کے ساتھ استہزا ☆

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا تم ان سے تعلق کرو گے جو تمہارے طاہر و مطہر دین کو ہنسی میں اُڑاتے ہیں اور اسے ایک بازیچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں۔ مِنْ بیانِ جنس کے لئے ہے۔ جیسے: ﴿مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ (الحج:۳۰) میں۔

بعضوں نے وَالْكُفَّارِ پڑھا ہے اور عطف کیا ہے۔ بعضوں نے وَالْكُفَّارَ پڑھا ہے اور لَا تَتَّخِذُوْا کا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبادت وَلَا الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ہوگی۔ کفار سے مراد مشرکین ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں :وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۔ اللہ سے ڈرو اور ان سے تعلق نہ کرو۔ اگر تم سچے مومن ہو۔ یہ تو تمہارے دین کی اور شریعت کی دشمنی کرنے والے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ......﴾ (آل عمران:۲۸) مومن مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے تعلق نہ کریں اور جو ایسا کرے وہ اللہ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں۔ ہاں ان سے بچاؤ مقصود ہو تو اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی طرح یہ کفار اہل کتاب بھی اور مشرک بھی اس وقت مذاق اُڑاتے ہیں' جب تم نمازوں کے لئے پکارتے ہو۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے لیکن یہ بے وقوف اتنا بھی نہیں جانتے اس لئے یہ متبع شیطان ہیں اور اس کی حالت یہ ہے کہ اذان سنتے ہی گوز مارتا ہوا دم دبائے بھاگتا ہے اور وہاں جا کر ٹھہرتا ہے جہاں اذان کی آواز نہ آئے۔ اس کے بعد آجاتا ہے۔ پھر تکبیر سُن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی آ کر بہکانے میں لگ جاتا ہے۔ انسان کو بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعتیں پڑھیں؟ جب ایسا ہو تو وہ سجدے سہو کے کرے۔ (متفق علیہ)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اذان کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت کی۔ ایک نصرانی مدینے میں تھا۔ اذان میں جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنتا تو کہتا ''کذاب جل جائے''۔ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی۔ کوئی پتنگا اُڑا۔ جس سے گھر میں آگ لگ گئی۔ وہ شخص اور اس کا سب گھر بار جل کر خاک ہوگیا۔ فتح مکہ والے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبے میں اذان کہنے کا حکم دیا۔ قریب ہی ابوسفیان بن حرب' عتاب بن اسید' حارث بن ہشام بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب نے تو اذان سُن کر کہا میرے باپ پر تو اللہ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا۔ حارث کہنے لگا کہ اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی لیتا۔ ابوسفیان بولا بھئی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا۔ ڈر ہے کہیں یہ کنکریاں اسے خبر نہ کر دیں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور فرمانے لگے۔ اس وقت تم نے یہ باتیں کہی ہیں۔ یہ سن کر عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں۔ ورنہ ہم یہ گمان کر سکتے تھے کہ اس نے جا کر کہہ دیا ہوگا۔ (سیرۃ محمد اسحاق)

حضرت عبداللہ بن محیریز جب شام کے سفر میں جانے لگے۔ تو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام یتیمی بسر کئے تھے' کہا کہ آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجئے۔ فرمایا' ہاں سنو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس آرہے تھے۔ راستے میں ہم لوگ ایک جگہ تھے اور نماز کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے اذان کہی۔ ہم نے اس کا مذاق اُڑانا شروع کیا۔ کہیں آپ کے کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو تو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا اُٹھو اذان کہو۔ واللہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے آپ کی حکم برداری سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس کھڑا ہوگیا۔ اب خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان سکھائی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکھاتے گئے میں کہتا گیا پھر اذان پوری بیان کی جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی۔ پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے۔ پھر فرمایا اللہ تجھ میں اور تجھ پر برکت دے اب تو اللہ کی قسم میرے دل سے عداوت رسول بالکل جاتی رہی اور بجائے

اسکے ایسی ہی محبت حضور ﷺ کی دل میں پیدا ہوگئی۔ میں نے آرزو کی کہ مکہ کا مؤذن حضور مجھ کو بنا دیں۔ آپ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور مکہ چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اُسید سے مل کر مؤذنی پر مامور ہو گیا۔ حضرت ابومحذورہ کا نام سمرہ بن مغیرہ بن لوذان تھا۔ حضور ﷺ کے چار مؤذنوں میں سے ایک آپ تھے اور مدت تک آپ اہل مکہ کے مؤذن رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ وارضاہ۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم ہم میں کونسی بات معیوب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے اور اس پر جو پہلے بھیجی گئی ہے باوجود اس کے کہ تم میں لوگ ایمان سے خارج ہیں۔ آپ کہئے کہ کیا تم کو ایسا طریقہ بتلاؤں جو اس سے بھی خدا کے یہاں پاداش ملنے میں زیادہ برا ہو۔ وہ ان اشخاص کا طریقہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا ہو اور فرمایا ہو اور ان کو بندر اور سؤر بنا دیا ہو اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی ہو ایسے اشخاص مکان کے اعتبار سے بھی بہت برے ہیں اور راہ راست سے بھی دور ہیں اور جب یہ لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جس کو یہ پوشیدہ رکھتے ہیں اور آپ ان میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں کہ دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم اور حرام مال کھانے پر گر گئے ہیں واقعی یہ اُن کے برے کام ہیں۔ ان کو مشائخ اور علما گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے۔ واقعی یہ ان کی عادت بری ہے۔ ○

کفار مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں ☆

حکم ہوتا ہے جو اہل کتاب تمہارے دین کا مذاق اُڑاتے ہیں' ان سے کہو کہ تم نے جو دشمنی ہم سے کر رکھی ہے' اس کی وجہ اس کے سوا نہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس دراصل نہ تو یہ کوئی وجہ بغض ہے نہ بسبب مذمت۔ یہ استثنا منقطع ہے اور آیت میں: ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ ......﴾ (البروج: ۸) یعنی فقط اس وجہ سے انہوں نے ان سے دشمنی کی تھی کہ وہ اللہ عزیز وحمید کو مانتے تھے اور جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (التوبہ: ۷۴) یعنی انہوں نے صرف اس کا انتقام لیا ہے کہ انہیں خدا نے اپنے فضل سے اور رسول ﷺ نے مال دے کر غنی کر دیا ہے۔

بخاری مسلم کی حدیث میں ہے' ابن جمیل اسی کا بدلہ لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ نے اسے غنی کر دیا اور یہ کہ تم میں کے اکثر صراط مستقیم سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ تم جو ہماری نسبت گمان رکھتے ہو آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ خدا کے پاس بدلہ پانے میں کون بدتر ہے؟ اور وہ تم ہو کیونکہ یہ خصلتیں تم میں ہی پائی جاتی ہیں یعنی جسے خدا نے لعنت کی ہو' اپنی رحمت سے دور ڈال دیا ہو۔ اس پر غضبناک ہوا ہو۔ ایسا جس کے بعد رضامند نہیں ہونے کا اور جن میں سے بعض کی صورتیں بگاڑ دی ہوں۔ بندر اور سور بنا دیئے ہوں۔ اس کا پورا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ کیا یہ بندر' سور وہی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس قوم پر خدا کا ایسا عذاب نازل ہوا ہے' ان کی نسل ہی نہیں ہوتی۔ ان سے پہلے بھی سور اور بندر تھے۔ یہ روایت مختلف الفاظ میں صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ مسند میں ہے کہ جنوں کی ایک قوم سانپ بنادی گئی تھی۔ جیسے کہ بندر اور سور بنا دیئے گئے تھے۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ انہی میں سے بعض کو غیر اللہ کے پرستار بنا دیئے۔ ایک قراءت میں اضافت کے ساتھ طاغوت کے زیر سے بھی ہے۔ یعنی انہیں بتوں کے غلام بنا دے حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ اسے عَابِدُ الطَّاغُوْتِ پڑھتے تھے۔ حضرت ابو جعفر قاری سے وَعُبِدَ الطَّاغُوْتُ بھی منقول ہے۔ پھر اس کے معنی میں دوری پڑ جاتی ہے لیکن فی الواقع دوری بھی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہی وہ ہو جن میں طاغوت کی عبادت کی گئی۔ الغرض اہل کتاب کو الزام دیا جاتا ہے کہ ہم پر تو عیب گیری کرتے ہو' حالانکہ ہم موحد ہیں۔ صرف ایک خدائے برحق کو ماننے والے ہیں اور تم تو وہ ہو کہ یہ سب باتیں تم میں پائی گئیں۔ اسی لئے خاتمے پر فرمایا کہ یہی لوگ باعتبار اپنی حیثیت کے بہت برے ہیں اور باعتبار راستی پر ہونے کے بہت دور کی غلط راہ پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس افعل التفضیل میں دوسری جانب کچھ نہیں۔ مشارکت یہاں سرے سے ہے ہی نہیں۔ جیسے اس آیت میں:

﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾ (الفرقان: ۲۴)

پھر منافقوں کی ایک بدخصلت بیان ہو رہی ہے کہ ظاہر میں تو وہ مومنوں کے سامنے اظہار ایمان کرتے ہیں اور باطن ان کے کفر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ تیرے پاس آتے ہیں تو کفر کی حالت میں اور تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اسی حالت میں' تیری باتیں تیری نصیحتیں ان پر کچھ بھی تو اثر نہیں کرتیں۔ بھلا یہ پردہ داری انہیں کیا کام آئے گی جس سے کام پڑتا ہے تو عالم الغیب ہے۔ دلوں کے بھید اس پر روشن ہیں۔ وہاں جا کر پورا پورا بدلہ بھگتنا پڑے گا۔ تو دیکھ رہا ہے کہ یہ گناہوں پر حرام اور باطل کے ساتھ لوگوں کے مال لینے پر کس طرح چڑھ دوڑے ہیں۔ ان کے اعمال نہایت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ ان کے اولیاء اللہ یعنی عابد و عالم اور ان کے علماء انہیں ان باتوں سے کیوں نہیں روکتے؟ دراصل ان علما اور پیروں کے اعمال بھی بدترین ہو گئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علماء اور فقراء کی ڈانٹ کے لئے اس سے زیادہ سخت آیت قرآن میں کوئی نہیں ہے۔ حضرت ضحاک سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا لوگو! تم سے اگلے لوگ اسی بنا پر ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ برائیاں کرتے تھے اور ان کے عالم اور

اللہ والے خاموش رہتے تھے۔ جب یہ عادت ان میں پڑ گئی تو خدا نے انہیں قسم قسم کی سزائیں دیں۔ پس تمہیں چاہئے کہ بھلائی کا حکم کرو برائی سے روکو اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائیں۔ جو تم سے پہلے والوں پر آئے۔ یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا نہ تمہاری موت قریب کر دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس قوم میں کوئی خدا کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبہ کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔ (مسند احمد)

ابوداؤد میں ہے کہ یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آ پڑے گا ابن ماجہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ كُلَّمَآ اَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿۶۶﴾

اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے ان ہی کے ہاتھ بند ہیں اور اپنے کہنے سے یہ رحمت سے دور کر دیئے گئے بلکہ ان کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں اور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ان میں سے بہتوں کا سرکشی کے اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں حق تعالیٰ اس کو فرو کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی برائیاں معاف کر دیتے اور ضرور ان کو چین کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے۔ اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔ ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں۔ ○

یہود کی ہرزہ سرائی ☆

ملعون یہودیوں کا ایک خبیث قول بیان فرما رہا ہے کہ یہ خدا کو بخیل کہتے تھے۔ یہی لوگ خدا کو فقیر بھی کہتے ہیں۔ اللہ کی ذات اس ناپاک مقولے سے بہت بلند و بالا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' سے مطلب اُن کا یہ نہ تھا کہ ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں بلکہ مراد اس سے بخل تھا۔ یہی محاورہ قرآن میں اور جگہ بھی فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ ......﴾ (الاسراء: ۲۹) یعنی اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ بھی نہ لے اور نہ حد سے زیادہ پھیلا دے کہ پھر تکان اور ندامت کے ساتھ بیٹھ رہنا پڑے۔ پس بخل سے اور اسراف سے اللہ نے اس آیت میں روکا۔ پس ملعون یہودیوں کی بھی ہاتھ بندھا ہونے سے یہی مراد تھی۔ فخاص نامی یہودی نے یہ کہا تھا اور اسی ملعون کا وہ دوسرا قول بھی تھا کہ خدا فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ جس پر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے پیٹا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ شاس بن قیس نے یہی کہا تھا۔ جس پر یہ آیت اُتری اور ارشاد ہوا کہ بخیل اور کنجوس ذلیل اور بزدل یہ لوگ خود ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اگر یہ بادشاہ بن جائیں تو کسی کو کچھ بھی نہ دیں بلکہ یہ تو اوروں کی نعمتیں دیکھ کر جلتے ہیں۔ یہ ذلیل تر لوگ ہیں۔ بلکہ خدا کے ہاتھ کھلے ہیں وہ بہت کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اس کا فضل وسیع ہے۔ اس کی بخشش عام ہے۔ ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھوں میں ہیں۔ ہر نعمت اس کی طرف سے ہے۔ ساری مخلوق دن رات ہر وقت ہر جگہ اسی کی محتاج ہے: ﴿وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ﴾ (ابراہیم: ۳۴) تم نے جو کچھ مانگا' اللہ نے وہ دیا۔ اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے۔ یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بے حد ناشکرا ہے۔ مسند میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ پُر ہے۔ دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں۔ شروع سے لے کر آج تک جو کچھ بھی اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمایا ہے' اس نے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس کا عرش پہلے پانی پر تھا۔ اسی کے ہاتھ میں فیض ہے یا قبضہ ہے۔ وہی بلندی یا پستی کرتا ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ لوگو تم میری راہ میں خرچ کرو۔ تم دیئے جاؤ گے۔

بخاری مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ پھر فرمایا جس قدر خدا کی نعمتیں اے نبی تیرے پاس بڑھیں گی' اتنا ہی ان شیاطین کا کفر حسد اور بڑھے گا۔ ٹھیک اسی طرح مومنوں کا ایمان اور ان کی تسلیم و اطاعت بڑھتی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ ......﴾ (فصلت: ۴۴) ایمان والوں کے لئے تو یہ ہدایت شفاء ہے اور بے ایمان اس سے اندھے بہرے ہیں۔ یہی ہیں جو دور دراز سے پکارے جاتے ہیں اور آیت میں: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ ......﴾ ہم نے وہ قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو تو نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ان کے دلوں میں سے خود آپس میں بغض و حسد بھی قیامت تک ختم نہیں ہوگا۔ ایک دوسرے کے آپس میں ہی خون پینے والے یہ لوگ ہیں ناممکن ہے کہ حق پر جم جائیں' یہ اپنے ہی دین میں فرقے فرقے ہو رہے ہیں۔ عداوتیں اور جھگڑے ان میں ہمیشہ سے چلے آ رہے ہیں اور جاری رہیں گے۔ یہ بسا اوقات لڑائی کے سامان کرتے ہیں۔ چو طرف ایک آگ تیرے خلاف بھڑکانا چاہتے ہیں لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھاتے ہیں۔ ان کا مکر ان ہی پر لوٹ جاتا ہے۔ یہ مفسد لوگ ہیں اور خدا کے دشمن ہیں کسی مفسد کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست نہیں بناتا۔ اگر یہ باایمان اور پرہیزگار بن جائیں تو ہم ان سے تمام ڈر دور کر دیں اور مقصود سے انہیں ملا دیں۔ اگر یہ تورات اور انجیل اور اس قرآن کو مان لیں کیونکہ تورات و انجیل کا ماننا اس قرآن کے ماننے کو لازم کر دے گا۔ ان کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ یہ قرآن سچا ہے اور اس کی اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق پہلے کتابوں میں موجود ہے۔ تو اگر یہ اپنی کتابوں کو بغیر تحریف و تبدیل اور تاویل و تفسیر کے مانیں تو انہیں اسی اسلام کی ہدایت کریں گی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے ہیں۔ اس صورت میں خدا انہیں دنیا

کے فائدے بھی دے گا اور آسمان سے پانی برسائے گا۔ زمین سے پیداوار اُگائے گا۔ نیچے اُوپر کی یعنی زمین و آسمان کی برکتیں انہیں مل جائیں گی۔

جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ......﴾ (الاعراف: ۹۶) یعنی اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں نازل فرماتے اور آیت میں ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم: ۴۱) لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو پڑا اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ بغیر مشقت، مشکل کے ہم انہیں بکثرت بابرکت روزیاں دیتے ہیں۔ بعضوں نے اس جملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایسا کرنے سے خیر میں ہو جاتے۔ لیکن یہ قول اقوال سلف کے خلاف ہے۔ ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک اثر بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' قریب ہے کہ علم اُٹھالیا جائے۔ یہ سُن کر حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ علم اُٹھ جائے۔ ہم نے قرآن سیکھا اور اپنی اولاد کو سکھایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا افسوس میں تو تم کو سمجھ دار جانتا تھا۔ تم نہیں دیکھتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں بھی تورات و انجیل ہے لیکن کس کام کی جب کہ انہوں نے احکام خدا چھوڑ دیئے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث مسند میں بھی ہے کہ حضور ﷺ نے کسی چیز کا بیان فرمایا کہ یہ بات علم کے ختم ہونے کے وقت ہوگی۔ اس پر حضرت ابن لبید رضی اللہ عنہ نے کہا علم کیسے جاتا رہے گا؟ ہم قرآن پڑھے ہوئے ہیں۔ اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ وہ اپنی اولاد کو پڑھائیں گے۔ یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس پر آپ ﷺ نے جواب میں وہ فرمایا جو بیان ہوا۔

پھر فرمایا ان میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے اور اکثر بداعمال ہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰىٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۵۹) موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرنے والا اور اسی کے ساتھ عدل و انصاف کرنے والا بھی تھا اور قوم عیسیٰ کے بارے میں فرمان ہے: ﴿فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ......﴾ (الحدید: ۲۷) ان میں کے باایمان لوگوں کو ہم نے ان کے ثواب عنایت فرمائے۔ یہ نکتہ خیال میں رہے کہ ان کا بہترین درجہ بیچ کا درجہ فرمایا اور اس امت کا یہ درجہ دوسرا درجہ ہے۔ جس پر ایک تیسرا درجہ بھی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا ......﴾ (فاطر: ۳۲) پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا۔ ان میں سے بعض تو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ بعض میانہ رو ہیں اور بعض خدا کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑا افضل ہے۔

پس یہ تینوں قسمیں اس امت کی داخل جنت ہونے والی ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے حضور ﷺ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کی امت کے اکہتر گروہ ہو گئے۔ جن میں سے ایک جنتی ہے باقی ستر دوزخی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے بہتر گروہ ہو گئے۔ جن میں سے ایک جنتی اور اکہتر دوزخی۔ میری یہ اُمت ان دونوں سے بڑھ جائے گی۔ ان کا بھی ایک گروہ تو جنت میں جائے گا باقی بہتر گروہ جہنم میں جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا جماعتیں جماعتیں۔ یعقوب بن یزید کہتے ہیں' جب حضرت علی بن ابی طالب یہ حدیث بیان کرتے تو قرآن کی آیت: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ اور ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۱) بھی پڑھتے اور فرماتے اس سے مراد اُمت محمد ﷺ ہے لیکن یہ حدیث ان لفظوں میں اور اس سند سے بے حد غریب ہے اور ستر سے زیادہ فرقوں کی حدیث بہت سی سندوں سے روایت ہے۔ جسے ہم نے اور جگہ بیان کر دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

اے رسول ﷺ جو جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔ ○

اسلام کی اشاعت پیغمبر پر فرض ہے ☆

اپنے نبی کو خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچا دو۔ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحیح بخاری میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو تجھ سے کہے کہ حضور ﷺ نے کسی نازل کردہ حکم کو چھپالیا۔ تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت آپ نے کی۔ یہ حدیث یہاں پر مختصر ہے اور جگہ طویل بھی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ خدا کے کسی فرمان کو چھپانے والے ہوتے تو آیت کو چھپالیتے۔ ﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾ (الاحزاب: ۳۷) یعنی تو اپنے دل میں وہ چھپاتا تھا۔ جسے خدا ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے شرمندہ ہو رہا تھا حالانکہ خدا زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ لوگوں میں یہ چرچا ہو رہا ہے کہ تمہیں حضور ﷺ نے ایسی کچھ باتیں بتائی ہیں جو اور لوگوں سے پوشیدہ رکھی تھیں۔ تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا قسم خدا کی ہمیں حضور ﷺ نے کسی ایسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا۔ (ابن ابی حاتم)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور وحی بھی ہے؟ آپ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس نے دانے کو اُگایا ہے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس فہم و درایت کے جو خدا کسی شخص کو دے اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ اس نے پوچھا صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے مسائل ہیں۔ قیدیوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت زہری کا فرمان ہے کہ خدا کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمے قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ حضور ﷺ نے خدا کی سب باتیں پہنچا دیں۔ اس کی گواہ آپ ﷺ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپ ﷺ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی اس میں سب اس امر کا اقرار کیا یعنی حجۃ الوداع کے خطبے میں جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہ کا گروہ عظیم تھا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس خطبہ میں لوگوں سے فرمایا تم سے میرے بارے میں خدا کے ہاں سوال ہوگا تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہماری گواہی ہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری پوری خیر خواہی کی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اور سر آسمان کی طرف اُٹھا کر یا پھر لوگوں کی طرف جھکا کر فرمایا اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا' اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا۔ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس خطبہ میں پوچھا کہ لوگو! یہ کونسا دن ہے؟ سب نے کہا حرمت والا دن ہے۔ پوچھا یہ کونسا شہر ہے جواب دیا حرمت والا فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے' جواب ملا حرمت والا۔ پھر بار بار اس کو دہرایا۔ پھر انگلی آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا اے اللہ کیا میں

نے پہنچا دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں خدا کی قسم یہ آپ ﷺ کے رب کی طرف سے آپ ﷺ کو وصیت تھی[1]۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ دیکھو ہر حاضر شخص غیر حاضر کو پہنچا دے۔ دیکھو میرے پیچھے کہیں کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو[2]۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر تو نے میرے فرمان بندوں تک نہ پہنچائے تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا۔ پھر اس کی جو سزا ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر ایک آیت بھی چھپالی تو رسالت توڑ دی[3]۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اُترا ہے سب پہنچا دو۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا' میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ میں کس طرح کروں۔ تو دوسرا جملہ اُترا کہ اگر تُو نے نہ کیا تو تُو نے رسالت کا کام بھی نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچالینا میرے ذمے ہے۔ تیرا حافظ و ناصر میں ہوں بے خوف و خطر رہ تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس آیت سے پہلے حضور ﷺ اپنا پہرہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات کو حضور ﷺ بیدار تھے۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آج کیا بات؟ فرمایا کاش کہ میرا کوئی نیک بخت صحابی آج پہرہ دیتا۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں سعد بن مالک ہوں۔ فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا اس لئے کہ رات بھر حضور ﷺ کی چوکیداری کروں۔ اس کے بعد حضور ﷺ آرام سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ (صحیحین)

ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ۲ھ کا ہے۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ نے خیمے سے سر نکال کر محافظین سے فرمایا جاؤ اب میں خدا کی پناہ میں آ گیا ہوں تمہاری حفاظت ضروری نہیں رہی[4]۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو طالب آپ کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے۔ جب یہ آیت اُتری تو آپ ﷺ نے فرمایا' بس چچا اب میرے ساتھ کسی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ میں اللہ کی حفاظت میں آ گیا ہوں لیکن یہ روایت غریب اور منکر ہے۔ یہ واقعہ تو مکہ کا ہو سکتا ہے۔ یہ آیت تو مدنی ہے بلکہ مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مکے میں بھی خدا کی رفاقت اپنے رسول ﷺ کے ساتھ رہی۔ باوجود دشمنِ جان ہونے کے اور ہر ہر سامان اور اسباب سے لیس ہونے کے سرداران مکہ اور اہل مکہ آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے۔ ابتدائے رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور بارسوخ شخص تھے۔ آپ کی حفاظت ہوتی رہی۔ ان کے دل میں خدا نے آپ کی محبت اور عظمت ڈال دی۔ یہ محبت طبعی تھی' شرعی نہ تھی۔ اگر شرعی ہوتی تو قریش حضور ﷺ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے۔ ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انصار کے دلوں میں حضور ﷺ کی شرعی محبت پیدا کر دی اور آپ ان کے ہی یہاں چلے گئے۔ اب مشرکین اور یہود بھی ایک ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ بڑے بڑے باسامان لشکر لے کر چڑھ دوڑے لیکن بار بار کی ناکامیوں نے ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح خفیہ سازشیں بھی جتنی کیں۔ قدرت نے وہ بھی ان ہی پر الٹ دیں۔ اُدھر وہ جادو کرتے ہیں اُدھر معوذتین نازل ہوتی ہیں اور ان کا جادو اُتر جاتا ہے۔ اُدھر وہ ہزاروں کوشش کر کے بکری کے شانے میں زہر ملا کر حضور ﷺ کی دعوت کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ امت سے اس طرح تبلیغ رسالت کا اعتراف و اقرار لینا اس کا آپ کو خدا تعالیٰ کی جانب سے حکم تھا۔

[2] یعنی مسلمانوں کا باہمی قتل و قتال کفر کے ہم معنی ہے۔

[3] یعنی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔

[4] یہ مکہ میں ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے جب آپ کی جان لینے کی کفار کی طرف سے سازشیں ہو رہی تھیں۔

اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کی دھوکہ دہی سے آگاہ فرمادیا اور یہ ہاتھ کاٹتے رہ جاتے اور بھی ایسے واقعات آپ کی زندگی میں بہت سارے نظر آتے ہیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ ایک سفر میں آپ ایک سایہ دار درخت تلے جو صحابہؓ اپنی عادت کے مطابق ہر منزل میں تلاش کر کے آپ کے لئے تلاش کر کے چھوڑ دیتے تھے دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے۔ جو ایک اعرابی اچانک آ پڑا۔ آپ کی تلوار جو اسی درخت میں لٹک رہی تھی اُتار لی اور میان سے باہر نکال لی اور ڈانٹ کر آپ سے کہنے لگا۔ اب بتا کون ہے جو تجھے بچالے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ مجھے بچائے گا۔ اسی وقت اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگتا ہے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے ٹکراتا ہے جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اتارتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے بنو انمار سے غزوہ کیا' ذات الرقاع کے کھجور کے باغ میں آپ ایک کنویں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے جو بنو بخار کے ایک شخص وارث نامی نے کہا' دیکھو اب میں محمد (ﷺ) کو قتل کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار میں پرلے پار کر دوں گا۔ یہ آپ کے پاس آیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر آپ سے تلوار دیکھنے کو مانگی آپ نے اسے دے دی لیکن تلوار کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر بلا کا لرزہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی' اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرے اور تیرے بدارادے کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گیا۔ حویرث بن حارث کا بھی ایسا ہی قصہ مشہور ہے۔

ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہ کی عادت تھی کہ سفر میں جس جگہ ٹھہرتے آنحضرت ﷺ کے لئے گھنا سایہ والا بڑا درخت چھوڑ دیتے کہ آپ ﷺ اس کے سایہ میں آرام فرمائیں۔ ایک دن آپ ﷺ اسی طرح ایسے درخت کے نیچے سو گئے اور آپ ﷺ کی تلوار اسی درخت میں لٹک رہی تھی۔ ایک شخص آ گیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا اب بتا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ بچائے گا' تلوار رکھ دے۔ وہ اس قدر ہیبت میں آ گیا کہ حکم برداری کرنی ہی پڑی اور تلوار آپ ﷺ کے سامنے ڈال دی اور اللہ نے یہ آیت اُتاری کہ ﴿اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بڑے موٹے آدمی کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اگر یہ اس کے سوا میں ہوتا تو تیرے لئے بہتر تھا۔ ایک شخص کو صحابہؓ پکڑ کر آپ ﷺ کے پاس لائے اور کہا کہ یہ آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا۔ وہ کانپنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا گھبرا نہیں' گو تو ارادہ کرے۔ لیکن خدا اسے پورا نہیں کرے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ تیرے ذمے صرف تبلیغ ہے۔ ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ کافروں کو ہدایت نہیں دے گا۔ تو پہنچا دے۔ حساب کا لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ

عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ﴿٦٩﴾

آپ کہئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں ہو جب تک کہ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی نہ کرو گے اور ضرور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے۔ وہ ان میں بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجئے یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور فرقہ صابئین اور نصاریٰ جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے ایسوں پر نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ مغموم ہوں گے۔ ○

اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قابلِ اعتبار نہیں ☆

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کسی دین پر نہیں۔ جب تک کہ اپنی کتابوں پر اور خدا کی اس کتاب پر ایمان نہ لائیں لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ جوں جوں قرآن اترتا ہے تو یہ سرکشی اور کفر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ پس اے نبی ﷺ تو ان کافروں کی طرف حسرت و افسوس کر کے کیوں اپنی جان میں گھن لگاتا ہے۔ صابی نصرانیوں اور مجوسیوں کی بے دین جماعت کو کہتے ہیں اور صرف مجوسیوں بھی اور یہ ایک گروہ تھا یہود و نصرانی دونوں میں سے مثل مجوسیوں کے قتادہ کہتے ہیں یہ زبور پڑھتے تھے۔ غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے۔ اپنی شریعت پر عامل تھے۔ ان میں کفر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی یہ عراق کے متصل آباد تھے۔ بلوثا کہے جاتے تھے۔ نبیوں کو مانتے تھے ہر سال تیس روزے رکھتے تھے اور یمن کی طرف منہ کرتے، دن بھر میں پانچ نمازیں بھی پڑھتے۔ اس کے سوا اور قول بھی ہیں چونکہ پہلے جملوں کے بعد ان کا ذکر آیا تھا۔ اس لئے رفع کے بعد عطف ڈالا۔ ان تمام لوگوں سے جناب باری فرماتا ہے کہ امن و امان والے اور بے خوف وہ ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر سچا ایمان رکھیں اور نیک اعمال کریں اور یہ ناممکن ہے جب تک اس آخری رسول ﷺ پر ایمان لانے والے آنے والی زندگی کے خطرات سے بے خوف ہیں اور یہاں چھوڑ کر جانے والی چیزوں کی انہیں کوئی تمنا اور حسرت نہیں۔ سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس جملہ کے مفصل معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰۤى اَنۡفُسُهُمۡ ۙ فَرِيۡقًا كَذَّبُوۡا وَفَرِيۡقًا يَّقۡتُلُوۡنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوۡۤا اَلَّا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ فَعَمُوۡا وَصَمُّوۡا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ثُمَّ عَمُوۡا وَصَمُّوۡا كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿٧١﴾

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان کے پاس بہت سے پیغمبر بھیجے۔ جب بھی ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم لایا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا سو بعضوں کو جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے اور یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہو گی۔ اس سے اور بھی بہرے اور اندھے بن گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی۔ پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے یعنی ان میں کے بہتیرے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں۔ ○

اہلِ کتاب سے عہد لیا گیا تھا ☆

اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ سے وعدے لئے تھے کہ وہ خدائی احکام پر عامل اور وحی کے پابند رہیں گے لیکن انہوں نے وہ میثاق توڑ دیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گئے۔ کتاب کی جو بات انہوں نے اپنی منشا اور رائے کے مطابق پائی مان لی۔ جس میں خلاف نظر آیا ترک کردی اور نہ صرف اتنا ہی بلکہ رسولوں کے مخالف ہو کر بہت سے رسولوں کو جھٹلایا اور بہتیروں کو قتل بھی کر دیا کیونکہ ان کے لائے ہوئے احکام ان کی رائے وقیاس کے خلاف تھے۔ اپنے بڑے پاپ کے بعد بھی بے فکر ہو بیٹھے اور سمجھ لیا کہ ہمیں کوئی سزا نہ ہوگی لیکن انہیں زبردست روحانی سزا ہوئی یعنی وہ حق سے دور ڈال دیئے گئے اور اس سے اندھے بہرے بنا دیئے گئے۔ نہ حق کو سنیں اور نہ ہدایت کو دیکھ سکیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی کی لیکن اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر ایسے ہو گئے کہ حق سے نابینا اور حق کے سننے سے محروم۔ اللہ ان کے اعمال سے باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ کون چیز کا مستحق ہے؟

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

بے شک وہ لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے خود فرمایا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا۔ سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کردے گا۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا ایک ہے حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں اور اگر یہ لوگ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر دردناک عذاب واقع ہوگا۔ کیا پھر بھی خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے اور بڑی رحمت والے ہیں۔ مسیح ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف

ایک رسول ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں اوران کی والدہ ایک ولی بی بی ہیں۔ دونوں کھانا کھایا کرتی تھے۔ دیکھئے تو ہم کیونکر دلائل ان سے بیان کر رہے ہیں۔ پھر دیکھئے کہ الٹے کدھر جا رہے ہیں۔ ○

عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ نہیں ہیں ☆

نصرانیوں کے فرقے کی یعنی ملکیہ یعقوبیہ نسطوریہ کے کفر کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ یہ مسیح ہی کو خدا کہتے ہیں اور مانتے ہیں خدا ان کے قول سے پاک منزہ اور مبرا ہے۔ مسیح تو خدا کے بندے تھے۔ سب سے پہلے کلمہ ان کا دنیا میں قدم رکھتے ہی گہوارے میں ہی تھا کہ: ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ (مریم:۳۰) میں خدا کا بندہ ہوں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں بلکہ اپنی بندگی کا اقرار کیا تھا اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے۔ اسی کی عبادت کرتے رہو۔ سیدھی اور صحیح راہ یہی ہے اور یہی قول اپنی جوانی کے بعد کی عمر میں بھی کہا اور اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرنے والے پر جنت حرام ہے اور اس کے لئے جنت واجب ہے۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا۔ جہنمی جب جنتیوں سے کھانا پانی مانگیں گے تو اہل جنت کا یہی جواب ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں کفار پر حرام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں میں آواز لگوائی تھی کہ جنت میں فقط ایمان واسلام والے ہی جائیں گے۔ سورہ نساء کی ایک آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ......﴾ (النساء:۴۸) کی تفسیر میں وہ حدیث بھی بیان کر دی گئی جس میں ہے کہ گناہ کے تین دیوان ہیں، جس میں سے ایک یہ ہے جسے خدا بھی نہیں بخشتا اور وہ خدا کے ساتھ شرک ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم میں یہی وعظ بیان کیا اور فرما دیا کہ ایسے نافرمان مشرکین کا کوئی مددگار بھی کھڑا نہ ہوگا۔

اب ان کا کفر بیان ہو رہا ہے جو اللہ کو تین میں سے ایک مانتے تھے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور اللہ کو تین میں کا ایک مانتے تھے لیکن یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے۔ وہ باپ بیٹا اور اس کلمے کو جو باپ کی طرف سے بیٹے کی جانب تھا، خدا مانتے تھے۔ پھر ان تین کے مقرر کرنے میں بھی بہت بڑا اختلاف تھا اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا تھا اور حق یہ ہے کہ سبھی کافر تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی ماں کو اور اللہ کو ملا کر خدا مانتے تھے۔ اسی کا بیان اس سورت کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ میری والدہ اور مجھ کو بھی خدا مانو۔ وہ اس سے صاف انکار کریں گے اور لاعلمی اور بے گناہی ظاہر کریں گے۔ زیادہ ظاہر قول بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

دراصل لائق عبادت سوائے اس ذاتِ واحد کے اور کوئی نہیں۔ تمام کائنات اور کل موجودات کا معبودِ برحق وہی ہے۔ اگر یہ اپنے اس کفریہ قول سے باز نہ آئے تو یقیناً یہ المناک عذابوں کا شکار ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم وجود کو بخشش وانعام کو لطف ورحمت کو بیان فرما رہا ہے اور باوجود اس کے قدر سخت جرم کے اور اتنی اشد بے حیائی کے اور کذب وافترا کے انہیں اپنی رحمت کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ ابھی سب معاف فرما دوں گا اور دامن رحمت تلے لے لوں گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بندے اور رسول ہی تھے۔ ان جیسے رسول ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ (الزخرف:۵۹) وہ ہمارے ایک بندہ ہی تھے۔ ہاں ہم نے ان پر رحمت نازل فرمائی تھی اور بنی اسرائیل کے لئے قدرت کی ایک نشانی بنائی۔ والدہ عیسیٰ مومنہ اور سچی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبیہ نہ تھیں کیونکہ یہ مقامِ وصف ہے۔ تو بہترین وصف جو آپ کا تھا وہ بیان کر دیا۔ اگر نبوت والی ہوتیں تو اس موقعہ پر اس کا بیان نہایت ضروری تھا۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا خیال ہے کہ اُمِ اسحٰق علیہ السلام اور امِ موسیٰ علیہ السلام اور اُمِ عیسیٰ علیہ السلام نبیہ تھیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت سارہ اور حضرت مریم سے خطاب اور کلام کیا اور والدہ موسیٰ کی نسبت فرمان ہے: ﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ

مُوْسٰى ......﴾ (القصص:۷) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی بھیجی کہ تو انہیں دودھ پلا لیکن جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبوت مردوں میں رہی جیسے قرآن کا بیان ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا ......﴾ (یوسف:۱۰۹) تجھ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں سے مردوں ہی کو رسول منتخب فرمایا۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ماں بیٹا تو دونوں کھانے کے محتاج تھے اور ظاہر ہے جو اندر جائے گا وہ باہر بھی آئے گا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ بھی دوسروں کی طرح بندے ہی تھے۔ وہ خدا نہ تھے۔ دیکھ تو کس طرح ہم کھول کھول کر ان کے سامنے اپنے دلائل پیش کر رہے ہیں؟ اور کیسے کمزور اور بے دلیل اقوال کو گرہ میں باندھے ہوئے ہیں؟

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع

آپ فرما دیجئے کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو کہ تم کو نہ ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں سب جانتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق کا غلو مت کرو اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے ہیں اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہو چکے ہیں۔ ○

ابطالِ شرک ☆

معبودانِ باطل کی جو خدا کے سوا ہیں عبادت کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کہ ان تمام لوگوں سے کہہ دو کہ جو تم سے ضرر کو دفع کرنے کی اور نفع پہنچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے آخر تم انہیں پوجے چلے جا رہے ہو؟ تمام باتوں کے سننے والے تمام چیزوں سے باخبر خدا سے ہٹ کر بے سمع و بصر بے[1] ضرر و بے نفع و بے قدر اور بے قدرت چیزوں کے پیچھے پڑ جانا یہ کونسی عقل مندی ہے؟ اے اہل کتاب اتباعِ حق کی حدوں سے آگے نہ بڑھو۔ جس کی توقیر کرنے کا جتنا حکم ہو اتنی ہی اس کی توقیر کرو۔ انسانوں کو جنہیں خدا نے نبوت دی ہے نبوت کے درجے سے خدائی کے درجے تک نہ پہنچاؤ۔ جیسے کہ تم جناب مسیح کے بارے میں غلطی کر رہے ہو اور اس کی اور کوئی وجہ نہیں بجز اس کے کہ تم اپنے پیروں مرشدوں استادوں اور اماموں کے پیچھے لگ گئے ہو۔ وہ تو خود ہی گمراہ ہیں بلکہ گمراہ کن ہیں۔ استقامت اور عدل کے راستہ کو چھوڑے ہوئے انہیں زمانہ گزر گیا۔ ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا ہوئے عرصہ گزر گیا ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص ان میں تھا بڑا پابند دین خدا۔ ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بہکا دیا کہ جو اگلے کر گئے وہی تم بھی کر رہے ہو اس میں کیا رکھا ہے؟ اس کی وجہ سے نہ تو عام لوگوں میں تمہاری قدر ہوگی نہ شہرت۔ تمہیں چاہئے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرو۔ اسے لوگوں میں پھیلاؤ۔ پھر دیکھو کہ کیسی

[1] ٹھیک یہی تفسیر ہے جو ابن کثیر نے اختیار کی ہے یعنی جو تم سے ضرر کو دفع کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے ورنہ ضرر پہنچانا کوئی کمال نہیں ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جو ذات نفع اور نقصان دونوں پہنچا۔ سکے تو وہ طاقت کا مرکز ہوتی ہے یعنی اظہار طاقت کے لئے یہ عنوان اختیار کیا جاتا ہے۔

شہرت ہوتی ہے اور کس طرح جگہ جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی وہ بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں
ایک زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا۔ اب تو اسے بڑی ندامت ہوئی۔ سلطنت و ملک چھوڑ دیا اور تنہائی میں خدا کی عبادتوں میں مشغول
لیکن خدا کی طرف سے اسے جواب یہ ملا کہ میری خطا ہی صرف ہوتی تو میں معاف کر دیتا ہے۔ لیکن تو نے عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور
گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا۔ جس راہ چلتے چلتے وہ مر بھی گئے ان کا بوجھ تجھ پر کیسے ہٹے گا میں تیری توبہ قبول نہیں فرماؤں گا۔ بس ا
ہی کے بارے میں یہ آیت اُتری ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْ
فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِ
كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ
الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَ
مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر ہوئے ان پر لعنت کی گئی داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے۔ یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ
انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے۔ جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا۔ اس سے باز نہ آتے تھے۔ واقعی ان کا فعل
بے شک برا تھا۔ آپ ان میں بہت آدمی دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں جو کام انہوں نے آگے کے لئے کیا ہے وہ بے
شک برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناخوش ہوا اور یہ لوگ عذاب میں دائم رہیں گے اور اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر پر اور اس
کتاب پر جو ان کے پاس بھیجی گئی تھی تو ان کو کبھی دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں۔ ○

یہود پر لعنت ☆

ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل کافر ملعون ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی انہی کے زمانے میں ملعون قرار
ہیں کیونکہ وہ خدا کے نافرمان تھے اور مخلوق خدا پر ظلم کرتے تھے۔ تورات، انجیل، زبور، قرآن سب کتابیں ان پر لعنت کرتی رہیں۔
زمانہ میں بھی ایک دوسرے کو برے کاموں پر دیکھتے رہے لیکن خاموش رہتے تھے۔ حرام کاریاں اور گناہ کھلے عام ہوتے تھے اور کوئی
روکتا نہ تھا، یہ تھا ان کا بدترین فعل۔ مسند احمد میں ہے فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بنو اسرائیل میں جب پہلے پہل گناہ شروع ہوئے
کے علما نے انہیں روکا لیکن جب دیکھا باز نہیں آتے تو انہوں نے انہیں الگ نہ کیا۔ بلکہ ان ہی کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے
اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے دل بھڑا دیئے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ان پر لعنت فرمائی۔ کیونکہ وہ نافرمان اور ظالم
اس کے بیان کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے تھے لیکن اب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں نہیں خدا کی قسم تم پر ضروری ہے کہ لو

خلاف شرع باتوں سے روکو اور شریعت کی پابندی پر لاؤ۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے پہلی برائی بنی اسرائیل میں یہی داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلاف شرع شریف کوئی کام کرتے دیکھتا تو اسے روکتا۔ اس سے کہتا کہ اللہ سے ڈر اور اس برے کام کو چھوڑ دے لیکن دوسرے جب وہ نہ چھوڑتا تو یہ اس سے کنارہ کشی نہ کرتا بلکہ اس کا ہم نوالہ ہم پیالہ رہتا اور میل جول باقی رکھتا۔ اس وجہ سے سب میں ہی سنگدلی آ گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پوری آیت کی تلاوت کر کے فرمادیا۔ واللہ تم پر فرض ہے کہ بھلی باتوں کا ہر ایک کو حکم کرو۔ برائیوں سے روکو۔ ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے مجبور کر دو کہ حق پر آ جائے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ابوداؤد میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دل بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ خلاف کر دے گا اور تم پر بھی اپنی پھٹکار نازل فرمائے گا۔ جیسی ان پر نازل فرمائی۔ اس بارے کی اور بہت سی حدیثیں ہیں۔ کچھ سن بھی لیجئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث تو آیت: ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ (المائدہ:۶۳) کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ......﴾ (المائدہ:۱۰۵) کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوثعلبہ کی حدیثیں آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند اور ترمذی میں ہے کہ یا تو تم بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اس سے دعائیں بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا۔ ابن ماجہ میں ہے اچھائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو۔ اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے سے روک دی جائیں۔ صحیح حدیث میں ہے تم میں سے جو شخص خلاف شرع کام دیکھے تو اس پر فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے۔ یہ بہت ہی ضعیف ایمان والا ہے۔ (صحیح مسلم)

مسند احمد میں ہے اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ برائیاں ان میں پھیل جائیں اور وہ باوجود قدرت کے انکار نہ کریں۔ اس وقت عام خاص سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گھیر لیتا ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ جس جگہ خدا کی خطائیں ہونی شروع ہو جائیں۔ جو وہاں ہو اور ان خلافِ شرع اُمور سے ناراض ہو (ایک روایت میں ہے ان کا انکار کرتا ہو) وہ مثل اس کے ہے جو وہاں حاضر ہی نہ ہو اور جو ان خطاؤں سے راضی ہو گو موجود نہ ہو وہ ایسا ہے گویا اس میں حاضر ہے۔ ابوداؤد میں ہے لوگوں کے عذر جب تک منقطع نہ ہو جائیں وہ ہلاک نہ ہوں گے۔ ابن ماجہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا خبردار کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے روک نہ دے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر ابوسعید خدری رونے لگے اور فرمایا افسوس ہم نے ایسے موقعوں پر لوگوں کی ہیبت مان لی۔ ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے افضل جہاد حق کلمہ ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ جمرۂ ثانیہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ جب جمرہ عقبہ پر کنکر مار چکے اور سواری پر سوار ہونے کے ارادے سے رکاب میں پاؤں رکھے تو دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ فرمایا حق کلمہ ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اپنی بے عزتی نہ کرنی چاہئے۔ لوگوں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے؟ فرمایا خلافِ شرع کوئی امر دیکھے اور کچھ نہ کہے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہو گی کہ فلاں موقعہ پر تو کیوں خاموش رہا؟ یہ جواب دے کہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں سب سے زیادہ حقدار کہ تو مجھ سے خوف کھائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب اسے اللہ تلقین حجت کرے گا تو یہ کہے گا کہ تجھ سے تو میں نے اُمید رکھی اور لوگوں سے خوف کھایا۔ مسند احمد میں ہے' مسلمانوں کو اپنے تئیں ذلیل نہ کرنا چاہئے۔ لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا ان بلاؤں کو سر پر لینا' جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑی جائے؟ فرمایا اس وقت جب تم میں وہی ظاہر ہو جائے

جوتم سے اگلوں میں ظاہر ہوا تھا ہم نے پوچھا وہ کیا چیز ہے فرمایا کمینے آدمیوں میں سلطنت کا چلا جانا۔ بڑے آدمیوں میں بدکاری آ جانا رذیلوں میں علم کا آ جانا۔ حضرت زید کہتے ہیں رذیلوں میں علم آ جانے سے مراد اس فاسقوں میں علم آ جانا ہے۔ اس حدیث کا شاید ابو ثعلبہ کی حدیث سے: ﴿لَا یَضُرُّکُم﴾ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے اکثر منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستی گانٹھتے ہیں' ان کے اس فعل کی وجہ سے' یعنی مسلمانوں سے دوستیاں چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لئے بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ اس کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے اور اسی بنا پر خدا کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور قیامت کے دن کے لئے دائمی عذاب بھی ان کے لئے آگے آ رہے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے اے مسلمانو! زنا سے بچو۔ اس سے چھ برائیاں آتی ہیں۔ تین دنیا میں تین آخرت میں: (۱) اس سے عزت وقار و رونق و تازگی جاتی رہتی ہے۔ (۲) اس سے فقر و فاقہ آ جاتا ہے۔ (۳) اس سے عمر گھٹتی ہے اور قیامت کے دن کی تین برائیاں یہ ہیں: (۱) خدا کا غضب۔ (۲) حساب کی سختی اور برائی۔ (۳) جہنم کا خلود۔ پھر حضور ﷺ نے اس آخری جملے کی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ لوگ خدا پر اس کے رسول ﷺ پر اور قرآن پر پورا ایمان رکھتے تو ہرگز کافروں سے دوستیاں نہ رکھتے اور چھپ چھپا کر ان سے میل ملاپ نہ رکھتے نہ سچے مسلمانوں سے دشمنی رکھتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ یعنی خدا اور اسکے رسول کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں۔ اس کی وحی اور اس کے پاک کلام کی آیتوں کے مخالف بن بیٹھے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور مشرکین کو پائیں گے اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر ان لوگوں کو پائیے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں۔ ○

یہود مسلمانوں کے سب سے بڑے دُشمن ہیں ☆

یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اُتری ہیں۔ جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں لیکن یہ خیال رہے کہ یہ آیتیں مدینہ میں اُتری ہیں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے نجاشی نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے ملیں۔ حاضر خدمت ہو کر آپ ﷺ کے حالات و صفات دیکھیں اور آپ ﷺ کا کلام سنیں۔ جب یہ آئے آپ ﷺ سے ملے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سنا تو ان کے دل نرم ہو گئے۔ بہت روئے اور اسلام قبول کیا اور واپس جا کر نجاشی سے سب حال کہا۔ نجاشی اپنی سلطنت چھوڑ کر حضور ﷺ کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے لیکن راستہ میں انتقال ہو گیا۔ یہاں بھی یہ خیال رہے کہ بیان صرف حضرت سدی

رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ وہ حبشہ میں ہی سلطنت کرتے ہوئے فوت ہوئے۔ ان کے انتقال والے دن ہی صحابہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقال کی خبر دی اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔ بعض تو کہتے ہیں اس وفد میں سات تو علما تھے۔ پانچ زاہد تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ کل پچاس آدمی تھے اور کہا گیا ہے ساٹھ سے کچھ اوپر تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ ستر تھے۔ واللہ اعلم۔ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جن کے اوصاف آیت میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ اہل حبشہ ہیں۔ مسلمان مہاجرین حبشہ جب ان کے پاس پہنچے ہیں تو یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے یہ دین عیسوی پر قائم تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم کو سُنا تو فوراً مسلمان ہو گئے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ان سب باتوں کو ٹھیک کر دیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں۔ جن میں یہ اوصاف ہوں۔ خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا اور کہیں کے۔ یہودیوں کو جو مسلمانوں سے دشمنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے اور جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں اور ضد سے ناحق لڑتے ہیں۔ حق کے مقابلے میں بگڑ بیٹھتے ہیں۔ حق والوں پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہیں۔ ان سے بغض و بیر باندھتے ہیں۔ علم سے کورے ہیں۔ علما کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے اور علم اور ذی علم لوگوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہیں۔ یہی تھے جنہوں نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا۔ خود پیغمبر آخر الزماں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ بھی کیا۔ ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار آپ کو زہر دیا۔ آپ پر جادو کیا اور اپنے جیسے بد باطن لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کئے لیکن خدا نے ہر مرتبہ انہیں نامراد اور ناکام کیا۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث ہے لیکن بہت ہی غریب۔

ہاں مسلمانوں سے دوستی میں زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے تابعدار ہیں۔ انجیل کے اصلی اور صحیح طریق کار پر قائم ہیں۔ ان میں ایک حد تک فی الجملہ مسلمانوں اور اسلام کی محبت ہے۔ یہ اس لئے کہ ان میں نرم دلی ہے۔ جیسے ارشاد باری ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً﴾ (الحدید: ۲۷) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا ہے۔ ان کی کتاب میں حکم ہے کہ جو تیرے داہنے کلے پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں کلہ پیش کر دے۔ ان کی شریعت میں لڑائی ہے ہی نہیں' یہاں ان کی دوستی کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں خطیب اور واعظ ہیں۔ قِسِّيسٌ اور قِسٌّ کی جمع قِسِّيسِينَ ہے قُسُوسٌ بھی اس کی جمع آتی ہے۔ رُهْبَانٌ جمع راہب کی۔ راہب کہتے ہیں عابد کو۔ یہ لفظ مشتق ہے رہبت سے اور رہبت کے معنی ہیں خوا اور ڈر کے۔ جیسے راکب کی جمع رُكْبَانٌ ہے اور فارس کی جمع فُرْسَانٌ ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبھی رھبان واحد کے لئے بھی آتا ہے اور اس کی جمع رھابین آتی ہے۔ جیسے قُرْبَانٌ اور قَرَابِينَ اور جوازن اور جَوَازِينَ اور کبھی اس کی جمع رَهَابِنَه بھی آتی ہے۔ عرب کے شعروں میں بھی لفظ رُهْبَانٌ واحد کے لئے آیا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ایک شخص قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا پڑھ کر اس کے معنی دریافت کرتے ہیں۔ تو آپ فرماتے ہیں۔ قِسِّيسِينَ کو خانقاہوں اور غیر آباد جگہوں میں چھوڑ' مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صِدِّيقِينَ وَرُهْبَانًا پڑھایا ہے (بزاز اور ابن مردویہ) الغرض ان کے تین اوصاف یہاں بیان ہوئے ہیں: (۱) ان میں عالموں کا ہونا' (۲) ان میں عابدوں کا ہونا' (۳) ان میں تواضع فروتنی اور عاجزی کا ہونا[1]۔

---

[1] قرآن مجید کی صداقت آج بھی اس طرح نمایاں ہے کہ عیسائیوں میں ان اوصاف کے مالک جس طرح موجود ہیں دوسرے اسلام کے خلاف فرقوں میں ان اوصاف وصفات کے آدمی بالکل ہی نہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ دے۔ جو تصدیق کرتے ہیں اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور اس بات کی امید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا۔ سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کی پاداش میں ایسے باغ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں اور نیکوکاروں کی یہی پاداش ہے اور جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیات کو جھوٹ کہتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ حدیث

قرآنِ مجید کا قلوب پر اثر ☆

اور جب وہ رسول پر اُتری ہوئی وحی کو سنتے ہیں تو تم ان کی آنکھوں کو دیکھو گے کہ آنسوؤں سے بھری ہوئی ہوں گی کیونکہ وہ اس بشارت کو پہچان گئے ہوں گے جو بعثت محمد ﷺ سے متعلق انہوں نے اپنی کتابوں تورات' انجیل میں دیکھی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگتے ہیں کہ اے رب ہم محمد ﷺ پر ایمان لے آئے۔ اب تو ہم کو اس گروہ میں شامل رکھ' جس نے شہادت دی ہے اور ایمان لے آئے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے ساتھیوں سے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: ﴿مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ سے محمد ﷺ اور ان کی امت مراد ہے۔ جنہوں نے اپنے نبی ﷺ کے لئے گواہی دی ہے کہ نبی ﷺ نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور رسول کی بھی گواہی دی ہے کہ وہ تبلیغ کا فریضہ ادا کر چکے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: ﴿تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ سے وہ کاشت کار لوگ مراد ہیں جو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ نے قرآن سنایا تو وہ ایمان لے آئے' ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تم اپنے وطن جاؤ گے تو اپنے سابقہ مذہب کو اختیار تو نہیں کرو گے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے اس دین سے ہرگز نہ پلٹیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو اس طرح نقل فرمایا ہے: ﴿وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴾ یعنی آخر ہم کیوں ایمان نہ لائیں اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر۔ ہماری تو عین

خواہش ہے کہ ہمارا رب ہمیں صالحین میں داخل فرمالے۔ یہ نصاریٰ تھے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں اور تمہارے قرآن اور اپنی انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو اس سے پہلے بھی انجیل پر ایمان لائے تھے اور جب قرآن ان کے سامنے تلاوت کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے حق ہے۔ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔ اسی لئے یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اس اعتراف کے سبب انہیں جنتیں دی جائیں گی جن میں پانی کے چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ یہ ان کے ایمان اور تصدیق کا صلہ ہے۔ ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اتباع حق کرنے والوں کی جزا یہی ہے۔ جس طرح بھی وہ ہوں یا جہاں بھی ہوں یا جس طرح کے ساتھ ہوں وہ اسی صلے کے مستحق ہیں۔ اس کے ان بدنصیبوں کے حال کی خبر دی جاتی ہے کہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا' وہ سب دوزخی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بے شک خدا تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ ○

حرمت وحلّت ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ اصحاب النبی کے گروہ میں نازل ہوئی۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم اپنے آلات کو قطع اور ترک شہوت کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ راہبوں کی طرح اِدھر اُدھر گھومتے رہیں اور دنیا سے بالکل بے نیاز ہو جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا اور پوچھا' تو کہا ہاں' ہمارا ایسا ہی قصد ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' لیکن دیکھو! میں روزہ بھی رکھتا ہوں' رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی رہتا ہوں۔ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں راہب بنا نہیں پھرتا۔ جو میرے طریقے پر چلا وہ مسلمان ہے اور جو میرا طریقہ اختیار نہ کرے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (طبری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی عمل کے بارے میں بعض ازواجِ نبی سے کچھ سوالات کئے (تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شب و روز عبادت گزاری کا حال معلوم ہوا ہوگا) تو ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں اب سے کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ کسی نے کہا میں کبھی کسی عورت کے قریب نہ جاؤں گا۔ کسی نے کہا میں فرشِ خاک پر سوؤں گا کبھی بستر پر نہ سوؤں گا۔ یہ خبر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ان لوگوں کو کیا ہوا؟ کوئی یہ کہتا ہے کوئی وہ کہتا ہے۔ میں تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ گوشت بھی کھاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں جو میرے طور طریق سے ہٹ گیا وہ مجھ میں سے نہیں (بخاری)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میں گوشت کھاتا ہوں تو بہت شہوت پیدا ہوتی ہے' اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے' تو یہ آیت اُتری کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی

چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کر ڈالو۔ (ترمذی) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک لڑائی میں طویل عرصہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں جب ہم کو رہنا دوبھر ہونے لگا تو ہم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم خصی ہو جائیں کہ خواہش ہی نہ ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ہمیں ایک کپڑے یا ایک جوڑے مہر کے معاوضے میں ایک موقتی نکاح کی اجازت دی۔ پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی کہ اے ایمان والو اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو لیکن یہ واقعہ نکاح متعہ کو حرام قرار دیئے جانے سے پہلے کا ہے[1]۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس پکی ہوئی کھیر کا تحفہ آیا۔ لوگ مل کر کھانے لگے تو ایک آدمی مجلس سے ہٹ گیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا آؤ شریک ہو جاؤ۔ تو کہنے لگا میں نے تو اس کے نہ کھانے کی قسم کھالی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آؤ کھالو قسم توڑ ڈالو اور کفارہ دے دو۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی کہتے ہیں عبداللہ بن رواحہ نے ایک مہمان کو دعوت دی۔ لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہونے کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ گھر آ کر معلوم ہوا کہ مہمان کو منتظر رکھا گیا اور کھانا نہیں کھلایا گیا۔ تو بیوی پر غضب ناک ہو کر کہا کہ میرے واسطے تم نے مہمان کو بھوکا رکھا۔ مجھ پر آج کھانا ہی حرام ہے۔ عورت نے کہا ہاں مجھ پر بھی حرام ہے میں بھی نہیں کھاؤں گی۔ مہمان نے یہ دیکھ کر کہا مجھ پر بھی حرام ہے۔ عبداللہ یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ پھر ہاتھ بڑھا کر کھانے لگے اور کہا بسم اللہ پڑھ کر سب شروع کرو۔ غرض یہ خبر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی، تو آیت بالا نازل ہوئی۔ یہ حدیث اثر منقطع سمجھی جاتی ہے۔

صحیح بخاری کی وہ حدیث جس میں واقعہ صدیق اور ان کے مہمانوں کا ہے، وہ بھی اسی کے مشابہ ہے اور وہ اور یہ دونوں قصے اس بات کی دلیل ہیں کہ امام شافعی وغیرہ علماء کا یہ مسلک ہے کہ جس نے اپنے اوپر کوئی کھانا یا لباس یا عورتوں کو چھوڑ کر اور کوئی چیز اگر حرام کر لی تو وہ حرام نہیں ہو جاتی اور اس کا کفارہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی کوئی چیز اپنے اوپر حرام نہ کر لو۔ یہی توجہ ہے کہ جس نے گوشت کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ دینے کا حکم نہیں دیا لیکن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ جس نے کوئی کھانا پینا، لباس یا اور کوئی چیز حرام کر لی تو قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ اس لئے جب کوئی شخص قسم کے ذریعے ترک اپنے اوپر لازم کر لے تو جیسے قسم کا کفارہ لازم آتا ہے اسی طرح بغیر قسم کے مجرد تحریم سے بھی غیر لازم کو لازم قرار دینے کی پاداش میں اس سے مواخذہ کیا جانا چاہئے جو کفارہ کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خدا کے قول سے بھی یہی نکلتا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ ......﴾ (التحریم: ۱) اور فرمایا: ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جو تم پر حلال کر دیا ہے اس کو کیوں حرام کئے لیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر فرض کرتا ہے کہ اپنی قسموں کو توڑو۔ یہاں آیت مذکورہ بالا کے ذکر کے بعد یمین کے کفارہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ہوئی کہ یمین کا ذکر نہ بھی ہو اور اپنے اوپر حرام کر لیا ہو تو بھی مستحق کفارہ ہونے میں بمنزلہ یمین ہی کے ہے۔ واللہ اعلم۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بعض بزرگ صحابہ جیسے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارادہ ترک کر لیا کہ ترکِ دنیا کر لیں گے، خصی ہو جائیں گے، ٹاٹ کے سوا کچھ نہ پہنیں گے تو آیت متذکرہ اتری۔ جس کے آخر میں فرمایا گیا کہ جس خدا پر تم

[1] نکاح وقتی طور پر کر لینا اور متعین مدت گزر جانے کے بعد طلاق دینا اسلام کے ابتدائی دور میں بعض اوقات اس کو حلال کیا گیا۔ لیکن بعد میں نکاح موقت یا متعہ بالکل حرام ہو گئے۔ چاروں امام رحمہم اللہ اس کی حرمت پر متفق ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ متعہ کو جائز کہتے ہیں لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے معتبر شاگردوں نے صاف لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جانب متعہ کے جواز کی نسبت قطعاً غلط ہے۔

ایمان لا چکے ہو اس سے ڈرو۔ عکرمہ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، مقداد بن اسود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہم ان اصحاب نے ترکِ دنیا کا قصد کر لیا۔ گھروں میں بیٹھ گئے۔ عورتوں کو چھوڑ دیا۔ ٹاٹ پہن لیا۔ طعام ولباس کی اچھی اچھی چیزیں سب اپنے اُوپر حرام کر لیں۔ بنی اسرائیل کے رہبانوں کا سا کھانا پینا اختیار کر لیا۔ خصّی ہونے کا قصد کیا۔ اتفاق کر لیا کہ رات بھر نماز پڑھا کریں گے اور دن بھر روزہ رکھا کریں گے۔ تو یہ آیت اُتری کہ طیبات خداوندی کو اپنے اوپر حرام نہ بنالو۔ حد سے آگے نہ بڑھ جاؤ ہم ایسے لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں کہ عورتوں سے الگ رہنا، اچھا کھانا پینا اور اچھا لباس چھوڑ دینا، رات بھر جاگنا، دن بھر روزہ رکھنا، خصّی ہو جانا، یہ سب غلط طریقے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے، کبھی نفل روزہ رکھو کبھی نہ رکھو۔ کبھی نماز پڑھو کبھی سو جاؤ۔ ہمارے اس طریقے کو چھوڑ دو گے تو تم ہم میں سے نہیں۔ یہ سُن کر سب نے کہا کہ اے خدا ہم کو ہمارے ان عزائم سے بچا اور اتباعِ وحی کی توفیق عنایت فرما۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت نصیحت و وعظ کر کے اٹھے اور صرف عذابِ الٰہی سے خوف دلاتے رہے تو اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے دس آدمیوں نے کہا جن میں علی رضی اللہ عنہ تھے، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کہنے لگے کہ اگر نصاریٰ اور رہبان اپنے اوپر عیش و راحت حرام کر سکتے ہیں تو ہم کو اس سے بھی زیادہ اس کا حق ہے۔ چنانچہ بعض نے گوشت چربی اپنے اوپر حرام کر لی بعض نے نیند اور بعض نے عورتوں کو حرام کر لیا۔ چنانچہ ابن مظعون رضی اللہ عنہ نے عورت کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ نہ یہ اہلیہ کے پاس جاتے نہ اہلیہ ان کے پاس آ سکتی۔ اب ان کی عورت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی۔ عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ دوسری ازواج النبی بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا اے حولاء یہ تجھے کیا ہو گیا۔ چہرے کا رنگ فق ہے نہ کنگھی چوٹی ہے نہ تیل عطر ہے؟ تو اس نے کہا کنگھی کر کے، تیل و عطر لگا کے کیا کروں۔ شوہر تو میرے پاس آتے تک نہیں۔ سب کی سب اس کی بات سن کر ہنس پڑیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب کی سب کیوں ہنس رہی ہو؟ تو کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حولاء ایسا ایسا کہہ رہی ہے تو آپ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا۔ یہ تو نے کیا کیا۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے یہ عیش خدا کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ تا کہ عبادت کے لئے خاص رہوں، بلکہ میرا ارادہ ہے میں اپنے آپ کو خصی ہی کر لوں۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ کو خدا کی قسم ہرگز ایسا نہ کرنا۔ فوراً گھر جا اور بیوی سے مل۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا روزہ ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ توڑ دے۔ چنانچہ انہوں نے پوری تعمیل کی۔ اب حولاء عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، کنگھی کی ہوئی سرمہ اور عطر لگائے ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہنس کر پوچھا، حولاء کیا ہوا۔ کہنے لگی کل وہ آیا تھا۔ آنحضرت عثمان سے فرماتے تھے کہ عثمان ایسا قطعی نہ کرنا۔ یہ ان پر بہت بڑی زیادتی ہے اور قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسمیں پر مواخذہ نہیں کرتا ہے۔ ہاں قسم کا عہد باندھا گیا ہو تو گرفت کرے گا: ﴿لَا تَعْتَدُوْا﴾ (المائدہ: ۸۸) کے معنی میں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ مباحات کو اپنے اوپر حرام کر کے اپنے نفسوں پر تنگی نہ کر لو اور یہ بھی محتمل ہے کہ یہ مراد ہو کر حلال کو حرام نہ کر لو اور حلال سے فائدہ اٹھانے میں حد سے آگے نہ بڑھ جاؤ۔ حلال کو بھی بقدر کفایت ہی حاصل کرو۔ زائد از ضرورت نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ کھاؤ پیو لیکن کھانے پینے میں زائد از ضرورت نہ خرچ کرو۔ فرمایا کہ مومن وہ لوگ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے نہ بخل کرتے ہیں بلکہ اعتدال کی روش میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے افراط کی اجازت دی نہ تفریط کی۔ اسی لئے فرمایا کہ: ﴿لَاتَعْتَدُوْا﴾ پھر فرمایا کہ ہر حالت میں حلال و طیب کھاؤ اور اپنے تمام امور میں خدا سے ڈرو۔ اس کی اطاعت اور مرضی کی اتباع کرو۔ مخالفت و عصیان سے باز رہو۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کرو۔ سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانا کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تا کہ تم شکر کرو۔ ○

قسم اور حلف کا بیان ☆

لغو قسمیں، جن کو جھوٹی قسمیں یا تکیہ کلام قسمیں کہنا چاہئے' ان کا ذکر سورہ بقرہ میں گزر چکا' اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ایسی قسمیں آدمی بلاقصد اپنی باتوں میں بولتا رہتا ہے ''خدا قسم'' ''اللہ قسم'' یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ دوسروں کا قول ہے کہ ایسی لغو ہزل میں ہوا کرتی ہیں یا معصیت کے موقع پر بھی ہو سکتی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کا قول ہے کہ غلبہ ظن کے موقع پر بھی کہا جاتا ہو تو یمین لغو کی تعریف میں آ جائے گا یا غصہ کے وقت یا بھول کر قسم کھالی گئی ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترک اکل و شرب و لباس سے متعلق بھی قسم ہو تو اسی استدلال سے قابل مواخذہ ہے کہ: ﴿لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ......﴾ لیکن صحیح تر بات یہی ہے کہ بلاقصد جو قسم زبان سے نکلتی ہے وہی یمین لغو ہے: ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ یعنی قسم کھانے کی نیت اور ارادے سے قسم کھائی گئی ہو تو اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائے گا۔ ﴿فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ﴾ یعنی عزم والی قسم کو توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ جن کے پاس ''مایحتاج'' کے حصول کی کوئی سبیل نہیں اور وہ اوسط کی غذا دی جانی چاہئے جو تم کماتے ہو اور اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ یہ اوسط غذا روٹی اور دودھ یا روٹی اور روغن ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ بعض لوگ اپنے اہل کو حیثیت سے بھی خراب غذا کھلاتے ہیں اور بعض حیثیت سے بھی اچھی۔ اس لئے اللہ نے کہا ہے کہ اوسط قسم کی ہے نہ اس میں تنگی برتی گئی ہو نہ دل کھول کے خرچ کیا گیا ہو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ روٹی گوشت ہے یا روٹی دودھ' روغن یا سرکہ وغیرہ ہے یا روٹی کھجور وغیرہ۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اوسط سے مراد غذا کی قلت و کثرت ہے۔ چنانچہ علما نے مقدار غذا میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح شام دو وقت دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت کافی ہے۔ یعنی روٹی اور گوشت اگر گوشت نہ ہو تو روٹی اور روغن یا سرکہ' اور پیٹ بھر کر کھلائی جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک کو نصف صاع گیہوں یا کھجوریں دی جائیں یعنی سوا سیر۔ ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ گیہوں ہوں تو نصف صاع اور دوسرا غلہ ہو تو ایک صاع۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور کا کفارہ دیا تھا اور یہی حکم لوگوں کو دیا تھا اور کھجوریں نہ ہوں تو نصف صاع گیہوں۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایک مد گیہوں یعنی ۵۶ تولہ سالن کے ساتھ۔ ابن عمرؓ' زید بن ثابت رضی اللہ عنہم' مجاہد اور عکرمہ اور محمد بن سیرین وغیرہ سے بھی یہی روایت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کفارہ یمین میں مقدار واجب مد النبی ہے' یعنی وہی ۵۶ تولے گیہوں لیکن سالن کی کوئی قید نہیں۔ یہاں امام شافعی کے اس قول کی دلیل نبیؐ کے اس حکم سے ہے جو آپ نے ایک شخص کو حکم دیا تھا جس سے بحالت صوم رمضان جماع کا فعل سرزد ہو گیا تھا کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک ایسے پیمانہ سے ناپ کر گیہوں دو' جس میں پندرہ صاع سماسکیں کہ ہر ایک کو ایک ایک مد مل سکے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یمین کا کفارہ ایک مُد گیہوں قرار دیتے تھے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ واجب مد بھر گیہوں یا دو مد غیر گندم۔ واللہ اعلم۔

قولہٗ تعالیٰ: ﴿اَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر ان دس میں سے ہر ایک کو اس قدر کپڑا دیں جس پر لباس کا اطلاق ہو سکتا ہو تو کافی ہے' جیسے ایک قمیص' ایک پاجامہ یا عمامہ یا چادر۔ ٹوپی کے بارے میں اختلاف ہے کہ صرف ٹوپی کافی ہو سکتی ہے یا نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں جائز ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے کہ عمران بن حصین سے سوال کیا گیا تو کہا کہ اگر چند لوگ تمہارے امیر کے پاس آئیں اور وہ ہر ایک کو ایک ایک ٹوپی اڑھادے تو تم کہتے ہو کہ لباس دیا گیا۔ پس: ﴿كِسْوَتُهُمْ﴾ میں ٹوپی بھی آ گئی۔ لیکن اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ مالک اور احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ہر ایک کو اتنا لباس دینا ضروری ہے جتنا کہ نماز پڑھنے میں لباس پہنے رہنا ضروری ہے۔ مرد اور عورت کو اس کے حسب ضرورت شرعی۔ واللہ اعلم۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اوپر کا لباس' یا لباس زیریں' جو چاہو کوئی ایک دے سکتے ہو۔ ابراہیم النخعی کہتے ہیں کہ ایسا لباس جو ملحفہ اور رداء دونوں پر مشتمل ہو' دینا چاہئے یعنی لحاف اور چادر وغیرہ نہ کہ صرف جانگیہ اور قمیص اور اوڑھنی وغیرہ۔ اس کو لباس جامع نہیں کہیں گے۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں عمامہ جسے سر پر لپیٹتے ہیں اور عبا جسے بدن پر پہنتے ہیں لباس جامع کی تعریف میں ہے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ دو دو کپڑے دیئے جائیں۔ ابو موسیٰ نے قسم کھائی تھی تو دو کپڑے کفارے میں دیئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: کِسْوَۃ سے ہر مسکین کے لئے ایک عبا مراد ہے اور یہ حدیث غریب ہے: اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ یا ایک غلام آزاد کر دیا جائے۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مطلق غلام مراد لیتے ہیں' خواہ کافر غلام آزاد کیا جائے یا مومن۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے فقہا کہتے ہیں کہ مومن غلام ہونا ضرور ہے جیسا کہ قتل کے کفارہ میں مومن غلام کی قید ہے۔ اس صورت میں اتحاد موجب تو موجود رہے گا اگرچہ اتحاد سبب نہ ہو[1]۔ حدیث معاویہ بن حکم سے معلوم ہوتا ہے اور صحیح مسلم میں بھی ہے کہ ابن حکم سلمی کے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ چنانچہ وہ ایک حبشی جاریہ کو لے کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے تو اس حبشن نے کہا آسمان پر۔ پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو کہا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں یہ مومنہ ہے۔ اس کو آزاد کر سکتے ہو۔ اب ان تین قسم کے کفاروں میں سے جس قسم کا کفارہ بھی ادا کیا جائے گا ادا ہو جائے گا۔ قرآن میں سب سے سہل کا ذکر ہے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ یعنی کھلانا زیادہ سہل ہے لباس دینے سے۔ پھر لباس غلام آزاد کرنے سے زیادہ سہل ہے۔ غرض یہ کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ سب کے آخر میں یہ ہے کہ اگر مکلف ان تینوں میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو تو: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ﴾ یعنی تین دن کے روزے رکھے۔

---

[1] ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھیں گے اس لئے جہاں غلام کو مطلق ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ نہیں بتایا کہ وہ مومن ہو یا کافر تو وہاں مطلق غلام ہی کی آزادی کا حکم ہوگا۔ خواہ مخواہ مومن غلام کی قید لگانا شریعت کے مفہوم و مطالبہ پر اضافہ ہوگا۔

ابن جبیر اور حسن بصری نے کہا کہ جس کے پاس تین درہم بھی ہوں تو وہ کھانا کھلائے ورنہ روزے رکھے۔ بعض متاخرین فقہا سے منقول ہے کہ اس کے لئے جائز ہے جس کے پاس اپنی ضروریات کی سوا اور کوئی چیز زیادہ نہ ہو جس کو وہ یمین کے کفارے میں دے سکتا ہو ابن جریر نے یہ بھی کہا کہ نیز وہ اس قدر غریب ہو کہ وہ اپنی یا اپنے عیال کی اس دن کی روزی سے زیادہ کچھ نہ رکھتا ہو۔ اب علماء کا اختلاف اس میں بھی ہے کہ پے در پے تین روزے رکھنا کیا واجب ہے یا مستحب ہے اور کیا الگ الگ بھی رکھ سکتے ہیں۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پے در پے رکھنا واجب نہیں مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ حکم مطلق ہے کوئی قید نہیں۔ جیسے رمضان کے مسلسل روزے قضا ہوں تو اس کو بھی مسلسل قضا رکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ﴿فعدۃ من ایام اخر﴾ (البقرہ:۱۸۵) ایک مطلق آیت ہے[1]۔ امام شافعی سے ایک جگہ پے در پے کے وجوب کی صراحت ہے۔ احناف اور حنابلہ کا بھی یہی قول ہے وہ اس روایت کی بنا پر کہ ابی بن کعب کی ایک قراءت ہے: ﴿فصیام ثلثۃ ایام متتابعات﴾ اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح پڑھتے تھے۔ اگرچہ یہ قراءت متواتر طور پر ثابت نہیں لیکن کم از کم خبر واحد ضرور ہے یا صحابہ کی تفسیر سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کفارہ کی آیت اتری تو حذیفہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم ان تینوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں آزاد ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں چاہو تو غلام آزاد کر دو یا کھانا کھلا دو اور کچھ بھی نہیں تو تین دن کے پے در پے روزے رکھو اور یہ حدیث غریب ہے۔ ﴿ذٰلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم﴾ یہ یمین کا شرعی کفارہ ہے: ﴿واحفظوا ایمانکم﴾ یعنی کفارہ ادا کئے بغیر نہ رہنا اللہ پاک اسی طرح وضاحت کے ساتھ اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ شاید تم شکر ادا کرو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝۹۲ لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۹۳

[1] یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے جس پر غلام کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عمل کیا۔

اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں ہیں۔ شیطانی باتیں ہیں۔ سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو۔ شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ اور نماز سے تم کو باز رکھے۔ سو اب بھی باز آؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو اور اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا تھا۔ ایسے لوگ پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں' اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس چیز کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں۔ ○

اعمالِ شیطانی ☆

اللہ پاک اپنے مؤمن بندوں کو شراب نوشی اور جوئے بازی وغیرہ سے منع فرماتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شطرنج بھی ایک قسم کا جوا ہے۔ مجاہد اور طاؤس سے روایت ہے کہ ہر چیز جس میں قمار کا لگاؤ ہو' جوا ہے۔ حتیٰ کہ بچوں کا شرطیں لگا کر منکے یا کوڑیاں کھیلنا یہ سب جوا ہے[1]۔ اسلام آنے تک یہ جواز زمانہ جاہلیت میں خصوصیت کے ساتھ کھیلا جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان برے اخلاق سے منع فرمایا۔ اہل جاہلیت میں بالعموم یہ جوا یوں ہوتا تھا کہ ایک بکری یا دو بکری کا گوشت شرط کے طور پر بیچ دیا جاتا تھا۔

زہری کہتے ہیں کہ جوا یوں ہوتا تھا کہ اموال و پھل پر پانسے پھینکے جاتے تھے اور اس طرح جوئے کے ذریعہ ان پر قبضہ کیا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانسوں کے ذریعے جو کھیل کھیلا جاتا ہے وہ بھی قمار ہے اور شاید اس سے مراد یہ ہے کہ شطرنج کا کھیل حرام ہے اور اسی طرح چوسر کا کیونکہ اس میں مہرے کو مار کر جیتا جاتا ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شطرنج یا چوسر کھیلے' گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ سؤر کے گوشت میں ڈال دیا اور اس کے خون میں ڈبو دیا۔ ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نرد کھیلے وہ خدائے تعالیٰ کا باغی ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چوسر کھیل کر نماز پڑھنے کو کھڑا ہو' اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کر کے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا ہو۔ شطرنج کے بارے میں تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ چوسر سے بھی بری چیز ہے' اور وہ اسے قمار و میسر میں شمار کرتے ہیں۔ امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام احمد رحمتہ اللہ علیہم اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو مکروہ بتاتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے بہت سے صحابہ کہتے ہیں کہ ''انصاب'' ان پتھروں کو کہتے ہیں کہ جن پر مشرکین قربانیاں کر کے بتوں پر چڑھاتے تھے اور ''ازلام'' بھی ان پانسوں کو کہتے ہیں' جنہیں تقسیم کر کے فال لیا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ شیطانی اعمال کی گندگی ہے اور سب سے برے شیطانی اعمال ہیں۔ اس لئے اے میرے بندو! اس گندگی سے بچو' تم فلاح پا سکو گے۔ ارشاد باری ہے ''شیطان کا مقصد ہمیشہ یہ رہتا ہے کہ خمر اور میسر میں مبتلا کر کے تم میں بغض و عداوت پیدا کرتا رہے اور خدا کے ذکر اور نماز سے تمہیں غافل کرتا رہے۔ اب بھی ان باتوں سے باز آؤ گے کہ نہیں۔'' یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے زبردست تنبیہ و تخویف ہے۔

حرمتِ شراب کے سلسلہ کی احادیث ☆ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب کی حرمت تین دفعہ ہوئی' جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اس وقت لوگ شراب پیتے تھے۔ جوئے کا مال کھاتے تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا گیا' تو یہ وحی نازل

[1] افسوس کہ طرف سے مسلمانوں میں عام غفلت ہو رہی ہے حالانکہ بچوں کو کوڑیاں اور گولیاں وغیرہ کھیلنے دینا گویا ان کو جوئے کی تعلیم دینا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے بچوں پر خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے کہ وہ ایسے کھیل ہرگز نہ کھیل سکیں۔ جس میں سینکڑوں طرح کے نقصان ہیں۔

ہوئی کہ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں' تو کہہ دو کہ اس میں فائدہ تو ہے لیکن بہت کم اور اس کے مقابلے میں نقصان بہت زیادہ۔ تو لوگوں نے کہ فائدہ کم اور نقصان زیادہ بتایا ہے' حرام نہیں کہا گیا۔ چنانچہ شراب پیتے رہے۔ لیکن ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک مہاجر صحابی نماز مغرب میں قرآن پڑھتے وقت نشے کے عالم میں قرآن کو غلط اور خلط ملط کر گیا۔ چنانچہ یہ آیت اُتری کہ "اے مومنو! نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو۔ جب تک کہ تمہیں ہوش نہ ہو کہ کیا پڑھتے ہو اور کیا نہیں۔" یہ آیت پہلے سے زیادہ سخت تھی۔ چنانچہ لوگوں نے نماز کے وقت شراب پینا چھوڑ دیا لیکن پھر بھی برابر پیتے رہے کیونکہ صراحتاً ممانعت نہیں تھی لیکن ایک دن شراب میں مست ہو کر کوئی نماز پڑھ رہا تھا۔ چنانچہ ممانعت کی صاف آیت نازل ہوگئی کہ اے لوگو! شراب اور جوا اور پانسے اور تیر' یہ سب شیطان کے گندے عمل ہیں۔ تم فوراً رک جاؤ شاید فلاح پا سکو۔ تو لوگوں نے کہا اے رب! ہم رک گئے' باز آ گئے۔ پھر لوگوں نے حضرت ﷺ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا' جو یہ ممانعت کئے جانے سے قبل فی سبیل اللہ قتل ہو گئے تھے۔ یا طبعی موت مر گئے تھے لیکن شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے۔ ان کا کیا ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شیطانی عمل فرما دیا اور ممانعت کر دی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ "جو لوگ ایمان لائے تھے اور نیک عمل کئے تھے تو ممانعت سے پہلے جو کچھ انہوں نے حرام کھایا تھا اس پر الزام نہیں دیا جائے گا۔" اور حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر ان کی زندگی میں ان پر یہ حرام ہو جاتا تو وہ بھی اس کو ایسے ہی چھوڑ دیتے جیسے کہ تم نے چھوڑ دیا ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حرمت شراب ☆ ابی میسرہ سے روایت ہے کہ تحریم خمر کی آیت اُترنے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی تھی' اے خدا! حرمت شراب کے بارے میں ہمارے پاس اپنی وحی بھیج۔ تو یہ آیت اُتری تھی کہ اس میں نقصان زیادہ اور فائدہ کم ہے۔ لیکن کم ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ آیت سنائی گئی تو انہوں نے پھر یہ دعا مانگی کہ اے خدا! بیان شافی و کافی نازل فرما تو سورہ نساء میں یہ آیت اُتری کہ اے ایمان والو! نشے کی حالت میں ہرگز نماز نہ پڑھو۔ تو نبی ﷺ کے مؤذن نے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کے بعد پکار کر کہہ دیا کہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت آ گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ کو پھر وحی سنا دی گئی۔ پھر بھی آپ یہ کہنے لگے کہ "اے خدا بیان شافی کافی اُتار" تو سورہ مائدہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ شراب بالکل حرام ہے بالکل رک جاؤ۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ رک گئے اے خدا! ہم رک گئے۔

صحیحین سے ثابت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! شراب حرام ہوگئی ہے اور ان پانچ چیزوں میں سے جس سے بھی بنائی جائے وہ شراب ہے۔ انگور' کھجور' شہد' گیہوں' جو اور خمر کا لفظ عام ہے۔ ہر ایسی نشے والی چیز پر جو عقل کو ڈھانک دے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ تحریم خمر کے وقت انگور کی شراب چالو نہیں تھی۔

ایک دوسری حدیث یہ بھی ہے کہ شراب سے متعلق جب پہلی وحی آئی تو عام چرچا ہوا کہ شراب حرام ہوگئی تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں نفع ہے تو ہم کو نفع اُٹھاتے رہنا چاہئے تو حضرت ﷺ چپ ہو رہے۔ جب دوسری آیت اُتری تو پھر شہرت اُتری کہ شراب حرام ہوگئی تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نماز کے وقت نہیں پئیں گے تو آپ پھر خاموش ہو رہے لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ شیطان کا عمل ہے' اس سے رک جاؤ تو حضرت ﷺ نے صاف فرما دیا کہ شراب حرام ہوگئی۔

ایک دوسری حدیث ہے جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف یا قبیلہ دوس کا ایک شخص حضرت ﷺ کا دوست تھا۔ وہ فتح مکہ کے روز آپ سے ملا اور شراب کا ایک مٹکا حضرت ﷺ کو تحفۃً پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم کو نہیں معلوم' کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے۔ تو وہ آدمی اپنے غلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اسے بازار میں لے جا کر بیچ دو۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا جس

نے شراب حرام کی ہے۔ اس نے اس کی خرید وفروخت بھی حرام کی ہے۔ تو اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ شہر سے باہر لے جاؤ اور یہ مٹکا لنڈھا دو۔

ایک دوسری حدیث تمیم داری سے روایت ہے کہ وہ ہر سال نبی ﷺ کو شراب کا ایک مٹکا تحفتہً بھیجتے تھے اور جب شراب حرام ہوئی اور وہ حسب معمول مٹکا لے آئے تو حضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ تمہارے پیچھے شراب حرام کر دی گئی ہے تو اس نے کہا یا رسول اللہ! میں اسے بیچ دیتا ہوں اور قیمت حاصل کر لیتا ہوں۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا' خدا یہودیوں پر لعنت کرے' جن پر گائے اور بکرے کی چربی حرام کر دی گئی تھی۔ تو وہ اس کو پگھلا کر روغن بنا کر بیچ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب اور اس کی قیمت سب حرام کر دی ہے۔ بالکل ایسی ہی ایک حدیث عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے۔ جس میں معناً کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث ہے کہ ابن کیسان کا باپ حضرت ﷺ کے زمانہ میں شراب کی تجارت کرتا تھا۔ چنانچہ وہ تجارت کے لئے شام سے شراب کے مٹکے لے آئے اور حضرت ﷺ کے پاس بھی ایک مٹکا لا کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے لئے بڑی نفیس شراب لے آیا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اے کیسان! یہ تو تیرے پیچھے حرام ہو گئی ہے تو اس نے پوچھا کہ حضرت ﷺ کیا میں اسے فروخت کر دوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ تو ابن کیسان نے مٹکوں کو لے جا کر پاؤں سے ٹھوکر مار کر تمام تجارت کی شراب بہادی۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو شراب پلا رہا تھا' حتیٰ کہ قریب تھا کہ شراب انہیں مخمور کر دے کہ اتنے میں کسی نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شراب حرام ہو گئی ہے؟ تو لوگوں نے کہا ابھی ہم انتظار کریں گے اور تحقیق کریں گے تو دوسرے صحابہ نے کہا' نہیں اے انس جو کچھ تیرے مٹکے میں بچ رہی ہے وہ سب لنڈھا دے۔ خدا کی قسم اب ہم پھر نہیں پئیں گے۔ یہ کھجور اور جو کی شراب تھی۔ اس وقت انس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھے۔ منادی ندا کرنے لگا تو کہا گیا کہ نکل کر دیکھو اور سنو! تو معلوم ہوا کہ شراب حرام ہو گئی ہے۔ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی۔ بعض نے کہا کہ ان لوگوں کا کیا ہوگا جو شراب پیتے تھے اور جہاد میں قتل ہو گئے تو یہ آیت اتری کہ جو مومن نیک عمل کرتے تھے اور مر گئے ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُن کی اطاعت کا مظاہرہ ☆ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں شراب پلا رہا تھا۔ لوگوں کے سر نشے سے ڈھلک رہے تھے کہ منادی نے شراب کی حرمت سنادی' تو ہر آنے جانے والے نے اپنی شراب بہادی اور مٹکے توڑ دیئے۔ بعض نے وضو کیا اور بعض نے غسل کیا۔ بعض نے اُم سلیم کے پاس سے لے کر خوش بُو لگائی۔ پھر مسجد آئے تو نبی ﷺ نے حرمت شراب کی آیت سنائی۔ ایک آدمی نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا تم نے یہ انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟ اور کسی نے انسؓ سے پوچھا کہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو انسؓ نے کہا ہاں۔ نہ حضرت ﷺ جھوٹ بولتے ہیں نہ ہم جھوٹ کہتے ہیں بلکہ ہم تو جانتے بھی نہیں کہ جھوٹ کیا چیز ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عام شراب اور جوا اور گیہوں کی شراب اور شطرنج' چوسر' گانے بجانے کے آلات سب حرام کر دیئے ہیں اور صرف مجھ پر صلوٰۃ وتر واجب فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے جو شخص حدیث بنا کر پیش کرے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ آپ نے غبیرہ درخت سے کھینچی ہوئی شراب بھی حرام قرار دی اور ہر نشہ آور شے کو حرام فرمایا۔

شراب اور لعنت ☆ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ شراب کے دس متعلقات پر لعنت۔ خود شراب پر لعنت' پینے والے اور پلانے والے پر لعنت' بیچنے والے اور خریدنے والے پر لعنت۔ شراب کشید کرنے والے' شراب بنانے والے' شراب اُٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف لے جا رہا ہے اس پر اور شراب کی قیمت کھانے والے ان سب پر لعنت۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک باڑے کی طرف نکلے۔ میں آپ کی سیدھی طرف تھا کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ سامنے کی طرف سے آئے میں پیچھے ہو گیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کی سیدھی طرف ہو گئے۔ میں بائیں طرف ہو گیا کہ اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ آتے دکھائی دیئے میں بازو ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے بائیں طرف ہو گئے۔ اب نبی ﷺ اس باڑے پر آئے جو گھروں کے پیچھے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ وہاں شراب کا ایک مشکیزہ دکھائی دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے مجھے بلایا اور ایک چھرا دیا اور کہا کہ اس مشکیزے کو چیر دو اور فرمایا کہ شراب پر اور شراب کے پینے اور پلانے والے پر لانے لے جانے والے پر' کشید کرنے والے اور بنانے والے اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ اپنے اصحاب کو لے کر مدینہ کے بازاروں میں گئے۔ وہاں شراب کے مشکیزے رکھے ہوئے تھے۔ جو شام سے لائے گئے تھے۔ میرے ہاتھ میں چھرا تھا۔ مجھ سے آپ نے چھرا لیا۔ پھر جتنے مشکیزے آپ ﷺ کے سامنے تھے' سب کو چیر دیا۔ پھر چھرا مجھے دیا اور اپنے اصحاب سے کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ اس کی مدد کرو اور مجھے حکم دیا کہ بازار میں کوئی ایسا مشکیزہ نہ چھوڑنا جس کو چیر کر شراب بہا نہ دی گئی ہو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ یزید خولانی سے روایت ہے کہ ان کا چچا شراب فروشی کرتا تھا اور بہت باخیر اور مخیر آدمی تھا۔ میں نے اس کو شراب فروشی سے منع کیا۔ اس نے نہ سنی۔ جب میں مدینہ آیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شراب اور اس کی قیمت کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگے کہ شراب اور اس کی قیمت حرام ہے۔ پھر کہا کہ اے امت محمد ﷺ اگر تمہاری کتاب کے بعد کوئی اور کتاب آئی ہوتی یا تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی آیا ہوتا تو تمہارے گناہوں اور سرکشیوں کا اس میں اسی طرح ذکر ہوتا جیسے پہلی کی گناہ گار امتوں کا ذکر تمہارے قرآن میں ہے اور وہ رسوا ہو گئے ہیں لیکن اب دوسری کتاب الٰہی آنے والی نہیں ہے۔ اس لئے تمہاری رسوائی قیامت تک کے لئے تاخیر میں پڑ گئی ہے۔ خدا کی قسم ان لوگوں کی رسوائی سے بھی اہم ہے۔

ثابت کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے شراب کی قیمت کے بارے میں پوچھا تو کہا سنو۔ میں مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ گوٹ[1] لگائے بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے جس کے پاس شراب ہے' لے آئے۔ لوگ لانے لگے۔ کوئی مٹکہ لایا' کسی نے مشکیزہ' کسی نے کچھ اور۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ساری شراب میدان بقیع میں جمع کر کے مجھے اطلاع دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اب آپ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ چلا اور آپ ﷺ کی سیدھی طرف تھا۔ آپ ﷺ مجھ پر سہارا لئے ہوئے تھے اتنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ مل گئے۔ حضرت ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو میری جگہ لے لیا اور مجھے بائیں طرف کر دیا۔ پھر چلتے میں عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ﷺ نے بائیں طرف کر دیا اور مجھے پیچھے کر دیا۔ اب آپ ﷺ شراب کے ذخیرے پر پہنچے اور لوگوں سے کہا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ ﷺ یہ شراب ہے۔ فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ پھر شراب کے دس متعلقات پر لعنت بھیجی۔ پھر ایک چھری منگوائی۔ آپ ﷺ نے چھری تیز کروائی۔ پھر سارے مشکیزے چیر دیئے۔ لوگوں نے کہا کہ اس میں منفعت بھی تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں' میں خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں۔ شراب میں خدا کی ناراضگی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ لائیے میں سب مشکیزے چیر دوں۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا میں خود اس کو ضائع کروں گا۔

سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب کے بارے میں چار آیتیں اُتریں۔ پھر وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ہماری دعوت کی۔ ہم نے وہاں خوب شراب پی۔ یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا ذکر ہے۔ جب ہم خوب نشہ میں ہو گئے تو آپس میں فخر

[1] گوٹ مارنا: عرب میں بیٹھنے کا ایک طریقہ۔

کرنے لگے۔ انصار کہتے تھے کہ ہم افضل ہیں اور قریش کہتے تھے کہ ہم افضل ہیں۔ چنانچہ ایک انصاری نے اونٹ کی ایک بڑی ہڈی لے کر سعد کی ناک پر دے ماری۔ چنانچہ سعد کے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اسی بنا پر شراب کی حرمت نازل ہوئی جس کو مسلم نے بیان کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شراب کی حرمت کی وجہ یہ ہوئی کہ انصار کے دو قبیلوں نے خوب شراب پی جب مست ہو گئے تو ایک دوسرے پر دست درازیاں کرنے لگے اور جب نشہ اُتر گیا تو کسی کے چہرے پر زخم آیا ہوا تھا تو کسی کے سر پر چوٹ آئی تھی۔ کسی کی داڑھی نچی ہوئی تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ میرے فلاں ساتھی نے مجھے یہ زخم پہنچایا ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے حالانکہ پہلے آپس میں بڑی محبت تھی۔ کینہ نہیں تھا۔ کہتے تھے کہ اگر یہ میرا ہمدرد ہوتا تو کبھی مجھے زخم نہ پہنچاتا۔ چنانچہ دشمنی بڑھ گئی۔ اب اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت بیان فرما دی۔ لوگ کہنے لگے کہ مرے ہوؤں کا کیا ہوگا' تو وحی اُتری کہ جو مومنین نیک عمل کر کے مر گئے ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک ٹیلے پر بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ہم تین یا چار افراد تھے۔ شراب کا مٹکا رکھا تھا۔ دور چل رہا تھا کہ میں اٹھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اسی وقت تحریم خمر کی آیت اُتری۔ میں فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور انہیں وحی سنائی۔ بعض نے شراب پی لی تھی۔ بعض نے کچھ پی لی تھی اور کچھ ہاتھ میں دھری رکھی تھی۔ کسی کے منہ میں شراب لگی ہوئی تھی۔ یہ سنتے ہی سب نے اپنی اپنی شراب زمین پر بہادی اور آخری آیت: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ کو سن کر کہنے لگے: اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا اے رب ہم رک گئے۔ صحیح بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ احد کی صبح میں لوگوں نے شراب پی تھی اور لڑائی میں اس روز اکثر شہید ہو گئے۔ یہ تحریم خمر سے پہلے کی بات ہے تو اکثر یہودی کہنے لگے کہ جو لوگ قتل ہو گئے اور ان کے پیٹوں میں شراب تھی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ نیک عمل کرنے والے مومنین پر کچھ آنچ نہیں' جب کہ تحریم خمر سے پہلے شراب پی ہو۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص خیبر سے مدینے کی طرف شراب لا رہا تھا تا کہ یہاں لا کر بیچے اور جب مدینے پہنچا تو ایک مسلمان نے اس سے کہا شراب تو حرام ہو گئی ہے تو اس نے لے جا کر ایک ٹیلہ پر رکھ دی اور اسے کپڑوں سے ڈھانک دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کیا شراب حرام ہو گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں' کہنے لگا' کیا میں مال لے جا کر واپس کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب میں واپس کئے جانے کی بھی صلاحیت نہیں تو اس نے کہا کہ کیا میں اس شخص کو دے دوں' جو اس کا کچھ معاوضہ ادا کر دے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی نہیں۔ اس نے کہا کہ اس تجارت میں یتیموں کا بھی پیسہ لگا ہوا تھا جو میرے زیر پرورش ہیں۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب بحرین کا مال آئے گا تو میرے پاس آنا تو میں اس میں سے تمہارے یتیموں کو معاوضہ دے دوں گا۔

پھر حرمت شراب کی مدینہ میں منادی ہو گئی۔ ایک شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم شراب کے برتنوں سے ہمیں نفع اٹھانے کی اجازت دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ برتنوں کے منہ کھول ڈالو۔ شراب بہادو۔ چنانچہ شراب اتنی بہائی گئی کہ پست زمینوں میں شراب جمع ہو گئی تھی۔

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے زیر پرورش یتیم ہیں کہ ورثہ میں جن کو شراب ملی ہے حضرت نے فرمایا بہادو! سب بہادو۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم اس کا سرکہ بنالیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ مسلم' ابو داؤد اور ترمذی سب نے اس کی تائید کی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ......﴾ یہی آیت توریت میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو اس لئے نازل کیا کہ باطل کو نابود کر دے اور گانے بجانے کے آلات بربط' ستار' سارنگی' دف' طنبورے وغیرہ سب کو باطل کر دے۔ اللہ پاک اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ بعد از حرمت جو اس کو پئے گا۔ میں اس کو قیامت کے روز پیاسا رکھوں گا اور جو اس کو چھوڑ دے گا میں اس کو جنت کے پاکیزہ چشمہ سے شراب پلاؤں گا۔

شراب کے نقصانات ☆ ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نشے کی وجہ سے ایک وقت کی نماز کھودی تو گویا کہ ساری دنیا کی دولت اس کو حاصل تھی اور چھن گئی اور جس نے نشہ کی وجہ سے چار وقت کی نماز کھودی تو اب خدا کو حق ہے کہ اس کو طنية الخبال پلائے لوگوں نے کہا' طنية الخبال کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہنمیوں کے جسم سے نچوڑی ہوئی گندگی۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ عقل پر پردہ ڈال دینے والی ہر پینے کی چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ جو شخص کوئی نشہ آور چیز پئے گا۔ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہوگی لیکن اگر وہ توبہ کرلے تو توبہ قبول کرلی جائے گی اور چوتھی بار اگر شراب پئے تو خدا کو حق ہے کہ اس کو طنية الخبال پلائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ طنية الخبال اہل نار کا پیپ ہے اور جس نے کسی بچہ کو شراب پلائی جو حلال حرام کو نہیں پہچانتا تو اس آدمی کو بھی طنية الخبال پلایا جائے گا۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جس نے دنیا میں شراب پی اور توبہ نہیں کی' تو آخرت کی شراب اس پر حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشلی چیز خمر ہے اور حرام ہے۔ جو عمر بھر شراب پیتا رہا اور مر گیا اور توبہ نہیں کی تو وہ جنت کی شراب سے بالکل محروم رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ ایک وہ جو اپنے والدین کی نافرمان اولاد ہے اور دوسرے ہمیشہ شراب پینے والا اور تیسرے احسان کر کے جتانے والا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ احسان جتانے والا اور والدین کا نافرمان اور ہمیشہ شراب پینے والا' یہ تینوں کبھی جنت میں نہیں جائیں گے۔

شراب اور بدکاری ☆ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ شراب سے بہت بچتے رہو کیونکہ وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ ایک واقعہ سنو کہ تم سے پہلے کے زمانے میں ایک شخص بڑا ہی عابد تھا۔ لوگوں کو چھوڑ چھاڑ کر بستی سے الگ تھلگ عبادت خانے میں عبادت کرتا پڑا رہتا تھا۔ ایک بدکار عورت کی اس پر نظر پڑی۔ اس نے اپنی خادمہ کو بھیجا کہ ایک گواہی کے بہانے اس کو بلا لائے۔ وہ بیچارا آ گیا۔ جب وہ کسی دروازہ کے اندر داخل ہوتا تو باہر سے دروازہ بند کر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس بدکار عورت تک پہنچے۔ اس کے پاس ایک بچہ اور شراب کا مٹکا رکھا ہوا تھا۔ وہ اس شیخ سے کہنے لگی کہ خدا کی قسم میں نے تجھ کو کسی گواہی کے لئے نہیں بلایا ہے بلکہ اس لئے کہ تو میرے ساتھ رات گزارے یا یہ کہ اس بچہ کو قتل کرے یا یہ کہ شراب پئے۔ اس شیخ نے یہ مناسب جانا کہ دونوں گناہوں کی بہ نسبت شراب آسان گناہ ہے۔ چنانچہ اس نے شراب پی لی۔ اب وہ ایک جام کے بعد پے درپے اور جام مانگنے لگا۔ یہاں تک کہ شراب کے نشے میں اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور اس عورت کے ساتھ بھی رات گزاری۔ اس لئے شراب سے بچو' وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ شراب اور ایمان کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر شراب ہے تو ایمان نہیں۔ اگر ایمان ہے تو شراب نہیں۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا اور چور جب چرا رہا ہوتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو مومن نہیں ہوتا[1]۔ جب قبلہ بدلنے کی آیت اتری تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! وہ لوگ جو مر گئے اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے' تو ان کا کیا ہوگا؟ تو وحی اتری کہ ان کی عبادت ضائع نہیں ہوگی۔

اسما بنت یزید سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے شراب پی' اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس سے ناخوش رہتا ہے۔ اگر وہ مر جائے تو کافر مرے گا اور اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرے گا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ آیت اتری کہ قبل از حرمت

---

[1] مطلب یہ ہے کہ یہ بری حرکتیں' ایمان کے تقاضوں کے بالکل خلاف ہیں تو اگر ایمان کے تقاضوں پر عمل کرتا تو کبھی بھی ان بری باتوں میں مبتلا نہ ہوتا اور جو شخص ان لغویات میں الجھتا ہے تو گویا اس نے اپنے ایمان کو ختم کر کے پھر ان باتوں کو شروع کیا۔

پینے پر الزام نہیں لگایا جائے گا۔ تو مجھے کہا گیا کہ تم پر بھی کوئی الزام نہیں ہے حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جوئے سے بچو اور چوسر شطرنج سے بچو، یہ دونوں عجم کا جوا ہیں[1]۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗٓ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۴﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم کرلے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ سو جو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا اس کے واسطے دردناک سزا ہے۔ اے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں گے۔ خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے۔ اللہ نے گزشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں۔ ○

امتحان یا اِبتلا ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزما رہا ہے۔ شکار کی ممانعت کر کے خواہ کمزور شکار ہو یا چھوٹا ہو کہ دیکھیں حالت احرام میں تم ان کا شکار کرنے سے بچتے ہو یا نہیں۔ حتیٰ کہ تم لوگ اگر چاہتے تو اپنے ہاتھوں سے شکار کو پکڑ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قریب ہونے سے بھی ممانعت فرما دی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ چھوٹے شکاروں کو اور بچوں کو ہاتھوں سے بھی پکڑ سکتے تھے اور بڑوں کو تیر سے شکار کر کے۔ مقاتل ابن حبان کہتے ہیں کہ عمرۂ حدیبیہ میں یہ آیت اُتری کہ جہاں جنگلی چوپائے پرندے اور شکار ان کے ٹھکانوں میں ٹوٹ پڑنے لگے تھے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ چنانچہ بحالتِ احرام ان کو شکار کرنے سے ممانعت کی گئی تاکہ ثابت ہو جائے کہ سراً و علانیۃً کس سے اطاعت سرزد ہوتی ہے اور کس سے نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ

[1] یعنی شطرنج اور چوسر بھی جوا ہی ہے۔ حجاز عرب میں ان کا رواج کم تھا لیکن عجمی ممالک میں ان کا رواج زیادہ تھا۔ اس لئے آپ نے شطرنج اور چوسر کو عجم کا جوا قرار دیا۔

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾ جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور اجر کریم ہے۔ یہاں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اب اس کے بعد جو نافرمانی کرے اس کے لئے عذاب الیم ہے کیونکہ اس نے حکم خداوند کریم کی مخالفت کی ہے۔ پھر فرمایا کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو۔ معنویت کے لحاظ سے کرتے ہوئے تو حلال جانور اور ان کے بچوں پر بھی مشتمل ہے اور غیر ماکول بھی لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر ماکول کا شکار کرنا احرام والے کے لئے جائز ہے۔ لیکن جمہور علما تو ایسے شکار کو بھی جائز نہیں رکھتے اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔

احرام میں بعض جانوروں کو ہلاک کرنے کی اجازت ☆ اس کے سوا جو صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں فاسق ہیں۔ احرام میں بھی ان کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تکلیف پہنچانے والے جانور ہیں۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان پانچ کو قتل کرنا محرم کے لئے گناہ نہیں۔ ایوب کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے پوچھا کہ سانپ کا کیا حکم ہے؟ تو نافع نے کہا کہ سانپ کو مارنے میں بھی کیا حرج ہے۔ علما کا اس میں اختلاف نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد اور دیگر علما نے بھونکنے والے کتے کے ساتھ بھیڑیے اور درندے شیر اور چیتے کو بھی شامل کر رکھا ہے کیونکہ ان کا ضرر تو کتے سے بھی زیادہ ہے۔ واللہ اعلم۔ زید بن اسلم اور سفیان کہتے ہیں کہ ہر حملہ کرنے والے درندے کا حکم کتے کے حکم میں شامل ہے۔ جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عتبہ بن ابی لہب پر بددعا کی تھی تو کہا تھا کہ اے خدا اس پر شام میں اپنا ایک کتا مسلط فرما دے۔ چنانچہ مقام زرقا میں اس کو ایک بھیڑیے نے پھاڑ کھایا تھا۔ ہاں ان کے سوا اگر وہ کسی اور جانور کو قتل کرے گا تو فدیہ دینا پڑے گا۔ جیسے سوسمار یا لومڑی یا کفتار وغیرہ۔ مالک کہتے ہیں کہ یہی حکم ہے۔ ان پانچوں جانوروں کے بچوں کا بھی یا پھاڑنے والے جانوروں کے چھوٹے بچوں کا بھی کہ اگر محرم قتل کرے گا تو فدیہ دینا پڑے گا۔ خواہ حیوان غیر ماکول یا ان کے بچوں ہی کا قتل کیا ہو کیونکہ اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں ہے اور غیر ماکول جانور پر بھی سبب شامل ہے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ احرام والا کاٹنے والے کتے اور بھیڑیے کو بھی قتل کر سکتا ہے کیونکہ بھیڑیا بھی بری کتا ہے۔ لیکن ان دونوں کے سوا کسی اور کو قتل کرے گا تو فدیہ دینا پڑے گا۔ ہاں کوئی دوسرا درندہ حملہ کر دے تو قتل کر سکتا ہے۔ فدیہ ادا کرنا ضروری نہیں۔ یہ اوزاعی اور حسن کا قول ہے مگر امام زفر کہتے ہیں کہ فدیہ دینا پڑے گا۔ اگرچہ حملہ کرنے کی وجہ سے ہی مار ڈالا گیا ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوے سے مراد وہ کوا ہے کہ جس کے پیٹ اور پیٹھ پر سفیدی ہو سیاہی نہ ہو۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کوے سے مراد ہر عام کوا مراد ہے۔ کیونکہ لفظ میں کوئی قید نہیں ہے۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کوا جب حملہ کرے یا تکلیف پہنچائے تو محرم صرف اس وقت اس کو قتل کر سکتا ہے بلا وجہ نہیں اور مجاہد اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ قتل نہ کرے۔ بلکہ اس کو اڑا دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سانپ، بچھو اور چوہا، ان کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن محرم کوے کو صرف اڑا دے، قتل نہ کرے اور کاٹنے والے کتے اور گدھ اور حملہ کرنے والے درندے ان کو محرم قتل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جو جان بوجھ کر بحالت احرام شکار کرے گا، اس کو اس شکار کے جیسا ہی دوسرا مویشی فدیہ میں دینا پڑے گا۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ حکم اس شخص سے متعلق نہیں ہے جس نے خطا سے کسی جانور کو قتل کیا ہو۔ بلکہ عمداً قتل کرنے کی قید ہے اور ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں یہاں ﴿مُتَعَمِّدًا﴾ سے مراد یہ ہے کہ کسی نے اپنی حالت احرام بھول کر قتل صید کا قصد کیا ہو۔ ورنہ احرام کی حالت یاد رہنے کے باوجود ارادۂ قتل صید کرے۔ تو اس کا گناہ تو کفارہ کی سزا سے بھی بہت بڑھا چڑھا ہے۔ اس کا تو احرام ہی باطل ہو جاتا ہے۔ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ قصداً اور بھول کر قتل کرنے والا دونوں

کفارہ ادا کرنے میں برابر ہیں۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قرآن سے تو دلالت ہوتی ہے عمداً قتل کرنے والے پر لیکن حدیث سے بھول کر قتل کرنے والا بھی اسی حکم میں شامل ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ قرآن سے ثابت ہوا ہے کہ اس کو کفارہ بھی دینا ہوگا اور وہ گنہگار بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو اس کو اپنے گناہ کی سزا چکھنی پڑے گی۔ لیکن جو کر چکا' سو معاف ہے اور اگر کسی نے پھر ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔ احکام نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام اصحاب سے بھی ثبوت ملتا ہے کہ خطا سے قتل کرنے کی صورت میں بھی کفارہ دینا پڑے گا۔ جیسا کہ عمداً قتل کرنے کی صورت میں از روئے قرآن دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر شکار کو قتل کیا گیا تو یہ شکار کو تلف کرنا ہوگا اور جب عمداً تلف کرے تو تاوان ادا کرنا پڑتا ہے اور خطا سے ادا کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عمداً شکار کرنے والا کفارہ کے ساتھ گنہگار بھی ہوا لیکن خطا والا گنہگار نہیں ہوا۔

فقہی اختلافات ☆ قولہ تعالیٰ: ﴿فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ بعض نے جَزَآءٌ کو مضاف بنا کر پڑھا ہے۔ بعض عطف کے ساتھ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما فَجَزَآءُہٗ باضافہ (ہ) پڑھتے ہیں لیکن ہر طرح پڑھنے میں بھی مالک' شافعی' احمد اور جمہور کی دلیل قائم رہتی ہے کہ صید شدہ جانور کے مثل کی جزا اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ بشرطیکہ اس جیسا یا اس کے قریب کوئی پالتو جانور ہوتا ہو' تا کہ وہی دے دے۔ ورنہ اس کی قیمت دے دے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صید مقتول پالتو جانور کے مشابہ ہو یا غیر پالتو کے۔ ہر صورت میں اس کا مثل دینے کے بجائے قیمت ہی دینا چاہئے اور اس شکاری کو اختیار ہے کہ چاہے اس کی قیمت صدقہ کر دے یا قربانی کا کوئی جانور خرید لے لیکن حق تو یہ ہے کہ صحابہؓ نے مثل دینے کا جو حکم لگایا ہے وہ ہمارے لئے زیادہ قابل اتباع ہے۔ انہوں نے حکم لگایا ہے کہ شتر مرغ کا شکار کیا تھا تو اونٹ کفارے میں دے اور جنگلی گائے کے شکار میں گھریلو گائے اور ہرن کے شکار میں بکری۔ صحابہ کے یہ فیصلے کتاب الاحکام میں سب کے سب مذکور ہیں لیکن جہاں کوئی صید مثلی نہ ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی پالتو جانور کے مشابہ ہو۔ وہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما حکم لگاتے ہیں کہ اس کی قیمت مکہ روانہ کر دی جائے۔ بیہقی اس کے راوی ہیں[1]۔ قولہ تعالیٰ ﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ یعنی اس کفارہ کا فیصلہ کرنے کے لئے دو عادل مسلمان نامزد کئے جائیں' جو یہ فیصلہ کریں کہ مثلی شکار میں مثلی جانور دیا جائے یا غیر مثلی میں قیمت دی جائے۔ اگر علماء کا اختلاف ہے تو صرف اس بارے میں کہ ان دو حکموں میں ایک حکم کا خود شکاری بھی بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

ایک قول یہ ہے کہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس صورت میں اپنا حکم اپنے ہی پر نافذ کرنا لازم آئے گا۔ جس میں متہم ہونے کا اندیشہ ہے۔ امام مالک کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول ہے کہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ آیت بالکل عام ہے۔ اس میں کوئی اس قسم کی قید نہیں۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی قضیہ کے اندر حاکم خود محکوم نہیں بنایا جا سکتا۔

ابن ابی حاتم کی حدیث ہے کہ ایک اعرابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے بحالت احرام ایک شکار کر لیا ہے۔ اب مجھ پر کیا جزا ہے؟ آپ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے جو پاس ہی بیٹھے تھے پوچھا کہو تم کیا فیصلہ کرتے ہو؟ تو اعرابی نے کہا کہ میں تو تمہارے پاس آیا کہ تم خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو لیکن تم خود دوسروں سے پوچھتے ہو تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تم کیوں اعتراض کرتے ہو' اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ دو عادل مسلمان مل کر کوئی حکم لگائیں۔ چنانچہ میں نے اپنے ساتھی سے مشورہ کیا۔ ہم دونوں جس بات پر متفق ہو جائیں

[1] صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بعض صورتوں میں قیمت بھی دینے کا حکم دیا جیسا کہ ملا علی قاری نے تصریح کی اور یہ بات تو خود ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تسلیم کی کہ مثل نہ ہونے کی صورت میں شوافع کو بھی قیمت ہی کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔

گے' تجھ کو اپنا فیصلہ سنا دیں گے۔ یہاں اسی بات کا احتمال تھا۔ چنانچہ صدیق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اعرابی جاہل ہے اور عادلین کے مسئلہ سے واقف نہیں۔ تو نرمی اور ملائمت سے اسے سمجھا دیا۔ کیونکہ جہل کی دوا تعلیم ہے لیکن معترض اگر صاحب علم ہو تو جیسا کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ابن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دفعہ حج کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے اور ہم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی سواریوں کے پیچھے پیچھے پیدل چلتے اور باتیں کرتے رہتے۔ ایک دن صبح ایسا اتفاق ہوا کہ ایک ہرن دکھائی دیا۔ ہمارے ایک ساتھی نے اس کے ایک پتھر مارا' وہ نشانے پر پہنچا اور ہرن مر گیا۔ یہ شخص ہرن کو مردہ چھوڑ کر سوار ہو کر چل دیا۔ ہم نے اس شخص پر سخت اعتراض کیا اور جب مکے پہنچے تو میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی ایک اور صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ گورے چٹے چاندی کی طرح سفید' یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے۔ عمرؓ ان کی طرف متوجہ ہوئے' کچھ باتیں کیں۔ پھر اس آدمی سے پوچھا کہ تو نے عمداً اس کو مارا یا خطاءً اس نے کہا پتھر تو میں نے ارادۃً مارا تھا لیکن اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ارادۃً اور خطاءً دونوں کے درمیان تجھ سے عمل سرزد ہوا تھا۔ چنانچہ کہا ایک بکری لے کر اس کو ذبح کر' اس کا گوشت صدقہ کر دے اور اس کی کھال گھر کے کام میں لا۔ اب ہم وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا خدا کے حدود شریعت کی عزت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جو کچھ تو نے پوچھا تھا' امیر المومنین خود اس سے واقف نہ تھے۔ حتیٰ کہ اپنے ساتھی سے پوچھا۔ اب تو معافی کے طور پر اپنی ناقہ کو ذبح کر دے۔ ممکن ہے کہ اس تیرے جرم کی مکافات ہو جائے۔ قبیصہ کہتے ہیں کہ مجھے سورہ مائدہ کی عادلین والی آیت یاد ہی نہ تھی۔ میرے اس مشورے کی خبر عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ وہ درہ لے کر پہنچے' میرے ساتھی پر ایک کوڑا برسایا اور کہنے لگے' کیا حرم میں قتل کرتا ہے اور حکم میں بیوقوف حَکَم بناتا ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! اگر آپ نے مجھے مارا تو اس ناروا مار کو میں معاف نہیں کروں گا۔ تو کہنے لگے' اے قبیصہ بن جابر تو نوجوان ہے۔ کھلے دل والا' خوب بولنے والا' لیکن اگر کسی نوجوان میں نو عادتیں بھی اچھی ہوں اور صرف ایک بری ہو۔ تو وہی ایک ساری اچھائیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ نوجوانی کی لغزشوں سے محتاط رہ۔ ابن جریر البجلی کہتے ہیں کہ بحالتِ احرام ایک ہرن کا میں نے شکار کر لیا۔ حضرت عمرؓ سے میں نے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے دو ساتھیوں کو لاؤ تاکہ وہ دونوں تم پر اپنا فیصلہ صادر کریں۔ میں عبدالرحمٰن اور اسعد کو لے آیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ میں ایک موٹا تازہ بکرا فدیہ میں دوں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اربد نے ایک ہرن کو بحالتِ احرام روند کر قتل کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ لینے کے لئے آیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے ساتھ فیصلہ کے لئے ایک اور حَکَم تو خود بن جا۔ چنانچہ دونوں نے ایک پالتو بکری کفارے میں دی' جو گھر کا پانی اور چارہ کھا کر خوب تازہ ہو گئی تھی۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے عادلین والی آیت پڑھی۔ یہ واقعہ اس بات کے جواز پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل خود حکمین عادلین میں سے ایک ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ شافعیؒ اور احمد کا مذہب ہے۔ پھر اس میں بھی علما کا اختلاف ہے کہ آئندہ زمانے میں بھی جب کبھی کسی محرم سے یہ جرم سرزد ہو تو اسی وقت کے دو حکم چاہئیں یا صحابہؓ کے فیصلے ایسے مسائل کے وقت جو صادر ہو چکے ہیں' ان کی روشنی میں فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ اس میں دو اقوال ہیں۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے اس بارے میں جو فیصلے دے دیئے ہیں' ان ہی پر عمل کیا جائے اور دونوں نے اسی کو شرعی فیصلہ قرار دیا ہے۔ اس سے انحراف نہ کیا جائے اور جس میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کوئی حکم موجود نہ ہو تو پھر اپنے زمانے کے عادلین کی طرف رجوع کریں۔ مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ حَکَم اپنے اپنے زمانے کے ہر فرد پر الگ الگ لگے گا اور اپنے زمانے ہی کے عادل قرار پائیں گے۔ خواہ صحابہ کا کوئی حکم اور فتویٰ موجود ہو یا نہ ہو کیونکہ اللہ پاک نے مِنکُمْ کا لفظ فرمایا ہے اور پہلے زمانہ کے صحابہ

اس وقت تمہاری جماعت کے افراد تو نہیں ہیں۔ وقولہ تعالیٰ ﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ یعنی یہ قربانی کعبہ تک پہنچائی جائے۔ وہیں ذبح کی جائے اور حرم ہی کے مساکین پر اس کا گوشت تقسیم کیا جائے۔ اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب بالاتفاق یہ رائے رکھتے ہیں۔ قولِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ یعنی محرم اگر شکار مقتولہ کا مثل نہ پائے یا شکار مقتول اس قسم کا جانور ہی نہ ہو کہ گھریلو جانور سے مشابہت رکھے۔ تو پھر جزا اور اطعام اور صیام کے بارے میں اختیار ہے اور قرآن پاک میں اَوْ اختیار ہی کے معنی میں آیا ہے اور یہی قول ہے مالک اور ابوحنیفہ ابو یوسف اور محمد کا۔ نیز شافعی کا بھی ایک قول ایسا ہی ہے۔ احمد کا بھی قول مشہور یہی ہے کہ اَوْ اختیار دینے کے مقصد سے لایا گیا ہے اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ اختیار کے مقصد سے نہیں بلکہ ترتیب اور سلسلہ بنانے کے لئے ہے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ قیمت کے برابر آ کر ٹھہر جائے اور صید مقتول کی تلافی ہو جائے۔ یہ مالک اور ابوحنیفہ اور حماد اور ابراہیم کے نزدیک ہے لیکن شافعی کہتے ہیں کہ وہ قیمت بدل ہو اس جانور کا کہ اگر موجود ہوتا تو کیا قیمت ہوتی۔ پھر اس رقم سے اناج خرید لے اور صدقہ کر دے اور ہر ایک مسکین کو ایک مُد یعنی ۵۶ تولے غلہ دے۔

یہ مسئلہ شافعی اور مالک اور علمائے حجاز کے نزدیک ہے اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف اور محمد وغیرہ کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مُد دیئے جائیں احمد کہتے ہیں کہ گیہوں ہوں تو ایک مُد اور دوسرا اناج ہو تو دو مُد۔ پس اگر یہ نہ دے سکے تو روزے رکھے۔ یعنی ایک مسکین کو جتنے دن کھانا کھلایا جاتا ہے اتنے دن روزے رکھے۔ دوسروں کا قول ہے کہ ہر صاع کے بدلے جو نہ دیا جا سکا ایک روزہ رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے کعب بن عجرہ کو حکم دیا تھا کہ ایک فرق اناج چھ آدمیوں میں تقسیم کرے یا تین دن کے روزے رکھے۔ ایک فرق تین صاع کا ہوتا ہے اور صاع ۲۲۵ تولے کا ہوتا ہے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ کہاں کھلائیں۔ شافعی کہتے ہیں کہ حرم میں کھلائیں۔ عطا کا بھی یہی قول ہے۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس جگہ کھلائیں جہاں شکار کو قتل کیا تھا یا وہیں کہیں قریب میں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کی کوئی تخصیص نہیں کہیں بھی کھلائیں خواہ حرم ہو یا غیر حرم کا کوئی اور مقام ہو۔

اس مسئلہ سے متعلق سلف رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال ☆ اس آیت سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ محرم جب شکار کرے تو ویسا ہی جانور اس پر لازم آتا ہے۔ اگر کفارے کے لئے ویسا ہی چوپایہ نہ ملے تو اس کی قیمت دیکھی جائے گی۔ قیمت سے پھر طعام کا اندازہ لگایا جائے گا۔ پھر ہر نصف صاع اناج کے بدلے ایک روزہ رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کفارہ طعام اور صیام کے ذریعے قرار دیا۔ جب طعام پایا جائے تو اسی سے کفارہ ادا کیا جا سکے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کفارے کا جانور کعبہ کو بھیجا جائے یا مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا اسی کے برابر روزے رکھے جائیں۔ جب محرم نے شکار کو قتل کیا تو اسی کے مثل چوپایہ اس پر لازم آیا۔ اگر کسی نے ہرن یا اس کے مثل جانور قتل کیا تو اس پر بکری لازم آئے گی جو مکے بھیج کر ذبح کی جائے گی۔ اگر نہ ہو سکے تو چھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو تین روزے رکھے جائیں گے۔ اگر کسی نے اونٹ یا اونٹ کے مثل جانور کو قتل کیا تو اس پر گائے واجب ہے اگر نہ ہو سکے تو بیس مسکینوں کو کھلائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بیس روزے رکھے اور اگر شتر مرغ یا گورخر وغیرہ کو مارے تو ایک اونٹنی اس پر واجب ہوئی۔ نہ ہو سکا تو تیس مسکینوں کو کھلائے ورنہ تیس دن کے روزے رکھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے لیکن یہ اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ طعام ہر ایک کو ایک ایک مُد دیا جائے تاکہ پیٹ بھر کر ملے۔

عطا اور مجاہد وغیرہ نے کہا ہے کہ طعام ایک ایک مُد اس کے لئے ہے جو قربانی کا جانور کعبے تک نہ پہنچا سکتا ہو۔ سدی کا کہنا ہے کہ اس اختیار میں ترتیب کا لحاظ رکھا جائے اور ابراہیم النخعی وغیرہ کہتے ہیں کہ ہر طرح اس کو اختیار ہے چاہے جو کفارہ پسند کرے۔ قولہ تعالیٰ:

﴿لِيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ﴾ تا کہ وہ کرتوت کی سزا پالے۔ یعنی ہم نے کفارہ اس پر اس لئے واجب کیا ہے کہ ہمارے حکم کی جو اس نے مخالفت کی ہے اس کی سزا پالے لیکن زمانہ جاہلیت میں جو کچھ ہو گیا وہ معاف ہے۔ جس نے اسلام میں اچھے کام کئے۔ پھر فرمایا: ﴿وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ﴾ یعنی اسلام میں آنے کے بعد اور اس کی ممانعت کے باوجود جس نے نافرمانی کی' اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔ انتقام کی یہی صورت ہو گی۔ جمہور سلف اور خلف اس پر متفق ہیں کہ محرم نے جب شکار کو قتل کر دیا تو اس پر فدیہ دینا واجب ہو گیا اور پہلی دوسری یا تیسری خطا میں کوئی فرق نہیں' خواہ کتنی ہی دفعہ ہو۔ فعل خطا اور فعل عمد سب حکم میں برابر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ محرم سے خطاءً اگر قتل صید سرزد ہوا تو اس پر قتل کے وقت یہ حکم صادر ہو گا لیکن اگر وہ عمداً قتل کرے تو پہلی دفعہ میں تو یہ سزا اس پر عائد ہو گی لیکن دوسری دفعہ میں اس سے کہا جائے گا کہ تجھ سے خدا انتقام لے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی فرمادیا ہے کہ دوبارہ کرے تو اللہ تعالیٰ انتقام لے گا۔ امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ ایک صاحب احرام نے شکار کیا۔ اس پر فدیہ کی سزا عائد کی گئی۔ اس نے دوبارہ یہ جرم کیا تو آسمان سے آگ اُتری' بجلی گری اور اسے جلا دیا۔ یہی معنی ﴿فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ﴾ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت میں غالب ہے۔ کوئی اس کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ وہ انتقام لینا چاہے تو کون ہے کہ روکے۔ ساری کائنات اس کی مخلوق ہے۔ حکم بس اسی کا چلتا ہے ہے۔ سرکشوں کو وہ ضرور سزا دے گا۔ اس کی صفت انتقام کا یہی اقتضا ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا جب تک تم حالت احرام میں ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے لئے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینہ کو اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں۔ یہ اس لئے تا کہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں اور بیشک سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں۔ تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے بھی ہیں۔ رسول ﷺ کے ذمے تو صرف پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو۔ ○

خاص حالات میں اجازت ☆

تمہارے لئے سمندر کا تازہ شکار حلال ہے اور جو مچھلی سکھا کر زادِراہ بنائی جاتی ہے وہ بھی تمہارے لئے اور اہل قافلہ کے لئے جائز ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ شکار جو سمندر سے زندہ حاصل کیا جاتا ہے مراد ہے اور لفظ طعام سے وہ مراد ہے جس کو سمندر نے مار کر ساحل پر پھینک دیا ہو۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ طعام سے ہر وہ چیز مراد ہے جو سمندر میں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ دیا' تو کہا کہ صید بحر تمہارے لئے حلال ہے اور نہ شکار کیا ہوا لیکن سمندر کا پھینکا ہوا۔ وہ بھی تمہارے استفادہ اور زادِراہ کی چیز ہے۔ ابن مسیب کہتے ہیں کہ سمندر نے تو زندہ پھینکا ہو لیکن خشکی پر آ کر مر گیا ہو' وہ طعام ہے۔ عبدالرحمٰن نے سوال کیا کہ سمندر بہت سی مردہ مچھلیاں ساحل پر لا ڈالتا ہے' کیا ہم کھا سکتے ہیں؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ نہ کھانا' جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر واپس ہوئے' قرآن کھولا اور یہ آیت دیکھی کہ: ﴿طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ تو کہا جاؤ اور کہہ دو کھالیا کرو کیونکہ سمندر کی چیز کو اللہ تعالیٰ طعام کہتا ہے۔ ابن جریر بھی یہی کہتے ہیں کہ "طعام" سے سمندر کی مردہ مچھلیاں ہی مراد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا ہے کہ سمندر کی موجوں سے مردہ آئی ہوئی طعام ہے۔ مَتَاعً سے مراد منفعت اور قوت ہے۔ "سیارۃ" جمع ہے۔ سیار کی عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو سمندری مقامات پر رہتے ہیں۔ وہ تو تازہ تازہ شکار کر لیتے ہیں اور جو مر جائیں' ان کو سکھا کر ذخیرہ کر رکھتے ہیں۔ یا شکار کر کے رکھ چھوڑتے ہیں اور یہ مسافرین اور ساحلی مقامات سے دور رہنے والوں کے لئے زادِراہ کا کام دیتا ہے۔ جمہور نے ماہی مردہ کے حلال ہونے پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ابوعبیدہؓ الجراح کو اس کا امیر بنایا۔ یہ تین سو آدمی تھے۔ میں بھی شامل تھا۔ ہم راستے ہی میں تھے کہ زادِراہ ختم ہو گیا۔ تو ابوعبیدہؓ نے حکم دیا کہ سارے لشکر میں سے سب کا زادِراہ لا کر جمع کریں۔ میرے پاس کھجور زادِراہ تھی۔ ہم اس میں سے ہر روز تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے۔ آخر کار وہ ذخیرہ ختم ہوا' اور کھانے کے لئے ہم کو صرف ایک ایک کھجور ملتی تھی۔ ہم لوگ خود اب مرنے کے قریب ہو گئے لیکن سمندر تک آ پہنچے تھے۔ ساحل پر دیکھا کہ ایک مچھلی ٹیلے کے مانند چوڑی چکلی پڑی ہے۔ ہمارے سارے لشکر نے اسے تیرہ دن تک کھایا۔ ابوعبیدہ نے اس مچھلی کی دو پسلیوں کو بصورت کمان قائم کرنے کا حکم دیا۔ اس کمان کے نیچے سے ایک اونٹنی سوار گزر گیا اور اس کے بالائی حصے کو چھو نہ سکا۔ جابر بھی اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ ساحل بحر پر ایک بلند ٹیلہ سا معلوم ہوا۔ دیکھا تو وہ ایک دریائی جانور مرا پڑا تھا۔ جس کو عنبر کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو میت ہے پھر کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں' بھوک سے مجبور ہیں' تازہ تازہ گوشت ہے خوب کھاؤ۔ ہم وہاں ایک مہینہ ٹھہرے رہے۔ ہم تین سو آدمی تھے۔ کھا کھا کر خوب موٹے تازے ہو گئے۔ اس کی آنکھوں کے ڈھیلوں کے اندر سے ہم مٹکے بھر بھر کر روغن نکالتے تھے۔ اتنے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹ لئے تھے جیسے گائے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی آنکھ کے گڑھے میں تیرہ آدمیوں کو بٹھایا تھا۔ اس کی ایک پسلی لے کر بصورت کمان زمین پر قائم کی گئی تو بڑے سے بڑا اس کے نیچے سے نکل گیا۔ غرض یہ کہ وہ مچھلی اس قدر بڑی تھی۔ پھر ہم نے اس کا گوشت سکھا کر زادِراہ بنالیا۔ جب مدینے پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ تمہارے لئے خدا کا رزق تھا۔ اگر تمہارے پاس کچھ ہے تو لاؤ ہمیں بھی کھلاؤ۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا تحفہ بھیجا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ لشکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب کہ یہ مچھلی پائی گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ نہیں تھے اور وہ دوسرا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں واقعہ ایک ہی ہے۔ پہلے واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دوسرا لشکر بھیجا تھا تو اس کے امیر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے اور یہ واقعہ اسی ابوعبیدہؓ والے لشکر کا تھا۔ واللہ اعلم

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور تھوڑا سا پانی ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ اگر اس سے وضو کرلیا کریں تو پیاسے رہ جائیں گے۔ تو کیا اب ہم سمندر سے وضو کرسکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس میں کی مردہ مچھلی حلال ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت سے بھی یہی روایت ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرہ میں تھے تو ایک ٹڈی دل لشکر سے ہمیں سامنا ہوا۔ ہم اپنی لکڑی سے انہیں مارتے تھے اور وہ مر کر ہمارے پاس گر پڑتے تھے۔ ہم نے آپس میں کہا کہ اب ہم کیا کریں۔ ہم تو حالتِ احرام میں ہیں۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے پوچھا تو فرمایا کہ صید بحر کی ممانعت نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ٹڈیوں پر بددعا کی تھی تو کہا تھا کہ اے خدا چھوٹی بڑی سب ٹڈیوں کو ہلاک کر دے۔ ان کے انڈوں کو ضائع کردے اور ان کو افزائش نسل سے روک دے تاکہ یہ ہمارا غلہ اور ہماری فصلیں اور ہمارے باغات و درخت تباہ نہ کردے۔ تو مجیب الدعوات ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ یہ بھی گویا ایک خدائی فوج ہے۔ آپ اس کی قطع نسل کی بددعا کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ٹڈیاں بھی سمندر کی مچھلیوں کی نسل سے ہوتی ہیں۔ زیاد بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا' جس نے مچھلی سے ٹڈی پیدا ہوتے دیکھی ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حرم میں ٹڈی کا شکار کرنے کی ممانعت کی ہے اور بعض فقہا نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ تمام آبی جانور کھائے جاسکتے ہیں اور اس میں کسی چیز کا استثنا نہیں ہے۔ بعض نے مینڈکوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کے سوا باقی کو جائز رکھا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو مارنے کی ممانعت کی ہے اور فرمایا کہ اس کی آواز خدا کی تسبیح ہے۔ دوسروں نے کہا کہ مچھلی کھالی جائے لیکن مینڈک نہ کھائے جائیں۔ یہ سب اختلافات بر بنائے مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سمندر میں جو مچھلی مرگئی وہ نہ کھائی جائے جیسا کہ خشکی کا مرا ہوا جانور بھی نہیں کھایا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ تم نے سمندر سے جو شکار کیا اور وہ زندہ تھا' پھر مرگیا تو کھاؤ اور جس مردہ مچھلی کو موجوں نے بہا کر کنارے لا ڈالا ہو تو نہ کھانا۔ جمہور نے اصحاب مالک وشافعی واحمد سے حدیث عنبر کے ذریعے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سمندر کا پانی طاہر ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ اس لئے وہ ایسی مچھلی کو بھی جائز رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لئے دو مردہ جانور اور دو خون جائز ہیں۔ دو مردہ جانور تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجہ اور تلی ہیں۔ قولہ تعالیٰ: ﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَادُمْتُمْ حُرُمًا﴾ یعنی حالت احرام میں تم کو شکار کرنا حرام ہے۔ اگر عمداً ایسا کرو گے تو گنہگار بھی ہوگے اور تاوان بھی دینا پڑے گا اور خطاً سے ایسا کیا ہے تو تاوان دینے کے بعد سزا اُٹھ جائے گی لیکن اس شکار کا کھانا حرام ہوگا۔ اس لئے کہ وہ اس کے حق میں مثل میت کے ہے اور امام شافعی و مالک کا ایک قول یہ بھی ہے کہ احرام والوں اور غیر احرام والوں سب کے لئے اس کا کھانا حرام ہے۔ پس وہ شکاری اگر اس میں سے کچھ کھالے تو کیا اس پر دوگنا فدیہ لازم آجائے گا۔ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔

ایک تو یہ کہ ہاں دوگنا فدیہ لازم آئے گا۔ عطا سے روایت ہے کہ اگر محرم شکاری اس کو ذبح کرے اور کھالے تو دو کفارے لازم آئیں گے۔ ایک جماعت علماء کا مذہب یہی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے کھانے پر دوسرا فدیہ لازم نہ آئے گا۔ مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے۔ ابو عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ زانی نے حد ماری جانے سے پہلے بار بار وطی کی تو اس پر ایک ہی حد واجب ہوگی۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اپنے شکار کا گوشت کھا لینے پر اپنی غذا کی قیمت دینی لازم آئے گی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ ابوثور کہتے ہیں کہ ایسی صو ت میں محرم پر صرف کفارہ آئے گا اور اس

صید میں سے کھانا اس کے لئے حلال ہے لیکن مکروہ سمجھتا ہوں کہ وہ اس میں سے کھائے کیونکہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ بحالتِ احرام صید یہ تم پر حلال ہے بشرطیکہ خود تم نے اس کا شکار نہ کیا ہو اور نہ تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو۔ اس حدیث کا بیان آگے آئے گا۔ لیکن شکاری کے لئے اس کا کھانا ناجائز قرار دینا یہ عجیب بات ہے غیر شکاری کے لئے محرم کے شکار کے بارے میں اختلاف ہے اور ہم نے سابق میں بیان کر دیا ہے کہ جائز نہیں لیکن بعض لوگ غیر شکاری کو اس کا کھانا جائز کہتے ہیں اور محرم اور غیر محرم سب کو یکساں قرار دیتے ہیں۔ جب غیر محرم شکار کرے اور محرم کو ہدیہ بھیجے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ محرم کے لئے مطلقاً جائز ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ خود اس کے لئے شکار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے محرم کے مارے ہوئے شکار کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کا کھانا محرم کو حلال ہے تو فتویٰ دیا کہ ہاں کھا سکتے ہیں۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انہیں علم ہوا تو کہا کہ اس کے خلاف اگر فتویٰ دیتے تو میں تمہیں سزا دیتا لیکن دوسرے لوگ بالکلیہ ناجائز سمجھتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ ﴿حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ کی آیت عام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ محرم کے لئے ''اکل لحم صید'' مکروہ کہتے ہیں اور مالک و شافعی اور احمد وغیرہ کہتے ہیں کہ غیر محرم نے اگر محرم کی خاطر شکار کیا ہو تو محرم کو اس کا کھانا جائز نہیں۔ صعب بن جسامہ نے نبی کریم ﷺ کو ایک گورخر ہدیہ بھیجا تھا تو آپ ﷺ نے واپس کر دیا تھا اور جب آپ ﷺ نے بھیجنے والے کے چہرے سے کچھ آثار رنج محسوس کئے تو فرمایا کہ میں تو صرف محرم ہونے کی وجہ سے نہیں کھاتا ہوں۔ یہ حدیث صحیحین میں الفاظ مختلفہ کے ساتھ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی ﷺ نے گمان کیا تھا کہ یہ صرف آپ کی خاطر کیا گیا تھا۔ اس لئے واپس کیا اور اگر کوئی شکار محرم کے واسطے کیا نہ ہوا ہو تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ ابو قتادہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک گورخر شکار کیا تھا اور وہ محرم نہیں تھے اور ان کے اصحاب محرم تھے۔ تو وہ اس کے کھانے سے باز رہے اور حضرت ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے شکاری کو شکار کرنے کے لئے شکار بتایا تھا۔ اس کے قتل میں مدد دی تھی؟ تو اصحاب نے کہا' نہیں تو فرمایا کہ پھر تو کھاؤ اور خود آپ نے بھی کھایا۔ جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ صید بر تمہارے حلال ہے۔ بشرطیکہ خود تم نے بحالت احرام شکار نہ کیا ہو یا تمہارے ایما سے یا مقصد سے نہ شکار کیا گیا ہو۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو جب وہ عرج میں تھے اور محرم تھے اور سرما کا زمانہ تھا' دیکھا کہ آپ نے اپنا چہرہ ارغوانی چادر سے چھپا لیا تھا۔ پھر شکار کا گوشت لایا گیا تو آپ نے اصحاب سے کہا کہ تم لوگ کھاؤ' میں نہیں کھاؤں گا کیونکہ شکار میری خاطر کیا گیا ہے اور تمہاری خاطر نہیں کیا گیا ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو تو خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو تاکہ تم کامیاب ہو۔ اے ایمان والو ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب بن جائیں اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کر دی جائیں۔ سوالات گزشتہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑے حلم والے ہیں۔ ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان باتوں کا حق نہ بجا لایا جائے۔ ○

اچھی اور بری چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں ☆

اللہ تعالیٰ رسول پاک سے ارشاد فرماتا ہے کہ خبیث اور طیب دونوں برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ خبیث کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ انسان تھوڑی سی حلال چیز' جو نافع ہو وہ اس کثیر حرام سے بہتر ہے جو مضرت بخش ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کم چیز اور کفایت کر والی چیز اچھی ہے' کثیر چیز سے جو خدا سے غافل بنانے والی ہے۔ ثعلبہ ابن حاطب الانصاری نے کہا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیے کہ مجھے بہت سامال عطا فرمائے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر و وہ اس کثیر سے اچھا ہے جس کا شکر ادا نہ کرو۔ اے صحیح عقل والو! خدا سے ڈرو' حرام سے بچو' حلال پر قناعت کرو' شاید تم دین و دنیا میں فلاح پا سکو۔ پھر فرمایا کہ اے ایمان والو! سوالات نہ کرو کہ اگر ان کے جوابات ظاہر ہو جائیں تو تمہیں سخت رنج پہنچے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادِ مؤمنین کو تادیب ہے اور غیر مفید سوالات کے پوچھنے سے ممانعت ہے کیونکہ اگر یہ امور ظاہر ہو جائیں گے تو انہیں سن کر سخت ناگوار ہوگا اور رنج پہنچے گا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مجھے کسی کی کوئی خبر لا کر نہ پہنچایا کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے سامنا ہو تو میرا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف ر اور کسی کی طرف سے دل میں کوئی خلش پیدا نہ ہونے پائے۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خطبہ دیا تھا کہ ایسا خطبہ میں نے کبھی نہیں سنا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم وہ سب جانتے ہوتے جو میں جانتا ہوں تو بہت تھوڑا ہنستے اور بہت زیادہ روتے تو صحابہ اپنے منہ ڈھک کر رونے لگے۔ ایک آدمی اُٹھ کر پوچھ کہ حضرت میرا باپ کون تھا؟ کہا فلاں تھا۔ چنانچہ یہ آیت اُتری کہ: ﴿لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ......﴾ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کہ ایک دن بعض صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کچھ سوالات کئے اور بہ اصرار کئے تو منبر پر آئے اور فرمانے لگے کہ آج جو بات مجھ پوچھنا چاہتے ہو۔ پوچھو' میں سب کچھ تمہارے حالات بیان کر دوں گا۔ اصحاب النبی یہ سن کر کانپ اُٹھے کہ کوئی نئی بات ظاہر ہونے و ہے اور میں دائیں بائیں جدھر بھی دیکھتا تھا' صحابہؓ اپنا منہ کپڑے سے ڈھانپے ہوئے رو رہے تھے۔ ایک آدمی اُٹھا جس کو لوگ اس باپ میں بدنام کرتے تھے۔ کہنے لگا' یا نبی اللہ! میرا باپ کون تھا؟ آپ نے فرمایا حذافہ تھا۔ پھر عمرؓ اُٹھے اور کہنے لگے ہمیں کچھ پوچھنے ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ربّ ہے' اسلام ہمارا دین ہے' محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں۔ ہم کسی فتنے کے ظاہر ہونے سے پناہ ما ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج کی طرح میں نے کبھی خیر و شر کو عیاں نہیں دیکھا۔ جنت اور دوزخ اس طرح میرے سامنے مجسم گویا اس دیوار کے پیچھے ہی واقع ہے۔ ابن حذافہ کے پوچھنے پر ام عبداللہ بن حذافہ کہنے لگی کہ تجھ سے زیادہ نالائق لڑکا میں نے نہ دیکھا۔ تجھے کیا معلوم کہ ایام جاہلیت میں کیا کیا ہوا کرتا تھا۔ اگر فرض کرو میں بھی اس زمانے میں کسی معصیت میں مبتلا ہوتی تو آج ﷺ کی زبان پر لوگوں کے سامنے تیری بدولت رسوا ہونا پڑتا۔ عبداللہ کہنے لگے کہ اگر کوئی حبشی غلام بھی میرا باپ قرار پاتا تو میں اسی کی طرف منسوب کرتا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو غضب ناک تھے۔ چہرہ سرخ تھا۔ منبر پر بیٹھ

ایک آدمی اُٹھ کر پوچھنے لگا کہ میرا متوفی باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے۔ دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے' کہنے لگے بس کافی ہے۔ ہمارے لئے خدا ہمارا رب ہے' اسلام ہمارا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں' قرآن ہمارا امام ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم عہد جاہلیت اور عہد شرک سے بہت قریب ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی واقف ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کون تھے؟ یہ سن کر آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور یہ آیت اُتری کہ ایسے سوالات نہ کرو کہ بات ظاہر ہو جائے تو تمہیں رنج پہنچے۔

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ایک روز جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں تھے' اُٹھ کر فرمانے لگے کہ پوچھو مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ جو کچھ پوچھو گے بتا دوں گا۔ یہ سن کر بنی سہم کا ایک قریشی اُٹھا' جس کے باپ کے بارے میں طعن کیا جاتا تھا۔ پوچھنے لگا حضرت میرا باپ کون تھا؟ آپ نے اس کو اس کے باپ کی طرف منسوب کیا۔ عمرؓ اُٹھے اور کہا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری خطا معاف کر دیجئے۔ خدا آپ کو بھی معاف فرمائے۔ آپ نے مسلسل درخواست کی۔ حتیٰ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ فرمانے لگے زانیہ کا لڑکا باپ کے بجائے ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا اور زانی پر پتھر پڑیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظرافت وخوش طبعی کے طور پر بھی پوچھتے تھے کہ میرا باپ کون ہے؟ کوئی کہتا کہ میری گم شدہ ناقہ کہاں ہے؟ چنانچہ سوالات سے ممانعت کی آیت اُتری۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اُتری کہ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران: ۹۷) یعنی جس کو قدرت ہو' اس پر حج کرنا فرض ہے تو لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ دوبارہ پوچھا کیا ہر سال؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش ہو گئے۔ تیسری بار پھر پوچھا تو فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال تم پر حج واجب ہو جائے گا۔ جس کی تم قدرت نہ رکھو گے اور اگر ادا نہ کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ممانعت سوال کی آیت اُتری۔ ایک آدمی نے بھی اسی طرح پوچھا تھا کہ کیا ہر سال حج کریں گے؟ تو آپ چیخ اُٹھے کہ اسے چپ کرا دیا۔ اس پر غضب ناک ہو گئے۔ کچھ عرصہ تک ٹھہرے رہے۔ پھر فرمایا کس نے سوال کیا تھا؟ اعرابی نے کہا' میں نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کم بخت اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فریضہ حج سے تجھے کون بچا سکتا تھا۔ یقیناً تم لوگ ایسا نہ کرتے۔ تم سے پہلے کی اُمتیں اسی طرح تو ہلاک ہوئیں۔ اگر میں تمہارے لئے ساری دنیا و مافیہا بھی حلال کر دوں اور قدم برابر جگہ حرام کر دوں تو اسی کی حرص تمہیں دامن گیر ہو جائے گی۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اگر تمہارے سوال کا جواب دے دیا جائے تو تم پر نہایت شاق ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ﴾ قرآن نازل ہوتے وقت اگر تم کچھ پوچھو گے جس کی تمہیں ممانعت کر دی گئی ہے تو یقین رکھو خدا تمہارے سوال کا جواب دے گا۔ پھر کیا کرو گے اور یہ بات تو خدا پر آسان ہے لیکن جو گزر چکا وہ خدا نے معاف کر دیا ہے۔ اللہ بڑا غفور حلیم ہے۔ اس لئے ہرگز کوئی نیا سوال بلا وجہ نہ کرو۔ ورنہ جواب سے تم پر سختی اور تنگی ہو جائے گی اور یہ اپنے ہاتھوں مصیبت مول لینا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا مجرم؟ ہے جس کے سوال کی وجہ سے ایک غیر حرام چیز محض بر بنائے وضاحت حرام ہو گئی اور لوگوں پر تنگی پیدا ہو گئی۔ ہاں قرآن کی کوئی بات مجمل ہونے کی وجہ سے سمجھ میں نہ آتی ہو اور تم سمجھنا چاہو تو پوچھ لو میں بیان کر دوں گا کیونکہ تم تعمیل حکم کے لئے اس کی ضرورت رکھتے ہو۔ اگر کتاب میں کچھ مذکور نہ ہو اور تم نے نہیں کیا تو تمہارے عمل کی تم سے باز پرس نہیں تو تم اسی سوال سے متعلق چپ ہو جایا کرو جیسا کہ میں۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جو بیان نہیں کیا اس کو اسی طرح رہنے دو۔ کثرتِ سوال نے اور انبیاء کے حکم سے اختلاف کرنے ہی نے اگلی قوموں کو تباہ کیا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرائض متعین قرار دے دیئے ہیں۔ ان کو

ضائع نہ ہونے دو اور عمل کے حدود مقرر کر دیئے ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو اور جو باتیں حرام کی گئی ہیں ان کے مرتکب نہ بنو۔ میں بعض باتوں میں عمداً ساکت ہوں' یہ تم پر رحمت کی بنا پر ہے۔ میں بھول جانے کے سبب خاموش نہیں ہوا ہوں۔ اس لئے ہرگز سوالات کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان مسائل کا سوال تم سے پہلے کی قوموں نے کیا تھا۔ جواب دیا گیا' سختی عائد ہو جانے کی وجہ سے انہوں نے عمل نہیں کیا اور کافر ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے بر بنائے طلب ہدایت سوال نہیں کیا تھا' بلکہ بر بنائے استہزاء وعناد۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جو چھوڑ دیا تم بھی چھوڑ دو اور میں حکم دوں اختیار کرو۔ نصاریٰ نے جو سوال کیا تھا' تم ایسا کرنے سے باز رہو۔ انہوں نے مائدہ[1] مانگا تھا لیکن اس کے باوجود کفر کیا' مائدہ کی قدر نہ کی۔ پوچھنے کے بجائے خود میرے کہنے کا انتظار کرو۔ تمہارے پوچھنے کے بغیر ہی قرآن خود تمہارے سوال کی وضاحت میں نازل ہو جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بحیرہ اور وصیلہ اور سائبہ اور حام سے متعلق سوال کرنے کی ممانعت ہے۔ دیکھو: ﴿لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ﴾ کے بعد ہی ﴿مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ﴾ وغیرہ ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ معجزات کے بارے میں سوال کرتے تھے' جس کی ممانعت کی گئی ہے۔ قریش نبی ﷺ سے باغات اور نہریں مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ صفا ہمارے لئے سونا بنا دو وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ یہود کے مطالبات تھے کہ موسیٰ علیہ السلام! آسمان سے ہمارے لئے کتاب اتار دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ......﴾ (الاسراء:۵۹) جب کبھی ہم نے ان کے مطالبہ پر اپنے معجزے بھیجے تو سابقہ لوگوں نے تکذیب کر دی۔ ہم نے ثمود کو اپنی روشن دلیل ناقہ دی۔ انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ ہمارے معجزے صرف تخویف کے لئے آتے ہیں ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا﴾ (الانعام:۱۰۹) وہ قسمیں کھا کھا کر بیان کرتے ہیں کہ اگر ان کے پاس معجزہ آئے تو ضرور ایمان لائیں گے۔ اے نبی کہہ دو کہ معجزات خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ تم سمجھتے نہیں' اگر معجزے آئیں گے تو بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہم نے اُن کے دِل کو اُلٹ دیا ہے' آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ حسب سابق وہ ایمان لائیں گے ہی نہیں۔ ہم ان کی سرکشیوں میں ان کو اور بھٹکا رہے ہیں۔ اگر ہم ان پر ملائکہ بھی نازل کر دیں۔ مردے جی کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور ہر سابقہ چیز زندہ ہو کر ان کے سامنے آ موجود ہو تو بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہاں خدا جس کو چاہے وہ ایمان اختیار کرے' لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے۔ کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ آپ دعا کیجئے کہ آسمان سے ہمارے لئے دسترخوان اُتر آئے جس میں کھانے کے سامان ہوں۔ آپ علیہ السلام کی دعا پر آسمان سے روزانہ دسترخوان اُترتا۔ لیکن بنی اسرائیل نے اس میں بھی فسادِ نیت کا مظاہرہ کیا۔ مائدہ کے معنی عربی میں دسترخوان کے ہیں۔

رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔ ○

اپنی شریعت' خود ساختہ قانون ☆

بَحِیْرَۃ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ نہیں دوہتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بتوں کے نام ہے۔ کوئی یہ دودھ نہیں پیتا تھا۔ سائبہ وہ جانور جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر نہ سامان لادا جاتا نہ سواری کی جاتی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے دیکھا ہے جس نے سب سے پہلے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کا طریقہ رائج کیا ہے اور وَصِیْلَۃ وہ ناقہ ہے جس سے پہلی دفعہ ایک نر پیدا ہو پھر متواتر دو مادہ پیدا ہوں۔ ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور حام وہ نر اونٹ ہے جس کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوں اور جب نسل بہت بڑھ چکی ہو تو اس سے نہ بار برداری کا کام لیا جاتا نہ سواری کا۔ بتوں کے حوالے کر دیتے۔ یہ سب عمرو کے ایجادات تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ ایک آگ دوسری آگ کو کھائے جا رہی ہے' عمرو اُس میں گھسٹتا ہوا چل رہا ہے۔ اسی نے سب سے پہلے "سائبہ" کی رسم ڈالی۔

بُت پرستی کا بانی ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثم بن الجون سے فرماتے تھے کہ اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دوزخ میں دیکھا' تم سے بڑھ کر اس کا ہم شکل دوسرا نہیں' نہ اس سے بڑھ کر تمہارا ہم شکل کوئی ہے' بالکل تمہارے ہی جیسا معلوم ہوتا ہے۔ اکثم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کا گمان ہے کہ اس کی مشابہت میرے لئے مضر ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ تم مومن ہو اور وہ کافر۔ اسی نے سب سے پہلے دین ابراہیمی میں رخنہ اندازی کی۔ بحیرہ' سائبہ اور حام کی بدعتیں رائج کیں۔ صنم پرستی کرنا' سائبہ بنانا' یہ ابوخزاعہ عمرو بن عامر ہی نے کیا ہے۔ میں نے اسے دوزخ میں دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین ابراہیمی میں تغیر ڈالنا یہ عمرو ابن لحی کا کام تھا۔ جو بنی کعب کے قبیلہ کا تھا۔ وہ دوزخ میں ہے۔ اس کی بدبو دوسرے اہل النار کو سخت تکلیف پہنچاتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بحیرہ کی بدعت کا یہی موجد ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبیلۂ بنی مدلج کا ایک آدمی تھا۔ اس کی دو اونٹنیاں تھیں۔ اس نے ان دونوں کے کان کاٹ دیئے۔ پہلے تو ان کا دودھ پینا حرام کر لیا۔ پھر چند روز کے بعد پینا شروع کر دیا۔ وہ دوزخ میں ہے۔ یہ اونٹنیاں اس کو اپنے منہ سے کاٹ رہی ہیں اور پاؤں سے روند رہی ہیں۔ یہی عمرو' لحی بن قمعہ کا بیٹا ہے۔ رؤسائے خزاعہ میں سے تھا۔ قبیلۂ جرہم کے کعبہ کی تولیت خزاعہ ہی کو ملی تھی۔ دین ابراہیمی کو سب سے پہلے متغیر کرنے والا اور حجاز میں اصنام پرستی داخل کرنے والا اور لوگوں کو بتوں کی پرستش اور ان کے تقرب کی طرف بلانے والا' جانوروں اور مویشیوں وغیرہ کے بارے میں ایام جاہلیت میں سب سے پہلے بدعات اس میں رائج کرنے والا' جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا﴾ (الانعام:۱۳۶) کھیت سے جو کچھ پیداوار ہو یا جانوروں سے' ان کا صرف ایک حصہ خدا کے نام کا سمجھتے تھے اور باقی بتوں کے نام کا۔ بحیرہ اس ناقہ کو کہتے ہیں کہ جب پانچ بچے جن چکے اور پانچواں نر ہو تو اس کو ذبح کر کے صرف مرد اس کا گوشت کھا لے۔ عورتوں پر اس کا گوشت حرام سمجھتے تھے اور اگر وہ مادہ ہو تو اس کے کان کاٹ دیتے اور کہتے کہ اس کا نام بحیرہ ہے۔ سدی وغیرہ نے بھی اسی کے قریب قریب بیان کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ "سائبہ" اس بکرے کو کہتے ہیں۔ جس پر بحیرہ کی تعریف صادق آئے لیکن چھ مادہ ہو جانے کے بعد ساتویں حمل میں ایک ایک یا دو نر ہوں تو اس کو ذبح کر دیتے تھے اور صرف مرد ہی اس کو کھا سکتے۔ عورتوں پر اس کا گوشت حرام ہوتا تھا اور محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ سائبہ وہ ناقہ ہے کہ جب مسلسل دو مادہ جن چکے تو وہ بت کے نام پر چھوڑ دی جاتی۔ اس سے سواری نہیں لی جاتی۔ اس کے بال نہیں کاٹے جاتے۔ نہ اس کا دودھ دوہا جاتا۔ مگر مہمان آ جائے تو اس کو اس ناقہ کا دودھ پلایا جا سکتا تھا۔ ابوروق کہتے ہیں کہ سائبہ اس ناقہ

وغنم وغیرہ کو کہتے ہیں کہ جب آدمی کسی کام سے نکلے اور وہ کام پورا ہو گیا۔ تو اب اس جانور کو "سائبہ" بنا دیا جاتا اور بت کے نام پر چڑھا دیا جاتا۔ اس کی اولاد بھی بتوں کے نام پر سمجھی جاتی۔ سدی کہتے ہیں کہ کوئی شخص جب کسی غرض سے نکلتا ہے یا مرض سے تندرستی پاتا یا اس کے مال ومتاع میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا تو اپنا کچھ مال بتوں کے نام پر چڑھاتا اور اگر ایسے مال یا مویشی سے کوئی تعرض کرتا تو اسے سخت عقوبت دی جاتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ بکری ہے کہ جب سات بار بچہ دے اور ساتواں اگر نر ہو اور مردہ پیدا ہو تو اس کو صرف مرد کھاتے تھے۔ عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں اور ساتویں بطن میں مادہ ہو تو اس کو زندہ رہنے دیا جاتا اور اگر اس بطن میں نر اور مادہ دونوں پیدا ہوئے ہوں تو ان کو زندہ چھوڑ دیتے اور کہتے کہ ساتھ والی مادہ نے نر کو بھی وصیلہ بنا دیا اور اب وہ بھی ہم پر حرام ہے۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ ناقہ ہے کہ پہلی دفعہ اور دوسری دفعہ مادہ ہی جنے۔ تو کہتے ہیں کہ متصل دو مادہ پیدا ہوئے۔ چنانچہ دوسری کے کان کاٹ دیتے اور وہ بتوں کے نام پر سمجھی جاتی۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ بکری ہے کہ پانچ جھول میں دس مادہ بچے جنے' ہر بطن میں دو دو۔ اس کو چھوڑ دیا جاتا۔ اس کے بعد اس کے جو بھی اولاد ہوتی' خواہ مادہ یا نر' تو صرف مرد کھاتے' عورتیں نہ کھاتیں اگر اگر مردہ پیدا ہوتی تو پھر دونوں کھاتے اور اگر کسی نر کے دس بچے ہو چکے ہوتے تو اس کو بھی بت کے نام پر قرار دیتے اور چھوڑ دیتے اس کو حام کہتے ہیں۔ اس پر بار برداری نہ کرتے نہ اس کے بال کاٹتے۔ کسی کے بھی کھیت اور کسی کے بھی چشمے سے اس جانور کو کھانے اور پانی کی اجازت ہوتی' کوئی نہ روکتا۔ مالک بن نضلہ کہتے ہیں کہ میں پرانے بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس کیا کچھ مال ہے؟ میں نے کہا اونٹ بکرے اور گھوڑے کثرت سے ہیں۔ لونڈی غلام بھی ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دولت دی ہے تو تجھ پر دولت کے آثار ظاہر ہونے چاہئیں اور کیا تمہارے اونٹوں کے بچے سالم کانوں والے پیدا ہوتے ہیں؟ تو میں نے کہا' ہاں لیکن کیا اونٹ کے بچے سالم کانوں کے بغیر بھی ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ان بعض بچوں کے استرے سے تم کان کاٹ دیا کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اب یہ بحیرہ ہو گیا۔ اب یہ ہم پر حرام ہے تو میں نے کہا ہم ایسا کرتے بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے سب حلال ہے کوئی حرام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ' حام کی اللہ تعالیٰ کے پاس سے کوئی سند نہیں۔ بحیرہ کے کان کاٹ دیتے ہو۔ عورتوں میں تم کسی کو بھی اس بحیرہ سے کسی حیثیت سے بھی فائدہ نہیں دیتے۔ سائبہ کو بتوں کے نام پر چڑھاتے ہو۔ بکری جب ساتواں جھول دے تو اس کے کان اور سینگ کاٹ کر چھوڑ دیتے ہو۔ وہ چاہے جس کھیت میں چرے اور جس حوض سے پانی پئے' اس کو روکا نہیں جاتا۔ اس کو وصیلہ کہتے ہو۔ حدیث میں ان الفاظ کی یوں ہی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ وقولہ تعالیٰ: ﴿وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ یعنی یہ کافر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مشروع نہیں قرار دیا۔ نہ یہ خدا کے پاس وجہ قربت ہیں۔ یہ مشرکین کی افترا پردازی ہے۔ انہوں نے ان کو شرع بنالیا ہے اور اللہ کے پاس وجہ قربت سمجھتے ہیں۔ یہ تو حاصل نہ ہو گی بلکہ اور ان پر وبال پڑے گا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی وحی کی طرف اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے پر ہی ٹھیک ہیں۔ کیا یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے باپ دادا بھی باطل پر ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی حق سے بے بہرہ اور ہدایت سے محروم ہو سکتے ہیں۔ پھر تم ان کی پیروی کیسے کر سکتے ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ جاہل اور گمراہ ہی ایسا کہہ سکتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ

مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اے ایمان والو اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ اللہ کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے۔

ہدایت اور گمراہی ☆

اللہ پاک اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم اپنی ذات سے ٹھیک رہو۔ نیکیوں کی کوشش کرتے رہو۔ جس نے آپ اپنی اصلاح کر لی' چاہے قریب وبعید کی ساری دنیا فساد پذیر ہو' تم کو اس کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ جب بندہ حلال وحرام میں میری اطاعت کرے تو کوئی کتنا ہی گمراہ کیوں نہ ہو جائے اس کو کوئی مضرت نہیں۔ تم سب خدا کی طرف آنے والے ہو۔ خدا تمہیں بتا دے گا کہ تم اچھا کرتے تھے یا برا کرتے تھے۔ جس کا عمل نیک ہوگا۔ اس کو اچھی جزا ملے گی اور جس کا بدعمل ہوگا اس کو بری سزا ملے گی۔ اس کے مفہوم سے یہ دلیل نہیں لی جاسکتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ضروری نہیں رہا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خدا کی حمد وثنا کی۔ پھر کہا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے رہو۔ لیکن اس کے مفہوم پر اس کو نہیں رہنے دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر کوئی گناہ کی بات دیکھے اور پھر اسے غیرت نہ آئے اور غصہ نہ آئے تو کیا عجب کہ خدا دونوں کو عذاب میں گھسیٹ لے۔ اے لوگو! جھوٹ بولنے سے بچو۔ جھوٹ انسان کو ایمان سے ہٹا دیتا ہے۔ ابوامیہ شعبانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوثعلبہ الخشنی سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ......﴾ تو انہوں نے کہا کہ تم نے واللہ بہت ہی باخبر آدمی سے پوچھا۔ سنو! میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی اپنی جگہ پگڑی سنبھالنے کے بعد بے فکر ہو کر بیٹھ نہ رہنا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر برابر کئے جاؤ۔ اس وقت تک کہ لوگ تنگدل اور تنگ حوصلہ ہو جائیں' زکوٰۃ نہ دیں' خواہشات کی پیروی کرنے لگیں۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگیں۔ ہر شخص اپنی ہی رائے پر اکڑنے لگے۔ کسی ناصح کی کچھ نہ سنے۔ اس وقت الگ تھلگ ہو جاؤ۔ نابکاروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ تمہارے بعد ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں دم سادھ کر بیٹھ رہنے والا ایسی مشکلات میں ہوگا گویا آگ کو ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں۔ اپنے آپ نیک اعمال کرنے والا گویا پچاس آدمیوں کے نیک اعمال کے برابر اجر پائے گا۔ کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارے پچاس آدمی یا اس گروہ کے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارے پچاس نیک آدمی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ آج تو خیر تمہاری بات مان بھی لی جاتی ہے لیکن قریب تر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ تم خیر خواہی کی بات کہو گے اور وہ تمہارے ساتھ ایسا ایسا بُرا برتاؤ کرنے لگیں گے۔ اس وقت چپ چاپ دیکھے جاؤ اور کچھ نہ بولو۔ وہ گمراہ ہو گئے تو تم پر کچھ آنچ نہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمیوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا تو ہر ایک دوسرے کی طرف لڑنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ تو حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ میں اُٹھ کر دونوں کو سمجھا دیتا ہوں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہوں۔ تو برابر والے نے کہا تجھے کیا پڑی ہے اپنی جگہ بیٹھا رہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے سن کر کہا' اس کو نہ روکو۔ اس آیت کا موقع عمل یہ نہیں ہے۔ قرآن جیسا اُترا ہے اُترا ہے۔ بعض آیتوں کے اُترنے سے پہلے ہی ان کی تاویل کا زمانہ گزر چکا ہے اور بعض ایسی آیتیں ہیں کہ ان کی تاویلیں عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو چکیں اور بعض کی تاویلیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دن بعد واقع ہوئیں۔ بعض کی تاویلیں اس زمانہ کے بعد اور بعض کی قیامت کے دن' جب کہ قیامت برپا ہونے لگے گی اور بعض کی قیامت کے دن' جب کہ

حساب کتاب ہو رہا ہوگا۔ جب تک تمہارے دل اکٹھے ہیں اور تمہارے جذبات ایک ہیں۔ تم میں پھوٹ نہیں پڑی ہے اور ایک دوسرے کی برائی کے در پے نہیں ہے۔ اس وقت تک امر و نہی برابر کرتے رہو اور جب دل بگڑ جائیں' فرقہ بندی ہو جائے۔ ایک دوسرے کے ساتھ خدا واسطے کا بیر رکھنے لگے' اس وقت بالکل الگ تھلگ رہو۔ اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ اب تو آپ بیٹھ رہیں تو اچھا ہے۔ نہ امر بالمعروف کریں نہ نہی عن المنکر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دے دیا ہے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس کا حق نہیں پہنچتا۔ نہ میرے ساتھیوں کو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ حاضر شخص سن کر غائب کو پہنچائے۔ ہم حاضر کے حکم میں ہیں اور تم غائب کے حکم میں یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جو ہمارے بعد آنے والے ہیں کہ اگر انہیں کچھ کہا جائے گا تو قبول نہ کریں گے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا۔ تیز مزاج و تیز زبان اور کہنے لگا یا عبدالرحمٰن چھ آدمی ہیں۔ سب کے سب قرآن کے جید عالم۔ کوئی خیر کے سوا شریر النفس نہیں لیکن ایک دوسرے پر شرک کا الزام لگاتا ہے۔ تو ایک آدمی اٹھ کر کہنے لگا کہ اس سے بڑھ کر شرارت نفس اور کیا ہوگی کہ ایک دوسرے کو مشرک کہے۔ تو اس آدمی نے کہا' میں تم سے نہیں پوچھ رہا ہوں۔ میں تو شیخ سے یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھ رہا ہوں۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا کہ ایسے لوگوں کو کیا سمجھیں؟ تو ابن عمرؓ نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے' کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں حکم دوں کہ جاؤں انہیں قتل کر دو۔ تم کو تو چاہئے انہیں نصیحت کرو اس بدگوئی سے روکو۔ اگر وہ نہ مانیں پھر تمہارا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ابو مازن کہتے ہیں کہ میں زمانہ عثمانؓ میں مدینہ گیا۔ وہاں چند مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نے یہ آیت پڑھی: ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ﴾ تو ابن مازن نے کہا کہ لوگ اس آیت کا مطلب اچھی طرح سمجھتے نہیں۔ جبیر بن نضیر کہتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی موجود تھا اور میں سب میں کم عمر تھا۔ موضوع بحث تھا امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ میں بول اٹھا کیا اللہ نے نہیں فرمایا ہے: ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ وغیرہ۔ تو سب کے سب میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے تم آیت کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ میں نے دل میں کہا' کاش نہ بولتا۔ پھر وہ تبادلہ خیالات کرنے لگے۔ جب مجلس برخاست ہونے لگی تو کہا تم ابھی بچے ہو۔ آیت کا صحیح مطلب نہیں جانتے۔ لیکن کیا عجب تر ایسا زمانہ بھی پالو جب لوگ تنگ دل ہو جائیں' خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے لگیں' ہر شخص اپنی ہی رائے پر ناز کرتا ہو۔ کسی کی نہ سنتا ہو۔ تو یہ وہی زمانہ ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ گزشتہ مومنوں میں بھی اور موجودہ مومنوں میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ ہی منافق ہیں لیکن وہ ان کے عمل کو برا سمجھتے ہیں۔ کعب کہتے ہیں کہ یہ زمانہ اس وقت آئے گا کہ جب دمشق کے کنیسہ کو گرا کر مسجد بنا دیا جائے گا یعنی تعصب بڑھ جائے گا' اس آیت کا یہ مطلب ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ

عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اے ایمان والو تمہارے آپس میں دو شخصوں کا وصی ہونا مناسب ہے جب کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب وصیت کرنے کا حق ہو۔ وہ دو شخص ایسے ہیں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے دو شخص ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جائے اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز کے روک لو پھر دونوں خدا کی قسم کھاویں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے۔ اگرچہ قرابت دار بھی ہوتا اور اللہ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے۔ ہم اس حالت میں سخت گنہگار ہوں گے۔ پھر اگر اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان دونوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور وہ شخص جو سب میں قریب تر ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں خدا کی قسم کھاویں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ راست ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا۔ ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے۔ قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے قسمیں متوجہ کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہ کریں گے۔ ○

وصیت کی اہمیت اور اس کے احکام ☆

یہ آیت کریمہ ایک عزیز پر مشتمل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ بحیثیت ترکیب نحوی اِثْنَانِ خبر ہے اور شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ جملہ میں مبتداء کی حیثیت کھتا ہے۔ یعنی ﴿شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ شَهَادَةُ اثْنَيْنِ﴾ دوسرا لفظ شَهَادَة بحیثیت مضاف تھا۔ جو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ یعنی اِثْنَانِ ہی کو اس کا قائم مقام قرار دے دیا گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ يَشْهَدُ اثْنَانِ سمجھا جائے۔ ذَوَا عَدْلٍ اِثْنَانِ کی صفت ہے۔ یعنی عدلان منکم سے مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ كُمْ سے وصیت کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ مِنْ غَيْرِكُمْ سے مِنْ غَيْرِ الْمُسْلِمِيْنَ یا اہل کتاب مراد ہیں۔ یعنی موصی کے قبیلے کے دو گواہ ہوں اور دو غیر قبیلہ موصی ہوں۔ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ سے مراد یہ کہ جب تم سفر میں ہو اور تمہیں موت آ جائے تو تم مسلمانوں میں سے دو گواہ ہوں اور مسلمان نہ ہوں تو غیر مسلم ہی سہی۔ یہاں اس بات کا جواز نکلتا ہے کہ سفر میں وصیت کے وقت جب مسلمان موجود نہ ہوں تو ذمیوں کو گواہ بنایا جا سکتا ہے۔ شریح کہتے ہیں کہ سفر اور وصیت کے وقت کے سوا یہود و نصاریٰ کی شہادت کسی اور وقت جائز نہیں۔ تینوں ائمہؒ نے مسلمان پر اہل ذمہ کی شہادت جائز نہیں سمجھی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ذمی کی گواہی ذمی پر جائز قرار دیتے ہیں۔ زہری کہتے ہیں کہ طریق سنت یہی ہے کہ کافر کی شہادت نہ سفر میں جائز ہے نہ حضر میں۔ شہادت کا حق صرف مسلمان ہی کو ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت اُتری جبکہ ایک آدمی مر گیا اور اس

وقت وہاں کوئی مسلمان نہ تھا۔ شروع اسلام کا زمانہ تھا۔ سب شہر دار الحرب تھے۔ لوگ کافر تھے وراثت کا کوئی قانون نہ تھا۔ بلکہ بطور وصیت تقسیم ہوتی تھی۔ پھر وصیت منسوخ ہوگی اور وراثت فرض ہوگئی اور لوگ قانون وراثت پر عمل کرنے لگے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ یہ چیز ذرا غور طلب ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ: ﴿اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ سے کیا مراد ہے کہ دونوں وصی ہوں یا گواہ ہوں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے سفر کیا ہو' اس کے ساتھ مال ہو تو اگر مسلمانوں میں سے دو آدمی پائے تو اپنا ترکہ ان کے سپرد کردے اور دو مسلمان گواہوں کو اس پر گواہ بنالے۔ یہ تو وصی بنانے کی صورت تھی اور اگر ﴿مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں گواہ ہوں اور ظاہر سیاق آیۃ کریمہ یہی ہے۔ پس اگر ان دونوں کے ساتھ وصی موجود نہ ہو تو ان دونوں گواہوں میں وصی ہونے اور گواہ ہونے کی صلاحیت موجود ہونی چاہئے جیسا کہ قصہ تمیم داری اور عدی بن بدا میں مذکور ہے۔ جس کا ذکر انشاء اللہ آئے گا۔ ابن جریر نے ایک اشکال پیش کیا ہے کہ جب یہ دونوں گواہ ہوں تو گواہ پر تو قسم نہیں ہوا کرتی لیکن یہ ایک مستقل حکم سمجھا جائے گا۔ دیگر تمام احکام کا قیاس اس پر نہ ہوگا۔ یہ ایک خاص شہادت ہے اور خاص موقع کے لئے۔ اس میں اور بہت ساری باتیں ایسی ہیں جو دوسرے احکام میں نہیں۔ ہاں جب شک کا قرینہ ہو تو اس آیت کے احکام کے مطابق ان گواہوں پر قسم ہے۔ ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔ یعنی نماز عصر کے بعد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان دونوں گواہوں کو نماز جماعت کے بعد۔ مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں گواہ نماز کے بعد جمع ہوں تا کہ اجتماع کثیر کے موقع پر یہ گواہی عمل میں آئے ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ یعنی اگر تمہیں شک ہو کہ وہ غلط بیان کریں گے یا خیانت کریں گے' تو ایسی صورت میں انہیں قسم بھی کھلادیں کہ دنیائے فانی کی تھوڑی سی کمائی ہم جھوٹی قسم کے ذریعے نہیں کمائیں گے۔ اگرچہ ہماری قسم سے کسی رشتہ دار کو نقصان ہی کیوں پہنچے۔ ہم خدا کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے۔ امر شہادت کی اہمیت کے سبب شہادت کی اضافت اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ اگر ہم نے شہادت میں تحریف و تبدیلی کردی یا اس کو قطعاً چھپا ڈالا تو ہم گنہگار ہوں گے۔ پھر اگر دونوں گواہوں یا وصیوں کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ انہوں نے خیانت کی اور متوفی کا مال کچھ غبن کیا۔ تو جن کا حق مارا گیا ہے' ان میں سے دو گواہ ان کی بجائے اٹھ کھڑے ہوں۔

اَوْلَيٰنِ: یہ جمہور کی قراءت ہے اور حسن بصریؒ وغیرہ اس کو اَوَّلَانِ پڑھتے ہیں۔ جمہور کی قراءت میں اَوْلَيٰنِ کی بنا پر یہ معنی ہیں کہ جب خبر صحیح سے ان دونوں کی خیانت ثابت ہو جائے تو مستحقین ترکہ میں سے دو وارث کھڑے ہوں اور یہ دونوں ورثاء میں سے سب سے قریب تر ہوں اور خدا کی قسم کھا کر بیان کریں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ صحیح ہے۔ ان دونوں نے خیانت کی ہے اور اس الزام میں کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اگر ہم نے جھوٹ الزام لگایا ہو تو ہم گنہگار ہیں۔ اللہ ہمیں سمجھے۔ یہ وارثوں کی طرف سے گویا قسم ہے۔ جیسا کہ مقتول کے اولیاء قسم کھاتے ہیں' جب کہ قاتل کی جانب سے بے ایمانی ثابت ہو رہی ہو۔ جیسا کہ احکام کے باب قسامت میں مقرر ہے۔

اور حدیث نبوی بھی اسی طرح وارد ہوئی ہے۔ جس پر کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے تمیم داری رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے بعد اس آیت: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس گناہ سے دوسرے سب لوگ بری ہیں لیکن میں اور عدی بن بداء اس جرم کے مجرم ہیں یہ دونوں نصرانی تھے۔ اسلام سے پہلے شام کی طرف آتے جاتے تھے۔ چنانچہ تجارت کی غرض سے شام آئے ہوئے۔ ان کے پاس بنی سہم کا غلام بھی تجارت کے لئے آیا ہوا تھا۔ اس کا نام بدیل بن ابی مریم تھا۔ اس کے ساتھ تجارت کی غرض سے چاندی کا ایک پیالہ تھا۔ جو ملک شام کے لئے لایا تھا اور یہ اس کے مال تجارت میں سب سے اہم چیز تھی۔

بیمار ہو گیا تو ان دونوں کو وصی بنایا اور کہا کہ اس کا ترکہ اس کے اہل وعیال کو پہنچایا جائے۔ تمیم داری کہتے ہیں کہ جب وہ مر گیا تو یہ جام ہم نے لے کر ایک ہزار درم میں بیچ دیا اور آپس میں ہم نے رقم تقسیم کر لی اور باقی مال اس کے اہل کو لا کر دے دیا۔ ان لوگوں نے جام کے بارے میں پوچھا۔ ہم نے کہا جو کچھ تھا' ہم نے لا کر دے دیا۔ جام کی ہم خبر نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب میں مسلمان ہو گیا تو میں ان لوگوں کے پاس آیا اور صحیح واقعہ کہہ سنایا اور انہیں پانچ سو درہم اپنے حصہ کے دے دیئے اور کہا اتنی ہی رقم میرے ساتھی کے پاس بھی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اس کے پاس پہنچے۔ تو نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اس سے اس کے مذہب کی بنا پر قسم لیں۔ اس نے قسم کھا لی۔ چنانچہ یہ آیت اُتری۔ اب عمرو بن العاص اور ایک دوسرے شخص اٹھے اور قسم کھائی: ﴿لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا﴾ چنانچہ عدی سے پانچ سو درہم لے لئے گئے اور یہ جام مکہ میں پایا گیا۔ خریداروں نے کہا کہ ہم نے اس کو تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے۔ تو سہمی کے اولیا میں سے دو آدمی اٹھے اور قسم کھائی کہ ہماری قسم اس کی قسم سے سچی ہے اور یہ جام ہمارے ساتھی کا ہے۔ انہیں کے بارے میں یہ آیت اُتری تھی اور بیان کیا گیا کہ یہ حلف بعد صلوٰۃ عصر لیا گیا تھا۔ یہ چیز دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ سلف میں اس واقعہ کی صحت اور عوام میں مشہور ہے۔ اس کے صحیح ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ ابو جعفر بن جریر نے روایت کی ہے کہ ایک مسلمان کی وفات مسافرت میں ہوگئی اور وصی بنانے کے لئے وہاں کوئی مسلمان نہ تھا تو مرنے والے نے اہل کتاب میں سے دو افراد کو گواہ بنا لیا۔ اب یہ دونوں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ آئے اور مرنے والے کا ترکہ اور وصیت پیش کی تو اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا ہی ایک واقعہ نبی ﷺ کے پاس پیش ہوا تھا اور اب یہ دوسرا ہے۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد ان دونوں کو قسم دی گئی کہ ہم نے نہ خیانت کی ہے نہ جھوٹ کہا نہ کچھ چھپایا اور یہ متوفی کے ترکہ اور وصیت کے مطابق ہے۔ چنانچہ ان کی شہادت صحیح مان لی گئی اور اسی شہادت پر اشعری نے فیصلہ کر دیا۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایسے ہی واقعہ سے مراد تمیم داری وعدی کا قصہ تھا۔

اور کہا گیا ہے کہ تمیم داری کا واقعہ قبول اسلام ۹ ھ کا ہے اور ظاہر ہے کہ اشعری والا واقعہ دوسرا واقعہ تھا۔ اس آیت میں حکم ہے کہ مرنے والا موت کے وقت وصی بنا دے اور دو مسلمان گواہ قرار دے کہ اس کو کیا لینا اور کیا دینا ہے یہ تو حالت حضر کا مسئلہ تھا۔ جو اس آیت کی بنا پر تھا کہ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ اور سفر کے بارے میں ہے کہ: ﴿اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ﴾ جب کہ کوئی مسلمان بوقت مرگ موجود نہ ہو۔ تو یہود ونصاریٰ یا مجوسی سے دو آدمی لے لیں اور انہیں وصیت کر کے میراث ان کے سپرد کر دیں۔ اب اگر اہل میت نے وصیت کو صحیح مان لیا تو ٹھیک' ورنہ مقتدر اعلیٰ کے پاس مقدمہ پیش ہوگا۔ اب اللہ کا حکم ہے کہ: ﴿تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ یعنی تمہیں ان کی صداقت پر اگر شک ہو تو نماز کے بعد انہیں اللہ کی قسم دلاؤ۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اہل میت نے انکار کیا تھا اور ان دونوں گواہوں کو ڈرایا دھمکایا۔ تو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو نماز عصر کے بعد قسم دلائی۔ میں نے کہا کہ ہماری نماز کی ان کے نزدیک کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ انہیں تو ان کی نماز کے بعد قسم دلائی جائے۔ چنانچہ اپنے مذہب کی رو سے نماز پڑھنے کے بعد انہوں نے قسمیں کھائیں کہ ہم تھوڑے سے مال کے لئے اپنی قسموں کو نہیں بیچیں گے۔ اگرچہ کسی رشتہ دار کی خاطر ہی کیوں نہ ہو۔ ہم خدا کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے۔ ورنہ ہم گنہگار ہیں۔ تمہارے ساتھی نے بس یہی وصیت کی تھی اور یہی اس کا ترکہ تھا۔ قسم کھانے سے پہلے امام نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے چھپایا یا خیانت کی تو اپنی قوم میں تم رسوا ہو جاؤ گے اور پھر کبھی تمہاری شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور تمہیں سزا بھی دی جائے گی تو: ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ﴾ یعنی یہی ایک صورت ایسی ہے کہ گواہ

اپنی گواہی کو مطابق واقعہ رکھ سکتے ہیں اور انہیں خوف رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان مسلمانوں کی دوبارہ قسموں کے بعد ہماری پہلی قسمیں رد کر دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا﴾ یعنی معلوم ہو جائے کہ انہوں نے ناجائز طور پر حق دبا لیا ہے تو ان کے قائم مقام اور دو شخص کھڑے ہوں، جن کا حق مارا گیا ہے کہ کافروں کی شہادت باطل ہے اور ہم زیادتی نہیں کر رہے ہیں۔ اب کافروں کی شہادت ادا کر دی جائے گی اور اولیاء کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ اس آیت کی شہادت کا مقتضی یہی حکم ہے اکثر ائمہ تابعین اور سلف رضوان اللہ علیہم اور امام احمد وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور قولہ تعالیٰ: ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ﴾ یعنی اس حکم کی شریعت اسی وجہ پسندیدہ کی بنا پر ہے کہ ذمی شاہدین کو قسم دلائی جائے: ﴿اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ کیا عجب ہے کہ وہ لوگ حلف باللہ کی تعظیم کے لئے اور رسوائی کے خوف سے کہ ورثاء اگر اپنی قسموں کو ہماری قسموں کو رد کر دیں گے تو پھر ہمیں سزا ملے گی، سچ بولیں، پھر فرمایا کہ سچ بولو اور خدا سے ڈرو۔ اس کی بات سنو۔ اس کی اطاعت کرو۔ ورنہ نافرمانوں اور فاسقوں کو تو اللہ توفیق ہی نہیں دیتا، اور ہدایت کرتا ہی نہیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو (مع ان کی امتوں کے) جمع کریں گے۔ پھر ارشاد فرمائیں گے کہ تم کو (ان امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا وہ عرض کریں گے کہ (ظاہری جواب تو ہم کو معلوم ہے لیکن ان کے دل کی) ہم کو کچھ خبر نہیں۔ (اس کو آپ ہی جانتے ہیں کیونکہ) آپ بے شک پوشیدہ باتوں کو پورے جاننے والے ہیں۔ ○

شہادتِ پیغمبراں علیہم السلام ☆

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے روز پیغمبروں سے اللہ تعالیٰ کس طرح خطاب فرمائے گا کہ جن قوموں کی طرف تم کو بھیجا گیا، انہوں نے دعوت تبلیغ کو قبول بھی کیا یا نہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ: ﴿فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (الاعراف: ۶) کہ ہم ان قوموں سے پوچھیں گے اور ان کے پیغمبروں سے پوچھیں گے پھر ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الحجر: ۹۲) تمہارے خدا کی قسم کہ ہم ان سب سے پوچھیں گے کہ دنیا میں تمہارا عمل کیا تھا۔ رسولوں کا قول ہوگا کہ ﴿لَا عِلْمَ لَنَا﴾ ہمیں تو کچھ خبر نہیں۔ یہ اس دن کی دہشت پر ہوگا کہ خوف کے مارے انہیں کچھ جواب نہ بن پڑے گا اور کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں۔ اس روز ٹھکانے نہیں رہیں گے اور پھر جب کچھ اطمینان کی سانس لیں گے تو پھر اپنی قوم کے بارے میں حسب واقعہ شہادت دیں گے۔ لیکن پہلی دفعہ تو یہی ان کا قول ہوگا کہ اے خدا ہمیں کیا خبر تو عالم الغیب ہے۔ تیرے مقابلہ میں ہم کیا جان سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بلحاظ حسن ادب یہ بہت اچھا جواب ہے کہ تیرے علم محیط کی بہ نسبت ہمارے علم کی کیا حقیقت۔ ہمارے علم کی بنیاد محض ظاہر پر ہے اور تیرا علم تو چھپی ہوئی باتوں پر بھی ہے کیونکہ تو علام الغیوب ہے، تو جانتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے جواب دیا۔ اب اگر بربنائے منافقت کسی کا عمل یا اعتقاد رہا ہو تو ہمیں اس کا علم نہیں، تو ہی جانتا ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ

بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ فَتَنْفُخُ

فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ

الْمَوْتٰى بِإِذْنِيْ ۚ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى

الْحَوَارِيّٖنَ أَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم میرا انعام یاد کر جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے جب کہ میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔ تم آدمیوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتاب اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل تعلیم کیں اور جب کہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا' میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد کو اور برص کے بیمار کو میرے حکم سے اور جب کہ تم مردوں کو نکال کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے (یعنی تمہارے قتل واہلاک سے) باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ بجز کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہئے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں۔ ○

عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اور بعض تفصیلات ☆

یہاں اللہ تعالیٰ ان احسانات کا ذکر فرماتا ہے جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر وارد فرمائے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے ان احسانات کو یاد کرو جو معجزات' باہرات اور خوارق عادات ہم نے تمہیں دیئے اور تمہیں باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا کیا اور تمہاری ذات کو خود اپنے کمال قدرت کی ایک نشانی قرار دیا اور تمہاری ماں پر بھی یہ احسان کیا کہ تمہیں اس کی پاک دامنی کی دلیل بنایا اور جو فحش الزام یہ ظالم اور جاہل منسوب کرتے تھے۔ اس سے تمہاری ماں کو بچایا۔ تمہیں جبریل علیہ السلام کے ذریعے مدد دی۔ تمہیں بچپن اور شباب میں بھی نبی اور داعی الی اللہ بنایا کہ تم گہوارے میں بھی بولنے لگے اور ماں کی پاک دامنی کی گواہی دینے لگے اور اپنے عبد ہونے کا اعتراف کیا۔ بچپن اور شباب میں لوگوں کو تبلیغ کی۔ بڑی عمر میں بولنا تو کوئی عجیب نہیں لیکن گہوارے میں تمہارا بولنا کیسا عجیب تھا۔ تمہیں کتاب کی تعلیم کی اور توریت کو پڑھنا اور لکھنا سکھایا۔ جو موسیٰ کلیم اللہ پر اتاری گئی تھی۔ حدیث میں بھی تورات کا لفظ آیا ہے اور اس سے تورات اور ہر دوسری کتاب بھی۔ تم مٹی کے پرندے کی جیسی ایک شکل بناتے تھے اور ہمارے حکم سے اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ ایک زندہ پرند بن جاتی تھی اور خدا کے حکم سے اڑنے لگتی تھی۔ قولہ تعالیٰ: ﴿وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ﴾ سورہ آل عمران میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ اس لئے اعادہ کی

ضرورت نہیں۔

﴿وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ﴾ یعنی تم مردوں کو بلاتے تھے۔ تو وہ خدا کے حکم اور اس کی قدرت سے جیتے جاگتے قبروں سے نکل آتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام جب ارادہ کرتے کہ کسی میت کو زندہ کر دیں۔ تو دو رکعت نماز پڑھتے پہلی رکعت میں: ﴿تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ......﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿الٓمٓ تَنْزِيْلُ﴾ پڑھتے۔ پھر خدا کی حمد و ثنا کرتے۔ پھر یہ سات اسمائے باری پڑھتے۔ یا قدیمُ یَاخفِیُ' یا دائم' یَافَ' یاوتر 'یَا احد' یاصمد اور اگر کوئی سخت پریشانی لاحق ہو جاتی تو یہ سات نام لے کر دعا کرتے۔ یاحیُ' یاقیومُ یا اللّٰہُ' یا رحمٰنُ' یا رحیم یا ذا الجلال والاکرام' یا نور السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ يَا رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ' یا رَبِّ[1]۔ یہ زبردست اثر والے نام ہیں اور میری ان نعمتوں کو یاد کرو کہ جب تم بنی اسرائیل کے پاس دلائل نبوت لے کر پہنچے اور انہوں نے تمہیں جھٹلایا۔ تم پر الزام لگایا کہ تم ساحر ہو اور تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کی کوشش کی تو ہم نے تمہیں ان سے بچالیا۔ اپنی طرف تمہیں اُٹھالیا۔ ان کے شر سے تمہیں بچالیا۔ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ یہ احسان عیسیٰ علیہ السلام پر ان کے اٹھالئے جانے کے بعد کا ہے۔ یا یہ کہ قیامت کے روز واقع ہونے والا ہے۔ لیکن مستقبل کو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ خدا کے پاس مستقبل بھی ماضی ہی کی طرح یقینی واقع ہونے والی چیز ہے۔ یہ غیب کے اسرار ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو واقف کرایا ہے اور جب ہم نے حواریین کو وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب و انصار بن جاؤ۔ یہاں وحی سے مراد دل میں ایک بات ڈال دینا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ ہم نے امّ موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلاؤ۔ ایسے الہام کو بلا اختلاف وحی کہا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی تھی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اپنا گھر بناؤ اور لوگوں کے محلوں میں۔ اسی طرح حواریین کو بھی الہام کیا گیا تو وہ حکم بجالائے اور یہ بھی امکان ہے کہ مراد یہ ہو کہ ہم نے تمہارے واسطے سے ان پر وحی بھیجی اور انہیں ایمان باللہ کی طرف بلایا تو انہوں نے قبول کر لیا اور کہنے لگے: ﴿اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾ یعنی اے پیغمبر! گواہ رہو کہ ہم اسلام لائے۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ

[1] ہر دو باتیں کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں۔

اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

وہ وقت قابل یاد ہے جب کہ حواریین نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرما دیں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔ وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جاویں۔ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی اے اللہ اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اوّل ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے اور آپ ہم کو عطا فرمایئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں۔ پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔ ○

آسمانی دسترخوان ☆

یہاں مائدہ کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اسی لئے اس سورہ کا نام سورۂ مائدہ رکھا گیا ہے۔ اس میں بھی اللہ پاک نے اپنے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احسان کا اظہار کیا ہے۔ یعنی نزولِ مائدہ کی دعا قبول کی گئی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک زبردست معجزہ اور حجتِ قاطعہ ہے۔ بعض ائمہ نے بیان کیا ہے کہ یہ قصہ انجیل میں مذکور نہیں اور مسلمانوں کے سوا نصاریٰ اس سے واقف نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے انہیں مطلع کر دیا قول باری ہے کہ ''جب عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین نے کہا کہ اے عیسیٰؑ! کیا تمہارے رب سے یہ ہو سکتا ہے[1] کہ آسمان سے ایک بنا بنایا خوانِ نعمت نازل فرمائے؟'' یہاں اکثر قاریوں نے يَسْتَطِيْعُ پڑھا ہے۔ (یعنی کیا تمہارے ربّ سے یہ ممکن ہے؟) دوسرے قاری تَسْتَطِيْعُ پڑھتے ہیں۔ یعنی کیا تم سے یہ ممکن ہے کہ اپنے رب سے سوال کرو؟) مَائِدَہ پُر از طعام خوان کو کہتے ہیں۔ بعض کا بیان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے اپنی حاجت اور فقر کی وجہ سے یہ سوال کیا تھا کہ ہر روز ایک خوان اُترا کرے۔ جس کو ہم کھائیں اور عبادت کے لئے قوت حاصل کریں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم ایمان ہی رکھتے ہو تو خدا سے ڈرو اور ایسا سوال نہ کرو۔ طلب رزق میں اللہ پر بھروسہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی چیز تمہارے لئے فتنہ بن جائے۔ تو حواریوں نے کہا کہ ہم غذا کے محتاج ہو گئے ہیں۔ ہمیں کھانے کے لئے چاہئے اور جب ہم آسمان سے اُترا ہوا مائدہ دیکھیں گے تو ہم کو پورا اطمینان ہو جائے گا اور تم پر ایمان بڑھ جائے گا اور تمہارے رسول ہونے کا کامل یقین ہو جائے گا اور خود ہم اس کے گواہ بن جائیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک نشانی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور سچائی کی دلیل واضح ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ ''اے رب آسمان سے ہم پر ایک مائدہ اُتار۔ اس روز کی یاد میں ہمارے اگلے اور پچھلے لوگ عید منائیں گے۔''

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا سے مراد یہ ہے کہ ہم اس روز نمازیں پڑھیں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم سے بعد آنے والوں کے لئے یہ دن یوم یادگار بن جائے۔ سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ تاکہ ہم سب کے لئے ایک عبرت بن جائے اور رسالت کے لئے دلیل کافی ہو سکے اور اے خدا ہر بات پر تیری قدرت کی اور میری دعا کی قبولیت کی دلیل بن سکے

[1] یہ اندازِ طلب ہی حد درجہ غلط اور گستاخانہ ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت کے بھی قائل نہ تھے اور رب بھی گویا کہ وہ صرف عیسیٰ علیہ السلام ہی کے تھے۔ والعیاذ باللہ۔

تا کہ لوگ میری رسالت کی تصدیق کر سکیں۔ اپنی طرف سے بلا کلفت وتعب خوشگوار رزق بھیج، تو خیر الرازقین ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا ''اچھا میں خوان اتاروں گا لیکن اگر اس پر تمہاری قوم نے کفر کیا اور مخالفت کی تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ کسی نے ایسا عذاب نہ چکھا ہوگا'' [1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ اور ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ قیامت کے دن شدید ترین عذاب جن پر ہوگا۔ وہ یہ تین ہیں: (۱) منافق لوگ (۲) مائدہ اُترنے کے بعد بھی جنہوں نے کفر کیا اور (۳) فرعون کی امت۔

روایات جو حواریین کے مائدہ سے متعلق ہیں ☆ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ کیا تم تیس دن تک روزے رکھو گے؟ پھر خدائے تعالیٰ سے نزولِ مائدہ کا سوال کرو گے تا کہ وہ تمہاری درخواست قبول کرے کیونکہ اجر اسی کو ملتا ہے۔ جس نے خود بھی عمل کیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تیس دن روزے رکھے اور پھر کہا کہ اے خیر کی تعلیم دینے والے عیسیٰ علیہ السلام تم نے کہا تھا کہ عمل کرنے والوں کو اس کا اجر ضرور ملتا ہے۔ تم نے ہمیں تیس دن کے روزے رکھنے کے لئے کہا اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ تیس دن ہم کسی کی نوکری کرتے ہیں تو وہ ہم کو روزی یا تنخواہ دیتا ہے۔ تو اب کیا تمہارا خدا ہم پر مائدہ اتارے گا؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم مومن ہو تو خدا سے ڈرو۔ حواریوں نے جواب دیا ہم تو اپنے دل کا اطمینان چاہتے ہیں اور خود بھی یقین کر کے دوسروں کے سامنے بھی گواہ بننا چاہتے ہیں۔ غرض یہ کہ آسمان سے مائدہ اُترا، جس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں اور ان کے سامنے آ کر رُک گیا۔ جسے شروع سے لے کر آخر تک تمام لوگوں نے کھایا۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مائدہ میں روٹی اور گوشت تھا اور حکم تھا کہ اس میں خیانت نہ کریں اور کل کے لئے اٹھا نہ رکھیں لیکن لوگوں نے خیانت کی اور اپنے لئے جمع کر رکھا۔ ایسے لوگوں کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ بندر اور سور بنا دیئے گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں جنت کے میوے تھے۔ کہتے ہیں کہ عمار بن یاسرؓ نے نماز پڑھنے کے بعد اپنے قریب میں کھڑے ہونے والے بنی عجل کے ایک آدمی سے کہا، جانتے ہو کہ بنی اسرائیل کا مائدہ کیسا تھا؟ لوگ اس میں کھاتے جاتے تھے اور وہ ختم نہیں ہوتا تھا اور کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم اس میں خیانت نہ کرو گے اور کل کے لئے ذخیرہ کرنا نہ چاہو گے تو یہ تمہارے لئے پائدار رہے گا اور اگر تم نے ذخیرہ کیا تو ایسا عذاب دیا جائے گا کہ کسی کو نہ دیا گیا ہوگا۔ لیکن پہلے ہی انہوں نے اس میں چھپا رکھا اور خیانت کی اور اے اہل عرب! تم بھی اونٹوں اور بکریوں کی دُمیں مروڑتے تھے، یعنی نہایت ذلیل حالت میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیا۔ تم اس کا حسب نسب جانتے ہو۔ اس نے تمہیں اطلاع دے دی کہ تم عجم پر بھی غالب آنے والے ہو اور بڑے مالدار بننے والے ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تمہیں منع کر دیا ہے کہ سونے چاندی کا ذخیرہ نہ کرو۔ خدا کی قسم کوئی دن نہیں جاتا کہ تم اپنا یہ خزانہ بڑھاتے نہ رہتے ہو۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا تعالیٰ کہیں تمہیں بھی عذاب الیم میں مبتلا نہ کر دے۔ اسحٰق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مائدہ میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں۔ لوگوں نے کھایا اور کل کے لئے بھی اٹھا رکھا۔ چنانچہ مائدہ کا آنا بند ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس میں ہر قسم کا ذائقہ تھا اور جنت کے میوے تھے۔ ہر دن اتر تا رہا اسے چار ہزار آدمی بیٹھ کر کھاتے تھے اور جب کھا چکتے تو اور اتنا ہی موجود ہوتا۔ جو کی روٹیاں ہوتیں، سب لوگوں کے کھا لینے کے بعد بھی بچ رہتا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بکرے کے گوشت کے سوا ہر چیز ہوتی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ چاول کی روٹیاں ہوتی تھیں۔

[1] سنت الٰہی یہ ہے کہ جب سوال کے مطابق معجزہ ظاہر کر دیا جاتا ہے اور اس طرح اتمام حجت ہو چکی ہوتی ہے تو پھر بھی ایمان نہ لانے پر شدید ترین عذاب ہوتا ہے۔

حضرت وہب اور سلمان الخیر فرماتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کا سوال کیا گیا تو انہیں برا معلوم ہوا اور کہا کہ زمین سے تمہیں جو رزق دیا گیا ہے اسی پر قناعت کرو اور آسمان سے رزق نازل ہونے کا سوال نہ کرو کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا ایک معجزہ ہوگا اور ثمود نے جس طرح اپنے نبی سے سوال کیا تھا لیکن سوال پورا ہونے کے باوجود کفر کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے۔ کہیں تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی نہ ہو لیکن وہ اصرار کرتے رہے اور جب عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ خدا سے دعا کئے بغیر چارہ نہیں تو اپنا جبہ اتار دیا اور کالے بالوں کو کترا اور جبہ پہن کر کمبل اوڑھ لیا۔ وضو اور غسل کر کے صومعہ گئے۔ دیر تک نماز پڑھتے۔ پھر قبلہ رخ کھڑے ہو گئے۔ اپنے قدم جوڑ لئے۔ ٹخنہ سے ٹخنہ ملالیا' انگلیاں سیدھی رکھ لیں' سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ لیا۔ سر جھکا لیا اور نظریں نیچی کر لیں۔ رخساروں پر سے آنسو بہتے ہوئے داڑھی پر سے ہوتے ہوئے زمین پر گر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے۔ اب ایک سرخ خوان دو بادلوں کے درمیان آسمان سے اُترنا شروع ہوا۔ لوگ اسے اُوپر سے گرتا ہوا دیکھ رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے خوف سے رو رہے تھے کیونکہ باری تعالیٰ نے ایمان لانے کی شرط کے ساتھ نزول مائدہ کیا تھا کہ اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائیں گے تو سخت ترین عذاب اُٹھائیں گے۔ وہ خدا سے دعا مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے' اے خدا! تو اس کو رحمت بنا اور عذاب نہ بنا۔ کتنی عجیب باتیں جو میں نے تجھ سے مانگی تھیں وہ تو نے مجھے عطا کیں۔ اے خدا ہمیں شاکر بنا۔ اے خدا! اس مائدے کے سبب غضب بننے سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ اس کو سلامت و عافیت بنا اور فتنہ نہ بنا۔ وہ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ خوان ان کے حواریوں کے سامنے آ کر رک گیا۔ اس میں ایسی خوشبو تھی کہ ایسی خوشبو کبھی سونگھنے میں نہ آئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حوارین سجدہ شکر میں گر پڑے کیونکہ ایسی عظیم نشانی اور عبرت ناک چیز انہوں نے دیکھی' جس کی انہیں اُمید نہیں تھی۔ یہود اس امرِ عظیم کو دیکھ رہے تھے اور ان کے دل رنج و غم سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر وہ آپ ہی آپ بَل کھاتے ہوئے چل دیئے۔ اب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی خوان کے پاس آئے۔ خوان پر رومال ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اس پر سے رومال کون ہٹائے گا؟ ہم میں سے جو اپنے نفس پر سب سے زیادہ مطمئن ہے اور امتحانِ خداوندی میں سب سے زیادہ نڈر ہے وہ رومال ہٹائے تاکہ ہم خدا کے رزق کو دیکھیں اور اس کا نام لے کر کھانے لگیں۔ حواریوں نے کہا یا روح اللہ! آپ سے بڑھ کر اس کا حقدار کون ہے؟

یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُٹھے تازہ وضو کیا۔ مسجد آئے' نماز پڑھی' کچھ دیر تک روتے رہے اور خدا سے دعا کی کہ مائدے کو کھولنے کی اجازت دے اور اس میں قوم کے لئے برکت و رزق عطا فرما۔ اب خوان کے پاس جا کر رومال ہٹا دیا۔ دیکھا کہ اس میں ایک بڑی تلی ہوئی مچھلی رکھی ہے۔ جس کے پوست پر نہ فلوس ہیں اور نہ گوشت میں کوئی کانٹا ہے۔ روغن اس میں سے بہہ رہا ہے۔ اس میں سے ہر قسم کی سبزیاں بھی ہیں' سوائے مولی کے۔ اس کے سر کی طرف سرکہ ہے اور دم کی طرف نمک ہے۔ سبزیوں کے اطراف پانچ روٹیاں ہیں جن میں سے ایک پر روغن زیتون ہے اور دوسری پر کھجوریں ہیں اور پانچ انار ہیں۔ حواریوں کے سردار شمعون نے کہا کہ یا روح اللہ! یہ ہماری دنیا کا طعام ہے یا جنت کا؟ تو عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ جو کچھ عجائبات دیکھ رہے ہو اس سے عبرت لو اور ان سوالات سے باز آؤ۔ مجھے تو ڈر ہے کہ یہی نشانی کہیں تمہارے لئے عذاب کا سبب نہ بن جائے۔ شمعون نے کہا نہیں' خدائے اسرائیل کی قسم! اے سچی ماں کے بیٹے! میرا مقصد اس سے کوئی سوال کرنا نہیں تھا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ نہ یہ طعامِ دنیا ہے نہ طعامِ جنت۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمان ہی میں پیدا کر لیا ہے۔ وہ صرف کُن فرما دیتا ہے اور طرفۃ العین میں وہ چیز مخلوق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ اور شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ اور زیادہ عطا فرمائے گا کیونکہ وہ بدیع ہے' قادر ہے

نے کہا اے روح اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ اس معجزے کے اندر اور ایک معجزہ ہمیں دکھائی دے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا سبحان اللہ کیا یہ نشانی جو تم نے دیکھی ہے کافی نہیں کہ اسی میں پھر دوسری نشانی کا سوال کرتے ہو۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے مچھلی سے مخاطب ہو کر فرمایا "اے مچھلی! خدا کے حکم سے زندہ ہو جا۔" چنانچہ وہ بھونی ہوئی مچھلی خدا کے حکم سے زندہ ہو گئی اور تروتازہ ہو کر تڑپنے لگی۔ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی' اس کی آنکھیں گھومنے اور چمکنے لگیں۔ اس کے جسم پر کھپل بھی نمودار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لوگ ڈر گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ تم تو ایک اور نشانی مانگ رہے تھے اور تجھے دکھائی گئی تو ڈرنے لگے۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو' یہ تمہارے لئے عذاب اور فتنے کا سبب ہو گا۔ اب حضرت نے فرمایا کہ اے مچھلی خدا کے حکم سے جیسی تھی ویسی ہی ہو جا۔ چنانچہ وہ پہلے کی طرح بھونی ہوئی بن گئی۔ لوگوں نے کہا اے عیسیٰ تم پہلے کھاؤ۔ پھر ہم کھائیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا' معاذ اللہ جس نے مطالبہ کیا تھا' اس کو پہلے کھانا چاہئے۔ جب حواریوں نے دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں کھا رہے ہیں تو ڈر گئے کہ نزولِ مائدہ ناخوشی کا سبب ہے اور اس کے کھانے میں اندیشہ ہے اور رک گئے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقیروں' غریبوں اور مریضوں کو بلایا اور کہا کھاؤ' یہ اللہ کی طرف کا رزق ہے اور تمہارے نبی علیہ السلام کی طرف سے دعوت ہے[1]۔ چنانچہ وہ سب اللہ کا نام لے کر کھانے لگے۔ چنانچہ تیرہ سو مرد اور عورتوں نے کھایا اور سب پیٹ بھر کر اُٹھے اور پھر یہ مائدہ آسمان کی طرف چلا گیا اور لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ہر فقیر کھا کر غنی بن گیا اور مریض تندرست بن گیا۔ پھر یہ ہمیشہ غنی اور تندرست رہے اور جن حواریوں نے کھانے سے انکار کر دیا تھا وہ سخت نادم رہے اور مرتے دم تک کھانے کی حسرت اُن کے دلوں میں باقی رہی اور جب یہ مائدہ اُترا ہے تو ہر طرف سے سارے بنی اسرائیل ٹوٹ پڑے۔ غنی' فقیر' چھوٹے بڑے' مریض و تندرست کھانے کے لئے ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب کی باری مقرر فرما دی۔ ایک دن آ کر جو کھاتے وہ دوسرے دن نہ آتے۔ درمیان میں ایک دن چھوڑ کر آتے۔ اس طرح چالیس دن گزر گئے۔ دن بھر کھانے کا سلسلہ جاری رہتا۔ پھر مائدہ اللہ کے حکم سے آسمان کی طرف چڑھ جاتا۔ حتیٰ کہ لوگ اس کا سایہ زمین پر دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ مائدہ میں میرا رزق فقراء اور یتامیٰ اور مریضوں کے لئے ہے' تونگروں کے لئے نہیں۔ مالداروں کو یہ بات بری لگی۔ باتیں بنانے لگے خود بھی شک میں پڑ گئے اور لوگوں کو بھی شک میں ڈالنے لگے اور غلط باتیں پھیلانے لگے۔ شیطان نے ان پر قبضہ کر لیا اور اچھے لوگوں کے دلوں میں بھی وسوسے ڈالے۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام سچ بتاؤ کہ کیا نزولِ مائدہ آسمان سے حق بات ہے کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ شک میں ہیں؟ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرے خدا کی قسم تم ہلاک ہو گئے۔ تم نے نبی علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ خدا سے مائدہ کی دعا کرے اور جب اس نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی رحمت اور اپنا رزق اُتارا اور اپنی نشانی اور عبرتیں بتائیں تو لگے تم انکار کرنے اور شک کرنے۔ اب عذاب کی خوشخبری سن لو۔ وہ تمہیں آ دبوچنے والا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ خدا ہی خود رحم فرما دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں ان تکذیب کرنے والوں کو نہیں چھوڑوں گا جو نزولِ مائدہ کے بعد کفر کرے۔ اس کے متعلق شرط ہی یہ تھی کہ اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ اب تک نہ دیا گیا ہو۔ یہ شک کرنے والے جب اپنے بستروں پر سو گئے تو سوتے وقت اپنی اچھی خاصی شکل و صورت میں تھے لیکن آخر شب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خنازیر بنا دیا اور یہ گھوروں پر کچرے اور گندگیوں میں پھرنے لگے۔ یہ ساری روایت بہت عجیب و غریب ہے۔ ابو حاتم نے اس کو جگہ جگہ

[1] اس لئے کہ غرباء اور فقراء نے خدا سے عناداً اس کا سوال نہیں کیا تھا اور نصاریٰ نے مخالفت و عناد کی راہ سے سوال کیا تھا۔ اس لئے پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں ... کا باعث ہو گا۔

سے الگ الگ ٹکڑے کر کے بیان کیا ہے۔ میں نے ان کو سیاق و ترتیب قائم رہنے کے لئے بطور واقعہ مسلسل جوڑ لیا ہے۔ یہ روایت تو دلالت کرتی ہے کہ مائدہ اُترا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا پر بنی اسرائیل کو ملا تھا۔ ظاہر عبارتِ قرآن سے بھی یہ اخذ ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے: ﴿إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ فرمایا ہے۔ لیکن کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ مائدہ اُترا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو صرف مثال کے طور پر فرمایا ہے اور یہ کہ جب انہیں عذاب کا ڈر بتایا گیا تو مطالبہ مائدہ سے دست بردار ہو گئے اور کہا نہیں ہمیں مائدہ نہیں چاہئے۔ مجاہد اور حسن تک اس کی اسانید بہت صحیح ہیں اور سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ نصاریٰ اس مائدہ سے واقف نہیں ہیں اور ان کی کتاب انجیل میں مائدہ کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ اگر مائدہ اُترا ہی ہوتا تو انجیل میں جگہ جگہ اس کا ذکر آتا اور ایک بار نہیں متواتر انجیل میں مذکور ہوتا لیکن جمہور کا یہی خیال ہے کہ مائدہ اُترا تھا۔

ابن جریر نے اسی خیال کو اختیار کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ فرمایا ہے۔ اس کا وعدہ اور وعید حق ہے اور یہی بات صواب بھی معلوم ہوتی ہے۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر نائب بنی اُمیہ نے فتوح بلادِ مغرب کے وقت وہاں مائدہ پایا جس میں موتی جڑے ہوئے تھے اور قسم قسم کے جواہر کندہ تھے۔ تو امیر المومنین ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ مائدہ راستے ہی میں تھا کہ وہ مر گیا۔ اب وہ اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کے پاس بھیجا گیا' جو اس کے بعد خلیفہ بنا۔ لوگوں نے اس کے یاقوت اور جواہر وغیرہ دیکھ کر بہت تعجب کیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ مائدہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ صفا کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونا بنا دو تو ہم تم پر ایمان لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ایمان لاؤ گے؟ کہا ہاں۔ اتنے میں جبریل آئے اور کہا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر تم چاہو تو صبح تک کوہِ صفا سونا ہو جائے لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائیں گے تو بدترین عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر تم یہ چاہو کہ میں ان کی توبہ قبول کرلوں اور ان پر رحمت کروں تو ایسا سہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے پروردگار تیری توبہ اور رحمت چاہئے۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماویں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو

اور میری ماں کو بھی علاوہ خدا کے معبود قرار دے لو۔ (تو عیسیٰ) عرض کریں گے کہ (توبہ توبہ) میں تو آپ کو (شریک سے) منزہ سمجھتا ہوں۔ مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو حق نہ تھا۔ اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو اس کا علم ہوگا۔ آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہیں۔ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب ہے۔ میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اُٹھا لیا تو آپ ان پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ ○

محاسبہ ایک سوال اور اُس کا جواب ☆

اللہ پاک عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے روز ان لوگوں کی موجودگی میں خطاب فرما رہا ہے۔ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی ماں کو خدا بنا رکھا تھا۔ یہ نصاریٰ کو تہدید و توبیخ ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ: ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾ (المائدہ: ۱۱۹) یعنی وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کی سچائی کا صلہ ملے گا۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ خطاب اور جواب دنیا ہی میں ہے۔ ابن جریر اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ اس واقعہ سے متعلق ہیں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے تھے اور ابن جریر نے اس پر دو طرح سے استدلال کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ کلام لفظ ماضی یعنی قَالَ کے ساتھ ہے۔ دوسرے یہ کہ قولہ تعالیٰ: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ﴾ یعنی کلام شرطیہ ہے اور بات دنیا ہی میں ہوئی ہوگی۔ جب تو عذاب یا مغفرت کی شرط آخرت کے لئے اُٹھا رکھی گئی لیکن یہ دونوں دلیلیں غور طلب ہیں۔ اس لئے کہ لفظ ماضی ہو تو کیا ہوا قیامت کے اکثر امور لفظ ماضی ہی سے بیان کئے گئے ہیں تاکہ وقوع اور ثبوت پر دلیل کافی بن سکے۔ رہا: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ﴾ کا شرطیہ کلام' سو اس سے تو عیسیٰ علیہ السلام کا ان گنہگاروں سے بیزاری ظاہر کرنا اور خدا کی مرضی کا ان میں نافذ ہونا ظاہر کیا گیا ہے اور شرط پر کسی چیز کا متعلق ہونا وقوع کے لئے مقتضی نہیں ہو سکتا۔ آیات قرآنی میں سے اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو بیان ہے وہ زیادہ صاف ہے کہ قیامت کے دن کا مکالمہ ہے تاکہ قیامت کے دن سب کے سامنے نصاریٰ کا پول کھل جائے اور تہدید و توبیخ ہو سکے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن انبیاء اور ان کی اُمتیں بلائی جائیں گی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام طلب کئے جائیں گے۔ ان پر اظہار احسان فرمایا جائے گا۔ وہ اقرار فرمائیں گے۔ پھر اللہ پاک ان سے سوال بالا فرمائے گا۔ تو وہ انکار کریں گے کہ میں نے امت سے اپنی پرستش کے لئے نہیں کہا تھا۔ اب نصاریٰ بلائے جائیں گے۔ ان سے پرستش ہوگی۔ وہ کہیں گے کہ ہاں عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں ایسا حکم دیا تھا۔ یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام کے سر اور جسم کے بال کھڑے ہو جائیں گے۔ فرشتے ان بالوں کو تھام لیں گے اور یہ نصاریٰ اللہ کے سامنے ایک ہزار سال تک پاؤں جوڑے بیٹھے رہیں گے۔ حتیٰ کہ ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور اصلیت ان کے سامنے آ جائے گی' جو اس بات کا ثبوت ہوگی کہ حق گوئی کی سزا میں ان کو صلیب سے ڈرایا گیا ہے۔ پھر یہ لوگ دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے۔ وقولہ تعالیٰ: ﴿سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ﴾ اس جواب میں حسن ادب کی کس قدر توفیق عنایت ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کے دل میں کیسی اچھی دلیل القا کی گئی ہے کہ اے خدا جس بات کا مجھے کوئی حق نہیں' آخر میں ایسی بات کیسے کہتا۔ فرض کیجئے کہ اگر میں نے ایسا کہا بھی ہوگا' تو ضرور تو جانتا ہوگا کیونکہ تجھ پر تو کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن میں تیرے ارادے کو نہیں جان سکتا۔ جو کچھ تو نے مجھے حکم دیا تھا میں نے اس سے ایک حرف زیادہ نہیں کہا۔ میں نے تو یہی کہا تھا کہ تم اللہ کی عبادت

کرو۔ جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔ میں جب تک ان میں رہا ان کے اعمال کا نگران رہا اور جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو اب تو ان کا نگران کار ہو گیا اور تو تو ہر بات کا نگران ہے۔

قیامت کے دن انسان کے احوال ☆ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! قیامت کے روز تم ننگے اور غیر مختون اُٹھائے جاؤ گے جیسا کہ پیدائش کے وقت تھے۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ اب میری امت کے چند لوگ لائے جائیں گے جنہیں دوزخ کی نشانی کے طور پر بائیں طرف رکھا جائے گا۔ تو میں کہوں گا کہ یہ تو میری امت ہے تو کہا جائے گا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد تمہاری سنت کو چھوڑ کر کیا بدعتیں ان لوگوں نے جاری کیں۔ تو میں ایک بندۂ صالح کی طرح یہی کہوں گا جو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔ کہا جائے گا کہ تمہارے بعد یہ لوگ مرتد اور بدعتی ہو گئے تھے۔ قولہ تعالیٰ: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ اِلَى اٰخِرِه﴾ یہ کلام نصاریٰ سے بیزاری پر بھی مشتمل ہے۔ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا شریک اور بیٹا اور مریم علیہا السلام کو بیوی قرار دے دیا تھا۔ نعوذ باللہ تعالیٰ۔ اس آیت کی بڑی شان ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک اسی آیت کو نماز پڑھتے رہے۔

رحمت و مغفرت ☆ ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات اسی آیت کو پڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ رکوع اور سجدے میں بھی یہی آیت پڑھی۔ صبح کو جب اس کی وجہ میں نے پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں رب عزوجل سے شفاعت اُمت کے لئے سوال کرتا رہا۔ چنانچہ شرک کے سوا سب کو بخشنے کا اس نے وعدہ فرمایا۔ جرہ بنت دجاجہ سے روایت ہے کہ ابوذر کہہ رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز پڑھائی' تو اس کے بعد لوگ اپنی الگ الگ نمازیں پڑھنے لگے۔ اب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مسکن پر جا بیٹھے اور جب دیکھا کہ لوگ اپنے گھر چلے گئے ہیں۔ تو پھر مصلی پر آ کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ اب میں بھی آ گیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داھنی طرف ہو جانے کا اشارہ کیا' میں داھنی طرف ہو گیا۔ پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہما آئے تو ہمارے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ تو انہیں بائیں طرف ہو جانے کا اشارہ کیا۔ اب ہم تینوں اپنی الگ الگ نمازیں پڑھنے لگے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک ہی آیت جو شروع کی تو اسی کو پڑھتے پڑھتے صبح کر دی۔ میں نے اب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے کہا کہ رات بھر ایک ہی آیت پڑھنے کا سبب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں۔ انہوں نے کہا' نہیں۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم از خود بیان نہ کریں' تو میں نہیں پوچھوں گا۔ اب میں نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ سارا قرآن آپ کے سینے میں ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی صرف ایک ہی آیت پڑھ رہے تھے۔ اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو ہم پر اعتراض کر بیٹھتے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خدا سے امت کے لئے دعا کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ پھر خدا سے کیا جواب ملا' تو فرمایا کہ جس بات کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے' اگر اس کو تم لوگ سن پاؤ تو اکثر تو نماز پڑھنا ہی چھوڑ دو گے اور خدا کی رحمت کا بہانہ لے لو گے۔ میں نے کہا کہ لوگوں کو کیا اس کی خوشخبری نہ پہنچا دوں؟ فرمایا ہاں پہنچا دو۔ میں کچھ دور ہی چلا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر لوگوں کو یہ بات پہنچا دی جائے گی تو عبادت ہی چھوڑ بیٹھیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے واپس بلا لیا اور وہ آیت یہ تھی: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ یہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کا قول ہے' جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اُمَّتِىْ (اے میرے رب! میری اُمت) اور زار و قطار رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ جبریل علیہ السلام نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جواب دینا تھا' جبریل علیہ السلام کو دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر کہو کہ ہم تمہاری اُمت کے بارے میں تمہیں راضی کریں گے اور دل نہ دُکھائیں گے۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ایک دن دیر سے تشریف لائے اور پھر سجدے میں گئے اور اتنی دیر کی کہ گویا روح ہی پرواز کر

گئی ہو[1]۔ پھر آپ نے جب سر اُٹھایا تو فرمایا کہ میرے رب نے امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا تھا کہ انکے ساتھ کیا کیا جائے[2]؟ میں نے کہا اے رب! یہ تو تیرے ہی بندے اور تیری ہی مخلوق ہیں۔ دوسری بار پوچھا' پھر بھی میں نے یہی کہا تو اللہ نے فرمایا کہ اے محمد اُمت کے بارے میں تم کو رسوانہ کروں گا اور مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ ستر ہزار اُمتی جائیں گے اور ہر ایک ایسے اُمتی کے ساتھ اور ستر ہزار اُمتی ہونگے کہ سب بغیر حساب داخل جنت کیے جائینگے۔ پھر مانگو تم کو دیا جائے گا۔ تو میں نے جبریل سے کہا کہ کیا اللہ پاک میرے سوال کو پورا کرنا چاہتا ہے؟ تو جبریل نے کہا ہاں' اللہ پاک نے مجھے آپ کے پاس اسی غرض سے بھیجا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب کچھ عطا کر دیا۔ میں اس پر غرور نہیں کرتا اور اللہ نے میرے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے اور میں زمین پر زندہ و تندرست چل رہا ہوں اور مجھے یہ بھی خصوصیت بخشی کہ میری اُمت قحط سے نہ مرے گی اور نہ مغلوب ہوگی۔ اللہ نے مجھے کوثر عنایت فرمایا ہے' یہ جنت کی ایک نہر کا نام ہے جو میرے حوض میں بہتی آئے گی اور مجھے عزت و نصرت اور رعب اور شوکت کی خصوصیت عطا فرمائی ہے جو میری اُمت کے سامنے لوگوں پر ایک مہینہ بھر کی راہ سے اثر ڈالتی ہے میں جنت میں سب انبیاء سے پہلے داخل ہونگا اور میری اُمت کیلئے مال غنیمت بالکل حلال فرما دیا اور اکثر ایسی چیزیں حلال کر دی جو مجھ سے پہلے کی امتوں پر حلال نہیں تھیں اور مذہبی حیثیت سے میرے دین میں کوئی سختی روا نہ رکھی۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا۔ ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔ اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ○

صداقت پسندی اور اس کے ثمرات ☆

اللہ اپنے بندے عیسیٰ کی بات کا جواب دیتے ہوئے' جب کہ انہوں نے نصاریٰ' ملحدین' کا ذبین سے اپنی بیزاری ظاہر کی تھی فرماتا ہے کہ: ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ﴾ یعنی آج کا دن موحدین کی توحید کی نفع بخشی کا دن ہے کہ بہتی نہروں والی جنت میں ہوں گے نہ وہاں سے نکالے جائینگے' نہ دم بھر کیلئے جنت کو چھوڑ ینگے۔ آپ نے فرمایا اس روز رب جلوہ افروز ہوگا اور فرمائیگا مانگو' میں دینے پر آمادہ ہوں۔ لوگ اسکی رضا مندی مانگیں گے تو فرمائیگا' میری رضا مندی ہی نے تمہیں میرے گھر اُتارا ہے۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔ لوگ پھر اسکی رضا مندی مانگیں گے۔ فرمائیگا گواہ رہو کہ اللہ تم سے راضی ہے۔ فرماتا ہے: ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یہ بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ﴾ عمل کرنے والوں کو ایسا ہی عمل کرنا چاہئے: ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ اور اسی کی کوشش لوگوں کو کرنی چاہئے۔ وہ ساری اشیاء کا خالق ہے۔ ہر چیز پر متصرف اور قادر ہے۔ سب اسکے غلبہ اور قدرت کے تحت ہیں۔ اسکی نہ کوئی نظیر ہے' نہ ہم پایہ' نہ مددگار۔ اسکے نہ باپ ہے نہ لڑکا نہ بیوی۔ اِسکے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔

[1] مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں آپ ﷺ نے اتنی دیر کر دی کہ محسوس ہوتا تھا کہ آپ ﷺ خدانخواستہ اب سجدہ سے نہ اٹھیں گے۔

[2] یہ مشورہ آنحضور ﷺ کے اعزاز و اکرام کے لئے تھا۔ جیسا کہ بہت سے آدمی باوجودیکہ مشورہ کے محتاج نہیں ہوتے لیکن دوسرے کو خوش کرنے یا اس کی عزت افزائی کے لئے اس سے مشورہ کرتے ہیں۔ بس یہی حیثیت اس مشورہ کی تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا۔

سُوْرَةُ الْاَنْعَام

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

کُل رکوع: ۲۰ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ کُل آیات: ۱۶۵

سورہ انعام میں ایک ہی رات کے اندر ایک دفعہ میں نازل ہوگئی۔ اس کو ستر ہزار فرشتے لے کر حاضر ہوئے تھے اور تسبیح پڑھتے جا رہے تھے[1]۔ اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ناقہ پر سوار تھے اور سورۂ انعام اُتر رہی تھی۔ میں ناقۂ نبی کی باگ تھامے ہوئے تھی۔ وحی کے بوجھ سے ناقہ ایسے دب گئی تھی، گویا اس کی ہڈیاں ہی ٹوٹ جائیں گی۔ ملائکہ زمین و آسمان کو گھیرے ہوئے تھے۔ سورہ انعام اُترنے کے بعد نبی کریم ﷺ تسبیح پڑھنے لگے اور فرمایا اس سورت کی مشایعت میں فرشتے اُفق تک گھیرے ہوئے تھے۔ فرشتوں کی: سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحٰنَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کی گونج سے زمین و آسمان میں ہنگامہ تھا نبی کریم ﷺ بھی یہی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورہ انعام پوری ایک دفعہ میں نازل ہوئی ہے اور ستر ہزار فرشتوں کی تسبیح و تحمید کی گونج کے ساتھ اُتری ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا پھر بھی کافر لوگ دوسروں کو اپنے ربّ کی برابر قرار دیتے ہیں۔ وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت معین کیا اور دوسرا وقت معین خاص اللہ ہی کے نزدیک ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے ظاہر احوال کو بھی جانتے ہیں اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو جانتے ہیں۔ ○

اللہ ایک ہے اور وُہی خالقِ کل ہے ☆

اللہ تعالیٰ اپنے نفس کریمہ کی مدح فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا گویا کہ بندوں کو حمد سکھلا رہا ہے۔ دن میں نور کو اور رات میں تاریکی کو اپنے بندوں کے لئے ایک منفعت قرار دیتا ہے۔ یہاں لفظ نور کو واحد لایا گیا ہے اور ظلمات کو جمع لایا گیا ہے

[1] اس اہتمام سے اس سورۃ کی عظمت ظاہر ہے۔

کیونکہ اشرف چیز کو واحد ہی لاتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ﴾ (النحل: ۴۸) اور ﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ (الانعام: ۱۵۳) یہاں بھی یمین واحد ہے اور شمائل جمع ہے اور اپنے راستے کو لفظ سبیل کہہ کر واحد لایا ہے اور غلط راستوں کو سبل کہہ کر جمع لایا ہے۔ غرضیکہ باوجود اس کے بعض بندے کفر کرتے ہیں اور اس کے شریک قرار دیتے ہیں' اس کی بیوی اور بچے بتاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے۔ پھر فرماتا ہے اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے اور مٹی ہی نے ان کے گوشت پوست کی شکل اختیار کی۔ پھر ان ہی سے لوگ پیدا ہو کر مشرق مغرب میں پھیل گئے پھر آدم علیہ السلام نے اپنی عمر پوری کی اور اپنے مقررہ وقت موت تک آن پہنچے۔ پہلے لفظ اجل سے حسنؒ کے نزدیک مرنے تک کی زندگی کا وقت مراد ہے اور دوسرے لفظ اجل سے مرنے کے بعد دوبارہ زندگی تک کا وقت مراد ہے۔ اجل خاص انسان کی عمر رواں ہے اور اجل عام سے مراد ساری دنیا کی عمر مراد ہے۔ یعنی دنیا کے ختم ہونے اور زوال پذیر ہونے تک اور دار آخرت کے وقت آنے تک۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ پہلی اجل سے مراد مدت دنیا ہے اور اجل مسمّٰی سے مراد عمر انسان تا بوقت مرگ ہے۔ گویا کہ وہ خدا کے اس قول سے ماخوذ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ......﴾ یعنی وہ رات میں تم کو مار دیتا ہے اور دن میں تم جو کچھ کرتے ہو اسے جانتا ہے اور رات میں تو تم کچھ کر ہی نہیں سکتے یعنی نیند میں ہوتے ہو' جو قبض روح کی شکل میں ہے اور پھر جاگتے ہو تو اپنے ساتھیوں کے پاس گویا واپس آ جاتے ہو اور اس کے ''قول' عِنْدَہٗ کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسے ایک جگہ فرمایا ہے کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ اس کا وقت خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا اور اسی طرح یہ عمل جاری ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ سو تمہیں اس کی کیا خبر' اس کا علم تو خدا ہی کو ہے۔ پھر آنے والی آیت سے ارشاد ہوتا ہے کہ تم قیامت کے بارے میں شک کرتے ہو۔ وہی آسمانوں اور زمینوں کا خدا تمہاری چھپی باتوں کو بھی جانتا ہے اور کھلی باتوں کو بھی اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس آیت کے مفسرین نے پہلے فرقہ جہمیہ کے قول سے انکار پر اتفاق کیا ہے اور پھر اس آیت کی تفسیر سے متعلق ان کا اختلاف بھی ہے۔ جہمیہ کا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس بات کی حامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ بذات خود موجود ہے۔ یعنی اس عقیدے سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ ہر چیز کے اندر بذات خود خدا تعالیٰ موجود ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں خدا ہی کو مانا جاتا ہے اور اس کی عبادت کی جاتی ہے اور آسمانوں میں جو فرشتے اور زمین پر جو انسان ہیں۔ سب اسی کا اقرار الوہیت کرتے ہیں۔ اس کو اللہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن جن وانس کا فر اس سے نہیں ڈرتے اور یہی آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول پر بھی منطبق ہوتی ہے کہ وہی آسمانوں کا خدا اور زمین کا خدا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو آسمانوں میں ہے ان کا خدا اور جو زمین پر ہیں ان کا خدا۔ نہ یہ کہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے' وہی خدا ہے۔ اسی بنا پر حکم ہے کہ وہ تمہارے چھپے کو بھی جانتا ہے اور تمہارے کھلے کو بھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو زمین و آسمان میں ہر ڈھکی وچھپی بات کو جانتا ہے اور اس کا قول: ﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ سے متعلق ہے۔ چنانچہ اس کی تقدیر یوں ہوئی کہ وہی اللہ ہے جو زمین وآسمان میں تمہاری ہر بات کو جانتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو' اس کا علم رکھتا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ: ﴿هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ یہ وقف تام ہے۔ اس کے بعد پھر خبر کا آغاز ہوتا ہے۔ یعنی ﴿هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ مبتدا ہے اور ﴿فِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ خبر ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ پھر آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ تمہارے تمام اعمال کو جانتا ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗـؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَاۗءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

اوران کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض کیا کرتے ہیں۔ سوانہوں نے اس سچی کتاب کو بھی جھوٹا بتلایا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچی۔ سو جلدی ہی ان کو خبر مل جائے گی اس چیز کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزا کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں۔ پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے عوض ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسرے جماعتوں کو پیدا کیا۔ ○

انکارِ آیات' اعراض اور انکار ☆

مشرکین معاندین کے بارے میں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ جب کبھی خدا کی کوئی آیت ان کے پاس آتی یعنی کوئی معجزہ یا خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر کوئی دلیل واضح یا رسول کی صداقت کی کوئی نشانی آئے تو یہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس کی پروا تک نہیں کرتے اور جب حق بات ان کے سامنے آئی تو اس کا انکار کرتے لگے۔ اس کے بارے میں انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ یہ بات ان کے لئے تہدید اور وعید شدید ہے کیونکہ انہوں نے حق کو جھٹلا دیا۔ اب تکذیب کا نتیجہ انہیں دیکھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھا رہا ہے اور ڈرا رہا ہے کہ پہلے لوگوں نے بھی جو اُن سے زیادہ قوی اور کثیر التعداد تھے اور اموال و اولاد بھی زیادہ رکھتے تھے۔ دولت و حکومت بھی حاصل تھی۔ پھر انہیں کیسا عذاب پہنچا تھا۔ اسی قسم کے عذاب سے تمہیں بھی سابقہ پڑ سکتا ہے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے۔ جو دنیا میں بڑی قوت رکھتے تھے کہ ایسے اموال و اولاد و مضبوط مکانات اور ایسی شان و شوکت تمہیں نصیب ہی نہیں۔ آسمان سے ہم ان کے لئے پانی برساتے تھے۔ کبھی انہیں قحط سے سابقہ نہیں پڑا۔ ہم نے باغات چشمے اور نہریں دے رکھی تھیں اور اس سے مقصد فقط انہیں ڈھیل دینا تھا۔ پھر انہیں ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ پر دوسری قومیں آباد کیں۔ پہلے لوگ تو جانے والے دن کی طرح چلے گئے لیکن ان کے بعد کے لوگوں نے بھی پہلے کے لوگوں کی طرح عمل کیا اور سابقہ لوگوں کی طرح وہ بھی ہلاک ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ اے لوگو! اس بات سے ڈرو کہ تمہیں بھی کہیں ایسے ہی حالات سے سابقہ نہ پڑے۔ تم کو ہلاک کرنا خدا کے لئے ان سے زیادہ اہم کام تو نہیں۔ تمہارا رسول جس کی تم تکذیب کر رہے ہو۔ یہ تو ان کے رسول سے بھی زیادہ اکرم ہے۔ اس لئے اگر وہ خاص طور پر اطاعت نہ کرے تو تم زیادہ عقوبت کے مستحق ہو۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَ
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ
الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۞ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ
مَّا يَلْبِسُوْنَ ۞ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْ
مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۞

اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا نوشتہ آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اسے آدمی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جو اب اشکال کر رہے ہیں اور واقعی آپ سے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزا کیا گیا ہے۔ پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا۔ ان کو اس عذاب نے آ گھیرا' جس کا تمسخر اڑاتے تھے۔ آپ فرما دیجئے ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ ○

ایمان کی کوئی اُمید نہیں ☆

مشرکین کے عناد اور ضد اور ہٹ دھرمی کی خبر دیتے ہوئے اللہ پاک فرماتا ہے کہ اگر ہم تم پر کوئی ایسی کتاب بھی نازل کرتے جو کاغذوں میں لکھی ہوئی ہوتی۔ جس کو وہ ہاتھ سے بھی چھو سکتے۔ اس کو آسمان سے اُترتے دیکھ سکتے تو پھر بھی یہ کافر یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہو جادو ہے۔ جیسے کہ محسوسات کے اندر بھی ان کی فساد پسند طبیعت کا اقتضا یہ ہے کہ اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول بھی دیں' جس میں اوپر چڑھنے بھی لگیں' تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں بندھ گئی ہیں اور ان پر نظر بندی ہوگئی ہے۔ یا جیسا کہ فرمایا اگر آسمان کے ٹکڑے بھی گرتے ہوئے دیکھیں تو کہیں گے کہ بادل کے ٹکڑے ہیں اور پھر ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ رسول کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں رہتا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو پھر تو بات ختم ہے۔ وہ فرشتہ کے دیکھنے کے بعد بھی وہی جادو کی رٹ لگائیں گے۔ انہیں اس وقت کی طرح راہ راست پر آنے کی مہلت دی ہی نہیں جائے گی۔ فوراً عذاب الٰہی آ پہنچے گا اور فرمایا کہ جس روز وہ ملائکہ کو دیکھ ہی لیں گے تو مجرمین کے لئے کوئی اچھی خبر ہے ہی نہیں۔ پھر آیت مذکرہ بالا میں ارشاد ہے کہ اگر ہم انسان رسول کے ساتھ کسی فرشتے کو بھی نازل کرتے تو وہ بھی انسان ہی کی شکل وصورت میں ان کے سامنے آتا۔ تاکہ وہ لوگ اس سے خطاب کر سکیں یا اس سے انتفاع پا سکیں اور جب یوں ہوتا تو بات ان پر مشتبہ ہو جاتی کہ جیسے رسول بشر کے بارے میں شک کر رہے ہیں ملک بصورت بشر کے بارے میں یہی شک انہیں دامن گیر ہوتا

کیونکہ وہ بھی آخر بشر ہی کی شکل وصورت رکھتا۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ﴾ (الاسراء: ۹۵) یعنی آسمان سے تو ہم فرشتہ اس وقت اتارتے' جب کہ زمین پر فرشتے چلتے پھرتے ہوتے اور جب ایسا نہیں تو پھر آسمان سے بھی کیوں اُتارا جائے گا۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جب مخلوق کی طرف وہ کوئی رسول بھیجتا ہے۔ تو انہیں میں سے بھیجتا ہے تاکہ ایک دوسرے سے بات کرسکیں اور اس رسول سے انتفاع ان لوگوں کے لئے ممکن ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا......﴾ (آل عمران: ۱۶۴) یعنی مومنین پر خدا کا یہ احسان ہے کہ ان کا رسول انہیں میں سے ایک آدمی ہے۔ جو ان پر خدا تعالیٰ کی آیتیں پیش کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے۔ ورنہ وہ فرشتہ کی طرف تو اس کے نور کی وجہ نظر بھی نہیں ڈال سکتے اور بات پھر بھی ان پر مشتبہ رہ جاتی ہے اور اے نبی ﷺ پہلے نبیوں کے ساتھ بھی تو اسی قسم کا مذاق کیا گیا تھا چنانچہ اس مذاق واستہزا کے سبب یہ قومیں ہلاک ہو گئیں۔ اس آیت کے ذریعے نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ اگر تمہاری کسی نے تکذیب کی تو اس کی پروانہ کرو۔ پھر مومنین کو اپنی نصرت اور انجام بخیر ہونے کا مژدہ دیا گیا اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں چل پھر کر تو دیکھو کہ گزشتہ زمانے میں جن لوگوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا' ان کی بستیوں کے کیسے کھنڈرات پڑے ہیں اور دنیا میں انہیں کیسا عذاب دیا گیا اور پھر آخرت میں اس کے علاوہ عذاب دیا جائے گا اور پھر رسولوں اور مومنوں کو ہم نے کیسا بچالیا تھا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯

آپ کہئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کسی کی ملک ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے دن جمع کریں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے آپ کو ضائع کرلیا ہے سو وہ ایمان نہ لائیں گے اور اللہ ہی کی ملک ہے سب جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں اور وہی ہے بڑا سننے والا اور جاننے والا آپ کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو کہ کھانے کو دیتے ہیں

اور ان کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا۔ کس کو معبود قرار دوں۔ آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے ربّ کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے گا تو اسی پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے۔ ○

دلائل توحید' رحمت کا بحرِ بیکراں اور یوم آخرت ☆

خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ پاک مالک السماوات والارض ہے اور اس نے اپنے نفس پر رحمت واجب قرار دے لی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ ارشاد ہے کہ یقیناً وہ قیامت کے روز تم سب کو جمع کرے گا۔ یہاں لام بطور قسم کے ہے۔ گویا اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ یوم مقررہ پر اپنے سارے بندوں کو جمع کرے گا۔ مومنین کو تو اس میں شک نہیں لیکن کافر شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا وہاں چشمے بھی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا' خدا کی قسم وہاں چشمے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے انبیاء کے اپنے اپنے حوضوں پر وارد ہوں گے۔ اللہ پاک ستر ہزار فرشتوں کو بھیجے گا۔ جن کے ہاتھوں میں آگ کے ڈنڈے ہوں گے اور انبیاء کے حوضوں پر وارد ہونے والے کفار کو وہاں سے ہانک دیں گے۔ یہ حدیث غریب ہے اور یہ ترمذی میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور مجھے اُمید ہے کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ مجمع ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو آخر کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں' وہی ہیں جو ایمان نہیں لا رہے ہیں اور اس یوم آخرت سے ڈرتے نہیں۔ پھر فرمایا جو مخلوق بھی دن میں بستی ہے یا رات میں سب اس کے اختیار میں ہے اور اسی کے زیر انتظام ہے۔ وہ بندوں کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کی حرکات وسکنات کو اور دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ پھر اپنے رسول سے' جس کو توحید عظیم اور بہترین شریعت عنایت فرمائی' فرماتا ہے کہ لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف بلاؤ اور کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا خدا کے سوا میں کسی دوسرے کو ولی بناؤں۔ جیسا کہ فرمایا کہ کہہ دو اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ خدا کے سوا کسی اور کو پوجوں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فاطر السمٰوٰت والارض ہے۔ بغیر کسی نمونے کے اس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ اس کو چھوڑ کر اور کسی کو کیوں پوجوں۔ وہ سب کو کھلاتا ہے اس کو نہیں کھلایا جاتا۔ حالانکہ وہ بندوں کا حاجت مند نہیں کہ غرض متعلق ہو۔ جیسا کہ فرمایا کہ جن وانس کو میں نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔ بعض نے لَا يَطْعَمُ پڑھا ہے۔ یعنی وہ خود کچھ نہیں کھاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبا کے ایک انصاری نے نبی ﷺ کی دعوت کی۔ ہم سب بھی گئے۔ جب آپ ﷺ کھانے سے فارغ ہو چکے فرمایا کہ خدا کا شکر جو کھلاتا ہے اور خود کچھ نہیں کھاتا۔ ہم پر احسان فرماتا ہے۔ ہمیں کھانا کھلایا' پانی پلایا' ہمارے برہنہ جسم پر لباس پہنایا' ہم خدا کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کفرانِ نعمت نہیں کر سکتے۔ نہ اس سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ اس نے گمراہی سے بچایا۔ دل کے اندھے پن سے دور رکھا[1]۔ ساری مخلوقات پر ہمیں فضیلت عنایت فرمائی۔ کہہ دو اے نبی ﷺ کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے مسلمان بنوں[2] اور شرک نہ کروں۔ اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب عظیم کا ڈر ہے۔ قیامت کے روز جس پر سے ہٹ گیا۔ اس پر بڑی رحمت ہوئی اور یہ بہت بڑی کامیابی رہی۔ جیسا کہ فرمایا کہ جو دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں بھیجا گیا۔ وہ بڑا ہی کامیاب شخص ہے۔

---

[1] دل کا اندھا ہونا حقائق اور آیات میں غور وفکر کو چھوڑ دینا۔ خدا تعالیٰ کی آفاق وانفس میں قائم کردہ نشانیوں سے نہ فائدہ اٹھانا ہے۔

[2] یعنی اپنی امت میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ ورنہ تو پہلی امتوں میں بھی مسلمان گزرے ہیں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةًؕ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰىؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائیں تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچائیں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں۔ آپ کہیے کہ سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے۔ آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ اللہ تعالیٰ ہے اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے۔ تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ بس تو وہ ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا سو وہ ایمان نہ لائیں گے اور اس سے زیادہ اور کون بے انصاف ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلائے ایسے بے انصافوں کو رستگاری نہ ہوگی۔ O

مشکل کشا اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی نہیں ☆

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ مالک مضرت و نفع ہے۔ وہ اپنی مخلوقات میں جیسا چاہے تصرف کرے۔ اس کی حکمت کو نہ کوئی پیچھے ڈالنے والا ہے نہ اس کی قضا کو کوئی روکنے والا ہے۔ اگر وہ مضرت کو روک دے تو جاری کرنے والا کوئی نہیں اور خیر کو جاری کر دے تو کوئی روکنے والا نہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ......﴾ (فاطر: ۲) یعنی خدا جسے جو رحمت دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں

سکتا۔ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: ﴿اللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ﴾ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ﴾ یعنی وہ خدا وہ ہے جس کے لئے لوگوں کے سر جھک گئے ہیں۔ ہر شے پر وہ غالب ہے۔ اس کی عظمت و کبریائی اور بلندی رتبہ کے سامنے سب پست ہیں۔ اس کا ہر فعل حکمت پر مشتمل ہے۔ وہ مواضع اشیاء سے باخبر ہے۔ اگر وہ کچھ دیتا ہے تو مستحق ہی کو دیتا ہے اور روک دیتا ہے تو غیر مستحق سے روک دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے سب سے بڑی شہادت کس کی شہادت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کہہ دو کہ اللہ تمہارے اور ان کے درمیان گواہ کی حیثیت میں ہے اور یہ قرآن میری طرف نازل کیا گیا ہے۔ تاکہ میں تمہیں ڈراؤں اور اسے بھی جس تک یہ قرآن پہنچے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ﴾ (ہود: ۱۷) یعنی ان لوگوں میں سے جو کفر اختیار کرے تو دوزخ اس کی وعدہ گاہ ہے[1] اور جس تک قرآن پہنچ جائے تو گویا اس نے نبی ﷺ سے ملاقات کر لی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس تک میرا قرآن پہنچا گویا میں نے اسے خود تبلیغ کر دی۔

حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں دوسروں تک پہنچاؤ۔ جس کو کتاب اللہ کی کوئی آیت پہنچ گئی تو خدا کا اس کو حکم پہنچ گیا۔ ربیع بن انس نے کہا ہے کہ تابع رسول پر لازم ہے کہ اس طرح کہ اس طرح اسلام کی دعوت دے جس طرح آنحضرت ﷺ دیتے تھے اور اس طرح ڈرائے جیسے حضرت ڈراتے تھے۔ قولہ تعالیٰ: ﴿اَئِنَّكُمْ لَتَشْھَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِھَۃً اُخْرٰی ط قُلْ لَّا اَشْھَدُ﴾ یعنی اے مشرکین کیا واقعی تم گواہی دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور دوسرے خدا بھی ہیں کہہ دو کہ ایسی گواہی تو میں نہیں دے سکتا۔ جیسے کہ فرمایا: ﴿فَاِنْ شَھِدُوْا فَلَا تَشْھَدْ مَعَھُمْ﴾ (الانعام: ۱۵۰) اگر وہ گواہی دیں بھی تو اے نبی تم ایسی گواہی نہ دینا۔ ﴿قُلْ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ پھر اہل کتاب کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ قرآن کو ایسے بہتر طور پر جانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنی اولاد کو جانتے ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں مرسلین متقدمین کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ یہ سارے پیغمبر وجود محمد ﷺ کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں۔ وہ محمد ﷺ کی ہر صفت سے ان کے وطن ان کی ہجرت ان کی امت کے اوصاف غرض یہ کہ اپنی کتابوں میں ان ساری باتوں کا داخلہ پاتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ: ﴿اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ یعنی جن لوگوں نے اپنی ذاتوں کو نقصان پہنچایا' وہی ہیں کہ ایمان نہیں لاتے۔ حالانکہ بات بالکل واضح ہے۔ انبیاء نے آپ کی بشارتیں دی ہیں اور قدیم زمانے سے آپ کی پیغمبری اور آپ کے وجود کی پیشگوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ﴾ یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ پر جھوٹ تہمت باندھے کہ اللہ نے اسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی آیتوں اور دلائل و براہین کو جھٹلا دے: ﴿اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ یہ مفتری اور مکذب کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ

[1] یعنی ایسے شخص کے لئے ہمارا فیصلہ ہے کہ وہ جہنم میں جائے گا۔

وَاِذَا سَمِعُوْا ⑦

يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۶

وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس دن ہم تمام خلائق کو جمع کریں گے۔ پھر ہم ان مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے وہ کہاں گئے۔ پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا کچھ بھی ہوگا وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی اپنے پروردگار کے ہم مشرک نہ تھے۔ ذرا دیکھو تو کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئے اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر وہ تمام دلائل کو دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لائیں۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں۔ یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں اور یہ لوگ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور دور رہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔ ○

روزِ قیامت سوال و جواب اور محاسبۂ اعمال ☆

ہم جب قیامت کے روز ان سب کو جمع کریں گے تو ان بتوں کے بارے میں ان سے پوچھیں گے۔ جنہیں یہ خدا کو چھوڑ کر پوجتے رہتے تھے کہ وہ بت کہاں گئے جنہیں تم شریک خدا قرار دیتے تھے۔ قولہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ یعنی ان کی معذرت یہی ہوگی کہ اللہ کی قسم ہم تو مشرک نہیں تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ اے ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ نے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ لیکن یہ کیسے ہوگا؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب یہ مشرکین دیکھیں گے کہ اہل صلوٰۃ کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہو رہا ہے تو آپس میں کہیں گے کہ آؤ ہم شرک سے انکار کر دیں۔ چنانچہ وہ اپنے مشرک ہونے کا انکار کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا دیں گے۔ تو ان کے ہاتھ پاؤں از خود گواہی دینے لگیں گے اور کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔ اے شخص اب تو کوئی شک تمہارے دل میں باقی نہیں رہا۔ قرآن میں کوئی [illegible] بات نہیں رہ گئی ہے جو وضاحت طلب ہو۔ لیکن تم سمجھ نہیں سکتے اور تاویل اور توجیہ نہیں کر سکتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں اُتری۔ لیکن یہاں شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور مکہ میں منافقین کہاں تھے۔ یہ تو اسلام کے مقبول عام ہونے کے بعد مدینہ میں ان کا گروہ پیدا ہوا۔ منافقین کے بارے میں جو آیت اُتری ہے وہ آیت مجادلہ ہے۔ یعنی ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ﴾ (المجادلہ: ۱۸) یعنی جس روز اللہ ان کو قیامت کے دن جمع کرے گا وہ خدا کی قسم کھا کھا کر بیان کریں گے اور اسی طرح ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ یعنی دیکھو

انہوں نے جان بوجھ کر کیسی جھوٹ بات کہی اور جن بتوں کو وہ پوجتے تھے۔ وہ کیسے منحرف ہو گئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض تمہاری طرف کان لگا کر سنتے ہیں حالانکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے اور خواہ وہ خدا کی کیسی ہی نشانی پائیں ایمان نہیں لاتے۔ وہ اگر چہ وحی سنتے ہیں لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا کہ ان کی مثال ان چوپاؤں کی ہے جو اپنے چرواہے کی آواز کو سنتے ہیں لیکن مطلب خاک نہیں سمجھتے۔ پھر آیت زیر ذکر میں فرماتا ہے کہ آیات و دلائل و بینات وہ دیکھتے ہیں لیکن انہیں نہ عقل ہے نہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔ پھر کیا ایمان لائیں گے۔ اگر ان میں بھلائی کی کچھ بھی صلاحیت ہوتی تو اللہ انہیں سننے کی توفیق دیتا اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو جھگڑا کرنے لگتے ہیں اور باطل باتیں پیش کر کے حق کے اندر بحث و مباحثہ شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ تم وحی کے نام سے پیش کر رہے ہو یہ تو پہلے لوگوں کی کتابوں سے منقول ہے۔ وہ نبی کے پاس آنے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دور رہتے ہیں۔ ینھون کی تفسیر میں دو اقوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ اتباع حق اور تصدیق رسول اور اطاعت قرآن سے لوگوں کو روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دور رہتے ہیں۔ گویا دو برے کام کرتے ہیں۔ نہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیتے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ: ﴿یَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ سے مراد یہ ہے کہ لوگ نبی ﷺ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے تھے تو ابو طالب انہیں روکتے تھے۔ انہیں سے متعلق یہ آیت اتری۔

سعید بن ہلال کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کے دس چچا تھے۔ بظاہر آپ ﷺ کے بڑے ہمدرد لیکن حقیقت میں آپ کے خلاف۔ سب قبل نبی ﷺ سے لوگوں کو روکتے تھے۔ لیکن افسوس کہ ایمان کی برکت حاصل کرنے سے خود محروم رہ جاتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر اپنے ہی نفوس کو ہلاک کر رہے ہیں۔ وہ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں کہ اپنی ہی ذات کو نقصان و مضرت پہنچا رہے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ بلکہ جس چیز کو اس کے قبل دبایا کرتے تھے۔ وہ ان کے سامنے آ گئی اگر اور یہ لوگ پھر واپس بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جینا اور کہیں نہیں صرف یہی فی الحال کا جینا ہے اور ہم پھر زندہ نہ کیے جائیں گے اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے۔ وہ کہیں گے بیشک قسم اپنے رب کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو۔ ○

قیامت اور احوالِ کفار☆

اللہ پاک کفار کا حال بیان فرماتا ہے کہ جب قیامت کے روز آگ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور اس کے طوق اور سلاسل کو دیکھیں گے تو کہنے لگیں گے کہ کاش! ہم دنیا میں پھر واپس کئے جائیں۔ اب کی بار اب ہم صالح عمل کریں گے اور خدا تعالیٰ کی آیات کو نہ جھٹلائیں گے۔ ایمان لائیں گے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ کفر و تکذیب و معاندت کی جو باتیں انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھیں وہ اب ظاہر ہوگئی ہیں۔ اگر چہ دنیا و آخرت میں اس کا انہوں نے انکار کیا ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ ان کی حجت فقط یہ ہے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ دیکھو انہوں نے کیسی جھوٹی باتیں بنائیں اور یہ بھی امکان ہے کہ ان پر اب یہ ظاہر ہوگیا ہے کہ دنیا میں رسول کی صداقت جاننے کے باوجود وہ جو ایمان نہیں لاتے تھے۔ اس وقت یہ ہی معرض بحث میں ہے۔ یعنی جان کر بھی ایمان نہ لانا۔ یہ چیز یہاں آکر ظاہر ہوگئی ہے۔ دنیا میں یہ راز فاش نہ ہو سکا تھا۔ جیسا کہ موسیٰ نے فرعون سے کہا تھا کہ ''اے فرعون تو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کو خدا ہی نے نازل فرمایا ہے۔'' اور اللہ پاک نے بھی فرعون اور قوم فرعون سے متعلق فرمایا: ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾ (النمل: ۱۴) یعنی اگر چہ انہوں نے انکار کر دیا لیکن ان کے دل یقین رکھتے ہیں کہ یہ ہماری طرف سے ظلم و زیادتی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سے مراد وہ منافقین ہوں کہ جو لوگوں کے سامنے تو ایمان لاتے ہیں لیکن باطن میں کافر ہوتے۔ یہ کفار کے اس کلام کی خبر دی جا رہی ہے جو وہ قیامت کے روز کریں گے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور نفاق تو مدینے والوں میں تھا یا اس کے اطراف کے اعراب میں۔ پھر مکی سورت میں منافقین کا ذکر کیسے آسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مکیہ میں بھی نفاق کا ذکر فرمایا ہے اور وہ سورہ عنکبوت ہے۔ فرماتا ہے: ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ﴾ (العنکبوت: ۱۱) یعنی اللہ پر ایمان والوں کو بھی جانتا ہے اور منافقین کو بھی۔ اسی بنا پر کہا گیا کہ منافقین جب دار الآخرت میں عذاب دیکھ لیں گے تو کفر و نفاق کو چھپانے کے بعد ان پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ ہمارا ایمان ظاہری ایمان تھا۔ چنانچہ یہ جو فرمایا کہ وہ چھپاتے تھے۔ اب ظاہر ہو گیا ہے۔ سو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف جو واپسی چاہتے ہیں وہ ایمان کے ساتھ رغبت و محبت کی بنا پر نہیں بلکہ جو عذاب بروز قیامت انہوں نے دیکھ لیا ہے۔ اس سے ڈر گئے ہیں کہ اب اپنے کفر کی سزا ملے گی۔ اس لئے دوزخ سے بچنے کے لئے دنیا کی طرف رجعت چاہتے ہیں اور اگر وہ دنیا کی طرف بھیجے بھی جائیں تو ضرور پھر کفر ہی کرنے لگیں گے[1] اور ان کا یہ کہنا کہ اب کے ہم تکذیب نہیں کریں گے اور ایمان دار رہیں گے۔ سب غلط ہے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے صرف یہی زندگی ہے۔ کون دوبارہ اٹھایا جاتا ہے۔ کاش تم دیکھ سکتے کہ وہ اپنے ربّ کے سامنے کیسے مایوس ہو کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیوں یہ روزِ قیامت حق ہے یا نہیں؟ وہ کہیں گے ہاں اے خدا تیری قسم سچ ہے۔ حکم ہوگا کہ پھر تو اپنے کفر کا مزا چکھو۔ کیا یہ جادو ہے یا یہ کہ تمہیں کو بصیرت نہ تھی۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ

[1] اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہمیشہ معجزات اور آیات کے مطالبہ پر نبی ﷺ سے کہتے کہ اگر یہ معجزہ دکھا دیا تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے لیکن جب وہ معجزہ دکھا دیا جاتا تو پھر انکار کر دیتے۔ اس لئے اب بھی کیا توقع ہے کہ دنیا میں جانے کے بعد وہ ایمان ہی لے آئیں گے۔

اللّٰہِ ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتۡہُمُ السَّاعَۃُ بَغۡتَۃً قَالُوۡا یٰحَسۡرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطۡنَا فِیۡہَا ۙ وَ ہُمۡ یَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَہُمۡ عَلٰی ظُہُوۡرِہِمۡ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوۡنَ ﴿۳۱﴾

بے شک خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی۔ یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان پر دفعۃً آ پہنچے گا کہنے لگیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی کمر پر لادے ہوں گے۔ خوب سن لو کہ بڑی ہوگی وہ چیز جس کو لادیں گے اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو ولعب کے اور پچھلا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہوگا کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔ ○

تکذیب اور خسران ☆

جو کفار خدا تعالیٰ سے ملاقات کا انکار کرتے تھے۔ ان کی نامرادی اور مایوسی کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب اچانک قیامت آ پہنچے گی تو اپنے برے کاموں پر انہیں کیسے ندامت ہوگی اور کہیں گے کہ افسوس ہم نے خلاف حق کیسی زیادتیاں کیں تھیں۔ فِیۡہَا کی ضمیر محتمل ہے کہ حیات دنیوی اور اپنے اعمال کی طرف رجوع ہو اور اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کے بوجھ اُٹھائے ہوں گے۔ حیف کہ وہ کیسا برا وزن اٹھائے ہوئے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یَزِرُوۡنَ کو یَعۡمَلُوۡنَ پڑھتے تھے۔ ابو مرزوق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب کافر یا فاجر قبر سے اُٹھیں گے تو ایک نہایت بدشکل چیز ان کا استقبال کرے گی۔ وہ کافر شخص پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ شکل کہے گی تو مجھے نہیں پہچانتا' میں تیرے اعمال خبیثہ کی شکل ہوں۔ جو تو دنیا میں کرتا رہتا تھا۔ دنیا میں بہت دنوں تو مجھ پر سوار تھا۔ اب میں تجھ پر سوار ہوں گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ: ﴿وَہُمۡ یَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَہُمۡ عَلٰی ظُہُوۡرِہِمۡ﴾ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب کوئی گنہگار قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے پاس ایک نہایت بدشکل صورت سامنے آتی ہے۔ کالا رنگ' بدبودار میلے کپڑے' اس کے ساتھ قبر میں رہ جاتا ہے۔ وہ اس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کیا ہی برا ہے تیرا چہرہ' تو وہ کہے گا کہ تیرے برے اعمال کا میں عکس ہوں ایسے ہی تھے تیرے اعمال اور ایسے ہی تھے بدبودار تیرے تمام کام وہ کہے گا تو ہے کون؟ تو کہے گا میں تیرا عمل ہوں۔ پھر وہ قیامت تک اس کے ساتھ قبر میں رہے گا۔ قیامت میں وہ اسے کہے گا کہ لذات وشہوات کی شکل میں تجھ کو میں دنیا میں اٹھائے ہوئے تھا آج کے روز تو مجھے اٹھائے گا۔ چنانچہ اس کے اعمال کی وہ صورت اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر اس کو دوزخ کی طرف لے جائے گی۔ یہی اس آیت کی وضاحت ہے۔ ارشاد ہے کہ اکثر حیات دنیوی لہو ولعب ہے اور متقیوں کے لئے تو دار الآخرت ہی ہے۔

وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّہٗ لَیَحۡزُنُکَ الَّذِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ فَاِنَّہُمۡ لَا یُکَذِّبُوۡنَکَ وَ لٰکِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدۡ کُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ

فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں۔ سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں۔ یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ پر جمع کر دیتا۔ سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جیئے۔ وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائیں گے پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے۔ ○

تسلی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ☆

قوم کی تکذیب ومخالفت پر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ہم کو ان لوگوں کی تکذیب اور تمہارے حزن وتاسف کا علم ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا 'ہمیں ان کی حرکت خوب معلوم ہے تم ملال نہ کرو' اور فرمایا کہ کیا ایمان نہ لائے تو آپ ان کے پیچھے اپنی جان گھلا ڈالیں گے۔ کہاں تک ان پر حسرت وافسوس کریں گے؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت تم کو کذب سے متہم نہیں کر رہے ہیں بلکہ حق سے عناد کے سبب آیات اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ اسی سے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے نبی ﷺ سے کہا کہ تمہیں تو نہیں جھٹلاتے بلکہ تم جو دین پیش کرتے ہو اس کو جھٹلاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابو یزید مدنی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی۔ ابوجہل نے مصافحہ کیا۔ تو اس کے ایک ساتھی نے کہا کہ کیا تم اس شخص سے مصافحہ کرتے ہو؟ تو ابوجہل نے کہا کہ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ یقیناً یہ نبی ہے لیکن کیا کبھی اب تک ہم عبد مناف سے دب کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کی تاثیر ☆ قصہ ابوجہل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شب میں چھپ کر حضرت کی قرأت سننے کے لئے آیا۔ اسی طرح ابوسفیان بن صخر اور اخنس بن شریق بھی۔ ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی۔ صبح تک تینوں چھپ کر قرآن سنتے رہے۔ دن کا اجالا ہونے لگا۔ تو واپسی پر ایک جگہ پر تینوں کی ملاقات ہوگئی۔ ہر ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم کیسے آئے تھے۔ اب سب نے آپس میں یہ معاہدہ کیا

کہ ہم کو قرآن سننے کے لئے نہیں آنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں دیکھ کر قریش کے نوجوان بھی آنے لگیں اور آزمائش میں پڑ جائیں۔ جب دوسری رات آئی تو ہر ایک نے یہی گمان کیا کہ وہ دونوں تو نہیں آئے ہوں گے۔ چلو قرآن سن لیں۔ غرض یہ کہ صبح کے قریب پھر تینوں کا اجتماع ہوا اور خلاف معاہدہ کرنے پر ہر ایک دوسرے پر ملامت کرنے لگا اور دوبارہ معاہدہ کر لیا کہ آئندہ سے تو ہرگز نہ آئیں گے اور جب تیسری رات آئی تو پھر تینوں حضرت کی مجلس میں گئے۔ پھر صبح کے وقت معاہدہ کر لیا کہ آئندہ سے تو ہرگز نہ آئیں گے۔ اب اخنس بن شریق ابوسفیان بن حرب کے پاس آیا' اور کہنے لگا اے ابوحنظلہ تمہاری کیا رائے ہے تم نے محمد ﷺ سے جو قرآن سنا اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ابوسفیان کہنے لگا' اے ابوثعلبہ خدا کی قسم' میں نے جو باتیں سنیں' ان کو خوب پہچانتا ہوں اور اس کا جو مطلب ہے اس کو بھی جانتا ہوں لیکن بعض ایسی باتیں سنی ہیں' جن کا مقصد اور معنی نہ سمجھ سکا۔ تو اخنس نے کہا' خدا کی قسم یہی میری بھی حالت ہے۔ پھر اخنس وہاں سے چل دیا اور ابوجہل کے پاس آیا اور کہنے لگا' اے ابوالحکم! محمد ﷺ سے جو کچھ سنا تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے اور تم نے کیا سنا؟ تو ابوجہل نے کہا کہ ہم اور بنو عبد مناف مقام شرف حاصل کرنے میں ہمیشہ دست و گریباں رہے ہیں۔ انہوں نے دعوتیں کیں تو ہم نے بھی کیں۔ انہوں نے خیر و سخاوت کی تو ہم نے بھی کی۔ حتیٰ کہ ہم تو پاؤں جوڑے بیٹھے رہے اور وہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس خدا کا ایک پیغمبر آیا ہے۔ اس پر آسمان سے وحی اُترتی ہے۔ تو اب ہم یہ بات کہاں سے لائیں۔ خدا کی قسم ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے اور اس کی پیغمبری کی تصدیق نہ کریں گے اور خود پر اس کی ترجیح نہ مانیں گے۔ اخنس یہ سن کر چلا گیا اور اس آیت کے بارے میں کہ وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے' آیات خداندی کو جھٹلاتے ہیں۔

سدی کہتے ہیں کہ بدر کے روز اخنس ابن شریق نے بنی زہرہ سے کہا کہ محمد ﷺ تمہارا بھانجا ہے۔ تم اس بات کے زیادہ مستحق ہو کہ اپنے بھانجے کی طرف سے مدافعت کرو۔ اگر درحقیقت وہ نبی ﷺ ہے تو آج یوم بدر میں تم کو اس سے لڑنا ہی نہیں چاہئے اور اگر وہ کاذب ہے۔ تو اپنے بھانجے سے رک جانے کے بھی تم ہی زیادہ مستحق ہو کہ اس پر حملہ نہ کرو اور لڑائی سے الگ رہو۔ اچھا ٹھہرو! میں ابوالحکم سے مل لوں۔ اگر وہ محمد ﷺ پر غالب آ جائے تو تم کسی نقصان کے بغیر اپنے وطن واپس ہو گے اور اگر محمد غالب آ گئے تو تم نے اپنی قوم کے خلاف جنگ کی ہی نہیں تھی۔ اس لئے شرکت جنگ سے رک ہی کیوں نہیں جاتے۔ اسی دن سے اس کا نام اخنس ہو گیا۔ حالانکہ اس کا نام ابی تھا۔ اب اخنس اور ابوجہل دونوں ایک ساتھ جمع ہوئے۔ اخنس نے پوچھا کہ ابوالحکم! بھلا مجھے بتاؤ تو کہ محمد ﷺ سچے ہیں یا جھوٹے؟ یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی اہل قریش نہیں جو ہماری بات سن سکے۔ تو ابوجہل نے کہا' کم بخت' خدا کی قسم محمد ﷺ سچا ہے۔ کبھی محمد ﷺ نے جھوٹ نہیں کہا۔ لیکن بات یہ ہے کہ جب بنو قصی ہی علم بردار بھی ہوں۔ ایام حج میں سقایت اور کلید برداری کعبہ کا بھی حق انہیں کو حاصل ہو۔ پھر نبوت بھی ان کی سب مان لیں تو پھر بقیہ قریش کے لئے رہ کیا گیا۔ اسی بنا پر اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ تم کو نہیں جھٹلاتے ہیں' بلکہ آیات خداوندی کو جھٹلاتے ہیں اور محمد بھی تو آیۃ اللہ ہیں۔

اور یہ قول کہ تم سے پہلے کے رسولوں کی بھی تکذیب ہو چکی ہے۔ انہوں نے صبر کیا انہیں تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ حتیٰ کہ انہیں ہماری مدد آ پہنچی۔ اس آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور ان سے نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے نبیوں کی مدد کی گئی تھی۔ حتیٰ کہ قوم کی تکذیب اور ان کی بے حد اذیت پہنچنے کے بعد وعدہ کیا گیا کہ انجام کار کامیاب تم ہو گے۔ چنانچہ دنیا میں بھی ان کے لئے خدا کی طرف سے نصرت آ گئی۔ جیسا کہ آخرت کی نصرت حاصل ہو ہی چکی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ کی بات نہیں بدلتی اور نصرت کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا کیا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا کہ: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ......﴾ پھر فرمایا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا

وَرُسُلِي اِنَّ اللهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (المجادلہ:۲۱) اور قول پاک: ﴿لَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبَاِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ یعنی پیغمبروں کے واقعات تو تمہیں بتائے ہی جا چکے ہیں اور ان کی تاریخ میں تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ﴾ یعنی اگر تم پر ان کا اعراض شاق گزرتا ہے تو اس کا علاج کر ہی کیا سکتے ہو۔ زمین میں سرنگ لگاؤ اور وہاں سے خدا کی نشانی نکال لاؤ یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھو اور اوپر سے کوئی نشانی ڈھونڈ نکالو اور لا کر پیش کرو۔ اگر ہو سکتا ہو تو ایسا بھی کر دیکھو، یہ ایمان لائیں گے ہی نہیں۔ اگر خدا کو ان کا ایمان لانا منظور ہی ہوتا تو انہیں ہدایت پر لاجمع کرتا۔ اس لئے بات کو سمجھو ناحق کا رنج نہ کرو۔ بے سمجھ نہ بنو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ اگر خدا چاہتا تو زمین کے سب ہی باشندے ایمان لائے ہوئے ہوتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿وَلَوْ شَاءَ﴾ والی آیت کے بارے میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ سب ہی لوگ ایمان لائیں اور ہدایت کی پیروی کرنے لگیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے جس کے لئے یہ سعادت مقرر ہو چکی ہے اور قولہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ﴾ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہاری دعوت پر لبیک تو وہ لوگ کہیں گے جو تمہاری بات کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور قول پاک: ﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ یعنی ان مردوں کو خدا دوبارہ اُٹھادے گا۔ پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ مَوْتٰی سے مراد کفار ہیں کیونکہ ان کے دل مردہ ہیں۔ اس لئے اللہ نے ان کو بحالتِ زندگی بھی اموات کے نام سے یاد کیا اور اموات اجساد سے تشبیہ دی۔ یہ ان کی رسوائی اور تذلیل کے لئے تھا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں فرمایا گیا ان کے رب کی طرف سے آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بے شک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرمائیں لیکن ان میں اکثر بے خبر ہیں اور جتنے قسم کے جانور زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنی قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں۔ ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ وہ تو بہرے گونگے ہو رہے ہیں۔ طرح طرح کی ظلمتوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں بے راہ کر دیں اور جس کو چاہیں سیدھی راہ پر لگا دیں۔ ○

آیات اللہ کے مظاہر☆

مشرکین کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم جس طرح چاہتے ہیں' ایسی کوئی نشانی یا خارق عادت بات خدا کی طرف سے تم پر کیوں نہیں اُترتی ۔ مثلاً زمین کا چشموں میں جاری ہونا اور اسی طرح کی دوسری آیات' تو ارشاد ہوتا ہے کہ کہدو کہ اللہ تو اس بات پر قادر ہے لیکن اس کی حکمت تاخیر کی مقتضی ہے ۔ اس لئے کہ اگر ان کے حسب منشاء نشانی اللہ تعالیٰ نازل فرمادے اور پھر وہ ایمان نہ لائیں تو خود ہی ان پر عذاب نازل ہو جائے گا ۔ موت تک بھی فرصت نہ ملے گی ۔ جیسا کہ پہلے اُمتوں کے ساتھ ہوا ۔ خود اہل ثمود کی مثال تمہارے سامنے ہے ہم تو جو چاہیں نشان بھی دکھا سکتے ہیں اور جو چاہیں عذاب بھی کر سکتے اور پھر فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ چرنے چگنے والے جانور' اُڑنے والے پرند بھی تمہاری طرح قسم قسم کے ہیں ۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان دواب کی کئی قسمیں ہیں ۔ جن کے نام مشہور ہیں ۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "طیر" ایک اُمت ہے ۔ انس و جن بھی ایک ایک امت ہیں اور یہ امتیں تمہاری ہی جیسی مخلوق خدا ہیں ۔ مَا فَرَّطْنَا...... یعنی سب کا علم خدا کو ہے ۔ کسی کو رزق دینا وہ بھولتا نہیں ۔ خواہ وہ بری ہوں یا بحری ہوں' جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا......﴾ (ھود:۶) یعنی وہ ان کے اسما اور اعداد و شمار و مقامات کو جانتا ہے ۔ حتیٰ کہ ان کی حرکات و سکنات تک کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا......﴾ (العنکبوت:۶۰) بہت سے جاندار ہیں' جن کی روزی تیرے ذمے نہیں ۔ انہیں اور تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتا ہے ۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک سال ٹڈی دل نہیں آیا ۔ آپ نے دریافت کیا تو کچھ معلوم نہ ہوا ۔ آپ کو چونکہ تعلق خاطر تھا ۔ اس لئے عراق اور شام وغیرہ کی طرف لوگوں کو بھیج کر دریافت کیا کہ وہاں کوئی ٹڈی دل آیا ہے یمن کی طرف سے آدمی نے چند ٹڈیاں نکال کر سامنے ڈال دیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر تین بار اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار مخلوقات پیدا کی ہیں ۔ جس میں سے چھ سو سمندری ہیں اور چار سو خشکی کی ہیں ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اس ٹڈی والی مخلوق کو ہلاک کرے گا ۔ پھر پے در پے مخلوقات کی ہلاکت کا سلسلہ ایسا قائم ہو جائے گا جیسے منکے کے دانے ٹوٹ جاتے ہیں: ﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ﴾ یعنی ان ساری اُمتوں کو پھر موت آ جائے گی ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بہائم کی موت کی طرح ان کا حشر ہونا ہے ۔ اس بارے میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بہائم بھی قیامت کے روز دوبارہ اٹھائے جائیں گے ۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ﴾ (تکویر:۵) یعنی بہائم بھی محشر میں آئیں گے ۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکریوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے کو سینگ مار رہی ہیں تو کہا اے ابوذر رضی اللہ عنہ کیا جانتے ہو کہ یہ کیسے لڑ رہی ہیں ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ان میں سے ظالم کو جانتا ہے اور قیامت کے دن ان کا بھی فیصلہ کرے گا ۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اڑتے ہوئے پرندے تک کے بارے میں علم دیا ہے ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے سینگ کی بکری قیامت کے روز سینگ والی بکری سے انتقام لے گی: ﴿اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ کے بارے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بہائم' دواب اور طیر تک کو پیدا کرے گا ۔ ہر ایک دوسرے سے اپنا بدلہ لیں گے ۔ پھر فرمائے گا تم سب مٹی ہو جاؤ ۔ چنانچہ کافر بھی اس وقت کہنے لگیں گے ۔ ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے ۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ﴾ یعنی لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے وہ اپنے جہل اور بے علمی کی وجہ سے بہرے اور گونگوں کی طرح ہیں اور پھر تاریکیوں میں ہیں کہ کچھ دیکھ بھی نہیں سکتے ۔ اب ایسے لوگ ٹھیک راستہ پر چل سکیں تو کیونکر جیسے کہ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے' ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو آگ روشن کرے ۔ تو آس پاس کی چیزیں اس کو نظر آ جائیں

اس وقت آگ بجھ جائے وہ تاریکی میں رہ جائیں اور وہ کچھ نہ دیکھ سکیں'' اور اسی لئے فرمایا: ﴿مَنۡ یَّشَاِ اللّٰہُ یُضۡلِلۡہُ ؕ وَ مَنۡ یَّشَاۡ یَجۡعَلۡہُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴾ وہ جس کو چاہے گمراہ ہونے دے اور جس کو چاہے صراط مستقیم پر رکھے۔ وہ اپنی مخلوق پر اپنی حسب منشا متصرف ہے۔

قُلۡ اَرَءَیۡتَکُمۡ اِنۡ اَتٰىکُمۡ عَذَابُ اللّٰہِ اَوۡ اَتَتۡکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیۡرَ اللّٰہِ تَدۡعُوۡنَ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۰﴾ بَلۡ اِیَّاہُ تَدۡعُوۡنَ فَیَکۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡہِ اِنۡ شَآءَ وَ تَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ فَاَخَذۡنٰہُمۡ بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّہُمۡ یَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوۡ لَاۤ اِذۡ جَآءَہُمۡ بَاۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا وَ لٰکِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ زَیَّنَ لَہُمُ الشَّیۡطٰنُ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُکِّرُوۡا بِہٖ فَتَحۡنَا عَلَیۡہِمۡ اَبۡوَابَ کُلِّ شَیۡءٍ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰہُمۡ بَغۡتَۃً فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۵﴾

آپ کہیے کہ اپنا حال تو بتاؤ کہ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آ پڑے یا تم پر قیامت ہی آ پہنچے تو کیا خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ اگر تم سچے ہو۔ بلکہ خالص اسی کو پکارو۔ پھر جس کے لئے تم پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے ہو چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے۔ سو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں۔ سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی۔ وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے لیکن ان کے قلوب تو سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر کے دکھاتا رہا۔ پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے حتیٰ کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم ان کو دفعۃً پکڑ لیا۔ پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ ○

قادر توانا ☆

اللہ تعالیٰ اپنی خلق میں ہر طرح متصرف ہونے کی قدرت رکھتا ہے۔ نہ کوئی اس کا حکم بدل سکتا ہے نہ اس کی حکمت کو پیچھے ڈال سکتا ہے۔ اس سے مانگا جائے' تو اگر وہ چاہے تو قبول کر لیتا ہے۔ فرماتا ہے کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ناگہاں قیامت آ جائے یا یکایک خدا کا عذاب آ دبائے۔ تو تم اس کے سوا کسی کو نہیں پکارتے۔ کیونکہ جانتے ہو کہ اس عذاب کو خدا کے سوا کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اگر تم غیر اللہ کو خدا بنانے میں سچے ہو تو تجربہ کر دیکھو بلکہ تم تو اسی کو پکارو گے۔ پھر اگر وہ چاہے گا تو یہ عذاب ہٹائے گا۔ ایسے وقت تم اپنے شریکوں اور بتوں سب کو بھول جاتے ہو ۔ سمندر میں ہونے کی حالت میں جب کسی مشکل سے دوچار ہوتے ہو۔ تو خدا کے سوا تمام شریکوں کو بھول جاتے

ہو۔تم سے پہلے کی اُمتوں کی طرف بھی ہم نے پیغمبروں کو بھیجا اور جب انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے فقر اور تنگی کے عذاب میں جکڑ لیا
بیماریوں اور غموں میں مبتلا کر دیا۔تا کہ وہ خدا ہی کو پکاریں اور اس کے سامنے خشوع خضوع کریں۔پھر جب ہم انہیں مبتلائے عذاب
کرتے ہیں تو وہ متاثر کیوں نہیں ہوتے۔بات یہ ہے کہ ان کے دل پتھر ہو گئے ہیں۔کچھ اثر ہی نہیں ہوتا۔شیطان نے ان کے شرک
معاندت کے اعمال کو ان کی نگاہوں کے سامنے اچھا بنا کر پیش کیا ہے۔پس جب وہ ہماری تنبیہ کو بھول جاتے ہیں اور ایمان کو پس پشت
ڈال دیتے ہیں۔تو ہم پورے رزق کے دروازے ان پر کھول دیتے ہیں۔تا کہ وہ اور ڈھیل میں پڑ جائیں۔سیاست خدا سے خدا ہی کی
اور جب وہ دنیاوی تمتعات پر پھولے نہیں سماتے اور اپنے اموال و اولاد و ارزاق میں ہم سے غافل ہو جاتے ہیں۔تو یکا یک ان پر عذاب
آ جاتا ہے یا موت آ جاتی ہے۔اس نوبت پر وہ ہر خیر سے مایوس ہو جاتے ہیں۔حسن بصری کہتے ہیں کہ جس پر رزق وسیع ہوتا ہے وہ
بات پر غور ہی نہیں کرتا کہ یہ بھی خدا کی ایک سیاست ہے اور جس کو تنگ حالی ہو وہ بھی غور نہیں کرتا کہ اس کی آزمائش کی گئی ہے اور مہلت
دی گئی ہے۔ربّ کعبہ کی قسم جب گنہگاروں کو پکڑنا مقصود ہوتا ہے تو دنیا میں انہیں سرسبز رکھا جاتا ہے۔قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم
کو اس وقت نہیں پکڑا جب تک کہ وہ اپنی نعمت میں بدمست نہیں ہو گئی۔دھوکہ نہ کھاؤ۔فاسق اور گنہگار لوگ ہی دھوکا کھاتے ہیں۔﴿ابواب
کُلِّ شَیْءٍ﴾ سے مراد دنیاوی راحت و فراخ حالی ہے۔

ابن عامر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کے باوجود دنیاوی عیش و تنعم اللہ نے اسے دے رکھا
ہے۔تو یقین کر لو کہ یہ خدا کی ڈھیل کا وقت گزر رہا ہے۔پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی کہ جب وہ ہمیں بھول جاتے ہیں۔تو ہم انہیں
ہر طرح کا عیش و تنعم بخشتے ہیں اور جب وہ اس پر مغرور ہو جاتے ہیں اور پھر ہماری گرفت میں آ جاتے ہیں' تو ہر طرح سے مایوس ہو جاتے
ہیں۔نبی ﷺ فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو باقی رکھنا اور ترقی دینا چاہتا ہے تو اس کو پاک دامنی اور میانہ روی بخشتا ہے اور
قوم سے اپنا رشتہ توڑ لینا چاہتا ہے تو اسے کشائش عطا فرماتا ہے اور باب خیانت اس پر کھول دیتا ہے اور جب وہ مغرور ہو جاتے ہیں
ناگہاں اسے پکڑ لیتا ہے۔اب وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہتے ہیں اور اس قوم کا ﴿نَسْیًا مَّنْسِیًّا﴾ ہو جاتا ہے۔حمد کی سزاوار خدا ہی کی ذات ہے
(مسند احمد)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ
غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝٤٦ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ
اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٤٨ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾

آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے۔ کہ یہ تم کو پھر دے دے۔ آپ دیکھیے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں۔ پھر یہ اعراض کرتے ہیں۔ آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے خواہ بے خبری میں یا خبر داری میں تو کیا بجز ظالم بندوں کے اور بھی کوئی ہلاک ہوگا اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو شخص ایمان لے آئے اور درستی کر لے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلا دیں ان کو عذاب لگتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ دائرہ (ایمان سے) نکلتے ہیں۔ O

کفار کو تہدید ☆

رسول پاک سے ارشاد فرماتا ہے کہ مکذبین معاندین سے کہو کہ کچھ خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ سماعت و بصارت کو اگر سلب کر لے جو تمہیں دے رکھا تھا تو پھر تمہارا کیا حال ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ......﴾ (الملک: ۲۳) اور یہ بھی محتمل ہے کہ یہ مراد ہو کہ سماعت و بصارت کے ہوتے ہوئے انتفاع شرعی سے انہیں محروم کر دے اور حق بات کے استفادہ سے وہ اندھے اور بہرے ہو جائیں اور یہی مطلب تھا: ﴿وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ﴾ کا جیسا کہ فرمایا: ﴿اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ (یونس: ۳۱) اور فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ (الانفال: ۲۴) یعنی اگر وہ تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو خدا کے سوا کون ہے جو اس مہر کو توڑ سکے گا۔ اسی لئے فرمایا کہ ذرا غور کرو کہ ہم اپنی باتیں کس قدر وضاحت سے بیان کر دیتے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہوتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور جتنے معبود تم نے بنا رکھے ہیں۔ سب باطل ہیں۔ اس واضح چیز کے بعد بھی وہ اتباع حق سے لوگوں کو روکتے ہیں اور خود بھی رکتے ہیں۔ کچھ جانتے ہو کہ اگر خدا کا عذاب تمہیں آپہنچے اور اس کا وہم و گمان بھی تمہیں نہ ہو یا دیکھتے دکھاتے سامنے آجائے تو کیا اس گمراہ قوم کے سوا اور کوئی ہلاک ہوگا کیونکہ یہ لوگ شرک باللہ کے سبب خدا کے حیطۂ اقتدار میں ہیں لیکن وہ نجات پا جائیں گے۔ جو خدائے واحد کی عبادت کرتے ہیں۔ ان پر نہ خوف ہے نہ حزن جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ......﴾ (الانعام: ۸۲) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک سے خراب نہ کیا۔ ان کے لئے امن و امان ہے اور وہ راہ یافتہ ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم پیغمبروں کو تو جنت کی خوشخبری اور دوزخ کی تہدید و تخویف کے لئے بھیجتے ہیں۔ وہ نیک مومن بندوں کو بشارت دیتے ہیں تو کفر و گناہ کرنے والوں کو تنبیہ بھی کرتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ جو دل سے ایمان لانے اور نبی کی اتباع میں عمل صالح کرے تو اس پر آئندہ کے لئے کوئی خوف نہیں اور ماضی کی انہیں کوئی حسرت اور رنج نہیں کیونکہ ان کے پچھلوں کا اللہ والی ہے۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے انہیں اپنے کفر و فسق کے سبب عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ اوامر خداوندی سے آزاد بن گئے ہیں اور ان کے مناہی اور محارم کا ارتکاب کرنے لگے ہیں اور اس کے حدود کو توڑنے لگے ہیں۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کر لیتا ہوں۔ آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کیا برابر ہوسکتا ہے۔ سو کیا تم غور نہیں کرتے اور ایسے لوگوں سے ڈرایئے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا۔ اس اُمید پر کہ وہ ڈر جائیں اور ان کو نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں ورنہ آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے اور اسی طور پر ہم نے ایک دوسرے کو ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے۔ کیا یہ بات نہیں کہ اللہ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمے مقرر کرلیا ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے جہالت سے' پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح رکھے تو اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول اور اس کے بندہ ہیں ☆

اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے رسول ﷺ ان سے کہہ دو کہ میں اس کا دعویٰ ہی کب کرتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے

گڑے ہیں اور نہ مجھے اس کا دعویٰ ہے کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ غیب کا علم تو صرف خدا کو ہے۔ مجھے اس میں سے صرف اسی قدر معلوم ہے۔ جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے معلوم کرا دیا اور نہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ میں تو ایک بشر ہی ہوں صرف بات یہ ہے کہ میری طرف اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے۔ مجھے اس نے اس کا شرف بخشا ہے اور احسان فرمایا ہے۔ اسی لئے میں وحی کے سوا اور کسی چیز کا اتباع نہیں کرتا اور حدودِ وحی سے بالشت بھر بھی باہر نہیں ہوتا اور کہہ دو کیا بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں۔ یعنی حق کی پیروی کرنے والے اور اس سے گمراہ لوگ دونوں مساوی ہو سکتے ہیں۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے جیسا فرمایا۔ ''کیا وہ شخص جانتا ہے کہ جو کچھ تیری طرف تیرے ربّ کی جانب سے نازل ہوا ہے حق ہے۔'' مثل اس بات کے جاننے والے کے ہو سکتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) اس قرآن کے ذریعے تم ان لوگوں کو خوف دلاؤ۔ جنہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس بات کا خوف کہ خدا کے سوا کوئی ولی ہے نہ کوئی شفیع کام دے گا۔ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے خوف سے ڈرتے ہیں اور روزِ حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ جنہیں خوف ہے کہ خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا' اس روز ان کے لئے نہ کوئی ولی ہے' نہ کوئی شفیع کہ شفاعت کر کے انہیں عذاب سے چھٹکارا دلائے۔ انہیں اس دن سے ڈراؤ' جس دن خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ شاید کہ وہ خدا سے ڈریں اور اس دنیا میں ایسے عمل کریں' جو انہیں قیامت کے روز عذاب سے نجات دے اور اگر ثواب ملے تو دگنا ملے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ صبح و شام خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور اخلاص رکھتے ہیں' ایسے لوگوں کو اپنے پاس سے نہ ہٹانا۔ بلکہ اپنے مخصوص ہم نشین قرار دینا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ......﴾ (الکہف: ۲۸) وہ لوگ ربّ کی صبح شام عبادت کرتے ہیں اور دن رات کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المومن: ۶۰) اور ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ مخلصانہ لوجہ اللہ یہ عمل کرتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ نہ ان کا حساب تم سے لیا جائے گا اور نہ تمہارا حساب ان سے لیا جائے گا۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام کا قول ہے ان لوگوں کے جواب میں جنہوں نے کہا تھا کیا ہم تم پر ایمان لائیں' حالانکہ تمہاری پیروی تو گھٹیا درجہ کے لوگ کرتے ہیں تو نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے تو علم نہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اگر تمہارے پاس عقل ہے تو اس بات کو بھی سمجھو کہ ان کی بات کو خدا جانتا ہے۔ وہی ان کا محاسب ہے اور اے نبی ﷺ اگر تم ان کو اپنے پاس ہٹا دو گے تو ظالمین سے سمجھے جاؤ گے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش کی جماعت نبی ﷺ کے پاس آئی۔ وہاں حضرت خبابؓ اور صہیبؓ اور بلالؓ اور عمارؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ تو ان عزت دار لوگوں نے کہا اے محمد ﷺ کیا تم کو قوم کے یہ لوگ پسند ہیں' کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا ہے؟ اب ہم ان کے گروہ میں مل کر تمہارے تابع کیسے بن سکتے ہیں۔ تم انہیں پاس سے ہٹا دو۔ تو پھر ہم تمہاری پیروی کریں۔ تو یہ آیت اُتری تھی۔ اس موقع پر اللہ پاک نے فرمایا کہ اس طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ فتنہ اور آزمائش میں ڈالا۔ نبی ﷺ کے اطراف ان مومنین ضعفا کو دیکھ کر ان لوگوں نے ان کی توہین کی تھی۔ چنانچہ حضور ﷺ سے خلوت میں کہا کہ ہم آپ کے ساتھ شریک مجلس رہنا چاہتے ہیں۔ یہ دیہاتی عرب اپنے پر ہماری فضیلت سے واقف ہیں۔ وفودِ عرب آپ کے پاس آتے رہتے۔ ہمیں شرم آتی ہے کہ وہ لوگ ہمیں ان گھٹیا درجہ کے لوگوں کے ساتھ دیکھیں۔ ہم جب آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں اپنے پاس سے اٹھا دیا کیجئے اور ہم جب آپ کے پاس سے اٹھ جائیں تو چاہے پھر اپنے پاس بٹھا لیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا' اچھا۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اس کا تحریری معاہدہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی کو بلوایا تاکہ لکھیں۔ یہ ضعفاء مومنین ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ آیت اُتری کہ انہیں اپنے پاس سے نہ ہٹانا' یہ خدا کو یاد کرتے ہیں۔ تو نبی ﷺ نے کاغذ علیؓ سے لے کر پھینک دیا اور ان لوگوں کو

اپنے نزدیک بلا لیا۔ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور اقرع بن حابس اور عیینہ بعد ہجرت ایمان لائے تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت چھ اصحاب نبی کے بارے میں اُتری ہے۔ جن میں سے ابن مسعود رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے میں ایک دوسرے پر پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ آپ ہم کو قریب بٹھالیتے تو قریش کہتے تھے کہ ہمیں چھوڑ کر آپ انہیں اپنے سے قریب تر کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے آزمالیا کہ کون ان میں کیسا ہے۔ کون ان میں کیسا ہے۔ اس امتحان کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار قریش کہتے تھے کہ کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم پر احسان کرنے کے بجائے اللہ نے ان پر احسان کیا ہے۔ بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائے تبلیغ کے زمانہ میں غالب تر حصہ ان مردوں' عورتوں اور غلاموں کا تھا' جو کمزور اور نچلے درجے کے لوگ تھے۔ امیروں اور سرداروں میں سے بہت کم ایمان لائے تھے۔ جیسے کہ قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی تو سطحی اور گھٹیا درجے کے لوگ ہی کرتے ہیں اور ممتاز اور صاحب وجاہت آدمی نہیں کرتا اور اسی طرح ہرقل ملک روم نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ کیا قوم کے بڑے ان کی پیروی کرتے ہیں یا غریب لوگ؟ تو ابوسفیان نے کہا تھا کہ ضعفاء اور غرباء زیادہ پیرو ہیں تو ہرقل نے کہا تھا کہ انبیاء کی پیروی پہلے ایسے ہی لوگوں نے کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین قریش ان مومن ضعفاء کا مذاق اُڑاتے تھے اور اگر بس میں ہوتا تو انہیں اذیت پہنچاتے۔ آخر خدا نے خیر کی طرف ان لوگوں کی کیوں رہنمائی کی۔ جس بات کی طرف ان لوگوں نے پہل کی ہے اگر وہ خیر ہے تو خدا نے ہمیں کیوں چھوڑ دیا ہے اور کہتے تھے کہ اگر اس کے تسلیم کرنے میں خیر ہوتی تو ہم سے یہ آگے بڑھتے ہی نہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ کافر مومنین سے کہتے ہیں کہ بتاؤ دونوں میں اچھا کون رہا اور شریف عزت دار اور دولت مند کون ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان سے پہلے ایسی کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا' جو بڑے رتبے اور اعزاز والے اور جاہ و شوکت والے تھے اور جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ان کو کیوں ترجیح دی؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ سچے شکر گزاروں اور نیک دل اور اچھے کرداروں کو نہیں جانتا؟ اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو توفیق دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور رنگوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ عکرمہ سے اس آیت کے بارے میں عبرت دلاؤ ان لوگوں کو جنہیں خدا کے سامنے آنے کا اندیشہ تھا' یہ روایت ہے کہ نبی عبد مناف کے چند کافر شرفاء ابوطالب کے پاس آکر کہنے لگے کہ اے ابوطالب کاش تمہارا بھتیجا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے غلاموں اور خادموں کو اپنے پاس سے ہٹا دیتا کیونکہ وہ ہمارے غلام اور خادم ہیں اور یہ بات ہمیں بہت شاق گزرتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کریں گے اور ان کی پیروی اور تصدیق کریں گے۔ تو ابوطالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس کا ذکر کیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے' اچھا ایسا بھی کر دیکھیے' معلوم ہو جائے کہ ان کا کیا ارادہ ہے اور اس کے بعد وہ کیا کریں گے۔ تو یہ آیت اُتری۔ یہاں تک فرمایا' کیا اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو نہیں جانتا۔ شکر گزار بندوں سے یہ لوگ مراد ہیں۔ بلال' عمار بن یاسر' سالم' مولیٰ بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہم صبیحا اسید کی آزاد کردہ اور ابن مسعود کے حلیف۔ مقداد بن عمر' مسعود ابن القاری' واقد بن عبداللہ حنظلی' عمرو بن عبد عمر' ذوالشمالین' مرثد بن ابی مرثد' ابو مرثد الغنوی جو حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔ (رضی اللہ عنہم)۔

اور یہ آیت قریش کے سرداروں اور ان کے حلیفوں کے بارے میں اُتری تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عمرؓ اُٹھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے غلط مشورے کی معذرت کرنے لگے۔ چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب ہماری آیتوں پر ایمان لانے

لے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان سے کہو کہ تم پر سلامتی ہو۔ یعنی انہیں سلام کہہ کر ان کی عزت بڑھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ کی خوشخبری دو اور اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کریمہ پر رحمت کو واجب کر لیا ہے اور جو تم میں سے نادانستگی کے سبب کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور پھر ہمیشہ کے لئے معاصی سے باز رہے اور ارادہ کر لے کہ پھر ایسا نہ کروں گا۔ تو خدا تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنی تقدیر قائم کی تو عرش پر جو اس کتاب یعنی لوحِ محفوظ ہے' اس میں تحریر فرما دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مخلوق کے بارے میں نفاذ حکم سے اللہ تعالیٰ فارغ ہو گا۔ تو تحت عرش سے کتاب نکالے گا' جس میں لکھا ہو گا کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔ پھر اپنی ایک یا دو مٹھی بھر مخلوق کو دوزخ سے نکالے گا۔ جنہوں نے کچھ خیر کے کام نہ کئے ہوں گے اور ان کی آنکھوں کے درمیان ماتھے پر لکھا ہو گا: عُتَقَاءُ اللّٰہِ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔

سلمان نے قول باری تعالیٰ: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ کے بارے میں لکھا ہے کہ ہم تورات میں یہ مکتوب پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اپنی سو رحمتیں پیدا کیں اور یہ مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ہی پیدا کیں۔ پھر مخلوق کو پیدا کر کے ان میں سے ایک رحمت مخلوق کے درمیان تقسیم کی اور اپنے پاس ننانوے حصے رحمت کے رکھ لئے۔ اسی ایک رحمت کی برکت سے لوگ آپس میں رحمت و محبت برتتے ہیں۔ بذل و کرم کرنے میں میل ملاپ رکھتے ہیں اونٹنی اور گائے اور بکری اسی رحمت میں سے حصہ لے کر اپنے بچوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور سمندر میں دو سانپ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اور قیامت کے روز اللہ پاک ان سب رحمتوں کو اور اپنے پاس کی رحمتوں کو سب کو گنہگار بندوں پر نازل فرمائے گا۔ اس مضمون میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں چنانچہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے شریک نہ کریں۔ پھر پوچھا کہ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ پھر کہا یہ ہے کہ خدا انہیں معاف کر دے اور مبتلائے عذاب نہ کرے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٥٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ

إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٥٩﴾

اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے خیالات اتباع نہ کروں گا کیونکہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ جس کا تم تقاضا کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اللہ ہی کے پاس ہیں خزانے تمام مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے۔ ○

نبی اپنی مرضی سے عذاب نہیں لا سکتا ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح ہم نے سابقہ بیانات میں دلائل و براہین کے ذریعہ رشد و ہدایت وغیرہ کو واضح کر دیا۔ اسی طرح آیتیں جن کے مخاطب محتاج ہیں' وضاحت سے بیان کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ مجرمین کا راستہ کھل کر سامنے آ جائے۔ اے (ﷺ) کہہ دو کہ جو وحی اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے۔ میں اسی بصیرت رکھتے ہوئے قائم ہوں اور تم نے تو حق کو جھٹلا دیا ہے جس عذاب کی جلدی کر رہے ہو وہ میرے بس کی بات نہیں۔ حکم تو صرف خدا کا چلتا ہے۔ اگر وہ جلد تم پر عذاب لانا چاہے تو فوراً جائے اور وہ دیر کرنا چاہے اور اپنی حکمت عظیمہ سے تمہیں مہلت دے تو اس کا اختیار ہے اسی لئے فرمایا کہ وہ حق طریقہ اختیار فرماتا ہے وہ احکام وقضایا کے فیصلہ کرنے میں اور بندوں کے درمیان کوئی حکم نافذ کرنے میں حق پر ہوتا ہے۔ تم کہہ دو کہ اگر تم پر عذاب جلدی میری اختیاری بات ہوتی تو تم جس عذاب کے مستحق ہو' میں تو اس کو تم پر فوراً ہی نازل کر دیتا اور اللہ تو ظلم کرنے والوں سے خوب واقف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں اور اس حدیث میں جو صحیحین سے ثابت ہے آپس میں جمع و توافق کیا ہے۔ یعنی وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا یوم احد سے بھی کوئی شدید دن آپؐ پر گزرا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری اس قوم سے سخت ترین تکلیف جو مجھے پہنچی' وہ یوم عقبہ میں پہنچی۔ جب کہ میں نے ابن عبد یالیل پر اپنے پیش کیا تو میری دعوت اس نے توجہ نہیں کی۔ نہایت غمگین ہو کر چل کھڑا ہوا۔ مقام قرن ثعالب میں آ کر میرے حواس ٹھیک ہوئے اور نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک ابر میرے اوپر چھایا ہوا ہے۔ اس میں جبریل علیہ السلام دکھائی دے رہے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ یا ﷺ! تمہاری قوم نے جو تم سے کہا' اللہ تعالیٰ نے سن لیا۔ پہاڑوں پر مسلط فرشتہ کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ تم جو چاہو اسے حکم دو۔ ملک الجبال نے بھی آواز دی اور سلام عرض کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف اسی لئے بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں

دونوں پہاڑ تمہاری قوم پر گرادوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ خدا انہی کافروں کی نسل سے ایسے لوگ بھی پیدا کر دے جو مؤمن نکلیں اور کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ یہ مسلم کے لفظ ہیں کہ ان پر فرشتے نے اپنا عذاب پیش کیا تو حضور ﷺ نے اس کو مہلت دینے کو کہا اور عذاب میں تاخیر کی خواہش کی۔ تا کہ ان کی نسل سے مومن پیدا ہو سکیں۔ تو اب شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث اور خدا کے قول بالا میں مطابقت کس طرح ہوگی۔ سابقہ قول یہ ہے کہ جو عذاب تم مانگتے ہو اگر مجھے اس پر دسترس ہوتی تو ہمارا تمہارا فیصلہ اسی وقت ہو جاتا اور میں اسی وقت تم پر عذاب نازل کر دیتا اور یہاں دسترس ہونے کے باوجود حضرت ﷺ عذاب نازل نہیں فرما رہے ہیں۔ یہ شبہ یوں دور ہو سکتا ہے کہ آیت پاک تو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جس عذاب کو وہ طلب کرتے ہیں تو طلب کرنے پر وقوع عذاب ہو جاتا اور حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ انہوں نے عذاب طلب کیا تھا۔ بلکہ فرشتے نے اپنی طرف عذاب کی پیش کش کی تھی کہ اگر آپ چاہیں تو یہ اخشبین جو مکہ میں دو پہاڑ ہیں اور جنوباً و شمالاً اس کو گھیرے ہوئے ہیں ان پر گرادوں لیکن حضور ﷺ نے نرمی کرنے اور تاخیر سے کام لینے کی خواہش ظاہر کی۔

عالم الغیب ☆ پھر ارشاد باری ہے کہ غیب کی باتیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ غیب کی باتیں پانچ ہیں وہ یہ کہ: اوّل قیامت کا وقت خدا تعالیٰ کی سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسرے پانی کا برسنا تیسرے یہ کہ حمل میں لڑکا ہے یا لڑکی (نیک ہے یا بد)۔ چوتھے یہ کہ کل کوئی شخص کیا کرنے والا ہے۔ پانچویں یہ کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس مقام میں مرے گا۔ اللہ ہی ان باتوں سے واقف ہے۔ حدیث عمر میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک وقت ایک اعرابی کی شکل وصورت میں آپ کے پاس آئے اور ایمان و اسلام و احسان کے بارے میں آپ سے سوالات کئے۔ تو نبی ﷺ نے جواب کے ضمن میں فرمایا تھا کہ پانچ چیزوں کا علم خدا کی سوا کسی کو نہیں۔ پھر آیت تلاوت کی کہ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ......﴾ اور قولہ ﴿وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ﴾ یعنی اس کا علم کریم جمیع موجودات بری و بحری پر محیط ہے۔ زمین اور آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں۔ حریری نے کیا خوب کہا ہے

فَلَا يَخۡفٰى عَلَيۡهِ الذَّرُّ اِمَّا ☆ تَرَاءٰى لِلنَّوَاظِرِ اَوۡ تَوَارٰى

یعنی خدا تعالیٰ سے کوئی ذرہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا﴾ جب وہ جمادات کی حرکات کو جانتا ہے تو پھر حیوانات اور خصوصاً جن وانس کی حرکات واعمال کو کیسے نہ جانے گا۔ جب کہ وہ مکلف بھی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ﴾ (لقمان ۳۴) بر و بحر کے ہر شجر پر ایک فرشتہ مسلط ہے جو پتوں کے گرنے تک کی یادداشت رکھتا ہے۔ کتاب لوح محفوظ میں ہر رطب و یابس ہر سیدھی ٹیڑھی بات اور زمین کی تاریکیوں کے اندر کا ایک ایک ذرہ تک لکھا ہوا ہے۔ ہر درخت بلکہ سوئی کے ناکے پر بھی فرشتہ مقرر ہے۔ یعنی کب یہ تر و تازہ ہوا اور کب سوکھ گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دوات کو پیدا کیا اور الواح پیدا کئے اور دنیا میں تمام ہونے والے امور درج کئے کہ کیسی مخلوق پیدا ہوگی۔ رزق اس کو حلال ملے گا یا حرام۔ عمل اس کا نیک ہوگا یا برا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ تیسری زمین سے نیچے اور چوتھی کے اوپر کے جنوں نے تمہارے لئے ظاہر ہونا چاہا لیکن ان کا نور اور روشنی کسی زاویہ سے بھی تمہیں دکھائی نہ دے سکی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خواتیم ہیں کہ ہر خاتم پر فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر روز ایک فرشتہ کو بھیج کر کہتا ہے کہ جو خاتم تیرے حوالے ہے اس کی حفاظت کر۔

وَهُوَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ بِالَّيۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ فِيۡهِ لِيُقۡضٰٓى

اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾

اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر جگا اُٹھاتا ہے تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے۔ پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے۔ پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ کیا کرتے تھے۔ اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب اپنے مالکِ حقیقی کے پاس لائے جائیں گے خوب سن لو کہ فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا۔ ○

وہی مارتا ہے اور پیدا کرتا ہے ☆

اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو رات کے وقت بوقت خواب وفات دیتا ہے اور یہ وفات اصغر ہے۔ جیسا کہ فرمایا' جب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے عیسیٰ میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف تمہیں اٹھا لینے والا ہوں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفوس کو وفات دے دیتا ہے اور جو بحالت خواب مرنہیں جاتے ہیں۔ وہ ایسے نفوس ہوتے ہیں کہ ان پر طاری ہونے والی موت روک دی جاتی ہے اور ان پر دوسری موت بھیجی جاتی ہے یعنی نیند اور یہ مقررہ موت تک ہوتا ہے۔ اس آیت میں دو وفاتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک موت کبریٰ' دوسری صغریٰ' پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہ رات کے وقت تم کو وفات دے دیتا ہے۔ تم کاروبار سے رک جاتے ہو لیکن دن میں تم اپنے کام میں لگے رہتے ہو اور وہ تمہارے دن بھر کے اعمال کو جانتا ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اپنی مخلوق پر کیسا محیط ہے۔ رات کو حالت سکون میں اور دن میں بحالت حرکات جیسا کہ فرمایا: ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾ (الرعد: ۱۰) یعنی چھپا و کھلا رات کا یا دن کا سب امور کا اسے علم ہے اور فرمایا: ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ......﴾ (القصص: ۷۳) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تمہارے لئے دن اور رات بنایا کہ رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں کماؤ کھاؤ اور فرمایا کہ ہم نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا اور دن کو طلب معاش کا وقت اسی لئے آیت زیر ذکر میں فرماتا ہے کہ رات کو وہ تم کو مار دیتا ہے اور دن میں جو اعمال تم نے کر رکھے ہیں' انہیں جانتا ہے۔ پھر اس ظاہری موت کے بعد دن کے وقت پھر تمہیں جیتا جاگتا اُٹھاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ جب وہ سو جائے تو اس کے نفس کو لے لیتا ہے اور خدا کے پاس لے جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ روک رکھ تو روک لیتا ہے ورنہ پھر اس کے جسم میں واپس کر دیتا ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ﴾ کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ یعنی ہر شخص کا مقررہ وقت پورا ہو جانے پر اس کی جان خدا تعالیٰ کے پاس پہنچا دی جاتی ہے۔ اللہ پاک اس کو بتلا دیتا ہے کہ تو کیا عمل کرتا تھا اور پھر اس کا بدلہ دیتا ہے۔ خیر

ہے تو خیر کا بدلہ برا ہے تو برا۔ قولہ تعالیٰ: ﴿الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ یعنی وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر شے اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اس نے انسان پر ملائکہ مقرر کر رکھے ہیں' جو اُس کی ہر آن حفاظت کرتے ہیں جیسے کہ انسان کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت فرماتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا: ﴿اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾ (الانفطار: ۱۰) اور فرمایا: ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ……﴾ (ق: ۱۷) اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو ہمارے ملائکہ اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ملک الموت کے کئی فرشتے مددگار ہوتے ہیں جو جسم سے روح کھینچتے ہیں اور جب حلق تک روح آ پہنچتی ہے تو ملک الموت قبض کر لیتے ہیں اور اس کا ذکر بوقت تفسیر آیت: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ (الواقعہ: ۴۹) میں آئے گا۔ پھر فرمایا: ﴿وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ﴾ یعنی وہ روح متوفی کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ پھر اس کو وہاں پہنچا دیتے ہیں۔ جہاں خدا کی مرضی ہوتی ہے۔ اگر وہ نیک ہو تو علیین میں جگہ دی جاتی ہے اور اگر فاجر ہو تو سجین میں۔ جو دوزخ کا طبقہ ہے۔ خدا کی پناہ۔ پھر ملائکہ ان روحوں کو اپنے مولائے حق کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ یہاں ہم ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ جس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والے کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔ اگر وہ مرد صالح ہو تو کہتے ہیں کہ "آجا اے نفس طیبہ! تو جسد طیب میں تھا' دنیا سے محمود واپس آ۔ تجھ کو جنت کے روح و ایمان کی خوشخبری ہے۔ خدا تجھ سے ناراض نہیں" جب یہ مسلسل کہتے رہتے ہیں تو روح جسم سے نکل آتی ہے۔ وہ اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں' آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھل جاتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاح کی روح ہے تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں "مرحبا اے نفس طیبہ تو جسم طیب میں تھا' تجھے خوشخبری ہے۔" یہاں تک کہ وہ اسے لے کر اس آسمان تک پہنچتے ہیں جہاں اللہ پاک ہے اور اگر وہ جان بدکار کی جان ہے تو کہتے ہیں کہ "اے خبیث جسم میں رہنے والی خبیث جان! نکل ذلیل بن کر۔ تجھے حمیم وغساق کی خوشخبری ہے اور تیرے لئے اسی پیپ اور آب گرم کی طرح اور دوسرے عذاب بھی ہیں۔" بار بار کہنے کے بعد جب وہ نکلتی ہے تو اسے لے کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ دروازہ کھل جاتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے کون ہے؟ کہا جاتا ہے فلاں۔ تو فرشتے کہتے ہیں کہ لعنت ہے تجھ پر اے نفس خبیثہ! تیرے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ پھر وہ جان قبر اپنی کی طرف واپس کر دی جاتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور محتمل ہے کہ یہ مراد ہو کہ ثُمَّ رُدُّوْا یعنی ساری مخلوق کو قیامت کے روز خدا تعالیٰ کی طرف رد کیا جائے گا اور اللہ پاک حسب انصاف ان پر حکم صادر فرمائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ اور پھر وارد ہے: ﴿وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ (الکہف: ۴۷) یعنی اولین و آخرین سب کو بروز قیامت جمع کیا جائیگا۔ ہم سب کو اٹھائیں گے کسی کو نہیں چھوڑ ینگے اور اللہ کسی پر ظلم نہیں کریگا۔ وہ مولائے حق ہے۔ حکم صرف اسی کا چلتا ہے۔ وہ بہت جلد سب کا حساب لیگا۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ

نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے اس حالت میں نجات دیتا ہے کہ تم اس کو پکارتے ہو تذلل ظاہر کے ساتھ چپکے چپکے کہ اگر آپ ہم کو ان سے نجات دے دیں تو ہم ضرور حق شناسی والوں سے ہو جائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو آپ کہئے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا یہ کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے سے لڑائی چکھا دے۔ آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔ شاید وہ سمجھ جائیں۔ ○

مصائب سے نجات دینے والا ☆

اللہ اپنے بندوں پر احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ ہم نے بر و بحر کی تاریکیوں سے ان پریشان حالوں کو کیسے نجات دی۔ جب کہ بری مشکلات اور بحری گرداب میں پھنس گئے تھے۔ جہاں مخالف ہوائیں چل رہی تھیں اور اس وقت وہ صرف خدا تعالیٰ ہی سے دعا کر رہے تھے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا کہ جب تمہیں سمندر میں کسی مصیبت سے سابقہ پڑتا ہے تو اس وقت ان سارے شرکاء کو بھول جاتے ہو۔ کوئی بت یاد نہیں آتا اور یاد آتا ہے تو صرف خدا۔ قول پاک ہے کہ تمہارا خدا وہی خدا تو ہے جو بحر و بر میں تمہیں لے چلتا ہے اور جب جہاز خوشگوار اور موافق ہوا کے ساتھ چلتے ہیں تو بڑے خوش رہتے ہو اور جب مخالف ہوائیں چلتی ہیں اور ہر طرف سے موجیں ٹکراتی ہیں اور یقین ہو جاتا ہے کہ اب تو موت میں گھر گئے تو بڑے خلوص سے خدا کو پکارتے ہیں کہ اے خدا!! اگر اس مصیبت سے تو ہمیں نجات بخشے گا تو تیرے بہت شکر گزار بندے بنیں گے اور ارشاد ہوتا ہے کہ غور تو کرو کہ بحر و بر کی تاریکیوں میں تمہیں سیدھی راہ کون چلاتا ہے؟ اور خوش آئندہ ہواؤں کو اپنی رحمت سے کون بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے جسے تم نے شریک بنا لیا ہو؟ اور یہ آیت کریمہ کہ ظلمات بحر و بر سے کون نجات دیتا ہے۔ جس کو سراً و علانیۃً پکارتے ہو کہ اگر تو ہمیں نجات دے دے تو ہم شکر گزار بنیں گے۔ کہہ دو کہ اللہ ہی نے تمہیں اس سے اور ہر درد و کرب سے نجات بخشی ہے لیکن تم پھر بھی خوش حالی میں بتوں کو اس کا شریک بناتے ہو خدا اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب نازل فرمائے۔ جیسا کہ سورہ سبحان میں ہے کہ تمہارا ربّ ہی جہازوں کو سمندر میں چلاتا ہے۔ تا کہ تم دولت کو کماؤ۔ وہ تم پر رحیم و کریم ہے اور جب تمہیں کوئی تکلیف آ پہنچتی ہے تو اپنے سب بتوں کو بھول جاتے ہو اور خدا ہی یاد رہ جاتا ہے اور جب سمندر کے خطرات سے بچا کر خشکی پر لا کھڑا کرتا ہے تو خدا سے اعراض کر جاتے ہو۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ خشکی پر آنے کے بعد کیا تم محفوظ ہو گئے۔ وہ چاہے تو پانی میں ڈبونے کی طرح کیا زمین کے اندر بھی تمہیں نہیں دھنسا سکتا۔ یا تم پر آسمان سے پتھراؤ ہو جائے اور پھر کوئی تمہارا مددگار نہ ہو۔ وہ تمہیں پھر سمندر کا سفر کرا کر[1] اور بادِ مخالف کو بھیج کر تمہیں غرق کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ قادر ہے کہ چاہے تو تمہارے سر کے اوپر سے یا تمہارے پیروں تلے ہی سے تم پر عذاب بھیج دے۔ یہ مشرکین سے خطاب تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ تنبیہ امت محمد ﷺ کے لئے ہے۔ ہم یہاں چند احادیث ذکر کریں گے جو اسی سے متعلق ہیں۔ بھروسہ خدا ہی پر ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت مندرجہ بالا کے بارے میں فرمایا کہ: ﴿یَلْبِسَكُمْ﴾ یعنی تم فرقے بن بن کر آپس میں تفرقہ بازیاں کرنے لگو اور ایک دوسرے سے لڑ بیٹھو۔ یعنی اللہ چاہے تو ایسے عذاب میں بھی مبتلا فرما سکتا ہے۔ جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ

[1] یعنی ایسی صورت حال پیدا کر دے جس کے نتیجہ میں تم بحری سفر پر مجبور ہو۔

جب یہ آیت اُتری یعنی: ﴿عَذَاباً مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ والی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَعُوذُ بِوَجْهِكَ)) اور ﴿تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ کے وقت بھی فرمایا: ((اَعُوذُ بِوَجْهِكَ)) یعنی اے خدا تیری پناہ اور جب: ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا ...... ﴾ سنا تو فرمایا یہ نسبتاً سہل ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اُتری: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ﴾ (الیٰ آخرہ) تو آپ نے فرمایا: ((اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)) پھر ﴿مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ سن کر بھی فرمایا: ((اَعُوذُ بِاللّٰهِ)) پھر: ﴿يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ سن کر فرمایا یہ آسان ہے۔ اگر اس پر آپ ﷺ پناہ مانگتے تو مانگ سکتے تھے۔ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ اس آیت کو سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات ہو کر رہے گی اور ابھی تک ہوئی نہیں ہے۔ ایک حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ اور مسجد بنی معاویہ میں آئے۔ وہاں آپ نے دو رکعت پڑھیں۔ ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر آپ ﷺ دیر تک ربّ عزوجل سے مناجات میں مصروف رہے۔ پھر فرمانے لگے کہ میں نے تین باتوں کی خدا سے درخواست کی تھی کہ میری امت فرعونیوں کی طرح غرق ہو کر تباہ نہ ہو اور قحط سے ہلاک نہ ہو اور ان کے گروہوں کے اندر جنگ برپا نہ ہو جائے تو پہلی دو باتیں تو منظور کر لی گئیں اور تیسری بات نامنظور کر دی گئی۔

جابر بن عتیک سے روایت ہے کہ ہمارے پاس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مقام بنی معاویہ میں آئے۔ جو انصار کا ایک گاؤں ہے اور کہا کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری اس مسجد میں نبی ﷺ نے کہاں نماز پڑھی تھی؟ میں نے کہا' ہاں اور ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر پوچھا وہاں آپ نے کن تین باتوں کی دعا کی تھی۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے دعا کی تھی کہ کوئی دشمن میری امت پر غالب نہ ہو اور قحط انہیں ہلاک نہ کرے۔ تو یہ دونوں باتیں منظور کر لی گئیں اور یہ بھی دعا کی تھی کہ ان کی آپس میں جنگ نہ ہو تو یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تم نے ٹھیک کہا۔ چنانچہ قیامت تک مسلمانوں کی آپس میں جنگیں ہوتی رہیں گی [1]۔ یہ حدیث صحاح میں درج نہیں ہے لیکن اس کی اسناد عمدہ ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو مجھ کو بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ ابھی چلے گئے ہیں۔ جہاں جاتا' کہا جاتا کہ ابھی یہاں سے چلے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کو ایک جگہ نماز پڑھتے دیکھا۔ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا آپ ﷺ نے بہت لمبی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے بڑی لمبی نماز پڑھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا' میں صلوٰۃ خوف و رغبت پڑھ رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں اپنی تین دعاؤں کا ذکر فرمایا۔ خباب بن ارت مولیٰ بنی زہرہ سے روایت ہے جو بدر میں نبی ﷺ کے ساتھ حاضر تھے کہتے ہیں کہ ایک دن تمام رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ جب آپ نے نماز پڑھ کر سلام پھیرا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں یہ نماز امید و رجا کی تھی۔ جس کے بعد میں نے خدا سے تین باتوں کی درخواست کی تھی۔ اس کے بعد پوری حدیث مذکور ہے۔ اس کو صحاح ستہ میں نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ اے نافع بن خالد خزاعی! کیا یہ حدیث تم نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سنی ہے؟ تو کہا ہاں' میں نے ان لوگوں سے سنا۔ جنہوں نے خود نبی ﷺ کی زبان سے سنا تھا۔ شداد بن اوس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے زمین کے مشرق و مغرب قریب کر دیئے گئے اور یہ کہ میری امت ان سب باتوں پر مالک ہو جائے گی اور مجھے دونوں خزانے دیئے گئے ہیں۔ خزانہ ابیض [2] بھی اور خزانہ احمر [3] بھی اور میں نے

---

[1] اس دعا کے قبول نہ کرنے میں خدا تعالیٰ کی بہت مصالحت تھیں' جن کا علم خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔

[2] خزانہ ابیض سے غالباً مراد چاندی ہے۔ [3] خزانہ احمر بمعنی سونا۔

سوال کیا تھا کہ اس کے ساتھ اے خدا یہ بھی ہو کہ میری امت قحط سے نہ مرے اور نہ کوئی دشمن ان پر ایسا مسلط ہو کہ وہ ان کو بالکل ہلاک کر ڈالے اور ان میں گروہ بندی نہ ہو جائے کہ ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے محمد ﷺ! میں نے تقدیر قائم کردی وہ ہو کر رہے گی۔ میں نے تمہاری دونوں باتیں تو منظور کیں لیکن تمہاری امت بعض کو بعض ہلاک کرے گی اور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اگر اپنی امت پر خوف ہے تو گمراہ اماموں اور سرداروں کا ہے۔ جب ایک بار میری امت میں تلوار چل پڑے تو پھر نہ رکے گی[1]۔ اور قیامت تک آپس میں جنگ و جدال کا سلسلہ قائم رہے گا۔

نافع بن خالد خزاعی نے اپنی باپ سے روایت کی ہے' جو کہ اصحاب رسول ﷺ میں سے تھے اور بیعت رضوان تحت الشجرۃ میں حاضر تھے۔ کہ ایک بار نبی ﷺ نے نماز پڑھی' لوگ آپ کو گھیرے ہوئے تھے۔ آپ نے ہلکی نماز پڑھی لیکن رکوع سجود کامل کیا لیکن جلسہ کیا تو جلوس بہت طویل تھا۔ حتیٰ کہ ہم میں سے بعض' بعض کو اشارہ کرنے لگے کہ شاید حضرت ﷺ پر وحی اُتر رہی ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا' نہیں میں صلوٰۃ رغبت و رہبت پڑھ رہا تھا۔ پھر ان تینوں دعاؤں کی پوری حدیث درج ہے۔ وہ یہ حدیث سنا چکے تو میں نے کہا تمہارے باپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو کہا ہاں میں نے حضرت کی زبان سے سنا ہے اور اپنی ان دس انگلیوں کے برابر دفعہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خدائے عزوجل سے دعا کی تھی کہ میری امت کو چار چیزوں سے دور رکھ۔ چنانچہ دو باتوں سے اللہ تعالیٰ نے میری امت کو محفوظ رکھا اور دو سے نہیں رکھا۔ میں نے دعا کی تھی کہ میری امت پر آسمان سے پتھر نہ برسیں اور آل فرعون کی طرح وہ غرق ہو کر نہ مریں اور ان میں تفرقہ گیری نہ ہو اور یہ کہ وہ ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے پتھر برسنے اور غرق سے محفوظ رہنے کی دعائیں قبول کرلیں لیکن آپس میں فرقہ پسندی اور گروہ بندی اور جنگ و قتال باقی رہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اُتری: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ......﴾ تو نبی ﷺ اُٹھے' وضو کیا اور دعا مانگنے لگے کہ اے خدا! میری امت پر اوپر اور نیچے سے عذاب نازل نہ فرما اور ان میں گروہ بندی اور جنگ نہ ہو' تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے تمہاری امت کو آسمان کے عذاب سے اور پاؤں کے نیچے سے عذاب اُبلنے سے محفوظ کر دیا ہے[2]۔

اس کے بعد اور کئی حدیثیں اسی نوعیت اور اسی مضمون کی درج ہیں جن کا بار بار ذکر ترجمہ تفسیر پڑھنے والے کے لئے غیر ضروری ہے۔ آسمانی عذاب سے پتھراؤ مراد ہے اور پاؤں تلے کے عذاب سے زمین میں دھنس جانا مراد ہے۔ یہ چار چیزیں تھیں' جن میں سے نبی ﷺ کی وفات سے پچیس برس بعد ہی ظاہر ہونے لگیں۔ یعنی آپس میں اختلاف رائے اور گروہ بندی اور مسلمانوں کی دو پارٹیوں میں جنگ۔ بعد الی رجم اور خسف سے امت محمد محفوظ و مامون رکھی گئی۔ اس آیت کے بارے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ مسجد میں پکار پکار کر فرماتے تھے کہ اے لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ کی آیت اُتر چکی ہے۔ اگر عذاب آسمان سے آئے گا تو کوئی نہیں بچے گا اور اگر پاؤں تلے سے آئے گا تو تم زمین میں دھنس کر ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر جماعتوں میں بٹ جاؤ گے اور آپس میں جنگ چھڑ جائے گی تو یہ سب سے بدتر بات ہو گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ سے برے پیشوا مراد ہیں اور ﴿تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ سے برے غلام اور برے پیرو مراد ہیں یا یہ کہ امرا اور غربا مراد ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ قول ایک توجیہ رکھتا ہے لیکن اول زیادہ صحیح ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی صحت کی گواہی خدائے پاک کا یہ قول دیتا ہے: ﴿ءَ أَمِنْتُمْ مَّنْ

---

[1] چنانچہ فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت میں اختلاف اور خانہ جنگی کا جو دروازہ کھلا تو وہ آج تک پھر بند نہ ہو سکا۔
[2] جیسا کہ لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھر برسائے گئے اور نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب ان کے پاؤں کے نیچے سے ہی پھوٹ پڑا۔

السَّمَآءِ...... ﴾ یعنی کیا تم اس سے محفوظ ہو کہ خدا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور وہ بھڑ کنے اور اُبلنے لگے یا اس بات سے محفوظ ہو کہ آسمان سے پہلے کی قوموں کی طرح پتھر برسائے۔ عنقریب تم جان لو گے کہ میرا اندیشہ کتنا صحیح تھا اور حدیث میں ہے کہ یہ آسمان سے پتھر برسانا' زمین میں دھنسنا' اور صورتوں کا مسخ ہو جانا' یہ سب اس اُمت میں ہوگا اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ قیامت سے پہلے ان آیات کا ظہور ہوگا۔ ان شاءاللہ اس کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

﴿یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا﴾ سے مراد فرقہ ہائے مختلفہ ہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سب ناری اور دوزخی ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بعض کو بعض پر عذاب وقتل کے ساتھ مسلط کیا جائے گا۔ قولہٗ تعالیٰ: ﴿اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ...... ﴾ دیکھو کہ ہم کس طرح وضاحت وتفسیر کے ساتھ بار بار بیان کرتے جاتے ہیں۔ تا کہ تم اللہ کی آیتوں اور اس کے دلائل پر غور کرو اور سمجھو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جب: ﴿هُوَ الْقَادِرُ﴾ والی آیت اُتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ آپس میں تلوار لے کر ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ تو لوگوں نے کہا ہم تو گواہی دیتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں تو کسی نے کہا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہم میں کا ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ جب کہ ہم صحیح معنی میں مسلمان ہوں۔ چنانچہ یہ آیت اُتری۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: ﴿وَکَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ...... ﴾ یعنی تمہاری قوم وحی کو جھٹلائے گی۔ حالانکہ وہ حق ہے۔ تم کہہ دو کہ میں تمہارا کوئی ذمہ دار تو ہوں نہیں۔ ہر بات کا ایک وقت مقرر ہے۔ قریب میں تم کو حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کی قوم ان کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ یقینی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں۔ تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے۔ تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا لیکن ان کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں۔ ○

مخالفینِ اسلام سے مقاطعہ ضروری ہے ☆

تمہاری قوم قریش نے قرآن کو جھٹلایا۔ حالانکہ اس کے سوا کوئی دوسری چیز حق نہیں۔ تم کہہ دو کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ جیسا کہ فرمایا کہہ دو (اے محمد ﷺ) کہ یہ تمہارے ربّ کی طرف سے حق ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے نہ مانے۔ یعنی میرا فریضہ تو صرف تبلیغ کر دینا ہے اور تمہارا کام سننا اور اطاعت کرنا ہے۔ جو میری اطاعت کرے گا وہ دین و دنیا میں سرخ رو رہے گا اور جو مخالفت کرے گا وہ دونوں جگہ بد بخت رہے گا۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کہ ہر بات کے لئے ایک معین وقت ہے اور ہر خبر کے لئے ایک وقوع ہے۔ اگر چہ کچھ عرصہ بعد سہی۔ جیسا کہ فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد تمہیں اس کا پتہ چل جائے گا اور فرمایا: ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ یہ تمہید اور وعید اکبر ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ عنقریب تم اس کو جان لو گے۔ قول باری: ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ......﴾ یعنی جب تم ان کفار کو دیکھو کہ تکذیب و استہزاء کے ساتھ ہماری آیتوں میں بحث کر رہے ہیں تو ان سے روگرداں ہو جاؤ' حتیٰ کہ وہ کوئی دوسری بات کرنے لگیں اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ان ظالم لوگوں کے ساتھ مل نہ بیٹھنا۔ مراد یہ ہے کہ امت کا ہر ہر فرد ان مکذبین کے ساتھ نہ بیٹھے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تحریف کر دیتے ہیں اور اس کے صحیح اور ظاہر مفہوم پر اس کو قائم نہیں رکھتے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ میری امت کے لئے قابل معافی قرار دیا گیا ہے خطا اور نسیان سے کوئی کام کرنا یا مجبور ہو کر کرنا اور اسی چیز کی طرف اسی قول پاک میں اشارہ ہے کہ کتاب میں تم کو بتلا دیا گیا ہے کہ جب تم معلوم کرو کہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور استہزاء کیا جا رہا ہے تو ان کے پاس سے اُٹھ جاؤ۔ حتیٰ کہ ان کا موضوعِ سخن بدل جائے۔ ورنہ تم بھی استہزا کرنے والوں میں سمجھے جاؤ گے اور انہیں کے برابر ہو جاؤ گے اور قولہ ﴿وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ یعنی جب تم ان کے پاس سے ہٹ گئے اور ان کے ہم نشین نہ رہے تو تم نے اپنی ذمہ داری پوری کر لی[1] اور ان کے ساتھ شمولیت گناہ سے محفوظ ہو گئے اور سعید بن جبیرؒ نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ اگر وہ کفار تنقیص آیات کی کوشش میں لگے ہیں تو تم پر اب کوئی ذمہ داری نہیں جب کہ تم نے ان سے اجتناب اور اعراض کر لیا ہو اور دوسرے علماء اس کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ اگر تم لوگ ان نالائقوں کے ساتھ بیٹھو بھی تو ان کے اس استہزاء کی ذمہ داری تم پر عائد نہیں اور گمان کیا ہے کہ یہ آیت: ﴿النِّسَاءُ الْمَدَنِيَّةُ﴾ کی آیت سے منسوخ ہے اور وہ آیت یہ ہے کہ: ﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ (النساء:۱۴۰) یعنی ایسی صورت میں تم بھی ان جیسے ہو گئے۔ یہ توضیح آیت: ﴿وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ......﴾ سے متعلق تھی۔ یہ مجاہد وسدی وابن جریج وغیرہ کا قول تھا۔ ان کے اس قول کی بنا پر قول پاک: ﴿وَلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ لیکن ہم نے تم کو ان سے ایسی صورت میں اعراض کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ انہیں تنبیہ اور نصیحت ہو جائے۔ شاید کہ آئندہ کو وہ اس سے متاثر رہیں اور پھر اعادہ نہ کریں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

[1] یعنی اس وقت تم پر صرف اتنا ہی فرض تھا کہ ان کے ساتھ مت بیٹھو سو تم نے اٹھ کر اپنا یہ فرض پورا کر دیا۔

اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت بھی کرتا رہ تا کہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے۔ یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے۔ ان کے لئے نہایت تیز پانی پینے کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب۔ ۞

ترکِ موالاۃ از ملحدین و کفاران ☆

اللہ پاک فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے دین کو ایک کھلونا بنا رکھا ہے کیونکہ وہ عذاب عظیم کی طرف جا رہے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ انہیں اس قرآن کے ذریعے نصیحت وعبرت دلاؤ' اللہ کے عذاب سے انہیں ڈراؤ' تا کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک نہ کر دیئے جائیں۔ ضحاک رحمتہ اللہ علیہ تُبْسَلَ کو تُسَلَّم کے معنی میں لیتے ہیں۔ یعنی سونپ نہ دیئے جائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تا کہ رسوا نہ ہو جائیں۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' تا کہ روک نہ رکھے جائیں اور مرہ وابن زید مواخذہ کے معنی میں لیتے ہیں۔ یہ تمام اقوال و عبارت تقریباً ہم معنی ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ہلاکت کے لئے چھوڑ دینا اور خیر سے روک لینا اور حصول مطلوب سے باز رہنا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾ (المدثر: ۳۸) ہر شخص اپنے اعمال میں رکا ہوا ہے۔ سوائے داہنے ہاتھ والے کے[۱] اور قولہٗ: ﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيعٌ﴾ یعنی نہ ان کا کوئی ولی ہوگا نہ شفیع۔ جیسے فرمایا کہ: ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ......﴾ (البقرہ: ۲۵۴) اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے' جس میں نہ سودے بازی ہے نہ دوستی و محبت نہ سفارش اور شفاعت۔ کافر ہی پورے ظالم ہیں اور قول پاک: ﴿وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا﴾ یعنی اپنے گناہ کے بدلے میں وہ اپنی ساری دنیا جہاں بھی فدیہ یا بدلہ میں دے ڈالیں تو نہ قبول ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ......﴾ (آل عمران: ۹۱) جو لوگ کفر پر رہے اور کفر ہی پر مرے وہ اگر زمین بھر سونا بھی دے ڈالیں تو ناممکن ہے کہ قبول کر کے ان کی گلوخلاصی کر دی جائے۔ پس فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا......﴾۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ وَهُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِى خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

[۱] مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کو ان کے اعمال کی پوری سزا دی جائے گی۔ ہاں جن کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال ہوگا وہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے۔ داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال کا ہونا ہی ناجی ہونے کی علامت ہے۔

بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۷۳

آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں کہ وہ نہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ وہ ہم کو نقصان پہنچائے اور کیا ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں بعد اس کے کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کر دی جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطان نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو۔ اس کے کچھ ساتھی بھی تھے کہ وہ اس کو ٹھیک رستہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس آ۔ آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ پورے مطیع ہو جائیں پروردگار عالم کے لئے اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اس سے ڈرو اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو با قاعدہ پیدا کیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ (حشر) تو ہو جا بس وہ ہو پڑے گا۔ اس کا کہنا با اثر ہے اور جبکہ صور میں پھونک ماری جائے گی ساری حکومت خاص اسی کی ہوگی وہ جاننے والا ہے پوشیدہ رازوں کا اور ظاہر چیزوں کا اور وہی ہے بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا۔ ○

بُت پرستی میں نہ نفع دین نہ نفع دُنیا ☆

مشرکین نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ دین محمد ﷺ کو چھوڑ دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ کہہ دو کیا میں خدا کو چھوڑ کر ان بتو کی پرستش کروں، جو نہ نفع بخشتے ہیں نہ ضرر اور کیا کفر اختیار کر کے ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں روشنی دی ہے۔ ا معاذ اللہ ہم کفر اختیار کر لیں۔ تو پھر ہماری ایسی مثال ہو جائے گی جیسے کسی کو شیطانوں نے بھٹکا دیا ہو یعنی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار ک ایسا ہے جیسے کوئی شخص سفر کر رہا ہو اور راستہ بھول گیا ہو اور شیطانوں نے اسے بھٹکا دیا ہو اور اس کے ساتھی سیدھی راہ پر ہوں اور اس کو رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ جاؤ ہم سیدھی راہ پر ہیں اور وہ انکار کر رہا ہو۔ یہ وہ شخص ہے کہ جو نبی کو اچھی طرح جاننے کے باوجود گمراہو کی پیروی کر کے کافر ہو جائے اور نبی ﷺ اس کو سیدھی راہ پر بلا رہے ہوں۔ یہ راہ اسلام کی راہ ہے۔

﴿قُلْ اَنَدْعُوْا﴾ اس میں بتوں اور بت پرستوں کی مثال بیان کی گئی ہے اور ان لوگوں کو جو ہدایت خداوندی کی طرف بلا۔ ہیں۔ جیسے کوئی راستے سے بھٹک گیا ہو اور کوئی پکارنے والا اسے پکارتا ہو کہ اے فلاں تو راستہ کی طرف آ اور اس کے دوسرے ہم سفر رہے ہوں کہ بھٹکو نہیں ہماری طرف سیدھی راہ پر آ ؤ۔ پس اگر وہ پہلے داعی کی سن لے تو وہ اس کو لے جا کر ہلاکت کے گڑھے میں ڈال د۔ گا اور اگر وہ دوسرے لوگوں کی بات سن لے گا تو وہ اس کو سیدھی راہ پر لگا دیں گے۔ پہلا بلانے والا جنگل کے شیاطین میں سے ہے۔ مثال ہے اس شخص کی جو خدا سے ہٹ کر بتوں کی پرستش شروع کر دے اور اسی میں بہتری سمجھے اور جب اس کو موت آ جائے گی تو ندام اُٹھانی پڑے گی۔ یہ راہ سے بھٹکانے والے شیاطین ہوتے ہیں۔ جو اس کو اس کے باپ دادا کے نام لے کر بلاتے ہیں تو وہ ان کی پیرو کرنے لگتا ہے اور وہ اسی میں مصلحت سمجھتا ہے۔ اب شیاطین اس کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔ اسے کھا جاتے ہیں یا بھوکا پیاسا جنگ میں بھٹکاتے رہتے ہیں۔ تا کہ ہلاک ہو جائے۔

حَيْرَانَ سے حیران مراد ہے۔ جیسے کوئی شخص بھٹکا ہوا حیران پھر رہا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جو اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں

کرتا وہ شیطان کی اطاعت کرنے والا اور گناہ کے کام کرنے والا شخص مراد ہے۔ اس کے ساتھی حالانکہ اس کو ہدایت کی طرف دعوت دیتے رہتے ہیں۔ اللہ کہتا ہے کہ یہ شیطان کا بھٹکایا ہوا وہ ہے جس کے اولیاء انسان ہیں۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اور گمراہی وہ ہے کہ جس کی طرف شیطان بلاتا ہے۔ اس کو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ پھر کہا کہ یہ اس کو مقتضی ہے کہ اس کے ساتھی اس کو گمراہی کی طرف بلا رہے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہی صحیح راہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ظاہر آیت کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے ہم سفر ساتھی اس کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ پس یہ جائز نہیں کہ اس کو گمراہی قرار دیا جائے۔ حالانکہ خدا نے تو خبر دی ہے کہ وہ ہدایت ہے اور یہ بات تو وہی ہے جو ابن جریر نے کہی کہ سیاق عبارت اس بات کی مقتضی ہے کہ: ﴿كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ﴾ یہ حال ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ یعنی حیرت وضلال و جہل کی حالت میں اور اس کے اصحاب اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ تو انہوں نے اس کو اپنی ہی راہ پر چلایا اور اپنے اسی راستہ پر آنے کے لئے کہا جس کو اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر فرمایا۔ اب تقدیر کلام یوں ہوئی کہ وہ ان کے بلانے پر انکار کرتا ہے اور ان کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اگر اللہ چاہتا تو اس کو ہدایت کرتا اور اس کو سیدھی راہ پر لگا دیتا۔ اسی لئے فرمایا کہ: ﴿هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ جیسا کہ فرمایا کہ جس کو اللہ ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور فرمایا کہ ان کے راہ پر آنے کے کتنے ہی حریص کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دے اس کو کون راہ پر لائے گا اور نہ ان لوگوں کا کوئی مددگار ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ: ﴿اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی ہمیں حکم ہے کہ خلوص سے اس کی عبادت کریں اور نماز پابندی سے پڑھیں اور خدا سے ڈریں اور ہر حال میں پرہیزگار بنے رہیں اور اسی کی طرف سب قیامت میں اٹھائے جائیں گے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو اعتدال کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ ان کا مالک اور مدبر ہے۔ وہ قیامت کے روز صرف "کُنْ" کہے گا اور طرفۃ العین میں سب چیزیں از خود دوبارہ وجود میں آ جائیں گی۔

یہاں: ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ میں یوم کے لفظ کو نصب ہے ہے یا تو وَاتَّقُوْهُ پر عطف قرار دے کر، جس کی تقدیر یوں ہوگی ﴿وَاتَّقُوا يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ یعنی ان دنوں سے یا یہ کہ نصب ہوگا اس بنا پر کہ: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ پر عطف ہے۔ یعنی ڈرو اس دن سے جس روز وہ کہے گا: "کُنْ"۔ چنانچہ ابتدائے خلق اور اعادہ خلق کا ذکر ہوا اور یہی زیادہ مناسب بھی ہے۔ یا یہ کہ نصب ہوگا اس بنا پر کہ فعل یہاں مقدر رکھا گیا ہے تو تقدیر یوں ہوئی کہ یاد کرو اس دن کو جبکہ کہے گا "کُنْ" یعنی: وَاذْكُرْ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ اور اس سے پہلے خَلَقَ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ تھا۔ پھر ارشاد باری کہ: ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ﴾ یہ دو جملے ہیں۔ ان جملوں کا محل جر ہے اس بنا پر کہ یہ دونوں لفظ ربّ العٰلمین کی صفت واقع ہوئے ہیں اور قول باری تعالیٰ: ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ محتمل ہے کہ یہ بدل ہو: ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ کا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ظرف ہو: ﴿وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ کا جیسا کہ فرمایا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المومن: ۱۶) یعنی آج سلطنت کس کی ہے؟ واحد قہار کی سلطنت ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا﴾ (الفرقان: ۲۶) اس روز رحمٰن کی سلطنت برحق ہے اور وہ دن کافروں پر بڑا ہی سخت ہوگا۔

مفسرین نے: ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ میں اختلاف رائے کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ "صور" جمع ہے "صورۃ" کی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ جس طرح "سور" شہر کی شہر پناہ کو کہتے ہیں اور یہ "سورۃ" کی جمع ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ "صور" سے مراد وہ قرن ہے جس کے اندر اسرافیل پھونکیں گے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صحیح وہی ہے جس پر حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی پڑتی ہے۔ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسرافیل علیہ السلام صور کو منہ لگائے ہوئے ہیں۔ سر جھکائے ہوئے ہیں اور منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم صادر ہوتا ہے۔

ایک اعرابی نے بھی حضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ صور کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قرن جس میں پھونک کر بجاتے ہیں۔ نبی ﷺ ایک وقت اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک جب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو صور کو پیدا کیا اور اسرافیل کو دیا۔ جس کو وہ اپنے منہ میں لگائے ہوئے ہیں۔ آنکھیں عرش کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ صور کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ وہ قرن ہے پوچھا وہ کیسا ہے؟ کہا بہت بڑا۔ خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے' اس کی چوڑائی اتنی ہے' جتنی آسمانوں اور زمین کی پہنائی۔ اس میں تین دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی پھونک گھبراہٹ اور پریشانی پیدا کرنے والی پھونک ہوگی اور دوسری سب کو بے ہوش کر دینے والی اور تیسری خدا کے سامنے جمع ہونے کی۔ اللہ پاک پہلی پھونک کا حکم دے گا۔ اس سے ساری دنیا جہان کے لوگ گھبرا اٹھیں گے۔ مگر جس کو خدا مستقیم رکھیں گے جب تک دوسرا حکم نہ ہوگا۔ صور پھونکا جاتا رہے گا۔ رکے گا نہیں' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ﴾ (ص: ۱۵) یعنی وہ ایک زبردست چیخ اور بہت ہی بلند آواز ہوگی۔ پہاڑ ابر کی طرح اڑ رہے ہوں گے اور زمین کانپنے لگے گی۔ جیسے سمندر میں شکستہ سفینہ جس کو موجیں ہر طرف دھکیلتی رہتی ہیں۔ جیسے کسی قندیل کو جو چھت میں لٹکی ہوئی ہو' ہوا حرکت دیتی ہے۔ فرماتا ہے: ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ......﴾ (النزعت: ۶) اس روز لرزا دینے والا صور پھونکا جائے اور اس کے بعد پھر دوسری بار پھونکا جائے گا اس روز سب بے انتہا خوفزدہ ہوں گے۔ لوگ گر پڑیں گے۔ مائیں دودھ پینے والے بچوں کو بھول جائیں گی۔ حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ لڑکوں پر خوف کے مارے بڑھاپا طاری ہو جائے گا۔ شیاطین جان بچانے کے خیال سے زمین کے کناروں تک بھاگ جائیں گے لیکن فرشتے انہیں مار مار کر واپس لائیں گے۔ ایک دوسرے کو پکارتا رہے گا لیکن دوسرے کو پناہ نہ دے سکے گا سوا خدا کے۔ لوگ اسی گھبراہٹ میں ہوں گے کہ زمین ہر طرف کے گوشے سے پھٹنے لگے گی۔ ایسا امر عظیم ظاہر ہوگا کہ اس جیسا کبھی نہ دیکھا گیا اور ایسا کرب و ہول لاحق ہوگا کہ اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے۔ تو اس کے پرزے اُڑ رہے ہوں گے۔ ستارے ٹوٹ رہے ہوں گے۔ سورج اور چاند سیاہ پڑ جائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا' لیکن مردوں کو اس کی خبر نہ ہوگی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ جب فرمائے گا: ﴿فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ (النمل: ۸۷) تو اللہ تعالیٰ کس کو مستثنیٰ فرمائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ شہدا ہیں۔ فزع اور گھبراہٹ تو زندوں کو ہوا کرتی ہے اور وہ زندہ ہیں لیکن خدا کے پاس ہیں۔ خدا انہیں رزق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کے فزع سے انہیں محفوظ رکھا ہے کیونکہ وہ تو اللہ کا عذاب ہے اور عذاب تو اشرار خلق پر اترتا ہے۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے: ﴿تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ ......﴾ والی آیت میں پیش فرمایا ہے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے شیر خوار بچے سے غافل ہو جائے گی۔ ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ جب تک خدا چاہے وہ اس عذاب میں مبتلا رہیں۔ طویل عرصہ تک یہ کیفیت رہے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بے ہوشی لانے والا صور کا حکم اسرافیل کو دے گا۔ اس لئے سب آسمان والے اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے لیکن جس کو خدا چاہے وہ ہوش میں رہے گا ملک الموت خدا کے پاس آئیں گے اور کہیں گے' اے خدا سب مر گئے۔ اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے مگر پوچھے گا کون باقی ہے؟ وہ کہیں گے کہ تو باقی ہے۔ تجھے تو موت آئے گی نہیں اور عرش اٹھانے والے ملائکہ بھی ہیں جبرئیل اور میکائیل بھی باقی ہیں اور میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا' جبرئیل اور میکائیل کو بھی مر جانا چاہئے۔ تو عرش بول اُٹھے گا' یا رب جبرئیل و میکائیل بھی مر جائیں گے؟ خدا تعالیٰ فرمائے گا' زبان نہ کھولنا تحت العرش جتنے ہیں' سب کو مر جانا ہے۔ ملک الموت پھر خدا سے عرض کریں گے یا رب جبرئیل اور میکائیل بھی مر گئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اب کون باقی ہے؟ وہ کہیں گے کہ تو باقی ہے۔ تجھے تو موت

آئے گی نہیں۔ اب میں اور عرش اُٹھانے والے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا عرش اُٹھانے والوں کو بھی مرجانا چاہئے۔ وہ بھی مرجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے اب کون باقی ہے؟ تو نہ مرنے والا اور میں۔ اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دے گا اسرافیل سے صور لے لو! اور اسرافیل سے کہے گا کہ تم بھی میری مخلوق ہو تم بھی مرجاؤ۔ وہ اسی وقت مرجائیں گے اور خدائے وَاحِد و صَمَد لم لد ولم یولد کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا تو زمین و آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔ جیسے کہ طومار لپیٹ دیا جاتا ہے۔ تین دفعہ اس کو کھولا اور لپیٹا جائے گا۔ میں جبار ہوں۔ میں جبار ہوں۔ میں جبار ہوں۔ پھر تین دفعہ اللہ تعالیٰ آواز دے گا' کیا آج کے روز ہے کسی کی بادشاہٹ؟ کون جواب دیتا۔ پھر خود ہی فرمائے گا بادشاہت اللہ واحد قہار کی ہے۔ پھر دوسرے زمین و آسمان پیدا کرے گا۔ انہیں پھیلا دے گا اور دراز کر دے گا۔ جس میں کوئی کجی اور نقص باقی نہ رہے گا۔ پھر مخلوق کو اللہ کی ایک زبردست آواز ہوگی تو ازسرنو پیدا شدہ زمین میں سب سے پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ جو زمین کے اندر ہے وہ اندر اور جو زمین کے باہر ہے وہ باہر۔ پھر تحت العرش سے اللہ تعالیٰ پانی نازل فرمائے گا۔ آسمان کو حکم دے گا کہ برسے۔ چالیس دن تک پانی برستا رہے گا۔ حتیٰ کہ پانی ان پر بارہ گز بلند ہو جائے گا۔ پھر اجسام کو حکم دے گا تو وہ زمین میں سے ایسے نمودار ہونے لگیں گے۔ جیسے نباتات اور سبزیاں اگ آتی ہیں۔ جب اجسام پہلے کی طرح مکمل ہو جائیں گے۔ تو پہلے ملائکہ عرش زندہ کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دے گا کہ صور لے لو وہ لے لیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنی حکم سے جبریل علیہ السلام اور میکائیل کو زندہ فرمائے گا۔ پھر ارواح بلائی جائیں گی مسلمانوں کی روحیں نور کی طرح چمکتی ہوں گی اور کافروں کی روحیں تاریک رہیں گی۔ ان کو لے کر صور میں ڈال دیا جائے گا۔ اسرافیل کو حکم ہوگا کہ نفخہ بعث پھونکا جائے۔ چنانچہ زندگی کی پھونک پھونکی جائے گی تو روحیں ایسی اچھل پڑیں گی جیسے کہ شہد کی مکھیاں کہ زمین و آسمان ان سے بھر جائے گا۔ اب حکم باری ہوگا کہ روحیں اپنے اجسام میں داخل ہو جائیں تو دنیا کی ساری روحیں داخل ہونے لگیں گی اور نتھنوں کے راہ جسموں میں داخل ہوں گی۔ جیسے زہر کسی مارگزیدہ کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر زمین پھٹنے لگے گی اور لوگ اٹھ اٹھ کر اپنے رب کی طرف رخ کرنے لگیں گے اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی۔ خدائے قہار کی طرف سب جائیں گے۔ کافر کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا سخت معلوم ہوتا ہے۔ لوگ برہنہ اور غیر مختون ہوں گے۔ ایک ہی جگہ کھڑے ہوں گے۔ ستر برس یہی عالم رہے گا کہ خدا تعالیٰ نہ انہیں دیکھے گا نہ کوئی فیصلہ کرے گا لوگ آہ و گریہ کریں گے۔ آنسو ختم ہو جائیں تو خون آنکھوں سے بہنے لگے گا۔ لوگ اپنے پسینہ میں شرابور ہو جائیں گے۔ ٹھوڑیوں تک پسینہ پہنچا ہوا ہوگا۔ لوگ کہیں گے خدا کے پاس کسی کو شفاعت کے لئے جانا چاہئے تا کہ وہ کوئی تصفیہ کر دے۔ اب آپس میں کہنے لگیں گے حضرت آدم علیہ السلام کے سوا ایسا کون ہے جو زبان کھول سکے۔ اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا' اپنی روح ان کے اندر پھونکی اور سب سے پہلے ان سے بات کی۔ چنانچہ لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان کے آگے اپنا مقصد پیش کریں گے۔ وہ سفارش کریں گے۔ وہ سفارش کرنے سے انکار کر دیں گے اور کہیں گے میں اس کے قابل نہیں۔ پھر فرداً فرداً ایک ایک نبی کے پاس آئیں گے اور ان کے آگے اپنا مقصد پیش کریں گے۔ جس کے پاس آئیں گے وہ نبی انکار کر دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر میرے پاس آئیں گے' میں جاؤں گا اور سجدے میں فحص پر گر پڑوں گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا رسول اللہ فحص کیا چیز ہے؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' عرش کے سامنے کا حصہ' اب اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجے گا۔ وہ میرا بازو پکڑ کر اٹھائے گا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا' یا رب! تو نے مجھے شفاعت کا حق دینے کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ یہ حق مجھے عطا فرما اور لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اچھا تم شفاعت کر سکتے ہو اور

میں انسانوں کے درمیان اپنے فیصلے نافذ کروں گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ پھر میں واپس آ کر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا۔ ہم سب لوگ کھڑے ہی ہوں گے کہ آسمان سے ایک زور کی آواز آئے گی کہ ہم گھبرا اُٹھیں گے۔ زمینی جن وانس سے دگنی تعداد میں آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے۔ وہ زمین سے قریب تر آ جائیں گے۔ زمین ان کے نور سے چمک اُٹھے گی۔ وہ قرینے (طریقے) سے کھڑے ہوں گے۔ ہم پوچھیں گے کیا خدائے پاک تمہارے اندر ہے؟ وہ کہیں گے نہیں وہ آنے ہی والا ہے۔ فرشتے آسمان سے دوبارہ اتنی ہی تعداد میں اتریں گے کہ اترے ہوئے فرشتوں سے دگنی تعداد میں اور جن وانس بھی دگنی تعداد میں ہوں گے۔ زمین ان کے نور سے چمک اُٹھے گی۔ وہ قرینے سے کھڑے ہو جائیں گے۔ ہم پوچھیں گے کیا خدا تعالیٰ تمہارے اندر ہے۔ وہ کہیں گے نہیں' وہ آنے ہی والا ہے۔ پھر تیسری دفعہ اس سے بھی دگنی تعداد میں نزول ملائکہ ہوگا۔ اب خدائے عزوجل ابر کے چتر لگائے آٹھ فرشتوں سے اپنا تخت اُٹھوائے تشریف فرما ہوگا حالانکہ اس وقت تو اس کا تخت چار فرشتے اُٹھائے رہتے ہیں۔ ان کے قدم آخری نیچے والی زمین کی تہہ میں ہیں زمین آسمان ان کے نصف حصہ جسم کے مقابلہ میں ہے۔ ان کے کندھوں پر عرش خداوندی ہے۔ ان کی زبانوں پر تسبیح وتحمید رہے گی۔ وہ کہہ رہے ہوں گے: سُبْحَانَ ذِی الْعَرْشِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ سُبْحَانَ الَّذی لَا يَمُوْتُ سُبْحَانَ الَّذِیْ يُمِيْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ سُبْحٰنَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی الَّذِیْ يُمِيْتُ لْخَلَائِقَ وَلَا يَمُوْتُ. پھر اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر جلال افروز ہوگا۔ ایک آواز ہوگی۔ یا معشر جن وانس! میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا ہے' آج تک خاموش تھا۔ تمہاری باتیں سنتا رہا۔ تمہارے اعمال دیکھتا رہا۔ اب تم خاموش رہو۔ تمہارے اعمال کے صحیفے تم کو پڑھ کر سنائے جائیں گے۔ اگر وہ اچھے ثابت ہوئے تو خدا کا شکر کرو اور اگر خراب نکلے تو اپنی آپ کو ملامت کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ جہنم کو حکم دے گا تو اس میں سے ایک تاریک ترین چمکدار صورت رونما ہوگی اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے نبی آدم! کیا میں نے حکم نہیں دے رکھا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا۔ کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے تم میری ہی عبادت کرنا کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ اس شیطان نے تو بہتوں کو گمراہ کیا ہے کہ تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ اب اے مجرمو! نیکوں سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اب امتوں کو الگ الگ کر دے گا۔ ارشاد باری ہے کہ اے نبی ﷺ تم ہر امت کو گھٹنوں کے بل گرے ہوئی دیکھو گے۔ ہر امت کے پاس اس کا نامہ اعمال ہوگا اور آج اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔ اب اللہ پاک اپنی تمام مخلوق کے درمیان فیصلہ شروع کر دے گا لیکن جن وانس کا ابھی نہیں۔

اب وحوش وبہائم کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ حتیٰ کہ ایک ظالم اور سینگ والی بکری کے ظلم کا بدلہ دوسری بکری سے دلوائے گا۔ جب انصاف دلوانے سے کوئی جانور باقی نہ رہے تو ان جانوروں سے کہے گا کہ مٹی ہو جاؤ تو کافر کہنے لگے گے کہ کاش ہم بھی اس عذاب سے بچنے کے لئے مٹی ہو جاتے۔ غرض یہ کہ اب بندوں کے درمیان فصل مقدمات ہوگا۔ سب سے پہلے قتل وخون کے مقدمات پیش ہوں گے۔ اب وہ مقتول آئے گا۔ جس کو خدا کی راہ میں قتل کرنے والے نے قتل کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قاتل کو حکم دے گا وہ شہید کا سر اُٹھائے گا۔ وہ سر عرض کرے گا کہ اے خدا اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا (حالانکہ وہ خود جانتا ہے) کہ کیوں قتل کیا تھا؟ وہ غازی کہے گا' اے خدا! تیری عزت اور تیرے نام کی خاطر تو اللہ تعالیٰ فرمائے تو سچ کہتا ہے اور اس کا چہرہ نور شمس کی طرح چمکنے لگے گا ملائکہ اس کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔ اسی طرح دوسرے مقتول بھی اپنی آنتیں سر پر لئے آئیں گے۔ اللہ ان کے

قاتلوں سے بھی پوچھے گا کہ کیوں قتل کیا تھا؟ ان کو کہنا پڑے گا کہ اپنی شہرت اور نام کی خاطر تو فرمائے گا ہلاک ہو جائے تو غرض ہر مقتول کا مقدمہ پیش ہوگا اور انصاف ہوگا اور ہر ظلم کا بدلہ ظالم سے لیا جائے گا اور جس ظالم کو خدا چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا وہ اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔ پھر ساری مخلوق کا انصاف ہوگا۔ کوئی مظلوم ایسا نہ بچے گا کہ ظالم سے بدلہ نہ دلایا گیا ہو۔ حتیٰ کہ جو دودھ میں پانی ملا کر بیچتا ہے اور کہتا ہے کہ خالص ہے اس کو بھی سزا دی جائے گی اور خریدنے والے کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اس سے بھی جب فراغت ہو جائے گی۔ تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا اور ساری مخلوق سنے گی کہ ہر گروہ کو چاہیے کہ اپنے اپنے خداؤں کی طرف ہو جاؤ اور اپنے معبودوں کا دامن پکڑلو۔ اب کوئی بت پرست ایسا نہ ہوگا جس کے بت اس کے سامنے ذلیل پڑے ہوئے نہ ہوں۔ ایک فرشتہ اس دن عزیر علیہ السلام کی شکل میں آ جائے گا اور ایک فرشتہ کو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی صورت دی جائے گی۔ چنانچہ یہود تو عزیر کے پیچھے ہو جائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے نصاریٰ ہو جائیں گے۔ پھر ان کے یہ فرضی معبود ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور وہ کہے گا کہ اگر یہ ان کے خدا ہوتے تو اپنے ماننے والوں کو دوزخ کی طرف نہ لے جاتے۔ اب یہ سب دوزخ میں دوام پذیر ہوں گے۔ اب جبکہ صرف مؤمنین باقی رہ جائیں گے۔ جن میں منافقین بھی شامل رہ جائیں گے۔ اللہ انکے پاس آئے گا' اپنی جس ہیئت مبتدلہ میں کہ چاہے گا اور فرمائے گا۔ اے لوگو! سب اپنے اپنے خداؤں سے جا ملے ہیں' تم بھی جن کی عبادت کرتے تھے' ان سے جا ملو۔ تو یہ سب لوگ مؤمنین بشمول منافقین یہ کہیں گے کہ خدا کی قسم ہمارا خدا تو تُو تھا۔ تیرے سوا ہم کسی اور کو نہیں مانتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ ان کے پاس سے ہٹ جائے گا۔ پھر اپنی حقیقی شان میں آئے گا۔ انکے پاس رکے گا۔ جب تک کہ چاہے پھر سامنے آئے گا اور ارشاد فرمائے گا اے لوگو سب اپنے اپنی خدا سے جا ملے ہیں۔ تم بھی اپنے معبودوں سے جا ملو۔ وہ کہیں گے خدا کی قسم تیرے سوا ہمارا تو کوئی خدا نہیں۔ ہم تیرے سوا کسی کو نہیں پوجتے تھے۔

کشفِ ساق ☆ اب خدائے پاک اپنی ساق کھول دے گا۔ اس کی عظمت سے ان پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ ان کا خدا یہی ہے۔ پھر سب کے سب سجدے میں سر کے بل گر پڑیں گے لیکن جو منافق ہوں گے وہ پیٹھ کے بل گریں گے۔ سجدے کے لئے جھک نہ سکیں گے۔ ان کی پشت گائے کی پیٹھ کی طرح سیدھی رہے گی۔ اب اللہ حکم دے گا کہ انہیں اٹھا لے جاؤ۔ اب ان لوگوں کے سامنے جہنم کا پل صراط آئے گا۔ جو کسی خنجر یا تلوار کی دھار سے بھی تیز ہوگا اور جگہ جگہ آنکڑے اور کانٹے اور بڑی پھسلتی ہوئی اور خطرناک جگہ ہوگی۔ اس کے نیچے اور ایک پست تر پھسلواں پل بھی ہوگا۔ نیک لوگ ایسے گزر جائیں گے جیسے آنکھ جھپک جاتی ہے یا بجلی چمک جاتی ہے یا تیز چلنے والی ہوا کی طرح یا تیز رو گھوڑے یا تیز تر سواری یا تیز دوڑنے والے آدمی کی طرح کہ بعض تو پوری طرح محفوظ رہیں گے اور نجات پا جائیں گے بعض زخمی ہو کر اور بعض کٹ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے اور پھر جب اہل جنت جنت کی طرف بھیجے جانے لگیں گے تو کہیں گے کہ اب ہماری شفاعت خدا کے پاس کون کرے گا۔

شفیع المذنبین ☆ چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور درخواستِ شفاعت کریں گے۔ تو اپنے گناہ کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ میں تو اس کا اہل نہیں۔ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ خدا کا سب سے پہلا رسول کہا جاتا ہے۔ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ میں تو اہل نہیں اور کہیں گے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل کہا ہے۔ وہ بھی اپنی خطاؤں کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ خدا نے ان سے باتیں کی ہیں اور ان پر تورات جیسی کتاب سب سے پہلے اتاری ہے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر درخواست کریں گے۔ تو بھی اپنے قتل کے گناہ کا ذکر کرتے ہوئے کہیں گے میں بھی اس کا اہل نہیں۔ تم روح اللہ کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی کہیں گے کہ نہیں

میں اس قابل نہیں تم محمد (ﷺ) ہی کے پاس پہنچو۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اب لوگ میرے پاس آئیں گے اور خدا نے مجھ
شفاعتوں کا حق دیا اور وعدہ فرمایا ہے۔ اب میں جنت کی طرف چلوں گا۔ حلقۂ باب کو کھٹکھٹاؤں گا۔ دروازۂ جنت کھلے گا۔ مجھے خوش آ
کہا جائے گا۔ میں جنت میں داخل ہو کر خدا کی طرف نظر اُٹھاؤں گا۔ سجدے میں گر پڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے تحمید و تمجید کی اجازت د
کہ کسی کو ایسی تحمید نہیں سکھائی تھی۔ پھر فرمائے گا' اے محمد (ﷺ) سر اٹھاؤ' کیا شفاعت کرتے ہو کرو۔ تمہاری شفاعت سنی جائے
تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اللہ پوچھے گا۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں کہوں گا یا ربّ تو نے مجھے شفاعت کا حق دیا
اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما کہ وہ داخل جنت ہو سکیں۔ تو فرمائے گا' اچھا میں نے اجازت دی۔ یہ لوگ جنت
داخل ہو سکتے ہیں۔ نبی ﷺ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم تم جنت کے اندر اپنے مقامات اور اپنی ازواج کو اس سے جلد پہچان لو گے جتنا ک
میں پہچانتے ہو۔ ہر آدمی کو بہتر (۷۲) بیویاں ملیں گی۔ دو اولاد آدم میں سے اور ستر (۷۰) حوروں میں سے۔ ان دو کو ان ستر حورو
فضیلت حاصل رہے گی کیونکہ دنیا میں ان نیکوکار عورتوں نے خدا کی بڑی بڑی عبادت کی تھی۔ وہ ایک کے پاس آئے گا تو وہ ایک یاقو
کے میدان میں موتیوں سے آراستہ سونے کے تخت پر بیٹھی ہوگی۔ جو سندس اور استبرق کے ستر جنتی حلے پہنے ہوگی۔ وہ اس کے کند
ہاتھ رکھے گا تو اپنے ہاتھ کا عکس اس کے سینے کے ورے اس کے کپڑوں جسم اور گوشت کے ورے ہوتا ہوا دوسری طرف دکھائی دے گا۔
اس قدر مصفا ہوگا کہ پنڈلی کا گودا نظر آتا ہوگا۔ گویا تم یاقوت کی چھڑی کو دیکھ رہے ہو۔ اس کا بادل اس کے لئے آئینہ بنا ہوگا اور اس کا
اس کے لئے۔ نہ یہ اس سے تھکے گا نہ وہ اس سے تھکے گی[1]۔ وہ جب کبھی اس عورت کے پاس آئے گا اس کو باکرہ پائے گا۔ نہ یہ اس کی خ
کی شکایت کرے گا نہ وہ اس سے خستگی کی شکایت کرے گی۔ ایسے میں آواز آئے گی کہ ہمیں علم ہے کہ تم میں سے کسی کا جی بھرے گا نہ
لیکن تیری دوسری ازواج بھی تو ہیں۔ چنانچہ وہ باری باری ان کے پاس آئے گا اور جس کسی کے پاس آئے گا کہے گی کہ خدا کی قسم
میں تجھ سے زیادہ خوب تر کوئی نہیں اور نہ میرے پاس تجھ سے زیادہ کوئی محبوب تر ہے لیکن جب اہل نار دوزخ میں ڈالے جائیں گے
آگ کسی کے تو قدموں تک ہوگی اور کسی نصف ساق تک اور کسی کے گھٹنوں اور کمر تک اور چہرے کو چھوڑ کر کسی کے پورے جسم تک کی
چہرے پر آگ حرام کر دی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے کہوں گا کہ یا ربّ! میری امت کے اہل دوزخ کے بارے میں میری شفاعت قبو
فرما۔ تو فرمائے گا کہ نکال لو دوزخ سے جن اپنے اُمتیوں کو تم جانتے ہو۔ چنانچہ کوئی امتی بچا نہ رہ جائے گا۔ پھر شفاعت عام کی اجاز
ملے گی۔ چنانچہ ہر نبی علیہ السلام اور ہر شہید اپنی اپنی شفاعتیں پیش کریں گے۔ اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں دینار کے وزن
برابر بھی ایمان ہوگا اس کو دوزخ سے نکال لو۔ پھر فرمائے گا کہ اگر دو ثلث دینار برابر بھی ہو۔ فرمائے گا اگر ثلث دینار برابر بھی ہو۔
چوتھائی دینار برابر بھی ہو پھر قیراط برابر بھی۔ پھر رائی کے برابر بھی اگر ہو۔ چنانچہ سب دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ پھر وہ بھی جنہو
نے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھی کار خیر کیا ہو۔ اب کوئی بھی باقی نہ رہے گا جو قابل شفاعت ہو۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی اس رحمت عامہ کو دیکھ
ابلیس کو بھی طمع ہوگی کہ کوئی اس کی بھی شفاعت کرے۔ اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب ایک میں باقی رہ گیا ہوں۔ میں تو سب رحم کر
والوں میں بڑا رحم کرنے والا ہوں۔ چنانچہ جہنم میں وہ اپنا ہاتھ ڈالے گا[2] اور ایسے لاتعداد دوزخیوں کو نکال لے گا جو جل کر کوئلوں کی طر

[1] مطلب یہ ہے کہ دونوں میں اس قدر الفت ہوگی کہ باوجود طویل عرصہ کی مجلس کے ایک دوسرے سے نہ اکتائیں گے اور نہ آزردہ ہوں گے۔
[2] خدا تعالیٰ کے ہاتھ اس پر ایمان لانا چاہئے اگرچہ اس کی کیفیت وغیرہ معلوم نہ ہو۔

ہو گئے ہوں گے۔ انہیں جنت کی ایک نہر میں، جس کو نہر حیوان کہتے ہیں، ڈالا جائے گا۔ وہ از سرنو ایسے سرسبز ہو جائیں گے جیسے جھیل کے کنارے کے نباتات۔ دھوپ انہیں پہنچے تو سبز دکھائی دیں اور سائے میں ہوں تو زرد معلوم ہوں۔ وہ شاداب سبزیوں کی طرح اگ آئیں گے اور ذرات کی طرح پھیلے ہوں گے۔ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا ''خدا کے آزاد کردہ جہنمی'' اس تحریر سے اہل جنت ان سے متعارف ہو جائیں گے کہ انہوں نے کچھ نیک کام کئے تھے۔ ایک عرصہ تک جنت میں وہ اسی طرح رہیں گے۔ پھر خدا سے درخواست کریں گے کہ یارب! یہ تحریر مٹا دے۔ چنانچہ مٹادی جائے گی۔

یہ مشہور حدیث ہے اور طویل تر ہے۔ بہت غریب ہے اور متفرق احادیث میں متفرق ٹکڑے ہیں۔ بعض باتیں قابل نکارت ہیں۔ اسمٰعیل بن رافع قاضی مدینہ اس کی روایت میں منفرد ہیں۔ اس کی صحت میں اختلاف ہیں۔ بعض نے اس کی توثیق کی ہے اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ بعض نے انکار کیا ہے۔ جیسے احمد بن حنبل، ابوحاتم رازی، عمر بن علی فلاس رحمتہ اللہ علیہم۔ بعض نے متروک کہا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ ساری حدیث قابل غور ہے اور اس کے سب راوی ضعیف ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے اسناد میں کئی وجوہ سے اختلاف ہے۔ میں نے اس کو علیحدہ ایک جزو میں بیان کر دیا ہے۔ اس کا سیاق عبارت بھی عجیب ہے۔ احادیث کثیرہ ملا کر ایک حدیث بنا لیا گیا ہے اور ایک ہی سیاق قرار دے لیا گیا۔ اسی لئے وہ قابل انکار ہوگئی۔ میں اپنے استاد حافظ ابوالحجاج المزی سے سنا ہے کہ یہ ولید بن مسلم کی ایک تصنیف ہے جس کو اس نے جمع کر رکھا ہے۔ گویا یہ شواہد ہیں، بعض الگ الگ حدیثوں کے، واللہ اعلم۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا بتوں کو معبود قرار دیتا ہے۔ بیشک میں تجھ

کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھائیں تاکہ وہ عارف ہو جائیں اور تاکہ کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں۔ پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ آپ نے فرمایا یہ میرا رب ہے۔ سو جب غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا (تمہارے زعم کے مطابق) یہ میرا رب ہے یہ سب میں بڑا ہے۔ سو جب وہ غروب ہو گیا آپ نے فرمایا اے قوم بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ○

دعوتِ اسلام اور ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہیں تھا تارخ تھا۔ قولہ: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ...﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آزر سے صنم مراد ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تو تارخ تھا اور ماں کا نام شانی اور بیوی کا نام سارہ تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں کا نام جو ابراہیم علیہ السلام کی کنیز تھی' ہاجرہ تھا۔ علمائے نسب میں سے اکثر کا یہی قول ہے۔ آزر نام تھا ایک بت کا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اس بت کے پجاری تھے۔ اس لئے یہی نام ان پر غالب آ گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ طریق کلام ان لوگوں کی گفتگو میں ایک عیب کی بات اور ناروا کلام سمجھا جاتا تھا۔ اس لفظ آزر کے معنی ہیں ٹیڑھا لیکن کسی سے اس کی روایت نہیں پیش کی اور نہ کسی سے اس کو منسوب کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ معتمر بن سلیمان نے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ آزر کے معنی اعوج یعنی ٹیڑھا بتاتے ہیں اور یہ ایک سخت کلمہ ہے جس کو ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ درست تو یہ ہے کہ ان کے باپ کا نام آزر تھا۔ پھر نسب جاننے والوں کا اعتراض پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ ممکن ہے دو نام ہوں' جیسا کہ اکثر لوگوں کے ہوتے ہیں۔ یا ایک نام لقب اور عرف کے طور پر ہو۔ یہ ایک جید وجہ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور قول باری میں قاریوں کا اختلاف ہے۔ حسن بصری اور ابو یزید مدنی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے آزر کیا تم بتوں کو خدا قرار دے رہے ہو؟ گویا آزر کو منادیٰ بنایا ہے اور جمہور اس کو فتحہ سے پڑھتے ہیں۔ حسن بصری کے نزدیک پیش سے نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لفظ ایک معرفہ اور علم ہے۔ اس بنا پر غیر منصرف سمجھا جائے گا۔ گویا قول لِاَبِيْهِ سے بدل ہے اور اسی بنا پر منصوب ہے یا عطف بیان سمجھا جائے اور یہی زیادہ ٹھیک ہو سکتا ہے اور جو لوگ اس کو لغت قرار دیتے ہیں۔ جیسے احمر اور اسود غیر منصرف ہیں لیکن جن کا یہ گمان ہے کہ وہ مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ: ﴿اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا﴾ کی تقدیر یوں ہوئی کہ: ﴿يٰۤاَبَتِ اَتَتَّخِذُ اٰزَرَ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ یعنی اے باپ کیا آزر بتوں کو تم خدا بناتے ہو لیکن لغت کے لحاظ سے یہ قول بعید ہے۔ اس لئے کہ جو حرف استفہام کے بعد ہو وہ اپنے ماقبل پر عمل نہیں کیا کرتا ہے کیونکہ اس حرف استفہام کے لئے تو صدر کلام چاہئے ابن جریر وغیرہ نے اس کی تقریر و تصدیق کی ہے اور قواعد عربیہ میں یہی مشہور ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی۔ عبادت اصنام پر ان کی مخالفت کی۔ انہیں اسے روکا لیکن ان کے باپ باز نہ آئے۔ انہوں نے کہا کہ تم نے صنم کو خدا بنا لیا ہے؟ میں تو تم کو اور تمہارے مسلک پر چلنے والوں کو بڑی گمراہی میں پاتا ہوں اس سے بھٹکتے رہو گے۔ بلکہ حیرت اور جہل میں رہو گے۔ ان کو جہالت و گمراہی میں قرار دینا ہر صاحب عقل سلیم کے لئے ایک دلیل واضح ہے کہ ارشاد باری ہے کہ قرآن حکیم میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر دیکھو وہ صدیق اور نبی تھے۔ اپنے

باپ سے انہوں نے کہا تھا کہ ''اے باپ! اس کی عبادت نہ کرو جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہارا کوئی کام نکالتا ہے۔ اے باپ! خدا کی طرف سے مجھے وہ علم حاصل ہوا ہے جو تمہیں نہیں ہوا۔ اس لئے میری بات سنو! میں تمہیں بالکل سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اے باپ شیطان کی عبادت نہ کرو۔ شیطان خدا کا دشمن ہے۔ اے باپ سخت خطرہ ہے کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا اور تم شیطان کے دوست قرار پاؤ گے۔'' تو آزر نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تم میرے خداؤں سے روگرداں ہو گئے ہو؟ اگر تم اس روش سے باز نہ آؤ گے تو میں سنگسار کر دوں گا اور تمہیں بالکل چھوڑ دوں گا۔'' تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا ''پھر میرا آپ کو سلام ہے' میں خدا سے تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ میرا خدا بڑا مہربان ہے لیکن میں تم کو بھی چھوڑتا ہوں اور تمہارے معبودان باطل کو بھی۔ میں تو خدا سے ہی اپنا ربط جوڑوں گا۔ ممکن ہے خدا میری دعا میں مجھے ناکام رکھے۔'' چنانچہ ابراہیم علیہ السلام تاحیات اپنے باپ کے لئے استغفار کرتے رہے اور جب باپ شرک پر ہی مر گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ شرک کے لئے استغفار کام نہیں دیتا۔ تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کے لئے تو صرف اس وجہ سے تھا کہ اس نے باپ سے وعدہ کر لیا تھا لیکن جب ابراہیم کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزاری ظاہر کی۔ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے خدا پرست اور حلیم تھے۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کے روز ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے ملیں گے تو آزر ان سے کہے گا کہ ''اے بیٹے!'' آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔'' تو ابراہیم اپنے ربّ سے عرض کریں گے کہ ''اے رب'' کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہ فرمایا تھا کہ مجھے قیامت کے دن ذلیل نہ کرے گا اور آج میرے لئے اس سے بڑی اور کونسی رسوائی ہو سکتی ہے کہ میرا باپ اس حال میں ہے۔'' تو ارشاد فرمایا جائے گا کہ اے ابراہیم! تم اپنے پیچھے دیکھو تو اپنے باپ کو دیکھنے کے بجائے ایک بجو کو دیکھیں گے جو کیچڑ میں لتھڑا ہوا ہے اور اس کی ٹانگیں پکڑ کر اس کو دوزخ کی طرف گھسیٹتے ہوئے لے جایا جا رہا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہم اس طرح ابراہیم علیہ السلام کو آسمان وزمین کے ملکوت پیش نظر کر دیتے ہیں اور اس کی نظر میں یہ دلیل قائم کر دیتے ہیں کہ کس طرح وحدانیت خدائے عزوجل پر زمین و آسمان کے خلق کی بنیاد ہے۔ جس سے یہ دلیل لی جا سکتی ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور ربّ نہیں۔ ایسی دلالت فی النظر کو ملکوت کہتے ہیں کیونکہ دلالت فی النظر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو حاصل رہی۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ۱۸۵) اور دوسری جگہ ہے: ﴿اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ......﴾ (الاسراء: ۹) یعنی اگر لوگوں کو آسمان وزمین کی مخلوق پر عبرت کی نظر کرنی چاہئے۔ انہیں اپنے آگے پیچھے زمین و آسمان کو دیکھنا چاہئے۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں اور چاہیں تو آسمان سے ٹکڑا ان پر گرا دیں۔ رغبت اور رجوع کرنے والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں لیکن ملکوت کے بارے میں ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی سامنے آسمان پھٹ گئے تھے اور ابراہیم علیہ السلام آسمان کی سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچی اور ساتوں زمینیں ان کے لئے کھل گئیں اور وہ زمین کے اندر کی چیزیں دیکھنے لگے۔ بعض نے اس مضمون کا بھی اضافہ کیا ہے کہ لوگوں کے معاصی کو بھی دیکھنے لگے تھے اور ان گنہگاروں پر بددعا کرنے لگے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں اے ابراہیم علیہ السلام میں تم سے زیادہ اپنے بندوں پر کریم ہوں۔ کیا عجب کہ بعد کو وہ توبہ کر لیں اور رجوع کر لیں ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے آسمان وزمین کی چھپی ہوئی اور علانیہ ساری چیزیں دکھلا دیں۔ ان سے کچھ بھی چھپا نہ رہا اور جب وہ اصحاب گناہ پر لعن کر رہے تھے۔ تو فرمایا کہ ایسا نہیں اور ان کی بددعا کو رد کر دیا۔ پھر وہ حسب سابق ہو گئے۔ اس لئے محتمل ہے کہ ان کی نگاہوں پر سے پردہ ہٹ گیا اور نہاں ان کے لئے عیاں کر دیا ہو اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس کو دل کی آنکھوں سے دیکھا

ہو۔ چنانچہ خدا کی حکمت باہرہ اور دلالت قاطعہ کو معلوم کرلیا ہو۔

جیسا کہ امام احمد اور ترمذی رحمتہ اللہ علیہما سے روایت ہے کہ عالم خواب میں خدا ایک بہترین شکل میں میرے پاس آیا اور فرمانے لگا۔ اے محمد ﷺ ملاء اعلیٰ میں کیا بحث ہو رہی ہے؟ میں نے کہا یا ربّ میں نہیں جانتا۔ تو اس نے اپنا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا کہ اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک میں اپنے سینے میں پانے لگا۔ اب ہر چیز مجھ پر کھل گئی اور میں سب کچھ دیکھنے لگا اور قول پاک ﴿وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں واوٗ زائد ہے۔ اس کی تقدیر یوں ہوئی: ﴿مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ یعنی بغیر واوٗ کے۔ جیسا کہ اس آیت میں: ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اس میں الآیٰت کے بعد واوٗ زائد ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زائد نہیں ہے۔ بلکہ سابقہ بات کی بنیاد پر بات کو اُٹھایا گیا ہے۔ یعنی ہم نے اس پر ملکوت ظاہر کر دیا تا کہ وہ دیکھ لے اور یقین بھی کر لے۔ اب قول باری ہے کہ جب رات تاریک ہوگئی تو ابراہیم نے ستارے کو دیکھا تو کہا یہ میرا ربّ ہے لیکن جب وہ غائب ہوگیا تو کہا کہ ڈوب جانے والوں کو تو میں پسند نہیں کرتا۔ نہ غائب ہونے والی چیز خدا ہو سکتی ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا کہ خدا وہ ہونا چاہئے کہ جو زائل نہ ہو۔ پھر جب چاند کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا خدا ہوگا وہ بھی ڈوب گیا تو کہا یہ بھی خدا نہیں۔ اگر سچا خدا میری رہنمائی نہ فرمائے تو میں گمراہ ہی ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو طالع دیکھا تو کہا یہ روشن ہے اور سب سے بڑا ہے لیکن وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے۔ اے قوم! میں تو دست بردار ہوتا ہوں تمہاری ان تمام چیزوں سے، جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اب میں نے اپنا رخ کرلیا ہے اس ذات کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اب میں بالکل اس کا ہو گیا ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہو سکتا اور اپنی عبادت و پرستش اسی کے لئے خاص کرتا ہوں، جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ حالانکہ اس کی کوئی نظیر پیدا کرنے کے وقت اس کے سامنے نہ ہوگی۔ اس طرح میں شرک سے توحید کی طرف آتا ہوں۔ مفسرین نے اس مقام میں اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام غور وفکر ہے یا قوم سے مناظرہ کا مقام ہے اور وہ قوم سے مناظرہ کرنے والے کے موقف میں آ کر سوال کر رہے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ابراہیم علیہ السلام کا مقام غور وفکر قرار دیتے ہیں۔ اس قول سے استدلال کرتے ہوئے کہ اگر میرا ربّ ہی مجھے ہدایت نہ فرمائے تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔

محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا۔ جب کہ پہلی دفعہ اس غار سے باہر نکلے۔ جس میں کہ ان کی ماں نے انہیں جنا تھا کیونکہ نمرود بن کنعان کے خوف سے ولادت کے وقت وہ غار میں گھس گئی تھیں۔ نمرود سے منجمین نے کہا تھا کہ ایک بچہ ہونے والا ہے کہ جس کے ہاتھوں تمہارا ملک برباد ہونے والا ہے تو اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اس سال جتنے لڑکے پیدا ہوں، سب قتل کر دیئے جائیں۔ اُم ابراہیم جب حاملہ ہوئیں اور وقت وضع حمل قریب آیا تو وہ شہر کے باہر کے ایک غار میں چلی گئیں اور لڑکے وہیں چھوڑ چلی آئیں۔ اس سلسلے میں وہ بہت سی خارق عادت چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ اسی بنیاد پر مفسرین سلف وخلف نے بھی ذکر کیا ہے۔

کائنات میں نظر عبرت ☆ لیکن سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم سے یہ بیان بہ حیثیت ایک مناظرہ کے ہے۔ عقیدہ کو باطل کرنے کے لئے کہ تم جو ہیاکل واصنام کو پوجتے ہو۔ یہ سب بیچ ہیں۔ چنانچہ مقام اوّل میں وہ عبادت اصنام سے متعلق اپنے باپ کی خطا ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اصنام انہوں نے فرشتوں کی شکل کے بنا رکھے تھے تا کہ یہ پتلے خالق عظیم کے سامنے ان کی شفاعت کریں۔ حالانکہ یہ بت خود ان کی اپنی نظروں میں بھی حقیر اور بے معنی تھے لیکن گویا ملائکہ کی عبادت کر کے سمجھتے تھے کہ وہ رزق اور دوسری ضروریات سے متعلق خدا کے پاس ان کی سفارش کیا کریں۔ چنانچہ اس مقام میں ان کی خطا اور گمراہی بیان کی گئی ہے۔ یہ ہیاکل سات

ستاروں کے تھے یعنی قمر عطارد زہرہ شمس مریخ مشتری زحل سب سے زیادہ چمکدار ستارہ شمس ہے۔ پھر قمر ہے۔ پھر سب ستاروں میں روشن تر زہرہ ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے سب سے پہلے اسی ستارہ زہرہ کو لیا اور قوم کو بتایا کہ الٰہیت کی ان ستاروں میں صلاحیت نہیں۔ یہ خود پابند ہیں۔ ان کی رفتار معین مقدر ہے۔ یہ سیدھے یا بائیں ذرا بھی اپنے اختیار سے نہیں جھک سکتے۔ یہ تو اجرام فلکی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے روشن بنا کر پیدا کیا ہے اور اس میں اس کی بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ مشرق سے نکلتے ہیں۔ پھر مشرق و مغرب کا درمیانی راستہ طے کرتے ہیں۔ پھر نگاہوں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ دوسری رات پھر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایسی چیزیں جو اپنی عادت مستمرہ کی پابند ہوں خدا کیسے ہو سکتی ہیں؟ پھر وہ قمر کی طرف آتے ہیں اور زہرہ کے بارے میں جو بیان کیا تھا وہی بیان کرتے ہیں۔ پھر شمس کا ذکر کرتے ہیں اور ان تین اجرام سے جب الٰہیت کا انکار کرتے ہیں جو اجرام فلکی میں روشن ترین تھے اور دلیل قاطع سے اپنا دعویٰ ثابت کر چکتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اے قوم میں تو ان چیزوں سے بری ہوں۔ جن کو تم شریک خدا ٹھہراتے ہو۔ اگر یہ خدا ہیں تو ان کو سب کو مددگار بنا کر تم میری مخالفت کرو اور ذرا بھی ساتھ رعایت نہ کرو۔ میں فاطر السماوات والارض کا ہو چکا ہوں۔ میں تمہاری طرح شرک نہ کروں گا۔ میں ان اشیاء کے خالق کو پوجوں گا جو ان کا مخترع ہے مسخر ہے مدبر ہے۔ ہر شئی کا رشتہ اطاعت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جیسا کہ فرمایا ''تمہارا ربّ فقط وہی ہے جس نے چھ دن میں آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ پھر عرش پر غالب ہو گیا۔ رات کو دن سے اور دن کو رات سے ڈھانپتا ہے کہ ایک دوسرے سے پیچھے آ جا رہا ہے۔ سورج چاند اور تارے سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔ خلق و امر کا مالک وہی ہے۔ وہ ربّ العالمین ہے بڑی برکتوں والا ہے۔''

چنانچہ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ان مقامات پر غور و فکر کریں اور شرک کے خیالات میں پہلے مبتلا ہو جائیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرما دیا ہے کہ ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت بخش رکھی ہے۔ ہم اس کو خوب جانتے ہیں۔ وہ اپنے باپ اور قوم سے کہتے تھے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں۔ جن کی تم پرستش کرتے ہو اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام یک سو ہو کر خدا کی پرستش کرنے والا اور بہت مخلص بندہ ہے۔ اس نے کبھی شرک نہیں کیا۔ وہ خدا کی نعمتوں پر شکر گزار رہے۔ اللہ نے اس کو برگزیدہ بنایا ہے اور اس کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے اور دنیا میں بھی اس کو خوبیاں اور نیکیاں عطا فرمائیں اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہے۔ پھر ہم تمہاری طرف اے نبی! وحی بھیجتے ہیں کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو۔ وہ حنیف[1] تھا مشرک نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہدو! اے نبی کہ میرے ربّ نے صراط مستقیم کی مجھے ہدایت فرمائی ہے۔ جس پر کہ ابراہیم قائم تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا ہر مولود فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے۔ حضرت ﷺ نے ارشاد ﷺ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا ہے۔ یعنی خدا ہی کا ہو کر رہنے والا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت وہ ہے جس پر کہ انسان کی پیدائش ہوئی اور جو چیز جیسی پیدا کر دی گئی اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور فرمایا: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي﴾ جس کے معنی ایک قول کی رو سے یہی ہیں۔ جیسے کہ: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ کے ہیں۔ جس کا بیان آئے گا۔ یعنی یہ کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فطرت اللہ پر پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق کی تبدیلی نہیں۔ جب یہ خدا پرستی کی فطرت اور اعتراف عبودیت تمام ہی مخلوق کے بارے میں ہے۔ تو ابراہیم خلیل اللہ کے بارے میں کیسے نہ ہو اور خدا شناسی کے بارے میں متفکر اور متردد کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو فطرت سلیم کے لحاظ سے بہترین ہستی تھے۔ ان کے خیالات کو دلیل اور برہان کے ذریعے دور کر رہے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ خود متردد ہیں۔

[1] حنیف جو تمام باطل مذاہب کو چھوڑ کر صرف خدائے واحد کی عبادت کرے۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

اوران سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کی۔ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے حجت کرتے ہو۔ حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے اور ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا۔ ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے۔ میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے۔ کیا تم پھر خیال نہیں کرتے اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم ایسی بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں فرمائی سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے۔ اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے۔ ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں بیشک آپ کا رب بڑا علم والا بڑا حکمت والا ہے۔ ○

موحدِ اعظم (علیہ السلام) کا باطل پرستوں سے مناظرہ ☆

اللہ پاک ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرماتا ہے۔ جب آپ توحید سے متعلق اپنی قوم سے مناظرہ کر رہے تھے اور آپ اپنی قوم سے فرما رہے تھے کہ کیا تم خدا کے بارے میں مجھ سے جھگڑ رہے ہو۔ وہ تو واحد یکتا ہے۔ وہ مجھے حق کی طرف بصیرت و ہدایت فرماچکا ہے اور میں اس کی یکتائی پر دلائل رکھتا ہوں۔ پھر تمہارے اقوال خاسدہ اور شبہات باطلہ کی طرف کیسے توجہ دے سکتا ہوں۔ تمہارے قول کے بطلان پر میرے پاس دلیل ہے۔ تمہارے یہ خود ساختہ بت تو کسی بات پر اثر انداز نہیں ہوتے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں نہ ان سے ڈرتا ہوں نہ ذرہ بھر ان کی پروا کرتا ہوں۔ اگر یہ بت میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اچھا بگاڑ دیکھیں بلکہ مجھے سنبھلنے کے لئے ذرہ بھر مہلت بھی نہ دیں۔ قولہ تعالیٰ: ﴿اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــًٔا﴾ ہاں خدا ہی اگر کچھ بگاڑنا چاہے تو بگاڑ سکتا ہے۔ تمام اشیاء پر اس کا احاطہ علم وسیع ہے۔ کوئی چیز

اس سے پوشیدہ نہیں۔ میں جو کچھ بیان کرتا ہوں تم اس سے کچھ عبرت نہیں لیتے۔ تاکہ ان کی عبادت سے باز آئیں۔ یہ صورت احتجاج بالکل ایسی ہی ہے جیسی ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی تھی اور اس قوم عاد کا قصہ قرآن میں موجود ہے کہ: ﴿قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ......﴾ یعنی اے ہود علیہ السلام تم نے کوئی معجزہ تو پیش نہیں کیا۔ صرف تمہارے کہنے سے کیا ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں گے۔ ہم تو تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ تم پر ہمارے خداؤں کی کوئی لعنت برسی ہے۔ تو ہود علیہ السلام نے کہا' میں خدا کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں خدا سے نہیں بلکہ خدا کے ساتھ تم دوسرے خداؤں کو شریک کردیتے ہو' ان سے بری ہوں۔ اب تم اور تمہارے بت سب مل کر خوب میری برائی چاہو۔ نہ کوئی کسر اٹھا رکھو نہ مجھے مہلت دو۔ میرا توکل تو میرے ربّ پر ہے جو تمہارا بھی رب ہے۔ وہ تو ہر جاندار کو اپنے پاس پکڑ بلائے گا۔ پھر آیت زیر ذکر میں فرماتا ہے کہ میں آخر تمہارے جھوٹے خداؤں سے کیوں ڈروں۔ جب تم خود اس بات سے نہیں ڈرتے ہو' جو دوسروں کو جو شریک خدا ٹھہرا رہے ہو۔ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل ہی نہیں۔ جیسے کہ ایک جگہ فرمایا: ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا......﴾ (الشوریٰ:۲۱) نیز فرمایا: ﴿اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ......﴾ (النجم:۲۳) پھر ارشاد ہوتا ہے پس تم ہی بتاؤ کہ تمہاری اور میری جماعت میں سے حق پر کون ہے کیا وہ خدا جو سب کچھ کرسکتا ہے۔ یا وہ جو ذرہ بھر نفع وضرر کا مالک نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کا پیوند نہیں لگایا[1]۔ امن تو انہی کا حق ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ انہوں نے اپنی عبادت شائبہ شرک سے خالص رکھی تھی۔ دنیا اور آخرت پر انہیں کا قبضہ ہے۔ بخاری میں عبداللہ سے روایت ہے کہ جب آیت: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ نازل ہوئی تو اصحاب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو آیت نازل ہوئی: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان:۱۳) یعنی عظیم ظلم جو ہے وہ شرک ہے۔ جب آیت مندرجہ بالا نازل ہوئی تھی اور لوگوں کو غلط فہمی ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جیسا سمجھتے ہو ویسا نہیں۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ عبد صالح یعنی لقمان حکیم نے: ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ یعنی ظلم سے مراد شرک ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب: ﴿لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ۝﴾ آیت اُتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا کہ تم انہی ایماندار لوگوں میں سے ہو۔

ایمان اور اس کے تقاضے ☆ جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے اور جب مدینہ سے باہر ہوئے تو ایک سوار ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سوار تمہیں سے ملنے کے لئے آرہا ہے۔ جب وہ ہم تک پہنچا تو ہمیں سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا کہ اپنے اہل وعیال اور اپنے قبیلہ والوں کے پاس سے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہاں جاؤ گے؟ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کہو میں ہی اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایمان کی تعلیم دیجئے۔ آپ نے فرمایا' کہو کہ خدا کے سوا دوسرا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور نماز پڑھا کرو' زکوٰۃ دیا کرو' رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو۔ اس نے کہا مجھے ان سب باتوں کا اقرار ہے۔ پھر جب روانہ ہو چکا' تو اس کے اونٹ کا پاؤں جنگلی چوہے کے ایک سوراخ میں پھنس گیا اور اونٹ گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی یہ سوار بھی گر پڑا اور اس کا سر پھٹ گیا' گردن ٹوٹ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر اس کی عیادت اور خبر گیری ضروری ہے۔ ساتھ ہی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حذیفہ نے دوڑ کر اسے اٹھایا۔ پھر کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو مر چکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری طرف پلٹ گئے۔ پھر فرمایا' کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اس کی طرف سے رخ کیوں پلٹا۔ میں نے

[1] یعنی ایمان لانے کے بعد پھر شرک نہیں کیا۔

فرشتوں کو دیکھا تھا کہ جنت کے پھل اس کے منہ میں دے رہے ہیں۔ جس سے میں سمجھ گیا کہ وہ بھوکا مرا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' یہ ان لوگوں میں تھا' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ظلم یعنی شرک کو شامل نہیں کرتے۔ پھر فرمایا' اپنے بھائی کا انتظام کرو۔ چنانچہ ہم نے اس کو غسل دیا' کفن پہنایا' خوشبو ملی اور جب قبر کی طرف لے جانے لگے۔ تو حضرت ﷺ تشریف لائے' پھر قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ بغلی قبر بناؤ' کھلی نہ رکھو' ہماری قبریں بغلی ہوتی ہیں اور کھلی قبریں دوسروں کی[1] اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جو بہت ہی تھوڑا عمل کر کے اجر کثیر حاصل کر لیتے ہیں۔ تفصیل کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے کہ ایک اعرابی سامنے سے آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! قسم اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں اپنے وطن' اپنی اولاد اور اپنے مال کو چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ تا کہ آپ ﷺ کے ذریعہ ہدایت حاصل کروں اور اس طرح آپ تک پہنچا ہوں کہ زمین کی گھاس پات راہ میں کھاتا ہوا آیا۔ اب آپ مجھے دین سکھائیے۔ آپ ﷺ نے اس کو دین سکھایا' اس نے قبول کیا۔ ہم اس کے اطراف جمع ہو گئے۔ وہ جانے لگا تو اس کے اونٹ کا پاؤں جنگلی چوہے کے بل میں پھنس گیا۔ وہ گر پڑا اور دھکے سے ان کی گردن ٹوٹ گئی تو حضرت ﷺ نے فرمایا' خدا کی قسم اس نے سچ کہا تھا کہ اپنے وطن اور بال بچوں کو چھوڑ کر وہ مجھ سے صرف ہدایت اور دین حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے تعلیمات دینی حاصل کر لی۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس نے ایام سفر زمین کی صرف جڑی بوٹی کھا کر گزارے تھے۔ اس نے عمل کیا تھوڑا اور اجر پایا بہت۔ کیا تم نے ان لوگوں کے بارے میں سنا۔ جنہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم شرک کو شامل نہیں کیا۔ یہی لوگ امن اور اطمینان کے حقدار ہیں۔ یہی اصل ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ انہی میں سے تھا۔

عبداللہ بن سنجرہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ''جس کو دیا گیا اور اس نے شکر کیا اور جس کو نہ دیا گیا اور اس نے صبر کیا اور جس نے ظلم کیا اور پھر مغفرت طلب کی' اور جس پر ظلم ہوا اور اس نے بخش دیا۔ اتنا کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس کو کیا ملے گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہی لوگ ہیں' جو خدا کی طرف سے امن کے اندر آ گئے[1] ہدایت یافتہ یہی ہیں اور قول پاک ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم سے مناظرہ کرنا اور دلیلیں لانا سکھایا۔ مجاہد وغیرہ اس آیت سے حسب ذیل دلیل پیش کردہ باری تعالیٰ مراد لیتے ہیں۔ یعنی حجت ابراہیمی کہ میں تمہارے معبودوں سے کیوں ڈروں۔ جب کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے نہیں ڈرتے۔ جس کی کوئی سند اور دلیل ہی نہیں۔ اب تم خود ہی جان لو کہ دونوں میں سے کس نے اپنی زیادہ حفاظت کی ہے۔ اللہ نے اس کو امن و ہدایت کا نام دیا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا ......﴾ پھر اس کے بعد فرمایا ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ﴾ (الانعام: ۸۳) یہاں دَرَجٰتٍ کا لفظ بالا ضافۃ اور بلا اضافۃ دونوں طرح پڑھا گیا ہے جیسا کہ سورہ یوسف میں ہے اور بات دونوں طرح یکساں ہے اور قولہ ﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ یعنی وہ اپنے اقوال میں حکیم ہے اور اپنے افعال میں علیم ہے۔ یعنی جس کو چاہے ہدایت کرے اور جس کو چاہے گمراہ ہونے دے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ......﴾ یعنی جن کی قسمت میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ محقق ہو چکا ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ خواہ کیسی ہی نشانی انہیں کیوں نہ بتائی جائے کہ عذاب الٰہی سے انہیں سابقہ نہ پڑے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ

[1] ایک قبر بغلی ہوتی ہے اور ایک قبر کھودنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو بغلی نہیں بناتے۔ مدینہ میں بغلی قبریں صرف مسلمان ہی کھودتے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ اللحد لہ والشق لغیرنا ۱۲۔

ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

ع ۸ ۱۰ ۱۶

اور ہم نے ان کو (ایک بیٹا) اسحٰق دیا اور (ایک پوتا) یعقوب (دیا) ہر ایک کو (طریق حق کی) ہم نے ہدایت کی اور (ابراہیم سے) پہلے زمانہ میں ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت کی اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے داؤدؑ کو اور سلیمان اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون (علیہم السلام) کو (طریق حق کی ہدایت کی) اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں اور نیز زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسٰی اور الیاس (علیہم السلام) کو (اور یہ) سب (حضرات) پورے شائستہ لوگوں میں سے تھے اور نیز ہم نے طریق حق کی ہدایت کی اسمٰعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط (علیہم السلام) کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو (ان زمانوں کے) تمام جہان والوں پر (نبوت سے) ہم نے فضیلت دی اور نیز ان کے کچھ باپ داداؤں اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو (طریق حق کی ہم نے ہدایت کی) اور ان (سب) کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی اللہ کی ہدایت وہ یہی (دین) ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے۔ ان کے سب اکارت ہو جاتے۔ یہ ایسے تھے کہ ہم نے ان (کے مجموعہ) کو کتاب (آسمانی) اور حکمت (کے علوم) اور نبوت عطا کی تھی۔ سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے ایسے بہت لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں۔ یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے (صبر کی) ہدایت کی تھی۔ سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کچھ معاوضہ نہیں چاہتا۔ یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے۔ ○

موحدِ اعظم (علیہ السلام) پر کرم وعنایت:

اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اسحق جیسا بیٹا بخشا۔ حالانکہ بڑھاپے کے سبب وہ اور ان کی بیوی سارہ اولاد سے مایوس چکے تھے۔ فرشتے ان کے پاس آئے۔ یہی قومِ لوط علیہ السلام کی طرف بھی جا رہے تھے۔ فرشتوں نے میاں بیوی کو اسحق علیہ السلام کی ولادت بشارت دی۔ بیوی حیران ہو کر رہ گئیں اور کہا ہائے اب میرے بچہ ہوگا۔ میں بڑھیا' میرا شوہر شیخ فانی' یہ کیسی عجیب بات ہے؟ تو فرشتو نے کہا اے بی بی! کیا خدا کے کاروبار پر تعجب کرتی ہو؟ اے گھر والو! خدا کی رحمتیں اور برکتیں تم پر ہیں۔ چنانچہ فرشتوں نے انہیں یہ بشارت دی کہ وہ نبی بھی ہوگا اور اس کی نسل بھی بڑھے گی یعنی فرمایا: ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور یہ بڑی بشارت اور بڑ نعمت ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ یعنی اس مولود اسحق کو تمہاری حیات ہی میں لڑکا ہوگا اور تمہا آنکھیں جیسے بیٹے سے ٹھنڈی ہوں گی پوتے سے بھی ٹھنڈی ہوں گی کیونکہ نسل کو باقی رکھنے کے لئے پوتے کی ولادت سے خوشی اور زیادہ ہوتی ہے۔ بوڑھے اور بڑھیا کی اولاد میں جب شک ہوسکتا ہے کہ ضعف کی وجہ سے ان کے بچہ نہیں ہوسکتا۔ تو بیٹے اور پھر پوتے ج کا نام یعقوب ہوگا' اس کو کیسے خوشی نہ ہوگی۔ یعقوب کا اشتقاق عقب سے ہے۔ یعنی اسحاق کے بعد اس کے عقب میں بھی آنے والا صلہ ہے ابراہیم علیہ السلام کا جس نے اپنے وطن اور قوم کو چھوڑا' ان شہروں سے ہجرت کر کے عبادت الٰہی کی خاطر دور دراز چل دیا۔ اس کی ان کی صلبی اولاد صالحین تھی۔ تاکہ ان سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ جیسا کہ فرمایا جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور ان کے معبودو چھوڑا تو ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب عطا کئے اور دونوں کو نبی بنایا۔

اور یہاں فرمایا: ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا﴾ اور پھر فرمایا: ﴿وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس سے پہلے ہم نے علیہ السلام کی ہدایت کر چکے تھے اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو صالح نسل عطا فرمائی اور اسحق اور یعقوب ان دونوں کو خصوصیت عظیمہ حاصل لیکن نوح علیہ السلام کہ جب اللہ تعالیٰ نے سارے اہل زمین کو غرق کر دیا بجز ان کے جو نوح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور ان کے ساتھ سفینے بیٹھ چکے تھے۔ یہ باقی لوگ ہی نوح علیہ السلام کی ذرّیت تھے اور ساری دنیا کے لوگ ان کی ذرّیت ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کہ ان کے بعد کوئی نہیں ہوا' بجز ان افراد کے جو اُن کی ذرّیت میں تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (العنکبوت: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (الحدید: ۲۶) اور یہ بھی فرمایا کہ نبیوں سے یہ بھی ہیں' جن پر انعام الٰہی ہوا۔ آدم کی اولاد میں سے اور جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں لے لیا تھا اور ابراہیم علیہ اسرائیل کی اولاد میں سے اور جنہیں ہم نے ہدایت کی تھی اور پسند کر لیا تھا۔ ان کے سامنے جب آیاتِ الٰہی پڑھی جاتی ہیں تو روتے اور گڑگڑاتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔

اس آیت میں: ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ﴾ سے مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کی ذرّیت کو بھی ہدایت کی۔ یعنی داؤد علیہ السلام اور سلیمان کو لیکن اگر ذُرِّیَّتِہٖ کی ضمیر کو نوح کی طرف پھیریں کیونکہ قریب نوح علیہ السلام کا لفظ ہی ہے اور ضمیر اقرب کی طرف ہی جاتی ہے۔ تو یہ بات صاف ہے کوئی اشکال نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے لیکن اگر ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہو کیونکہ سیاق کلام کا تقاضا ہے تو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن اشکال یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے سلسلے میں لوط علیہ السلام کا لفظ بھی آیا ہے اور لوطؑ ابراہیمؑ کی اولاد سے نہیں ہیں بلکہ ان کے بھائی ہارون بن آزر کے بیٹے ہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ غلبہ اور اکثریت کے طور پر ان کی ذریت کے ضمن میں کر دیا گیا ہو۔ جیسا کہ اس قول باری میں بھی ہے: ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ﴾ (الانعام: ۱۴۴) یہاں آباء یعقو

کے سلسلہ میں اسماعیل کا نام بھی آ گیا۔ حالانکہ اسماعیل تو ان کے چچا تھے۔ یہ سلسلہ کلام میں غلبہ و اکثریت کی بنا پر ہوا اور اسی طرح کی دوسری آیت ہے: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ جہاں ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا گیا اور مخالفت کی مذمت کی گئی وہاں ابلیس کو غلبہ کی وجہ سے ملائکہ میں شامل قرار دے کر استثنٰی کیا گیا کیونکہ وہ ملائکہ کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔ ورنہ حقیقت میں ملک نہیں تھا۔ جنوں میں سے تھا۔ اس کی طبیعت نار تھی اور فرشتوں کی طبیعت نور تھی۔ نیز اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ذرّیت پر ابراہیم یا نوح کے سلسلہ میں لایا گیا ہے۔ گویا انہیں بھی ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں کہا گیا ہے۔ اس دلیل کی بنا پر کہ بیٹی کی اولاد بھی آدمی کی نسل ہی میں سے سمجھی جاتی ہے۔ اب اگر عیسیٰ علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق ہے تو صرف اس بنا پر کہ ان کی ماں مریم ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ ورنہ حضرت عیسیٰ کے تو باپ تھے ہی نہیں کہتے ہیں کہ حجاج نے یحییٰ بن یعمر سے کہا کہ میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ حسن اور حسین ذرّیت نبی میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ علی رضی اللہ عنہ اور ابوطالب کی ذریت سے ہیں اور پھر بھی دعویٰ کرتے ہو کہ اس کا ثبوت قرآن سے ہے۔ میں نے قرآن کو اوّل سے آخر تک پڑھا ہے کہیں اس کو نہ پایا۔ تو ابن یعمر نے کہا کہ کیا تم نے سورہ انعام میں نہیں پڑھا کہ: ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ﴾ (الانعام: ۸۴) حتیٰ کہ وہ یحییٰ اور عیسیٰ تک بڑھتے چلے گئے۔ کہا کہ ہاں پڑھا ہے۔ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ذرّیت ابراہیمؑ میں بتایا گیا ہے اور حالانکہ وہ باپ نہیں رکھتے تھے۔ صرف بیٹی کے تعلق سے ذرّیت میں قرار دیا گیا۔ تو پھر بیٹی کے تعلق سے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) ذرّیت نبی میں کیوں نہ ہوں۔

حجاج نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس لئے جب کوئی آدمی اپنی ذریت کے نام پر وصیت کرتا ہے یا ہبہ کرتا ہے تو اس ذریت میں اولاد بنات بھی سمجھی جائے۔ لیکن جب وہ اپنے بیٹوں کے نام سے دیتا ہے یا وقف کرتا ہے تو خاص صلبی بیٹے ہی مستحق ہوتے ہیں یا پوتے اور دوسروں نے تو کہا ہے کہ اس میں اولاد بنات بھی داخل ہے کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے حسن بن علی کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرا دے گا اور جنگ کا فتنہ دب جائے گا۔ چنانچہ حسن کو ابن کے لفظ سے تعبیر کیا۔ جو دلالت کرتا ہے کہ وہ اولاد میں داخل سمجھے جاسکتے ہیں۔

اور قول باری: ﴿وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ﴾ یہاں ان کی نسل اور نسب دونوں کا ذکر ہے اور ہدایت اور برگزیدگی ان سب پر شامل ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ یعنی ہم نے ان کو چن لیا اور صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ پھر فرمایا: ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ یعنی یہ بات ان کو اللہ کی توفیق اور اس کی ہدایت کے سبب حاصل ہوئی ہے: ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ یعنی اگر وہ شرک کریں گے تو ان کے سارے اعمال نیک سلب کر لئے جائیں گے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ شرک کس قدر سخت ہے اور اس کی برائی کتنی زبردست ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ......﴾ (الزمر: ۶۵) یہ جملہ محل شرط میں ہے اور شرط کے لئے یہ ضروری نہیں کہ واقع ہی ہو۔ جیسے کہ فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ......﴾ (الزخرف: ۸۱) یعنی اگر خدا کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے ماننا والا بن جاؤں اور فرمایا: ﴿لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا ......﴾ (الانبیاء: ۱۷) یعنی اگر کھیل تماشا بنانا ہی چاہتے تو اپنے پاس سے ہی بنالیتے۔ اور فرمایا: ﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ......﴾ (الزمر: ۴) یعنی اگر اللہ تعالیٰ اولاد کا ہی ارادہ کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔ لیکن وہ اس سے پاک ہے۔ اکیلا ہے اور غالب ہے اور زیر ذکر آیت کریمہ میں ارشاد ہے کہ انہیں لوگوں کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت دی اور اپنے بندوں پر ان کے سبب نعمت و کرم مبذول فرمایا۔ پس اگر وہ نبوت کا انکار کریں تو ان اہل مکہ اور قریش پر ہم ایسے لوگوں کو مسلط کر دیں گے وہ ہماری بات سے انکار نہیں کرتے ہیں اور نہ کوئی بات رد کرتے ہیں بلکہ قرآن کی سب باتوں پر خواہ وہ محکم ہوں یا متشابہ

ہوں' ایمان رکھتے ہیں۔

پھر اپنے رسول سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ وہ انبیائے مذکور اور ان کے آباء و ذریت و اخوان ایسے لوگ ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائی ہے تو اب تم انہیں کی اقتدا اور اتباع کرو۔ جب رسول کے لئے یہ حکم ہے تو ان کی امت تو بہر حال تابع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کیا سورہ (ص) میں سجدہ ہے؟ تو فرمایا ہاں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَوَهَبْنَالَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ ﴿فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ پھر کہا کہ وہ انہی کے گروہ میں سے ہے اور قولہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ یعنی میں تم سے اپنا کوئی حق نہیں مانگتا۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ تو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے تا کہ گمراہی سے ہدایت حاصل کر لیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی۔ جب کہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی۔ آپ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے وہ ہدایت ہے۔ جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی باتیں ایسی تعلیم کی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور جو بڑی برکت والی ہے اور اپنے سے پہلے کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تا کہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔ ○

اللہ کے رسول اور اس کی کتابوں کے انکار کرنے والوں سے خطاب ☆

اللہ پاک فرماتا ہے کہ جب انہوں نے رسول کی تکذیب کی تو خدا کا حق تعظیم ادا نہیں کیا۔ عبداللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ یہ آیت قریش کے حق میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہود کے بارے میں ہے یا یہ کہ انہی کے ایک شخص فنحاص کے بارے میں ہے

مالک بن صیف کے بارے میں ان؟ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کتاب نہیں اتاری۔ شانِ نزول کے بارے میں پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ آیت مکیہ ہے اور یہود تو اس بات کے قائل نہ تھے کہ انسان پر کوئی کتاب نہیں اُتری کیونکہ وہ توریت کے اُترنے کے قائل ہیں اور اہل وطن قریش اور عرب محمد ﷺ کے منکر تھے۔ اس حجت میں کہ آپ بشر ہیں اور بشر پر کتاب نہیں اُترتی۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ﴾ (یونس: ۲) یعنی لوگوں کو تعجب کیوں ہے اگر ہم انہیں میں سے کسی پر وحی بھیجیں کہ لوگوں کو کفر سے ڈراؤ اور ارشاد ہے: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى ......﴾ (الاسراء: ۹۴) یعنی جب ان کے پاس ہدایت پہنچی تو ایمان لانے میں جو چیز مانع تھی وہ ان کا یہ قول تھا کہ کیا خدا نے کسی بشر کو رسول بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ تو اے نبی! کہہ دو کہ ملائکہ اگر زمین پر چلتے پھرتے ہوتے تو بھی آسمان سے کسی ملک ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ اب یہاں اللہ پاک فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ پاک کی قدر جیسا کہ چاہئے تھی، نہیں پہچانی۔ یعنی کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کہہ دو کہ کس نے کتاب اتاری تھی موسیٰ علیہ السلام پر، جو نور اور ہدایت ثابت ہوئی۔ موسیٰ کی پیش کی ہوئی کتاب توریت کس کی نازل کی ہوئی تھی۔ سب جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام بن عمران کی کتاب خدا کی نازل کردہ تھی۔ جس سے لوگ کشف مشکلات میں روشنی پاتے تھے اور شبہات کی تاریکیوں میں سیدھی راہ ڈھونڈ لیتے تھے۔

پھر فرمایا کہ تم توریت کو ورق ورق بنا کر لکھتے ہو لیکن اس میں لکھتے ہوئے تحریف و تبدیلی بھی کرتے جاتے ہو اور کہتے یہ ہو کہ یہ بھی خدا ہی کی آیت ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ کچھ تو حقیقی آیتوں کو ظاہر کر دیتے ہو اور اکثر کو چھپا دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ تم نے وہ کچھ جان لیا، جس کو نہ تم جانتے تھے۔ نہ تمہارے اسلاف یعنی کس نے اتارا اس قرآن کو جس نے تمہاری ساری گزشتہ خبریں بتا دیں اور ہونے والی باتوں کی پیش گوئی کر دی۔ جس کو تم نہ جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں اور مجاہد کہتے ہیں کہ مسلمان مراد ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس سوال کے جواب میں تم آپ ہی جواب دے دو کہ خدا ہی نے نازل فرمایا اور جس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے وہ اس کلمہ کی تفسیر میں متعین ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ بعض متاخرین نے کہا ہے کہ: ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا یہ خطاب ان کے لئے نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ کلمہ صرف ایک کلمہ یعنی لفظ اللہ ہے اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ ایک مفرد کلمہ بھی جملہ ہو سکتا ہے جو غیر مرکب ہو لیکن کلمہ مفردہ کا لانا لغت عرب میں غیر مفید سمجھا گیا ہے اور اس پر سکوت نہیں ہو سکتا اور قول باری تعالیٰ ہے کہ انہیں ضلالت و جہل میں بھٹکنے دو۔ حتیٰ کہ موت کے سبب ان کی یقین کی آنکھیں کھل جائیں اور آخر کار وہ خدا کو جان لیں اور قول باری ہے کہ یہ قرآن مبارک ہے اور تورات و انجیل کی تصدیق کرنے والا ہے اور تاکہ تم اس کے ذریعے مکے اور اس کے اطراف رہنے والے قبائل عرب کو اور عرب و عجم کے بنی آدم کو کفر و شرک کے برے نتیجہ سے ڈرا سکو۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف: ۱۵۸) یعنی کہہ دو کہ اے لوگو! میں تمہارے انسانوں کی طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں تاکہ تنبیہ کر سکوں اور انہیں بھی جن تک میرا پیغام پہنچے۔

اور فرمایا کہ جو لوگ کفر کریں گے ان کے لئے دوزخ کا وعدہ ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (الفرقان: ۱) مبارک ہے وہ ذات جس نے قرآن کو نازل فرمایا اپنے رسول ﷺ پر تاکہ ساری دنیا جہان کے لئے وہ ڈرانے والا بنے اور فرمایا: ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران: ۲۰) یعنی اہل کتاب اور ان پڑھ سب ہی لوگوں سے کہہ دو کہ اب بھی تم ایمان لاؤ گے یا نہیں۔ اگر وہ اسلام لائیں گے

تو ہدایت پالیں گے اور اگر روگردانی کریں گے تو کرنے دو۔ تمہارا کام بات کو صرف ان تک پہنچا دینا تھا۔ اپنے بندوں سے خدا خ
واقف ہے۔

اور صحیحین سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں بخشی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کو نہیں
گئیں۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ ہر نبی خاص اپنی قوم ہی کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں ساری دنیا جہان کے لوگوں کے لئے بھیج
ہوں اور اسی لئے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ہے اور یوم آخرت پر وہ
مبارک کتاب پر ایمان لائے گا' جو ہم نے تم پر اتاری ہے اور وہ مومنین ایسے ہیں کہ پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ا
اپنے اوقات میں ادا کرنے کے لئے ان پر فرض کر دی ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْ
وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِ
كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُ
فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَ
مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَ
عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی
وحی نہیں آئی اور جو شخص کہ یوں کہے کہ جیسا کہ کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں اور اگر اسی وقت دیکھیں
جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔ ہاں اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کی سزا
دی جائے گی اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے اور تم ہمارے پاس تنہا
تنہا آ گئے جس طرح ہم نے اوّل بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ
تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں۔ واقعی
تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہو گیا۔ ○

اللہ پر بہتان سب سے بڑا ظلم ہے ☆

اللہ پاک فرماتا ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا کہ وہ اس کے لئے شرکاء قرار دیتا ہے یا اس کے اولاد قرار دیتا ہے یا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول ﷺ بنا کر بھیجا ہے۔ حالانکہ اللہ نے نہیں بھیجا اور اسی لئے فرمایا کہ ''وہ کہتا ہے کہ مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے حالانکہ نہیں بھیجی گئی۔''

عکرمہ اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں اُتری ہے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے' جو کہتا ہے کہ میں بھی ایسا قرآن نازل کر سکتا ہوں' جیسا کہ اللہ نے نازل کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی کے ساتھ معارضہ کرتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ ''جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا لیکن اگر ہم چاہیں تو ایسا ہی ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔'' آیت زیر ذکر میں ارشاد ہے کہ کاش تم ان ظالموں کو سکرات و کربات موت کے عالم میں دیکھتے جب کہ ملائکہ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھا رہے ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ﴾ (المائدہ: ۲۸) یعنی مجھے قتل کرنے کے لئے اگر تو اپنا ہاتھ اٹھائے بھی (قصہ ہابیل قابیل) اور فرمایا: ﴿يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ﴾ (الممتحنہ: ۲) وہ اپنے ہاتھ اپنی زبانیں تمہاری طرف دراز کرتے ہیں تا کہ تمہیں مضرت پہنچائیں اور برا بھلا کہیں۔ ضحاک اور ابو صالح کہتے ہیں کہ عذاب کے لئے ہاتھ اٹھانا مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا ''کاش تم دیکھتے کہ مرنے والے کافروں کو ملائکہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر بوقت مرگ مار رہے ہیں۔'' اور اسی لئے فرمایا: ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا أَيْدِيهِمْ﴾ تا کہ ان کے جسموں سے ان کی روحوں کو نکالیں وہ فرشتے ان کافروں سے کہیں گے کہ اپنی روحوں کو باہر نکالو۔ کافروں کا جب وقت مرگ قریب آئے گا تو ملائکہ ان کو خبر دیں گے عذاب و نکال کی' بیڑیوں' دوزخ اور حمیم کی اور غضب' رحمان کی۔ تو ان کی روح ان کے جسم میں حیران و سرگردان ہو جائے گی۔ نکلنے سے انکار کرے گی۔ تو ملائکہ ان کو مارنے لگیں گے حتیٰ کہ روحیں نکل جائیں گی۔ ملائکہ کہیں گے کہ اپنی روحیں نکال پھینکو۔ آج تمہیں بڑا ذلیل عذاب دیا جائے گا' اس جرم میں کہ تم خدا پر بہتان باندھا کرتے تھے۔ مومن اور کافر کے وقت مرگ سے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

قول باری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو دنیا و آخرت کی زندگی میں قول ثابت کے ذریعے ثابت و قائم رکھا ہے۔ ابن مردویہ نے یہاں ایک بہت طویل حدیث سند غریب سے ذکر کی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بتائی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے تم ہمارے پاس اس طرح لائے جاؤ گے' جیسے ہم نے تمہیں کبھی فرداً فرداً پیدا کیا تھا اور یہ بات ان سے آخرت میں فرمائی جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا کہ وہ اپنے ربّ کے سامنے صف بصف پیش کئے جائیں گے اور اسی کیفیت میں آؤ گے جیسے کہ پہلے خلق کے وقت تھے۔ یعنی جیسا پیدا کیا تھا۔ ویسا ہی اٹھائے جائیں گے اور تم اس بات سے انکار کرتے تھے اور اس یوم قیامت کو مستبعد سمجھتے تھے اور فرمایا کہ دنیا میں تم نے جو مال و متاع جمع کر رکھا تھا اس کو اپنے پیچھے چھوڑ آؤ گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال ہے لیکن تیرا مال تو صرف اتنا ہی تھا جتنا کہ تو نے کھایا اور فنا کر دیا' پہنا اور پرانا کر دیا۔ یا دوسروں کو دیا اور گویا باقی رکھ لیا۔ اس کے سوا تیری ساری دولت دوسروں کے لئے ہے۔ اللہ پاک ابن آدم سے پوچھے گا' کہاں جمع کر رکھا ہے' تو کہے گا اے ربّ جمع کیا اور بڑھا کر وہیں چھوڑ آیا۔ پھر فرمایا کہ اس دن کے لئے کیا آگے بھیجا وہ دیکھے گا کہ کچھ بھی نہیں بھیجا۔ پھر فرمائے گا کہ تیرے وہ شفعاء کہاں ہیں جن کو تو سمجھتا تھا کہ وہ میرے ساتھ شریک ہیں۔ اب وہ کیوں شفاعت نہیں کرتے۔ یہ اس کو ملامت اور سرزنش کی جا رہی ہے کیونکہ وہ دنیا میں اوثان اور اصنام کو پوجتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ اس کی حیات دنیا اور حیات آخرت میں فائدہ بخش ہوں گے۔ قیامت کے روز تو سارے تعلقات ٹوٹ جائیں

گے۔ گمراہی ختم ہو جائے گی۔ بتوں کا راج جاتا رہے گا اور اللہ پاک انسانوں سے خطاب کرے گا کہ تمہارے وہ بت اب کہاں ہیں؟ و
تمہاری اس وقت کوئی مدد کر سکتے ہیں یا تم ان کی مدد حاصل کر سکتے ہو اور اسی لئے فرمایا کہ تمہارے ساتھ اب وہ شرکاء نہیں دکھائی دے ر
ہیں، جنہیں تم میرے پاس شفیع سمجھتے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔

پھر فرمایا کہ تمہارے آپس کے تعلقات اب سب قطع ہیں۔ بَيْنَكُمْ کو اگر رفع سے پڑھیں یعنی بَيْنُكُمْ تو مراد یہ ہوگی کہ تمہار
جماعتیں توڑ دی جائیں اور اگر نصب سے پڑھیں تو مطلب ہوگا کہ باہمی اسباب و تعلقات ختم ہو جائیں گے اور اصنام و انداد سے تم
جو امیدیں قائم کر رکھی تھیں وہ سب جاتی رہیں گی۔ جیسا کہ فرمایا ''اس وقت یہ معبودان باطل اپنے متبعین سے بیزاری ظاہر کریں گ
عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ان کے باہمی تعلقات نسب منقطع ہو جائیں گے اور ان کے متبعین کہیں گے کہ کاش ہم دنیا م
پھر بھیجے جائیں تا کہ جس طرح ان معبودوں نے ہم سے بیزاری ظاہر کی ہے۔ ہم بھی ان سے بیزار رہیں۔ دیکھو اللہ پاک کس طرح ا
کے اعمال ان پر حسرت بنا کر پیش کرتا ہے۔ اب یہ آگ سے نکل نہیں سکتے اور فرمایا جب صور پھونک دیا جائے گا تو آپس میں حسب نس
کچھ باقی نہ رہے گا۔ نہ کوئی باپ نہ کوئی بیٹا اور نہ کوئی ایک دوسرے کی پرستش کرے گا اور فرمایا تم جو دنیا میں ان کی پرستش کرتے تھ
صرف دنیاوی زندگی میں محبت و مودت کی خاطر۔ پھر قیامت کے روز ایک دوسرے کا انکار کر بیٹھے گا اور آپس میں لعنت ملامت کرنے لگیں
گے۔ تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہاری مدد کو نہ اٹھے گا اور فرمایا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ، وہ انہیں پکاریں گے، لیکن ان کی طرف سے کو
جواب نہ پائیں گے اور فرمایا کہ جس روز ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے تو مشرکین سے ہم کہیں گے (تا آخر) اس سے متعلق قرآن می
بہت کثرت سے آیتیں موجود ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾

بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا دانہ کو اور گٹھلیوں کو وہ جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکال لاتا ہے (جیسے نطفہ سے آدمی پیدا ہوتا ہے) اور بے جان (چیز) جاندار (چیز) سے نکالنے والا ہے (جیسے آدمی کے بدن سے نطفہ ظاہر ہوتا ہے) اللہ یہ ہے (جس کی ایسی قدرت ہے) سو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔ وہ (اللہ تعالیٰ) صبح کا نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو (راحت کی چیز بنائی ہے) اور سورج اور چاند کی (رفتار) کو حساب سے رکھا ہے۔ یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے ایسی ذات کی جو قادر ہے بڑا علم والا ہے اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے) لئے ستاروں کو پیدا کیا ہے تا کہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں خشکی میں بھی اور دریا میں بھی رستہ معلوم کر سکو بے شک ہم نے (یہ) دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں۔ ○

اللہ عز وجل قادرِ مطلق ہے ☆

اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ زمین میں بوئے ہوئے دانے کو وہ اوپر لاکر چیر دیتا ہے اور اس میں سے مختلف نوع کی سبزیاں اور روئیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کے رنگ الگ' شکلیں الگ اور ذائقے الگ اور اسی فَالِقَ الْحب و النّوی کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ ایک بے جان چیز کے اندر سے ایک جاندار چیز یعنی نباتات پیدا کرتا ہے اور جاندار کے اندر سے بے جان چیز نکالتا ہے۔ جیسے بیج اور حبوب کہ بے جان چیز ہیں' جو جاندار پودے کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا سمجھنے کے لئے یہ بھی ایک نکتہ ہے کہ زمین تو ہوتی ہے خشک اور مردہ لیکن پانی برسا کر ہم اسے پھر زندہ کر دیتے ہیں اور اس سے اناج اور غلہ پیدا کرتے ہیں۔ جسے تم کھاتے ہو: ﴿مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ﴾ یہ ﴿فَالِقُ الْحَبِّ﴾ پر معطوف ہے۔ پھر اس کی تفسیر کی گئی۔ پھر آیت: مُخْرِجُ الْمَيِّتِ کو اس پر عطف کیا گیا۔ یہ ساری عبارت آپس میں متقارب ہے۔ سب کا ایک ہی مفہوم ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ بے جان انڈے سے جاندار مرغی کا پیدا کرنا مراد ہے یا اس کا عکس کوئی مراد لیتا ہے کہ فاجر سے صالح اور مرد صالح سے ولد فاجر مراد ہے کیونکہ نیک بمنزلہ زندہ کے ہے اور بد بمنزلہ مردہ کے ہے۔ اس کے سوا اور بہت سے امور مراد ہو سکتے ہیں۔ فرمایا کہ ان سب کا فاعل اللہ وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو۔ حق سے منہ موڑتے ہو۔ غیر خدا کی پرستش کرتے ہو۔ وہ روشنی اور تاریکی کا پیدا کرنے والا ہے جیسا کہ ابتدائے سورت میں فرمایا کہ اسی نے تاریکی اور روشنی بنائی۔ یعنی ان کی روشنی کے اندر سے رات کی تاریکی نکالی پھر رات کے اندر سے دن نکالا۔ جس نے سارے افق کو روشن کر دیا۔ رات ختم ہوگئی۔ تاریکی جاتی رہی' دن چمک اٹھا جیسا کہ فرمایا' رات دن کو ڈھانک دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اشیائے متضاد کی تخلیق پر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ رات کے اندر سے دن کو چیر کر نکالنے والا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس اور رات کو تاریک اور محل سکون بنایا تاکہ ساری چیزیں اس میں سکون چین اور راحت لے سکیں۔

جیسا کہ فرمایا قسم ہے دن کی روشنی کی اور قسم ہے رات کی جو تاریک تر ہو جاتی ہے اور فرمایا قسم ہے رات کی جو گھٹا ٹوپ تاریکی بن جاتی ہے اور دن کی قسم ہے جو خوب روشن ہو جاتا ہے اور فرمایا قسم ہے دن کی جب اس کی ضیا خوب پھٹ پڑتی ہے اور رات کی جو ساری دنیا کو گھیر لیتی ہے۔ صہیب رومی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی ان کی کثرت شب بیداری کی شکایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے رات کو محل سکون بنایا لیکن صہیب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے نہیں۔ کیونکہ صہیب کو جب جنت یاد آتی ہے تو اس کے شوق میں رات رات بھر نہیں سوتے اور عبادت کرتے رہتے ہیں اور جب دوزخ یاد آتی ہے' پھر تو ان کی نیند اڑ جاتی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے اور فرمایا کہ سورج اور چاند اپنے اپنے ضابطہ اور حساب سے چلتے رہتے ہیں۔ ان کے قانون رفتار میں ذرّہ بھر تغیر نہیں ہوتا۔ نہ ادھر نہ ادھر بھٹکتے ہیں۔ بلکہ ہر ایک کی منازل مقرر ہیں۔ سردیوں اور گرمیوں میں اپنے اپنے اصول پر چلتے رہتے ہیں اور اسی مرتبہ قاعدہ سے دن رات گھٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا' اسی خدا نے سورج کو روشن تر بنایا اور چاند کو ٹھنڈی روشنی دی اور اس کے گھٹنے بڑھنے کی منازل قرار دیں اور فرمایا کہ نہ شمس قمر سے ٹکراتا ہے اور نہ اس سے آگے بڑھ جاتا ہے کہ رات کو بھی نمودار ہونے لگے اور نہ رات دن کو آ پکڑتی ہے۔ ہر سیارہ اپنے اپنے مدار اور محیط پر گردش میں ہے اور فرمایا کہ شمس و قمر اور سب نجوم امر خداوندی ہی کے محکوم اور مسخر ہیں اور فرمایا کہ یہ خدائے عزیز و علیم کا مقرر قانون ہے کہ کوئی اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ کوئی چیز اس کے علم سے ہٹ نہیں سکتی۔ خواہ زمین و آسمان کا کوئی ذرّہ ہی کیوں نہ ہو۔ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے خلق لیل و نہار اور خلق شمس و قمر کا ذکر فرمایا ہے تو کلام کو عزیز و علیم ہی کے الفاظ پر ختم فرمایا ہے جیسا کہ یہاں بھی ہے۔

اور بیٹیاں محض بلاسند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔○

اب بھی اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو؟

یہاں مشرکین کا رد ہے جو عبادت میں خدا کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہراتے ہیں اور شیطان کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو اصنام کی پرستش کرنے لگے۔ پھر شیطان کی پرستش کا کیا مطلب؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ بتوں کی پرستش کرتے بھی تھے تو شیطان کے بہکانے اور اس کی اطاعت کرنے کی بنا پر۔ جیسا کہ فرمایا' وہ خدا کو چھوڑ کر عورتوں کی پرستش کرنے لگے (یعنی ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر ان ملائکہ کو پوجنے لگے) وہ تو محض شیطان سرکش کی عبادت کرتے ہیں۔ جس نے کہا تھا کہ اے خدا! میں تیرے اکثر بندوں کو گمراہ کروں گا تا کہ وہ تیری بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں اور جس نے خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا ولی اور سرپرست بنالیا۔ وہ بہت کھلے خسارے میں رہا۔ وہ ان مشرکین سے بڑے خوش آئندہ وعدے کرتا ہے۔ دوررس تمنائیں ان میں پیدا کرتا ہے اور اس کے سارے وعدے فریب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ کیا تم شیطان اور اس کی ذرّیت کو اپناتے ہو حالانکہ تم کو میرا ہی دامن پکڑنا چاہئے تھا اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اے باپ! کیا تم شیطان کی عبادت کرتے ہو۔ شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے اور جیسا کہ فرمایا' اے بنی آدم! کیا میں نے تمہیں بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تم میری ہی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے اور ملائکہ قیامت کے روز کہیں گے تو پاک ہے تو ہمارا ولی ہے یہ مشرکین اگرچہ ہمیں "بنات اللہ" کہہ کر پوجتے رہے لیکن ہمیں ان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو دراصل شیطان کی اتباع میں ایسا کرتے رہے۔ اسی لئے آیت زیر ذکر میں فرمایا کہ ان مشرکین نے شیاطین کو خدا کا شریک بنادیا حالانکہ ان کو بھی اللہ واحد ہی نے پیدا کیا ہے۔ پس وہ خدا کے ساتھ خدا کی مخلوق کو بھی کیسے پوجتے ہیں۔ جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ کیا تم انہی چیزوں کو پوجنے لگے ہو' جن کو خود اپنے ہاتھ سے بنایا۔ حالانکہ تم کو بھی اور تمہاری ان مصنوعات کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ اس لئے چاہئے کہ مفرد بالعبادت ہو کر خدائے لاشریک سے تعلق رکھو۔ پھر فرمایا کہ انہوں نے بے سمجھی سے خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بنا ڈالیں۔ یہاں اوصاف خداوندی میں گمراہ کی گمراہی تنبیہ کی جارہی ہے۔ وہ خدا کے لئے بیٹا قرار دیتے ہیں۔ جیسے یہود کہتے ہیں کہ عزیز علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں حالانکہ وہ پیغمبر ہیں اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ یہ ظالم جس بات کا دعویٰ کرتے ہیں' خدا اس سے پاک اور منزہ ہے۔ خَرَقُوْا کے معنی ہیں کہ انہوں نے دل سے گھڑ لیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ انہوں نے اٹکل لگائی۔ صوفی کہتے ہیں' انہوں نے قرار دیا۔ مجاہد کہتے ہیں' انہوں نے جھوٹی بات بنائی۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ جن کو شریک عبادت کرتے ہیں۔ حالانکہ خدائے واحد ہی نے انہیں بلاشرکت غیر پیدا کیا ہے۔ وہ حقیقت سے واقفیت کے بغیر ایسا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے جاہل ہیں۔ جو اللہ ہے اس کو بیٹا بیٹی بیوی کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ وہ پاک ہے۔ ان کے ہفوات وبیہودہ گوئیوں سے بالاتر ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اللہ کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی کوئی بی بی تو ہے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔○

پاک و بزرگ خدا ☆

وہ زمین و آسمان کا موجد ہے۔ خالق کل ہے۔ کوئی مثال زمین و آسمان کی اس کے سامنے نہیں تھی۔ چنانچہ بدعت کو بدعت اسی لئے کہتے ہیں کہ سلف میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی ہے۔ لوگ کسی عمل کو اپنی طرف سے ایجاد کر کے اس کو بزعم خود ثواب کا کام سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کا بیٹا کیسے ہوتا اس کی تو بیوی ہی نہیں اور بیٹا تو دو سیئین متناسبین سے پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے مناسب و مشابہ تو کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنا ایک بیٹا بنالیا ہے۔ یہ بڑی جھوٹ بات ہے۔ اسی نے ہر شے پیدا کی۔ پھر اسی کی مخلوق اس کی بیوی کیسے ہوگی۔ اس کی کوئی نظیر نہیں۔ پھر اس کا بیٹا اس کی نظیر بن کر کیسے آ سکتا ہے۔ خدا کی ذات اس سے پاک ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا' تو تم لوگ اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہ ہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔ ○

اللہ عزوجل قادرِ مطلق ہے ☆

یہی تمہارا رب ہے جس نے ہر شے پیدا کی ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہی ہر شے کا خالق ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرو۔ اس کا نہ کوئی لڑکا ہے نہ کوئی باپ' نہ بیوی' نہ کوئی اس کا عدیل ونظیر۔ وہ ہر شے پر حفیظ ورقیب ہے۔ ہر چیز کا مدبر ہے۔ وہی رزق دیتا ہے۔ رات اور دن اسی نے بنائے۔ اس کو نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ سلف کے کئی اقوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر چہ آنکھیں اس کو آخرت میں دیکھ سکیں گی لیکن دنیا میں نہیں دیکھ سکتیں۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث سے بالتواتر یہی ثابت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس نے یہ گمان کیا کہ نبی ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا وہ جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے برخلاف مروی ہے۔ انہوں نے رویت باری تعالیٰ کو مطلق رکھا ہے اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اپنے دل کی آنکھوں سے خدا کو دو دفعہ دیکھا ہے اور یہ مسئلہ اول سورۃ النجم میں ان شاء اللہ بیان کیا جائے گا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نگاہیں اس کو نہیں دیکھیں گی اور دوسروں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ بھر کر اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس سے تخصیص ہوتی ہے اس رویت کی جو مومنین کو دارالآخرت میں حاصل ہوگی اور معتزلہ نے اپنے اقتضائے فہم کی بنا پر اس کا جو مطلب سمجھا وہ یہ ہے کہ نہ دنیا میں خدا کو دیکھ سکتے ہیں نہ آخرت میں۔ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے جو نادانی کی بنا پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ایماندار لوگوں کے چہرے اس روز شگفتہ رہیں گے اور اپنے ربّ کی طرف وہ نظر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ نیز کافروں سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے ربّ کو دیکھنے سے حجاب میں ہوں گے۔ یعنی وہ ربّ کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ مومنین کے لئے رویت باری میں حجاب نہیں ہوگا اور متواتر احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مومنین دار آخرت میں خدا کو روضات جنت میں دیکھیں گے۔ خدا اپنے فضل سے تمام مسلمانوں کو یہ سعادت نصیب فرمائے۔ آمین اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ عقول ادراک نہیں کر سکیں گے اور ایسا خیال بہت عجیب ہے اور ظاہر آیت کے خلاف ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ

ادراک کے معنی رویت کے ہیں۔ واللہ اعلم۔ نیز دوسروں کا خیال یہ ہے کہ رویت کو ثابت ماننے میں ادراک کے انکار کا خلاف نہیں۔ اس لئے کہ ادراک رویت سے خاص تر ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔ اب جس ادراک کی نفی یہاں کی گئی ہے۔ یہ ادراک کس قسم کا ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔ جیسے معرفت حقیقت اور حقیقت کو جاننے والا تو بجز خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر چہ مومن کی رویت ہو گی لیکن حقیقت اور ہی چیز ہے۔ چاند کو سب دیکھتے ہیں لیکن اس کی حقیقت اس کی ذات اور کنہ تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ پس خدا تعالیٰ تو بے مثل ہے ابن علیہ کہتے ہیں کہ نہ دیکھنا مخصوص ہے دنیا کے اندر یعنی دنیا میں اپنی آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ادراک رویت سے خاص تر ہے کیونکہ ادراک احاطہ ہی کو کہتے ہیں اور عدم احاطہ سے عدم رویت لازم نہیں آتی۔ جیسے سارے علم کا احاطہ نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق علم ہی حاصل نہیں۔ انسان کو احاطہ علم کا حاصل نہ ہونا اس آیت سے ثابت ہے کہ ﴿لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ ''اے اللہ! میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا'' اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ مطلق ثنا ہی نہیں کر سکتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کسی کی نگاہ خدا کو گھیر نہیں سکتی۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ تو کہا کہ کیا تم آسمان کو نہیں دیکھ سکتے ہو؟ کہا کہ ہاں دیکھ سکتے ہیں۔ تو کہا کیا پورا آسمان ایک نظر دیکھتے ہو؟ غرض یہ کہ اس کی شان اس سے بالاتر ہے کہ اس پر نگاہ پڑ سکیں۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ مومنین کے چہرے اس قدر شگفتہ ہوں گے اور وہ اپنے ربّ کو دیکھیں گے لیکن اس کی عظمت کی وجہ نظریں اس پر محیط نہ ہو سکیں گی اور اس آیت کی تفسیر میں حدیث وارد ہے کہ اگر تمام جن وانس اور شیاطین وملائکہ جب سے کہ پیدا کئے گئے ہیں' سب کی ایک صف بنائی جائے تو بھی اس کا احاطہ نہ ہو سکے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور صحاح ستہ میں کہیں بھی نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا تھا۔ جب کہا گیا کہ کیا نہیں کہا ہے کہ: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ تو کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو خدا کا ایک نور ہی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ بتمامہ اپنے نور کے ساتھ تجلی کرے تو آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی شے اس کے سامنے قائم نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے نہ سونا اس کو سزاوار ہے۔ وہ میزان لئے ہوئے ہے۔ دن کے اعمال رات ہونے سے پہلے اور رات کے اعمال دن ہونے سے پہلے اس کے سامنے پیش ہو جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے۔ اگر وہ اُٹھ جائے تو اسکی تجلی ساری دنیا کو جلا ڈالے گی۔ کتب مقدسہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! کوئی زندہ میری تجلی پا کر زندہ نہیں رہ سکتا اور کوئی خشک چیز بغیر فنا کے نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''جب خدا نے پہاڑ پر تجلی کی تو وہ شکستہ و ریختہ ہو کر رہ گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے اور جب ہوش میں آئے تو کہا: ﴿سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔

ادراک خاص یوم قیامت میں رویت کی نفی نہیں کرتا ہے۔ یہ وہ عباد مومنین پر اپنی تجلی فرمائے گا۔ اس کی تجلی اور جلال وعظمت کے حسب منشا ہو گی۔ نگاہیں اس کو بتمامہ ادراک نہیں کر سکتیں۔ اس لئے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا آخرت میں رویت کی قائل ہیں اور دنیا میں رویت کی نفی کرتی ہیں۔ انہوں نے بھی احتجاج اسی آیت سے کیا ہے۔ پس جس بات کی نفی ادراک کرے کہ اس کے معنی بھی رویت عظمت وجلال کے ہیں وہ بات کیسے ممکن ہے کہ کسی بشر یا فرشتے سے ہو سکے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ: ﴿هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ یعنی وہ لوگوں کے ابصار کا ادراک اور احاطہ کر سکتا کیونکہ اسی نے ابصار انسان کو پیدا کیا ہے۔ پھر وہ کیسے احاطہ نہ کر سکے۔ ارشاد ہے کہ کیا وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو نہیں جانے گا۔ وہ لطیف وخبیر ہے اور کبھی لفظ ابصار سے مبصرین مراد ہوتے ہیں یعنی مبصرین اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ وہ لطیف و

ہے۔ یعنی کسی بات کو معلوم کرنے میں بہت باریک بین ہے اور ہر چیز کی اصل سے باخبر ہے۔ واللہ اعلم۔ جیسے کہ لقمان اپنے بیٹے کو نصائح دیتے وقت کہتے ہیں: ﴿یَا بُنَیَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ......﴾ یعنی میرے بیٹے اگر کوئی بھلائی یا برائی رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو خواہ پتھر میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نہایت باریک بین اور خبردار ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے حق بنی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں اور ہم اس طور سے دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ سب کو پہنچا دیں اور تاکہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اس کو دانشمندوں کیلئے خوب ظاہر کر دیں۔ ○

دلائلِ حق واضح ہو چکے ☆

بصائر یعنی بینات اور نشانیاں جو قرآن میں ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ نے پیش کی ہیں۔ پس جس نے بصیرت سے کام لیا۔ اس کی ذات کو فائدہ پہنچا۔ جیسے فرمایا ہدایت حاصل کرے گا' وہ اپنی ذات کے لئے کرے گا اور بھٹک جائے گا سو اس کی مضرت اسی پر رہے گی۔ اسی لئے فرمایا کہ جو اندھا بنے گا' اس کا نقصان اسی کو پہنچے گا۔ جیسے فرمایا کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں اور میں تم پر کچھ حافظ و رقیب و نگران کار تو ہوں نہیں۔ بلکہ میں تو صرف ایک مبلغ ہوں۔ ہدایت تو خدا کرتا ہے جس کو چاہے اور گمراہ ہونے دیتا ہے جس کو چاہے اور اس طرح ہم آیات کو تفصیل سے بیان کرتے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس صورت میں بیان توحید پیش کیا گیا ہے اور اس بنا پر بھی کہ مشرک اور کافر کہتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ) یہ باتیں تم نے سابقہ اہل کتب سے نقل کر لی ہیں اور انہیں سے سیکھ کر کہہ رہے ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لفظ "دَرَسْتَ" ہے بمعنی تلوت۔ ان کی یہ بات مخاصمت و مجادلت کے محل میں ہے۔ جیسے ان کفار کے کفر و عناد کی خدا نے یوں خبر دی ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ "یہ تو بنایا ہوا جھوٹ ہے اور دوسروں نے بھی اس کتاب قرآن کے بنانے میں مدد دی ہے۔ یہ بڑے ہی ظلم اور کذب کی بات ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے کے لوگوں کے ملفوظات و مکتوبات ہیں۔ جس کو انہوں نے بھی لکھ لیا ہے اور ان کفار کے زعم و کذب کے بارے میں فرماتا ہے کہ اس نے فکر کیا' سوچا' اندازہ لگایا۔ کم بخت ہلاک ہو جائے کیسا غلط اندازہ لگایا۔ پھر سوچا ترش رو ہوا۔ منہ بگاڑا۔ غرور کیا اور کہنے لگا کہ یہ تو ایک جادو ہے۔ یہ خدا کا نہیں بشر کا کلام ہے اور فرمایا کہ ہم نیز ایسے لوگوں کے لئے وضاحت سے بات بولتے ہیں۔ جو حق کو جان کر اس کی اتباع کرتے ہیں۔ باطل سے اجتناب کرتے ہیں کافروں کی گمراہی اور مومنوں کی تصدیق میں خدا کی حکمت و مصلحت ہے۔ جیسا کہ فرمایا غلط تعبیر کرنے والے قرآن سے گمراہ بھی ہوتے ہیں اور ہدایت بھی پاتے ہیں اور فرمایا کہ جن کے دل میں مرض ہے اور جن کے دل پتھر ہیں۔ شیطان ان کے دل میں ڈالتا ہے اور یہ چیز ان کے لئے خدا کی طرف سے آزمائش بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو صراط مستقیم کی راہ بتاتا ہے اور فرمایا' ہم نے دوزخ پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں اور ان کی انیس (۱۹) کی مقرر کردہ تعداد اہل کفر کے لئے ایک فتنہ ہے لیکن اسی سے اہل کتاب اور ایماندار کا ایمان بڑھتا ہے۔ اہل کتاب

اور مومنین اس میں شک نہیں کرتے کیونکہ اہل کتاب بھی اپنی کتابوں میں یہ مقررہ تعداد کا ذکر پاتے ہیں۔لیکن کافر اور بیمار دل والے بو
اٹھتے ہیں کہ یہ بات پیش کرنے کی خدا کو ضرورت ہی کیا تھی۔اسی طرح بہت سی لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے ہدایت پاتے ہیں
اللہ تعالیٰ کے لشکر کو اس کے سوا کون جانتا ہے اور فرمایا ہم نے قرآن کو مومنین کے لئے شفا اور رحمت بنا کر نازل فرمایا اور یہی چیز ظالمو
کے لئے خسارے کا سبب ہے اور فرمایا کہ کہہ دو یہ قرآن مومنین کے لئے ہدایت و شفا ہے اور کافروں کے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے
اور وہ اندھے ہیں۔قرآن کا متقین کے لئے ہدایت ہونا اور ہدایت وضلالت اس کے منشا پر موقوف ہونا اس موضوع پر بہت آیتیں ہیں
اس لئے یہاں فرمایا کہ ہم آیتیں کیسے کیسے بار بار بیان کرتے ہیں لیکن کافر یہی کہتے ہیں کہ کہیں سے لکھوا لائے ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دَرَسْتَ بمعنی قرأت وتعلمت بیان کیا ہے اور حسن رحمۃ اللہ علیہ بمعنی تقاومت کہتے ہیں۔عمر بن دینار کہتے ہ
کہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ بچے یہاں دارست پڑھتے ہیں اور یہ لفظ درست۔قراءت ابن مسعود رضی اللہ عنہما درست نصب سین اور وقف تا ر
ساتھ ہے اور اس کے معنی ہیں تقاومت۔مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم ہمیں سنا رہے ہو ہم متقدمین کے ذریعہ اس سے واقف ہیں۔ابن مس
رضی اللہ عنہما کی قرأت میں درس ہے۔یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے یوں سنایا تھا: ﴿ولیقولوا درست﴾ یعنی سین کے جزم اور تاء کے زبر کے ساتھ

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

آپ خود اس طریقے پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں
اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا اور نہ آپ ان
پر مختار ہیں۔O

مشرکین کو زیادہ منہ نہ لگایئے ☆

اللہ پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو حکم دیتا ہے کہ وحی کی ہی تم اقتدا کرو اور اسی پر عمل کرو کیونکہ یہی حق ہے اور اس میں ح
ہے اور اس میں کوئی آمیزش نہیں ہے اور ان مشرکین سے اعراض کرو۔ان سے درگزر کرو۔ان کی ایذا رسانی کو برداشت کر لو۔حتیٰ کہ ا
تعالیٰ تمہیں ان معاندین پر فتح اور ظفر عطا فرمائے اور جان لو کہ ان کی گمراہی میں خدا کی حکمت ہے۔اگر خدا چاہتا تو ساری دنیا ہی کو ہدای
یافتہ کر دیتا۔سب حق پر متفق ہو جاتے اور شرک کرنے والے شرک کرتے ہی نہیں۔اس میں اللہ کی خاص حکمت ہے۔وہ جو کرتا ہے اس
اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ہاں وہ سب سے باز پرس کر سکتا ہے۔ہم نے تمہیں ان کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ان کے جی میں جو آئے کہیں
کریں۔تم ان پر نگران کار نہیں ہو۔نہ تم ان کو رزق دیتے ہو۔تمہارا کام تو صرف تبلیغ کر دینا ہے۔جیسا کہ فرمایا کہ ان کو نصیحت کر دو
صرف نصیحت وخیر خواہی کرنے والے ہو۔تم ان کے لئے خدائی فوجدار نہیں اور فرمایا کہ تبلیغ تمہارا کام اور باز پرس ہمارا کام ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ

زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۖ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾

اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں۔ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے ہم نے اسی طرح ہر طبقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے پھر اپنے ربّ ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔ ○

مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا مت کہو ☆

اللہ پاک رسول اللہ ﷺ کو اور مؤمنین کو منع فرما رہے ہیں کہ مشرکین کے خداؤں کو گالیاں نہ دو اور برا بھلا نہ کہو۔ اگر چہ اس میں یک گونہ مصلحت سہی۔ لیکن مفاسد اس سے بڑھ کر پیدا ہوتے ہیں یعنی مقابلتاً وہ بھی مسلمانوں کے خدا کو گالیاں دیں گے۔ مشرکین کہتے تھے کہ اے محمد (ﷺ) ہمارے بتوں کو گالی دینے سے تمہیں باز رہنا چاہئے۔ ورنہ ہم بھی تمہارے ربّ کی ہجو کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مسلمان اصنام کفار کو گالی دیتے تھے۔ پس کفار بھی بغیر حقیقت کو سمجھے عناد سے اللہ تعالیٰ کو بھی برا بھلا کہنے لگے۔ جب ابو طالب بستر مرگ تھے تو قریش نے مشورہ کیا کہ ابو طالب کے پاس چلیں اور ان سے کہیں کہ اپنے بھتیجے کو روک دو۔ ہمیں عار کی بات معلوم ہوتی ہے کہ ابو طالب کے مرنے کے بعد محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں۔ عرب کہیں گے کہ ابو طالب کی زندگی میں تو کچھ نہ چلی۔ اب جب کہ وہ مر گئے تو بزدلوں نے قتل کیا ہے۔ چنانچہ ابو جہل' ابو سفیان' عمرو بن العاص اور کئی شخص بصورت وفد آئے اور مطلب نامی ایک شخص کو اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ ابو طالب نے بلا لیا۔ وہ کہنے لگے اے ابو طالب! تم ہمارے بڑے اور ہمارے سردار ہو۔ محمد ﷺ نے ہمیں تکلیف پہنچائی ہے اور ہمارے خداؤں کو اذیت دی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر روک دو۔ تا کہ وہ ہمارے خداؤں کا نام ہی نہ لے۔ ورنہ ہم بھی اس کو اور اس کے خدا کو نہ چھوڑیں گے۔ تو آپ نے نبی ﷺ کو بلایا اور کہا کہ یہ تمہاری ہی قوم ہے اور تمہارے ہی چچا کی اولاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' چچا بات کیا ہے اور یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ تو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تم ہم سے اور ہمارے خداؤں سے دست بردار ہو جاؤ اور ہم بھی تم سے اور تمہارے خدا سے دست بردار ہو جائیں گے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایک ایسی بات بتلاؤں کہ اگر تم نے اس کو اپنا لیا تو عرب اور عجم کے مالک ہو جاؤ گے اور سب ملکوں سے تمہارے پاس خراج کی دولت آنے لگے گی۔ تو ابو جہل نے کہا کہ تمہاری ایک نہیں دس باتیں بھی قبول کر لیں گے۔ بتاؤ وہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہہ دو: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ منہ بنا لیا۔ ابو طالب کہنے لگے۔ اے بھتیجے! اس کے سوا دوسری بات بتاؤ۔ تمہاری قوم اس کلمہ سے تو اور بھڑکتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا' چچا! مجھے کیا حق ہے کہ اس کے سوا کوئی اور بات بولوں۔ اگر سورج کو بھی لا کر وہ میرے ہاتھ میں رکھ دیں تو میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مطلب یہ تھا کہ ان کو مایوس کر دیں۔ چنانچہ وہ غصہ میں بھر گئے اور کہنے لگے' ہمارے خداؤں کو برا کہنے سے رک جاؤ۔ ورنہ ہم تمہیں اور تمہارے خدا کو بھی گالیاں دیں گے۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ دشمنی کی بنا پر بغیر سمجھے خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔ یہ وہ صورت ہے' جہاں مصلحت کو بھی اس لئے نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بالمقابل فساد بڑھ جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے والدین کو گالیاں دے وہ بڑا ملعون ہے کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ! کوئی باپ کو کیسے گالیاں دے گا؟ تو فرمایا کہ یہ اس کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے۔ تو گویا کہ اسی پہلے شخص نے اپنے ماں باپ کو گالیاں دیں۔

ارشادِ باری ہے کہ ہم ہر امت کو اسی کا عمل اس کی نظروں میں بہت قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ یہ قوم محبت اصنام ہی کو پسند کرتی ہے۔

چنانچہ گزشتہ امتیں بھی گمراہی پر تھیں اور اسی کو اپنا حسن عمل سمجھتی تھیں اللہ جو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے۔ اسی میں بڑی حکمت ہوتی ہے۔ لوگوں کی بازگشت خدا ہی کی طرف ہوگی۔ اس وقت انہیں اپنے معتقدات کی خوبی یا برائی معلوم ہو جائے گی۔ اگر عمل نیک ہو تو نیک بدلہ، برا ہو تو برا بدلہ ملے گا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور ان (منکر) لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس کوئی نشانی آ جائے تو وہ (یعنی ہم) ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں گے آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ نشانیاں جس وقت آ جائیں گی۔ یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لائیں گے اور ہم بھی ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔ ○

مشرکین کی خود فریبی ☆

مشرکین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر بیان کرتے ہیں کہ اگر انہیں کوئی معجزہ اور خرق عادت بتائی جائے تو وہ ایمان لائیں گے تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دو کہ معجزے تو خدا تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اگر وہ چاہے تو معجزہ بتا دے اور نہ چاہے تو نہ بتائے۔ قریش نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں نے ہمیں بتلایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پتھر پر مارا تو بارہ چشمے پھوٹ پڑے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے اور ثمود کو بھی ناقہ کا معجزہ ملا تھا اگر تم بھی کوئی ایسا ہی معجزہ پیش کرو تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو کیا معجزہ چاہئے؟ کہا کہ اس صفاء کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونے کی بنا دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو کیا تم تصدیق کرو گے؟ کافروں نے کہا ہاں۔ ہم سب تم پر ایمان لائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور خدا سے دعا مانگنے لگے۔ جبریل علیہ السلام آئے اور کہا اگر آپ چاہتے ہیں تو کوہ صفا سونے کا بن جائے گا لیکن اس پر بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔ تو فوری ان کو عذاب نازل ہوگا اور اگر آپ کی مرضی ہو تو یہ لوگ یوں ہی بلا عذاب چھوڑ دیئے جائیں۔ تاکہ بعد کو ان میں سے کچھ ایمان بھی لے آئیں اور توبہ کر لیں۔ چنانچہ اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ قسمیں کھا کھا کر بیان کرتے ہیں (الی آخرہ) لیکن بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں اور فرمایا کہ معجزات بھیجنے سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ ان کے پہلوں نے بھی معجزے دیکھنے کے باوجود انکار کر دیا تھا اور یہ بھی کر دیں گے۔ تو عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے اور جو مہلت ان کو حاصل ہوئی ہے۔ وہ بھی جاتی رہے گی۔ تمہیں کیا خبر! وہ تو معجزہ دیکھ کر ایمان نہیں لائیں گے۔ کہا گیا ہے کہ یُشْعِرُكُمْ کے ذریعہ مشرکین کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ کیا یہ ایمان والی بات جو قسمیں کھا کر بیان کی جاتی ہے تم درحقیقت سچ سمجھتے ہو۔

﴿اَنَّهَا اِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ میں اِنَّ کو زیر ہے۔اس بنا پر کہ معجزات دیکھنے کے بعد نفی ایمان کی خبر شروع کی جا رہی ہے اور جملہ شروع ہوتا ہے تو اِنَّ سے پڑھنا پڑتا ہے اور بعض نے تُؤْمِنُوْنَ یعنی (ت) سے اس لفظ کو پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ قول وَمَا يُشْعِرُكُمْ کے مخاطب مومنین ہیں۔یعنی اے مومنو! کیا تم جانتے ہو کہ ان نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یعنی يُشْعِرُكُمْ کا معمول ہو کر اور اس صورت میں لَا يُؤْمِنُوْنَ کا لَا صلہ واقع ہوگا۔جیسا کہ فرمایا:﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ یہاں بھی ان لا کا ان صلہ واقع ہوا ہے اور قول باری: ﴿وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ یعنی جب میں نے تجھ کو حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھ کو سجدہ کرنے سے منع کیا۔تقدیر اس آیت کی یوں ہے کہ اے مومنو! تمہارے پاس اس کا ثبوت ہے کہ یہ اپنی مطلوبہ نشانی اور معجزہ پا کر ایمان ضرور لے آئیں گے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اَنَّهَا بمعنی لَعَلَّهَا ہے۔بلکہ ابی بن کعب کی قرأت میں اَنَّهَا کے بدلے لَعَلَّهَا ہی ہے۔ اہل عرب سے سنا گیا ہے:اذهب الى السُّوقِ انك تشترى لنا شَيْئًا یعنی بازار جاؤ تم میرے لئے کچھ وہاں سے کچھ خریدو گے۔بمعنی: لَعَلَّكَ تشترى یعنی شاید خریدو گے۔اسی طرح اس دعویٰ پر اشعار عرب بھی پیش کئے گئے ہیں۔

قولہ تعالیٰ:﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ان کے انکار اور کفر کی وجہ سے ان کے دل اور ان کی نگاہیں ہم نے پھیر دی ہیں۔اب یہ کسی بات پر جمنے والے نہیں۔ایمان میں اور ان میں پردہ پڑ گیا ہے۔یہ دنیا جہاں کی نشانیاں دیکھ لیں گے لیکن ایمان نہ لائیں گے۔جیسا کہ پہلی دفعہ ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان پردے حائل ہو گئے تھے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے۔ان کے کہنے سے پہلے ہی کہ یہ کیا کہنے والے ہیں اور عمل کرنے سے پہلے ہی اطلاع دے دی کہ کیا عمل کریں گے اور فرمایا کہ واقف کار کے مانند کوئی تمہیں پکی بات نہیں بتا سکتا۔انسان کہے گا کہ ہائے افسوس جو زیادتی اور جو گناہ کہ میں نے کئے ہیں۔حتیٰ کہ فرمایا کہ وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیوی زندگی کا ایک اور موقع ملتا تو نیکوں میں سے ہوتے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ دنیا میں واپس بھی چلے جائیں تو بھی ہدایت پر نہ چلیں گے اور فرمایا کہ اگر دنیا میں لوٹائے جائیں تو منہیات کا پھر ضرور ارتکاب کریں گے۔ وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں کہ نیک بنیں گے۔دوبارہ دنیا میں جانے کے بعد بھی وہ حسب سابقہ زندگی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اس وقت کی طرح اس وقت بھی ہم ان کے دِل اور ان کی آنکھوں کو منقلب کر دیں گے اور پھر بھی ان کی اور ہدایت متوقعہ کے درمیان پردہ حائل ہی رہے گا اور ہم انہیں ان کی سرکشیوں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیں گے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات (غیبیہ) کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لا کر جمع کر دیتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے ہاں اگر خدا ہی چاہے تو اور بات ہے۔ لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔O

معاندین کے لیے اتمام حجت بھی کارآمد نہیں ☆

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم ان کے اس سوال کو جو وہ قسمیں کھا کھا کر کرتے ہیں کہ "اگر ہم نے معجزے دیکھ لئے تو ہم ضرور ایمان لائیں گے۔ قبول بھی کر لیں اور فرشتوں کو بھیج دیں۔ وہ اللہ کی طرف سے رسول ہو کر ان کے پاس آئیں اور انبیاء و رسل کے (نبوت میں) سچے ہونے کی خبر گواہی بھی دیں۔ تب بھی وہ کافر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ سب جھوٹ کہتے ہیں اور ایمان قبول نہ کرنے کے لئے حیلے بہانے بناتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے بھی بناتے رہے ہیں کہ "ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تم (ہمیں عجیب و غریب باتیں نہ دکھاؤ یعنی) یا تو زمین سے کوئی چشمہ جاری کر کے دکھاؤ۔ یا تمہارا کھجوروں انگوروں وغیرہ جیسے پھلوں کا کوئی باغ ہو۔ جس میں خوب نہریں بہتی ہوں یا اپنے دعویٰ کے مطابق ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا کر دکھاؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔ یا تمہارا سونے چاندی کا کوئی گھر ہو۔ یا ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ کر کوئی کتاب لاؤ۔" کبھی یوں کہنے لگتے ہیں کہ "جب تک ہم کو ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے (یعنی اگلے نبیوں جیسے معجزے) ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔" اور کبھی یوں بہانے بناتے ہیں کہ "ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے۔ یا ہم اپنے ربّ کو اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھتے۔" یہ لوگ دراصل اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں اور ان کی ایمان لانے کی نیت نہیں ہے۔ اگر مردے بھی قبروں سے نکل نکل کر یہ کہہ دیں کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ لائے ہیں۔ وہ سب کچھ سچ اور حق ہے۔ بلکہ مردے تو کیا اگر کائنات کی ہر چیز ان کے سامنے کھڑی ہو اور اس بات کی گواہی دے دے۔ تب بھی یہ لوگ خدا کی مشیت کے بغیر ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ہدایت (دینا یا نہ دینا) خدا کے ہاتھ میں ہے نہ کہ ان کے بس میں وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت پر چلا دیتا ہے اس سے کون پوچھ سکتا ہے کہ یہ کیا کیا۔ وہی صاحب علم حکمت اقتدار کامل اور قہر و غلبہ والا ہے۔

قُبُلًا ایک قراءت میں قِبَلًا آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں مقابلہ و معائنہ اور ایک قول یہ ہے کہ قُبُلًا اور قِبَلًا دونوں کے معنی ہیں مقابلہ سامنا۔ ابن عباس قتادہ اور ابن زید رضی اللہ عنہم یہی کہتے ہیں لیکن مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں افواجًا (گروہ گروہ) یعنی اگر سب امتیں انکے سامنے یکے بعد دیگرے پیش کی جائیں اور سب بتائیں کہ ہاں رسول سچے ہیں۔ تب بھی وہ نہ مانیں گے اور یہ آیت اس آیت کی طرح ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ......﴾ (یونس: ۹۶) یعنی جن لوگوں کے بارے میں خدا کا حکم عذاب قرار پا چکا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک دردناک عذاب (جہنم) نہ دیکھ لیں۔ خواہ انکے پاس ہر طرح کی نشانی کیوں نہ آ جائے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ

اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـــِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

اور اسی ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے کچھ آدمی اور کچھ جن ۔جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے سوان لوگوں کو اور جو کچھ یہ اختراع پردازی کر رہے ہیں۔اس کو آپ رہنے دیجئے اور تا کہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب غافل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تا کہ اس کو پسند کرلیں اور تا کہ مرتکب ہو جائیں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔O

دُشمنانِ دین ہر اُمت میں ہوئے ہیں ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ تنگ دل اور مغموم نہ ہوں جس طرح آپ کے زمانے میں یہ کفار آپ کی عداوت کرتے ہیں۔اسی طرح ہر نبی کے زمانہ کے کفار اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ دشمنی کرتے رہے۔جیسے اور آیت میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ......﴾ (الانعام: ۳۴) تجھ سے پہلے کے پیغمبروں کو بھی جھٹلایا گیا' انہیں بھی ایذائیں دی گئیں۔جن پر انہوں نے صبر کیا اور آیت میں کہا گیا ہے کہ تجھ سے بھی وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں کو کہا گیا تھا۔تیرا رب بڑی مغفرت والا ہے اور ساتھ ہی المناک عذاب کرنے والا بھی ہے اور آیت میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (الفرقان: ۳۱) ہم نے گنہگاروں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے۔یہی بات ورقہ بن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے کہی تھی کہ آپ جیسی چیز جو بھی لے کر آیا اس سے عداوت کی گئی۔نبیوں کے دشمن شریر انسان بھی ہوتے ہیں اور جنات بھی۔عَدُوًّا سے بدل ﴿شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ ہے۔ انسانوں میں بھی شیطان ہیں اور جنوں میں بھی۔ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دن نماز پڑھ رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے شیاطین جن وانس سے خدا کی پناہ مانگ لی؟ انہوں نے پوچھا کیا انسانوں میں شیطان ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔یہ حدیث منقطع ہے۔ایک اور رعایت میں ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس مجلس میں آپ ﷺ دیر تک تشریف فرما رہے۔مجھ سے فرمانے لگے ابوذر! تم نے نماز پڑھ لی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ نہیں پڑھی۔آپ ﷺ نے فرمایا اُٹھو اور دو رکعت پڑھ لو۔جب میں فارغ ہو کر آیا تو فرمانے لگے کیا تم نے انسانوں اور جنات کے شیاطین سے خدا کی پناہ مانگی تھی؟ میں نے کہا' نہیں۔کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور جنوں کے شیاطین سے بھی زیادہ شریر ہیں۔اس میں انقطاع بھی ہے۔ایک متصل روایت مسند احمد سے منقول ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ واقعہ مسجد کا ہے اور روایت میں حضور ﷺ کا اس فرمان کے بعد یہ پڑھنا بھی مروی ہے کہ: ﴿شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (الانعام: ۱۱۲)

الغرض یہ حدیث بہت سی سندوں سے روایت ہے۔جس سے قوت صحت کا فائدہ ہو جاتا ہے۔واللہ اعلم۔عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انسانوں میں شیطان نہیں۔جنات کے شیاطین ایک دوسرے سے کانا پھوسی کرتے ہیں۔آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ انسانوں کے شیاطین جو انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں' جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے اپنی کارگزاری بیان کرتے ہیں کہ میں

نے فلاں کو اس طرح بہکایا۔ تو فلاں کو اس طرح بہکایا۔ ایک دوسرے کو گمراہی کے طریقے بتلاتے ہیں۔ اس سے امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ شیطان تو جنوں میں سے ہی ہوتے ہیں لیکن بعض انسانوں پر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض جنات پر۔ تو یہ مطلب عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے تو ظاہر ہے۔ ہاں سدیؒ کے قول میں خفی ہے۔ ایک قول میں عکرمہؒ اور سدیؒ دونوں سے یہ مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' جنات کے شیاطین ہیں' جو انہیں بہکاتے ہیں۔ جیسے انسانوں کے شیاطین جو انسانوں کو بہکاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مل کر کہتے ہیں کہ اسے اس طرح بہکا۔ صحیح وہی ہے جو حضرت ابوذرؓ والی حدیث میں اوپر گزرا۔ عربی میں ہر سرکش شریر کو شیطان کہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ رنگ کے کتے کو شیطان فرمایا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کتوں میں شیطان ہے۔ واللہ اعلم۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جنوں کے کفار انسانوں کے کفار کے کانوں میں صور پھونکتے رہتے ہیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' میں مختار بن ابی عبید کے پاس گیا۔ اس نے میری بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اپنے ہاں مہمان بنا کر ٹھہرایا۔ رات کو بھی شاید اپنے ہاں سلایا۔ لیکن مجھ سے اس نے کہا کہ جاؤ لوگوں کو کچھ سناؤ۔ میں جا کر بیٹھا ہی تھا۔ کہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا۔ آپ وحی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ میں نے کہا وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اللہ کی طرف سے' جیسے فرمان ہے: ﴿بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ (یوسف:۳) اور دوسری وحی شیطانی۔ جیسے فرمایا: ﴿شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ......﴾ (الانعام:۱۲۱) اتنا سنتے ہی لوگ میرے اوپر پل پڑے۔ قریب تھا کہ پکڑ کر مار پیٹ شروع کر دیں۔ میں نے کہا' ارے یہ تم میرے ساتھ کیا کرنے لگے؟ میں نے تمہارے سوال کا جواب دیا اور میں تو تمہارا مہمان ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ مختار ملعون لوگوں سے کہتا تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔ اس کی بہن حضرت صفیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر میں تھیں اور بڑی دیندار تھیں۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مختار کا یہ قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ﴾ (الانعام:۱۲۱) یعنی شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی لے جاتے ہیں۔ الغرض ایسے متکبر سرکش جنات و انسان آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے بازی کی باتیں سکھاتی ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر اور مشیت ہے۔ وہ ان کی وجہ سے اپنے نبیوں کی اولوالعزمی اپنے بندوں کو دکھاتا ہے تو ان کی عداوت کا خیال بھی نہ کر۔ ان کا جھوٹ تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ تو خدا پر بھروسہ رکھ۔ اسی پر توکل اور اپنے کام اسے سونپ کر بے فکر ہو جا۔ وہ تجھے کافی ہے اور وہی تیرا مددگار ہے۔ یہ لوگ جو اس طرح کی خرافات کرتے ہیں۔ یہ محض اس لئے کہ بے ایمانوں کے دل' ان کی نگاہیں اور ان کے کان ان کی طرف جھک جائیں۔ وہ ایسی باتوں کو پسند کریں۔ اس سے خوش ہو جائیں۔ پس اس کی باتیں وہی کرتے ہیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں ہوتا۔ ایسے واصل جہنم ہونے والے بہکے ہوئے لوگ ہی ان غلط اور چکنی چپڑی باتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ پھر وہ کرتے ہیں جو ان کے قابل ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں۔ حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے۔ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ کتاب (قرآن) آپ کے ربّ کی طرف سے واقعیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں اور آپ کے ربّ کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے۔ اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سن رہے ہیں خوب جان رہے ہیں۔ ○

مومن غیر اللہ کو حکم نہیں بنا سکتا ☆

حکم ہوتا ہے کہ مشرک اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش کر رہے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا ہم تم میں فیصلہ کرنے والا بجز اللہ تعالیٰ کے میں کسی اور کو تلاش کروں؟ اسی نے تو صاف کھلے فیصلے کرنے والی کتاب نازل فرما دی ہے۔ یہود و نصاریٰ جو صاحب کتاب ہیں اور جن کے پاس اگلے نبیوں کی بشارتیں ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم خدا کی طرف سے حق کے ساتھ نازل شدہ ہے۔ تجھے شکی لوگوں میں نہ ملنا چاہئے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ ......﴾ (یونس: ۹۴) یعنی ہم نے جو کچھ وحی تیرے طرف نازل کی ہے اگر تجھے اس میں شک ہو تو جو لوگ اگلی کتابیں پڑھتے ہیں تو ان سے پوچھ لے یقین مان کہ تیرے ربّ کی جانب سے تیری طرف حق اُتر چکا ہے پس تو شک کرنے والوں میں نہ ہو۔ یہ شرط ہے اور شرط کا واقع ہونا کچھ ضروری نہیں۔ اسی لئے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نہ میں شک کروں نہ کسی سے سوال کروں۔ تیرے ربّ کی باتیں پوری ہیں صداقت میں جو کچھ کہا اور عدالت میں جو کچھ حکم دیا گیا وہ صادق ہیں خبروں میں اور عادل ہیں احکام میں۔ جو خبریں اس نے بیان کر دی ہیں۔ وہ بلاشبہ درست ہیں اور جو حکم فرمایا ہے وہ سراسر عدل ہے اور جس چیز سے روکا ہے وہ یکسر باطل ہے کیونکہ وہ جس چیز سے روکتا ہے وہ برائی والی ہی ہوتی ہے جیسے فرمان ہے: ﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (الاعراف: ۱۵۷) وہ انہیں بھلی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے...... کوئی نہیں جو اس کے فرمان کو بدل سکے۔ اس کے حکم اٹل ہیں۔ دنیا میں کیا اور آخرت میں کیا۔ اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا۔ اس کا تعاقب کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں کی باتیں سنتا ہے اور انکی حرکات و سکنات کو بخوبی جانتا ہے۔ ہر عامل کو اس کے برے بھلے عمل کا بدلہ وہ ضرور دیگا۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں۔ وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں بالیقین آپ کا ربّ ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں۔ ○

یہ کھلی گمراہی ہے ☆

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ دنیا میں گمراہ کن ہوتے ہیں گمراہ کن ہوتے ہیں جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ﴾ (الصافات: ۷۱) اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۳) گو تو حرص کرے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں پھر یہ لوگ اپنی گمراہی میں بھی کسی یقین پر نہیں۔ صرف باطل گمان اور بے کار اٹکلیں ہیں۔ اندازے سے باتیں بنا لیتے ہیں۔ پھر ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ خیالات کے پیرو ہیں۔ توہم پرستی میں گھرے ہوئے ہیں۔ یہ سب مشیت الٰہی ہے۔ وہ گمراہوں کو بھی جانتا ہے اور ان پر گمراہیاں آسان کر دیتا ہے وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے اور ان کے لئے ہدایت آسان کر دیتا ہے۔ ہر شخص پر وہی کام آسان ہوتے ہیں جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾

سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو اور تم کو کون سا امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی اپنے غلط خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ○

حرمت و حلت میں شارع کا فیصلہ نافذ ہے ☆

حکم بیان ہو رہا ہے کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اسے کھا لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور کے ذبیحے کے وقت نام خدا نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا مباح نہیں۔ جیسے مشرکین از خود مرا ہوا مردار جانور بتوں اور تھانوں پر ذبح کیا ہوا جانور کھایا کرتے تھے۔ کوئی وجہ نہیں کہ جن حلال جانوروں کو شریعت کے مطابق ذبح کیا جائے۔ ان کے کھانے میں حرج سمجھا جائے۔ بالخصوص اس وقت کہ ہر حرام جانور کا بیان کھول کھول کر دیا گیا ہے۔ فَصَّلَ کی دوسری قراءت فَصَلَ ہے۔ وہ حرام جانور کھانے ممنوع ہیں۔ سوائے مجبوری اور سخت بے بسی کے کہ اس وقت جو مل جائے اس کے کھا لینے کی اجازت ہے۔ پھر کافروں کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ مردہ جانوروں کو اور ان جانوروں کو جن پر خدا کے سوا دوسروں کے نام لئے گئے ہوں حلال جانتے تھے۔ یہ لوگ بلا علم صرف خواہش پرستی کر کے دوسروں کو راہ حق سے ہٹا رہے ہیں۔ ایسے کی افترا پردازی، دروغ بافی اور زیادتی کو خدا بخوبی جانتا ہے۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۗ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا

كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی۔ ○

گناہ چھوڑ دو ☆

ظاہری اور باطنی گناہوں کو ترک کر دو۔ چھوٹے بڑے پوشیدہ اور ظاہر گناہ کو چھوڑ دو۔ نہ کھلی بدکار عورتوں کے ہاں جاؤ نہ چوری چھپے بدکاریاں کرو۔ کھلم کھلا ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ غرض ہر گناہ سے دور رہو کیونکہ ہر بدکاری کا برا بدلہ ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو نہ چاہے کہ کسی کو اس کی اطلاع ہو جائے۔

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں تاکہ یہ تم سے (بے کار) جدال کریں اور اگر (خدانخواستہ) تم ان لوگوں کی اطاعت (عقائد و افعال میں) کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔ ○

یہ حرام ہے ☆

یہی آیت ہے جس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ گو کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہو لیکن اگر بوقت ذبح نام خدا نہیں لیا تو اس ذبیحے کا کھانا حرام ہے۔ اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ ایک تو وہی جو مذکور ہوا خواہ جان بوجھ کر نام خدا نہ لیا ہو یا بھول کر۔ اس کی دلیل آیت: ﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (المائدہ:۴) یعنی جس شکار کو تمہارے شکاری کتے روک رکھیں، تم اسے کھا لو اور اللہ کا نام اس پر لو۔ اس آیت میں اسی کی تاکید کی اور فرمایا کہ یہ کھلی نافرمانی ہے یعنی اس کا کھانا یا غیر اللہ کی نام پر ذبح کرنا۔ حدیثوں میں بھی شکار کے اور ذبیحے کے متعلق حکم وارد ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں' جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑے' جس جانور کو وہ تیرے لئے پکڑ کر روک لے تو اسے کھا لے اور حدیث میں ہے جو چیز خون کو بہادے اور خدا کا نام بھی اس پر لیا گیا ہو' اسے کھا لیا کرو۔ جنوں سے حضورؐ نے فرمایا تھا تمہارے لئے ہر وہ ہڈی ہے جس پر نام خدا لیا جائے۔ عید کی قربانی کے متعلق آپ کا ارشاد مروی ہے کہ جس نے نماز عید پڑھنے سے پہلے ہی ذبح کر لیا' وہ اسکے بدلے دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے قربانی نہیں کی وہ ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھے۔ پھر خدا کا نام لے کر اپنے قربانی کے جانور کو ذبح کرے۔ چند لوگوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ بعض نو مسلم ہمیں گوشت دیتے ہیں کیا خبر انہوں نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام بھی لیا یا نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا تم اس پر نام لو اور کھا لو۔

الغرض اس حدیث سے بھی یہ مذہب قوی ہوتا ہے کیونکہ صحابہ نے بھی سمجھا کہ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور یہ لوگ احکام اسلام سے صحیح طور پر واقف نہیں۔ ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں۔ کیا خبر خدا کا نام لیتے بھی ہیں یا نہیں۔ تو حضور ﷺ نے انہیں بطور مزید احتیاط کے فرمایا کہ تم خود نام خدا لے لو تاکہ بالفرض انہوں نے نہ بھی لیا ہو تو اس کا بدلہ ہو جائے۔ ورنہ ہر مسلمان پر ظاہری نیک ظنی ہی ہوگی۔ دوسرا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ کا پڑھنا شرط نہیں۔ بلکہ مستحب ہے۔ تو اگر وہ چھوٹ جائے گو وہ عمداً ہو یا بھول کر کوئی

ولو اننا ﴿۸﴾

حرج نہیں۔اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ فسق ہے۔اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس سے مراد غیر اللہ کے لئے ذبح کیا ہوا جانور ہے جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (الانعام: ۱۴۵) بقول عطا ان جانوروں سے روکا گیا ہے جنہیں کفار اپنے معبودوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور مجوسیوں کے ذبیحے سے بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔اس کا جواب بعض متاخرین نے یہ بھی دیا ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ﴾ میں واؤ حالیہ ہے۔تو فسق اسی وقت ہوگا جب اسے غیر اللہ کے نام کا مان لیں اور یہ واؤ عطف کا ہو نہیں سکتا ورنہ اس جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف جملہ فعلیہ طلبیہ پر لازم آئے گا۔لیکن یہ دلیل اس کے بعد کے جملے: ﴿وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ﴾ (الانعام: ۱۲۱) سے ہی ٹوٹ جاتی ہے اس لئے کہ وہ تو یقیناً عاطفہ جملہ ہے تو جس اگلے واؤ کو حالیہ کہا گیا ہے۔اگر اسے حالیہ مان لیا جائے تو پھر اس پر اس جملے کا عطف ناجائز ہوگا اور اگر اسے پہلے کے طلبیہ جملے پر عطف ڈالا جائے تو جو اعتراض یہ دوسرے پر وارد کر رہے ہیں تو وہی ان پر پڑے گا۔ہاں اگر اس واؤ کو حالیہ نہ مانا جائے تو یہ اعتراض ہٹ سکتا ہے لیکن جو بات اور دعویٰ تھا وہ سرے سے باطل ہو جائے گا۔واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے مراد اس سے مردار جانور ہے جو اپنی موت آپ مر گیا ہو۔اس مذہب کی تائید ابوداؤد کی ایک مرسل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے۔اس نے خدا کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو کیونکہ اگر وہ لیتا تو خدا کا نام ہی لیتا۔اس کی تائید دارقطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کے نام کا ذکر نہ کرے۔تو کھا لیا کرو کیونکہ مسلمان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔اسی مذہب کی دلیل میں وہ حدیث بھی پیش ہو سکتی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ نو مسلموں کے ذبیحے کے کھانے کی جس کے دونوں احتمال تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تو اگر بسم اللہ کا کہنا شرط اور لازم ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق کرنے کا حکم دیتے۔تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بسم اللہ کا کہنا بوقت ذبح بھول گیا تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر قصداً جان بوجھ کر نہیں کہی تو حلال نہیں۔ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے اس بات پر اجماع تھا کہ جس ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ نہ کہی جائے وہ حرام ہے۔اسی لئے امام ابو یوسف اور مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم اسے بیچنے کا حکم بھی دے تو وہ حکم جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ حکم اجماع کے خلاف ہے لیکن صاحب ہدایہ کا یہ قول محض غلط ہے[1]۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بھی بہت سے ائمہ اسکے خلاف تھے۔چنانچہ اوپر جو دوسرا مذہب بیان ہوا ہے کہ بسم اللہ پڑھنا شرط نہیں۔بلکہ یہ مستحب ہے۔یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ان کے سب ساتھیوں کا' ایک اور روایت میں امام احمد کا اور امام مالک کا اور اشہب بن عبدالعزیز کا مذہب ہے اور یہی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے پھر اجماع کا دعویٰ کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔واللہ اعلم۔

امام ابو جعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے بوقت ذبح بسم اللہ نہ کہے جانے پر بھی ذبیحہ حرام کیا ہے۔انہوں نے علاوہ اور دلائل کے خلاف کرنے کے اس حدیث کے بھی خلاف کیا ہے جو ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلم کو اس کا نام ہی کافی ہے۔اگر وہ ذبح کے اللہ کا نام لینا بھول گیا ہو تو اللہ کا نام لے اور کھا لے۔یہ حدیث بیہقی میں ہے لیکن اس کا مرفوع بیان کرنا خطا ہے اور یہ خطا معقل بن عبید اللہ بن خرندی کی ہے۔ہیں تو یہ صحیح مسلم کے راویوں میں سے مگر سعید بن منصور اور عبداللہ بن زبیر حمیری اسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت کرتے ہیں۔بقول امام بیہقی یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔شعبی اور محمد بن سیرین اس جانور کا کھانا مکروہ جانتے ہیں جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو گو بھول سے ہی رہ گیا ہو۔ظاہر ہے کہ سلف کراہیت کا اطلاق حرمت پر کرتے

[1] افسوس کہ ابن کثیر نے ان دلائل کا قطعاً خیال نہیں کیا جو صاحب ہدایہ اور دوسرے احناف نے اس موقع پر پیش کی ہیں۔یہ صرف صاحب ہدایہ کا دعویٰ نہیں بلکہ احناف کی تمام کتابوں میں عموماً اس کا ذکر آیا ہے۔ابن کثیر نے اس موقع پر ادائے لب ولہجہ میں جو گفتگو کی ہے وہ ان کی مذہبی عصبیت کا آئینہ دار ہے۔

تھے۔ واللہ اعلم۔ ہاں یہ یاد رہے کہ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ان دو ایک قولوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے جو جمہور کے مخالف ہوں اور ایسی صورت میں اجماع شمار کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس بہت سے پرند ذبح شدہ آئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے اور بعض پر بھول سے رہ گئی ہے اور سب خلط ملط ہو گئے ہیں۔ آپ نے فتویٰ دیا کہ سب کھالو۔ پھر محمد ابن سیرینؒ سے یہی سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' جن پر نام خدا ذکر نہیں کیا گیا' انہیں نہ کھاؤ۔ اس مذہب کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا' بھول کو اور جس کام پر زبردستی کی جائے اس کو معاف کر دیا ہے لیکن اس میں تامل ہے ایک حدیث میں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ بتلایئے تو اگر ہم میں سے کوئی شخص ذبح کرے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہے (یعنی وہ حلال ہے) لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے۔ مروان بن سالم ابو عبداللہ شامی اس حدیث کا راوی ہے اور ان پر بہت سے ائمہ نے جرح کی ہے۔ واللہ اعلم

میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں تمام مذاہب اور ان کے دلائل وغیرہ بسط سے لکھے ہیں اور پوری بحث کی ہے۔ عام اہل علم تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا کوئی حصہ منسوخ نہیں لیکن بعض حضرات کہتے ہیں اس میں سے اہل کتاب کے ذبیحے کا استثنا کر لیا گیا ہے اور ان کا ذبح کیا ہوا ہمارے لئے حلال ہے۔ تو گو وہ اپنی اصطلاح میں اسے نسخ سے تعبیر کریں لیکن دراصل یہ ایک مخصوص صورت ہے۔ پھر فرمایا کہ شیطان اپنے ولیوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کہا گیا کہ مختار کہتا ہے کہ وحی اس کے پاس آتی ہے تو آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ وہ ٹھیک کہتا ہے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے اور روایت میں ہے کہ اس وقت مختار حج کو آیا ہوا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس جواب سے کہ وہ سچا ہے' اس شخص کو سخت تعجب ہوا۔ اس وقت آپ نے تفصیل بیان فرمائی کہ ایک تو خدا کی وحی ہے جو آنحضرت ﷺ کی طرف آئی اور ایک شیطانی وحی ہے جو شیطان کے دوستوں کی طرف آتی ہے۔ شیطانی وساوس کو لے کر لشکر شیطان اللہ والوں سے جھگڑتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یہ کیا اندھیر ہے؟ کہ ہم اپنے ہاتھ سے مارا ہوا جانور تو کھالیں اور جسے خدا مار دے یعنی اپنی موت آپ مر جائے' اسے نہ کھائیں؟ اس پر یہ آیت اُتری اور بیان فرمایا کہ وجہ حلت ذکر نام خدا ہے لیکن یہ قصہ تامل طلب اولاً اس وجہ سے ہے کہ یہودی از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں جانتے تھے۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہودی تو مدینے میں تھے اور یہ پوری سورت مکہ میں اُتری ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث ترمذی میں مروی تو ہے لیکن مرسل۔ طبرانی میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کہ جس پر نام خدا لیا گیا ہے اسے کھالو اور جس پر نام خدا نہ لیا گیا ہوا سے نہ کھاؤ تو اہل فارس نے قریشیوں سے کہلوا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے وہ جھگڑیں اور کہیں کہ جسے تم اپنی چھری سے ذبح کر دو وہ تو حلال اور جسے اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے خود ذبح کرے وہ حرام؟ یعنی میتہ از خود مرا جانور۔ اس پر یہ آیت اُتری پس شیاطین سے مراد فارسی ہیں اور انکے اولیاء قریشی ہیں اور بھی اس طرح کی بہت سی روایتیں ہیں۔ کئی ایک سندوں سے مروی ہیں اور کسی میں بھی یہود کا ذکر نہیں۔

پس صحیح یہی ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور یہود مدینے میں تھے اور اس لئے بھی کہ یہودی خود مردار خوار نہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جسے تم نے ذبح کیا یہ تو وہ ہے جس پر نام خدا لیا گیا اور جو از خود مر گیا وہ وہ ہے جس پر نام خدا نہیں لیا گیا۔ مشرکین قریش فارسیوں سے خط و کتابت کر رہے تھے اور رومیوں کے خلاف انہیں مشورے اور امداد پہنچاتے تھے اور فارسی قریشیوں سے خط و کتابت رکھتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے خلاف اُکساتے اور ان کی امداد کرتے تھے۔ اس میں انہوں نے مشرکین کی طرف یہ اعتراض بھی لکھ بھیجا

تھا اور مشرکین نے صحابہؓ سے یہی اعتراض کیا اور بعض صحابہؓ کے دل میں بھی یہ بات کھٹکی۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ پھر فرمایا اگر تم نے ا
تابعداری کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے کہ تم نے خدا کی شریعت اور فرمان قرآن کے خلاف دوسرے کی بات مان لی اور یہی شرک ہے
کے قول کے مقابل دوسرے کی بات مان لی اور یہی شرک ہے کہ خدا کے قول کے مقابل دوسرے کا قول مان لیا جائے۔ چنانچہ قرآن
میں ہے: ﴿اتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ: ۳۱) یعنی انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنا لیا
ترمذی میں ہے کہ جب حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے اِن کی عبادت کبھی نہیں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' انہوں نے حرام کو حلال کہا اور حلال کو حرام کہا اور انہوں نے ان کا کہنا مانا' یہی (تو) عبادت ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا
پھرتا ہے۔ کیا ایسا اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔ اسی طرح کافروں
کو ان کے اعمال مستحسن معلوم ہوا کرتے ہیں۔ ○

مؤمن اور کافر مثال کے آئینہ میں ☆

مؤمن اور کافر کی مثال بیان ہو رہی ہے۔ ایک تو وہ جو پہلے مردہ تھا یعنی کفر و گمراہی کی حالت میں حیران و سرگرداں تھا۔
اسے زندہ کیا۔ ایمان و ہدایت بخشی۔ اتباع رسول کا چسکا دیا۔ قرآن کا نور عطا کیا۔ جس کے منور احکام کی روشنی میں وہ اپنی زندگی
ہے۔ اسلام کی نورانیت اس کے دل میں رچ گئی ہے۔ دوسرا وہ جو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے جو ان میں نکلنا
نہیں پاتا کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح مسلم و کافر میں بھی تفاوت ہے۔ نور و ظلمت کا فرق اور ایمان و کفر ظاہر ہے اور آیت
ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرہ: ۲۵۷) ایمان داروں کا ولی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا
کافروں کے ولی طاغوت ہیں۔ جو انہیں نور سے ہٹا کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہ ابدی جہنمی ہیں اور آیت میں ہے:
يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ﴾ (الملک: ۲۲) یعنی خمیدہ قد والا۔ ٹیڑھی راہ چلنے والا اور سیدھے قامت والا' سیدھی راہ چلنے والا' کیا برابر
آیت میں ہے ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے بہرے اور سنتے دیکھتے کی طرح ہیں کہ دونوں میں فرق نمایاں ہے۔ افسوس کہ
عبرت حاصل نہیں کرتے اور جگہ فرمان ہے اندھا اور بینا' اندھیریاں اور روشنی' سایہ اور دھوپ' زندہ اور مردے برابر نہیں۔ اللہ جسے
سنا دے۔ لیکن تو قبر والوں کو سنا نہیں سکتا۔ تو تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ اس سورت
شروع میں ظلمات اور نور کا ذکر تھا۔ اسی مناسبت سے یہاں بھی مومن اور کافر کی یہ مثال بیان فرمائی گئی ہے۔

بعض کہتے ہیں مراد اس سے دو خاص معین شخص ہیں جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہ یہ پہلے گمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے
اسلام کی زندگی بخشی اور انہیں نور عطا فرمایا' جسے لے کر لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر
ہیں اور ظلمات میں جو پھنسا ہوا ہے اس سے مراد ابو جہل ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ ہر مومن اور کافر کی مثال ہے۔ کافروں

میں ان کی جہالت وضلالت اسی طرح آراستہ وپیراستہ کر کے دکھائی جاتی ہے۔ یہ بھی خدائے تعالیٰ کی قضا وقدر ہے کہ وہ اپنی برائیوں ہی کو اچھائیاں سمجھتے ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کر کے پھر اپنا نور ان پر ڈالا ہے جسے اس نور کا حصہ ملا اس نے دنیا میں آ کر راہ پائی اور جو وہاں محروم رہا۔ وہ یہاں بھی بہکا ہوا ہی رہا۔ جیسے فرمان ہے کہ خدا اپنے بندوں کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف لے جاتا ہے اور جیسے فرمان ہے اندھا اور بینا اور اندھیرا اور روشنی برابر نہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرم کا مرتکب بنایا تا کہ وہ لوگ وہاں شرارتیں کیا کریں اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے۔ اس موقع پر تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے۔ عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے یہ جرم کیا ہے خدا کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی اور سزائے سخت ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں۔ ○

سرکشی کرنے والے متنبہ ہو جائیں ☆

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی تسکین فرماتا ہے اور ساتھ ہی کفار کو ہوشیار کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ جیسے آپ کی اس بستی میں رؤساء کفر موجود ہیں جو دوسروں کو بھی دین برحق سے روکتے ہیں۔ اسی طرح ہر پیغمبر کے زمانے میں اس کی بستی میں کفر کے ستون اور مرکز رہے ہیں لیکن آخرش وہ غارت اور تباہ ہوتے ہیں اور نتیجہ ہمیشہ نبیوں کا ہی اچھا رہتا ہے۔ جیسے فرمایا کہ نبی کے دشمن ان کے زمانے کے گنہگار رہے اور آیت میں ہے کہ جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہاں کے رئیسوں کو کسی ایسی چیز کا مکلّف کرتے ہیں جس میں وہ کھلم کھلا ہماری نافرمانی کرتے ہیں...... پس اطاعت سے گریز کرنے پر عذابوں میں گھر جاتے ہیں۔ وہاں کے شریر لوگ اوج پر آ جاتے ہیں۔ پھر بستی ہلاک ہوتی ہے اور قسمت کا انمٹ لکھا آ جاتا ہے۔

چنانچہ اور آیتوں میں ہے کہ جہاں کہیں کوئی پیغمبر آیا وہاں کے رئیسوں اور بڑے لوگوں نے جھٹ سے کہہ دیا۔ کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں۔ مال میں اولاد میں ہم تم سے زیادہ ہیں اور ہم اسے بھی مانتے نہیں کہ ہمیں سزا ہو اور آیت میں ہے کہ ہم نے جس بستی میں جس رسول کو بھیجا وہاں کے بڑے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو جس طریقے پر اپنے بڑوں کو پایا ہے ہم تو اسی پر چلیں گے۔ مکر سے مراد گمراہی کی طرف بلانا ہے اور اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے لوگوں کو پھنسانا ہے۔ جیسے قوم نوح کے بارے میں ہے: ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا﴾ (التوبہ: ۲۲) قیامت کے دن بھی جبکہ یہ ظالم خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے۔

چھوٹے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مسلمان ہو جاتے اور وہ بھی جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا؟ نہیں بلکہ تم تو خود گنہگار تھے۔ یہ کہیں گے تمہاری دن رات کی فتنہ انگیزیوں نے اور کفر و شرک کی دعوت نے ہمیں کھو دیا... کے معنی حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ نے ہر جگہ عمل کے کئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کے مکر کا وبال انہی پر پڑے گا لیکن انہیں اس کا شعور نہیں۔ جن لوگوں کو انہوں نے بہکایا ان کا وبال بھی ان کے دوش پر ہوگا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ (العنکبوت: ۱۳) یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ جن کو بے علمی کے ساتھ انہوں نے بہکایا تھا۔ جب کوئی نشان اور دلیل دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ کچھ بھی ہو جب تک خدا کے فرشتے کی معرفت خود ہمیں نہ آئے' ہم تو باور کرنے والے نہیں۔ کہا کرتے تھے کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں ہوتے؟ خدا ہمیں اپنا آپ کیوں نہیں دکھاتا۔ حالانکہ رسالت کے اصل مستحق کو خدا بہتر طریقہ پر جانتا ہے۔ ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے رئیس پر قرآن کے نازل نہ ہونے سے وہ آنحضرت ﷺ کی تحقیر کا ارادہ کرتے تھے اور یہ صرف ضد اور تکبر کی بنا پر تھا۔ فرمان ہے کہ تجھے دیکھتے ہی یہ لوگ مذاق اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے؟ یہ لوگ ذکر رحمان کے منکر ہیں۔ کہا کرتے تھے کہ اچھا یہی ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ان مسخروں کا مسخرا پن انہی پر اُلٹ پڑا۔ انہیں ماننے بنتا تھا کہ آپ شریف النفس ہیں۔ آپ سچے اور امین ہیں۔ یہاں تک کہ نبوت سے پہلے قوم کی طرف سے آپ کو امین کا خطاب ملا تھا۔ ابوسفیان جیسے ان کافر قریشیوں کے سردار نے بھی دربار ہرقل میں حضور ﷺ کے عالی نسب ہونے اور سچے ہونے کی شہادت دی تھی۔ جس نے شاہ روم نے حضور ﷺ کی صداقت' طہارت' نبوت وغیرہ کو مان لیا تھا۔

مسند کی حدیث میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے اسمٰعیل علیہ السلام کو پسند فرمایا۔ اولاد اسمٰعیل سے بنو کنانہ کو پسند فرمایا۔ بنو کنانہ سے قریش کو قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے۔ فرمان ہے کہ یکے بعد دیگرے قرنوں میں سے ہیں سب سے بہتر زمانے میں پیغمبر بنایا گیا۔ ایک مرتبہ جب کہ آپ کو لوگوں کی بعض کہی ہوئی باتیں پہنچیں تو آپ ممبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا' میں کون ہوں۔ لوگوں نے کہا آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ فرمایا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں مجھے بہتر بنایا ہے۔ مخلوق کو جب دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان دونوں میں جو بہتر حصہ تھا' اس میں کیا۔ قبیلوں کی تقسیم کے وقت مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا۔ پھر خاندان کی تقسیم کی تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں بنایا۔ پس گھرانے کے اعتبار سے تم سب سے بہتر ہو۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے فرمایا' میں نے تمام مشرق مغرب ٹٹول لیا لیکن آپ ﷺ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا۔ (حاکم بیہقی) مسند احمد میں ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا اور سب سے بہتر دل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پایا۔ پھر مخلوق کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو سب سے بہتر دل والے اصحاب رسول ﷺ پائے حضور ﷺ کو اپنا خاص چیدہ رسول بنایا اور اصحاب آپ ﷺ کے وزیر بنائے گئے۔ جو آپ ﷺ کے دین کے دشمنوں کے دشمن ہیں یہ مسلمان جس چیز کو بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جسے یہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔ ایک باہر کے شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو مسجد کے دروازے سے آتا ہوا دیکھ کر مرعوب ہو کر لوگوں سے پوچھا' یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا رسول کریم ﷺ کے چچا کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عباس ہیں رضی اللہ عنہ' تو ان کے منہ سے بے ساختہ یہ آیت نکلی کہ نبوت کے اہل کو خدا بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ اس عظیم الشان پیغمبر کی پیغمبری میں شک و شبہ کر رہے ہیں۔ اطاعت سے منہ پھیر رہے ہیں

انہیں خدا کے سامنے قیامت کے دن بڑی ذلت اُٹھانا پڑے گی۔ ان کے تکبر اور سرکشی کی بنا پر انہیں دائمی عذاب ہوگا۔ جیسے فرمان ہے کہ جو لوگ میری عبادت سے جی چراتے ہیں' وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ انہیں ان کے مکر کی سزا اور سخت سزا ہوگی۔ چونکہ مکاروں کی چالیں خفیہ اور ہلکی ہوتی ہیں۔ اس کے بدلے میں عذاب علانیہ اور سخت ہوں گے۔ یہ اللہ کا ظلم نہیں بلکہ ان کا پورا بدلہ ہے۔ اس دن ساری چھپی عیاریاں کھل جائیں گی۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بدعہد کی رانوں کے پاس قیامت کے دن ایک جھنڈا لہراتا ہوگا اور اعلان ہوتا ہوگا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی غداری ہے۔ بس اس دنیا کی پوشیدگی اس طرح قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔ اللہ ہمیں بچائے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں' اُسکے سینہ کو تنگ بہت کر دیتے ہیں۔ جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔

ہدایت اور گمراہی اللہ عزوجل کے ارادے پر موقوف ہے ☆

خدا تعالیٰ کا ارادہ جسے ہدایت کرنے کا ہوتا ہے۔ اس پر نیکی کے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ......﴾ (الزمر: ۲۲) یعنی اللہ ان کے سینے اسلام کی طرف کھول دیتا ہے اور انہیں اپنا نور عطا فرماتا ہے اور آیت میں فرمایا: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ......﴾ (الحجرات: ۷) اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دار بنا دیا اور کفر فسق اور نافرمانی کی تمہارے دلوں میں کراہت ڈال دی۔ یہی لوگ راہ یافتہ اور نیک بخت ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس کا دل ایمان وتوحید کی طرف کشادہ ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ دانا کون سا مومن ہے؟ فرمایا سب سے زیادہ موت کو یاد رکھنے والا اور سب سے زیادہ موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاریاں کرنے والا۔ حضور ﷺ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمایا کہ اس کے دل میں ایک نور ڈال دیا جاتا ہے۔ جس سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے۔ لوگوں نے اس کی نشانی دریافت کی تو فرمایا جنت کی طرف جھکنا اور اس کی طرف رغبت کامل رکھنا اور دنیا سے جو دھوکے کی ٹٹی ہے' بھاگنا اور الگ ہونا اور موت کے آنے سے اس کے لئے تیاریاں کرنا۔ ضَيِّقًا کی ایک قراءت ضَيْقًا بھی ہے۔ حَرَجًا کی دوسری قراءت حَرِجًا بھی ہے۔ یعنی گنہگار یا دونوں کے ایک ہی معنی یعنی تنگ۔ جو ہدایت کے لئے نہ کھلے اور ایمان اس میں جگہ نہ پائے۔

ایک دفعہ ایک بادیہ نشین بزرگ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حَرَجَة کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا یہ ایک درخت ہوتا ہے۔ جس کے پاس نہ تو چرواہے جاتے ہیں نہ جانور نہ وحشی۔ آپ نے فرمایا سچ ہے ایسا ہی منافق کا دل ہوتا ہے کہ اس میں کوئی بھلائی جگہ نہیں پاتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اسلام باوجود آسان اور کشادہ ہونے کے اسے سخت اور تنگ معلوم ہوتا ہے۔ خود قرآن میں ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ۷۸) خدا تعالیٰ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ لیکن منافق

کا شکی دل اس نعمت سے محروم رہتا ہے۔اس کے لئے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار ایک مصیبت ہے۔جیسے کسی پر آسمان کے لئے چڑھنا مشکل ہو جیسے وہ اس کے بس کی بات نہیں۔ اسی طرح توحید و ایمان بھی اس کے قبضے سے باہر ہے۔ پس مردہ دل والے کبھی اسلام قبول نہیں کرتے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ بے ایمانوں پر شیطان مقرر کر دیتا ہے جو انہیں بہکاتے رہتے ہیں اور خیر سے ان کے دل کو پھیرا کرتے ہیں۔ نحوست ان پر برستی رہتی ہے اور عذاب ان پر اُترتے رہتے ہیں۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور یہی تیرے ربّ کا سیدھا رستہ ہے ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف بیان کر دیا۔ان لوگوں کے واسطے ان کے ربّ کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔ ○

اسلام ہی سیدھا راستہ ہے ☆

گمراہوں کا طریقہ بیان فرما کر اپنے اس دین حق کی نسبت فرماتا ہے کہ سیدھی اور صاف راہ جو خدا کی طرف پہنچا دے۔یہی ہے مُسْتَقِيْمًا کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے۔پس شرع محمدی کلام باری ہی راہ راست ہے۔چنانچہ حدیث میں بھی قرآن کی صفت میں کہا گیا ہے کہ خدا کی سیدھی راہ اس کی مضبوط رسی اور حکمت والا یہی ذکر ہے (ملاحظہ ہو ترمذی مسند وغیرہ) جنہیں خدا کی جانب سے عقل و فہم علم و عمل دیا گیا ہے۔ان کے سامنے تو وضاحت کے ساتھ خدا کی آیتیں آ چکیں۔ان ایمانداروں کے لئے خدا کے ہاں جنت ہے۔جیسے یہ سلامتی کی راہ چلے۔ ویسے ہی قیامت کے دن سلامتی کا گھر انہیں ملے گا۔وہی سلامتیوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ان کا کارساز اور ولی ہے۔حافظ و ناصر مؤید و مولیٰ ان کا یہی ہے۔ان کے نیک اعمال کا بدلہ یہ پاک گھر ہوگا۔جہاں ہیشگی ہے اور یکسر راحت و اطمینان سرور خوشی ہی خوشی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

اور جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کرے گا اے جماعت جنات کی تم نے انسانوں (کے گمراہ کرنے) میں بڑا حصہ لیا ہے اور جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ (اقرارا) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور اپنی اس معین میعاد تک آ پہنچے جو آپ نے ہمارے لئے معین فرمائی (یعنی قیامت) اللہ تعالیٰ (سب کفار جن وانس سے)

فرمائیں گے تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہو گے۔ ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے۔ بے شک آپ کا ربّ بڑی حکمت والا اور بڑا علم والا ہے۔ ○

گمراہی جہنم کی ایک راہ ہے ☆

وہ دن بھی قریب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا۔ جنات انسان عابد معبود سب ایک میدان میں کھڑے ہوں گے۔ اس وقت جنات سے ارشاد ہو گا کہ تم نے انسانوں کو خوب بہکایا اور ورغلایا۔ انسانوں کو یاد دلایا جائے گا کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا وہ تمہارا دشمن ہے۔ میری عبادت کرتے رہنا۔ یہی سیدھی راہ ہے لیکن تم نے سمجھ سے کام نہ لیا اور شیطانی دھوکہ میں آ گئے۔ اس وقت جنات کے دوست انسان جواب دیں گے کہ ہاں انہوں نے حکم دیا اور ہم نے عمل کیا۔ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور فائدہ حاصل کرتے رہے۔ جاہلیت کے زمانے میں جو مسافر کہیں اُترتا تو کہتا کہ اس وادی کے بڑے جن کی پناہ میں آتا ہوں انسانوں سے جنات کو یہی فائدہ پہنچا تھا کہ وہ ان کے سردار اپنے تئیں سمجھنے لگے تھے۔ موت کے وقت تک یہی حالت رہی۔ اس وقت جواب ملے گا کہ اچھا اب بھی تم ساتھ ہی جہنم میں جاؤ۔ وہیں ہمیشہ جہنم میں پڑے رہنا۔ یہ استثنا جو ہے وہ راجع ہے برزخ کی طرف۔ بعض کہتے ہیں دنیا کی مدت کی طرف۔ اس کا پورا بیان سورہ ہود کی آیت: ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَاۗءَ رَبُّكَ......﴾ (ہود: ۱۰۷) کی تفسیر میں آئے گا۔ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی کسی کے لئے جنت دوزخ کا فیصلہ نہیں کر سکتا سب مشیت ربّ پر موقوف ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ع ۱۵/۸

اور اسی طرح بعض کفار کو بعض قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب۔ ○

بدعمل ایک دوسرے کے انجام میں شریک ہیں ☆

لوگوں کی دوستیاں اعمال پر ہوتی ہیں۔ مومن کا دل مومن سے ہی لگتا ہے۔ گو وہ کہیں کا ہو اور کیسا ہی ہو اور کافر بھی ایک ہی ہیں۔ گو وہ مختلف ممالک اور مختلف ذات پات کے ہوں۔ ایمان تمناؤں اور ظاہر داریوں کا نام نہیں[1]۔ اس مطلب کے علاوہ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام کفار جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے زبور میں پڑھا ہے خدا فرماتا ہے میں منافقوں سے انتقام منافقوں کے ساتھ ہی لوں گا۔ پھر سب سے ہی انتقام لوں گا۔ اس کی تصدیق قرآن کی مندرجہ بالا آیت سے بھی ہوتی ہے کہ ہم ولی بنائیں گے بعض ظالموں کو بعض کا یعنی ظالم جن اور ظالم انس۔ پھر آپ نے آیت: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ﴾ (الزخرف: ۳۶) کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ ہم سرکش جنوں کو سرکش انسانوں پر مسلط کر دیں گے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے جو ظالم کی مدد کرے گا اللہ اسی کو اس پر مسلط کر دے گا۔

کسی شاعر کا قول ہے

[1] یعنی ایمان میں محض تمناؤں سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ عمل کی بھی ضرورت ہے اگرچہ ایمان پر نجات ضرور ہو جائے گی۔ تاہم وہ نجات جو مومن حسن عمل والے کو حاصل ہوگی۔ ایک بدعمل [مومن] کو کہاں حاصل ہوگی۔

وَمَا مِنْ يَدٍ اِلَّا يَدُ اللّٰهِ فَوقَهَا ☆ وَمَا ظَالِمٌ اِلَّا سَيُبْلٰى بِظَالِمٍ

یعنی ہر ہاتھ پر ہر طاقت پر اللہ کا ہاتھ ہے اور اللہ کی طاقت بالا ہے اور ہر ظالم دوسرے کے پنجے میں پھنسنے والا ہے۔

مطلب آیت کا ہے کہ جس طرح ہم نے ان نقصان یافتہ لوگوں کے دوست انکے بہکانے والے جنوں کو بنادیا اسی طرح ظالموں بعض کو بعض کا ولی بنادیتے ہیں، بعض بعض سے ہلاک ہوتے ہیں اور ہم انکے ظلم وسرکشی اور بغاوت کا بدلہ بعض کو بعض سے دلا دیتے ہیں

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ

اے جماعت جنات اور انسان کی کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے۔ جو تم سے میرے احکام بیان کیا کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے۔ وہ سب عرض کریں گے کہ ہم نے اپنے اوپر (جرم کا) اقرار کرتے ہیں اور ان کی دنیوی زندگانی نے بھول میں ڈال رکھا ہے اور یہ لوگ مقر ہوں گے کہ وہ کافر تھے۔ ○

دُنیاوی زندگی ایک دھوکہ ہے ☆

یہ اور سرزنش ہے جو قیامت کے دن خدا کی طرف سے انسانوں اور جنوں کو ہوگی۔ ان سے سوال ہوگا کہ کیا تم میں سے ہی تمہارے پاس میرے بھیجے ہوئے پیغمبر نہیں آئے تھے۔ یہ یاد رہے کہ رسول کل کے کل انسان ہی تھے۔ کوئی جن رسول نہیں ہوا۔ ائمہ سلف کا مذہب یہی ہے۔ جنات میں نیک لوگ اور جنوں کو نیکی کی تعلیم کرتے تھے۔ بدی سے روکتے تھے لیکن رسول صرف انسانوں میں آتے رہے۔ ضحاک بن مزاحم سے ایک روایت ہے کہ جنات میں بھی رسول ہوتے ہیں اور دلیل ان کی ایک تو یہ آیت ہے۔ سو یہ تو دلیل نہیں۔ اس لئے کہ ان میں صراحت نہیں اور یہ آیت تو بالکل ویسی ہے جیسے: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ ......﴾ (الرحمٰن:۱۹) سے ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ......﴾ (الرحمٰن:۲۲) تک کی آیتیں صاف ظاہر ہیں کہ موتی مرجان صرف کھاری پانی کے سمندروں میں سے نکلتے ہیں میٹھے پانی سے نہیں نکلتے۔ لیکن ان آیتوں میں دونوں قسم کے سمندروں میں سے موتیوں کا نکلنا پایا جاتا ہے۔ تو مراد یہی ہے کہ ان کی جنس میں سے اسی طرح اس آیت میں مراد جنوں انسانوں کی جنس میں سے ہے نہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں سے اور رسولوں کے صرف انسان ہی ہونے کی دلیل: ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ سے ﴿بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء:۱۶۳-۱۶۵) تک کی آیتیں اور: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (العنکبوت:۲۷) پس ثابت ہوتا ہے کہ خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا انحصار آپ ہی کی اولاد میں رہا اور ظاہر ہے کہ اس بات کا قائل ایک بھی نہیں کہ آپ سے پہلے نبی جن ہوتے تھے اور پھر ان میں نبوت چھین لی گئی اور اس آیت سے صاف ہے۔ فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ......﴾ (الفرقان:۲۰)

ل مذہب اگرچہ ابن کثیر صحیح بیان کررہے ہیں۔ یعنی جنات رسول نہیں ہوتے لیکن دلیل بالکل کمزور ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جن بھی انسانی شکل وصورت میں بازاروں میں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے آتے ہوں اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں۔

تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے' سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے اور آیت میں ہے' اور اس نے یہ مسئلہ بالکل صاف کر دیا ہے۔ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ (یوسف: ۱۰۹) یعنی تجھ سے پہلے ہم نے مردوں ہی کو بھیجا ہے جو شہروں کے ہی تھے۔ جن کی طرف ہم نے اپنی وحی نازل فرمائی تھی۔ جنات کا یہی قول اللہ کے کلام قرآن میں موجود ہے۔ ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ ......﴾ (الاحقاف: ۲۹) جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف بھیجا' جو قرآن سنتے رہے۔ جب سن چکے تو واپس اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں آگاہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل شدہ کتاب سنی جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور راہ حق دکھاتی ہے اور صراط مستقیم کی رہبری کرتی ہے۔ پس تم سب اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی مانو اور اس پر ایمان لاؤ تا کہ خدا تمہارے گناہوں کو بخشے اور تمہیں المناک عذابوں سے بچا لے۔ خدا کی طرف جو پکارنے والا ہے' اس کی نہ ماننے والے خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔ نہ اس کے سوا اپنا کوئی کارساز اور والی پا سکتے ہیں۔ بلکہ ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ اس موقعہ پر جنات کو رسول اللہ ﷺ نے سورہ الرحمٰن پڑھ کر سنائی تھی۔ جس میں ایک آیت: ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ......﴾ (الرحمٰن: ۳۱) ہے یعنی اے جنو' انسانو! ہم صرف تمہاری ہی طرف تمام تر توجہ کرنے کے لئے عنقریب فارغ ہوں گے۔ پھر تم اپنے ربّ کی کس نعمت کو جھٹلا رہے ہو؟ الغرض انسانوں اور جنوں کو اس آیت میں نبیوں کے ان میں سے بھیجنے میں بطور خطاب کے شامل کر لیا ہے۔ ورنہ رسول سب انسان ہی ہوتے ہیں۔ نبیوں کا کام یہی رہا کہ وہ خدا کی آیتیں سنائیں اور قیامت کے دن سے ڈرائیں۔ اس سوال کے جواب میں سب کہیں گے کہ ہاں ہمیں اقرار ہے۔ تیرے پیغمبر ہمارے پاس آئے اور تیرا کلام بھی پہنچایا' اس دن سے متنبہ کر دیا تھا پھر جناب باری فرماتا ہے۔ انہوں نے دنیا کی زندگی دھوکے میں گزاری۔ رسولوں کو جھٹلاتے رہے۔ معجزوں کی مخالفت کرتے رہے۔ دنیا کی آرائش پر ریجھ گئے۔ شہوت پرستی میں پڑے رہے۔ قیامت کے دن اپنی زبانوں سے اپنے کفر کا اقرار کریں گے کہ ہاں بے شک ہم نے نبیوں کی بات نہیں مانی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا ربّ کسی بستی والوں کو کفر کے سبب ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لئے درجے ملیں گے ان کے اعمال کے سبب اور آپ کا ربّ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ ○

محاسبۂ اعمال ضروری ہے ☆

جن اور انسانوں کی طرف رسول بھیج کر کتابیں نازل فرما کر ان کے عذر ختم کر دیئے۔ اس لئے کہ یہ عادت خدا نہیں کہ لوگوں کو اپنا منشا معلوم کرائے بغیر اپنے عذاب میں پکڑے اور بغیر اپنا پیغام پہنچائے بلاوجہ ظلم کے ساتھ ہلاک کرے۔ فرماتا ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ (فاطر: ۲۴) یعنی کوئی بستی ایسی نہیں' جہاں کوئی آگاہ کرنے والا نہ آیا ہو اور آیت میں ہے۔ ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا کہ اے لوگو! اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے بچو اور ہر جگہ ہے' ہم رسولوں کو بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں کیا

کرتے۔ سورۂ تبارک میں جب جہنم میں کوئی جماعت جائے گی تو وہاں کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس آگاہ کر
والے نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تھے اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ اس آیت کے پہلے جملے کا ایک معنی امام ابن جر
رحمتہ اللہ علیہ نے اور بھی بیان کیا ہے اور فی الواقع وہ معنی بہت درست ہے۔ امام صاحب نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ یعنی یہ کہ کسی بس
والوں کے ظلم اور گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اسی وقت ہلاک نہیں کرتا۔ جب تک نبیوں کو بھیج کر انہیں غفلت سے بیدار نہ کر دے
ہر عامل اپنے عمل کے بدلے کا مستحق ہے' نیک نیکی کا' بد بدی کا' خواہ انسان ہو خواہ جن ہو۔ بدکاروں کے جہنم میں درجے ان کی بدکاری
مطابق مقرر ہیں۔ جو لوگ خود بھی کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو راہ خدا سے روکتے ہیں' انہیں عذاب ہوں گے اور ان کے فساد کا بدلہ ملے
ہر عامل کا عمل اللہ پر روشن ہے۔ تاکہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کا بدلہ مل جائے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿۱۳۳﴾ إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۳۵﴾

اور آپ کا رب بالکل غنی ہے۔ رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کرے۔
جیسا کہ تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ بے شک آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر
سکتے۔ آپ فرما دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ
اس عالم کا انجام کار کس کے لئے نافع ہوگا۔ یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی فلاح نہ ہوگی۔ ○

وہ ہر چیز پر قادر ہے ☆

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے' اسے کسی کی ضرورت نہیں' اسے کسی سے کوئی فائدہ نہیں' وہ کسی کا محتاج نہیں اور مخلوق ہر ح
میں اس کی محتاج ہے۔ وہ بڑی ہی رافت و رحمت والا ہے۔ رحم و کرم اس کی مخصوص صفتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ
الرَّحِيمٌ﴾ (الحج: ۶۵) خدا اپنے بندوں کے ساتھ لطف اور مہربانی سے پیش آنے والا ہے۔ تم جو اس کی مخالفت کر رہے ہو تو یاد رکھو ک
چاہے تو تمہیں ایک آن میں غارت کر سکتا ہے اور تمہارے بعد ایسے لوگوں کو بسا سکتا ہے جو اس کی اطاعت کریں۔ اس کی قدرت تلے
دیکھ لو اس نے اور کے اس کے قائم مقام تمہیں بھی کیا ہے۔ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن وہی لاتا ہے۔ ایک کو مار ڈالتا ہے۔ دوسرے کو
کرتا ہے۔ لانے' لے جانے پر اسے پوری قدرت حاصل ہے۔ جیسے فرمان ہے اگر وہ چاہے تو اے لوگو تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو
آئے وہ اس پر قادر ہے۔ فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ﴾ (فاطر: ۱۵) لوگو تم سب کے سب محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے
اور تعریفوں والا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے۔ اللہ کے لئے کوئی مشکل بات نہیں اور ارشاد ہے: ﴿
الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ﴾ (محمد: ۳۸) اللہ غنی ہے تم سب فقیر ہو۔ فرماتا ہے اگر تم نے اعراض کیا تو وہ تمہیں ہٹا کر اور قوم لائے گا۔ جو تم جیسے

ہوں گے۔ ذریت سے مراد اصل ونسل ہے۔ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت' جنت' دوزخ وغیرہ کے جو وعدے تم سے کئے جا رہے ہیں' وہ یقیناً سچے ہیں اور یہ سب کچھ ہونے والا ہے۔ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ تمہارے اعادہ پر قادر ہے۔ تم گل سڑ کر مٹی ہو جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں نئی پیدائش میں پیدا کرے گا اس پر کوئی عمل مشکل نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' اے بنی آدم اگر تم میں عقل ہے تو اپنے کو مردوں میں شمار کرو۔ واللہ' خدا کی فرمائی ہوئی سب باتیں یہ یقیناً ہونے والی ہیں۔ کوئی نہیں جو خدا کے ارادے میں اسے پست کرے۔ اس کی مشیت کو نہ ہونے دے۔ لوگو! تم جو کرنا چاہو کرو۔ میں اپنے طریقے پر قائم ہوں۔ ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا کہ ہدایت پر کون تھا اور ضلالت پر کون تھا؟ کون نیک انجام ہوتا ہے اور کون گھٹنوں میں سر ڈال کر روتا ہے۔ جیسے فرمایا' بے ایمانوں سے کہہ دو کہ تم اپنے شغل میں رہو' میں بھی اپنے کام میں لگا ہوں۔ تم منتظر رہو ہم بھی انتظار میں ہیں۔ معلوم ہو جائے گا کہ انجام کے لحاظ سے کون اچھا رہا یاد رکھو خدا تعالیٰ نے جو وعدے اپنے رسول ﷺ سے کئے ہیں' سب یقینی ہیں۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ نبی ﷺ جس کا سارا جہان مخالف تھا۔ جس کا نام لینا دوبھر تھا' جو یکہ وتنہا تھا' جو وطن سے نکال دیا گیا تھا' جس کی دشمنی ہر ایک کرتا تھا۔ خدا نے اسے غلبہ دیا۔ لاکھوں دلوں پر اس کی حکومت ہوگئی۔ اس کی زندگی میں ہی تمام جزیرۂ عرب کا وہ تنہا مالک بن گیا اور بحرین پر بھی اس کے سامنے اس کا جھنڈا لہرانے لگا۔ پھر اس کے جانشینوں نے دنیا کو کنگھال ڈالا۔ بڑی بڑی سلطنتوں کو ختم کر دیا۔ جہاں گئے غلبہ پایا۔ جدھر رخ کیا' فتح حاصل کی۔ یہی وعدۂ خدا تھا کہ میں اور میرے رسول ﷺ غالب آئیں گے۔ مجھ سے زیادہ قوت وعزت کسی کی نہیں۔ فرمادیا تھا کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد فرمائیں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ...... رسولوں کی طرف اس نے وحی بھیجی تھی کہ ظالموں کو تہ وبالا کر دیں گے اور ان کے بعد زمینوں کے سرتاج تمہیں بنادیں گے کیونکہ تم مجھ سے اور میرے ارشاد سے ڈرنے والے ہو۔ وہ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ تم میں سے ایمانداروں اور نیک کاروں کو میں زمین کا سرتاج بنادوں گا۔ جیسا کہ پہلے یہ دستور چلا آیا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے دین میں مضبوطی اور کشائش دے گا جس دین سے وہ خوش ہے' اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا کہ وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں ...... الحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔ فللّٰہ الحمد و المنته اولاً و آخرًا و ظاهرًا و باطنًا

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور (بزعم خود) کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔ پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے۔ انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے۔ ○

کیا یہ انصاف ہے؟

مشرکین کی ایک تو ایجاد بدعت جو کفر وشرک کا ایک طریقہ تھی' بیان ہو رہی ہے کہ سب چیزیں پیدا کی ہوئی تو ہماری ہیں۔ پھر یہ اس میں سے کچھ حصہ تو ہمارے نام کا ٹھہراتے ہیں' اور کچھ حصہ اپنے گھڑے ہوئے معبودوں کا' جنہیں وہ ہمارا شریک بنائے ہوئے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی کرتے تھے کہ خدا کے نام کا ٹھہرایا ہوا بتوں کے نام والے سے مل گیا' تو وہ بتوں کا ہو گیا لیکن اگر بتوں کے لئے ٹھہرائے ہوئے میں سے کچھ خدا کے نام والے میں مل گیا تو جھٹ سے نکال لیتے ہیں[1]۔ کوئی ذبیحہ اگر اللہ کے نام کا کریں بھی تو اس پر اپنے معبود باطل کا نام لیتے ہیں اور اگر کوئی ذبیحہ اپنے معبودوں کے نام کا کریں تو بھول کر بھی اس پر نام خدا نہیں لیتے۔ یہ کیسی بری تقسیم کرتے ہیں۔ اوّلاً تو یہ تقسیم ہی حماقت کی علامت ہے کہ سب چیزیں خدا کی پیدا کی ہوئی' اسی کی ملکیت کی۔ پھر ان میں سے دوسرے کے نام کی کسی چیز کا کرنے والا کون؟ جو خدا لاشریک ہے' اس کے شریک ٹھہرانے کا انہیں کیا منصب؟ پھر اس ظلم کو دیکھو کہ خدا کے حصے میں سے بتوں کو تو پہنچ جائے اور بتوں کے حصہ میں سے خدا کو نہ پہنچ سکے۔ یہ کیسے بدترین اصول ہیں۔ ایسی ہی غلطی یہ بھی تھی کہ خدا کے لئے لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے۔ اس کے بندوں کو اس کا جز ٹھہرا کر اپنے اوپر کفر اوڑھتے تھے۔ اتنا نہیں سوچتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکے تو تمہارے ہوں اور جن لڑکیوں سے تم جلو وہ خدا کی ہوں۔ کیسی بری تقسیم ہے۔

وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تا کہ وہ ان کو برباد کریں اور تا کہ ان کے طریقہ کو مخبوط کر دیں اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یوں ہی رہنے دیجئے۔

قتلِ اولاد شیطانی وسوسہ تھا☆

جیسے شیطانوں نے انہیں راہ پر لگا دیا ہے کہ وہ خدا کے لئے خیرات کریں تو اپنے بزرگوں کے نام کا بھی حصہ نکالیں۔ اسی طرح انہیں شیطان نے اس راہ پر لگا رکھا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بے وجہ قتل کریں۔ کوئی اس وجہ سے کہ ہم اسے کھلائیں گے کہاں سے؟ کوئی اس وجہ سے کہ ان بیٹیوں کی بنا پر ہم کسی کے خسر بنیں گے وغیرہ۔ اس شیطانی حرکت کا نتیجہ ہلاکت اور دین کی اُلجھن ہے۔ یہاں تک کہ یہ بدترین طریقہ ان میں پھیل گیا تھا کہ لڑکی کے ہونے کی خبر ان کے چہرے سیاہ کر دیتی تھی۔ ان کے منہ سے یہ نہ نکلتا تھا کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی۔ قرآن نے فرمایا کہ ان بے گناہ وزندہ درگور کی ہوئی بچیوں سے قیامت کے دن سوال ہو گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کر دی گئیں۔ پس یہ سب وسوسے شیطانی تھے لیکن یہ یاد رہے کہ رب کا ارادہ اور اختیار اس سے الگ نہ تھا۔ اگر وہ نہ چاہتا تو مشرک ایسا نہ کر سکتے۔ لیکن اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ اس سے کوئی باز پرس کر سکتا اور اس کی باز پرس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ پس اے نبی ﷺ! تم ان سے اور ان کی اس افترا پردازی سے یکسوئی کر لو۔ خدا خود ان سے نمٹ لے گا۔

[1] مشرکین جب فصل وغیرہ کاٹ کر غلہ جمع کرتے تو ایک حصہ تو خدا کا لگاتے اور ایک بتوں کا۔ اگر حصہ لگاتے ہوئے خدا کے حصہ میں سے کچھ بتوں کے حصہ میں گر جاتا تو اس کو فوراً نکال لیتے۔ لیکن اگر بتوں کے حصہ میں خدا کا کچھ حصہ گرتا تو اس کو رہنے دیتے اور کہتے کہ خدا کو کیا ضرورت ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ اپنی ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور وہ اپنے خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مویشی ہیں اور کھیت ہیں، جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا، سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور مویشی میں جن پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی ہے اور مواشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دیئے دیتا ہے۔ ○

من مانی کارروائیاں ☆

حجر کے معنی حرام کے ہیں۔ یہ طریقے شیطانی تھے۔ کوئی خدا کا راستہ نہ تھا۔ اپنے معبودوں کے نام یہ چیزیں کر دیتے تھے۔ پھر جسے چاہتے کھلاتے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ ......﴾ (یونس: ۵۹) یعنی بتلاؤ تو یہ خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے تم جو اپنے طور پر حلال و حرام مقرر کر لیتے ہو۔ اس کا حکم تمہیں خدا نے دیا ہے یا تم نے خود ہی خدا پر تراش لیا ہے۔ دوسری آیت میں صاف فرما دیا: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ﴾ (المائدہ: ۱۰۳) یعنی یہ کافروں کی نادانی ہے اور افترا اور جھوٹ ہے۔ بحیرہ، سائبہ اور حام نام رکھ کر ان جانوروں کو اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے پھر ان سے سواری نہیں لیتے تھے۔ جب ان کے بچے ہوتے تھے تو ان کو ذبح کرتے تھے۔ حج کے لئے بھی ان جانوروں پر سواری کرنا حرام جانتے تھے۔ نہ کسی کام میں ان کو لگاتے تھے۔ نہ ان کا دودھ نکالتے تھے۔ پھر ان کاموں کو شرعی کام قرار دیتے تھے اور خدا کا فرمان جانتے تھے۔ اللہ انہیں ان کے کرتوت کا اور بہتان بازی کا بدلہ دے گا۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیز ان مواشی کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہے تو اس میں سب برابر ہیں ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیئے دیتا ہے بلاشبہ وہ حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ ○

یہ بھی غلط ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ جن چوپایوں کو وہ اپنے معبودانِ باطل کے نام چھوڑ دیتے تھے، ان کا دودھ صرف مرد پیتے تھے۔ جب ان کے بچہ ہوتا تو صرف مرد ہی کھاتے۔ اگر مادہ ہوتا تو اسے ذبح ہی نہ کرتے اور اگر پیٹ ہی سے مردہ نکلتا تو مرد و عورت سب ہی کھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فعل سے بھی روکا۔ شعبی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بحیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے اور اگر

وہ مرجاتا تو گوشت مرد عورت سب کھاتے۔ ان کی ان جھوٹی باتوں کا بدلہ خدا انہیں دے گا کیونکہ یہ سب ان کا جھوٹ افترا خدا پر باندھا تھا۔ فلاح ونجات اسی لئے ان سے دور کر دی گئی تھی۔ یہ اپنی مرضی سے کسی کو حلال کسی کو حرام کر لیتے ہیں کہ خدا کے حکم ہے پھر اسے منسو خدا کی طرف کر دیتے ہیں۔ اللہ جیسے حکیم کا کوئی قول کوئی فعل کوئی شرع کوئی تقدیر بے حکمت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے بندوں کے خیر وشر کو خو جاننے والا ہے اور انہیں بدلہ دینے والا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤٠﴾

واقعی وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو چیزیں اللہ نے ان کو کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کے طور پر۔ بیشک گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے۔ ○

قتل اولاد بڑا ظلم تھا ☆

اولاد کے قاتل خدا کے حلال کو حرام کرنے والے دونوں جہاں کی بربادی اپنے اوپر لینے والے ہیں۔ دنیا کا گھاٹا تو ظاہر ہے ان کے یہ دونوں کام خود ان ہی کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ بے اولاد یہ ہو جائیں گے۔ مال کا ایک حصہ ان کا تباہ ہو جائے گا۔ آخرت کا نقصان سو چونکہ یہ مفتری ہیں کذاب ہیں۔ وہاں کی بدترین جگہ انہیں ملے گی۔ عتابوں کے سزاوار یہ ہوں گے۔ جیسے فرمان کہ خدا پر جھوٹ پر باندھنے والے نجات سے محروم کامیابی سے دور ہیں۔ یہ دنیا میں گو کچھ یونہی سا فائدہ اٹھالیں لیکن آخر تو ہمارے میں آئیں گے۔ پھر تو ہم انہیں سخت تر عذاب چکھائیں گے کیونکہ یہ کافر تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر تو اسلام سے پہلے عربوں کی بدخصلتی معلوم کرنا چاہے تو سورہ انعام کی اکتیس آیت کے اوپر: ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ ......﴾ والی آیت پڑھ۔

(صحیح بخاری' کتاب مناقب قریش)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٤٢﴾

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے ہیں۔ وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی اور جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے ہیں۔ ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو اور حد سے مت گزرو۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ○

قدرت کے بعض مظاہر☆

خالق کل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کھیتیاں' پھل' چوپائے سب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں کافروں کو کوئی حق نہیں کہ حرام حلال کی تقسیم ازخود کریں۔ درخت تو بیل والے ہیں۔ جیسے انگور وغیرہ کہ وہ محفوظ ہوتے ہیں۔ بعض کھڑے درخت ہوتے ہیں جو جنگلوں اور پہاڑوں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے پھلوں کے ذائقے کے لحاظ الگ الگ۔ انگور' کھجور' یہ درخت تمہیں دیئے ہیں کہ تم کھاؤ' مزہ اُٹھاؤ' لطف پاؤ' اس کا حق اس کے کٹنے اور ناپ تول ہونے کے وقت ہی دو۔ یعنی فرض زکوٰۃ جو اس میں مقرر ہو وہ ادا کرو۔ پہلے لوگ کچھ نہیں دیتے تھے۔ شریعت نے دسواں حصہ مقرر کیا اور ویسے بھی مسکینوں اور بھوکوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ چنانچہ مسند احمد میں حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حکم صادر فرمایا تھا کہ جس کی دس وسق سے زیادہ کھجوریں ہوں وہ چند خوشے مسجد میں لاکر لٹکا دیا کرے تاکہ مسکین کھالیا کریں۔ یہ مراد ہے کہ زکوٰۃ کے سوا اور کچھ سلوک بھی اپنی کھیتیوں باڑیوں اور باغات کے پھلوں سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ کرتے رہو۔ مثلاً پھل توڑنے اور کھیت کاٹنے کے وقت عموماً مفلس لوگ پہنچ جایا کرتے ہیں انہیں کچھ دے دیا کرو۔ بالیں پک گئی ہوں' پھل گدرا گئے ہوں اور کوئی محتاج شخص نکل آئے تو خاطر تواضع کرو۔ جس روز کاٹو کچھ چھوڑ دو تاکہ مسکینوں کے کام آئے۔ ان کے جانوروں کا چارہ ہو۔ زکوٰۃ سے پہلے بھی حقداروں کو کچھ دیتے رہا کرو۔ پہلے تو یہ بطور وجوب تھا۔ لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد بطور نفل رہ گیا۔ زکوٰۃ میں عشر یا نصف مقرر کردی گئی لیکن اس سے فسخ نہ سمجھا جائے۔ پہلے کچھ دینا تھا' پھر مقدار مقرر کردی گئی۔ زکوٰۃ کی مقدار ۲ ہجری میں مقرر ہوئی۔ واللہ اعلم

کھیتی کاٹتے وقت اور پھل اتارتے وقت صدقہ نہ دینے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان فرمائی ہے۔ سورۂ نٓ میں ان کا قصہ بیان فرمادیا کہ ان باغ والوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی آج اس کے پھل ہم اتاریں گے۔ اس پر انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ یہ ابھی رات کو بے خبری کی نیند ہی میں تھے۔ جو وہاں آفت ناگہانی آ گئی اور سارا باغ ایسا ہوگیا کہ گویا پھل توڑ لیا گیا ہے بلکہ جلا کر خاکستر کردیا گیا ہے۔ یہ صبح کو اٹھ کر ایک دوسرے کو جگا کر چپ چاپ چلے کہ ایسا نہ ہو' حسب عادت فقیر مسکین جمع ہو جائیں اور کچھ دینا پڑے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ ابھی پھل توڑ لائیں گے' بڑے اہتمام کے ساتھ صبح سویرے ہی وہاں پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ سارا باغ تو دہ خاک بنا ہوا ہے۔ اولاً تو کہنے لگے بھئی ہم راستہ بھول گئے' کسی اور جگہ آ گئے۔ ہمارا باغ تو شام تک لہلہارہا تھا۔ پھر کہنے لگے نہیں باغ تو یہی ہے ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ہم محروم ہو گئے۔ اس وقت ان میں جو باخبر شخص تھا' کہنے لگا دیکھو میں تم سے نہ کہتا تھا کہ خدا کا شکر کرو۔ اس کی پاکیزگی بیان کرو۔ اب تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے یقیناً ہم نے ظلم کیا۔ پھر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہ ہائے ہماری بدبختی کہ ہم سرکش اور حد سے گزر جانے والے بن گئے تھے۔ ہمیں اب بھی خدا سے اُمید ہے کہ وہ ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ ہم اب صرف اپنے ربّ کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ ناشکری کرنے اور تنہا خوری پسند کرنے والوں پر اسی طرح ہمارے عذاب آیا کرتے

ہیں اور بھی آخرت کے بڑے عذاب باقی ہیں لیکن یہ سمجھ بوجھ اور علم و عقل سے کام نہیں لیتے۔

یہاں اس آیت میں صدقہ دینے کا حکم فرما کر آخر میں فرمایا کہ فضول خرچی سے بچو۔ فضول خرچ خدا کا دوست نہیں۔ دستور سے زیادہ نہ لٹاؤ۔ فخر و ریا کے طور پر اپنا مال برباد نہ کرو۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے اپنے کھجوروں کے باغ سے کھجوریں اتاریں اور عہد کر لیا کہ آج جو سوال کرے گا' میں اسے دوں گا لوگ ٹوٹ پڑے۔ شام کو ان کے پاس ایک کھجور بھی نہ رہی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ہر چیز میں اسراف منع ہے۔ خدا کے حکم سے تجاوز کر جانے کا نام اسراف ہے۔ خواہ وہ کسی بارے میں۔ اپنا سارا ہی مال لٹا کر فقیر ہو کر دوسروں پر اپنا بار ڈال دینا بھی اسراف ہے اور منع ہے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ صدقہ نہ روکو جس سے خدا کے نافرمان بن جاؤ۔ یہ بھی اسراف ہے۔ گو یہ مطلب اس آیت کے ہیں' لیکن ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کھانے کا ذکر ہے تو اسراف اپنے کھانے پینے میں کرنے کی یہاں ممانعت ہے کیونکہ اس سے عقل میں اور بدن میں ضرر پہنچتا ہے۔ قرآن کی اور روایت میں ہے: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ (الاعراف: ۳۱) کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ صحیح بخاری میں ہے' کھاؤ پیو' پہنو اوڑھو لیکن اسراف اور تکبر سے بچو۔ واللہ اعلم۔ اسی خدا نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں۔ ان میں سے بعض تو بوجھ ڈھونے والے ہیں۔ جیسے اونٹ خچر' گھوڑے گدھے وغیرہ اور بعض پستہ قد ہیں جیسے بکری وغیرہ۔ انہیں فرش اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ قد و قامت میں پست ہوتے ہیں۔ زمین سے ملے رہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حَمُولہ سے مراد سواری کے جانور اور فرشا سے مراد جن کا دودھ پیا جاتا ہے اور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے جو سواری کے قابل نہیں۔ ان کے بالوں سے لحاف اور فرش تیار ہوتے ہیں۔ یہ قول حضرت سُدی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے اور بہت مناسب ہے۔ خود قرآن فرماتا ہے۔ سورہ یٰسین میں موجود ہے کہ کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی؟ کہ ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں۔ جو ہمارے ہی پیدا کئے ہوئے ہیں اور اب یہ ان کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ ہم نے ہی تو ان کے بس میں کر دیا ہے کہ بعض پر یہ سواریاں لے رہے ہیں اور بعض کو یہ کھانے کے کام میں لاتے ہیں۔

اور آیت میں ہے: ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ......﴾ (النحل: ۶) مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں ان چوپایوں کا دودھ پلاتے ہیں اور ان کے بال' اون وغیرہ سے تمہارے اوڑھنے بچھانے اور طرح طرح کے فائدے اٹھانے کی چیزیں بناتے ہیں اور جگہ ہے' اللہ وہ ہے جس نے چوپائے جانور پیدا کئے۔ تاکہ تم ان پر سواریاں لو۔ انہیں کھاؤ اور بھی فائدے اٹھاؤ۔ ان پر اپنے سفر طے کر کے اپنے کام پورے کرو۔ اسی نے تمہاری سواری کے لئے کشتیاں بنا دیں۔ وہ تمہیں اپنی بے شمار نشانیاں دکھا رہا ہے۔ بتاؤ تو کس کس نشانی کا انکار کرو گے؟ پھر فرماتا ہے کہ خدا کی روزی کھاؤ' پھل اناج گوشت وغیرہ' شیطانی راہ نہ چلو۔ اس کی تابعداری نہ کرو۔ جیسے مشرکوں نے خدا کی چیزوں میں از خود حلال کی تقسیم کر دی ہے۔ تم یہ کر کے شیطان کے ساتھی نہ بنو۔ وہ تمہارا دشمن ہے اسے دوست نہ سمجھو۔ وہ تو اپنے ساتھ تمہیں بھی خدا تعالیٰ کے عذاب میں پھنسانا چاہتا ہے۔ دیکھو کہیں اس کے پھنسانے میں نہ آ جانا۔ اسی نے تمہارے باپ آدم کو جنت سے نکلوایا۔ اس دشمن کو بھولے بھی اپنا دوست نہ سمجھو۔ اس کی ذریت سے اور اس کے پیروؤں سے بھی بچو۔ یاد رکھو ظالموں کو بڑا برا بدلہ ملے گا اور بھی آیتیں اس مضمون کی کلام اللہ شریف میں بہت ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع

آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم آپ کہئے کہ کیا آ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادوں کو یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر تم سچے ہو اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم آپ کہئے کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا یا دونوں مادہ کو یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔ کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر بلا دلیل جھوٹ تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہ دکھلائیں گے۔ ○

جاہلیت کے بعض رسوم و رواج ☆

اسلام سے پہلے عربوں کی حالت بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے چوپائے جانوروں کی تقسیم کر کے اپنے طور پر بہت سے حلال بنائے تھے اور بہت سے حرام کر لئے تھے۔ جیسے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ۔ اسی طرح کھیت اور باغات بھی تقسیم کر دی تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے۔ کھیت ہوں' باغات ہوں' چوپائے ہوں' پھر ان چوپاؤں کی قسمیں بیان فرمائیں۔ بھیڑ بھیڑا' بکری بکرا' اونٹ اونٹنی' گائے بیل' اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں تمہارے کھانے پینے کو' سواریاں لینے کو اور دوسرے قسم کے فائدوں کو پیدا کی ہیں۔

جیسے فرمان ہے: ﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ (الزمر:۶) اس لئے تمہارے لئے آٹھ قسم کے مویشی پیدا کئے ہیں۔ بچوں کا ذکر اس لئے کیا کہ انہیں بھی کبھی وہ مردوں کے لئے مخصوص کر کے عورتوں پر حرام قرار دیتے تھے۔ پھر ان ہی سے سوال ہوتا ہے کہ آخر اس حرمت کی کوئی دلیل کوئی کیفیت کوئی وجہ تو پیش کرو۔ چار قسم کے جانور اور مادہ اور نر ملا کر آٹھ قسم کے ہو گئے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ کیا تم اپنی دیکھی سنی کہہ رہے ہو؟ اس فرمان خدا کے وقت تم موجود تھے کیوں جھوٹ بول کر افترا پردازی کر کے بے علمی کے ساتھ باتیں بنا کر خدا کی مخلوق کی گمراہی کا بوجھ اپنی اوپر لاد کر سب سے بڑھ کر ظالم بن رہے ہو؟ اگر یہی حال رہا تو دستور خداوندی کے ماتحت ہدایت خدا سے محروم ہو جاؤ گے۔ سب سے پہلے یہ پلید رسم عمرو بن لحی بن قمعر خبیث نے نکالی تھی۔ اسی نے انبیاء کے دین کو اول اول بدلا اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا یہ کہ وہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔ ○

شریعت کی روشنی ☆

اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے بندے اور نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان کافروں سے جو اللہ کے حلال کو اپنی طرف سے حرام کرتے ہیں فرما دیں جو وحی خدا میرے پاس آئی ہے اس میں حرام صرف ان چیزوں کو کیا گیا ہے جو میں تمہیں سناتا ہوں۔ اس میں وہ چیزیں حرمت والی نہیں جن کی حرمت کا رواج تم دے رہے ہو۔ کسی کھانے والے پر حیوانوں میں سے سوا ان جانوروں کے جو بیان ہوئے ہیں اور حرام نہیں۔ پس اس آیت کے مفہوم کو رفع کرنے والی اس کے بعد کی سورہ مائدہ کی آیتیں اور دوسری حدیثیں جن میں حرمت کا بیان ہے وہ ہوں گی۔ بعض اسے نسخ بھی کہتے ہیں اور اکثر متاخرین اسے نسخ نہیں کہتے کیونکہ اس میں تو اصلی مباح کو اٹھا دینا ہے۔ واللہ اعلم۔

خون وہ حرام ہے جو بوقت ذبح بہ جاتا ہے۔ رگوں میں اور گوشت میں جو خون مخلوط ہو وہ حرام نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گدھوں اور درندوں کا گوشت اور ہنڈیا کے اوپر جو خون کی طرح تیر جائے اس کا کوئی حرج نہیں جانتی تھیں۔ عمرو بن دینار نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر پالتو گدھوں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ حکم بن عمرو تو رسول اللہ ﷺ سے یہی روایت کرتے ہیں لیکن یہ سمندر یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ ......﴾ تلاوت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ اہل جاہلیت بعض چیزیں کھاتے تھے بعض کو بوجہ طبعی کراہیت کے چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا' اپنی کتاب اتاری' حلال حرام کی تفصیل کر دی۔ پس جسے حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جسے حرام کر دیا وہ حرام ہے اور جس سے خاموش رہے وہ معاف ہے۔

پھر آپ نے اسی آیت: ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ ......﴾ کی تلاوت کی۔ حضرت معین بن زمعہ کی بکری مر گئی جب حضور ﷺ سے ذکر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتاری؟ انہوں نے کہا کیا مردہ بکری کی کھال اتار لینی جائز ہے؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرما کر فرمایا کہ اس کا صرف کھانا حرام ہے لیکن تم اسے دباغت دے کر نفع حاصل کر سکتے ہو۔ چنانچہ انہوں نے آدمی بھیج کر کھال اتر والی اور اس کی مشک بنوالی۔ جو ان کے پاس مدتوں رہی اور کام آیا کی (بخاری وغیرہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قنفذ (یعنی خارپشت جسے اردو میں ساہی سیہہ بھی کہتے ہیں) کے کھانے کی نسبت سوال ہوا تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اس پر ایک بزرگ نے فرمایا میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا' وہ خبیثوں میں سے ایک خبیث ہے۔ اسے سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا' اگر حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو یقیناً وہ ویسی ہے جیسے آپ نے فرمایا (ابوداؤد وغیرہ) پھر فرمایا جو شخص ان پر حرام چیزوں پر مضطر ہو جائے لیکن وہ باغی اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اسے اس کا کھالینا جائز ہے۔ خدا اسے بخش دے گا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔ اس کی کامل تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں تو مشرکوں کے اس فعل کی تردید منظور ہے۔ جو انہوں نے خدا کے حلال کو حرام کر دیا تھا۔ تو بتلا دیا گیا کہ یہ چیزیں تم پر حرام ہیں' اس کے ماسوا حرام نہیں۔ اگر خدا کی طرف سے وہ بھی ہوتیں تو اس کا ذکر بھی آ جاتا۔ پھر تم اپنی طرف سے حلال حرام کیوں کرتے ہو؟ اس بنا پر پھر اور چیزوں کی حرمت باقی نہیں رہتی۔ جیسے گھروں کے پالتو گدھوں کی ممانعت اور درندوں کے گوشت کی اور جنگل والے پرندوں کی جیسے کہ علما کا مشہور مذہب ہے (یہ یاد رہے کہ ان کی حرمت قطعی ہے کیونکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور قرآن نے حدیث کا ماننا بھی فرض کیا ہے)۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾

اور یہود پر ہم نے ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔ ○

یہود پر بعض چیزیں حرام کی گئی تھیں ☆

ناخن دار جانور چوپایوں اور پرندوں میں سے وہ ہیں جن کی انگلیاں کھلی ہوئی ہیں۔ جیسے اونٹ' شتر مرغ' بطخ وغیرہ۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جو کھلی انگلیوں والا نہ ہو۔ ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ ہر ایک جدا انگلیوں والا اور انہی میں سے مرفوع ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے جیسے اونٹ' شتر مرغ اور بہت سے پرند اور مچھلیاں اور بطخ اور اس جیسے جانور جن کی انگلیاں الگ الگ نہیں۔ ان کا کھانا یہودیوں پر حرام تھا۔ اسی طرح گائے بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی۔ یہود کا مقولہ تھا کہ اسرائیل نے یہ حرام کر لی تھی۔ اس لئے ہم بھی اسے حرام کہتے ہیں۔ ہاں جو چربی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی ہو اور انتڑیوں کے ساتھ اور اوجھڑی کے ساتھ اور ہڈی کی ساتھ ہو۔ وہ ان پر حلال تھی۔ یہ بھی ان کے ظلم اور تکبر اور سرکشی کا بدلہ تھا اور ہماری نافرمانی کا انجام' جیسے فرمان ہے: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا﴾ (النساء ۱۶۰) یہودیوں کے ظلم و ستم اور راہ خدا کی روک کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں بھی بعض بعض حرام کر دی تھیں اور اس جزا میں ہم عادل ہی تھے اور جیسی خبر ہم نے تجھے اے نبی دی ہے وہی سچ ہے اور حق ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا تھا حضرت اسرائیل نے اسے حرام کیا تھا۔ اس لئے ہم بھی اسے حرام کرتے ہیں۔

احکام میں تصرف خفیف بھی موجب عذاب الٰہی ہے ☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ سمرہ نے شراب فروشی

[1] مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت محض لذت و ذائقہ کے لئے کھانے کا ارادہ نہ کرے۔ یہ تو ہے باغی کی تفسیر اور ضرورت پر ضرورت سے زیادہ نہ کھائے (کہ یہ حد سے تجاوز ہوگا)۔

کی ہے تو آپ نے فرمایا اللہ اسے غارت کرے کیا یہ نہیں جانتا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی کہ ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر پھر بیچ دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے فتح مکہ والے سال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے شراب کی، مردار کی، سؤر کی اور بتوں کی خرید و فروخت حرام بتلائی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ مردار کی چربیوں کے بارے میں فرمایئے۔ اس سے چمڑے رنگے جاتے ہیں اور کشتیوں پر چڑھایا جاتا ہے اور چراغ میں جلایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ بھی حرام ہے پھر اس کے ساتھ ہی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے۔ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر کر اس کی قیمت کھائی (بخاری و مسلم) ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور تین مرتبہ یہودیوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا اللہ نے ان پر چربی حرام کی۔ تو انہوں نے اسے بیچ کر اس کی قیمت کھالی۔ اللہ تعالیٰ جن پر جو چیز حرام کرتا ہے ان پر اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ مسجد حرام میں حطیم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے اور یہی فرمایا۔ (ابوداؤد، ابن مردویہ، مسند احمد)

حضرت اسامہ بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے زمانہ میں آپ ﷺ کی عیادت کے لئے گئے۔ اس وقت آپ ﷺ عدن کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ آپ نے چہرہ سے چادر اُٹھا کر فرمایا اللہ یہودیوں پر لعنت کرے کہ بکریوں کی چربی کو حرام مانتے ہوئے اس کی قیمت کھاتے ہیں۔ ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

پھر اگر یہ آپ کو کاذب کہیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا۔ O

مجرمین کیفر کردار تک پہنچیں گے ☆

اب بھی اگر تیرے مخالف یہودی اور مشرک وغیرہ تجھے جھوٹا بتلائیں تو بھی تو انہیں میری رحمت سے مایوس نہ کر بلکہ انہیں رحمت رب کی وسعت یاد دلا۔ تاکہ انہیں خدا کی رضا جوئی کی تبلیغ ہو جائے۔ ساتھ ہی انہیں خدا کے اٹل عذابوں سے بچنے کی طرف بھی متوجہ کر پس رغبت، رہبت، اُمید، ڈر دونوں ہی ایک ساتھ سنا دے۔ قرآن کریم میں اُمید کے ساتھ خوف اکثر بیان ہوتا ہے۔ اس صورت کے آخر میں فرمایا تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور غفور رحیم بھی ہے اور آیت میں ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ......﴾ (الرعد: ٦) تیرا رب لوگوں کے گناہوں پر انہیں بخشنے والا ہے اور وہ سخت تر عذاب کرنے والا بھی ہے اور آیت میں ارشاد ہے میرے بندوں کو میرے غفور رحیم ہونے کی اور میرے عذاب کے بڑے ہی دردناک ہونے کی خبر پہنچا دے اور جگہ ہے وہ گناہوں کے بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے اور آیتوں میں ہے۔ تیرے رب کی پکڑ بڑی بھاری اور نہایت سخت ہے۔ وہی ابتدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ لوٹائے گا۔ وہ غفور ہے ودود ہے۔ بخشش کرنے والا ہے۔ مہربان اور محبت کرنے والا ہے اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

مِنۡ شَیۡءٍؕ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ حَتّٰی ذَاقُوۡا بَاۡسَنَاؕ قُلۡ ہَلۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡہُ لَنَاؕ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلۡ فَلِلّٰہِ الۡحُجَّۃُ الۡبَالِغَۃُ ۚ فَلَوۡ شَآءَ لَہَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلۡ ہَلُمَّ شُہَدَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ یَشۡہَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ ہٰذَا ۚ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَلَا تَشۡہَدۡ مَعَہُمۡ ۚ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ وَ ہُمۡ بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸/۵

یہ مشرکین یوں کہنے کو ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھا۔ آپ کہئے کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔ تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم محض اٹکل سے باتیں بناتے ہو آپ کہئے کہ پوری حجت بس اللہ ہی کی رہی۔ پھر وہ اگر چاہتا تو سب کو راہ پر لے آتا۔ آپ کہئے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو آپ اس شہادت کی سماعت نہ فرمائیے اور ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت کرنا جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے ربّ کے برابر دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ O

یہ دلیل لغو ہے ☆

مشرک لوگ دلیل پیش کیا کرتے تھے کہ ہمارے شرک کا' حلال کو حرام کرنے کا حال تو اللہ کو معلوم ہی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اگر چاہے تو اس کے بدلنے پر بھی قادر ہیں۔ اس طرح کہ ہمارے دل میں ایمان ڈال دے یا کفر کے کاموں کی ہمیں قدرت ہی نہ دے۔ پھر بھی جو ہماری اس روش کو نہیں بدلتا تو ظاہر ہے کہ وہ ہمارے ان کاموں سے خوش ہے۔ وہ اگر چاہتا تو ہم کیا ہمارے بزرگ بھی شرک نہ کرتے۔ جیسے ان کا یہ قول آیت: ﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ﴾ (الزخرف: ۲۰) میں اور سورہ نحل میں ہے۔ اللہ فرماتا ہے' اسی شبہ نے ان سے اگلوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہوتی تو ان کے اگلوں باپ دادوں پر ہمارے عذاب کیوں آتے؟ رسولوں کی نہ ماننے اور شرک و کفر سے نہ ہٹنے کی وجہ سے وہ زمین پر سے ذلت کے ساتھ کیوں ہٹا دیے جاتے؟ اچھا تمہارے پاس خدا کی رضامندی کا کوئی سرٹیفکیٹ ہو تو پیش کرو ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم وہم پرست ہو۔ فاسد عقائد پر جمے ہوئے ہو اور اٹکل پچو باتیں خدا کے ذمے گھڑ لیتے ہو۔ انہوں نے بھی کہا تھا تم بھی کہتے ہو کہ ہم ان معبودوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا سے ملا دیں۔ حالانکہ وہ نہ ملانے والے ہیں نہ اس کی انہیں قدرت ہے۔ ان سے تو خدا نے سمجھ بوجھ چھین رکھی ہے۔

ہدایت وگمراہی کی تقسیم میں بھی خدا کی حکمت اور اس کی حجت ہے۔ سب کام اس کے ارادے سے ہو رہے ہیں۔ وہ مومنوں سے پسند فرماتا ہے اور کافروں سے ناخوش ہے۔ فرمان ہے: ﴿وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ (الانعام: ۳۵) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو راہ حق پر جمع کر دیتا اور آیت میں ہے اگر تیرے رب کی خواہش ہوتی تو دنیا کے سب لوگ مومن بن جاتے اور جگہ ہے اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر دیتا۔ یہ تو اختلاف سے ہٹیں گے نہیں، سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرا رب رحم کر دے۔ بلکہ انہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے تیرے رب کی یہ بات حق ہے کہ میں جنات اور انسانوں سے جہنم کو پر کر دوں گا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ نافرمانوں کی کوئی حجت خدا کے ذمہ نہیں۔ بلکہ خدا کی حجت بندوں پر ہے یہ جو تم نے خواہ مخواہ اپنی طرف سے جانوروں کو حرام کر رکھا ہے ان کی حرمت پر کسی کی شہادت تو پیش کر دو۔ اگر یہ لوگ ایسی شہادت والے لائیں تو ان جھوٹے لوگوں کی ہاں میں ہاں نہ ملانے لگنا۔ ان منکرین قیامت منکرین کلام اللہ شریف، مشرکین کا مل کے بھروں میں کہیں تم نہ آ جانا۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

آپ (ان سے) کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ یہ کہ (۱) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ (۲) اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو (۳) اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو۔ ہم ان کو اور تم کو رزق (مقدر) دیں گے (۴) اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں۔ ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ (۵) اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر۔ اس کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

یہ احکام ہیں ☆

ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کو دیکھنا چاہتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت تھی تو وہ ان آیتوں کو تَتَّقُوْنَ تک پڑھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، سورۂ انعام میں محکم آیتیں ہیں۔ پھر یہی آیتیں آپ نے تلاوت فرمائیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا، تم میں سے کون شخص ہے جو میرے ہاتھ پر ان تین باتوں کی بیعت کرے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا جو اسے پورا کرے گا وہ اللہ سے اجر پائے گا اور جو کسی بات کو پورا نہ کرے گا۔ تو یا تو دنیا میں اسے سزا دے دی جائے گی یا نہ دی جائے تو پھر قیامت پر اس کا معاملہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بخش دے اور اگر چاہے سزا دے (مسند حاکم) بخاری مسلم میں ہے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کی بیعت تم میرے ہاتھ پر کرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان مشرکین کو جو اولاد کے قاتل ہیں خدا کے رزق میں سے بعض کو اپنی طرف حلال اور بعض کو حرام کہتے ہیں۔ خدا کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ جو چیزیں خدا کی حرام کردہ ہیں، انہیں مجھ سے سن لو۔ جو میں بذریعہ وحی بیان کرتا ہوں

تمہاری طرح خواہش نفس، تو ہم پرستی اور اٹکل و گمان کی بنا پر نہیں کہتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس کی تمہیں وصیت کرتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ یہ کلام عرب میں ہوتا ہے کہ ایک جملہ کو حذف کر دیا۔ پھر دوسرا جملہ ایسا کہہ دیا جس سے حذف شدہ معلوم ہو جائے۔ اس آیت کے آخری جملہ: ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ﴾ سے ﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا﴾ (الانعام:۱۵۱) سے پہلے کو محذوف جملے اَوْصٰكُمْ پر دلالت ہو گئی۔ عرب میں یوں بھی کہہ دیا کرتے ہیں: اَمَرْتُكَ اَنْ لَّا تَقُوْمَ صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے وہ داخل جنت ہوگا۔ تو میں نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ اس نے زنا چوری کی ہو۔ میں نے پھر یہی سوال کیا' مجھے پھر یہی جواب ملا۔ پھر بھی میں نے یہ بات پوچھی۔ اب کے جواب دیا کہ بلکہ اگر شراب نوشی بھی کی ہو۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ سے موحد کا داخل جنت ہونا سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے یہ جواب دیا تھا اور آخری مرتبہ فرمایا تھا گو ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلودہ ہو۔ چنانچہ راوی حدیث جب اسے بیان فرماتے تو یہی لفظ دوہرا دیتے۔ سنن میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو جب تک مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور میری ذات سے اُمید رکھے گا' میں بھی تیری خطاؤں کو معاف فرماتا رہوں گا۔ خواہ وہ کیسی ہی ہوں۔ کوئی پرواہ نہ کروں گا۔ تو اگر میرے پاس زمین بھر کر خطائیں لائے گا۔ تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت اور بخشش لے کر آؤں گا۔ بشرطیکہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو۔ تو نے گو خطائیں کی ہوں' یہاں تک کہ وہ آسمان تک پہنچ گئی ہوں۔ پھر تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھے بخش دوں گا۔ اس حدیث کی شہادت میں یہ آیت آسکتی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۱۱۶) یعنی مشرک کو تو خدا مطلق نہ بخشے گا۔ باقی گنہگار خدا کی مشیت پر ہیں۔ جسے چاہے بخش دے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے جو توحید پر مرے وہ جنتی ہے۔ اس بارے میں آیتیں اور حدیثیں بہت سی ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ گو تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تمہیں سولی پر چڑھا دیا یا تمہیں جلا دیا جائے[1]۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' گو تم جلا دیئے جاؤ یا کاٹ دیئے جاؤ یا سولی دے دیئے جاؤ۔ اس آیت میں توحید کا حکم دے کر پھر ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہوا۔ بعضوں کی قرأت: ﴿وَوَصّٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (الاسراء:۲۳) بھی ہے۔ قرآن کریم میں اکثر یہ دونوں حکم ایک ساتھ آئے ہیں جیسے: ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ......﴾ (لقمان:۱۴) میں مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی بقدر ضرورت احسان کرنے کا حکم ہے اور: ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ......﴾ (البقرہ:۸۳) میں بھی دونوں حکم ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں صحیحین میں ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا نماز کو وقت پر پڑھنا' میں نے پوچھا پھر فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں نے پوچھا پھر؟ فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں اگر اور بھی دریافت کرتا تو حضور ﷺ بتا دیتے۔ ابن مردویہ میں عبادہ بن صامت اور ابو درداء سے روایت ہے کہ مجھے میرے خلیل رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی کہ اپنے والدین کی اطاعت کر۔ اگرچہ وہ حکم دیں کہ ان کیلئے تو ساری دنیا سے الگ ہو جائے تو بھی مان لے۔ اسکی سند ضعیف ہے۔ باپ دادوں کی

---

[1] شریعت میں احکام کی دو قسمیں ہیں ایک عزیمت اور ایک رخصت۔ عزیمت کا مطلب ہے اصل پر عمل کرنا اور رخصت اصل کے خلاف عمل کرنا۔ اب عزیمت یہی ہے کہ توحید سے آدمی کسی حالت میں بھی دستبردار نہ ہو لیکن بعض خاص حالات میں رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ ابن کثیر نے جو کچھ نقل کیا ہے عزیمت ہے رخصت نہیں۔

وصیت کر کے اولاد اور اولاد کی اولاد کی بابت وصیت فرمائی کہ انہیں قتل نہ کر دو۔ جیسے کہ شیاطین نے اس کام کو تمہیں سکھا رکھا
لڑکیوں کو تو وہ لوگ بوجہ عار کے مار ڈالتے تھے اور بعض لڑکوں کو بھی بوجہ اس کے کہ ان کے کھانے کا کہاں سے لائیں گے مار ڈالتے تھے
ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' خدا کے ساتھ شر
کرنا۔ حالانکہ اسی نے پیدا کیا ہے۔ پوچھا پھر کون سا گناہ ہے؟ فرمایا اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ یہ میرے ساتھ کھائے گا۔ پو
پھر کون سا ہے؟ فرمایا' اپنے پڑوس کی عورت سے بدکاری کرنا[۲]۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَ
(الفرقان:۱۸) کی تلاوت فرمائی اور آیت میں ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ (الاسراء:۳۱) اپنی اولاد کو فقیری کے خوف
قتل نہ کرو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہم انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہاری روزی بھی ہمارے ذمہ ہے۔ یہاں چونکہ فرمایا تھا
فقیری کی وجہ سے اولاد کا گلا نہ گھونٹو تو ساتھ ہی فرمایا کہ تمہیں روزی ہم دیں گے اور انہیں بھی ہم ہی دے رہے ہیں۔ پھر فرمایا کسی چھپی
برائی کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ......﴾ (الاعراف:۳۳) یعنی
تمام ظاہری باطنی برائیاں گناہ ظلم زیادتی اور شرک وکفر اور جھوٹ بہتان سب کچھ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ اس کی پوری تفسیر آیت
﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ (الانعام:۱۲۰) کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ صحیحین میں ہے خدا سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ اسی وجہ
تمام بے حیائیاں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی ہیں خواہ وہ کھلی ہوں خواہ وہ پوشیدہ ہوں۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں کسی کو اپنی بیو
کے ساتھ دیکھ لوں تو میں ایک ہی وار میں اس کا فیصلہ کر دوں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی بات ذکر کی گئی تو فرمایا کیا تم سعد کی غیر
پر تعجب کر رہے ہو؟ واللہ میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور میرا رب مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اسی وجہ سے تمام کھلے چھپے فحش
اس نے حرام کر دیئے ہیں۔ (صحیحین)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہم غیرت مند لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' واللہ میں بھی غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ
زیادہ غیرت والا ہے۔ یہ غیرت ہی ہے جو اس نے تمام بری باتوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اس حدیث کی سند ترمذی کی شرط پر ہے۔ ا
سے ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر برس کے درمیان ہیں۔ اس کے بعد کسی کے ناحق قتل کی حرمت کو بیا
فرمایا۔ گو وہ بھی فواحش میں داخل ہے لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے الگ بیان فرمایا۔

صحیحین میں ہے کہ جو مسلمان خدا کی توحید اور میری رسالت کا اقراری ہو اسے قتل کرنا بجز ان تین باتوں میں سے ایک کے جا
نہیں۔ یا تو شادی شدہ ہو کر پھر زنا کرے۔ یا کسی کو قتل کر دے یا دین کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔ مسلم میں ہے اس کی
جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ ابوداؤد اور نسائی میں تیسرا شخص وہ بیان کیا گیا ہے جو اسلام سے نکل جائے
خدا اور رسول سے جنگ کرنے لگے' اسے قتل کر دیا جائے گا یا صلیب پر چڑھا دیا جائے گا یا مسلمانوں کے وطن سے جلاوطن کر دیا جائے گا
امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس وقت جب کہ باغی آپ کو محاصرہ میں کئے ہوئے تھے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سنا ہے' کسی مسلمان کا خون بجز ان تین کے حلال نہیں۔ اسلام کے بعد کافر ہو جانے والا۔ شادی کے بعد زنا کرنے والا۔ بغیر کسی قصا

---

[۱] یہ تو خلاف انسانیت بلکہ حیوانیت سے بھی زیادہ بڑا اقدام ہے کہ محض اس خطرہ سے کہ اولاد ہمارے کھانے پینے میں شریک ہوا اس کو قتل کر دیا جا
حیوان بھی اپنی اولاد کے ساتھ اُلفت سے پیش آتے ہیں تو کیا انسان حیوانات کے بھی درجہ سے گر جائے۔

[۲] زنا ویسے بھی بڑا گناہ ہے لیکن پڑوسی کی بیوی سے تو اور بھی زیادہ خوفناک ہے' کیونکہ پڑوسی ہونے کی وجہ سے اس عورت کی حفاظت کرنا چاہئے تھی نہ
عصمت دری۔

کے کسی کو قتل کر دینے والا۔ خدا کی قسم نہ تو میں نے جاہلیت میں زنا کیا نہ اسلام لانے کے بعد' اور نہ اسلام کے بعد کبھی میں نے کسی اور دین کی تمنا کی' اور نہ میں نے کسی کو بلاوجہ قتل کیا۔ پھر تم میرا خون بہانے کے درپے کیوں ہو؟ حربی کافروں میں سے جو امن طلب کرے اور مسلمانوں کے معاہدے میں آ جائے' اس کے قتل کرنے والے کے حق میں بہت وعید آئی ہے اور اس کا قتل بھی شرعاً حرام ہے۔ بخاری میں ہے معاہد کا قاتل جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے راستے تک پہنچ جاتی ہے اور روایت میں ہے کہ اس نے خدا کا ذمہ توڑا۔ اس میں ہے پچاس سال کے راستے کے فاصلے سے ہی جنت کی خوشبو پہنچتی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ہیں خدا کی وصیتیں اور اس کے احکام تا کہ تم دین خدا کو اس برس کے حکموں کو اور اس کی منع کردہ باتوں کو سمجھ لو۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ ہم کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کیا کرو تو انصاف رکھا کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ سے جو عہد کیا کرو اس کو پورا کیا کرو۔ ان (سب) کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم یاد رکھو (اور عمل کرو) ○

یتیم کا مال کھانا شدید گناہ ہے ☆

ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ جب آیت: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا﴾ اور آیت: ﴿اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا﴾ (النساء:۱۰) نازل ہوئی تو اصحاب رسول ﷺ نے یتیموں کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے بالکل الگ کر دیا۔ اس میں علاوہ ان لوگوں کے نقصان اور محنت کے یتیموں کا نقصان بھی ہونے لگا۔ کہ اگر بچ رہا تو یا تو باسی کھائیں یا سڑ کر خراب ہو۔ جب حضور ﷺ سے اس کا ذکر ہوا۔ تو آیت: ﴿وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ......﴾ (البقرہ:۲۲) نازل ہوئی کہ ان کے لئے خیر خواہی کرو۔ ان کا کھانا پینا ساتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اسے پڑھ کر' سن کر پھر صحابہؓ نے ان کا کھانا پینا اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ حکم ان کے بلوغ تک پہنچنے تک ہے۔ گو بعضوں نے تیس سال بعض نے چالیس سال اور بعض نے ساٹھ سال کہے ہیں۔ لیکن یہ سب قول یہاں مناسب نہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر حکم فرمایا کہ لین دین میں ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو۔ ان کے لئے تباہی ہے جو لیتے وقت پورا لیں اور دیتے وقت کم دیں[1]۔ ان امتوں کو خدا نے غارت کر دیا جن میں یہ بدخصلت تھی۔ جامع ابوعیسیٰ ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ نے ناپنے اور تولنے والوں سے فرمایا تم ایک ایسی چیز کے والی بنائے گئے ہو۔ جس کی صحیح نگرانی نہ رکھنے والے تباہ ہو گئے پھر فرماتا ہے کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہم

[1] جیسا کہ دکانداروں کی عادت ہوتی ہے کہ خود تو پورا لیتے ہیں لیکن گاہک کو کم دیتے ہیں۔

نہیں لادتے۔یعنی اگر کسی شخص نے اپنی طاقت بھر کوشش کرلی۔دوسرے کا حق دے دیا۔اپنے حق سے زیادہ نہ لیا۔پھر بھی نادانستگی میں غلطی سے کوئی بات رہ گئی تو خدا کے اس کی پکڑ نہیں۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آیت کے یہ دونوں جملے تلاوت کر کے فرمایا جس نے صحیح نسبت سے پورا تولا ناپا پھر بھی واقع میں کوئی کمی زیادتی بھول چوک سے ہوگئی تو اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔یہ حدیث مرسل غریب ہے۔پھر فرماتا ہے۔بات انصاف کی کہا کرو۔گو قرابت دار کے معاملہ میں ہی کچھ کہنا پڑے۔جیسے فرمان ہے: ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ﴾ (النساء: ۱۳۵) اور سورہ نساء میں بھی یہی حکم دیا کہ ہر شخص کو ہر حال میں سچائی اور انصاف نہ چھوڑنا چاہئے۔جھوٹی گواہی اور غلط فیصلے سے بچنا چاہئے۔اللہ کے عہد کو پورا کرو۔اس کے احکام بجالاؤ۔اس کی منع کردہ چیزوں سے الگ رہو۔اس کی کتاب اس کے رسول کی سنت پر چلتے رہو۔یہی اس کے عہد کو پورا کرنا ہے۔انہی چیزوں کا خدا کا تاکیدی حکم ہے۔یہ فرمان تمہارے وعظ ونصیحت کا ذریعہ ہیں۔تاکہ تم جو اس سے نکلے بلکہ برے کاموں میں تھے اب ان سے چھوٹ جاؤ۔بعض کی قراءت میں تَذَكَّرُوْنَ بھی ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۵۳

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے۔سو اس راہ چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (اس کے خلاف کرنے سے) احتیاط رکھو۔○

صراطِ مستقیم ☆

یہ اور اس جیسی اور آیتوں کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی جماعت بندی کا حکم دیتا ہے اختلاف وفرقت سے روکتا ہے۔اس لئے کہ اگلے لوگ خدا کے دین میں پھوٹ ڈالنے سے ہی تباہ ہوئے تھے۔مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا خدا کی سیدھی راہ یہی ہے۔پھر اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچ کر فرمایا ان تمام راہوں پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کا ابتدائی حصہ تلاوت فرمایا۔اس حدیث کی شاہد وہ حدیث ہے جو مسند وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جبکہ آپ نے اپنے سامنے ایک سیدھی لمبی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ راہ خدا ہے۔پھر اس کے دائیں بائیں دو لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ شیطانی راہیں ہیں اور بیچ کی لکیر پر انگلی رکھ کر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ابن ماجہ میں اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا صراطِ مستقیم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جس پر ہم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا۔اسی کا دوسرا سرا جنت میں جا ملتا ہے۔اس کے دائیں بائیں بہت سی راہیں ہیں۔جن پر لوگ چل رہے ہیں اور دوسروں کو اپنی طرف بلا رہے ہیں جو ان راہوں میں سے کسی راہ ہولیا وہ جہنم میں پہنچا۔پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی مثال بیان فرمائی ہے۔اس راستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں۔جن میں بہت سے دروازے ہیں اور سب چوپٹ کھلے پڑے ہیں اور ان پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔اس سیدھی راہ کے سرے پر ایک پکارنے والا ہے جو کہتا ہے کہ لوگو! تم سب اس صراط مستقیم پر آجاؤ۔متفرق نہ ہوؤ۔بیچ راہ کے بھی ایک شخص ہے جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی

کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے ہائے افسوس اسے نہ کھول۔ کھولے گا تو اس راہ سے دور جا پڑے گا۔ پس سیدھی اسلام ہے۔ دونوں دیواریں خدائی حدود ہیں کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سرے کا (یعنی نمایاں) شخص کتاب خدا ہے۔ اوپر سے پکارنے والا خدا کی طرف کا نصیحت کرنے والا ہے۔ جو ہر مومن کے دل میں ہے (ترمذی)

اس نکتے کو بھولنا نہ چاہئے کہ اپنی راہ کے لئے سبیل واحد کا لفظ بولا گیا اور گمراہی کی راہوں کے لئے سبل جمع کا لفظ بولا گیا۔ اس لئے کہ راہ حق ایک ہی ہوتی ہے اور باطل کے بہت سے طریقے ہوا کرتے ہیں جیسے آیت: ﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرہ: ۲۵۸) میں ظلمات کو جمع کے لفظ سے اور نور کو واحد کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ: ﴿قُلْ تَعَالَوْا﴾ (الانعام: ۱۵۱) سے تین آیتوں تک تلاوت کر کے فرمایا تم میں سے کون کون ان باتوں پر مجھ سے بیعت کرتا ہے؟ پھر فرمایا جس نے اس بیعت کو پورا کیا' اس کا اجر خدا کے ذمے ہے اور جس نے ان میں سے کسی بات کو توڑ دیا اس کی دو صورتیں ہیں یا تو دنیا میں ہی اس کی سزا اسے مل جائے۔ یا خدائے تعالیٰ آخرت تک اسے مہلت دے۔ پھر ربّ کی مشیت پر ہے اگر چاہے سزا دے' اگر چاہے معاف فرمادے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو تا کہ وہ لوگ اپنے ربّ کے ملنے پر یقین لائیں اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے بڑی خیر برکت والی سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحمت ہو۔ ○

کتابِ مبارک:

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تو لفظ ثُمَّ کو ترتیب کے لئے مانا ہے یعنی ان سے یہ بھی کہہ دے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر ثُمَّ کو ترتیب کے لئے مان کر خبر کا خبر پر عطف کر دیں تو کیا حرج ہے؟ ایسا ہوتا ہے اور شعروں میں موجود ہے چونکہ قرآن کریم کی مدح: ﴿اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ (الانعام: ۱۵۳) میں گزری ہے۔ اس سے اس پر عطف ڈال کر تورات کی مدح بیان کر دی۔ جیسے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں ہے۔ چنانچہ فرمان ہے: ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً وَّهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا﴾ (الاحقاف: ۱۲) یعنی اس سے پہلے تورات امام و رحمت تھی اور اب یہ قرآن عربی تصدیق کرنے والا ہے۔ اس سورت کے اوّل میں ہے: ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ ……﴾ اس آیت میں بھی تورات کے بیان کے بعد اس قرآن کا بیان ہے۔ کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا ……﴾ (القصص: ۴۸) جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے اسے اس جیسا کیوں نہ ملا جو موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا۔ جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی اس کتاب کے ساتھ کفر کیا تھا؟ کیا صاف طور سے نہیں کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں۔ جنوں کا قول بیان ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا' ہم نے وہ

کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُتری ہے۔ جو پہلی کتابوں کو سچا کہتی ہے اور راہ حق کی ہدایت کرتی ہے۔ وہ کتاب تمام جامع اور کامل تھی۔ شریعت کی جن باتوں کی اس وقت ضرورت تھی' سب اس میں موجود تھیں۔ یہ احسان تھا نیک کاروں کی نیکیوں کے بدلے کا۔ جیسے فرمان ہے۔ احسان کا بدلہ احسان ہی ہے اور جیسے فرمان ہے ابراہیم علیہ السلام نے جب ہمارے احکام کی تعمیل کر دی تو ہم نے اس کو لوگوں کا امام[1] بنادیا اور جیسے ارشاد ہے کہ بنی اسرائیلوں کو ہم نے ان کا امام بنادیا۔ جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھا۔ غرض یہ بھی خدا کا فضل تھا اور نیکو کاروں کو نیکیوں کا عوض۔ احسان کرنے والوں پر خدا بھی احسان پورا کرتا ہے یہاں بھی اور وہاں بھی۔ امام ابن جریر الَّذِی کو مصدر یہ مانتے ہیں جیسے ﴿خُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوْا﴾۔ (التوبۃ: ۶۹)

وَثَبَّتَ اللّٰهُ مَآ اٰتَاكَ مِنْ حُسْنٍ ☆ فِي الْمُرْسَلِيْنَ وَنَصَرَ كَالَّذِيْ نَصَرُوْا

خدا تیری اچھائیاں بڑھائے اور پہلے نبیوں کی طرح تیری بھی مدد فرمائے۔ بعض کہتے ہیں' یہاں الَّذِی معنی میں الَّذِیْنَ کے ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت: تَمَامًا عَلَى الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا ہے۔ پس مومنوں اور نیک لوگوں پر خدا کا یہ احسان ہے اور پورا پورا احسان ہے۔ بغوی کہتے ہیں مراد اس سے انبیاء اور عام مومن ہیں۔ یعنی ان سب پر ہم نے اس کی فضیلت ظاہر کی۔ جیسے فرمان ہے ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ﴾ (الاعراف: ۱۴۴) یعنی اے موسیٰ میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تجھے لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی۔ ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس فضیلت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جو خلیل خدا ہیں' مستثنیٰ ہیں ان دلائل کی وجہ سے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں۔ یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ اَحْسَنَ کو اَحْسَنُ پڑھتے۔ یہ ھُوَ کو محذوف مان کر ہو سکتا ہے امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں اس قراءت کو جائز نہیں رکھتا۔ گو عربیت کی بنا پر اس میں نقصان نہیں۔ آیت کے اس جملے کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسانِ خدا کو تمام کرنے کے لئے کتاب خدا ان پر نازل ہوئی۔ ان دونوں مطالب میں کوئی منافاۃ نہیں۔ پھر تورات کی تعریف بیان فرمائی کہ اس میں ہر حکم بہ تفصیل ہے اور وہ ہدایت اور رحمت ہے تاکہ قیامت کے دن اپنے ربّ سے ملنے کا یقین کر لیں۔ پھر قرآن کریم کی اتباع کی رغبت دلاتا ہے۔ اس میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے کا حکم دیتا ہے۔ برکت سے اس کا وصف بیان فرماتا ہے کہ جو بھی اس پر کاربند ہو جائے اور دونوں جہان کی برکتیں حاصل کرے گا۔ اس لئے کہ یہ خدا کی طرف کی مضبوط رسی ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

[1] یعنی انبیاء ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ خلیل اللہ کا ان کو خطاب ملا اور آج ہر شخص ان کی شریعت پر عمل کرنے کو اپنے لئے فخر سمجھتا ہے اگرچہ سچے پیروان کے مسلمان ہی ہیں اور باقی سب جھوٹے مدعی۔

سُوٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ﴿۱۵۷﴾

کبھی تم لوگ یوں کہنے لگتے کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے یا یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ پر ہوئے سو اب تمہارے پاس تمہارے ربّ کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آ چکی ہے۔ سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتلا دے اور اس سے روکے۔ ہم ابھی ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں' ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے۔ ○

نزولِ قرآن درحقیقت اتمام حجت ہے ☆

فرماتا ہے کہ اس آخری کتاب نے تمہارے تمام عذر کاٹ دیئے جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ...... ﴾ (القصص: ۴۷) یعنی اگر انہیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو کہہ دیتے کہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے فرمان کو مانتے۔ دو جماعتوں سے مراد یہود و نصرانی ہیں۔ تو اگر یہ عربی زبان کا قرآن نہ اُترتا تو وہ یہ عذر کر دیتے کہ ہم پر تو ہماری زبان میں کوئی کتاب نہیں اُتری۔ ہم خدا کے فرمان سے بالکل غافل رہے۔ پھر ہمیں سزا کیوں ہو؟ نہ یہ عذر باقی رہا نہ یہ کہ اگر ہم پر آسمانی کتاب آتی تو ہم تو اگلوں سے آگے نکل جاتے اور خوب نیکیاں کرتے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ...... ﴾ (الانعام: ۱۰۹) یعنی مؤکد قسمیں کھا کھا کر لاف زنی کرتے تھے کہ ہم میں اگر کوئی نبی آ جائے تو ہم ہدایت کو مان جائیں گے۔

اللہ فرماتا ہے اب تو تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ہدایت و رحمت بھرا قرآن بزبان پیغمبر عربی آ چکا۔ جس میں حلال و حرام کا بخوبی بیان ہے اور دلوں کی ہدایت کی کافی نورانیت ہے اور ربّ کی طرف سے ایمان والوں کے لئے سراسر رحمت و رحم ہے اب تم ہی بتلاؤ کہ جس کے پاس خدا کی آیتیں آ جائیں اور وہ انہیں جھٹلائے' ان سے فائدہ نہ اُٹھائے' نہ عمل کرے نہ یقین لائے' نہ نیکی کرے نہ بدعملی چھوڑے' نہ خود مانے نہ اوروں کو ماننے دے۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔ اسی سورت کے شروع میں فرمایا ہے: ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ (الانعام: ۲۶) خود اس سے رک کر اوروں کو بھی روکتے ہیں۔ دراصل اپنا ہی بگاڑتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ...... ﴾ (النحل: ۸۸) یعنی جو لوگ خود کفر کرتے ہیں اور راہ خدا سے روکتے ہیں' انہیں ہم عذاب بڑھاتے رہیں گے۔ پس یہ لوگ ہیں جو نہ مانتے تھے' نہ کاربند ہوتے تھے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ (القیامۃ: ۳۱-۳۲) یعنی نہ تو مانا' نہ نماز پڑھی بلکہ نہ مان کر منہ پھیر لیا۔ ان دونوں تفسیروں میں پہلی بہت اچھی ہے اور یعنی خود بھی انکار کیا اور دوسروں کو انکار پر آمادہ کیا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ

اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا ان کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی پہنچے گی کسی شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا۔ جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا۔ یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔ O

اب کس بات کے منتظر ہیں؟

اللہ تعالیٰ کافروں کو اور پیغمبروں کے مخالفوں کو اور اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو اور اپنی راہ سے روکنے والوں کو ڈرا رہا ہے کہ انہیں قیامت کا انتظار ہے؟ جب کہ فرشتے بھی آئیں گے اور خود خدائے قہار بھی۔ یا انہیں قیامت کی بڑی بڑی نشانیوں کے ظاہر ہونے کا انتظار ہے؟ وہ بھی وقت ہو گا جب ایمان بھی بے کار ہو اور توبہ بھی بے سود۔ بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قیامت قائم نہ ہو گی۔ جب تک سورج مغرب سے نہ نکلے۔ جب یہ نشانی ظاہر ہو جائے گی تو زمین پر جتنے لوگ ہوں گے سب ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان محض بے سود ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی اور حدیث میں ہے۔ قیامت کی تین نشانیاں ظاہر ہو جائیں' بے ایمانوں کو ان کا ایمان یا خیر سے رکے ہوئے لوگوں کو ان کی اس کے بعد کی نیکی یا توبہ کچھ نفع نہ ہو گی۔ سورج کا مغرب سے نکلنا' دجال کا آنا' دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ ایک اور روایت میں اس کے ساتھ ہی ایک دھوئیں کے آنے کا بھی بیان ہے اور حدیث میں ہے' سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پیشتر جو توبہ کرے اس کی توبہ مقبول ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جانتے ہو یہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا عرش کے قریب جا کر سجدے میں گر پڑتا ہے' یہاں تک کہ اسے اجازت ملے اور کہا جائے لوٹ جا۔ قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔ یہی وہ وقت ہو گا کہ ایمان بے نفع ہو گا۔ ایک مرتبہ لوگ قیامت کی نشانیوں کا ذکر کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور فرمانے لگے قیامت قائم نہ ہو گی' جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو: (۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور (۲) دھواں اور (۳) دابۃ الارض اور (۴) یاجوج ماجوج کا آنا اور (۵) عیسیٰ ابن مریم کا آنا اور (۶) دجال کا نکلنا اور تین جگہ زمین کا دھنس جانا (۷) مشرق میں (۸) مغرب میں اور (۹) جزیرہ عرب میں اور (۱۰) عدن سے ایک زبردست آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی۔ رات دن ان کے پیچھے رہے گی[1] (مسلم وغیرہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی علامت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ رات بہت لمبی ہو جائے گی۔ بقدر دو راتوں کے۔ لوگ معمولی طور پر اپنے کام کاج میں ہوں گے اور تہجد گزاری میں بھی۔ ستارے اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں گے۔ پھر لوگ سو جائیں گے۔ پھر اٹھیں گے' کام میں لگیں گے پھر سوئیں گے پھر اٹھیں گے لیکن دیکھیں گے کہ نہ ستارے ہٹے ہیں' نہ سورج نکلا ہے۔ کمریں دکھنے لگیں گی' لیکن صبح نہ ہو گی۔ اب تو گھبرا جائیں گے اور دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ منتظر ہوں گے کہ کب سورج نکلے۔ مشرق کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہوں گے کہ اچانک مغرب کی طرف سے سورج نکل آئے گا۔ اس وقت تمام روئے زمین کے لوگ مسلمان ہو

[1] مطلب یہ ہے کہ آدمی خوف زدہ ہو کر آگے بھاگیں گے اور وہ آگ ان کے تعاقب میں رہے گی یا تو یہ عذاب الٰہی بصورت آگ ہونے کی وجہ سے کرے گا یا پھر مطلب یہ ہے کہ آگ پھیلتی جائے گی۔ یہاں تک کہ ہر طرف پھیل جائے گی اور کوئی صورت نجات کی کسی کے لئے نہ رہے گی۔

جائیں گے۔ لیکن اس وقت کا ایمان محض بے سود ہوگا۔ (ابن مردویہ)

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا اس آیت کے اس جملے کو تلاوت فرما کر اس کی تفسیر میں سورج کا مغرب سے نکلنا بھی ذکر ہے۔ ایک روایت میں ہے سب سے پہلی نشانی یہی ہوگی اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک بڑا دروازہ کھول رکھا ہے۔ جس کا عرض ستر سال کا ہے۔ یہ توبہ کا دروازہ ہے' یہ بند نہ ہوگا۔ جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے اور حدیث میں ہے لوگوں پر ایک رات آئے گی' جو تین راتوں کے برابر ہوگی۔ اسے تہجد گزار جان لیں گے۔ یہ کھڑے ہوں گے۔ اپنے معمول کے مطابق تہجد پڑھ کر پھر سو جائیں گے۔ پھر اُٹھیں گے' اپنا معمول ادا کر کے پھر لیٹیں گے۔ لوگ اس لمبائی سے گھبرا کر چیخ و پکار شروع کر دیں گے اور دوڑے بھاگے مسجدوں کی طرف جائیں گے کہ سورج طلوع ہو گیا۔ یہاں تک کہ وسط آسمان میں پہنچ کر پھر لوٹ جائے گا اور اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے طلوع ہوگا۔ یہی وہ وقت ہے جس وقت ایمان سود مند نہیں اور روایت میں ہے کہ تین مسلمان شخص مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ مروان ان سے کہہ رہے تھے کہ سب سے پہلی نشانی دجال کا خروج ہے۔ یہ سن کر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور یہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا' اس نے کچھ نہیں کہا۔ مجھے حضور ﷺ کا فرمان خوب محفوظ ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا ہے اور دابۃ الارض کا دن چڑھے ظاہر ہونا ہے۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ہو' اسی کے بعد دوسری ہے۔ حضرت عبداللہ کتاب پڑھتے جاتے تھے۔ فرمایا میرا خیال ہے کہ پہلے سورج کا نشان ظاہر ہوگا۔ وہ غروب ہوتے ہی عرش کے نیچے جاتا اور سجدہ کر کے اجازت مانگتا ہے۔ اجازت مل جاتی ہے۔ جب منظور خدا اسے مغرب سے ہی نکالنا ہوگا۔ تو اس کی بار بار کی اجازت طلبی پر بھی جواب نہ ملے گا۔ رات کا وقت ختم ہونے کے قریب ہوگا اور یہ سمجھ لے گا کہ اب اگر اجازت ملی بھی تو مشرق میں نہیں پہنچ سکتا۔ تو کہے گا کہ خدایا دنیا کو سخت تکلیف ہو گی تو اس سے کہا جائے گا' یہیں سے طلوع کر۔ چنانچہ وہ مغرب ہی سے نکل پڑے گا۔ پھر حضرت عبداللہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

طبرانی میں ہے کہ جب سورج مغرب سے نکلے گا۔ ابلیس سجدہ میں گر پڑے گا اور زور زور سے کہے گا' الٰہی مجھے حکم کر میں مانوں گا' جسے تو فرمائے میں سجدہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کی ذریت اس کے گرد جمع ہو جائے گی اور کہے گی یہ ہائے وائے کیسی ہے؟ وہ کہے گا مجھے یہیں تک کی ڈھیل دی گئی تھی۔ اب وہ آخری وقت آ گیا پھر صفا کی پہاڑی کے غار سے دابۃ الارض نکلے گا۔ اس کا قدم انطاکیہ میں پڑے گا۔ وہ ابلیس کے پاس پہنچے گا اور اسے تھپڑ مارے گا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اس کی سند بالکل ضعیف ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ان کتابوں میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے لی ہو۔ جن کے دو تھیلے انہیں یرموک کی لڑائی والے دن ملے تھے۔ اس کا فرمان رسول ہونا بہت ہی منکر ہے۔ واللہ اعلم

حضور ﷺ فرماتے ہیں ہجرت منقطع نہ ہوگی۔ جب تک دشمن برسر پیکار رہے۔ ہجرت کی دو قسمیں ہیں' ایک تو گناہوں کو چھوڑنا' دوسرے خدا اور اس کے رسول کے پاس ترک وطن کر کے جانا۔ یہ بھی باقی رہے گی جب تک کہ توبہ قبول ہوتی ہے اور توبہ قبول ہوتی رہے گی جب تک سورج مغرب سے نہ نکلے۔ سورج کے مغرب سے نکلتے ہی پھر جو کچھ جس دل میں ہے اسی پر مہر لگ جائے گی[1] اور اعمال بے سود ہو جائیں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ بہت سے نشانات گزر چکے صرف چار باقی رہ گئے ہیں۔ سورج کا مغرب سے نکلنا' دجال' دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا آنا۔ جس علامت کے ساتھ اعمال ختم ہو جائیں گے وہ طلوع شمس منجانب مغرب ہے۔ ایک طویل مرفوع غریب منکر حدیث میں ہے کہ اس دن سورج چاند ملے جلے طلوع ہوں گے۔ آدھے آسمان سے واپس چلے جائیں گے پھر حسب عادت

[1] یعنی اگر ایمان ہے تو ایمان ہی رہے گا اور کفر ہے تو کفر ہی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مؤمن اب کافر ہو جائے اور کافر اسلام لے آئے۔

ہو جائیں گے۔ اس حدیث کا تو مرفوع ہونے کا دعویٰ اس حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت ہے۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما یا وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ پر موقوف ہونے کی حیثیت سے ممکن ہے موضوع کی گنتی سے نکل جائے۔ واللہ اعلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' قیامت کی پہلی نشانی کے ساتھ ہی اعمال کا خاتمہ ہے۔ اس دن کسی کافر کا مسلمان ہونا بے سود ہوگا۔ ہاں مومن جو اس سے پہلے نیک اعمال والا ہوگا وہ بہتری میں رہے گا اور جو نیک عمل نہ ہوگا' اس کی توبہ بھی اس وقت مقبول نہ ہوگی جیسے کہ پہلی حدیثیں گزر چکیں۔ برے لوگوں کے نیک اعمال بھی اس نشان عظیم کو دیکھ لینے کے بعد کچھ کام نہ آئیں گے پھر کافروں کی وعید دی جاتی ہے کہ اچھا تم انتظار میں رہنا۔ تا آنکہ توبہ کے اور ایمان کے قبول نہ ہونے کا وقت آ جائے اور قیامت کے زبردست آثار ظاہر ہو جائیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ ......﴾ (الزخرف: ۶۶) قیامت کے اچانک ہی آ جانے کا انتظار ہے۔ اس کی بھی علامت ظاہر ہو چکی ہیں۔ اس کے آ چکنے کے بعد نصیحت کا وقت کہاں؟ اور آیت میں ہے: ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ......﴾ (غافر: ۸۴) ہمارے عذابوں کا مشاہدہ کر لینے کے بعد کا ایمان اور شرک سے انکار بے سود ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔ ○

اللہ عزوجل سے علیحدہ ہو جانے والوں کا بیان ☆

کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں اُتری ہے۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے سخت اختلافات میں تھے۔ جن کی خبر یہاں دی جا رہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شَيْءٍ تک اس آیت کی تلاوت فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' وہ بھی تجھ سے کوئی میل نہیں رکھتے۔ یہ اس امت کے اہل بدعت شک و شبہ والے گمراہی والے ہیں۔ اس کی سند صحیح نہیں یعنی یہ ممکن ہے یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ابو امامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد خارجی ہیں۔ یہ بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن صحیح نہیں اور ایک غریب حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مراد اس سے اہل بدعت ہیں۔ اس کا بھی مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ بات یہ ہے کہ آیت عام ہے' جو بھی خدا و رسول کے دین کی مخالفت کرے اور اس میں افتراق پیدا کرے' گمراہی کی اور خواہش پرستی کی پیروی کرے۔ نیا دین اختیار کرے۔ نیا مذہب قبول کرے' اس وعید میں داخل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس حق کو لے کر آئے ہیں' وہ ایک ہی ہے متعدد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرقہ بندی سے بچایا ہے اور اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بھی اس لعنت سے محفوظ رکھا ہے۔

اسی مضمون کی دوسری آیت: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ......﴾ (الشوریٰ: ۱۳) ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ہم جماعت انبیاء علاتی بھائی ہیں[1]۔ ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ پس صراط مستقیم اور دین پسندیدہ خدا کی توحید اور رسولوں کی اتباع ہے۔ اس کے خلاف جو ہو ضلالت' جہالت' خواہش اور بد دینی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں۔ ان کا معاملہ سپرد خدا ہے۔ وہی انہیں ان کے افعال سے

[1] ماں شریک بھائی کو اخیافی اور باپ شریک بھائی کو علاتی کہا جاتا ہے۔

گاہ کرے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ مومنوں میں یہودیوں میں صابیوں میں نصرانیوں میں مجوسیوں میں مشرکوں میں اللہ خود
مت کے دن فیصلے کر دے گا۔ اس کے بعد اپنے احسان حکم اور عدل کا بیان فرماتا ہے۔

ن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے ملیں گے اور جو شخص برے کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔ ○

ائی پر اجر بڑھ جاتا ہے ☆

ایک اور روایت میں مجملاً یہ آیا ہے کہ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا جو نیکی لائے اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ہے۔ اسی آیت کے مطابق
ی حدیثیں بھی ہیں۔ ایک میں ہے تمہارا ربّ عزوجل بہت بڑا رحیم ہے۔ نیکی کے صرف قصد پر ثواب نیکی کرنے کا عطا فرما دیتا ہے
یک نیکی کے کرنے پر دس سے ساٹھ تک بڑھا دیتا ہے اور بھی بہت زیادہ اور بہت زیادہ۔ اگر برائی کا قصد ہوا۔ پھر نہ کی تو بھی نیکی ملتی
ور اگر اس برائی کو کر گزرا تو ایک ہی لکھی جاتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ خدا معاف ہی فرما دے اور بالکل ہی مٹا دے سچ تو یہ ہے کہ
ت والے ہی خدا کے ہاں ہلاک ہوتے ہیں (بخاری مسلم نسائی وغیرہ) ایک حدیث قدسی میں ہے نیکی کرنے والے کو دس گنا ثواب
ور پھر بھی میں زیادہ کر دیتا ہوں اور برائی کرنے والے کو ایک عذاب ہے اور میں معاف بھی کر دیتا ہوں۔ زمین بھر تک جو شخص
یں لے آئے اگر اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو میں اتنی ہی رحمت سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جو میری طرف
ت بھر آئے۔ میں اس کی طرف ایک ہاتھ جاتا ہوں اور جو ایک ہاتھ آئے میں اس کی طرف دو ہاتھ جاتا ہوں اور میری طرف چلتا ہوا
ہ میں اس کی طرف دوڑتا ہوا جاتا ہوں۔ (مسلم مسند وغیرہ)

اس سے پہلے گزری ہوئی حدیث کی طرح ایک اور حدیث بھی ہے۔ اس میں یہ جو فرمایا ہے کہ برائی کا ارادہ کر کے پھر اسے چھوڑ
ے سے بھی نیکی ملتی ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے ڈر سے چھوڑ دے۔ چنانچہ بعض روایات میں یہ تشریح بھی آ چکی ہے۔
ی صورت چھوڑ دینے کی یہ ہے کہ اسے یاد ہی نہ آئے بھول ہی جائے تو نہ ثواب ہے نہ عذاب کیونکہ اس نے خدا سے ڈر کر نیک نیتی
سے ترک نہیں کی اور اگر نیت کے بعد اس نے کوشش بھی کی اسے پوری طرح کرنا بھی چاہا لیکن عاجز ہو گیا کر نہ سکا۔ موقعہ ہی نہ ملا۔
ب ہی نہ بنے۔ تھک کر بیٹھ رہا۔ تو ایسے شخص کو اس برائی کے کرنے کے برابر ہی گناہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے جب دو مسلمان
یں لے کر ایک دوسرے سے جنگ کریں تو جو مار ڈالے اور جو مار ڈالا جائے دونوں جہنمی ہیں۔ لوگوں نے کہا مار ڈالنے والا تو خیر
جو مار ڈالا گیا وہ جہنم میں کیوں جائے گا۔ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اس کے مار ڈالنے کا آرزومند تھا اور حدیث میں ہے کہ
ر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نیکی کے محض ارادے پر نیکی لکھ لی جاتی ہے اور عمل میں لانے کے بعد دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں برائی کے محض
ے کو لکھا نہیں جاتا۔ اگر عمل کرے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور اگر ارادہ کر کے چھوڑ دے تو نیکی لکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
نے گناہ کے کام کو میرے خوف سے ترک کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگوں کی چار قسمیں ہیں اور اعمال کی چھ قسمیں ہیں۔ بعض لوگ

تو وہ ہیں، جنہیں دنیا اور آخرت میں وسعت اور کشادگی دی جاتی ہے۔ بعض وہ ہیں جن پر دنیا میں کشادگی ہوتی ہے اور آخرت میں بعض وہ ہیں جن پر دنیا میں تنگی رہتی ہے لیکن آخرت میں انہیں کشادگی ملے گی۔ بعض وہ ہیں جو دونوں جہان میں بدبخت رہتے ہیں، یہاں بھی بد وہاں بے آبرو۔

اعمال کی چھ قسمیں یہ ہیں۔ دو قسمیں یہ ہیں۔ دو قسمیں تو واجب کر دینے والی۔ ایک برابر کا ایک دس گنا کا اور ایک سات سو گنا واجب کر دینے والی۔ دو چیزیں تو یہ ہیں۔ جو شخص اسلام و ایمان پر مرے اور اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ اس کے لئے جنت واجب ہے اور (۲) جو کفر پر مرے اس کے لئے جہنم واجب ہے اور (۳) جو نیکی کا ارادہ کرے اسے ایک نیکی ملتی ہے اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ اس کے دل نے اسے سمجھا اس کی حرص کی اور (۴) جو شخص برائی کا ارادہ کرے اس کے ذمہ گناہ نہیں لکھا جاتا اور جو کر گزرے اسے ایک ہی ہوتا ہے اور وہ بڑھتا نہیں ہے اور (۵) جو نیکی کا کام کرے اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور (۶) جو راہ خدا عزوجل میں خرچ کرے اسے سات سو گنا ملتا ہے۔ (ترمذی)

فرمان ہے کہ ایک جمعہ میں آنے والے لوگ تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو وہاں لغو کرتا ہے اس کے حصہ میں تو وہی لغو ہے۔ ایک دعا کرتا ہے اسے اگر خدا چاہے دے چاہے نہ دے۔ تیسرا وہ ہے جو خاموشی کے ساتھ خطبہ میں بیٹھا ہے۔ کسی مسلمان کی گردن پھلانگ کر مسجد میں آگے نہیں بڑھتا۔ نہ کسی کو ایذا دیتا ہے۔ اس کا جمعہ اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے بلکہ اور تین دن کے گناہوں کا بھی۔ اس لئے کہ وہ وعدہ خداوندی میں ہے: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ جو نیکی کرے اسے دس گنا اجر ملتا ہے۔ طبرانی میں ہے جمعہ جمعہ تک بلکہ اور تین دن تک کا کفارہ ہے۔ اس لئے کہ خدا کا فرمان ہے نیکی کرنے والے کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ فرماتے ہیں جو شخص ہر مہینے تین روزے رکھے اسے سال بھر کے روزوں کا یعنی تمام عمر روزے سے رہنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے کہ ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ہے۔ ایک دن کے روزہ کا ثواب دس روزوں کے برابر ملتا ہے۔ (ترمذی) ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ اس آیت میں حسنہ سے مراد کلمہ توحید ہے اور سیئہ سے مراد شرک ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ بھی ہے لیکن اس کی کوئی صحیح سند میری نظر سے نہیں گزری۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سی حدیثیں اور آثار ہیں لیکن انشاء اللہ یہ بھی کافی ہیں۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۶۳﴾

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتلا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے مستحکم طریقہ ہے ابراہیم کا جس میں ذرا بھی کجی نہیں اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔ اسکا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

اللہ عزوجل کی نعمتوں کا اعلان نبی کریم ﷺ کی زبانی:

سید المرسلین ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ پر خدا کی جو نعمت ہے۔ اس کا اعلان کر دیں کہ اس نے آپ کو صراط مستقیم دکھا دی ہے۔ جس میں کوئی کجی یا کمی نہیں۔ وہ ثابت اور سالم سیدھی اور ستھری راہ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام حنیف کی ملت ہے' جو مشرکوں میں نہ تھے۔ اس دین سے وہی ہٹتا ہے جو محض بے وقوف ہو اور آیت میں ہے کہ خدا کی راہ میں پورا جہاد کرو۔ وہی خدا ہے' جس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور کشادہ دین عطا فرمایا۔ جو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سچے فرمانبردار تھے۔ مشرک نہ تھے۔ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ خدا کے پسندیدہ تھے۔ راہ مستقیم کی ہدایت پائے ہوئے تھے۔ دنیا میں بھی ہم نے انہیں بھلائی دی اور میدان قیامت میں بھی وہ نیک صالح لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تیری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کر کہ وہ مشرکین میں نہ تھا۔ یہ یاد رہے کہ حضور ﷺ کو آپ کی ملت کی پیروی کا حکم ہونے سے یہ لازم نہیں کہ خلیل خدا آپ سے افضل ہوں۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کا قیام اس پر پورا ہوا اور یہ دین آپ ہی کے ہاتھوں کمال پہنچا۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور تمام اولاد آدم کا علی الاطلاق سردار ہوں اور مقام محمود والا ہوں۔ جس کی طرف ساری مخلوق کو رغبت ہو گی۔ یہاں تک کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی۔ ابن مردویہ میں ہے کہ حضور ﷺ صبح کے وقت فرمایا کرتے تھے۔ ((اَصْبَحْنَا عَلٰی مِلَّةِ الْاِسْلَامِ وَ کَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَدِیْنِ نَبِیِّنَا وَمِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ.)) یعنی ہم نے ملت اسلام پر' کلمہ اخلاص پر' ہمارے نبی کے دین پر اور ملت ابراہیم حنیف پر صبح کی ہے۔ جو مشرک نہ تھے۔ حضورؐ سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب دین اللہ کے نزدیک کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جو یکسوئی اور آسانی والا ہو۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ جس دن حضرت عائشہؓ نے رسول اللہؐ کے کندھوں پر منہ رکھ کر حبشیوں کے جنگی کرتب ملاحظہ فرمائے تھے۔ اس دن آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ اس لئے کہ یہود یہ جان لیں کہ ہمارے دین میں کشادگی ہے اور میں سہل او آسان دین دے کر بھیجا گیا ہوں اور حکم ہوتا ہے آپ مشرکوں سے اپنا مخالف ہونا بھی بیان فرما دیں۔ وہ خدا کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ دوسروں کے نام پر ذبیحہ کرتے ہیں۔ میں صرف اپنے ربّ کی عبادت کرتا ہوں۔ اسی کے نام پر ذبیحہ کرتا ہوں۔ چنانچہ بقر عید کے دن حضورؐ نے جب دو بھیڑے ذبح کئے تو: ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ......﴾ کے بعد یہی آیت پڑھی۔ آپ ہی اس امت میں اوّل مسلم تھے۔ اسلئے کہ یوں تو ہر نبی اور ان کی ماننے والی امت مسلم ہی تھی۔ سب کی دعوت اسلام ہی کی تھی۔ سب خدا کی خالص عبادت کرتے رہے۔

جیسے فرمان ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۵) یعنی تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے' سب پر یہ بات واضح کر دی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم سب میری ہی عبادت کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام کا فرمان قرآن میں موجود ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر میرے ربّ کے ذمہ ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں رہوں اور آیت میں ہے: ﴿وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ......﴾ (البقرہ: ۱۳۰) ملت ابراہیمی سے وہ ہی ہٹتا ہے' جس کی آنکھیں ہی پھوٹ گئی ہوں۔ وہ دنیا میں برگزیدہ خدا تھا اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں ہے۔ اسے جب اس کے ربّ نے فرمایا' تو تابعدار بن جا۔ اس نے جواب دیا کہ میں ربّ العالمین کا فرماں بردار ہوں۔ اسی کی وصیت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کی تھی اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کہ اے میرے بچو! اللہ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرما لیا ہے۔ پس تم پر اسلام ہی پر مرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی آخری دعا میں ہے خدایا تو نے مجھے ملک عطا فرمایا۔ خواب کی تعبیر سکھائی۔ آسمان و زمین

کا ابتداءً پیدا کرنے والا تو ہی ہے[1] تو دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے۔ مجھے اسلام کی حالت میں فوت کرنا اور نیک کاروں میں ملا
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا' میرے بھائیو! اگر تم ایماندار ہو' اگر تم مسلم ہو' تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ سب
جواب دیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل رکھا ہے۔ اللہ! ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا[2] اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ ان کافروں سے بچا
اور آیت میں فرمان باری ہے: ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ......﴾ (المائدہ: ۴۴) ہم نے تورات اتاری جس
ہدایت و نور ہے۔ جس کے مطابق وہ انبیاء حکم کرتے ہیں جو مسلم ہیں یہودیوں کو بھی اور ربانیوں کو بھی اور احبار کو بھی ...... اور فرمان
﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ ......﴾ (المائدہ: ۱۱۱) میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان
سب نے کہا ہم نے ایمان قبول کیا۔ ہمارے مسلمان ہونے پر تم گواہ رہو۔ یہ آیتیں صاف بتلا رہی ہیں۔ اللہ نے اپنے نبیوں کو اسلام
ساتھ ہی بھیجا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ مخصوص شریعتیں جو ان کے لئے ہر طرح مناسب تھیں' دی گئی تھیں حالات بدلتے رہتے ہی
یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے آنے پر پہلے دین منسوخ ہو گئے اور نہ منسوخ ہونے والا نہ بدلنے والا ہمیشہ رہنے والا دین اسلام
کو ملا۔ جس پر ایک جماعت قیامت تک قائم رہے گی اور اس پاک دین کا جھنڈا ابدالآباد تک لہراتا رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان
کہ ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ بھائیوں کی ایک قسم تو علاتی ہے' جن کا باپ ہو' مائیں الگ
ہوں۔ ایک قسم اخیافی' جن کی ماں ایک ہو' باپ جداگانہ ہوں اور ایک عینی بھائی ہیں۔ جن کا باپ بھی ایک ہو اور ماں بھی ایک ہو۔ پس
انبیاء کا دین ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت اور شریعت مختلف ہیں باعتبار احکام کے۔ اس لئے انہیں علاتی بھائی فر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اولیٰ کے بعد نماز میں: ﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ﴾ (الانعام: ۷۹) اور یہ آیت پڑھ کر پھر یہ پڑھتے: ((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا
اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا
وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَايَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَايَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا
تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ......)) یہ حدیث لمبی ہے۔ اس کے بعد راوی نے رکوع و سجدہ اور تشہد کی دعاؤں کا
کیا ہے۔ (مسلم)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ

آپ فرما دیجئے کہ کیا میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا اور جو شخص بھی کوئی
عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا پھر وہ تم کو جتلا دیں گے
جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔ ○

[1] اس کا یہ مطلب تھا تو قطعاً غلط ہوگا کہ ابتدا میں تو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا اور بعد میں کوئی شریک ہو گیا۔ ابتدا کی قید صرف اس پر زور دینے کے لئے ہے کہ
چیز کی ابتداء در آنحالیکہ پہلے سے کوئی نمونہ بھی نہ ہو' بہت مشکل ہے۔ پھر نمونہ دیکھ کر تو ہر کوئی بنا سکتا ہے۔

[2] یعنی ان کے مظالم کے ہم تختہ مشق نہ بنیں۔

ہر شخص اپنے کیئے کا ذمہ دار ہے ☆

کافروں کو نہ تو خلوص عبادت نصیب ہے نہ سچا توکل خدا میسر ہے۔ ان سے کہہ دے کہ کیا میں بھی تمہاری طرح اپنے اور سب کے سچے معبود کو چھوڑ کر جھوٹے معبود بنا لوں؟ میری پرورش کرنے والا' حفاظت کرنے والا' بچانے والا' میرے کام بنانے والا' میری بگڑی سنوارنے والا تو اللہ ہی ہے۔ پھر دوسرے کا سہارا کیوں لوں؟ مالک' خالق کو چھوڑ کر بے بس اور محتاج کے پاس کیوں جاؤں؟ گویا اس آیت میں توکل علی اللہ اور عبادت خدا کا حکم ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں عموماً ایک ساتھ بیان ہوا کرتی ہیں۔ جیسے: ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ (الفاتحہ:۴) میں اور ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ﴾ (ہود:۱۲۳) میں اور ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ (الملک:۲۹) میں اور: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا﴾ (المزمل:۹) میں اور دوسری آیتوں میں بھی۔ پھر قیامت کے دن کی خبر دیتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ عدل و انصاف سے ملے گا۔ نیکوں کو جزا اور بروں کو سزا۔ ایک کے گناہ دوسرے پر نہیں جائیں گے کوئی قرابتدار دوسرے کے بدلے پکڑا نہیں جائے گا۔ اس دن ظلم نہ ہوگا۔ نہ کسی کے گناہ بڑھائے جائیں گے' نہ کسی کی نیکی گھٹائی جائے گی۔ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی۔ ہاں جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملے ہیں' ان کے نیک اعمال کی برکت ان کی اولاد کو بھی پہنچے گی۔

جیسے فرمان ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ ......﴾ (الطور:۲۱) یعنی جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ان کے ایمان میں ان کی تابعداری کی۔ ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے بلند درجے میں پہنچا دیں گے گو ان کے اعمال اس درجے کے نہ ہوں لیکن چونکہ اصل ایمان میں شرکت ہے۔ اس لئے درجات میں بھی بڑھا دیں گے اور یہ درجے ماں باپ کے درجے گھٹا کر نہیں بڑھیں گے بلکہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہوگا۔ ہاں برے لوگ اپنے بداعمالی کے جھگڑے میں گھرے ہوں گے۔ تم بھی عمل کر رہے ہو' ہم بھی کر رہے ہیں۔ خدا کے ہاں سب کو جانا ہے۔ وہاں اعمال کا حساب ہونا ہے۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ اس اختلاف میں حق اور رضائے ربّ اور مرضی مولیٰ کس کے ساتھ تھی۔ ہمارے اعمال سے تم اور تمہارے اعمال سے ہم خدا کے ہاں پوچھے نہ جائیں گے۔ قیامت کے دن خدا کے ہاں سچے فیصلے ہوں گے اور وہ باعلم خدا ہمارے درمیان سچے فیصلے فرما دے گا۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖؗ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع ۲۰

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تا کہ (ظاہراً) تم کو آزمادے ان چیزوں میں جو کہ تم کو دی ہیں۔ بالیقین آپ کا ربّ جلد سزا دینے والا (بھی) ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا (بھی) ہے۔ ○

خلافت ارضی ☆

اس خدا نے تمہیں زمین کے آباد کرنے والے بنائے ہیں۔ ایک کے بعد ایک آتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ زمین پر فرشتے بستے ہوں۔ فرمان ہے: ﴿عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ ......﴾ (الاعراف:۱۲۹) ممکن ہے تمہارا ربّ تمہارے دشمن کو غارت کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا کر دیکھ لے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ اس نے تمہارے درمیان مختلف درجے رکھے ہیں' کوئی امیر

ہے' کوئی غریب ہے۔کوئی خوش خو ہے۔کوئی بد اخلاق ہے۔کوئی خوبصورت ہے۔کوئی بدصورت۔یہ بھی اس کی حکمت ہے۔اسی نے روزیاں تقسیم کی ہیں۔ایک کو ایک کے ماتحت کر دیا ہے: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ ……﴾ (الاسراء:۲۱) دیکھ لے کہ ہم نے ان سے ایک کو ایک پر کیسے فضیلت دی ہے؟……اس سے ارادہ یہ ہے کہ آزمائش و امتحان ہو جائے۔امیر آدمیوں کا شکر' فقیروں کا معلوم ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے۔اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھ رہا ہے کہ تم کیسے ا کرتے ہو؟ پس تمہیں دنیا سے ہوشیار رہنا چاہئے اور عورتوں کے بارے میں بہت احتیاط سے رہنا چاہئے۔بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عو کے بارے میں ہی تھا۔[1] آخر آیت اور آخر سورت میں اپنے دونوں وصف بیان فرمائے ہیں۔عذاب کا بھی اور ثواب کا بھی۔پکڑ کا اور بخشش کا بھی۔اپنے نافرمانوں پر ناراضگی کا اور اپنے فرماں برداروں پر رضامندی کا۔عموماً قرآن کریم میں یہ دونوں صفتیں ایک ہی بیان فرمائی جاتی ہیں۔جیسے فرمان ہے: ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الرعد:۶) آیت میں ہے: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ﴾ (الحجر:۴۹-۵۰) یعنی تیرا ربّ اپنے بند گناہ بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت عذاب والا بھی ہے۔پس ان آیتوں میں رغبت اور ہیبت دونوں ہیں۔جنت اور اپنے فضل کا لا دلاتا ہے اور آگ اور عذاب سے دھمکاتا ہے۔کبھی کبھی ان دونوں اوصاف کو الگ الگ بیان فرماتا ہے۔تاکہ یہ عذاب سے نعمتوں کے حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حکموں کی پابندی اور اپنی ناراضگی کے کاموں سے نفرت نصیب فرما ہمیں کامل یقین عطا فرمائے کہ ہم اس کے کلام پر ایمان و یقین رکھیں وہ قریب و مجیب ہے۔وہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔وہ جواد اور کر وہاب ہے۔آمین۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔اگر مومن صحیح طور پر خدا کے عذاب سے واقف ہو جائے تو اس کی جنت کی ط نہ رہے اور اگر کافر اللہ کی رحمت سے کماحقہ واقف ہو جائے تو کسی کو بھی جنت سے مایوسی نہ رہے۔اللہ نے سو رحمتیں بنائی ہیں۔ج سے صرف ایک کو بندوں کے درمیان رکھا ہے۔اسی سے ایک دوسرے پر رحم و کرم کرتا ہے۔باقی ننانوے تو صرف اللہ ہی کے پاس یہ حدیث ترمذی اور مسلم شریف میں بھی ہے اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش کے وقت ایک تحریر لکھی۔جو اس عرش پر ہے۔یہ حدیث ترمذی اور مسلم شریف میں بھی ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔صحیح مسلم شریف میں ہے رس ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے جن میں سے ننانوے تو اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین پر نازل فر ایک حصے میں مخلوق کو ایک دوسرے پر شفقت و کرم ہے۔یہاں تک کہ جانور بھی اپنے بچے پر سے اپنا پاؤں رحم کھا کر اٹھا لیتا ہے اسے تکلیف نہ ہو۔

---

[1] حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ عورت میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔آپ ﷺ کے ان مختلف ارشادات میں کوئی تضاد نہیں۔محض آپ ﷺ یہ چا عورت کے ساتھ اس کی مزاجی رفتار کو پیش نظر رکھ کر معاملہ کیا جائے نہ تو وارفتگی کا یہ عالم ہو کہ ان سے دھوکا کھا جائے اور نہ بغض کی یہ انتہا ہو کہ اُن کو ان حقوق سے بھی محروم کر دیا جائے۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَاف

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ اٰيَاتٍ وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

کُل رکوع: ۲۴ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۲۰۶

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③

یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونا چاہئے اور یہ نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے آئی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو۔ تم لوگ کم ہی نصیحت مانتے ہو۔ ○

ایک کتاب جو واجب الاتباع ہے ☆

اِس سورت کی ابتدا میں جو حروف ہیں اُن کے متعلق جو کچھ بیان ہمیں کرنا تھا' اسے تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں تو اختلافِ علماء کے ساتھ ہم لکھ آئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے معنی منقول ہیں کہ اس سے مراد اَنَا اللّٰهُ اُفَصِّلُ ہے یعنی میں اللہ ہوں تفصیل وار بیان فرما رہا ہوں۔ سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی روایت ہے۔ یہ کتاب قرآن کریم تیری جانب تیرے ربّ کی طرف سے نازل ہو رہا ہے۔ تو اس میں شک نہ کرنا' دِل تنگ نہ ہونا' اس کے پہنچانے میں کسی سے نہ ڈرنا' نہ کسی کا لحاظ کرنا۔ بلکہ اگلے اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر و تحمل کے ساتھ کلام خدا کی تبلیغ مخلوق خدا میں کرنا۔ اس کا نزول اس واسطے ہوا ہے کہ تو کافروں کو ہوشیار اور متنبہ کردے۔ یہ قرآن مومنوں کے لئے نصیحت و عبرت اور وعظ و پند ہے۔ اس کے بعد تمام دُنیا کو حکم ہوتا ہے کہ اس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔ اس کے قدم بہ قدم چلو۔ یہ تمہارے ربّ کا بھیجا ہوا ہے۔ کلام خدا تمہارے پاس لایا ہے۔ وہ خدا تم سب کا خالق مالک ہے اور تمام جانداروں کا ربّ ہے۔ خبردار ہرگز ہرگز نبی سے ہٹ کر دوسروں کی تابعداری میں نہ لگنا۔ ورنہ حکم عدولی کی سزا ہوگی۔ افسوس تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ جیسے فرمان ہے' گو تم چاہو۔ لیکن اکثر لوگ اپنی بے ایمانی پر ہی اڑے رہیں گے اور آیت میں ہے: ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الانعام: ۱۱۶) یعنی اگر تو انسانوں کی کثرت کی طرف جھک جائے گا تو وہ تجھے غلط راہ پر

ڈالنے کی کوشش کریں گے اکثر لوگ خدا کو مانتے ہوئے بھی شرک سے باز نہیں رہتے۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝٤ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝٥ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٦ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝٧

اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا' یا ایسی حالت میں کہ وہ دو پہر کے وقت آرام میں تھے۔ سو جس وقت ان پر عذاب آیا۔ اس وقت ان کے منہ سے بجز اس کے اور کوئی بات نہ نکلتی تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے۔ پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے۔ جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے اور پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے۔ پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے روبرو بیان کر دیں گے اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔ ○

انکار اور پھر خدا کا عذاب ☆

ان لوگوں کو جو ہمارے رسولوں کی مخالفت کرتے تھے' انہیں جھٹلاتے تھے' تم سے پہلے ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ دنیا اور آخرت کی ذلت اُن پر پڑی۔ جیسے فرمان ہے' تجھ سے اگلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ مذاق کرنے والوں کو ان کے مذاق نے تہ و بالا کر دیا اور آیت میں ہے بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے غارت کر دیا۔ جواب تک الٹی پڑی ہیں اور جگہ ارشاد ہے بہت سے اترائے ہوئے لوگوں کے شہر ہم نے ویران کر دیئے۔ دیکھ لو کہ اب تک ان کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں۔ جو بہت کم آباد ہوئے ہیں۔ وارث و مالک ہم ہی ہیں۔ ایسے ظالموں کے پاس ہمارا عذاب اچانک آ گیا اور وہ اپنی غفلتوں اور عیاشیوں میں مشغول تھے کہیں دن کے آرام کے وقت کہیں رات کے سونے کے وقت۔ چنانچہ ایک آیت میں ہے: ﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (الاعراف: ۹۸) یعنی لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے سوتے ہوئے راتوں کے وقت ہمارا عذاب آ جائے یا انہیں ڈر نہیں؟ کہ دو پہر کو ان کے آرام کے وقت ان پر ہمارا عذاب آ جائے اور آیت میں ہے کہ کیا مکاریوں سے ہماری نافرمانیاں کرنے والے اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ خدا انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ان کے پاس عذاب خدا اس طرح آ جائے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے یا خدا انہیں ان کی بے خبری کی آرام کی گھڑیوں میں ہی پکڑ لے۔ کوئی نہیں جو خدا کو عاجز کر سکے۔ بہت ممکن ہے کہ خدا انہیں خوفزدہ بنا دے اور اپنی گرفت میں لے لے۔ یہ تو ربّ کی رحمت و رافت ہے۔ جو لوگ زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ عذاب خدا آ جانے کے بعد تو یہ خود اپنی زبانوں سے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے لیکن اس وقت کیا؟ اس مضمون کو آیت: ﴿وَكَمْ قَصَمْنَا ......﴾ (الانبیاء: ۱۱) میں بیان فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ بندوں کے عذر ختم نہیں کر دیتا انہیں عذاب نہیں کرتا۔ عبدالملک سے جب یہ حدیث ان کے شاگردوں نے سنی تو دریافت کیا اس کی کیا صورت ہے؟ تو آپ نے آیت: ﴿فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ ......﴾ پڑھ کر سنائی۔

پھر فرمایا امتوں سے ان کے رسولوں سے قیامت کی دن سوال کیا ہوگا جیسے فرمان ہے: ﴿وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ﴾ (القصص: ۶۵) یعنی اس دن ندا کی جائے گی اور دریافت کیا جائے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟[1] اس آیت میں امتوں سے سوال کیا جانا بیان کیا گیا ہے اور آیت میں: ﴿یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ……﴾ (المائدہ: ۱۰۹) رسولوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں' غیب کا جاننے والا تو ہی ہے۔ پس امت سے رسولوں کی قبولیت کی بابت اور رسولوں سے تبلیغ کی بابت قیامت کے دن سوال ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک بااختیار ہے اور اپنے زیر اختیار لوگوں کی بابت اس سے سوال کیا جانے والا ہے۔ بادشاہ سے اس کی رعایا کا۔ ہر آدمی سے اس کے اہل و عیال کا۔ ہر عورت سے اس کے خاوند کے گھر کا۔ ہر غلام سے اس کے آقا کے مال کا سوال ہوگا۔ راوی حدیث حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بیان فرما کر پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ اس اضافہ کے بغیر یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے اور یہ اضافہ ابن مردویہ نے نقل کیا ہے۔ قیامت کے دن نامۂ اعمال رکھے جائیں گے اور سارے اعمال ظاہر ہو جائیں گے۔ خدا تعالیٰ ہر شخص کو اس کی اعمال کی خبر دے گا۔ کسی کے عمل کے وقت خدا غائب نہ تھا۔ ہر ہر چھوٹے بڑے' چھپے کھلے عمل کی خدا کی طرف سے خبر دی جائے گی خدا ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ نہ وہ کسی چیز سے غافل ہے۔ آنکھوں کی خیانت سے' سینوں کی چھپی ہوئی باتوں سے وہ واقف ہے۔ ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے۔ زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ ہوتا ہے' اسے بھی وہ جانتا ہے۔ تر و خشک چیز اس کے پاس کی کھلی کتاب میں موجود ہے۔

وَالۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ بِمَا کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۹﴾

اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔ ○

وزنِ اعمال ☆

قیامت کے دن نیکی' بدی' انصاف و عدل کے ساتھ تولی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَنَضَعُ الۡمَوَازِیۡنَ الۡقِسۡطَ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ﴾ (الانبیاء: ۴۷) قیامت کے دن ہم عدل کی ترازو رکھیں گے۔ کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں اور آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ذرّے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ نیکی کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم فرماتا ہے۔ سورہ قارعہ میں فرمایا' جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ اسے عیش و نشاط

[1] خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ امتوں نے انبیاء کو کیا جواب دیا اور انبیاء کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ لیکن یہ کارروائی محض ضابطے کے لئے ہے۔ اس کو آپ یوں سمجھئے کہ اگر کسی موقعہ واردات پر کوتوال شہر خود بھی موجود ہو اور اس نے ظالم کے ظلم کو بچشم خود دیکھا ہو۔ تاہم ضابطہ کی کارروائی کے بغیر مقدمہ دائر کرنا کوتوال کے لئے ممکن نہیں۔

کی زندگی ملی اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گیا۔ اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے۔ جو نام ہے بھڑکتی ہوئی آگ کے خزانہ کا اور آیت میں ہے: ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ (المومنون: ۱۱۰) یعنی جب نفحہ پھونک دیا جائے گا۔ سارے رشتے اور ناتے اور نسب حسب ٹوٹ جائیں گے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ نیک اعمال اگر تول میں بڑھ گئے تو فلاح پالی۔ ورنہ خسارے کے ساتھ جہنم داخل ہوئے۔

فوائد ☆ کوئی تو کہتا ہے کہ خود اعمال تولے جائیں گے کوئی کہتا ہے نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے خود عمل کرنے والے تولے جائیں گے۔ ان تینوں تولوں کو اس طرح جمع کرنا بھی ممکن ہے کہ ہم کہیں یہ سب صحیح ہیں۔ کبھی اعمال تولے جائیں گے۔ کبھی نامۂ اعمال۔ کبھی خود اعمال کرنے والے۔ واللہ اعلم۔ ان تینوں باتوں کی دلیلیں بھی موجود ہیں۔ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ اعمال گو ایک بے جسم چیز ہے لیکن قیامت کے دن خدا تعالیٰ انہیں جسم عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے' سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران قیامت کے دن دو سائبانوں یا دو ابر کی یا پر پھیلائے پرندوں کے دو جھنڈ کی صورت میں آئیں گی اور حدیث میں ہے کہ قرآن اپنے قاری اور عامل کے پاس ایک نوجوان خوش شکل' نورانی چہرے والے کی صورت میں آئے گا۔ یہ اسے دیکھ کر پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں قرآن ہوں' جو تجھے راتوں کی نیند نہیں کرنے دیتا تھا اور دنوں میں پانی پینے سے روکتا تھا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس میں قبر کے سوال جواب کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مومن کے پاس ایک نوجوان خوبصورت خوش پوش آئیگا۔ یہ اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دیگا کہ میں تیرا نیک عمل ہوں اور کافر کے پاس اور منافق کے پاس اسکے برخلاف شخص کے آنے کا بیان ہے۔

یہ تو تھیں پہلے قول کی دلیلیں۔ دوسرے قول کی دلیلیں یہ ہیں ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے۔ جن میں سے ایک اتنا بڑا ہوگا جتنی دور تک نظر پہنچے۔ پھر ایک پرچہ نیکی کا لایا جائے گا۔ جس میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہوگا۔ یہ کہے گا' خدایا یہ اتنا سا پرچہ ان دفتروں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس سے بے خطر رہ کہ تجھ پر ظلم کیا جائے۔ اب وہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلہ میں نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ تو وہ سب دفتر اونچے ہو جائیں گے اور یہ سب سے زیادہ وزن والے اور بھاری ہو جائے گا (ترمذی) تیسرا قول بھی دلیل رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے ایک بہت موٹا تازہ گنہگار انسان خدا کے سامنے لایا جائے گا لیکن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن خدا کے پاس اس کا نہ ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف: ۱۰۵) ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی تعریف میں جو حدیثیں ہیں' ان میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی پتلی پنڈلیوں پر نہ جانا۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزن دار ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰

اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگانی پیدا کیا تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ ○

کفرانِ نعمت ☆

اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے زمین اپنے بندوں کے رہنے سہنے کو بنا دی۔ اس میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے کہ ملے جلے نہیں۔ اس میں چشمے جاری کر دیئے۔ اس میں منزلیں اور گھر بنانے کی طاقت انسان کو عطا فرمائی اور بہت سے نفع کی چیزیں اس کے لئے رکھ دیں۔ ابر مقرر کر کے اس میں سے پانی برسا ان کے لئے کھیت اور باغات مقرر کر دیئے۔ تلاشِ معاش کے ذریعے جمع کر دیئے۔ تجارت اور کمائی کے ڈھنگ سکھا دیئے۔ باوجود اس کے اکثر لوگ پوری شکر گزاری نہیں کرتے اور آیت میں فرمان ہے: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ (ابراہیم: ۳۴) یعنی اگر تم خدا کی نعمتوں کو ماننے بیٹھے تو یہ بھی تمہارے بس کی بات نہیں لیکن انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔

مَعَايِشَ تو جمہور کی قراءت ہے لیکن عبدالرحمٰن ابن ہرمزاعرج مَعَائِشَ پڑھتے ہیں اور ٹھیک وہی ہے جس پر اکثریت ہے۔ اس لئے کہ معایش جمع ہے مَعِيْشَةٌ کی۔ اس کا باب عاش يَعِيْشُ عِيْشًا ہے۔ مَعِيْشَةٌ کی اصل مَعْيِشَةٌ ہے۔ کسرہ بے ثقیل ہے۔ نقل کر کے ماقبل کو دیا مَعِيْشَةٌ ہو گیا لیکن جمع کے وقت پھر کسرہ ی پر آ گیا کیونکہ اب ثقل نہ رہا۔ پس مَفَاعِلُ کے وزن پر مَعَايِشُ ہو گیا کیونکہ اس کلمہ میں یا اصلی ہے بخلاف مدائن، صحائف اور بصائر کے جو مدینہ صحیفہ اور بصیرہ کی جمع ہے۔ باب مدن صحف اور ابصر سے۔ ان میں چونکہ یا زائد ہے۔ اس لئے ہمزہ دی جاتی ہے اور مفاعل کے وزن پر جمع آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ ○

ایک اور انعام جو انسان پر کیا گیا ☆

انسان کے شرف کو اس طرح بیان فرماتا ہے کہ تمہارے باپ آدم کو میں نے بنایا اور ابلیس کی عداوت کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم کا حسد کیا۔ ہمارے فرمان سے سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر اس نے حکم برداری نہ کی۔ پس تمہیں چاہئے کہ دشمن کو دشمن سمجھو اور اس کے داؤں گھات سے ہوشیار رہو۔ اسی واقعہ کا ذکر: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا......﴾ (الحجر: ۲۸) میں بھی ہے حضرت آدم علیہ السلام کو پروردگار نے اپنے ہاتھ مٹی سے بنایا۔ انسان صورت عطا فرمائی۔ پھر اپنے پاس کی روح پھونکی۔ پھر اپنی شان کی جلالت منوانے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کے سامنے جھک جاؤ۔ سب نے سنتے ہی اطاعت کر لی لیکن ابلیس نہ مانا۔ اس واقعہ کو سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم لکھ آئے ہیں۔ اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور اسی کو امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پسند فرمایا ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ انسان اپنے باپ کی پیٹھ میں پیدا کیا جاتا ہے اور اپنی ماں کے پیٹ میں صورت دیا جاتا ہے اور بعض سلف نے بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں مراد اولادِ آدم علیہ السلام ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اس کی اولاد کی صورت بنائی لیکن یہ سب اقوال غور طلب ہیں کیونکہ آیت میں اس کے بعد ہی فرشتوں کے سجدے کا ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی ہوا تھا۔

جمع کے صیغہ سے اس کا بیان اس لئے ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اس کی نظیر آیت: ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ......﴾ (البقرہ: ۵۷) ہے کہ خطاب ان بنی اسرائیل سے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور دراصل ابر کا سایہ ان کے پہلوں پر ہوا تھا۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے نہ کہ ان پر لیکن چونکہ ان کے اکابر پر سایہ یہ وہ احسان تھا کہ ان کو بھی اس کا شکر گزار ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے انہی کو خطاب کر کے اپنی وہ نعمت یاد دلائی۔ یہاں یہ روشن ہے اور اس کے بالکل برعکس آیت: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ......﴾ (المومنون: ۱۲) ہے کہ مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ صرف وہی مٹی سے بنائے گئے۔ ان کی کل اولاد نطفے سے پیدا ہوئی اور یہ ہی صحیح ہے۔ کیونکہ مراد جنس انسان ہے نہ کہ معین۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿۱۲﴾

حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کون امر مانع ہے جب کہ میں تجھ کو حکم دے چکا۔ کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔ O

غرورِ شیطانی ☆

﴿أَلَّا تَسْجُدَ﴾ میں لَا بقول بعض نحویوں کے زائد ہے اور بعض کے نزدیک انکار کی تاکید کے لئے ہے جیسے کہ شاعر کے قول مَا اِنْ رَأَيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهِ میں مَا نافیہ پر اِنْ نفی کیلئے صرف تاکیداً داخل ہوا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ پہلے: لَمْ يَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ہے۔ پھر مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ ان قولوں کو بیان کر کے انہیں رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں مَنَعَكَ ایک دوسرے فعل مقدر کا متضمن ہے۔ تو تقدیر عبادت یوں ہوئی: مَا اَحْرَجَكَ وَاَلْزَمَكَ وَاضْطَرَّكَ أَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ یعنی کس چیز نے بے بس محتاج اور ملزم کر دیا کہ تو سجدہ نہ کرے وغیرہ۔ یہ قول بہت ہی قوی ہے اور بہت عمدہ ہے۔ واللہ اعلم

ابلیس نے جو وجہ بتائی سچ تو یہ ہے کہ وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہے۔ گویا وہ اطاعت سے اس لئے باز رہتا ہے کہ اس کے نزدیک فاضل کو مفضول کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم ہی نہیں دیا جا سکتا۔ تو وہ ملعون کہہ رہا ہے کہ اس سے بہتر ہوں۔ پھر مجھے اس کے سامنے جھکنے کا حکم کیوں ہو رہا ہے؟ پھر اپنے بہتر ہونے کے ثبوت میں کہتا ہے کہ میں آگ سے بنا یہ مٹی سے۔ ملعون اصل عنصر کو دیکھتا ہے اور اس فضیلت کو بھول جاتا ہے کہ مٹی کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور اپنی روح پھونکی ہے پس بوجہ اس کے کہ اس نے فرمان خداوندی کے ہوتے ہوئے قیاس فاسد سے کام لیا اور سجدے سے رک گیا۔ خدا کی رحمتوں سے دور ڈال دیا گیا اور تمام نعمتوں سے محروم رہ گیا۔ اس ملعون نے اپنے قیاس اور اپنے دعوے میں بھی خطا کی۔ مٹی کے اوصاف ہے نرم ہونا' حامل مشقت ہونا' دوسرے کا بوجھ سہارنا' چیزوں کا اُگانا بڑھانا' پرورش کرنا' اصلاح کرنا وغیرہ اور آگ کی صفت ہے جلدی کرنا' جلا دینا' بے چینی پھیلانا' پھونک دینا۔ اسی لئے ابلیس اپنے گناہ پر اڑ گیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کی معذرت کی۔ اس سے توبہ کی اور خدا کی طرف رجوع کیا۔ رب کے احکام تسلیم کیا۔ اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ رب سے معافی چاہی۔ بخشش کے طالب ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ ابلیس آگ کے شعلے سے اور انسان اس چیز سے جو تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے یعنی مٹی سے۔ (مسلم) اور روایت میں ہے' فرشتے نور عرش سے' جنات آگ سے ...... ایک غیر صحیح حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ

زمین زعفران سے بنائی گئی ہیں۔ امام حسن فرماتے ہیں' ابلیس نے یہ قیاس کیا اور یہی پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا دروازہ کھولا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے۔ یاد رکھو سورج چاند کی بھی پرستش اس کی بدولت شروع ہوئی۔ اس کی اسناد بھی صحیح ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ﴿۱۳﴾

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۴﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۱۵﴾

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تو آسمان سے اُتر' تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر سو نکل بے شک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا وہ کہنے لگا کہ مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی۔ ○

کبر اور اُس پر دائمی لعنت ☆

ابلیس کو اسی وقت حکم ملا کہ میری نافرمانی اور میری حکم برداری سے رکنے کے باعث اب تو یہاں جنت میں نہیں رہ سکتا۔ یہاں سے اتر جا کیونکہ یہ جگہ تکبر کرنے کی نہیں بعضوں نے کہا ہے فِيهَا کی ضمیر مرجع منزلت ہے یعنی جن ملکوت اعلیٰ میں تو ہے۔ اس مرتبے میں کوئی سرکش رہ نہیں سکتا۔ جا یہاں سے چلا جا۔ تو اپنی سرکشی کے بدلے ذلیل و خوار ہستیوں میں شامل کر دیا گیا۔ تیری ضد اور ہٹ دھرمی کی یہی سزا ہے۔ اب لعین گھبرایا اور خدا سے مہلت چاہنے لگا کہ مجھے قیامت کی ڈھیل دی جائے۔ چونکہ جناب باری جل جلالہ کی اس میں مصلحتیں اور حکمتیں تھیں۔ بھلے برے کو دنیا میں ظاہر کرنا تھا اور اپنی حجت پوری کرنی تھی۔ اس ملعون کی اس درخواست کو منظور فرما لیا۔ اس حاکم پر کسی کی حکومت نہیں۔ اس کے سامنے بولنے کی کسی کو بولنے کی مجال نہیں۔ کوئی نہیں جو اس کے ارادے کو ٹال سکے۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم کو بدل سکے۔ وہ سریع الحساب ہے۔

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿۱۷﴾

وہ کہنے لگا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں اکثروں کو احسان ماننے والا نہ پائیے گا۔ ○

ابلیس ملعون کے دَم خم ☆

ابلیس نے جب عہد خداوندی لے لیا تو اب بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا کہ جیسے تو نے میری راہ ماری[1]۔ میں بھی آدم کی اولاد کی راہ ماروں گا اور حق کے اور نجات کے تیرے سیدھے راستے سے انہیں روکوں گا اور بہکا بہکا کر تیری توحید سے اور تیری عبادت سے ہٹا دوں گا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ فَبِمَا میں ب قسم کے لئے ہے۔ یعنی مجھے قسم ہے' اس میری بربادی کے مقابلہ میں اس کی اولاد کو برباد

[1] یہ بھی ابلیس کی ایک اور گستاخی ہے کہ اپنی ضلالت و گمراہی کی نسبت خدا تعالیٰ کی جانب کرتا ہے۔

کر کے رہوں گا۔ عون بن عبداللہ کہتے ہیں میں مکہ کے راستے پر بیٹھ جاؤں گا لیکن صحیح یہی ہے کہ نیکی کے ہر راستے پر۔ چنانچہ مسند احمد مرفوع حدیث میں ہے کہ شیطان آدم کی تمام راہوں پر بیٹھتا ہے۔ وہ اسلام کی راہ کی رکاوٹ کے لئے بیٹھ کر اسلام لانے کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے کہ اپنے اور اپنے باپ دادوں کے دین کو کیوں چھوڑتا ہے۔ خدا کو اگر بہتری منظور ہوتی ہے تو وہ اس کی باتوں میں نہیں آتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ ہجرت کی راہ مارنے کے لئے بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے وطن کو چھوڑتا ہے؟ اپنے زمین و آسمان سے الگ ہوتا ہے؟ غربت کی بے کس زندگی اختیار کرتا ہے؟ لیکن مسلمان اس کے بہکانے میں نہیں آتا اور ہجرت کر گزرتا ہے۔ جہاد کی روک کے لئے آتا ہے اور جہاد مال سے ہے اور جان سے' اس سے کہتا ہے کہ تو کیوں جہاد میں جاتا ہے؟ وہاں قتل کر دیا جائے گا۔ پھر تیری بیوی دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی' تیرا مال اوروں کے قبضے میں چلا جائے گا لیکن مسلمان اس کی نہیں مانتا اور جہاد میں قدم رکھ دیتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کا خدا پر حق ہے کہ وہ انہیں جنت میں لے جائے گو وہ جانور سے گر کر ہی مر جائیں[۲]۔

اس دوسری آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آگے سے آنے کا مطلب آخرت کے معاملہ میں شک و شبہ دل میں پیدا کرنا ہے۔ دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی رغبتیں دلاؤں گا۔ دائیں طرف سے آنا امر دین کو مشکوک کرنا ہے۔ بائیں طرف سے آنا گناہوں کو لذیذ بنانا ہے۔ شیطان کا یہی کام ہے اور روایت میں ہے کہ شیطان کہتا ہے میں ان کی دنیا' آخرت' نیکیاں' بھلائیاں سب تباہ کر دینے کی کوشش میں رہوں گا اور برائیوں کی طرف ان کی رہبری کروں گا۔ وہ سامنے سے آ کر کہتا ہے کہ جنت' دوزخ' قیامت کوئی چیز نہیں۔ وہ پشت کی جانب سے آ کر کہتا ہے' دیکھ دنیا کس قدر زینت دار ہے۔ وہ دائیں سے آ کر کہتا ہے' خبردار نیکی کی راہ بہت کٹھن ہے۔ وہ بائیں سے آ کر کہتا ہے دیکھ گناہ کس قدر لذیذ ہیں۔ پس ہر طرف سے آ کر ہر طرح بہکاتا ہے۔ ہاں یہ خدا کا کرم ہے کہ اوپر کی طرف سے نہیں آ سکتا۔ خدا اور بندے کے درمیان حائل ہو کر رحمت خدا کو روک نہیں سکتا۔ پس سامنے سے یعنی دنیا اور پیچھے آخرت اور دائیں یعنی اس طرح کہ دیکھیں اور بائیں یعنی اس طرح کہ نہ دیکھیں۔ یہ اقوال سب ٹھیک ہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تمام خیر کے کاموں سے روکتا ہے اور شر کے تمام کام سمجھاتا ہے۔ اوپر کی سمت کا نام آیت میں نہیں۔ وہ سمت رحمت خدا کے آنے کے لئے خالی ہے اور وہاں شیطان کی رکاوٹ نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اکثروں کو تو شاکر نہیں پائے گا۔ ابلیس کا گو یہ وہم وہم تھا لیکن نکلا مطابق واقعہ جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ ......﴾ (سباء: ۲۰) یعنی ابلیس نے اپنا گمان پورا کر دکھایا سوا مومنوں کی پاکباز جماعت کے اور لوگ اس کے مطیع بن گئے۔ حالانکہ شیطان کی کچھ ان پر حکومت تو نہ تھی مگر ہاں ہم صحیح طور سے ایمان رکھنے والوں کو اور شکی لوگوں کو الگ الگ کر دینا چاہتے۔ تیرا ربّ ہر چیز کا حافظ ہے۔ مسند بزار کی ایک حسن حدیث میں ہر طرف سے پناہ مانگنے کی ایک دعا آئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالعَافِيَةَ فِىْ دِيْنِىْ وَدُنْيَاىَ وَاَهْلِىْ وَمَالِىْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِىْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِىْ وَاحْفَظْنِىْ مِنْ بَيْنِ يَدَىَّ وَمِنْ خَلْفِىْ وَعَنْ يَمِيْنِىْ وَعَنْ شِمَالِىْ وَمِنْ فَوْقِىْ وَاَعُوْذُبِكَ اَللّٰهُمَّ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِىْ))۔

---

۱ یعنی ان کو گمراہ کروں گا۔

۲ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان جہاد میں گھوڑے پر بیٹھ کر شرکت کرے اور جہاد کی ابھی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ اس کا گھوڑا بدکا اور وہ گر کر مر گیا تو بھی اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔ حالانکہ ابھی اس کی تلوار نے کفار کو قتل بھی نہیں کیا تھا' تو معمولی خدمت پر یعنی صرف جہاد کی شرکت ہی پر خدا تعالیٰ نے یہ اجر عظیم عطا فرمایا۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ ہر صبح شام اس دعا کو پڑھتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ العافِيَةَ فِی الدِّیْنِ والْاٰخِرَةِ)) اس کے بعد کی دعا کے کچھ فرق سے تقریباً وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئی ہیں۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم کو جہنم سے بھر دوں گا۔ ○

عبرت انگیز انجام ☆

اُس پر خدا کی لعنت نازل ہوتی ہے۔ رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے۔ فرشتوں کی جماعت سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ ملعون قرار دے کر اُتار دیا جاتا ہے۔ مذؤم ماخوذ ہے ذام اور ذیم سے اور یہ لفظ بہ نسبت لفظ دم کے زیادہ مبالغہ والا ہے۔ پس اس کے معنی عیب دار کے ہوئے اور مدحور کے معنی دور کئے ہوئے کے ہیں۔ مقصد دونوں سے ایک ہی ہے۔ پس یہ ذلیل ہو کر خدائی غضب میں مبتلا ہو کر نیچے اتار دیا گیا۔ خدا کی لعنت اس پر نازل ہوئی اور نکال دیا گیا اور فرمایا کہ تو اور تیرے ماننے والے سب کے سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ ......﴾ (الاسراء: ۶۳) تمہاری سب کی سزا جہنم ہے...... تو جس طرح چاہ انہیں بہکا لیکن اس سے مایوس ہو جا کہ میرے خاص بندے تیرے وسوسوں میں آجائیں۔ ان کا وکیل میں آپ ہوں۔

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ⑳ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ㉑

اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو پھر جس جگہ چاہو دونوں آدمی کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ۔ کبھی ان لوگوں کے شمار میں مت آجاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کر دے اور کہنے لگا کہ تمہارے ربّ نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر محض اس وجہ سے کہ تم کہیں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور ان دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ یقین جانئے کہ میں آپ دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ ○

ابلیس کی گمراہ کن کوششیں ☆

ابلیس کو نکال کر حضرت آدم وحوا کو جنت میں پہنچا دیا گیا اور بجز ایک درخت کے انہیں ساری جنت کی چیزیں کھانے کی رخصت

دے دی گئی۔ اس کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ شیطان کو اس سے بڑا ہی حسد ہوا۔ ان کی نعمتوں کو دیکھ کر لعین جل گیا اور ٹھان لی کہ جس طرح ہو انہیں بہکا کر خدا کے خلاف کرادوں۔ چنانچہ جھوٹ افترا باندھ کر ان سے کہنے لگا کہ دیکھو یہ درخت وہ ہے جس کے کھانے سے تم فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ کی زندگی اسی جنت میں پاؤ گے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ابلیس نے کہا' میں تمہیں ایک درخت کا پتہ دیتا ہوں' جس سے تمہیں بقا اور ہیشگی والا ملک مل جائے۔ یہاں ہے کہ ان سے کہا تمہیں اس درخت سے صرف اس لئے روکا گیا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ۔ جیسے فرمان ہے: ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا﴾ (النساء:۱۷۶) مطلب یہ ہے کہ لِئَلَّا تَضِلُّوْا اور آیت میں ہے: اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ یہاں بھی یہی مطلب ہے۔ مَلَكَيْنِ کی دوسری قراءت مَلِكَيْنِ بھی ہے۔ لیکن جمہور کی قرأت لام پر زبر کے ساتھ ہے۔ پھر اپنا اعتبار بٹھانے کے لئے قسمیں کھانے لگا کہ دیکھو میری بات کو سچی مانو۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تم سے پہلے سے ہی یہاں رہتا ہوں۔ ہر ایک چیز کے خواص سے واقف ہوں' تم اسے کھالو' بس پھر یہیں رہو گے بلکہ فرشتے بن جاؤ گے۔ قَاسَمَ گو باب مفاعلہ سے ہے اور اس کی خاصیت طرفین کی مشارکت ہے لیکن یہ خاصیت نہیں ہے۔ ایسے اشعار بھی ہیں جہاں قَاسَمَ آیا ہے اور صرف ایک طرف کے لئے۔ اس قسم کی وجہ سے اس خبیث کے بہکانے میں حضرت آدم آ گئے سچ ہے مومن اس وقت دھوکا کھا جاتا ہے جب کوئی ناپاک انسان خدا کو بیچ میں دیتا ہے۔ چنانچہ سلف کا قول ہے کہ ہم خدا کے نام کے بعد اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

سو ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا۔ پس ان دونوں نے درخت کو چکھا دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے ممانعت نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ دونوں کہنے لگے کہ اے رب ہمارے ہم نے اپنا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا۔ ○

شجرِ ممنوعہ کا استعمال' اِس کے اثرات اور عبدِ منیب کی اِنابت و اعتراف ☆

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کا قد مثل درخت کھجور کے بہت لا بنا تھا اور سر پر بہت لمبے لمبے بال تھے۔ درخت کھانے سے پہلے اپنی شرمگاہ کا علم بھی نہ تھا۔ نظر ہی نہ پڑی تھی لیکن اس خطا کے ہوتے ہی وہ ظاہر ہو گئی۔ بھاگنے لگے تو بال ایک درخت میں اُلجھ گئے۔ کہنے لگے اے درخت مجھے چھوڑ دے۔ درخت سے جواب ملا کہ ناممکن ہے۔ اسی وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم مجھ سے بھاگ رہا ہے۔ کہنے لگے خدایا شرمندگی ہے' شرمسار ہوں۔ گو یہ روایت مرفوع بھی مروی ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ موقوف

ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ درخت سنبلہ کھالیا اور چھپانے کی چیز ظاہر ہوگئی۔ جنت کے پتوں سے چھپانے لگے۔ایک کو ایک پر لگانے لگے۔حضرت آدم علیہ السلام مارے غیرت کے ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔لیکن ایک درخت کے ساتھ اُلجھ کر رہ گئے۔اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں خدایا مگر شرماتا ہوں۔ جناب باری نے فرمایا میں نے جو کچھ تجھے دے رکھا ہے کیا وہ کافی نہ تھا۔آپ نے جواب دیا' بیشک کافی تھا لیکن خدایا مجھے علم نہ تھا کہ کوئی تیرا نام لے کر تیری قسم کھا کر جھوٹ کہے گا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اب میری نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانی ہوں گی۔ چنانچہ جنت سے دونوں کو اُتار دیا گیا۔اب اس کشادگی کے بعد کی یہ تنگی ان پر بہت گراں گزری۔کھانے پینے کو ترس گئے۔ پھر انہیں لوہے کی صنعت سکھائی گئی۔کھیتی کا کام بتایا گیا۔آپ نے زمین صاف کی۔ دانے بوئے' وہ آگے بڑھے' بالیں نکلیں' دانے پکے' پھر توڑے گئے' پھر پیسے گئے' پھر آٹا گندھا' پھر روٹی تیار ہوئی' پھر کھائی۔ جب جا کر بھوک کی تکلیف سے نجات پائی۔انجیر کے پتوں سے اپنا آگا پیچھا چھپاتے پھرتے تھے جو کپڑے جیسے تھے۔وہ نورانی پردے جس سے ایک دوسرے سے یہ اعضاء چھپے ہوئے تھے۔نافرمانی ہوتے ہی ہٹ گئے اور وہ نظر آنے لگے۔حضرت آدم علیہ السلام اسی وقت خدا کی طرف رجوع کرنے لگے۔توبہ استغفار کی طرف جھک پڑے' بخلاف ابلیس کے کہ اس نے سزا کا نام سنتے ہی اپنے ابلیسی ہتھیار یعنی ہمیشہ کی زندگی وغیرہ طلب کی۔خدا نے دونوں کی دعا سنی اور دونوں کی طلب کردہ چیزیں عنایت فرمائیں۔روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب درخت کھا لیا۔اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اس درخت سے میں نے تمہیں روک دیا تھا' پھر تم نے اسے کیوں کھایا؟ کہنے لگے حواء نے مجھے اس کی رغبت دلائی اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ان کی سزا یہ ہے کہ حمل کی حالت میں بھی تکلیف میں رہیں گی۔ بچہ ہونے کے وقت بھی تکلیف اُٹھائیں گی۔ یہ سنتے ہی حضرت حوا نے نوحہ شروع کیا۔حکم ہوا کہ یہی تجھ پر اور تیری اولاد پر لکھ دیا گیا۔حضرت آدم علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی اور خدا نے انہیں دعا سکھائی' جو دعا انہوں نے کی اور قبول ہوئی۔قصور معاف فرما دیا گیا۔ الحمد للہ۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم بعضے دوسرے بعضوں کے دشمن رہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ایک وقت تک فرمایا کہ تم کو وہاں ہی بسر کرنا اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر پیدا ہونا ہے۔ ○

تکوین اُمور اور اُن کا نفاذ ☆

بعض کہتے ہیں یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت حوا کو شیطان ملعون کو اور سانپ کو ہے۔بعض سانپ کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور شیطان ملعون ہے۔ جیسے سورۂ طٰہٰ میں ہے: ﴿اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾ (آیت ۱۲۳) حوا حضرت آدم علیہ السلام کے تابع تھیں اور سانپ کا ذکر اگر صحت تک پہنچ جائے تو وہ ابلیس کے حکم میں آ گیا۔مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں کہ آدم کہاں اُترے۔شیطان کہاں پھینکا گیا وغیرہ لیکن دراصل ان کا مخرج بنی اسرائیل کی روایتیں ہیں اور ان کی صحت کا علم اللہ

ہی کو ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس جگہ کے جان لینے سے کوئی دینی فائدہ نہیں [1]۔ اگر ہوتا تو اس کا ذکر قرآن میں یا حدیث میں ضرور ہوتا کہ دیا گیا کہ اب تمہارے قرار کی جگہ زمین ہے۔ وہیں تم اپنی مقررہ زندگی کے دن پورے کرو گے۔ جیسے کہ ہماری پہلی کتاب لوح محفوظ میں اوّل ہی سے درج ہے۔ اسی زمین پر جیو گے اور مرنے کے بعد بھی اسی میں دبائے جاؤ گے اور پھر حشر و نشر بھی اسی میں ہوگا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ (طٰہٰ: ۵۵) پس اولاد آدم کے لئے تو جینے کی جگہ بھی یہی اور مرنے کی جگہ بھی یہی، قبریں بھی اسی میں اور قیامت کے دن اُٹھیں گے بھی اسی سے، پھر بدلہ دیئے جائیں گے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اے اولاد آدم کی ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری پردہ داریوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس، یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔ ○

لباسِ تقویٰ ☆

یہاں اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرماتا ہے کہ اس نے لباس اُتارا اور ریش بھی۔ لباس تو وہ ہے جس سے انسان اپنا ستر چھپائے اور ریش وہ ہے جو بطور زینت رونق اور جمال کے پہنا جائے۔ اوّل تو ضروریات زندگی سے ہے اور ثانی زیادتی ہے۔ ریش کے معنی مال کے بھی ہیں اور ظاہری پوشاک کے بھی ہیں اور جمال خوش لباسی کے بھی ہیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے نیا کرتہ پہنتے ہوئے جبکہ گلے تک وہ پہن لیا، فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ پھر فرمانے لگے، میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو شخص نیا کپڑا پہنے اور اس کے گلے تک پہنچتے ہی یہ دعا پڑھے پھر پرانا کپڑا راہ اللہ کے دے دے تو وہ اللہ کے ذمے میں، اللہ کی پناہ میں اور اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ زندگی میں بھی اور پھر بعد از مرگ بھی۔ (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ) مسند احمد میں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان سے ایک کرتہ تین درہم کو خریدا اور اسے پہنا۔ جب پہنچوں اور ٹخنوں تک پہنچا اور پہنتے وقت آپ نے یہ دعا پڑھی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَزَقَنِيْ مِنَ الرِّيَاشِ مَآ اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِي النَّاسِ وَاُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ یہ دعا سن کر آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کیا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ کہ آپ اسے کپڑا پہننے کے وقت پڑھتے تھے یا آپ از خود اسے پڑھ رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

لِبَاسُ التَّقْوٰى کی قراءت لِبَاسَ التَّقْوٰى سین کے زبر سے بھی ہے۔ رفع سے پڑھنے والے اسے مبتدا کہتے ہیں اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد قیامت کے دن پرہیزگاروں کو جو لباس عطا ہوگا، وہ ہے۔ ابن جریج کا قول ہے، لباس تقویٰ ایمان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عمل صالح ہے۔ عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مراد اس سے مشیت خداوندی

[1] یعنی وہ مقام جہاں پر آدم علیہ السلام کو اتارا گیا تھا، مولانا علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں لکھا ہے کہ آدم ہندوستان میں اتارے گئے اور مشہور بھی یہی ہے۔ ابن کثیر نے یہ بڑا قیمتی اصول ذکر کیا ہے کہ جن چیزوں کے جاننے میں کوئی دینی فائدہ نہیں کو معلوم کرنے کی کوشش بیکار ہے۔ آج کل کے بہت سے فتنوں کا مبنی صرف یہ ہے کہ ایک غیر اہم چیز کو اہم بلکہ دین کا بڑا ستون قرار دے کر غیر ضروری بحث اور مناظروں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

ہے۔عبدالرحمن رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' خدا کے ڈر سے اپنی ستر پوشی کرنا لباس تقوی ہے۔ یہ کل اقوال آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں۔ بلکہ مراد یہ سب کچھ ہے اور باہم یک دیگر قریب قریب ہیں۔ایک ضعیف سند والی روایت میں حضرت حسن سے مرقوم ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر نبوی پر کھلی گھنڈیوں کا کرتا پہنے ہوئے کھڑا دیکھا۔اس وقت کتوں کے مار ڈالنے کا اور کبوتر بازی کی ممانعت کا حکم دے رہے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا' لوگو! اللہ سے ڈرو' خصوصاً اپنی پوشیدگیوں میں اور چپکے چپکے کانا پھوسی کرنے میں۔ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپ قسم کھا کر بیان فرماتے تھے کہ جو شخص جس کام کو پوشیدہ سے پوشیدہ کرے گا' اللہ تعالیٰ اسی کی چادر اس پر علانیہ ڈال دے گا۔اگر نیک ہے تو نیک اور بد ہے تو بد[1]۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اس سے مراد خوش خلقی ہے۔ہاں صحیح حدیث میں صرف اتنا مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر کتوں کے قتل کرنے اور کبوتروں کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے اولاد آدم کی شیطان تمہیں کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کرا دیا ایسی حالت میں کہ ان کا لباس بھی ان سے اُتروا دیا تا کہ ان کو ان کے پردہ کا بدن دکھلائی دینے لگے اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو ہم شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ O

شیطانی اغواء سے حفاظت کا اہتمام ☆

تمام انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ متنبہ کر رہا ہے کہ دیکھو ابلیس کی مکاریوں سے بچتے رہنا۔وہ تمہارا بڑا ہی دشمن ہے۔دیکھو اسی نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو دار سرور سے نکالا اور اس مصیبت کے قید خانے میں ڈالا۔ان کی پردہ دری کی۔پس تمہیں ان کے ہتھکنڈوں سے بچنا چاہئے جیسے فرمان ہے: ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ (الکہف: ۵۰) یعنی کیا تم ابلیس اور اس کی قوم کو اپنا دوست بناتے ہو؟ مجھے چھوڑ کر؟ حالانکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ظالموں کو بہت ہی برا بدلہ ہے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا

[1] یعنی نیکی اگر کتنا ہی چھپ کر کی جائے خدا تعالیٰ اس کو بھی ظاہر فرما دیتے ہیں اور برائی بھی بہر حال ظاہر ہو کر رہتی ہے۔خدا تعالیٰ کا ایک نام ستار العیوب بھی ہے یعنی برائیوں کا چھپانے والا تو برائیوں کو اچھالنا خدا تعالیٰ اس کی صفت (ستر عیب) کے خلاف نہیں کیونکہ بالعموم اسی وقت اس کے عیوب افشا کئے جاتے ہیں جبکہ اس کو عیوب کی عادت ہی پڑ جائے۔

وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۚ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہی بتلایا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیا خدا تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خاص اللہ ہی کے لئے رکھا کرو۔ تم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہو گے۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے۔ ان لوگوں نے شیطانوں کو رفیق بنالیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔ ○

برائیوں کی نسبت اللہ عزوجل کی جانب گستاخی ہے ☆

مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہیں اور کہتے تھے کہ جیسے ہم پیدا ہوئے ہیں اسی حالت میں طواف کریں گے۔ عورتیں بھی آگے کوئی چمڑے کا ٹکڑا یا اور کوئی چیز رکھ لیتی تھیں اور کہتی تھیں:

اَلْيَوْمَ يَبْدُوْ بَعْضُهٗ اَوْ كُلُّهٗ ☆ وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا اُحِلُّهٗ

آج کل اس کا تھوڑا سا حصہ یا کل حصہ ظاہر ہو جائے گا اور جتنا ہو میں اسے اس کے لئے جائز نہیں رکھتی۔ اس پر آیت: ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا......﴾ نازل ہوئی۔ یہ دستور تھا کہ قریش کے سوائے تمام عرب بیت اللہ شریف کا طواف اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں نہیں کرتے تھے سمجھتے تھے کہ یہ کپڑے جنہیں پہن کر خدا کی نافرمانیاں کی ہیں اس قابل نہیں رہے کہ انہیں پہنے طواف کر سکے۔ ہاں قریش جو اپنے تئیں حمس کہتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں ہی طواف کرتے تھے اور جن لوگوں کو قریش کپڑے بطور ادھار دیں وہ بھی ان کے دیئے ہوئے کپڑے پہن کر طواف کر سکتا تھا۔ یا وہ شخص کپڑے پہنے طواف کر سکتا تھا جس کے پاس نئے کپڑے ہوں۔ پھر طواف کے بعد ہی اتار ڈالتا تھا۔ اب یہ کسی کی ملکیت نہیں ہونے کے۔ پس جس کے پاس نیا کپڑا نہ ہو اور حمس بھی اسے اپنا کپڑا نہ دے تو اسے ضروری تھا کہ وہ ننگا ہو کر طواف کرے۔ خواہ عورت ہو خواہ مرد۔ عورت اپنے آگے کے عضو پر کچھ معمولی سی چیز رکھ لیتی تھی اور کہتی تھی جس کا بیان اوپر گزرا لیکن عموماً عورتیں رات کے وقت طواف کرتی تھیں۔ یہ بدعت انہوں نے از خود گھڑ لی تھی اور سند بجز باپ دادوں کے اس فعل کے اور ان کے پاس کچھ نہ تھی لیکن اپنی خوش فہمی اور نیک ظنی سے کہہ دیتے تھے کہ خدا کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر یہ فرمودہ خدا نہ ہوتا تو ہمارے بزرگ اس طرح نہ کرتے۔ اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اے بنی آدم علیہ السلام آپ ان سے کہہ دیجئے کہ خدا تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں کرتا۔ ایک تو برا کام کرتے ہو۔ دوسرے حقیقت کے خلاف اس کی نسبت خدا کی طرف کرتے ہو۔ یہ بہت بڑی جرأت اور بے باکی ہے۔ کہ دے کہ رب العالمین کا حکم تو عدل و انصاف کا ہے استقامت اور دیانت داری کا ہے۔ برائیوں کے اور گندے کاموں کے چھوڑنے کا ہے عبادتیں ٹھیک طور پر بجالانے کا ہے۔ جو اس طرح پر ہوں جو طریقہ خدا کے سچے رسولوں نے جن کی سچائی ان کے زبردست معجزوں

سے خدا نے ثابت کردی ہے۔ ان کی لائی ہوئی شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا۔ جب تک اخلاص اور پیغمبر کی تابعداری کسی کام میں نہ ہو خدا کے ہاں وہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس نے جس طرح تمہیں اوّل اوّل پیدا کیا ہے۔ اس طرح دوبارہ بھی لوٹائے گا۔ دنیا میں بھی اسی نے پیدا کیا۔ آخرت کے دن بھی وہی قبروں سے دوبارہ پیدا کرے گا۔ پہلے تم کچھ نہ تھے۔ اس نے تمہیں بنایا اب مرنے کے بعد پھر بھی وہ تمہیں زندہ کردے گا۔ جیسے اس نے شروع میں تمہاری ابتدا کی تھی۔ اسی طرح پھر سے تمہارا اعادہ کرے گا۔

چنانچہ حدیث میں بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا۔ لوگو! تم اللہ کے سامنے ننگے پیروں، ننگے بدنوں، بے ختنہ جمع کئے جاؤ گے۔ جیسے کہ ہم نے تمہیں اور پیدائش میں کیا تھا، اسی کو پھر دوہرائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے ہی رہنے والے ہیں۔ یہ روایت صحیحین میں بھی ہے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جیسے ہم نے لکھ دیا ہے ویسے ہی تم ہوؤ گے۔ ایک روایت میں ہے جیسے تمہارے اعمال تھے۔ ویسے ہی تم ہوؤ گے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جس کی قسمت میں بدبختی لکھ دی ہے وہ بدبختی اور بداعمالی کی طرف ہی لوٹے گا گو درمیان میں نیک ہو گیا ہو اور جس کی تقدیر میں شروع سے ہی نیکی اور سعادت لکھ دی ہے وہ انجام کار نیک ہی ہو گا۔ گو اس سے کسی وقت برائی کے اعمال بھی سرزد ہو جائیں۔ جیسے کہ فرعون کے زمانے میں جادوگر، کہ ساری عمر سیاہ کاریوں میں گزری اور کفر میں کٹی، لیکن آخری وقت مسلمان اولیاء اللہ ہو کر مرے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ خدا تم میں سے ہر ایک کو ہدایت یا گمراہی پر پیدا کر چکا ہے ایسے ہی ہو کر تم ماں کے پیٹ سے نکلو گے۔ یہ ہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی مومن و کافر ہونے کی حالت میں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ (التغابن: ۲) پھر انہیں اسی طرح قیامت کے دن لوٹائے گا۔ یعنی مومن و کافر کے گروہوں میں۔

اسی قول کی تائید صحیح بخاری شریف سے بھی ہوتی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ اس کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کہ تم میں سے ایک شخص جنتیوں کے اعمال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک بالشت بھر کا یا ہاتھ بھر کا فرق رہ جاتا ہے۔ پھر اس پر لکھا ہوا سبقت کر جاتا ہے اور دوزخیوں کے اعمال شروع کر دیتا ہے اور اسی میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی جہنمیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ جہنم سے ایک ہاتھ یا ایک بالشت دور رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا آگے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے اور جنت نشین ہو جاتا ہے دوسری روایت بھی اسی طرح کی ہے، اس میں بھی یہ ہے کہ وہ کام اس کے لوگوں کی نظروں میں جہنم اور جنت کے ہوتے ہیں۔ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے اور حدیث میں ہے ہر نفس اسی پر اُٹھایا جائے گا۔ جس پر تھا (مسلم) اور روایت میں ہے، جس پر مرا۔ اگر آیت سے مراد یہی لی جائے، تو اس میں اور اس کے بعد کے فرمان: ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ﴾ (الروم: ۳۰) میں اور صحیحین کی حدیث کہ ''ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی و نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔'' میں اور صحیح مسلم کی حدیث، جس میں فرمان باری ہے کہ ''میں نے اپنے بندوں کو فطرت سلیم پر پیدا کیا، پھر شیطان نے انہیں ان کے دین سے بہکا دیا۔'' میں کوئی جمع ہونی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن یا کافر ہونے کے لئے پیدا کیا ہے۔ دوسرے حال میں گو پہلے حال میں اپنی معرفت و توحید پر پیدا کیا تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ جیسے کہ اس نے اس سے روز میثاق میں عہد بھی لیا تھا اور اسی وعدے کو ان کی جبلت میں اور ان کی گھٹی میں رکھ دیا تھا۔ باوجود اس کے اس نے مقدر کیا تھا کہ ان میں سے بعض شقی اور بدبخت ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے اسی نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔

اور حدیث میں ہے، ہر شخص صبح کرتا ہے۔ پھر اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے۔ کوئی ہیں جو اسے آزاد کرا لیتے ہیں کوئی ہیں جو اسے ہلاک کر بیٹھتے ہیں[1]۔ تقدیر خدا مخلوق خدا میں جاری ہے۔ اسی نے مقدر کیا۔ اسی نے ہر ایک کو اس کی پیدائش دی۔ پھر رہنمائی کی۔

[1] یعنی صبح سے اعمال نیک کا اگر سلسلہ شروع ہوا تو نجات ہے اور اگر بدعملی سے دن کا آغاز ہوا تو تباہی ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ سعادت والوں میں سے ہیں۔ ان پر نیکیوں کے کام آسان ہوں گے اور جو شقاوت والے ہیں ان پر بدیاں آسان ہوں گی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ اس فرقہ نے راہ پائی اور ایک فرقے پر گمراہی ثابت ہو چکی۔ پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنالیا ہے۔ اس آیت میں اس مذہب کی تردید ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کسی معصیت کے عمل پر یا کسی گمراہی کے عقیدے پر عذاب نہیں کرتا۔ تاوقتیکہ اس کے پاس صحیح چیز صاف آ جائے اور پھر وہ اپنی برائی پر ضد اور عناد سے جمار ہے کیونکہ اگر یہ مذہب صحیح ہوتا تو جو لوگ ہیں گمراہ لیکن اپنے تئیں ہدایت پر سمجھتے ہیں اور جو واقعی ہدایت پر ہیں' ان میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں فرق کیا۔ ان کے نام میں بھی اور ان کے احکام میں بھی۔ آیت آپ کے سامنے موجود ہے پڑھ لیجئے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

اے اولاد آدم کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے نکلو بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو۔ ○

مساجد کے لئے اہتمام ☆

اس آیت میں مشرکین کا رد ہے۔ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ جیسے کہ پہلے گزرا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ ننگے مرد دن کو طواف کرتے تھے اور ننگی عورتیں رات کو۔ اس وقت عورتیں کہا کرتی تھیں کہ آج اس کے خاص جسم کا حصہ کل یا کچھ حصہ ظاہر ہو' لیکن کسی کو وہ اس کا دیکھنا جائز نہیں کرتیں۔ پس اس کے خلاف مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا لباس پہن کر مسجدوں میں جاؤ۔ اللہ تعالیٰ زینت کے لئے حکم دیتا ہے اور مراد زینت سے لباس ہے اور لباس وہ ہے جو اعضائے مخصوصہ کو چھپالے اور اس کے سوا ہو' مثلاً اچھا کپڑا وغیرہ۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیت جوتیوں سمیت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ غور طلب اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ آیت اور جو کچھ اس کے معنی میں سنت میں وارد ہے۔ اس سے نماز کے وقت زینت کرنا مستحب ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً جمعہ کے دن اور عید کے دن' اور خوشبو لگانا بھی مسنون طریقہ ہے۔ اس لئے کہ وہ زینت میں سے ہی ہے اور مسواک کرنا بھی کیونکہ وہ زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے' جیسے کہ مسند احمد میں صحیح حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' سفید کپڑے پہنو۔ وہ تمہارے تمام کپڑوں سے افضل ہیں اور مسواک کرنا بھی کیونکہ وہ زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے' جیسے کہ مسند احمد میں صحیح حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سفید کپڑے پہنو۔ وہ تمہارے تمام کپڑوں سے افضل ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ سب سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے۔ وہ نظر تیز کرتا ہے اور بالوں کو اُگاتا ہے۔ سنن کی ایک اور حدیث میں ہے۔ سفید کپڑوں کو ضروری جانو اور انہیں پہنو' اچھے' بہت اچھے اور بہت پاک صاف ہیں۔ انہی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک چادر ایک ہزار کو خریدی تھی۔ نماز کے وقت اسے پہن لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد کی نصف آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام طب اور حکمت جمع کر دی۔ ارشاد ہے' کھاؤ پیو لیکن

ر سے تجاوز نہ کرو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے' کھاؤ پیو' لیکن دو باتوں سے بچو' اسراف اور تکبر سے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے' کھاؤ پیو' پہنو' اوڑھو ن صدقہ بھی کرتے رہو اور تکبر اور اسراف سے بچتے رہو۔ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے کے جسم پر دیکھے[1]۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' کھاؤ اور پہنو اور صدقہ کرو اور اسراف سے اور خود بینی سے بچو۔ نیز فرماتے ہیں' انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن یں بھرتا۔ انسان کو چند لقمے جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے' کافی ہیں۔ اگر یہ کافی نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ اپنے پیٹ کے تین حصے کر لے۔ ایک کھانے کے لئے ایک پانی کے لئے' ایک سانس کے لئے۔ فرماتے ہیں' یہ بھی اسراف میں سے ہے کہ جو تو چاہے' کھائے لیکن حدیث غریب ہے۔ مشرکین جہاں ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ وہاں زمانہ حج میں چربی کو بھی اپنے اوپر حرام جانتے تھے۔ تو خدا نے ونوں باتوں کے خلاف حکم نازل فرمایا۔ یہ بھی اسراف ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کھانے کو حرام کر دیا جائے۔ خدا کی دی ہوئی حلال چیز نک انسان کھائے پئے۔ حرام کھانا بھی اسراف ہے۔ حرام حلال کی خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں سے گزر نہ جاؤ۔ نہ حرام کو حلال کرو' نہ حلال و حرام کہو۔ ہر ایک حکم کو اسی کی جگہ پر رکھو۔ ورنہ مسرف اور دشمن خدا بن جاؤ گے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ یہ اس طور پر کہ قیامت کے دن بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خالص اہل ایمان کے لئے ہیں۔ ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ ○

شریعت میں تصرف کا کسی کو حق نہیں ☆

کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی ان بعض چیزوں کو بغیر خدا کے فرمائے حرام کر لینے والوں کی تردید ہو رہی ہے اور انہیں ان کے اس ل سے روکا جا رہا ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اس کی عبادت کرنے والوں کے لئے ہی تیار ہوئی ہیں۔ گو دنیا میں ن کے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہیں لیکن پھر قیامت کے دن یہ الگ کر دیئے جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ مشرک ننگے ہو کر دا کے گھر کا طواف کرتے تھے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے جاتے تھے۔ پس یہ آیتیں اتریں۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

آپ فرمایئے کہ البتہ میرے ربّ نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی

[1] مطلب یہ ہے کہ اگر امیر ہے تو اس کو کھانے، پینے، پہننے میں بخل نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اپنی ریاست کے اظہار کے لئے حرام کھانا۔ حرام پہننا جائز نہیں۔ مثلاً کوئی شخص ریشمی پیرہن استعمال کرے تو یہ بالکل ناجائز اور ممنوع ہے۔

بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کی تم سند نہ رکھو۔ ○

برائیوں کو چھوڑنے کا حکم ☆

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' خدا سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ سورۂ انعام میں چھپی کھلی بے حیائیوں کے متعلق پوری تفسیر گزر چکی ہے اور خدا تعالیٰ نے ہر گناہ کو حرام کر دیا ہے اور بے وجہ ظلم و تعدی کو' سرکشی اور غرور کو بھی اس نے حرام کیا ہے۔ پس اِثم سے مراد ہر گناہ ہے جو انسان آپ کرے اور بغی سے مراد وہ گناہ ہے جس میں دوسرے کا نقصان کرے یا اس کی حق تلفی کرے اسی طرح ربّ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا بھی حرام ہے اور ذات خدا پر بہتان باندھنا بھی مثلاً اس کی اولاد بتانا وغیرہ۔ جو واقعہ کے خلاف محض جہالت کی باتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ......﴾ (الحج: ۳۰) بتوں کی نجاست سے بچو......

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد مقرر ہے سو جس وقت ان کی میعاد معین آ جائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ اے اولاد آدم کی اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم میں سے ہوں گے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے۔ سو جو شخص پرہیز رکھے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ ہمارے احکام کو جھوٹا بتائیں گے اور ان سے تکبر کریں گے وہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ○

موت ٹل سکتی ہے لیکن وقت ٹل نہیں سکتا ☆

ہر زمانے اور ہر زمانے والوں کے لئے خدا کی طرف سے انتہائی مدت مقرر ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ ناممکن ہے کہ اس سے ایک منٹ کی تاخیر ہو یا ایک لمحے کی جلدی ہو۔ انسانوں کو ڈراتا ہے کہ وہ جب رسولوں سے ڈرانا اور رغبت دلانا سنیں تو بدکاریوں کو ترک کر دیں اور خدا کی اطاعت کی طرف جھک جائیں۔ جب وہ یہ کریں گے تو وہ کھٹکے اور ناامیدی سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر اس کا خلاف کیا' نہ دل سے مانا نہ عمل کیا تو وہ دوزخ میں جائیں گے اور پھر وہیں رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ

مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

سواس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر ظلم باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلا دے ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ ہے وہ ان کو مل جائے گا۔ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آئیں گے تو کہیں گے وہ کہاں گئے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہم سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔ ○

حسرت و ناکامی ☆

واقعہ یہ ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو خدا تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے اور وہ بھی جو خدا کے کلام کی آیتوں کو جھوٹا سمجھے۔ انہیں ان پر لکھا ہوا حصہ ملے گا۔ اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ انہیں سزا ہوگی۔ ان کے منہ کالے ہوں گے۔ ان کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا۔ خدا کے وعدے وعید پورے ہو کر رہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان کی عمر، عمل اور رزق جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے وہ دنیا میں تو لے گا۔ یہ قوم قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد کا جملہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی مطلب کی آیت: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ......﴾ (یونس:۶۹) ہے کہ خدا پر جھوٹ باتیں گھڑ لینے والے فلاح کو نہیں پہنچتے۔ دنیا میں گو کچھ فائدہ اُٹھالیں لیکن آخر تو ہمارے سامنے پیش ہوں گے۔ اسی وقت ان کے کفر کے بدلے میں انہیں ہم سخت سزائیں دیں گے اور آیت میں ہے کافروں کے کفر سے تو غمگین نہ ہو۔ ان کا لوٹنا ہماری جانب ہی ہوگا۔ پھر ہم خود انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے واقف ہے وہ دنیوی نفع تھوڑا بہت اُٹھالیں...... پھر فرمایا کہ ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آتے ہیں تو ان سے بطور طنز کہتے ہیں کہ اب اپنے معبودوں کو کیوں نہیں پکارتے کہ وہ تمہیں اس عذاب سے بچالیں۔ آج وہ کہاں ہیں؟ تو یہ نہایت حسرت سے جواب دیتے ہیں کہ افسوس وہ تو کھو گئے۔ ہمیں ان سے اب کسی نفع کی اُمید نہیں رہی۔ بس اپنے کفر کے آپ ہی معترف ہو کر مرتے ہیں۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں سے بھی ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں

جاؤ جس وقت بھی کوئی (کفار کی) جماعت داخل (دوزخ) ہوگی اپنی جیسی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب اس میں جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا' سو ان کو دوزخ کا عذاب (ہم سے) دوگنا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن (ابھی) تم کو (پوری) خبر نہیں اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ سو تم بھی اپنے کردار کے مقابلہ میں عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔ ○

نتیجۂ جہنم ☆

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکوں کو جو خدا پر افترا باندھتے تھے' اس کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے۔ فرمائے کہ تم بھی اپنے جیسوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ خواہ وہ جنات میں سے ہوں' خواہ انسانوں میں سے ہوں۔ جہنم میں جاؤ۔ ﴿فِي النَّارِ﴾ یا تو فِيْ أُمَمٍ کا بدل ہے یا فِيْ أُمَمٍ میں فِيْ معنی میں مَعَ کے ہے۔ ہر گروہ اپنے ساتھ کے اپنے جیسے گروہ پر لعنت کرے گا۔ جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تم ایک دوسرے سے اس روز کفر کرو گے ...... اور آیت میں ہے: ﴿إِذْ تَبَرَّأَ ......﴾ (البقرہ:۱۶۶) یعنی وہ ایسا برا وقت ہوگا کہ گرو اپنے چیلوں سے دست بردار ہو جائیں گے۔ عذاب کو دیکھتے ہی سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ مرید لوگ اس وقت کہنے لگیں گے کہ اگر ہمیں بھی یہاں سے پر واپس دنیا میں جانا مل جائے تو جیسے یہ لوگ آج ہم سے بیزار ہو گئے ہیں ہم بھی ان سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے کرتوت ان کے سامنے لائے گا جو ان کے لئے سر تا سر موجب حسرت ہوں گے اور یہ دوزخ سے کبھی آزاد نہ ہوں گے۔

یہاں فرماتا ہے کہ جب سارے کے سارے جہنم میں جا چکیں گے تو پچھلے یعنی تابعداری مریدی اور تقلید کرنے والے اگلوں سے یعنی جن کی وہ مانتے رہے' ان کی بابت اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ گمراہ کرنے والے ان سے پہلے ہی جہنم میں موجود ہوں گے کیونکہ ان کا گناہ بھی بڑھا ہوا تھا۔ کہیں گے کہ خدایا انہیں دگنا عذاب کر۔ چنانچہ اور آیت میں ہے: ﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ......﴾ (احزاب:۶۶) جب کہ ان کے چہرے آتش جہنم میں اِدھر اُدھر سے جھلستے جاتے ہوں گے۔ اس وقت حسرت و افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ کاش ہم خدا رسول کے مطیع ہوتے۔ خدایا ہم اپنے سرداروں اور بڑوں کی تابعداری کی' جنہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ خدایا انہیں دگنا عذاب کر۔ انہیں جواب ملا کہ ہر ایک کیلئے دگنا ہے۔ یعنی ہر ایک کو اس کی برائیوں کا پورا پورا بدلہ مل چکا ہے۔

جیسے فرمان ہے: ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا ......﴾ (النحل:۸۸) جنہوں نے کفر کیا اور راہ خدا سے روکا انہیں ہم زیادہ عذاب کریں گے اور آیت میں ہے: ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ مَعَ أَثْقَالِهِمْ﴾ (العنکبوت:۱۳) یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی اُٹھائیں گے اور آیت میں ہے کہ ان کے بوجھ بھی ان پر لادے جائیں گے جن کو انہوں نے بے علمی سے گمراہ کیا۔

اب وہ جن کی مانی جاتی رہی' اپنے ماننے والوں سے کہیں گے کہ جیسے ہم گمراہ تھے تم بھی گمراہ ہوئے۔ اب اپنے کرتوت کا بدلہ اُٹھاؤ اور آیت میں ہے: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (سباء:۳۱) کاش کہ تو دیکھتا جب کہ یہ گنہگار خدا کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے۔ ایک دوسرے پر الزام رکھ رہے ہوں گے۔ ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن بن جاتے تو وہ جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا؟ وہ تو تمہارے سامنے کھلی ہوئی موجود تھی۔ بات یہ ہے کہ تم خود ہی گنہگار بدکردار تھے۔ یہ پھر کہیں گے کہ نہیں نہیں تمہاری دن رات کی چالاکیوں نے اور تمہارے اس عقیدہ نے ہم خدا کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں' ہم کو گمراہ کر دیا۔ بات یہ ہے کہ سب کے سب اس وقت سخت نادم ہوں گے۔ لیکن ندامت کو چھپانے کی کوشش میں ہوں گے۔

کفار کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہوں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ نہ کم نہ بیش۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور ان (کے ماننے) سے تکبر کرتے ہیں ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر نہ چلا جائے اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ان کیلئے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ○

کافروں پر جنت حرام کر دی گئی ☆

کافروں کے نہ تو نیک اعمال خدا کی طرف سے چڑھیں نہ اُن کی دعائیں قبول ہوں نہ ان کی روحوں کے لئے آسمان کے دروازے کھلیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بدکاروں کی روحیں قبض کی جاتی ہیں اور فرشتے انہیں لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ خبیث روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بد سے بدنام لے کر بتلاتے ہیں کہ فلاں کی۔ یہاں تک کہ اسے آسمان کے دروازے تک پہنچاتے ہیں لیکن ان کے لئے دروازہ کھولا نہیں جاتا۔ پھر حضور ﷺ نے آیت: ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ (الاعراف: ۴۱) پڑھی یہ بہت لمبی حدیث ہے جو سنن میں موجود ہے۔ مسند میں یہ حدیث پوری یوں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک انصاری کے جنازے میں ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے جب قبرستان پہنچے تو قبر تیار ہونے میں کچھ دیر تھی۔ سب بیٹھ گئے۔ ہم اس طرح خاموش اور باادب تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جسے آپ زمین پر پھرا رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں آپ نے سر اُٹھایا اور دو بار یا تین بار ہم سے فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ پھر فرمایا مومن جب دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی گھڑی میں ہوتا ہے اس کے پاس آسمان سے نورانی چہروں والے فرشتے آتے ہیں گویا کہ ان کے منہ آفتاب ہیں۔ ان کے ساتھ جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے۔ وہ آ کر مرنے والے مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے فرشتے ہی فرشتے نظر آتے ہیں۔ پھر حضرت ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں اے اطمینان والی روح اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل۔ یہ سنتے ہی وہ روح اس بدن سے نکل جاتی ہے جیسے مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ ٹپک جائے۔ اسی وقت ایک پلک جھپکنے کے برابر کی دیر میں وہ جنتی فرشتے اس پاک روح کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں۔ اس میں ایسی عمدہ اور بہترین خوشبو نکلتی ہے کہ کبھی دنیا والوں نے نہ سونگھی ہو۔ اب یہ اسے لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں۔ فرشتوں کی جو جماعت انہیں ملتی ہے وہ پوچھتی ہے کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بہتر سے بہتر جو نام دنیا میں مشہور تھا وہ لے کر کہتے ہیں فلاں کی۔ یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ دروازہ کھلوا کر اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ یہاں سے اس کے ساتھ اسے دوسرے آسمان تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کی اور بڑی جماعت ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے اس میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ لو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ میں نے انہیں اسی سے پیدا کیا ہے۔ اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی میں دوبارہ نکالوں گا۔ پس وہ روح لوٹا دی جاتی ہے۔ وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا ربّ کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے' میرا ربّ اللہ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ وہ شخص جو تم میں بھیجے گئے' وہ کون تھے؟ وہ کہتا ہے رسول اللہ ﷺ تھے۔ فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیتا ہے کہ میں نے خدا کی کتاب پڑھی' اس پر ایمان لایا اور اسے سچا مانا۔ وہیں آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے۔ اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو' اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو۔ پس اس کے پاس جنت کی تروتازگی' اس کی خوشبو اور وہاں کی ہوا آتی رہتی ہے اور اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے اسے کشادگی ہی کشادگی نظر آتی ہے۔ اس کے پاس ایک نہایت حسین و جمیل شخص لباسِ فاخرہ پہنے ہوئے' خوشبو لگائے ہوئے آتا ہے اور اس سے کہتا ہے' خوش ہو' یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یہ اس سے پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے سے بھلائی پائی جاتی ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اب تو مومن آرزو کرنے لگتا ہے کہ خدا کرے قیامت آج ہی قائم ہو جائے تاکہ میں جنت میں پہنچ کر اپنی ماں اور اپنے اہل عیال کو پالوں۔

اور کافر کی جب دنیا کی آخری گھڑی آتی ہے تو اس کے پاس سیاہ چہرے والے فرشتے آسمان سے آتے ہیں' ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ تک اسے یہی نظر آتے ہیں۔ ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں' اے خبیث روح' اللہ کی ناراضگی کی اور اس کے غضب کی طرف چل۔ یہ سن کر وہ روح بدن میں چھپنے لگتی ہے جسے ملک الموت جبراً گھسیٹ کر نکالتے ہیں۔ اسی وقت وہ فرشتے ان کے ہاتھ ایک آنکھ جھپکنے میں لے لیتے ہیں اور اس جہنمی ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے نہایت ہی سڑی ہوئی بو نکلتی ہے۔ یہ اسے لے کر چڑھنے لگتے ہیں۔ فرشتوں کا جو گروہ ملتا ہے' ان سے پوچھتا ہے کہ یہ ناپاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کا جو بدترین نام دنیا میں تھا' انہیں بتلاتے ہیں۔ پھر آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھلواتے ہیں' مگر نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ جناب باری عزوجل کا ارشاد ہوتا ہے۔ اس کی کتاب سجین میں نیچے کی زمین میں رکھ لو۔ پھر اس کی روح وہاں سے پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾ (الحج: ۳۱) یعنی جس نے خدا کے ساتھ شریک کیا' گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پس اسے یا تو پرند اُچک لے جائیں گے۔ یا ہوائیں کسی دور دراز کی دہشت ناک اور ویران جگہ پھینک دیں گی۔ اب اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے پہنچتے ہیں۔ اسے اٹھا بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ یہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے خبر نہیں۔ پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ جواب دیتا ہے' افسوس مجھے اس کی بھی خبر نہیں۔ پوچھتے ہیں۔ بتا اس شخص کی بابت تو کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ یہ کہتا ہے آہ میں اس کا جواب بھی نہیں جانتا۔ اسی وقت آسمان سے ندا ہوتی ہے کہ میرے اس غلام نے غلط کہا۔ اس کے لئے جہنم کی آگ بچھا دو اور جہنم کا دروازہ اس کی قبر کی طرف کھول دو۔ وہاں سے اسے گرمی اور آگ کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔ اس کی قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں اُدھر اور اُدھر کی اِدھر ہو جاتی ہیں۔ اس کے پاس ایک شخص نہایت مکروہ اور ڈراؤنی صورت والا بُرے کپڑے پہنے' بری بدبو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اب اپنی برائیوں کا مزا چکھ۔ اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے تو چہرے سے وحشت اور برائی ٹپک رہی ہے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ یہ کہتا ہے خدا

قیامت قائم نہ ہو۔

اسی روایت کی دوسری سند میں ہے کہ مومن کی روح کو دیکھ کر آسمان کے اور آسمان وزمین کے تمام فرشتے دعاء مغفرت ورحمت کرتے ہیں۔ اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر دروازے کے فرشتوں کی تمنا ہوتی ہے کہ خدا کرے یہ روح ہماری طرف سے آسمان پر چڑھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کافر کی قبر میں اندھا بہرا گونگا فرشتہ مقرر ہو جاتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے کہ اگر اسے کسی بڑے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔ چنانچہ اس کی ایک ہی چوٹ سے اس کا چورا ہو جاتا ہے بالکل مٹی بن جاتا ہے۔ پھر اسے جیسا وہ تھا اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے۔ فرشتہ دوبارہ اسے گرز مارتا ہے۔ جس سے یہ چیخنے چلانے لگتا ہے۔ جسے انسان اور جنات کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ نیک صالح شخص سے فرشتے کہتے ہیں اے مومن نفس جو طیب جسم میں تھا' تو تعریفوں والا بن کر نکل اور جنت کی خوشبو اور نسیم جنت کی طرف چل۔ اس خدا کے پاس چل' جو تجھ پر غصے نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب اس روح کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں۔ دروازہ کھلواتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ کون ہے؟ یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو وہ اسے مرحبا کہہ کر وہی کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ اس آسمان میں پہنچتے ہیں جہاں اللہ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ برے شخص سے وہ کہتے ہیں' اے خبیث نفس' جو خبیث جسم میں تھا تو برا بن کر نکل اور گرم کھولتے ہوئے پانی اور لہو پیپ اور اسی قسم کے مختلف عذابوں کی طرف چل۔ اس سے نکلنے تک فرشتے اسے یہی سناتے رہتے ہیں۔ پھر اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں۔ پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ اس کا نام بتاتے ہیں' تو آسمانوں کے فرشتے کہتے ہیں' اس خبیث کو مرحبا نہ کہو۔ یہ تھی بھی خبیث جسم میں۔ تو بن کر لوٹ جا۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور آسمان وزمین کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہے۔ پھر قبر کی طرف لوٹ آتی ہے۔ امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ نہ ان کے اعمال چڑھیں نہ ان کی روحیں۔ اس سے دونوں قول ایک دوسرے کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس کے جملے میں جمہور کی قراءت جَمَلٌ ہے جس کے معنی نر اونٹ کے ہیں لیکن ایک قراءت میں جمل ہے۔ اس کے معنی پہاڑ کے ہیں۔ اس کے معنی بڑے پہاڑ کے ہیں۔ مطلب بہر دو صورت ایک ہی ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر سکے نہ پہاڑ۔ اسی طرح کافر جنت میں نہیں جا سکتا۔ ان کا اوڑھنا بچھونا آگ ہے۔ ظالموں کی یہی سزا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کوئی کام نہیں بتاتے اور ایسے لوگ جنت والے ہیں۔ وہ اس

میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا ہم اس کو دور کر دیں گے۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ کہیں گے اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ جنت تم کو دی گئی ہے تمہارے اعمال کے بدلے۔ ○

تکالیفِ شرعیہ طاقت کے مطابق ہوتی ہے ☆

اُوپر گنہگاروں کا ذکر ہوا۔ یہاں نیک بختوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جن کے دل میں ایمان ہے اور جو اپنے جسم سے قرآن وحدیث کے مطابق کام کرتے ہیں' بخلاف بدکاروں کے کہ وہ دل میں کفر رکھتے ہیں اور عمل سے دور بھاگتے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ ایمان اور نیکیاں انسان کے بس میں ہیں۔ اللہ کے احکام انسانی طاقت سے زیادہ ہیں۔ ایسے لوگ جنتی ہیں اور ہمیشہ جنت میں ہی رہیں گے۔ ان کے دِلوں میں سے آپس کی کدورتیں' حسد' بغض دور کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ مومن آگ سے چھٹکارا حاصل کر کے جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر کچھ دیر روک دیئے جائیں گے وہاں ان کے آپس میں مظالم کا بدلہ ہو جائے گا اور پاک ہو کر جنت میں جانے کی اجازت پائیں گے۔ واللہ اعلم۔ وہ لوگ اپنے اپنے درجوں کو اور اپنے مکانوں کو اس طرح پہچان لیں گے' جیسے دنیا میں جان لیتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اہل جنت دروازۂ جنت پر ایک درخت دیکھیں گے۔ جس کی جڑوں کے پاس سے دو نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ان میں سے ایک کا پانی پئیں گے' جس سے دِل کی کدورتیں دُھل جائیں گی۔ یہ شراب طہور ہے۔ پھر دوسری نہر میں غسل کریں گے۔ جس سے چہروں پر تروتازگی آ جائے گی۔ پھر نہ تو بال بکھیریں گے نہ سرمہ لگانے اور سنگھار کرنے کی ضرورت پڑے۔ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی جیسا قول نقل ہے۔ جو آیت: ﴿وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾ (الزمر:۷۳) کی تفسیر میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔ آپ سے یہ مروی ہے کہ انشاء اللہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دِل اللہ تعالیٰ صاف کر دے گا۔ فرماتے ہیں کہ ہم اہل بدر کے بارے میں یہ آیت اُتری ہے۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہر جنتی کو اپنا جہنم کا ٹھکانا دکھایا جائے گا۔ تا کہ وہ اور بھی شکر خدا کرے۔ وہ کہے گا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ہدایت عنایت فرمائی اور ہر جہنمی کو اس کا جنت کا ٹھکانا دکھایا جائے گا۔ تا کہ اس کی حسرت بڑھے۔ اس وقت وہ کہے گا کہ کاش میں بھی راہ یافتہ ہوتا۔ پھر جنتیوں کو ان جہنمیوں کی جنت کی جگہ دے دی جائے گی اور ایک منادی ندا کرے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم بسبب اپنی نیکیوں کے وارث بنائے گئے۔ یعنی تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں رحمت خدا ملی اور رحمت خدا سے تم داخل جنت ہوئے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یاد رکھو تم میں سے کوئی بھی صرف اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتا۔ لوگوں نے پوچھا آپ بھی نہیں؟ فرمایا ہاں میں بھی نہیں۔ مگر یہ کہ خدا مجھے اپنی رحمت وفضل میں ڈھانپ لے۔

وَنَادَىٰٓ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

کٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا سو تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو مطابق واقع پایا وہ کہیں گے ہاں۔ پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ کی مار۔ اُن ظالموں پر جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے اعراض کیا کرتے تھے اور اس کو ٹیڑھا تلاش کرتے رہتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے۔ ○

ایک مکالمہ ☆

جنتی جنت میں جا کر جب امن وچین سے بیٹھ جائیں گے تو جہنمیوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ان سے دریافت فرمائیں گے کہ ہم نے تو اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے کئے گئے تھے صحیح پایا۔ تم اپنی کہو اَنْ یہاں پر مفسرہ ہے قول محذوف کا قَدْ تحقیق کے لئے ہے۔ اس کے جواب میں مشرکین ندامت سے کہیں گے کہ ہاں ہم نے بھی اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے کئے تھے' ٹھیک پایا۔ جیسے سورہ صافات میں فرمان ہے کہ اہل جنت میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ جو مجھ سے تعجب کے ساتھ سوال کیا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان لوگوں میں سے' جو قیامت کے قائل ہیں۔ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے۔ کیا واقعی ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اور ہمیں بدلے دیئے جائیں گے؟ یہ جنتی کہے گا کہ کیا تم بھی میرے ساتھ ہو کر اسے جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟ یہ کہہ کر وہ اوپر سے جھانک کر دیکھے گا تو اپنے اس ساتھی کو بیچ جہنم کے پائے گا۔ کہے گا قسم خدا کی تو تو مجھے بھی تباہ کرنے ہی کو تھا اگر میرے رب کا فضل شامل حال نہ ہوتا' تو میں بھی آج گرفتار عذاب ہوتا۔ اب بتا تو دنیا میں جو کہا کرتا تھا کیا سچا تھا کہ ہم مر کر جینے والے اور بدلہ بھگتنے والے ہی نہیں؟ اس وقت فرشتے کہیں گے' یہی وہ جہنم ہے' جسے تم جھوٹا مان رہے تھے۔ اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے؟ یا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں؟ اب یہاں پڑے جلتے رہو۔ صبر اور بے صبری دونوں نتیجے کے اعتبار سے تمہارے لئے یکساں ہے تمہیں اپنے کئے کو تک کا بدلہ اٹھانا ہی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کے ان مقتولوں کو' جو بدر میں کام آئے تھے اور جن کی لاشیں ایک کھائی میں تھیں' ڈانٹا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اے ابوجہل بن ہشام اور اے عتبہ بن ربیعہ اور اے شیبہ بن ربیعہ اور دوسرے سرداروں کا نام بھی لیا اور فرمایا کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وہ وعدے دیکھ لئے' جو اس نے مجھ سے کئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آپ ان سے باتیں کر رہے ہیں جو مر کر مردار ہو گئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میری بات کو تم بھی ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسی وقت ایک منادی ندا کر کے معلوم کرا دے گا کہ ظالموں پر رب کی ابدی لعنت واقع ہو چکی' جو لوگوں کو راہ خدا اور شریعت ہدیٰ سے روکتے تھے۔ چاہتے تھے کہ خدا کی شریعت ٹیڑھی کر دیں تاکہ اس پر کوئی عمل نہ کرے۔ آخرت پر انہیں یقین نہ تھا۔ خدا کی ملاقات کو نہیں مانتے تھے۔ اس لئے بے پروائی سے برائیاں کرتے تھے۔ حساب کا ڈر نہ تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ بدزبان اور بداعمال تھے۔

وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِیْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۫ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ

اَصْحٰبَ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾

اوران دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اوراعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے۔وہ لوگ ہرایک کوان کے قیافہ سے پہچانیں گے اوراہل جنت کو پکار کر کہیں گے کہ اسلام علیکم۔ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اوراس کے امیدوار ہوں گے اور جب انکی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جاپڑیں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب ہم کوان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے۔○

اعراف ☆

جنتیوں، دوزخیوں کے متعلق بیان فرما کرارشاد ہوتا ہے کہ جنت دوزخ کے درمیان ایک آڑ، حد فاصل اور دیوار ہے۔جس کا مقصد یہ ہے کہ جہنمیوں کو جنت سے دور رکھے۔اسی دیوار کا ذکر آیت: ﴿فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ......﴾ (الحدید:۱۳) میں ہے۔یعنی ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہے۔اس کے اندر رحمت ہے اور باہر عذاب ہے۔اسی کا نام اعراف ہے۔ اعراف، عرف کی جمع ہے۔ہر اونچی زمین کو عرب میں عرفہ کہتے ہیں۔اسی لئے مرغ کے سر کی کلغی کو بھی عرب میں عرف الدیك کہتے ہیں کیونکہ اونچی جگہ ہوتا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، یہ ایک اونچی جگہ ہے، جنت دوزخ کے درمیان، جہاں کچھ لوگ روک دیئے جائیں گے۔سُدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس کا نام اعراف اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہاں کے لوگ اور لوگوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔ یہاں کون لوگ ہوں گے۔

اس میں بہت سے اقوال ہیں، سب کا حاصل یہ ہے کہ وہ یہ لوگ ہوں گے جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی۔بعض سلف سے بھی یہی منقول ہے۔حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ نے یہی فرمایا ہے۔یہی بعد والے مفسرین کا قول ہے۔ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے۔لیکن سنداً وہ حدیث غریب ہے۔نیز دوسری سند سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کی بابت، جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اور ان کی بابت جو اعراف والے ہیں، دریافت کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ نافرمان لوگ ہیں، جو اپنے ماں باپ کی اجازت بغیر نکلے۔پھر راہ خدا میں قتل کئے گئے اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ راہ خدا میں قتل کئے گئے اور باپ کے نافرمان۔تو باپ کی نافرمانی نے جنت میں جانے سے روک دیا اور جہنم میں شہادت نے روک دیا۔ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ روایتیں ہیں۔ اب خدا ہی کو ان کی صحت کا علم ہے۔بہت ممکن ہے کہ یہ موقوف روایتیں ہوں۔بہرصورت ان سے اصحاب اعراف کا حال معلوم ہورہا ہے۔حضرت حذیفہ سے جب ان کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر تھیں۔برائیوں کی وجہ سے جنت میں نہ جاسکے اور نیکیوں کی وجہ سے جہنم سے بچ گئے۔پس یہاں آڑ میں روک دیئے جائیں گے۔یہاں تک کہ کوئی اور خدا کا فیصلہ ان کے بارے میں ہو اور روایت میں ہے آپ سے مروی ہے کہ یہ جہنمیوں کو دیکھ دیکھ کر ڈر رہے ہوں گے اور خدا سے نجات طلب کر رہے ہوں گے کہ ناگاہ ان کا رب ان کی طرف دیکھے گا اور فرمائے گا، جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔میں نے تمہیں بخشا۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگوں کا حساب ہوگا۔ایک نیکی بھی اگر برائی سے بڑھ گئی تو داخل جنت ہوگا اور ایک برائی بھی اگر نیکیوں سے زیادہ ہوگئی تو دوزخ میں جائے گا۔پھر آپ نے: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ﴾ (المؤمنون:۱۰۲) سے دو آیتوں تک تلاوت کیں اور فرمایا کہ ایک رائی کے دانے کے برابر کی کمی زیادتی سے میزان کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے اور جن کی نیکیاں اور بدعملی برابر ہوئیں، یہ اعراف والے ہیں۔یہ ٹھہرا لئے جائیں گے اور جنتی دوزخی مشہور ہو جائیں گے۔یہ جب جنت کو دیکھیں گے تو اہل جنت پر سلام کریں گے اور جب جہنم کی

دیکھیں گے تو اللہ سے پناہ طلب کریں گے۔ نیک لوگوں کو نور ملے گا۔ جو ان کے آگے اور ان کے داہنے موجود رہے گا۔ ہر انسان کو وہ مرد ہو خواہ عورتیں ہوں' ایک نور ملے گا لیکن پل صراط پر منافقوں کا نور چھین لیا جائے گا۔ اس وقت سچے مومن خدا سے اپنے نور کے باقی رہنے کی دُعائیں کریں گے۔ اعراف والوں کا نور چھینا نہ جائے گا۔ وہ ان کے آگے موجود ہو گا۔ انہیں جنت میں جانے کی تمنا ہو گی۔ لوگو! ایک نیکی دس گنی کر کے لکھی جاتی ہے اور برائی اتنی ہی لکھی جاتی ہے جتنی ہو۔ افسوس ان پر جن کی اکائیاں دہائیوں پر غالب آ جائیں [1]۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ اعراف ایک دیوار ہے۔ جو جنت دوزخ کے درمیان ہے۔ اصحاب اعراف وہیں ہوں گے جب جنہیں عافیت دینے کا خدا کا ارادہ ہو گا تو حکم ملے گا کہ انہیں نہر حیات کی طرف لے جاؤ۔ اس کے دونوں کناروں پر سونے کے خیمے ہوں گے۔ جو موتیوں سے مرصع ہوں گے۔ اس کی مٹی خالص مشک ہو گی۔ اس میں غوطے لگاتے ہی ان کے رنگ نکھر جائیں گے اور ان کی گردنوں پر ایک سفید چمکیلا نشان ہو جائے گا۔ جس سے وہ پہچان لیے جائیں۔ یہ خدا کے سامنے لائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو چاہو مانگو۔ یہ مانگیں گے۔ یہاں تک کہ ان کی تمام تمنائیں اللہ تعالیٰ پوری کر دے۔ پھر فرمائے گا ان جیسی ستر اور نعمتیں بھی میں نے تمہیں دی۔ پھر یہ جنت میں جائیں گے۔ وہ علامت ان پر موجود ہو گی۔ جنت میں ان کا نام مساکین اہل جنت ہو گا۔ یہی روایت حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کے اپنے قول سے بھی منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

ایک حسن سند کی مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراف والوں کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا فیصلہ سب سے آخر میں ہو گا۔ ربّ العالمین جب اپنے بندوں کے فیصلے کر چکے گا تو ان سے فرمائے گا کہ تم لوگوں کو تمہاری نیکیوں نے دوزخ سے تو محفوظ کر لیا لیکن تم جنت میں جانے کے مستحق ثابت نہیں ہوئے۔ اب تم کو میں اپنی طرف سے آزاد کرتا ہوں۔ جاؤ جنت میں رہو سہو اور جہاں چاہو کھاؤ پیو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولد الزنا ہیں۔ ابن عساکر میں فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ مومن جنوں کو ثواب ہے اور ان میں سے جو برے ہیں' انہیں عذاب بھی ہو گا۔ ہم نے ان کے ثواب اور ان کے ایمانداروں کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وہ اعراف پر ہوں گے جنت میں میری امت کے ساتھ نہ ہوں گے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعراف کیا ہے؟ فرمایا جنت کا ایک باغ جہاں نہریں جاری ہیں اور پھل پک رہے ہیں (بیہقی) حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ صالح دیندار فقہاء علماء لوگ ہیں۔ ابومجلز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ فرشتے ہیں' جنت دوزخ والوں کو جانتے ہیں۔ پھر آپ نے ان آیتوں کی تلاوت کی اور فرمایا سب جنتی جنت میں جانے لگیں گے۔ تو کہا جائے گا تم امن وامان کے ساتھ بے خوف وخطر ہو کر جنت میں جاؤ۔ اس کی سند تو ٹھیک ہے لیکن یہ قول بہت غریب ہے بلکہ روانی عبارت بھی اس کے خلاف ہے اور جمہور کا قول ہی مقدم ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی جو اوپر بیان ہوا ہے غرابت سے خالی نہیں' واللہ اعلم۔ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں بارہ قول نقل کیے ہیں۔ صلحاء انبیاء ملائکہ وغیرہ۔ یہ جنتیوں کے ان کے چہرے کی رونق اور سفیدی سے اور جہنمیوں کو ان کے چہرے کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔ یہ یہاں اسی لئے ہیں کہ ہر ایک کا امتیاز کر لیں اور سب کو پہچان لیں۔ یہ جنتیوں سے سلام کریں گے۔ جہنمیوں کو دیکھ دیکھ کر خدا کی پناہ چاہیں گے اور طمع رکھیں گے کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں بھی بہشت بریں پہنچا دے۔ یہ طمع ان کے دل میں خدا نے اسی لئے ڈالی ہے کہ اس کا ارادہ انہیں جنت میں لے جانے کا ہو چکا ہے۔ جب وہ اہل دوزخ کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں' پروردگار ہمیں

[1] یعنی جن کے گناہ باوجود یکہ ان کو بڑھا کر نہیں لکھا جاتا نیکیوں پر حالانکہ ان کو اضافہ کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے غالب آ جائیں مطلب یہ ہے کہ گناہ غالب ہوں اور حسنات مغلوب یا نہ ہونے کے درجہ میں۔

ظالموں میں سے نہ کر۔ جب کوئی جماعت جہنم میں پہنچائی جاتی ہے تو یہ اپنے بچاؤ کی دعائیں کرنے لگتے ہیں۔ جہنم میں ان کے چہرے کوئلے جیسے ہو جائیں گے لیکن جنت والوں کو دیکھیں گے تو یہ سیاہی چہروں سے دور ہو جائے گی۔ جنتیوں کے چہروں کی علامت نور ہو گی اور جہنمیوں کے چہروں پر سیاہی اور آنکھوں میں بھینگا پن ہو گا[۱]۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے پکاریں گے کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا۔ کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ رحمت نہ کرے گا ان کو یوں حکم ہو گیا کہ جاؤ جنت میں، تم پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہو گے۔ ○

گفتگو ☆

کفر کے جن ستونوں کو، کافروں کے جن سرداروں کو اعراف والے انکے چہروں سے پہچان لیں گے انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کے پوچھیں گے کہ آج تمہاری کثرتِ جمعیت کہاں گئی؟ اس نے تو تمہیں مطلقاً فائدہ نہ پہنچایا۔ آج وہ تمہاری اکڑفوں کیا ہوئی، تم تو عذاب میں جکڑ دیئے گئے۔ ان کے اس فرمان کے بعد ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا۔ کہ بدبختو! انہی کی نسبت تم کہا کرتے تھے خدا انہیں کوئی راحت نہیں دے گا۔ اے اعراف والو! میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ جاؤ بہ آرام بے کھٹکے جنت میں جاؤ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اعراف والوں کے اعمال صالحہ اس قابل نہ تھے کہ انہیں جنت میں پہنچائیں لیکن اتنی برائیاں بھی ان کی نہ تھیں کہ دوزخ میں جائیں تو یہ اعراف پر ہی روک دیئے گئے۔ لوگوں کو ان کے اندازے یہ پہچانتے ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلے کر چکے گا۔ شفاعت کی اجازت دے گا۔ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ کہیں گے کہ اے آدم علیہ السلام آپ ہمارے باپ ہیں۔ ہماری شفاعت خدا تعالیٰ کی جناب میں کیجئے۔ آپ جواب دیں گے، کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا کسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہو۔ اپنی روح اس میں پھونکی ہو۔ اپنی رحمت اس پر اپنے غضب سے پہلے پہنچائی ہو۔ اپنے فرشتوں سے اسے سجدہ کرایا ہو؟ سب جواب دیں گے کہ نہیں، ایسا کوئی آپ کے سوا نہیں۔ آپ فرمائیں گے میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں، میں تمہاری شفاعت نہیں کر سکتا۔ ہاں تم میرے لڑکے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ اب سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے۔ آپ جواب دیں گے کہ کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا کوئی خلیل خدا ہوا ہو؟ یا خدا کے بارے میں اسے اس کی قوم نے آگ میں پھینکا ہو؟ سب کہیں گے نہیں آپ کے سوا کوئی اور نہیں۔ فرمائیں گے مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں، میں تمہاری درخواست قبول شفاعت نہیں لے جا سکتا۔ تم میرے لڑکے موسیٰ علیہ السلام[۲] کے پاس جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ بتلاؤ میرے سوا خدا

۱ سیاہی کفر کی اور بھینگا پن حق کو باوجود یکہ وہ بے حد ظاہر تھا، نہ دیکھے گا۔

۲ موسیٰ، ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کے نسبی لڑکے نہیں ہیں۔

کسی کو اپنا کلیم بنا کر اپنی سرگوشیوں کے لئے نزدیکی عطا فرمائی ہو؟ جواب دیں گے کہ نہیں۔ فرمائیں گے کہ میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں، تمہاری سفارش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' ہاں تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ ان سے شفاعت طلبی کا تقاضا کریں گے۔ یہ جواب دیں گے کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا کسی کو خدا نے بے باپ کے پیدا کیا ہو؟ جواب ملے گا کہ نہیں۔ پوچھیں گے جانتے ہو کہ کوئی مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بحکم اللہ میرے سوا اچھا کرتا ہو؟ یا کوئی مردہ کو بحکم خدا میرے سوا زندہ کرتا ہو؟ کہیں گے کہ کوئی نہیں۔ فرمائیں گے کہ میں تو آج اپنے نفس کی حفاظت کی فکر میں ہوں۔ میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت کہاں کہ تمہاری سفارش کر سکوں۔ ہاں تم سب کے سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں پورے اطمینان سے کہوں گا کہ ہاں ہاں میں اس کے لئے موجود ہوں۔ پھر میں چل کر خدا کے عرش کے سامنے ٹھہر جاؤں گا۔ اپنے ربّ عزوجل کے پاس پہنچ جاؤں گا اور ایسی ایسی اس کی تعریفیں بیان کروں گا کہ کسی سننے والے نے کبھی نہ سنی ہوں۔ پھر سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر مجھ سے فرمایا جائے گا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر اُٹھاؤ' مانگو' دیا جائے گا۔ شفاعت کرو' قبول کی جائے گی۔ پس میں اپنا سر اُٹھا کر کہوں گا' میرے ربّ میری امت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ سب تیرے ہی ہیں۔ پھر تو ہر پیغمبر اور ہر ایک فرشتہ رشک کرنے لگے گا یہی مقام مقامِ محمود ہے[1]۔ پھر میں ان سب کو لے کر جنت کی طرف آؤں گا۔ جنت کا دروازہ کھلواؤں گا اور میرے لئے اور ان کے لئے کھول دیا جائے گا۔ پھر انہیں ایک نہر کی طرف لے جائیں گے۔ جس کا نام نہر الحیوان ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر سونے کے محل ہیں۔ جن پر یاقوت جڑے گئے ہیں۔ یہ اس میں غسل کریں گے۔ جس سے جنتی رنگ اور جنتی خوشبوان میں پیدا ہو جائے گی اور چمکتے ہوئے ستاروں جیسے وہ نورانی ہو جائیں گے۔ ہاں ان کے سینوں پر سفید نشان باقی رہ جائیں گے جن سے وہ پہچانے جائیں گے۔ انہیں مساکین اہل جنت کہا جائے گا۔

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا سا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزیں کی کافروں کے لئے بندش کر رکھی ہے۔ جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگانی نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم بھی آج کے دن ان کا نام نہ لیں گے جیسا کہ انہوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا اور جیسا کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ ○

[1] حسد یقیناً ایک بری عادت ہے لیکن رشک اور وہ بھی اچھی چیزوں پر برا نہیں۔ حسد میں حاسد محسود سے زوال نعمت چاہتا ہے اور رشک میں رشک کرنے والا نعمت کا زوال نہیں چاہتا۔ بلکہ ایسی نعمت اپنے لئے بھی چاہتا ہے۔ بس یہی فرق حسد اور رشک میں ہے۔

جہنمیوں کی درخواست ☆

دوزخیوں کی ذلت وخواری اوران کا بھیک مانگنا اور ڈانٹ دیا جانا بیان ہو رہا ہے کہ وہ جنتیوں سے پانی یا کھانا مانگیں گے۔ اپنے نزدیک کے رشتے کنبے والے جیسے باپ بیٹے' بھائی بہن وغیرہ سے کہیں گے کہ ہم جل بھن رہے ہیں' بھوکے پیاسے ہیں۔ ہمیں ایک گھونٹ پانی یا ایک لقمہ دے دو۔ وہ بحکم خدا انہیں جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ کفار پر حرام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ کس چیز کا صدقہ افضل ہے؟ فرماتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے افضل خیرات پانی ہے۔ دیکھو جہنمی اہل جنت سے اسی کا سوال کریں گے۔ روایت ہے کہ جب ابوطالب موت کی بیماری میں مبتلا ہوا تو قریشیوں نے اس سے کہا کسی کو بھیج کر اپنے بھتیجے سے کہلواؤ کہ وہ تمہارے پاس جنتی انگور کا ایک خوشہ بھجوا دے تاکہ تیری بیماری جاتی رہے۔ جس وقت قاصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ سنتے ہی فرمانے لگے' اللہ تعالیٰ نے جنت کی کھانے پینے کی چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ پھر ان کی بدکرداری بیان فرمائی کہ یہ لوگ دین خدا کو ایک ہنسی کھیل سمجھے ہوئے تھے۔ دنیا کی زینت اور اس کے بناؤ چناؤ میں ہی عمر بھر مشغول رہے۔ یہ چونکہ اس دن کو بھول گئے تھے' اس کے بدلے ہم بھی ان کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو کسی بھول جانے والے کا معاملہ ہو کیونکہ خدائے تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی فرماتا ہے: ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾ (طٰہٰ: ۵۲) نہ وہ بہکے نہ وہ بھولے۔ یہاں جو فرمایا یہ صرف مقابلہ کے لئے ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ (التوبۃ: ۶۷) اور جیسے دوسری آیت میں ہے: ﴿كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۲۶) فرمان ہے: ﴿اَلْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ (الجاثیۃ: ۳۴) تیرے پاس میری نشانیاں آئی تھیں' جنہیں تو بھلا بیٹھا تھا۔ اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا وغیرہ۔ پس یہ بھلائیوں سے بالقصد بھلا دیئے جائیں گے۔ ہاں برائیاں اور عذاب برابر ہوتے رہیں گے۔ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو چھوڑا ہم نے انہیں آگ میں چھوڑا۔ رحمت سے دور کیا۔ جیسے یہ عمل سے دور تھے۔ صحیح حدیث میں ہے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا' کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا عزت آبرو نہیں دی تھی؟ کیا گھوڑے تیرے مطیع نہیں کئے تھے؟ اور کیا قسم قسم کی راحتیں تیرے لئے مہیا نہیں کی تھیں؟ بندہ جواب دے گا کہ ہاں پروردگار بیشک تو نے ایسا ہی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' پھر کیا تو میری ملاقات پر ایمان رکھتا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' پس آج میں بھی تجھے ایسا ہی بھول جاؤں گا جیسے تو مجھے بھول گیا تھا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاۗءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح کر کے بیان کر دیا ہے ذریعہ ہدایت اور رحمت لوگوں کے لئے جو ایمان لے آتے ہیں۔ ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجے کا انتظار ہے۔ جس روز اس کا اخیر نتیجہ پیش آئے گا' اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی سچی باتیں لائے تھے۔ سو اب کیا کوئی میرا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کر دے۔ یا کیا ہم واپس بھیجے جا سکتے ہیں تا کہ ہم لوگ ان اعمال کے جن کو ہم کیا کرتے تھے برخلاف دوسرے اعمال کریں بے شک ان لوگوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور جو جو باتیں تراشتے تھے سب گم ہو گیا۔ ○

کتاب ہدایت ☆

اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے کل عذر توڑ دیئے تھے۔ اپنے رسولوں کی معرفت اپنی کتاب بھیجی' جو مفصل اور واضح تھی۔ جیسے فرمان ہے: ﴿کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ ......﴾ (ہود: ۱) اس قرآن کی آیتیں مضبوط اور تفصیل وار ہیں اس کی جو تفصیل ہے وہ بھی علم پر ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اَنْزَلَہٗ بِعِلْمِہٖ﴾ (النساء: ۱۶۶) اسے اپنے علم کے ساتھ اُتارا ہے۔ امام جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ آیت اسی آیت پر جاتی ہے' جس میں فرمان ہے: ﴿کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْہُ ......﴾ (الاعراف: ۲) یہ کتاب تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے۔ پس اس سے تیرے سینے میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے۔ یہاں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْنٰھُمْ بِکِتٰبٍ ......﴾ (اعراف: ۵۲) لیکن یہ محل نظر ہے۔ اس لئے کہ فاصد بہت ہے اور یہ قول بے دلیل ہے۔ بات یہ ہے کہ جب ان کے اس خسارے کا ذکر ہوا جو انہیں آخرت میں ہوگا۔ تو بیان فرمایا کہ دنیا میں ہم نے اپنا پیغام پہنچا دیا تھا' رسول بھی' کتاب بھی جیسے ارشاد ہے کہ جب تک ہم رسول نہ بھیجیں' عذاب نہیں کرتے۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا' انہیں تو اب جنت دوزخ کے اپنے سامنے آنے کا انتظار ہے یا مطلب ہے کہ اس کی حقیقت یکے بعد دیگرے کر کے روشن ہوتی رہے گی۔ یہاں تک کہ آخری حقیقت یعنی جنت دوزخ بھی سامنے آ جائے گی اور ہر ایک اپنے لائق مقام میں پہنچ جائے گا۔ قیامت والے دن یہ واقعات رونما ہوں گے۔ اب جو سن رہے ہیں' اس وقت دیکھ لیں گے۔ اس وقت اسے فراموش کر کے بیٹھ رہنے والے عمل سے کورے لوگ مان لیں گے کہ بے شک خدا کے انبیاء سچے تھے۔ رب کی کتابیں تھیں برحق تھیں۔ کیا اچھا ہو کہ اب کوئی ہمارا شفیع کھڑا ہو اور ہمیں اس ہلاکت سے نجات دلائے یا ایسا ہو کہ ہم پھر سے دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تو جو کام کئے تھے ان کے خلاف اب کریں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ ......﴾ (الانعام: ۲۷) کاش کہ ہم پھر دنیا میں لوٹائے جاتے' اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور مومن بن جاتے۔ اس سے پہلے جو وہ چھپا رہے تھے' اب ظاہر ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ اگر یہ دوبارہ بھی دنیا میں بھیجے جائیں تو جس چیز سے روکے جائیں وہی پھر بھی کریں اور جھوٹے ثابت ہوں۔ انہوں نے آپ ہی اپنا برا کیا۔ خدا کے سوا اوروں سے اُمیدیں رکھتے رہے۔ آج سب باطل ہو گئیں نہ کوئی ان کا سفارشی نہ حمایتی۔

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۟ قف یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِہٖ ؕ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾

بے شک تمہارا ربّ اللہ ہی ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی آلیتی ہے اور سورج چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا۔ ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔ بڑی خوبیوں سے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔ ○

چھ دن ☆

بہت سی آیتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ آسمان و زمین اور کل مخلوق خدا تعالیٰ نے چھ دن میں پیدا کی ہے۔ یعنی اتوار سے جمعہ تک۔ جمعہ کے دن کے دن ساری مخلوق پیدا ہو چکی۔ اسی دن حضرت آدم پیدا ہوئے۔ یا تو یہ دن دنیا کے معمولی دنوں کے برابر تھے وجیسے کہ آیت کے ظاہری الفاظ سے سمجھا جاتا ہے یا ہر دن ایک ہزار سال کا تھا۔ جیسے کہ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے اور بروایت ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سنیچر کے دن کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی۔ اسی لئے عربی میں اس کا نام یوم السبت ہے۔ سبت کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ ہاں مسند احمد' نسائی' صحیح مسلم میں جو حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کو سنیچر (ہفتہ) کے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں عصر سے لے کر مغرب تک۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر یہ گنوایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات دن تک پیدائش کا سلسلہ جاری رہا۔ حالانکہ قرآن میں موجود ہے کہ چھ دن میں پیدائش ختم ہوئی۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ زبردست حفاظِ حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ عبارت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے لی ہے' فرمان رسول نہیں۔ واللہ اعلم

پھر فرماتا ہے کہ وہ اپنے عرش پر قائم ہوا۔ اس پر لوگوں نے بہت کچھ چہ میگوئیاں کی ہیں۔ جنہیں تفصیل سے بیان کرنے کی یہ جگہ نہیں۔ مناسب یہی ہے کہ اس مقام میں سلف صالحین کی روش اختیار کی جائے' جیسے امام مالک' امام اوزاعی' نووی' امام لیث بن سعد' امام شافعی' امام احمد' امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ وغیرہ ائمہ سلف وخلف رحمہم اللہ۔ ان سب بزرگانِ دین کا یہی مذہب تھا کہ جیسی یہ آیت ہے اسی طرح اسے رکھا جائے بغیر کیفیت کے بغیر تشبیہ کے اور بغیر مہمل چھوڑنے کے۔ ہاں مشتبہین کے ذہنوں میں جو چیز آرہی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ پاک اور بہت دُور ہے۔ اللہ کے مشابہ اس کی مخلوق میں سے کوئی نہیں۔ فرمان ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱) اس کے مثل کوئی نہیں اور سننے دیکھنے والا ہے۔ بلکہ بات اسی طرح ہے جو ائمہ کرام رحمہم اللہ نے فرمائی ہے۔ انہی میں سے حضرت نعیم بن حماد خزاعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ آپ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ فرماتے ہیں جو شخص اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دے وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ کے اس وصف سے انکار کرے' جو اس نے اپنی ذات پاک کے لئے بیان فرمایا ہے وہ بھی کافر ہے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اوصاف باری تعالیٰ جل شانہ کے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں ہرگز تشبیہ نہیں۔ پس صحیح ہدایت کے راستے پر وہی ہے جو آثار صحیحہ اور اخبار صریحہ سے جو اوصاف ربّ العزت وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ثابت ہیں' انہیں اسی طرح جانے' جو خدا کی جلالت شان کے شایان ہے اور ہر عیب ونقصان سے اپنے ربّ کو پاک اور مبرا و منزہ سمجھے۔ پھر فرمان ہے کہ رات کا اندھیرا دن کے اُجالے سے اور دن کا اُجالا رات کے اندھیرے سے دور ہو جاتا ہے۔ ہر ایک دوسرے کے پیچھے لپکا چلا آتا ہے۔ یہ گیا وہ آیا' وہ گیا یہ آیا۔ جیسے فرمایا: ﴿وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ ......﴾ (یٰسین: ۳۷) ان کے سمجھنے ہماری ایک نشانی رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ نکالتے ہیں۔ جس سے یہ اندھیرے

بھی آ جاتے ہیں۔ سورج ہے کہ وہ اپنے ٹھکانے کی طرف برابر جا رہا ہے۔ یہ ہے اندازہ خدا کا باندھا ہوا۔ جو غالب اور باعلم ہے۔ ہم نے چاند کی بھی منزلیں ٹھہرا دی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی جیسا ہو کہ رہ جاتا ہے۔ نہ آفتاب ماہتاب سے آگے نکل سکے نہ رات دن سے پہلے آ سکے سب کے سب اپنے اپنے گھیرے میں تیرتے پھرتے ہیں۔ رات دن میں کوئی فاصلہ نہیں۔ ایک کا جانا ہی دوسرے کا آنا ہے۔ ہر ایک دوسرے کے برابر پیچھے ہے: ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ﴾ (الاعراف: ۵۴) بعضوں نے پیش سے بھی پڑھا ہے۔ یعنی مطلب دونوں میں قریب قریب برابر ہے۔ یہ سب خدا کے زیر فرمان۔ اس کے ماتحت اور اس کے ارادے میں ہیں۔ ملک اور تصرف اسی کا ہے۔ وہ برکتوں والا اور تمام جہان کا پالنے والا ہے۔ فرمان ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا ......﴾ (الفرقان: ۶۱) رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں جس کسی نے کسی نیکی پر خدا کی حمد نہ کی۔ بلکہ اپنے نفس کو سراہا۔ اس نے کفر کیا اور اس کے اعمال غارت ہوئے اور وہ جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ نے کچھ اختیارات اپنے بندوں کو بھی دیئے ہیں اس نے اس کے ساتھ کفر کیا جو اللہ نے اپنے نبیوں پر نازل فرمایا کیونکہ اس کا فرمان ہے: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ......﴾ (ابن جریر)۔

ایک مرفوع دعا رسول اللہ ﷺ کی یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ لَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ اِلَيْكَ يَرْجِعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ)) خدایا سارا ملک تیرا ہی ہے۔ سب حمد تیرے لئے ہی ہے۔ سب کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں۔ میں تجھ سے تمام بھلائیاں طلب کرتا ہوں اور ساری برائیاں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی (البتہ یہ بات واضح رہے کہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو حد سے نکل جائیں اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں کے۔ ○

خشوع وخضوع ☆

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعا کی ہدایت کرتا ہے جس میں ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی ہے تو فرماتا ہے کہ اپنے پروردگار کو عاجزی مسکینی اور آہستگی سے پکارو۔ جیسے کہ فرمان ہے: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ ......﴾ (الاعراف: ۲۰۵) اپنے ربّ کو اپنے نفس میں یاد کرو۔ صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازیں بلند کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ جسے تم پکار رہے ہو وہ بہت سننے والا اور بہت نزدیک ہے...... ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پوشیدگی مراد ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں تَضَرُّعًا کے معنی ذلت مسکینی اور اطاعت گزاری کے ہیں خُفْيَةً کے معنی دلوں کے خشوع خضوع سے یقین کی صحت سے اس کی وحدانیت اور ربوبیت کا اس کے اور اپنے درمیان یقین رکھتے ہوئے پکارو۔ نہ کہ ریاکاری کے ساتھ بہت بلند آواز سے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے تھے اور کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا۔ لوگ بڑے فقیہہ ہو جاتے تھے اور کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ لوگ بڑی لمبی لمبی نمازیں اپنے گھروں میں پڑھتے تھے اور مہمانوں کو بھی پتہ نہ چلتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جہاں تک ان کے بس میں ہوتا تھا اپنی کسی نیکی کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ پوری

کوشش سے دعائیں کرتے لیکن اس طرح جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو۔ یہ نہیں کہ چیخیں چلائیں۔ یہی فرمان خدا ہے کہ اپنی ربّ کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک بندے کا ذکر کیا۔ جس سے وہ خوش تھا کہ اس نے اپنے ربّ کو خفیہ طور پر پکارا۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں۔ دعا میں آواز کو اور ندا کو چیخنے کو مکروہ سمجھا جاتا ہے اور گریہ زاری اور آہستگی کا حکم دیا جاتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دعا وغیرہ میں حد سے گزر جانے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ ابو مجاز کہتے ہیں مثلاً اپنے لئے نبی بن جانے کی دعا کرنا وغیرہ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ان کا لڑکا اپنی دعا میں کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتیں اور اس کے ریشم و حریر وغیرہ طلب کرتا ہوں اور جہنم سے اور اس کی زنجیروں سے اور اس کے طوق وغیرہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا تو نے اللہ سے بہت سی بھلائیاں طلب کیں اور بہت سی برائیوں سے پناہ چاہی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ عنقریب کچھ لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے زیادہ گزر جایا کریں گے۔ ایک سند سے روایت ہے کہ وہ دعا مانگنے میں اور وضو کرنے میں حد سے نکل جائیں گے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا تجھے اپنی دعا میں یہی کہنا کافی ہے کہ اللہ میں تجھ سے جنت اور جنت سے قریب کرنے والے قول و فعل کی توفیق طلب کرتا ہوں اور جہنم اور اس کے نزدیک کرنے والے قول و فعل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (ابوداؤد) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے ان کے صاحبزادے اپنی دعا میں یہ کہہ رہے تھے کہ خدایا جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت کی دائیں جانب کا سفید رنگ کا عالیشان محل میں تجھ سے طلب کرتا ہوں۔ پھر زمین پر امن و امان کے بعد فساد کرنے کو منع فرمایا ہے کیونکہ اس وقت کا فساد خصوصیت سے زیادہ برائیاں پیدا کرتا ہے۔ پس اللہ اسے حرام قرار دیتا ہے اور اپنی عبادت کرنے کا' دعا کرنے کا' مسکینی اور عاجزی کرنے کا حکم دیتا ہے کہ خدا کو اس کے عذاب سے ڈر کر اور اس کی نعمتوں کے امیدوار بن کر پکارو۔ خدا کی رحمت نیک کاروں کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ جو اس کے احکام بجالاتے ہیں۔ اس کے منع کردہ کاموں سے باز رہتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ......﴾ (الاعراف: ۱۵۶) یوں تو میری رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن اسے مخصوص کر دوں گا۔ پرہیزگاروں کے لئے چونکہ رحمت ثواب کو متضمن ہے اس لئے قَرِيْبٌ کہا قَرِيْبَةٌ نہ کہا۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی طرف مضاف ہے۔ انہوں نے خدا کے وعدوں کا سہارا لیا۔ خدا نے اپنا فیصلہ کر دیا کہ اس کی رحمت بالکل قریب ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝

اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری

بادلوں کو اُٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر اس بارش سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے۔ تاکہ تم سمجھو اور جو سرزمین ستھری ہوتی ہے اس کا پیداوار تو خدا کے حکم سے خوب نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس کا پیداوار (اگر نکلا بھی) بہت کم نکلتا ہے۔ اسی طرح ہم (ہمیشہ) دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو قدر کرتے ہیں۔ ○

رحمت کی ہوائیں ☆

اوپر بیان ہوا کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے۔ سب پر قبضہ رکھنے والا حاکم، تدبیر کرنے والا، مطیع اور فرماں بردار رکھنے والا اللہ ہی ہے۔ پھر دعائیں کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اب یہاں بیان ہو رہا ہے کہ رزاق بھی وہی ہے اور قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر دینے والا بھی وہی ہے۔ پس فرمایا کہ بارش سے پہلے خوشگوار ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ بُشْرًا کی دوسری قراءت مُبَشِّرَاتٍ بھی ہے۔ رحمت سے مراد یہاں بارش ہے جیسے فرمان ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ (الشوریٰ:۲۸) وہ ہے جو لوگوں کی نااُمیدی کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت کی کثرت کر دیتا ہے۔ وہ والی ہے اور قابل تعریف اور آیت میں ہے، رحمت رب کے آثار دیکھو کہ کس طرح مردہ زمین کو وہ جلا دیتا ہے۔ وہی مردہ انسانوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بادل جو بوجہ پانی کے بوجھل ہو رہے ہیں۔ انہیں یہ ہوائیں اُٹھا لے چلتی ہیں۔ یہ زمین سے بہت قریب ہوتے ہیں اور سیاہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت زید بن نفیل رحمۃ اللہ علیہ کے شعروں میں ہے۔ میں اس کا مطیع ہوں، جس کے اطاعت گزار میٹھے اور صاف پانی کے بھرے ہوئے بادل ہیں اور جس کے تابع فرمان بھاری بوجھل پہاڑوں والی زمین ہے۔ پھر ہم ان بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے چلتے ہیں۔ جس میں کوئی سبزہ نہیں۔ سوکھی بنجر زمین پڑی ہوئی ہے۔ جیسے آیت: ﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ﴾ (یٰسین:۳۳) میں بیان ہوا ہے۔ پھر اس سے پانی برسا کر اسی غیر آباد زمین کو لہلہاتی بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے۔ حالانکہ وہ بوسیدہ ہڈیاں اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل گئے ہوں گے۔ قیامت کے دن ان پر اللہ عزوجل بارش برسائے گا۔ چالیس دن برابر برستی رہے گی۔ جس سے جسم قبروں میں اُگنے لگیں گے۔ جیسے دانہ زمین پر اُگتا ہے۔ یہ بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے۔ قیامت کی مثال پیداوار سے دی جاتی ہے۔

پھر فرمایا یہ تمہاری نصیحت کے لئے ہے۔ اچھی زمین میں سے پیداوار عمدہ بھی نکلتی ہے اور جلد بھی، جیسے فرمان ہے: ﴿وَاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ (آل عمران:۳۷) اور جو زمین خراب ہے۔ جیسے سنگلاخ زمین، شور (زدہ) زمین وغیرہ۔ اس کی پیداوار بھی ویسی ہی ہوتی ہے۔ یہی مثال مومن و کافر کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس علم و ہدایت کے ساتھ خدا نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی زمین۔ بہت زیادہ بارش ہوئی، زمین کے ایک صاف عمدہ ٹکڑے نے تو پانی کو قبول کیا اور گھاس اور چارہ بہت سا اس میں سے نکلا۔ ان میں بعض ٹکڑے ایسے بھی تھے، جس میں پانی جمع ہو گیا اور وہاں رک گیا۔ پس اس سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ پیا اور پلایا۔ کھیتیاں کیں۔ باغات تازہ کئے۔ زمین کے جو چٹیل سنگلاخ ٹکڑے تھے۔ ان پر وہ پانی برسا لیکن نہ تو وہاں رکا نہ کچھ وہاں اُگا۔ یہی مثال اس کی ہے جس نے دین خدا کی سمجھ پیدا کی اور میری بعثت سے فائدہ اس نے اُٹھایا یا خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے سر ہی نہ اُٹھایا اور خدا کی وہ ہدایت قبول ہی نہ کی جو میری معرفت بھیجی گئی۔ (مسلم و نسائی)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ سوانہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم (طرف) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں۔ مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ان کی قوم کے آبرو دار لوگوں نے کہا ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں لیکن پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں خدا کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں۔ ○

تبلیغ مسلسل ☆

چونکہ سورۃ کے شروع میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا تھا۔ پھر اس کے متعلقات بیان ہوئے اور اس کے متصل اور بیانات فرما کر اب پھر اور انبیاء علیہم اسلام کے واقعات بیان ہونے شروع ہوئے اور پے در پے ان کے بیانات ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے پیغمبر اہل زمین کی طرف آپ ہی آئے تھے۔ آپ نوح بن ملک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریس علیہ السلام یہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا ابن برد بن مہلیل بن قنین بن یانش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔ ائمہ نسب جیسے امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ نے آپ کا نسب نامہ اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام جیسا کوئی اور نبی امت کی طرف سے ستایا نہیں گیا ہے۔ ہاں انبیاء قتل تو کر دیئے گئے۔ انہیں نوح اسی لئے کہا گیا کہ یہ اپنے نفس کا رونا بہت روتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح کے درمیان دس زمانے تھے۔ جو اسلام پر گزرے تھے۔ اصنام پرستی کا شروع رواج اس طرح ہوا کہ جب اولیاء اللہ فوت ہو گئے تو ان کی قوم نے ان کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور ان میں ان بزرگوں کی تصویریں بنالیں تا کہ ان کا حال اور ان کی نقشہ سامنے رہے اور اپنے تئیں ان جیسا بنانے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ زمانے کے بعد ان تصویروں کے مجسمے بنالئے۔ اور زمانے کے بعد انہی بتوں کی پوجا کرنے لگے اور ان کے نام انہی اولیاء اللہ کے ناموں پر رکھ لئے۔ وَدٌ سواع یغوث نسر وغیرہ۔ جب بت پرستی کا رواج ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ نے انہیں خدائے واحد کی عبادت کی تلقین کی اور کہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں قیامت کے دن تمہیں عذاب نہ ہو۔ قوم نوح کے بڑوں نے ان کے سرداروں نے اور ان کے چودھریوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جواب دیا کہ تم تو بہک گئے ہو کہ ہمیں اپنے باپ دادوں کے دین سے ہٹا رہے ہو۔ ہر بد نیک لوگوں کو گمراہ سمجھا کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ جب یہ بدکاران نیک کاروں کو دیکھتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو بہکے ہوئے ہیں۔ کہا کر...

تھے کہ اگر یہ دین اچھا ہوتا تو ان سے پہلے ہم نہ مان لیتے۔ یہ تو بات ہی غلط اور جھوٹ ہے۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں بہکا ہوا نہیں ہوں۔ بلکہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تمہیں پیغام خدا پہنچا رہا ہوں۔ تمہارا خیر خواہ ہوں اور خدا کی وہ باتیں جانتا ہوں، جنہیں تم نہیں جانتے۔ ہر رسول مبلغ، فصیح، بلیغ، ناصح، خیر خواہ اور عالم باللہ ہوتا ہے۔ ان صفات میں اور کوئی ان کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتا۔ مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفے کے دن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا، جبکہ وہ بہت بڑی تعداد میں بہت زیادہ تھے کہ اے لوگو! تم سے میری بابت خدا کے ہاں سوال کیا جائے گا تو بتلاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہم کہیں گے کہ آپ نے تبلیغ کر دی تھی اور حق رسالت ادا کر دیا تھا اور پوری خیر خواہی کی تھی۔ پس آپ ﷺ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور پھر نیچے زمین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا، خدایا تو گواہ رہ۔ اے اللہ تو شاہد رہ۔ خدایا تو گواہ رہ۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾

ع ۸ ۱۵

اور کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تا کہ تم ڈر جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح علیہ السلام کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے، بچا لیا جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔ ○

بعثت نبی علیہ السلام پر حیرت کیوں؟

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ تم اس بات کو کوئی انوکھی اور تعجب والی بات نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے کسی انسان پر اپنی وحی نازل فرمائی اور اسے پیغمبری سے ممتاز کر دے اور وہ تمہیں متنبہ کر دے۔ پھر تم شرک و کفر سے الگ ہو کر عذاب خدا سے نجات پا لو اور تم پر گوناگوں رحمتیں نازل ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ان دلیلوں نے ان کے پُر اثر وعظوں نے ان سنگدلوں پر کوئی اثر نہ کیا۔ یہ انہیں جھٹلاتے رہتے۔ مخالفت سے باز نہ آئے۔ ایمان قبول نہ کیا۔ صرف چند لوگ ایمان لائے اور بس۔ پس ہم نے ان نیک لوگوں کو اپنے نبی کے ساتھ کشتی میں بٹھا کر طوفان سے نجات دی اور باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ جیسے سورہ نوح میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے باعث غرق کر دیئے گئے۔ پھر دوزخ میں ڈال دیئے گئے اور کوئی نہ ہوا کہ جو ان کی مدد کرتا۔ یہ لوگ حق سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے۔ نابینا ہو گئے ہوئے تھے۔ راہ حق انہیں آخر تک دکھائی نہ دی۔ پس اللہ نے اپنے نبی کو اپنے دوستوں کو نجات دی۔ اپنے اور ان کے دشمنوں کو تہ آب برباد کر دیا۔ جیسے اس کا وعدہ ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی ضرور مدد فرمایا کرتے ہیں...... دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی وہ ان کی امداد کرتا ہے۔ ان پرہیزگاروں کے لئے عافیت ہے۔ انجام کار غالب اور مظفر و منصور یہی رہتے ہیں۔ جیسے کہ نوح علیہ السلام آخر کار غالب رہے اور کفار ناکام نامراد ہوئے یہ لوگ سخت پکڑے گئے اور غارت کر دیئے گئے۔ صرف پیغمبر خدا

کے اسی آدمیوں نے نجات پائی ان ہی میں سے ایک صاحب جرہم نامی تھے جن کی زبان عربی تھی۔ ابن ابی حاتم میں یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متصلاً مروی ہے۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں سو کیا تم نہیں ڈرتے ان کی قوم میں جو آبرو دار کافر تھے انہوں نے کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں اور ہم بے شک تم کو جھوٹے لوگوں میں سے سمجھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک شخص کی معرفت جو تمہاری جنس کا (بشر) ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ (بھی) زیادہ دیا۔ سو خدا تعالیٰ کی (ان) نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ ○

قوم عاد اور اُن کے پیغمبر علیہ السلام:

فرماتا ہے کہ جیسے قوم نوح کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو ہم نے بھیجا تھا' قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو ہم نے نبی بنا کر بھیجا۔ یہ لوگ عاد بن ارم بن عوض بن سام بن نوح کی اولاد تھے یہ عاد اولیٰ ہیں۔ یہ جنگل میں عالیشان مکانوں میں رہتے تھے۔ فرمان ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾ (الفجر: ۶۔۸) یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عاد ارم کے ساتھ تیرے ربّ نے کیا کیا؟ جو بلند قامت تھے کہ ان جیسے لوگ اور شہروں میں پیدا ہی نہیں کئے گئے۔ یہ لوگ بڑے قوی اور طاقتور اور لمبے چوڑے قد کے تھے۔ جیسے فرمان ہے کہ عادیوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے قوی کون ہے؟ کیا انہیں اتنی بھی تمیز

کہ ان کا پیدا کرنے والا یقیناً ان سے زیادہ قوت والا ہے۔ وہ ہماری آیتوں سے انکار کر بیٹھے۔ ان کے شہر یمن میں احقاف میں تھے۔ یہ ریتلے پہاڑ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضر موت کے ایک شخص سے کہا تو نے ایک سرخ ٹیلہ دیکھا ہوگا۔ جس میں سرخ رنگ کی راکھ جیسی مٹی ہے۔ اس کے آس پاس پیلو کے اور بیری کے درخت بکثرت ہیں۔ وہ ٹیلہ فلاں جگہ حضر موت میں ہے۔ اس نے کہا امیر المومنین! آپ تو اس طرح اس کے نشان بتا رہے ہیں' گویا آپ نے بچشم خود دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں دیکھا تو نہیں۔ لیکن ہاں مجھ تک حدیث پہنچی ہے کہ وہیں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بستیاں یمن میں تھیں اس لئے ان کے پیغمبر وہیں مدفون ہیں۔ آپ ان سب میں شریف قبیلے سے تھے۔ اس لئے کہ انبیاء ہمیشہ حسب نسب کے اعتبار سے عالی خاندان میں ہی ہوتے رہے ہیں لیکن آپ کی قوم جس طرح جسمانی طور سے سخت اور زوردار تھی۔ اس طرح دلوں کے اعتبار سے بھی بہت سخت تھی۔ جب اپنے نبی کی زبانی خدا کی عبادت اور تقویٰ کی نصیحت سنی' تو اکثر لوگ ان کی جمعیت' کثرت' ان کے سردار اور بڑے بول اُٹھے کہ تُو تو پاگل ہو گیا ہے کہ اپنے خداؤں کی ان خوبصورت تصویروں کی عبادت سے ہٹا کر خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے۔ یہی تعجب قریش کو ہوا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس نے ساری خداؤں کو چھڑوا کر ایک عبادت کی دعوت کیوں دی؟ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ مجھ میں تو بیوقوفی کی بفضلہٖ کوئی بات نہیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں' اس لئے کہ میں رسول اللہ ہوں۔ ربّ کی طرف سے حق لایا ہوں۔ وہ ربّ ہر چیز کا مالک' سب کا خالق ہے۔ میں تو تمہیں کلام خدا پہنچا رہا ہوں۔ تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور امانتداری سے رسالت ربّ ادا کر رہا ہوں۔ یہی وہ صفتیں ہیں جو تمام رسولوں میں یکساں ہوتی ہیں' یعنی پیغام خدا پہنچانا لوگوں کی بھلائی چاہنا اور امانت داری کا نمونہ بننا تم میری رسالت پر تعجب نہ کرو۔ بلکہ اللہ کا شکر بجا لاؤ کہ اس نے تم میں سے بھی ایک کو اپنا پیغمبر بنایا کہ وہ تمہیں عذاب خدا سے ڈرائے تمہیں ربّ کے اس احسان کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس نے ہلاک ہونے والوں کے بقایا میں سے بنایا تمہیں باقی رکھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ تمہیں قوی ہیکل مضبوط اور طاقتور بنایا۔ یہی نعمت حضرت طالوت پر تھی کہ انہیں جسمانی اور علمی وسعت دی گئی تھی۔ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو۔ تاکہ نجات حاصل کر سکو۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

ع ۸

وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہو کہ ہم صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ہم ان کو چھوڑ دیں اور ہم جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو ہمارے پاس منگوادو اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ اب تم پر بس خدا کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے۔ کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے باب میں جھگڑتے ہو۔ جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے (آپ ہی) ٹھہرالیا ہے۔ ان کے معبود ہونے کی خدا تعالیٰ نے کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) نہیں بھیجی سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور ان لوگوں کی جڑ تک کاٹ دی جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے نہ تھے۔ ○

صنم پرستی کے ساتھ آباء پرستی ☆

عاد کی سرکشی اور تکبر، ضد اور عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ آپ کی تشریف آوری کی غرض کیا ہے ہے کہ ہم اللہ واحد کے پرستار بن جائیں اور باپ دادوں کے پرانے معبودوں سے روگردانی کر لیں؟ سنو اگر یہی مقصود ہے تو اس کا پورا ہو محال ہے۔ ہم تیار ہیں اگر تم سچے ہو تو اپنے ربّ سے ہمارے لئے عذاب طلب کرو۔ یہی کفار مکہ نے کہا تھا۔ کہنے لگے کہ خدایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا حق ہے اور اگر واقعی تیرا کلام ہے اور ہم نہیں مانتے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور سخت المناک عذاب ہمیں کر۔ ان عاد کے بتوں کے نام یہ ہیں: صدا، صمود، هیا۔ ان کی اس گستاخی کے مقابلہ میں خدا کے پیغمبر نے فرمایا کہ تمہاری ان باتوں سے بے شک تم پر خدا کے عذاب اور اس کا غضب ثابت ہو گیا۔ رِجْسٌ سے مراد رجز یعنی عذاب ہے۔ ناراضی اور غصے کے معنی بھی ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان بتوں کی بابت مجھ سے جھگڑ رہے ہو جن کے نام بھی تم نے آپ رکھے ہیں یا تمہارے بڑوں نے اور خواہ بے وجہ انہیں معبود بنا بیٹھے ہو۔ یہ پتھر کے ٹکڑے محض بے ضرر اور بے نفع ہیں۔ نہ خدا نے ان کی عبادت کی کوئی دلیل اُتاری ہے۔ اچھا اب یونہی تم مقابلے کی ٹھہرالی ہے تو منتظر رہو۔ میں بھی منتظر ہوں۔ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ مقبول خدا کون ہے؟ اور مردودِ بارگاہ کون ہے؟ کون مستحق عذاب ہے اور کون قابلِ ثواب ہے۔ آخرش ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو نجات دی اور کافروں کی جڑیں کاٹ دیں۔

قرآن کریم کے کئی مقامات پر جناب باری عزوجل نے ان کی تباہی کی صورت بیان فرمائی ہے کہ ان پر تند اور تیز ہوائیں بھیجی گئیں جس نے انہیں اور ان کی تمام چیزوں کو غارت کر دیا اور برباد کر دیا۔ یہ عاد سخت آندھیوں سے ہلاک کر دیئے گئے۔ جو ان پر برابر سات رات اور آٹھ دن چلتی رہیں۔ سارے کے سارے اس طرح ہو گئے جیسے کھجور کے درختوں کے تنے الگ ہوں اور شاخیں الگ ہوں۔ دیکھ لے ان میں سے ایک بھی اب نظر آ رہا ہے؟ ان کی سرکشی کی سزا میں تیز ہوا اُن پر مسلط کر دی گئی۔ جو ان میں سے ایک ایک کو اُٹھا کر آسمان کی بلندی کی طرف لے جاتی اور وہاں سے گراتی۔ جس سے سر الگ ہو جاتا، دھڑ الگ ہو جاتا، یہ لوگ یمن کے علاقہ میں عمان اور حضر موت میں رہتے تھے۔ اِدھر اُدھر نکلتے اور لوگوں کو مار پیٹ کر جبراً قہراً ان کے ملک و مال پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے۔ سارے کے سارے بت پرست تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام جو ان میں کے شریف خاندانی شخص تھے۔ ان کے پاس رسالت ربّ لے کر آئے۔ خدا کی توحید کا حکم دیا۔ شرک سے روکا۔ لوگوں پر ظلم کرنے کی برائی سمجھائی لیکن انہوں نے اس نصیحت کو قبول نہ کیا۔ مقابلے پر تن گئے اور اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے۔ بعض لوگ ایمان لائے تھے۔ لیکن وہ بھی بیچارے جان کے خوف کے مارے چھپے چھپائے تھے۔ باقی لوگ بدستور اپنی بے ایمانی اور ناانصافی پر تلے ہوئے تھے۔ خواہ مخواہ فوقیت ظاہر کرنے لگے۔ بے کار عمارتیں بناتے اور پھولے نہ سماتے۔ ان سے

کاموں کو پیغمبر خدا ناپسند فرماتے انہیں روکتے تقوے کی اور اطاعت کی ہدایت کرتے لیکن کبھی تو انہیں بے دلیل بناتے۔ کبھی انہیں مجنون کہتے۔ آپ اپنی برکت ظاہر کرتے اور ان سے صاف فرماتے کہ مجھے تمہاری قوت طاقت کا مطلقاً خوف نہیں۔ جاؤ جو تم سے ہو سکے کر لو۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی بھروسے کے لائق ہے نہ عبادت کے قابل۔ ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز اور پست اور لاچار ہے۔ یہی راہ خدا کی ہے۔ آخر جب یہ اپنی برائیوں سے باز نہ آئے تو ان پر بارش نہ برسائی گئی۔ تین سال قحط سالی رہی۔ زچ ہو گئے۔ آخر تنگ آ گئے اور یہ سوچا کہ چند آدمیوں کو بیت اللہ شریف بھیجیں۔ وہ وہاں جا کر خدا سے دعائیں کریں۔ یہی ان کا دستور تھا کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو وہاں وفد بھیجتے۔ اس وقت ان کا ایک قبیلہ عمالیق حرم شریف میں بھی رہتا تھا۔ یہ لوگ عملیق بن آدم بن سام بن نوح کی نسل میں تھے۔

ان کا سردار اس زمانے میں معاویہ بن بکر تھا۔ اس کی ماں قوم عاد سے تھی۔ جس کا نام جاہدہ بنت خبیری تھا۔ قوم عاد نے اپنے ہاں سے ستر اشخاص کو منتخب کر کے بطور وفد کے مکہ شریف کو روانہ کیا۔ یہاں آ کر یہ معاویہ کے مہمان بنے۔ پُرتکلف دعوتوں کے اُڑانے میں شراب خوری میں اور معاویہ کی دو لونڈیوں کا گانا سننے میں اس بے خودی سے مشغول ہو گئے کہ کامل ایک مہینہ گزر گیا۔ انہیں اپنے کام کی طرف مطلق توجہ نہ ہوئی۔ معاویہ اپنی قوم کی یہ روش دیکھ کر اور اپنی قوم کی بری حالت دیکھ کر بہت کڑھتا تھا لیکن یہ مہمان نوازی کے خلاف تھا کہ خود ان سے کہتا کہ جاؤ۔ اس لئے اس نے کچھ اشعار لکھے اور ان ہی دونوں کنیزوں کو یاد کرائے کہ وہ یہی گا کر انہیں سنائیں۔ ان شعروں کا مضمون یہ تھا۔ اے وہ لوگو! جو قوم کی طرف سے خدا سے دعائیں کرنے کو بھیجے گئے ہو کہ وہ عاد پر بارش برسائے۔ جو آج ایک قحط سالیوں کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہیں۔ بھوکے پیاسے مر رہے ہیں۔ بڈھے بچے مرد عورتیں تباہ حال پھر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ بولنا چالنا ان پر دوبھر ہو گیا ہے۔ جنگلی جانور ان کی آبادیوں میں پھر رہے ہیں کیونکہ کسی عاد میں اتنی قوت کہاں کہ وہ تیر چلا سکے۔ لیکن افسوس کہ تم یہاں اپنے من مانے مشغلوں میں منہمک ہو گئے اور اوقات بے فائدہ ضائع کرنے لگے۔ تم سے زیادہ برا وفد دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ یاد رکھو اگر اب بھی تم نے مستعدی سے قومی خدمت نہ کی تو برباد ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر ان کے کان کھڑے ہوئے۔ یہ حرم میں گئے اور دعائیں مانگنی شروع کیں۔ اللہ تعالیٰ نے تین بادل ان کے سامنے پیش کئے۔ ایک سفید ایک سیاہ ایک سرخ اور ایک آواز آئی کہ ان میں سے ایک اختیار کر لو۔ اس نے سیاہ بادل پسند کیا۔ آواز آئی تو نے سیاہ پسند کیا جو عاد میں سے ایک بھی باقی نہ چھوڑے گا نہ بیٹے کو نہ باپ کو۔ سب کو غارت کر دے گا۔ سوائے بنی لوذیہ کے۔ یہ بنی لوذیہ بھی عاد کا ایک قبیلہ تھا جو مکے میں مقیم تھے۔ ان پر وہ عذاب نہیں آئے تھے۔ یہی باقی رہے اور ان میں سے عاد اُخریٰ ہوئے۔ اس وفد کے سردار نے سیاہ بادل پسند کیا تھا۔ جو اسی وقت عاد کی طرف چلا۔ اس شخص کا نام قیل بن غز تھا۔ جب یہ عاد کے میدان میں پہنچا۔ جس کا نام مغیث تھا۔ تو اسے دیکھ کر یہ لوگ خوشیاں منانے لگے کہ اس ابر سے پانی ضرور برسے گا۔ حالانکہ یہ وہ تھا جس کی یہ لوگ نبی کے مقابلہ میں جلدی مچا رہی تھے۔ جس میں المناک عذاب تھا۔ جو تمام چیزوں کو فنا کر دینے والا تھا۔ سب سے پہلے اس عذاب خدا کو ایک عورت نے دیکھا جس کا نام ممید تھا۔ یہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش میں آئی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا آگ کا بگولہ جو بصورت ہوا تھا۔ جسے فرشتے گھسیٹتے لئے آتے تھے۔ برابر سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ آگ والی ہوا ان پر چلتی رہی اور عذاب کا بادل ان پر برستا رہا۔ تمام قوم عاد کا ستیاناس ہو گیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھی مومن ایک باغیچے میں چلے گئے تھے۔ وہاں خدا نے انہیں محفوظ رکھا۔ وہی ہوا ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہو کر ان کے جسموں کو لگتی رہی جس سے روح کو تازگی اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی رہی۔ ہاں عاد پر اس ہوا نے سنگباری شروع کر دی۔ ان کے دماغ پھٹ گئے۔

آخر میں انہیں اُٹھا اُٹھا کر دے پٹخا۔ سر الگ ہو گئے۔ دھڑ الگ جا پڑے۔ سوار کو سواری سمیت اٹھا لیتی تھی اور بہت اونچی لے جا کر اوندھے دے پٹختی تھی ...... یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سے فوائد ہیں عذاب خدا کے آ جانے کے وقت حضرت ہود علیہ السلام اور مومنوں کو نجات مل گئی۔ رحمت خدا اُن کے شامل حال رہی اور باقی کفار اس بدترین سزا میں گرفتار ہوئے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت حارث بکری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں اپنے ہاں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں علا بن حضرمی شکایت لے کر چلا۔ جب میں ربذہ میں پہنچا تو بنی تمیم کی ایک بڑھیا لاچار ہو کر بیٹھی ہوئی ملی۔ مجھ سے کہنے لگی اے خدا کے بندے سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچنا ہے۔ کیا تو میرے ساتھ اتنا سلوک کرے گا کہ مجھے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دے میں نے کہا آ چنانچہ میں نے اسے اپنے اونٹ پر بٹھا لیا اور مدینے پہنچا۔ دیکھا کہ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ سیاہ جھنڈے لہرا رہے ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار لٹکائے کھڑے ہیں میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرو بن عاص ماتحتی میں کہیں لشکر بھیجنے والے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی منزل میں تشریف لے گئے۔ میں آپ کے پیچھے گیا۔ اجازت طلب کی۔ اجازت ملی۔ جب میں نے اندر جا کر سلام کیا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم میں اور بنو تمیم میں چشمک ہے؟ میں نے کہا ہاں حضور، اور بوجھ باجھ ان پر ہی ہے۔ میں اب حاضرِ خدمت ہو رہا تھا تو راستے میں قبلہ تمیم کی ایک بڑھیا عورت مل گئی۔ جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی۔ اس نے مجھ سے درخواست کی اور میں آسے اپنی سواری پر بٹھا کر یہاں لایا ہوں۔ وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی اندر آنے کی اجازت دی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی فیصلے کر دیجئے۔ پر بڑھیا تیز ہو کر بولی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کر دیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بے بس کہاں پناہ لیں گے؟ میں نے کہا سبحان اللہ! تیری میری تو وہی مثل ہوئی کہ بکری اپنی موت کو آپ اٹھا کر لے گئی۔ میں نے تجھے یہاں پہنچایا۔ مجھے اس کے انجام کی کیا خبر تھی؟ اللہ نہ کرے کہ میں بھی عاد قبیلے کے وفد کی طرح ہو جاؤں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ عاد کے وفد کا قصہ کیا ہے؟ باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے زیادہ اس کا علم تھا۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم باتیں کرنا چاہتے ہیں میں نے قصہ شروع کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت عاد میں قحط سالی ہوئی تو انہوں نے قیل نامی ایک شخص کو بطور اپنے قاصد کے بیت اللہ شریف دعا کرنے کے لئے بھیجا معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر مہمان بنا۔ یہاں شراب کباب اور راگ رنگ میں ایسا مشغول ہوا کہ مہینہ بھر تک جام لنڈھاتا رہا اور معاویہ کی دو لونڈیوں کے گانے سنتا رہا۔ ان کا نام حرادہ تھا۔ مہینہ بھر کے بعد مہرہ کے پہاڑوں پر گیا اور خدا سے دعا مانگنے لگا کہ باری تعالیٰ میں بیمار کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کے فدیے کے لئے نہیں آیا۔ خدایا عاد کو تو وہ پلا جو پلایا کرتا تھا۔ اتنے میں وہ دیکھتا ہے کہ چند سیاہ رنگ اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک غیبی صدا آئی کہ ان میں سے جو تجھے پسند ہو قبول کر لے۔ اس نے سخت سیاہ بادل اختیار کیا۔ اسی وقت دوسری آواز آئی کہ لے لے۔ خاک راکھ جو عادیوں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑے۔ عادیوں پر ہوا کے خزانے سے صرف بقدر انگوٹھی کے حلقے کی ہوا چھوڑی گئی تھی۔ جس نے سب کو تہ و بالا کر دیا۔ ابو وائل کہتے ہیں یہ واقعہ سارے عرب میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ جب لوگ کسی کو بطور وفد کے بھیجتے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ عادیوں کے وفد کی طرح نہ ہو جانا۔ اسی طرح مسند احمد میں روایت موجود ہے۔ سنن کی اور کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

غَيْرُهُ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو دردناک عذاب آ پکڑے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد آباد کیا اور تم کو زمین پر رہنے کو ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو سو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنی رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں' جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس چیز پر یقین لائے ہوئے ہو۔ ہم تو اس کے منکر ہیں۔ غرض اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوایئے اگر آپ پیغمبر ہیں۔ پس آ پکڑا ان کو زلزلے نے سو اپنے گھر میں اوندھے

کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ ○

قوم ثمود ☆

علمائے نسب نے بیان کیا ہے کہ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح یہ بھائی تھا جدلیس بن عامر کا۔ اسی طرح قبیلہ طلسم یہ خالص عرب تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے پہلے ثمود عاد کے بعد ہوئے۔ ان کے شہر حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ اور اس کے اردگرد مشہور ہیں۔ ۹ ہجری میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کی اُجاڑ بستیوں میں سے گزرے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب حضور ﷺ تبوک کے میدان میں اُترے لوگوں نے ثمود کے گھروں کے پاس ڈیرے ڈالے اور انہی کے کنوؤں کے پانی سے آٹے گوندھے اور ہنڈیاں چڑھائیں۔ تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سب ہنڈیاں الٹ دی جائیں اور گندھے ہوئے آٹے اونٹوں کو کھلا دیے جائیں۔ پھر فرمایا یہاں سے کوچ کرو اور اس کنوئیں کے پاس ٹھہرو جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور فرمایا آئندہ عذاب والی بستیوں میں پڑاؤ نہ کیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اسی عذاب کے شکار تم بھی بن جاؤ اور روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں لوگ بجلت حجر کے لوگوں کی طرف لپکے آپ ﷺ نے اسی وقت آواز دلوائی کہ اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے گھروں میں کیوں گھسے جا رہے ہو جن پر غضب خدا نازل ہوا۔ راوی حدیث ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ میں یہ سن کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم تو صرف عبرت کے طور پر انہیں دیکھتے چلے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' میں تمہیں اس سے بھی عبرت کی چیز بتلا رہا ہوں۔ تم میں سے ہی ایک شخص ہے جو تمہیں وہ چیزیں بتلا رہا ہے جو گذر چکیں اور وہ خبریں دے رہا ہے جو تمہارے سامنے ہیں اور جو تمہارے بعد ہونے والی ہیں۔ پس تم ٹھیک ٹھاک رہو اور سیدھے چلو۔ تمہیں عذاب کرتے ہوئے بھی خدائے تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں۔ یاد رکھو کہ ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی جانوں سے کسی چیز کو دفع نہ کر سکیں گے۔ حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کا نام عمر بن سعد ہے اور کہا گیا ہے کہ عامر بن سعد ہے۔ واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کہ حجر کی بستی کے پاس آتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا' نشانیاں نہ طلب کرو۔ دیکھو قوم صالح نے نشان طلب کیا' جو ظاہر ہوا۔ یعنی اونٹنی جو اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی لیکن ان لوگوں نے اپنے ربّ کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن یہ سب اس کا دودھ پیتے تھے۔ اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر ان پر ایک چیخ آ گئی اور یہ جتنے بھی تھے' سب کے سب ڈھیر ہو گئے۔ بجز ایک شخص کے جو حرم شریف میں تھا۔ لوگوں نے پوچھا' اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا ابو رغال۔ یہ بھی جب حد حرم سے باہر آیا تو اسے بھی وہی عذاب ہوا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں تو نہیں لیکن ہے مسلم شریف کی شرط پر۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ثمودی قبیلے کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ تمام نبیوں کی طرح آپ نے بھی اپنی امت کو سب سے پہلے توحید خدا سکھائی کہ فقط اس کی عبادت کریں۔ اس کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں۔ یہ فرمان خدا ہے جتنے بھی رسول آئے' سب کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' صرف میری ہی عبادت کرو اور ارشاد ہے' میں نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچو۔ حضرت صالح علیہ السلام فرماتے ہیں' لوگو! تمہارے پاس دلیل خداوندی آ چکی۔ جس میں میری سچائی ظاہر ہے۔ ان لوگوں نے صالح علیہ السلام سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ ایک سنگلاخ چٹان جو ان کی بستی کے ایک کنارے پڑی تھی۔ جس کا نام کاتبہ تھا۔ اس سے آپ ایک اونٹنی نکالیں' جو گابھن ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان قبول کر لو گے؟ انہوں نے پختہ وعدے کئے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھی

دعا کی' ان سب کے دیکھتے ہوئے چٹان نے ہلنا شروع کیا اور چیخ گئی اور اس کے بیچ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی ان کے سردار جندع بن عمرو نے تو اسلام قبول کرلیا اور اس کے ساتھیوں نے بھی۔ باقی جو اور سردار تھے وہ ایمان لانے کے لئے تیار تھے مگر دواب بن عمرو بن لبید نے اور خباب نے جو بتوں کا مجاور تھا اور باب بن صمر بن جلمس وغیرہ نے ان کو روک دیا۔ حضرت جندرع کا بھتیجا تھا شہاب نامی۔ یہ ثمود میں بڑا عالم' فاضل اور شریف شخص تھا۔ اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن انہی بدبختیوں نے اسے بھی روکا۔ جس پر ایک مومن ثمود مہوش بن غنمہ نے کہا کہ آل عمرو نے شہاب کو دین خدا کی دعوت دی۔ قریب تھا کہ وہ مشرف باسلام ہو جائے اور اگر ہو جاتا تو اس کی عزت دوگنی ہو جاتی۔ مگر بدبختوں نے اسے روک دیا اور نیکی سے ہٹا کر بدی پر لگا دیا۔ اس حاملہ اونٹنی کو اس وقت بچہ ہوا۔ ایک مدت دونوں ان میں رہے ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی۔ اس دن اس قدر دودھ دیتی کہ یہ لوگ اپنے سب برتن بھر لیتے۔ دوسرے دن یہ پانی نہ پیتی اور ثمود کے اور جانور پی لیتے۔

جیسے قرآن میں ہے: ﴿وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَاۗءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ......﴾ (القمر: ۲۸) اور آیت میں ہے: ﴿هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (الشعراء: ۱۵۵) یہ ہے اونٹنی' اس کے اور تمہارے پانی پینے کے دن تقسیم شدہ اور مقرر ہیں۔ یہ اونٹنی ثمود کی بستی حجر کے اردگرد چرتی چگتی تھی۔ ایک راہ آتی دوسری راہ جاتی۔ یہ بہت ہی موٹی تازی اور ہیبت والی اونٹنی تھی۔ جس راہ سے گزرتی' سب اور جانور اِدھر اُدھر ہو جاتے۔ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد ان اوباشوں نے ارادہ کیا کہ اس کو مار ڈالیں۔ تاکہ ہر دن ان کے جانور برابر پانی پی سکیں۔ ان اوباشوں کے ارادوں پر سب نے اتفاق کیا۔ یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور انہیں شہ دی کہ ہاں اس پاپ (گناہ) کو کاٹ دو۔ اس اونٹنی کو مار ڈالو۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا......﴾ (الشمس: ۱۴) قوم صالح علیہ السلام نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اسے مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے بدلے ان پر ہلاکت نازل فرمائی اور سب کو برابر ہی کر دیا اور آیت میں ہے کہ ہم نے ثمود کو اونٹنی دی۔ جو ان کے لئے پوری سمجھ بوجھ کی چیز تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ یہاں بھی فرمایا کہ انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ پس فعل کی اسناد سارے ہی قبیلے کی طرف ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ چھوٹے بڑے سب اس پر متفق تھے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا بیان ہے کہ اس کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ عنیزہ بنت غنم بن مجلز جو ایک بڑھیا کافرہ تھی' اور حضرت صالح علیہ السلام سے بڑی دشمنی رکھتی تھی۔ اس کی لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں اور تھی بھی یہ عورت مالدار۔ اس کے خاوند کا نام ذواب بن عمرو تھا۔ جو ثمود کا ایک سردار تھا۔ یہ بھی کافر تھا۔ اسی طرح ایک اور عورت تھی' جس کا نام صدقہ بنت محیا بن زہیر بن مختار تھا۔ یہ بھی علاوہ حسن کے مال اور حسب نسب میں بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے خاوند مسلمان ہو گئے تھے رضی اللہ عنہ۔ اس سرکش عورت نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ اب یہ دونوں عورتیں لوگوں کو اُکساتی تھیں کہ کوئی آمادہ ہو جائے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دے۔ صدقہ نامی عورت نے ایک شخص حباب کو بلایا اور اس سے کہا کہ میں تیرے گھر آ جاؤں گی' اگر تو اس اونٹنی کو قتل کر دے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے مصدع بن مہرج بن محیا کو بلایا' جو اس کے چچا کا لڑکا تھا اور اسے بھی اسی بات پر آمادہ کیا۔ یہ خبیث اس کے حسن و جمال کا مفتون تھا' اس برائی پر آمادہ ہو گیا۔ اُدھر عنیزہ نے قدر بن سالف بن جذع کو بلا کر اس سے کہا کہ میری ان خوبصورت نوجوان لڑکیوں میں سے جسے تو پسند کرے' اسے میں تجھے دے دوں گی' اس شرط پر کہ تو اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈال۔ یہ خبیث بھی آمادہ ہو گیا۔ یہ تھا بھی ولد الزنا۔ سالف کی اولاد میں سے نہ تھا۔ جیسان نامی ایک شخص سے اس کی بدکار ماں نے زنا کی تھی۔ اسی سے یہ پیدا ہوا تھا۔ اب یہ دونوں چلے اور ثمود کے اور شریروں کو بھی اس پر آمادہ

کیا۔ چنانچہ سات شخص اور بھی اس پر آمادہ ہو گئے اور یہ نوفسادی شخص اس بدارادے پر تل گئے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے: ﴿وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُونَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴾ (النمل: ۴۸) اس شہر میں نوشخص تھے جن میں اصلاح کا مادہ ہی نہ تھا۔ سراسر فسادی تھے۔ چونکہ یہ لوگ قوم کے سردار تھے ان کے کہنے سننے سے تمام کفار بھی اس پر راضی ہو گئے اور اونٹنی کے واپس آنے کے راستے میں یہ دونوں شریر اپنی اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ گئے۔ جب اونٹنی نکلی تو پہلے مصدع نے اسے تیر مارا۔ جو اس کی ران کی ہڈی میں پیوست ہو گیا۔ اسی وقت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو کھلے منہ قدار کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا قدار کیا دیکھتے ہو۔ اٹھو اور اس کا کام تمام کر دو۔ یہ اس کا منہ دیکھتے ہی دوڑا اور اس کے دونوں پچھلے پاؤں کاٹ دیئے۔ اونٹنی چکرا کر گری اور ایک آواز نکالی۔ جس سے اس کا بچہ ہوشیار ہو گیا اور اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑی پر چلا گیا۔ یہاں قدار نے اونٹنی کا گلا کاٹ دیا اور وہ مر گئی۔ اس کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس نے خدا تعالیٰ کے سامنے اپنی ماں کے قتل کی فریاد کی۔ پھر جس چٹان سے نکلا تھا اسی میں سما گیا۔ یہ روایت بھی ہے کہ اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ہی ذبح کر دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ گھبرائے ہوئے موقعہ پر پہنچے۔ دیکھا کہ اونٹنی بے جان پڑی ہوئی ہے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور فرمایا بس اب تین دن میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ یہی ہوا بھی۔ بدھ کے دن ان لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا اور چونکہ کوئی عذاب نہ آیا۔ اس لئے اترا گئے اور انہی مفسدوں نے ارادہ کر لیا کہ اب آج شام کو صالح کو بھی مار ڈالو اگر واقعی ہم ہلاک ہونے والے ہی ہیں تو پھر یہ کیوں بچا رہے؟ اور اگر ہم پر عذاب نہیں تو بھی آ ؤ روز روز کی اس مصیبت سے نجات تو ہو جائے گی۔ چنانچہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے مل کر مشورہ کیا اور پھر قسمیں کھا کر اقرار کیا کہ رات کو صالح علیہ السلام کے گھر پر چھاپہ مارو اور اسے اور اس کے گھرانے کو تہہ تیغ کر دو اور صاف مکر جاؤ کہ ہمیں کیا خبر کہ کس نے مارا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اس مکر کے مقابل ہم نے بھی مکر کیا اور یہ ہمارے مکر سے بالکل بے خبر رہے۔ اب انجام دیکھو کہ کیا ہوا؟ رات کے وقت اسی بدنیتی سے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کی طرف چلے۔ آپ کا گھر پہاڑ کی بلندی پر تھا۔ ابھی یہ اوپر چڑھ ہی رہے تھے جو اوپر سے ایک چٹان پتھر کی لڑھکتی ہوئی آئی اور سب ہی کو پیس ڈالا۔ ان کا تو یہ حشر ہوا۔ ادھر جمعرات کے دن تمام ثمودیوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔ جمعہ کے دن ان کے چہرے آگ جیسے سرخ ہو گئے اور ہفتے کے دن جو مہلت کا آخری دن تھا ان کے منہ سیاہ ہو گئے۔ تین دن جب گزر گئے تو چوتھا دن اتوار کی صبح ہی صبح سورج کے روشن ہوتے ہی اوپر آسمان سے سخت کڑاکا ہوا۔ جس کی دہشت انگیز چنگھاڑ نے ان کے کلیجے پھاڑ دیئے۔ ساتھ ہی نیچے سے زبردست زلزلہ آیا ایک ہی ساعت میں ایک ساتھ ہی ان سب کا ڈھیر ہو گیا۔ مردوں سے مکانات بازار گلی کوچے بھر گئے۔ مرد عورت بچے بوڑھے اوّل سے آخر تک سارے کے سارے تباہ ہو گئے۔ شانِ خدا دیکھئے کہ اس واقعہ کی خبر دنیا کو پہنچانے کے لئے ایک کافرہ عورت بچالی گئی یہ بھی بڑی خبیثہ تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی عداوت کی آگ سے بھری ہوئی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگیں نہ تھیں لیکن ادھر عذاب آیا۔ اُدھر اس کے پاؤں کھل گئے۔ اپنی بستی سے بڑی تیزی سے بھاگی اور تیز دوڑتی ہوئی دوسرے شہر میں پہنچی اور وہاں جا کر ان سب کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا۔ بیان کر ہی چکی تھی جو ان سے پانی مانگا۔ ابھی پیاس پوری بھی بجھی نہ تھی جو عذاب خدا آ پڑا اور وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ ہاں ابو دغال نامی ایک شخص اور بچ گیا۔ یہ یہاں نہ تھا۔ حرم کی پاک زمین میں تھا لیکن کچھ دنوں کے بعد جب یہ اپنے کام کی غرض سے حرم سے باہر آیا۔ اسی وقت آسمان سے پتھر آیا اور اسے بھی واصل جہنم کیا۔ ثمود میں سے سوائے حضرت صالح علیہ السلام کے اور ان کے مومن صحابہؓ کے اور کوئی بھی نہ بچا اور ابو دغال کا واقعہ اس سے پہلے حدیث سے بیان ہو چکا ہے۔ قبیلہ ثقیف جو طائف میں ہے مذکور ہے کہ یا تو

کی نسل سے ہیں۔ عبدالرزاق میں ہے کہ اس کی قبر کے پاس سے جب رسول کریم ﷺ گزرے تو فرمایا کہ جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' یہ ابو رغال کی قبر ہے۔ یہ ایک ثمودی شخص تھا۔ اپنی قوم کے عذاب کے وقت یہ حرم میں تھا۔ اسی وجہ سے عذاب خدا سے بچ رہا لیکن جب حرم شریف سے نکلا' اسی وقت قومی عذاب سے یہ بھی ہلاک ہو گیا اور یہیں دفن کیا گیا اور اسی کے ساتھ اس کی سونے کی لکڑی بھی دفنا دی گئی ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس گڑھے کو کھود کر اس میں سے وہ لکڑی نکال لی اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ثقیف قبیلہ اسی کی اولاد ہے۔

ایک مرسل حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا' اس کے ساتھ سونے کی شاخ دفن کر دی گئی تھی۔ یہی نشان اس کی قبر کا ہے۔ اگر تم کھودو تو وہ شاخ ضرور نکل آئے گی۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اسے کھودا اور شاخ نکالی۔ ابو داؤد میں بھی یہ روایت ہے اور حسن غریب ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے وصل کا صرف یہی ایک طریقہ بجیر بن ابی بجیر کا ہے اور یہ صرف اسی حدیث کے ساتھ معروف ہے اور بقول حضرت امام یحییٰ بن معین رحمتہ اللہ علیہ سوائے اسماعیل بن ابی امیہ کے اسے اس سے اور کسی نے روایت نہیں کیا تو ڈر ہے کہ کہیں اس حدیث کے مرفوع کرنے میں خطا نہ ہو۔ یہ عبداللہ بن عمرو ہی کا قول ہو۔ پھر اس صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اسے ان دو دفتروں سے لیا ہو۔ جو انہیں جنگ یرموک میں ملے تھے۔ میرے استاد شیخ ابو الحجاج رحمتہ اللہ علیہ اس روایت کو پہلے تو حسن غریب کہتے تھے لیکن میں نے جب ان کے سامنے یہ حجت پیش کی تو آپ نے فرمایا بیشک ان امور کا اس میں احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

اس وقت صالح ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ ○

نبی کی نصیحت پر عمل نہ کرنے کا نقصان ☆

قوم کی ہلاکت کو دیکھ کر افسوس و حسرت اور آخری ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر پیغمبر خدا حضرت صالح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ تو تمہیں رب کی رسالت نے فائدہ پہنچایا نہ میری خیر خواہی ٹھکانے لگی۔ تم اپنی بے سمجھی سے دوست کو دشمن سمجھ بیٹھے اور آخر اس روز بد کو بلا ہی لیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی جب بدری کفار پر غالب آئے' وہیں تین دن تک ٹھہرے رہے۔ پھر رات کے آخری وقت اونٹنی کسوا کر آپ تشریف لے چلے اور جب اس گھاٹی کے پاس پہنچے۔ جہاں ان کافروں کی لاشیں ڈالی گئی تھیں تو آپ ﷺ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے۔ اے ابو جہل' اے عتبہ' اے شیبہ' اے فلاں فلاں' بتاؤ رب کے وعدے تم نے درست پائے؟ میں نے تو اپنے رب کے فرمان کی صداقت اپنی آنکھوں دیکھ لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ان جسموں سے باتیں کر رہے ہیں جو مردار ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں' اسے یہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں۔ لیکن جواب کی طاقت نہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا' تم نے باوجود میرے خاندان کے ہونے کے میرے ساتھ وہ برائی کی کہ کسی خاندان نے اپنے پیغمبر کے ساتھ نہ کی ہو تم نے باوجود میرے ہم قبیلہ ہونے کے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے مجھے سچا سمجھا۔ تم نے باوجود

رشتہ داری کے مجھے دلیس نکالا دیا اور دوسروں نے مجھے اپنے ہاں جگہ دیا۔ افسوس تم اپنے ہوکر مجھ سے برسر جنگ رہے اور دوسروں نے میری امداد دی۔ پس تم اپنے نبی کے بدترین قبیلے والے ہو۔ یہی حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے فرمارہے ہیں کہ میں نے تو ہمدردی کی انتہا کردی۔ خدا کے پیغام کی تبلیغ میں، تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن آہ تم نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ نہ حق کی پیروی کی نہ اپنے خیر خواہ کی مانی۔ بلکہ اور اسے اپنا دشمن سمجھا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ہر نبی جب دیکھتا ہے کہ اب میری امت پر عام عذاب آنے والا ہے۔ انہیں چھوڑ کر نکل کھڑا ہوتا ہے اور مکے شریف کے حرم میں پناہ لیتا ہے واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے کہ حج کے موقعہ پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وادی عسقان پہنچے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ آپ نے جواب دیا، وادی عسقان۔ فرمایا میرے سامنے سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام ابھی ابھی گزرے۔ اونٹنیوں پر سوار تھے۔ جن کی نکیلیں کھجور کے پتوں کی تھیں۔ کمبلوں کے تہبند باندھے ہوئے اور موٹی چادریں اوڑھے ہوئے تھے۔ لبیک کہتے ہوئے بیت اللہ شریف کی طرف جارہے تھے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ صحاح ستہ میں نہیں۔ ○

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا۔
یعنی مردوں کے ساتھ تم شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد انسانیت ہی سے گزر گئے ہو۔ ○

قوم لوط ☆

ارشاد ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا تو ان کے واقعہ کو بھی یاد کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن آذر کے بیٹے تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ ہی کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے انہیں اپنا نبی بنا کر سدوم نامی بستی کی طرف بھیجا۔ آپ نے انہیں اور آس پاس کے لوگوں کو خدا کی توحید اور اپنی اطاعت کی طرف نیکیوں کے کرنے، برائیوں کے چھوڑنے کا حکم دیا۔ جن میں ایک برائی اغلام بازی تھی یہ جو ان سے پہلے دنیا میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس بدکاری کے موجد یہی ملعون لوگ تھے۔ عمر بن دینار رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں۔ جامع دمشق کے بانی خلیفہ ولید بن عبدالملک کہتے ہیں اگر یہ خبر قرآن میں نہ ہوتی تو میں اس کو کبھی نہ مانتا کہ مرد مرد سے حاجت روائی کرے۔ اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے ان حرام کاروں سے فرمایا کہ تم سے پہلے تو یہ ناپاک اور خبیث فعل کسی نے نہیں کیا۔ عورتوں کو جو اس کام کے لئے تھیں، چھوڑ کر تم مردوں پر ریجھ رہے۔ اس سے بڑھ کر اسراف اور جہالت اور کیا ہوگی؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' یہ ہیں میری بچیاں یعنی تمہاری قوم کی عورتیں۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ان کی چاہت نہیں، ہم تو تمہارے ان مہمان لڑکوں کے خواہاں ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں، جس طرح مرد مرد آپس میں مشغول تھے۔ اسی طرح عورتیں عورتیں آپس میں پھنسی ہوئی تھیں۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿۸۲﴾

اوران کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔

سرکشی ☆

قوم لوط پر نصیحت نبوی کارگر نہ ہوئی بلکہ الٹے دشمنی میں لگ گئے اور دیس نکالا دینے پر تل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مع ایمانداروں کے وہاں سے صحیح سالم بچالیا اور تمام بستی والوں کو ذلت و پستی کے ساتھ تباہ و غارت کر دیا۔ جوانہوں نے کہا کہ یہ بڑے پاک باز لوگ ہیں۔ یہ بطور طعنے کے کہا تھا اور یہ مطلب بھی تھا کہ یہ اس کام سے جو ہم کرتے ہیں دور ہیں پھر ان کا ہم میں کیا کام۔ مجاہد اور ابن عباس کا یہی قول ہے۔

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۸۳﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۸۴﴾

سو ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو بچالیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا (کہ وہ پتھروں کا تھا) سو دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

عذابِ عظیم ☆

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کا گھرانا خدا کے ان عذابوں سے بچ گیا جو لوطیوں پر نازل ہوئے۔ بجز آپ کے گھرانے کے اور کوئی آپ پر ایمان نہ لایا تھا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الزریات: ۳۶) یعنی وہاں جتنے مومن تھے ہم نے سب کو نکال دیا۔ لیکن بجز ایک گھر والوں کے وہاں ہم نے کسی مسلمان کو پایا ہی نہیں۔ بلکہ خاندان لوط میں سے بھی خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہوئی کیونکہ یہ بدنصیب کافرہ ہی تھی۔ بلکہ قوم کے کافروں کی طرف دار تھی۔ اگر کوئی مہمان آتا تو اشاروں سے قوم کو خبر پہنچا دیتی۔ اسی لئے حضرت لوط سے کہہ دیا گیا کہ اسے اپنے ساتھ نہ لے جانا۔ بلکہ اسے خبر بھی نہ کرنا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ساتھ تو چلی تھی لیکن جب قوم پر عذاب آیا تو اس کے دل میں ان کی محبت آ گئی اور رحم کی نگاہ سے انہیں دیکھنے لگی۔ وہیں اسی وقت وہی عذاب اس بدنصیب پر بھی آ گیا لیکن زیادہ ظاہر قول پہلا ہی ہے یعنی نہ اسے حضرت لوط علیہ السلام نے عذابوں کی خبر کی نہ اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ یہ یہیں باقی رہ گئی اور پھر ہلاک ہوگئی۔ غابرین کے معنی بھی باقی رہ جانے والے ہیں جن بزرگوں نے اس کے معنی ہلاک ہونے والے کئے ہیں وہ بطور لزوم کے ہیں کیونکہ جو باقی تھے۔ وہ ہلاک ہی ہونے والے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شہر سے نکلتے ہی عذاب خدا ان پر بارش کی طرح برس پڑا۔ وہ بارش پتھروں اور ڈھیلوں کی تھی۔ جو ہر ایک پر اسی کے نشان زدہ آسمان سے گر رہے تھے۔ گو خدا کے عذابوں کو بے انصاف لوگ دور سمجھ رہے ہوں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں۔ اے پیغمبر اب آپ خود دیکھ لیجئے کہ خدا کی

نافرمانیوں اور رسول خدا کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوطی فعل کرنے والوں کو اونچی دیوار سے گرا دیا جائے۔ پھر اوپر سے پتھراؤ کر کے اسے مار ڈالنا چاہئے کیونکہ لوطیوں کو خدا کی طرف سے یہی سزا دی گئی اور علمائے کرام کا فرمان ہے کہ اسے رجم کر دیا جائے۔ خواہ وہ شادی شدہ ہو یا بے شدہ ہو۔ امام شافعی کے دو قول میں سے ایک یہی ہے۔ اس کی دلیل مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جسے تم لوطی[1] فعل کرتے پاؤ' اسے اور اس کے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔ علما کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ بھی مثل زنا کاری کے ہے۔ شادی شدہ ہوں تو رجم ورنہ سو کوڑے امام شافعی کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔ عورتوں سے اس قسم کی حرکت کرنا بھی چھوٹی لواطت ہے باجماع امت حرام ہے۔ بجز ایک شاذ قول کے اور بہت سی حدیثوں میں اس کی حرمت موجود ہے۔ اس کا پورا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨٥﴾

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے تو ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان چیزوں میں نقصان مت کرو اور روئے زمین میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی' فسادات مت پھیلاؤ' یہ تمہارے لئے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو۔ ○

مدین ☆

مشہور مؤرخ حضرت امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ لوگ مدین بن ابراہیم کی نسل سے ہیں حضرت شعیب علیہ السلام میکیل بن یشجر کے لڑکے تھے۔ ان کا نام سریانی زبان میں یثرون تھا۔ یہ یاد رہے کہ قبیلے کا نام بھی مدین تھا اور اس بستی کا نام بھی یہی تھا۔ شہر معان سے ہوتے ہوئے حجاز جانے والے کے راستے میں آتا ہے۔ آیت قرآن: ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ﴾ (القصص: ۲۳) میں شہر مدین کے کنوئیں کا ذکر موجود ہے۔ اس سے مراد ایکہ والے ہیں۔ جیسا کہ ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ آپ نے بھی تمام رسولوں کی طرح انہیں توحید کی اور شرک سے بچنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ خدا کی طرف سے میری نبوت کی دلیلیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں۔ خالق کا حق بتا کر پھر مخلوق کے حق کی ادائیگی کی طرف رہبری کی اور فرمایا کہ ناپ تول کم دینے کی عادت چھوڑو۔ لوگوں کے حقوق نہ مارو۔ یہ خیانت ہے کہ لو کچھ اور دو کچھ۔ فرمان ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾ (المطففین: ۱) ان ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ویل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بدخصلت سے ہر ایک کو بچائے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کا اور وعظ بیان ہوتا ہے۔ آپ کو بسبب فصاحت عبارت اور عمدگی وعظ۔

[1] علمائے کرام اسکو لواطت کے لفظ سے یاد کرتے رہتے ہیں لیکن کاش کہ اسکی جگہ سدومیت کہا جاتا کہ پیغمبر کے نام کی طرف ایسا ملعون عمل کرنا چہ معنی دارد.....؟ (حافظ

خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو اور اس حالت کو یاد کرو جبکہ تم کم تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا اور اگر تم میں سے بعضے اس حکم پر جن کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا ہے ایمان لائے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے تو ذرا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ کئے دیتے ہیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں۔○

کچھ نصائح ☆

فرماتے ہیں کہ لوگوں کے راستے نہ روکو' کہ ڈاکہ زنی کے طور پر بیٹھ گئے' جو نکلا ڈرا دھمکا کر اس کا مال دھروالیا۔ چنگی وصولی کر لی۔ میرے پاس ہدایت حاصل کرنے کے لئے جس نے آنا چاہا' اسے خوفزدہ کر کے روک دیا۔ ایمانداروں کو خدا کی راہ پر چلنے میں روڑے اٹکائے۔ راہ خدا کو ٹیڑھا کر دینا چاہا۔ ان تمام برائیوں سے بچو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے بلکہ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ ہر رستے پر نہ بیٹھنے کی ہدایت سے تو قتل و غارت سے روک ہو' جو ان کی عادت تھی اور راہ حق سے مومنوں کو روکنے کی ہدایت پھر بھی کی ہو۔ تم اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ گنتی میں قوت میں تم کچھ نہ تھے۔ بہت ہی کم تھے۔ اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری تعداد بڑھا دی اور تمہیں زور آور کر دیا۔ رب کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرو۔ عبرت کی آنکھوں سے اس کا انجام دیکھ لو' جو تم سے پہلے ابھی ابھی گزرے ہیں۔ جن کے ظلم و جبر کی وجہ سے' جن کی بدامنی اور فساد کی وجہ سے رب کے عذاب ان پر ٹوٹ پڑے۔ وہ خدا کی نافرمانیوں میں رسولوں کے جھٹلانے میں مشغول رہے۔ دلیر بن گئے۔ جس کے بدلے خدا کی پکڑ ان پر نازل ہوئی۔ آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی باقی نہ رہی۔ کھوج' انکل گیا۔ ستیاناس ہو گیا۔ دیکھو میں تمہیں صاف بے لاگ ایک بات بتلا دوں۔ تم میں سے ایک گروہ مجھ پر ایمان لا چکا ہے اور ایک گروہ نے میرا انکار اور بری طرح مجھ سے کفر کیا ہے اب تم آپ دیکھ لو گے کہ مدد خدا کس کا ساتھ دیتی ہے اور خدا کی نظروں سے کون گر جاتا ہے۔ تم رب کے فیصلے کے منتظر رہو۔ وہ سب فیصلے کرنے والوں سے اچھا اور سچا فیصلہ کرنے والا ہے' آپ دیکھ لو کہ خدا والے با مراد ہوں گے اور دشمنان ناشاد ہوں گے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان لانے والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ۔ شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں گر ہم اس کو (بدلیل وبصیرت) مکروہ ہی سمجھتے ہوں۔ ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جاتے۔ اگر (خدا نہ کرے) ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں (خصوصاً) بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی ہو اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے (ہمارے) مقدر میں کیا ہو۔ ہمارے ربّ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری (اس) قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔○

سرکشی اور عناد کا عبرتناک انجام: ☆

کفار اپنے نبی شعیب علیہ السلام کے ساتھ اور اس زمانے کے مسلمانوں کے ساتھ جس بدسلوکی کے ساتھ پیش آئے اور جس طرح شعیب علیہ السلام کو اور مومنین کو ڈرایا دھمکایا کہ یا تو ہماری بستی چھوڑ دو۔ یا پھر یہ کہ ہمارا مذہب اختیار کرو اور ہمارے ساتھ وفا کا معاملہ کرو۔ انہیں سب باتوں کو اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں۔ یہ خطاب تو رسول سے ہے لیکن خطاب کا اصل رخ امت کی جانب ہے۔ قوم شعیب کے متکبرین نے کہا تھا کہ اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ پھر تمہیں ہماری ملت میں واپس آ پڑے گا[1]۔ تو شعیب علیہ السلام کہتے ہیں کہ کیا تم ایسا کرنا چاہتے ہو۔ اگر چہ ہمیں شرک اختیار کرنا ناپسند ہو۔ اگر ہم تمہاری ملت میں واپس آ جائیں اور تمہارے ہی نظریات کو اپنا لیں تو ہم خدا پر بڑا زبردست بہتان لگائیں کہ ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرائیں۔ اس طرح کفار کے اتباع سے نفرت ظاہر کی جا رہی ہے۔ ہم سے تو یہ نہ ہوگا کہ ہم پھر مشرک بن جائیں۔ ہاں خدا ہی بھٹکنے دے تو اور بات ہے۔ یہاں بھی بات کا دارومدار خدا تعالیٰ ہی کو قرار دیا جا رہا ہے کیونکہ اس کو آئندہ کی بات معلوم ہے۔ ہم جو اختیار کرتے ہیں اور جو اختیار نہیں کرتے سارے اُمور میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے خدا ہماری اس قوم کے اور ہمارے درمیان حق بات کو ظاہر فرما دے اور ہمیں ان پر عنایت فرما۔ تو خیر الفاتحین ہے خیر الحاکمین ہے۔ ایسا عادل و منصف ہے کہ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔

[1] معاذ اللہ شعیب علیہ السلام کسی بھی وقت ان کی ملت پر نہیں لیکن نبی کا زمانہ قبل نبوت کیونکہ خاموش دور ہوتا ہے نہ اس زمانے میں توحید کی دعوت ہوتی ہے نہ شرکت و بت پرستی پر تنقید۔ اس لئے مشرکین بزعم خود سمجھ لیتے ہیں کہ نبی بھی انہیں کی ملت پر ہے حالانکہ نبی بدو فطرت سے سلیم فطرت اور موحدانہ کیش لے کر آتا ہے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩١﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٢﴾

اوران کی قوم کے (ان ہی مذکور) کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب علیہ السلام کی راہ پر چلنے لگو گے تو بے شک بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ پس ان کو زلزلہ نے آ پکڑا سو اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہوگئی ہے جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی وہی خسارے میں پڑ گئے۔ ○

خسران بد بخت قوم ہی کا حصہ ہے ☆

ارشاد ہے کہ ان کا کفر، تمرد اور ضلالت کس شدت کی ہے اور مخالفت حق ان کے دلوں میں کس قدر جبلی اور فطری بن گئی ہے۔ اسی لئے انہوں نے آپس میں قسمیں کھالیں اور عہد کر لیا کہ دیکھو اگر تم نے شعیب کی بات مان لی تو بڑے خسارے میں رہو گے ان کے اس عزم راسخ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس عزم کے سبب ان پر ایک ایسا زلزلہ بھیجا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں دھرے کے دھرے رہ گئے اور یہ سزا بھی اس بات کی کہ شعیب علیہ السلام کو انہوں نے بلا وجہ ڈرایا۔ انہیں جلاوطنی کی دھمکی دی۔ جیسا کہ سورہ ہود میں ذکر ہے کہ ''جب ہمارا عذاب ان پر آ پہنچا تو ہم نے شعیب علیہ السلام کو اور ان کے اصحاب کو اپنی رحمت سے بچالیا اور ان ظالموں کو ایک ایسی کڑک نے آ پکڑا کہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور فنا ہو گئے۔'' ان دونوں آیتوں میں مناسبت یہ ہے کہ ان کافروں نے جب ﴿أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ......﴾ کہہ کر تذلیل کی تو ایک زبردست چیخ نے انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ سورۂ شعراء میں اللہ پاک یوں واقعہ بیان فرماتا ہے کہ جب انہوں نے نبی کو جھٹلایا تو ابر سے ان پر عذاب آ نازل ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ ایسا ہے تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرادو چنانچہ بتایا کہ انہیں آسمانی عذاب آ پہنچا اور ان پر تین عذاب جمع ہو گئے۔ ایک تو آسمانی عذاب کہ ابر سے آگ کی چنگاریاں اور شعلے گرنے لگے۔ پھر آسمان سے ایک رعد اور کڑک پیدا ہوئی اور ان کے قدموں تلے زمین سے ایک شدید زلزلہ پیدا ہوا کہ ان کی جانیں نکل گئیں اور جسد بے روح بن کر رہ گئے اور اپنے گھروں میں ڈھیر ہو گئے۔ گویا کبھی اس بستی میں بسے ہی نہیں تھے[1]۔ حالانکہ وہ رسول کو دیس نکالا دے رہے تھے۔ اب مقابلۃً انہیں کے لفظ کو اللہ پاک دہراتا ہے کہ جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ وہی خسارے میں رہے۔

فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٩٣﴾

اس وقت شعیب ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیے تھے اور میں

[1] یعنی بستیاں ایسی کھنڈر نظر آتی ہیں کہ گویا ان میں کبھی آبادی ہی نہیں ہوئی۔

نے تمہاری خیر خواہی کی پھر میں ان کافروں پر کیوں رنج کروں ۔O

بیزاری ☆

کافروں کے اس طرح کہنے سے شعیب علیہ السلام وہاں سے چلے گئے اور کہہ دیا کہ اے قوم! میں نے خدا کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے تھے۔ میں نے اپنا حق ادا کر دیا تھا۔ اس پر بھی میری خیر خواہی سے تم نے فائدہ نہ اٹھایا' تو تمہاری اس بدانجامی کو دیکھ کر میں کیوں افسوس کروں اور اپنے کو کیوں ہلاک کروں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہوتا کہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور (اس وقت براہ کج فہمی) کہنے لگے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھیں تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی ۔O

بدنصیب قومیں اللہ عز وجل کے عذاب کی مستحق ہیں ☆

اِس بات کی خبر دی جارہی ہے کہ سابقہ اُمتیں جن کی طرف انبیاء بھیجے گئے۔ انہیں تکلیف پہنچا کر اور مال دے کر ہر طرح ہم نے آزمایا۔ باساء یعنی بدنی تکلیف جسمانی امراض واسقام اور ضَرّآء وہ مصیبت جو فقر و حاجت کی ہوتی ہے۔ شاید کہ وہ ہماری طرف رجوع کریں اور ہم سے ڈریں اور اس مصیبت کے دور ہونے کی درخواست کریں۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سختیوں میں مبتلا کیا۔ تاکہ ہمارے سامنے عاجزی پیش کریں۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اس پر بھی ہم نے دنیاوی راحت اور خوب مال و منال عطا کیا۔ انہیں دولت مند و خوش حال بنا دیا تاکہ انہیں آزمائیں اسی لئے فرمایا کہ شدت اور سختی کے بجائے نرمی و راحت پیدا کر دی۔ مرض کی بجائے صحت و عافیت دے دی۔ فقر کی بجائے دولت مندی بخشی تاکہ وہ شکر ادا کریں اور کفرانِ نعمت چھوڑ دیں۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ ﴿حَتّٰى عَفَوْا﴾ (الاعراف: ۹۵) یعنی ان کی اولاد و اموال میں برکت دی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مسرت و مضرت دونوں چیزوں میں ہم نے انہیں آزمایا' تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکیں۔ لیکن نہ وہ ہمارے شکر گزار ہوئے۔ نہ صبر و عاجزی اختیار کی اور کہنے لگے ہم تو مصیبت و مضرت میں پھنس گئے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے انہیں راحت و خوشی دی تو کہنے لگے کہ یہ انقلاب راحت و مصیبت تو آباؤ اجداد کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ سے یہی دور رہتا ہے۔ زمانہ کبھی ایسا ہوتا ہے کبھی ویسا۔ اسی طرح ہم بھی کبھی راحت میں رہے۔ کبھی مصیبت میں رہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ چاہئے تھا کہ وہ اس اشارے سے خدا کے عذاب کو تاڑ جاتے اور خدا کی آزمائش کی طرف ان کا ذہن جاتا لیکن مؤمنین کا حال ان کے برخلاف تھا۔ وہ شادمانی و راحت کے زمانے میں خدا کا شکر ادا کرتے اور مضرت و مصیبت پر صبر اختیار کرتے۔ جیسا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مومن کے حال پر بڑا تعجب ہے کہ خدا کا جو حکم بھی اس سے متعلق ہوا اس میں اس کے لئے خیر کا ہی پہلو نکل

آتا ہے۔اگر مصیبت پہنچی اور صبر کیا تو بھی اس مضرت کے اندر نفع ہی میں رہا اور اگر شادمانی ملی اور شکر کیا تو بھی مزے میں رہا۔ مومن تو وہ ہے کہ مضرت ومسرت پہنچے تو ہر صورت میں اس نتیجہ میں پہنچے کہ میں خدا کی طرف سے مضرت ومسرت دے کر آزمایا جارہا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ مصیبتیں مومن کو گناہوں سے پاک کرتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال مثل گدھے کے ہے جو نہیں جانتا کہ اس پر کیا لدا ہے اور کس غرض سے اس سے کام لیا جارہا ہے اور کیوں باندھا گیا کیوں کھولا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انہیں یکا یک عذاب میں مبتلا کر دیا۔ کہ عذاب آنے کا انہیں گمان تک نہ تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ناگہاں موت مومن کے لئے تو رحمت ہو سکتی ہے اور کافر کے لئے حسرت وتاسف ہے[1]۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو (پیغمبروں کی) تکذیب کی تو ہم نے (بھی) ان کو ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے پکڑ لیا۔ کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بےفکر ہو گئے ہیں کہ ان پر (بھی) ہمارا عذاب شب کے وقت آ پڑے جس وقت وہ پڑے سوتے ہوں اور کیا ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بےفکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دوپہری آ پڑے جس وقت کہ وہ اپنے لایعنی قصوں میں مشغول ہوں۔ ہاں تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس (ناگہانی) پکڑ سے بےفکر ہو گئے ہو (سمجھ رکھو) خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو اور کوئی بےفکر نہیں ہوتا۔ ○

برکاتِ ایمان ☆

بستی والوں کے کفر کی خبر دی جارہی ہے۔ جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ فرمایا کہ بستی والے ایمان کیوں نہیں لاتے کہ ان کا ایمان ان کو نفع دیتا۔ قوم یونس جب ایمان لائی تھی تو ہم نے انہیں دنیا کے رسوا کن عذاب سے بچا اور ایک عرصہ تک وہ دنیوی راحتوں سے دوچار رہے۔ یعنی سب کے سب نے ایمان قبول نہیں کیا ہوا قوم یونس کے کہ جب انہوں نے عذاب دیکھ لیا تو مومن ہو گئے۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے اس کو ایک لاکھ سے زیادہ انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور

[1] مثلاً اچانک اوپر سے گر کر مر جانا' ڈوب جانا' قتل ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ مومن کے لئے مقام شہادت ہے اور کافر مرنے کے بعد دائمی حسرت میں مبتلا ہوگا اور سوچے گا کہ کاش دنیا وی زندگی ایمانی زندگی ہوتی۔

پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم آسمان وزمین کی برکتیں ان پر نازل کرتے یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات لیکن انہوں نے جھٹلایا۔ اس کی سزا میں ہم نے بھی انہیں عذاب کا مزہ چکھایا یعنی رسولوں کی تکذیب کی تو ان کے افعال بد کے سبب انہیں عذاب کے شکنجے میں کسا۔ پھر اللہ پاک اپنے اوامر کی مخالفت اور گناہوں پر جرأت کرنے سے انہیں ڈراتا ہے۔ کیا یہ بستی والے کافر ہمارے عذاب ونکال سے محفوظ ہو گئے۔ سوتے ہی رہیں گے اور رات ہی رات ہمارا عذاب انہیں[1] آ پہنچے گا۔ یا اس بات سے مامون ہو گئے ہیں کہ دن میں کسی وقت عذاب انہیں آ گھیرے اور اس وقت وہ اپنے کاروبار اور اپنی غفلت میں لگے ہوئے ہوں۔ کیا اس بات سے وہ امن میں ہو گئے کہ ہمارا انتقام کسی وقت بھی آ پکڑ لے گا اور وہ اس وقت اپنے سہو اور غفلت میں ہوں گے۔ سمجھ رکھو کہ کم بخت قوم کے سوا کوئی خدا کے عذاب سے بے فکر نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مومن طاعت کرتا ہے۔ نیک عمل کرتا ہے اور پھر بھی وہ خدا سے خوفزدہ رہتا ہے اور فاجر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر بھی وہ اپنے کو محفوظ و مامون سمجھتا ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور ان (گزشتہ) زمین پر رہنے والوں کے بعد جو لوگ (اب) زمین پر بجائے ان کے رہتے ہیں کیا ان واقعات مذکورہ نے ان کو یہ بات (ہنوز) نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو ان کے جرائم کے سبب ہلاک کر ڈالتے اور ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اس سے وہ سنتے نہیں۔ ○

دلوں پر قفل ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ جانتے ہو کہ پہلے کے لوگوں کو ہم نے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا تھا اور اب یہ وارث زمین بنے ہیں اور زمین پر انہیں بسایا گیا ہے لیکن کیا یہ بات اب بھی ان پر واضح نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں بھی عذاب میں مبتلا کر دیں۔ ان کافروں نے اپنی سے پہلے لوگوں کی سیرت اختیار کر رکھی ہے۔ انہیں کے سے اعمال کر رہے ہیں اور خدا سے سرکش بنے ہوئے ہیں۔ اس سرکشی کی سزا میں ہم ان کے دلوں میں مہریں لگا دیں گے کہ پھر وہ کسی اچھی بات کو نہ سن سکیں، نہ سمجھ سکیں۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا ہے کہ 'کیا انہیں اس بات سے عبرت نہیں ہوتی کہ اس سے پہلے کتنی ہی قومیں تباہ کر دی گئی ہیں کہ وہ اپنے گھروں میں کیسے رہتے بستے تھے؟ کیا یہ سمجھداروں کے لئے نشانیاں نہیں ہیں۔'' اور فرمایا'' کیا اس سے پہلے تم پختہ عزم کے ساتھ دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ تم کو زوال ہو گا ہی نہیں۔ حالانکہ انکو زوال ہو گیا اور آج انہیں ظالموں کی جگہ تم لیتے ہو اور فرمایا کہ ان سے کتنی قومیں تباہ ہو گئیں کہ آج انکا نام ونشان تک نہیں۔ نہ ان کی کوئی آواز تک سناتی ہے۔'' اور فرمایا'' کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے کتنی قومیں یہاں بادشاہت کر لی تھیں کہ وہ حکومت وسلطنت تمہیں بھی نصیب نہیں اور پھر آسمان سے بارش کا عذاب اور زمین تلے سے سیلاب ابل پڑا اور وہ سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے۔ اس کے بعد ہم نے دوسری قوم کو لا بسایا۔ عاد کی قوم کی تباہی کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ اب صرف ان کے کھنڈر دیکھے جا سکتے ہیں۔ مجرمین کا یہی حشر

[1] مطلب یہ ہے کہ اللہ عزیز و غالب' قادر و مقتدر ہے وہ کسی بھی وقت عذاب لا سکتا ہے۔ سو ایسے قادر و توانا کے مقابل میں جرأت اور عذاب سے اس درجہ بے پروائی حماقت و نادانی ہے۔

ہوتا ہے۔ جس میں آج ہم نے تمہیں بسایا ہے۔ کبھی ان کو بسایا تھا۔ ان کو سننے والے کان دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل دیئے تھے۔ لیکن ان کے کانوں ان کی آنکھوں ان کے دلوں نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا کیونکہ وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جو استہزاء کرتے تھے اس کی سزا پائی تمہاری سرزمین کے اطراف ہی کی کتنی بستیاں اجڑ گئیں اور کتنی ہی نشانیوں کا ہیر پھیر ہو گیا۔ سمجھو شاید کہ کچھ عبرت پکڑو اور فرمایا کہ ''ان سے پہلے کے لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو اس کا کیسا نتیجہ دیکھنا پڑا اور تم تو ان کے دسویں حصہ کے برابر بھی قوت نہیں رکھتے ہو۔'' اور فرمایا کتنی بستیاں اجڑ گئیں۔ ان کے گھروں کی چھتیں گر گئیں۔ چشمے بے کار ہو گئے۔ بڑے بڑے محل ویران پڑے ہیں۔ انہوں نے دنیا میں گھوم پھر کر کیوں نہیں دیکھا کہ انہیں سمجھنے والے دل اور سننے والے کان ملتے کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں'' اور فرمایا کہ ''رسولوں کے ساتھ مذاق کیا گیا۔ ان پر اسی مذاق کا عذاب نازل ہوا۔'' غرض اسی قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جو دشمنان خدا کے ساتھ انتقام پر روشنی ڈالتی ہیں اور اولیائے خدا کے ساتھ احسان وکرم پر چنانچہ اسی سلسلہ میں حسب ذیل ارشاد ہوتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ان (مذکورہ) بستیوں کے کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے لے کر آئے تھے۔ پھر جس چیز کو انہوں نے اوّل (وہلہ) میں (ایک بار) جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا۔ ○

بستیوں کے افسانے ☆

نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام کی قوموں کا ذکر کرنے کے بعد کہ وہ تو ہلاک کر دیئے گئے اور مومن بچا لئے گئے اور یہ کہ رسولوں کے ذریعے معجزات اور دلائل پیش کر کے ان کی تکمیل حجت کر دی گئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان بستیوں کے حالات ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ ان کے پاس رسولوں نے کھلی نشانیاں پیش کر دی تھیں اور ہم تو رسول بھیج کر تکمیل حجت کرنے کے بغیر کبھی عذاب نہیں کرتے۔ یہ ان بستیوں کے قصے ہیں کہ جن میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کھنڈر بنے ہوئے۔ یہ ظلم ہم نے نہیں کیا ان ہی نے اپنی جانوں پر کر لیا ہے[۲]۔ وہ آپ ذمہ دار ہیں اور وہ کیا ایمان لاتے، جب کہ اس سے پہلے انہوں نے جھٹلا دیا تھا۔ ﴿بِمَا كَذَّبُوْا﴾ کا (ب)

[۱] یعنی آنکھ کھلی رہتی ہے اور تمام ہی عبرت انگیز مناظر دیکھتی ہے لیکن دل عبرت حاصل نہیں کرتا تو آنکھ اندھی نہ ہوئی بلکہ دل اندھا ہوا چشم بینا اور قلب مومن کی ضرورت ہے ورنہ دل اور آنکھ کس کام کے۔

[۲] نہ کفر کرتے اور نہ خدا کا عذاب آتا گویا کہ کفران کا فعل اور اس کے نتیجہ میں عذاب خدا۔ اس طرح عذاب الٰہی وہ خود دینے والے بن ہے۔

سیہ ہے۔ یعنی وحی کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ایمان کے وہ حقدار ہی نہ رہے۔ جیسے کہ فرمایا تم کیا جانو یہ تو معجزے پیش کرنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے کیونکہ یہ پہلی بار بھی ایمان نہیں لائے تھے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ ''اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے''۔ ان کی اکثر گزشتہ قوموں کو اپنے عہد و میثاق کا پاس ہی نہیں۔ اس میں سے اکثر تو ہمیں فاسق ہی ملے' جو طاعت اور فرمانبرداری سے خارج ہیں۔ یہ عہد وہ ہے جو روز ازل سے ان سے لیا گیا تھا اور اسی پر وہ پیدا کئے گئے اور وہی بات ان کی فطرت و جبلت میں رکھی گئی۔ وعدہ یہ تھا کہ اللہ ہی ان کا رب ہے اور مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ اس کا انہوں نے اقرار کیا تھا' گواہی دی تھی۔ لیکن پھر اس کی مخالفت کر کے عہد کو انہوں نے پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرنے لگے۔ جس کی نہ کوئی دلیل ہے نہ حجت' نہ عقل کی بات ہے' نہ شرع کی۔ فطرت سلیمہ تو اس بت پرستی کے خلاف ہے۔ شروع سے آخر تک تمام انبیاء بت پرستی سے روکتے رہے ہیں جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو بت پرستی سے الگ پیدا کیا تھا۔ شیاطین آئے اور ان کے سچے دین سے انہیں بھٹکا دیا اور میں نے جو حلال کیا تھا' وہ انہوں نے حرام کر لیا۔ صحیحین میں ہے کہ ہر مولود اپنی فطرت اسلامیہ پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے یہودی یا نصرانی والدین اس کو یہودی یا نصرانی بنا ڈالتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے کہ ہم نے تم سے پہلے جتنے نبی بھیجے' سب لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرتے رہے۔ ارشاد ہے کہ تم سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے' ان سے ہم پوچھیں گے کہ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی پرستش کے قابل قرار دیا گیا تھا اور فرمایا ہر قوم میں ہم نے رسول بھیجے کہ پرستش صرف خدا کی کرو اور شیطان کی پرستش سے بچے رہو۔ اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں۔ آیت بالا کے بارے میں ابن کعب کہتے ہیں کہ یوم میثاق میں بندوں نے جو اقرار وحدانیت کیا تھا' وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس لئے بنا بر علم خداوندی وہ ایمان لانے والے نہیں اور یہی ہو کر رہا کہ دلائل سامنے آنے کے باوجود ایمان نہ لائے۔ اگرچہ بروز میثاق ایمان قبول کیا تھا لیکن خدا جانتا تھا کہ یہ ناخوشی کے ساتھ ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر یہ دوبارہ دنیا کی طرف بھیجے جائیں تو پھر بھی وہی بت پرستی اور شرک و معاصی کرنے لگیں۔ جن سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امرا کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا۔ سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔ ○

فرعونِ بے سامان ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ سابقہ پیغمبر نوح' ہود' صالح' لوط' شعیب علیہم السلام کے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات بینات دے کر فرعون کی طرف بھیجا۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا لیکن فرعون اور اس کی قوم نے انکار اور کفر کیا۔ جیسا کہ فرمایا' انہوں نے سرکشی کے سبب انکار کیا ہے۔ حالانکہ ان کے دل مانتے ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے اللہ کی راہ سے روک دیا ہے اور رسولوں کی تکذیب کی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم غور کرو کہ ہم نے انہیں کیسی سزا دی اور موسیٰ کے دیکھتے ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ دیکھو ان مفسدین کا کیسا نتیجہ رہا۔ فرعون اور اس کی قوم کے عذاب سے

متعلق بات کس بلیغ طریقہ سے بیان کی گئی ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کے لئے کیسی تسلی بخش ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ میرے لئے یہی شایان ہے کہ بجز سچ کے خدا کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں۔ میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں۔ سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے اگر آپ سچے ہیں۔ ○

تبلیغ اور رُشد و ہدایت ☆

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مناظرہ ہوتا ہے۔ فرعون کے دربار میں اور اس کی قوم قبطیوں کے سامنے آیات بینات کا اظہار ہوتا ہے اور دلائل و حجت پیش کئے جاتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں خدا کی طرف سے رسول ہوں' اس نے بھیجا ہے جو ہر شے کا خالق اور مالک ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ حق بات ہی پیش کروں۔ بعض نے حقیق علی اَنْ کے معنی حَقِيْقٌ بان مراد لئے ہیں اور کہا ہے کہ ب اور علیٰ ایک دوسرے کے عوض آ سکتے ہیں۔ جیسے رَمَيْتَ بِالْقَوْسِ اور علی القوس اور جاء علی جال حسنة اور بحال حسنة اور بعض مفسرین نے کہا ہے حَقِيْقٌ سے مراد حَرِيْصٌ یعنی میں سچی بات ہی کہنے پر حریص ہوں۔ بعض مدنی قاری کہتے ہیں کہ لفظ یہ علیٰ نہیں عَلَيَّ ہے جس کے معنی ہیں واجب یعنی مجھ پر واجب اور حق ہے کہ حق بات کے سوا دوسری بات نہ کہو۔ میں خدا کی طرف سے قطعی دلیل لے کر تمہاری طرف آیا ہوں۔ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو کر دو۔ انہیں اپنی قید سے آزاد کر دو کیونکہ وہ اسرائیل یعنی یعقوب بن اسحٰق علیہ السلام نبی کی نسل سے ہیں۔ ان کی اولاد ہیں۔ تو فرعون نے کہا' تمہارے دعویٰ رسالت کو ہم نہیں مانتے۔ اگر تم پیغمبر ہو اور کوئی معجزہ لے کر آئے ہو تو بتاؤ' تا کہ تمہاری بات کی تصدیق کی جا سکے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

پس آپ نے (فوراً) اپنا عصا ڈال دیا۔ سو دفعتہً وہ صاف اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ باہر نکال لیا۔ سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکا ہوا ہو گیا۔ ○

معجزاتِ موسیٰ علیہ السلام ☆

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا سامنے ڈال دیا تو خدا کی قدرت سے وہ ایک اژدہا بن گیا اور اپنا منہ پھاڑ کر فرعون کی طرف لپکا۔ فرعون تخت سے کود پڑا اور موسیٰ علیہ السلام سے چلا کر کہنے لگا کہ موسیٰ اسے روک لو۔ آپ نے روک لیا اور پھر وہ عصا بن گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب

اس نے منہ پھاڑا تو اس کا نیچے کا جبڑا زمین پر اور اوپر کا محل کی دیوار پر تھا۔ جب وہ فرعون کی طرف بڑھا' وہ کانپ اُٹھا۔ کود کر بھاگنے لگا اور چیخ اٹھا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اس کو پکڑ لو' میں تم پر ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا اور وہ عصا بن گیا موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے پاس آئے تھے۔ تو فرعون نے کہا' میں بتاؤں تم کون ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اچھا بتاؤ۔ اس نے کہا تم وہی تو ہو کہ ہمارے ہی پاس بڑھے اور پلے۔ ہم ہی تمہیں پالتے رہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دے دیا۔ تو فرعون نے حکم دیا کہ اسے پکڑ لو۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر فوراً عصا پھینک دیا۔ وہ ایک بڑا سا اژدھا بن کر لہرانے لگا اور لوگوں پر حملہ کرنے گا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس ہنگامے میں پچیس ہزار آدمی مر گئے۔ لوگ کچل کر مرنے لگے۔ فرعون اپنے محل میں بھاگ گیا۔ اس روایت میں بہت غرابت ہے[1]۔ واللہ اعلم۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ دوسرا معجزا موسیٰ علیہ السلام نے یہ بتایا کہ اپنی قمیص میں ہاتھ ڈال کر جب باہر نکالا تو وہ انتہائی روشن اور چمکدار ہو کر نکلا اس پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اس کی روشنی میں کوئی کوتاہی نہیں تھی اور جب اپنی آستین میں واپس لے جاتے تو وہ پھر پہلا جیسا ہو جاتا تھا۔

---

[1] جیسا کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت بہت ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ (ضرور) یہ (ہی) چاہتا کہ تم کو تمہاری (اس) سر زمین سے باہر کردے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہیں۔ ○

تہمت تراشی اور ساحری کے الزامات ☆

جب اِن لوگوں کا خوف ختم ہوا اور اصلی حالت پر آئے تو فرعون نے اپنے ارکانِ سلطنت سے کہا کہ یہ تو بڑا ہی ماہر ساحر معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور مشورے کے لئے بیٹھے کہ اب اس بارے میں کیا کیا جائے۔ اس کے نور کو بجھانے اس کی بات کو دبانے اور موسیٰ کے کذب و افترا کو ثابت کرنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے۔ انہیں اس بات کا اندیشہ ہو گیا کہ لوگ اس کے معتقد ہو کر اس کے سحر کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ جس سے موسیٰ علیہ السلام کا غلبہ ہو جائے گا اور وہ لوگوں کو ان کی سرزمین سے نکال باہر کرے گا۔ لیکن جس بات کا خدشہ انہیں تھا اسی میں مبتلا ہونا پڑا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ فرعون و ہامان کو وہی خوف سامنے آیا جو انہیں تھا اور جب یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشورہ کر چکے تو ایک رائے پر اتفاق کر لیا۔ جس کی حکایت اللہ پاک نے فرمائی۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی ہارون کے کو چند سے مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا)۔ ○

باطل پرستوں کی یلغار ☆

سرداروں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کو روک لیا جائے اور ملک بھر کے تمام شہروں میں آدمی بھیج دیئے جائیں اور مشہور آدمی جادوگر جمع کئے جائیں۔ اس زمانہ میں سحر کا بہت زور تھا۔ سب کا یہی وہم اور گمان ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ سحر اور شعبدہ کاری تھا۔ چنانچہ انہوں نے تمام جادوگروں کو جمع کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی اس فنکاری کا معارضہ اور مقابلہ ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرعون کی بات نقل فرمائی ہے کہ اے موسیٰ تم اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کرنا چاہتے ہو۔ ہم بھی تمہاری طرح کے سحر سے تمہارا مقابلہ کریں گے۔ اب امتحان مقابلہ کی کوئی تاریخ قرار دو۔ اس کے خلاف نہ تم کرو نہ ہم۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا عید کے روز صبح کے وقت[1] سب لوگ جمع کئے جائیں۔ اب فرعون نے جا کر اپنی فریب کارانہ تدبیریں اختیار کیں اور آخر کار وقت مقررہ آ گیا۔ چنانچہ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ

[1] مفسرین نے لکھا ہے کہ خاص اس دن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لئے منتخب فرمایا تھا تاکہ عام اجتماع ہو تو حق و باطل کا امتیاز ہر شخص کر سکے۔ ظاہر ہے کہ عید کا دن عوام کے اجتماع کا دن ہے لیکن یہ اسلامی عید نہیں تھی بلکہ فرعونیوں کے میلہ کا روز تھا۔

وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ ہاں (بڑا انعام ملے گا) اور مزید (براں) تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ ○

باطل پرستی کی ایک اور مثال ☆

یہاں اس قرارداد کو بیان کیا جا رہا ہے جو فرعون اور جادوگروں کے درمیان ہوئی تھی۔ جو معارضہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے بلائے گئے تھے کہ اگر وہ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ جائیں گے تو انہیں بڑا انعام دیا جائے گا اور ان کو منہ مانگی مراد دی جائے گی اور انہیں ہم نشینوں اور مقربوں میں سے بنالیا جائے گا جب فرعون سے وعدہ لے لیا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ خواہ آپ ڈالئے اور یا ہم ہی ڈالیں موسیٰ نے فرمایا کہ (پہلے) تم ہی ڈالو۔ پس جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور اس طرح کا بڑا جادو دکھایا۔ ○

سحر یہ تھا ☆

یہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کی مبارزت اور جنگ ہے۔ جادوگر کہہ رہے کہ موسیٰ! یا تم پہلے اپنا ہنر بتاؤ یا ہم پہلے بتائیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' تم ہی پہلے اپنا شگوفہ چھوڑو۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس میں مصلحت یہ تھی تاکہ لوگ پہلے ان جادوگروں کا تماشا دیکھ لیں اور سوچ لیں اور جادوگر اپنی شعبدہ کاری سے فارغ ہو لیں تو حق بات اور انتظار کے بعد واضح اور جلی ہو کر ان کے سامنے آئے۔ کیونکہ کوئی بات طلب کے بعد ہی دل پر زیادہ کارگر ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب اللہ پاک فرماتا ہے کہ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور یوں دکھائی دینے لگا کہ جو کچھ یہ دکھا رہے ہیں' حقیقت میں ایسا ہی وجود پذیر ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں درحقیقت لاٹھیاں ہی تھیں۔ دیکھنے والوں کا فقط وہم و خیال تھا کہ یہ سانپ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے جادو سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ چلتے اور رینگتے ہیں۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام پر دہشت طاری ہو گئی[1]۔ ہم نے کہا ڈرو نہیں غالب تم ہی رہو گے اپنے ہاتھ کا عصا تم بھی پھینک دو۔ یہ اژدہا بن کر ان سب سانپوں کو نگل جائے گا۔ یہ جادو تو ان کا فریب ہے۔ جادوگر اپنے تماشے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ پندرہ ہزار جادوگروں کی صف بندی تھی[2]۔ ہر ساحر کے ساتھ اس کی رسیاں اور لاٹھیاں تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کو لے کر عصا ٹیکتے ہوئے نکلے۔ میدان میں آئے۔ فرعون اپنے تخت پر ارکان سلطنت سمیت بیٹھا ہوا تھا۔ جادوگروں نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں پر اپنے جادو سے بندش کر دی[3]۔ پھر فرعون اور لوگوں کی آنکھوں پر۔ اب ہر جادوگر

[1] یہ بشریت کا نتیجہ تھا اور عوام پر ظاہر کرنا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہیں بلکہ انسان ہیں۔ ہاں نبی ضرور ہیں۔

[2] اس تعداد کی کوئی سند نہیں

(حاشیہ ۳ اگلے صفحہ ......)

نے اپنی رسّی اور لاٹھی ڈالی۔ وہ سب سانپ بن گئے۔ سارا میدان سانپوں سے بھر گیا۔ ایک پر ایک رینگ رہے تھے۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ تیس ہزار سے زیادہ جادوگر تھے۔ سب کے ساتھ لاٹھی اور عصا تھا۔ عوام کی بھی نظر بندی ہوگئی تو یہ منظر دیکھ کر سب ڈر گئے۔ ابن ابی برہ کہتے ہیں کہ فرعون نے ستر ہزار جادوگر بلائے تھے۔ ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار لاٹھیاں سانپ بنے ہوئے رینگ رہے تھے۔ اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ: ﴿وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ یعنی انہوں نے بہت بڑا جادو بنایا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ اُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے (اژدہا بن کر) ان کے سارے بنے کھیل کو نگلنا شروع کیا۔ پس اس وقت حق (کا حق ہونا) ظاہر ہوگیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا ونایا تھا سب آتا جاتا رہا۔ پس وہ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے (اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ و ہارون کا بھی رب ہے۔ ○

حق کی فتح باطل کی شکست ☆

اللہ تعالیٰ نے اس زبردست آزمائش گاہ میں موسیٰ علیہ السلام کو اپنی وحی بھیجی۔ جس نے حق و باطل میں امتیاز کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا عصا ڈال دیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ان تمام سانپوں کو نگلا جا رہا ہے اور ایک بھی ان کا چھوٹا سانپ تک نہ بچا۔ یہ دیکھ کر ان جادوگروں نے جان لیا کہ یہ جادو نہیں کوئی آسمانی مدد ہے۔ خدا کے کام ہیں۔ چنانچہ سب کے سب خدا کے آگے سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب کامیابی حاصل کر لی تو اپنے عصا پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر عصا بن گیا۔ جادوگر سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ نبی نہ ہوتا اور جادوگر ہوتا تو کبھی ہم پر غالب آ ہی نہ سکتا۔ قاسم بن ابی برہ کہتے ہیں کہ جادوگروں نے اپنا سر سجدے سے اُٹھانے سے پہلے ہی جنت و دوزخ کو دیکھ لیا تھا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

= حاشیہ بر صفحہ گزشتہ

؎ نبی پر جادو اثر کرتا ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر رہا۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام پر نظر بندی کارگر ہوگئی ہو تو اس میں کوئی تعجب نہیں۔

خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بدوں اس کے کہ میں اجازت دوں۔ بے شک یہ ایک کارروائی تھی جس پر تمہارا عملدرآمد ہوا ہے اس شہر میں۔ تاکہ تم اس شہر سے وہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو (بہتر ہے) اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ (کچھ پروا نہیں) ہم مر کر اپنے مالک کے پاس ہی جائیں گے اور تو نے ہم میں کون سا شخص دیکھا بجز اس کے کہ ہم اپنے ربّ کے احکام پر ایمان لے آئے جب وہ احکام ہمارے پاس آئے اے ہمارے ربّ ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکالئے۔ ○

ایمان کے بعد صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ڈر ☆

جادوگر جب ایمان لا چکے اور فرعون کو اپنے مقصد میں شکست ہوگئی۔ تو جادوگروں کو دھمکی دے رہا ہے کہ آج موسیٰ علیہ السلام کو جو تم پر غلبہ ملا ہے۔ دراصل یہ تم لوگوں کا باہمی سمجھوتہ اور سازش تھی کہ اس طرح حکومت پر غالب آ کر حقیقی اہل وطن کو ملک سے نکال باہر کر چاہتے ہو یقیناً یہ تم سب کا استاد تھا۔ جس نے تمہیں جادو سکھایا ہر شخص جس کو ذرا بھی عقل سلیم ہے، سمجھ جائے گا کہ فرعون کا یہ الزام اس بنا تھا کہ باطل کے باطل ثابت ہو جانے کے بعد وہ جزبز ہو گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو مدین سے آتے ہی فرعون کے پاس پہنچ کر اس کو اسلام کی دعوت دی تھی اور اپنے معجزات باہرہ ظاہر کر کے رسول ہونے کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد فرعون نے اپنے ملک کے تمام شہروں اور ہمہ گیر علاقوں میں لوگوں کو بھیج بھیج کر بلاد مصر کے الگ الگ ساحروں کو جمع کیا تھا۔ جن کو اس نے اور اس کی قوم نے منتخب کیا تھا اور ان سے بہترین انعام و اکرام کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس لئے انہیں اس بات کی بڑی کوشش تھی کہ کسی طرح موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ جائیں اور فرعون کے پاس تقرب حاصل کریں۔ موسیٰ علیہ السلام تو کسی بھی جادوگر سے واقف نہیں تھے۔ نہ انہیں کبھی دیکھا تھا نہ ان سے ملے تھے اور فرعون اس بات کو بھی جانتا تھا۔ مگر جاہل عوام کی ذہنیت کو متاثر ہونے سے بچانا چاہتا تھا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرعون کی قوم اس کی مطیع تھی اور اس کے ہم خیال بنی ہوئی تھی اور وہ لوگ بڑی زبردست گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ جو فرعون کے ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ والے دعوے کی تصدیق کرتے تھے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات جادوگروں کے سردار سے ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا تھا کہ اگر میں غالب آ جاؤں اور تم ہار جاؤ تو کیا مجھ پر ایمان لاؤ گے اور کیا یہ تسلیم کر لو گے کہ میری پیش کردہ چیز خدا کا معجزہ ہوگی؟ تو ساحر نے کہا تھا کہ کل میں ایسا جادو پیش کروں گا کہ کوئی جادوگر اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ اگر تم غالب آ گئے تو میں مان لوں گا کہ تم منجانب اللہ پیغمبر ہو۔ فرعون نے ان کی یہ گفتگو سن لی۔ اسی لئے سازش کا الزام لگایا تھا کہ تم اس لئے جمع ہوئے کہ حکومت پر تمہیں غلبہ و سطوت حاصل ہو جائے۔ تم ملک سے اکابر و رؤسا کو نکال دینا چاہتے ہو اور تخت پر خود قابض ہونے کے درپے ہو۔ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ میں تمہیں کیا سزا دینے والا ہوں۔ سمجھے رہو کہ میں تمہارا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دوں گا یا اس کے برعکس۔ پھر تم سب کو پھانسی پر لٹکا

وں گا تمہاری لاشیں درختوں کی ٹہنیوں سے بندھی اور لٹکی ہوں گی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ پھانسی اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کی تعزیر سب سے پہلے فرعون ہی کی ایجاد تھی۔ جادوگر کہتے ہیں کہ ہم تو اب خدا کے ہو چکے اس کی طرف رجوع کر چکے۔ آج تم ہمیں جس عذاب کی دھمکی دے رہی ہو اس سے شدید تر خدا کا عذاب ہے۔ ہم تمہارے عذاب پر آج صبر کر لیتے ہیں تا کہ خدا کے عذاب سے ہمیں چھٹی مل سکے۔ اسی لئے وہ بول اٹھے کہ "اے خدا! اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کے لئے اور فرعون کے عذاب سے نہ ڈرنے کے لئے ہمیں صبر عنایت فرما اور اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں ہمیں دنیا سے مسلمان اُٹھا" چنانچہ فرعون سے صاف صاف کہہ دیا کہ تو ہمارا جو بگاڑنا چاہتا ہے بگاڑ لے۔ تو صرف یہی کر سکتا ہے کہ ہماری اس دنیوی زندگی کو ختم کر دے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جو ہمارا سچا ربّ ہے۔ تا کہ وہ ہماری گزشتہ خطاؤں کو معاف کر دے اور جادو پیش کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ اس سے درگزر فرمائے کیونکہ جو شخص خدا کے پاس کافر بن کر حاضر ہوگا اس کی قسمت میں جہنم ہوگی کہ نہ زندوں میں شمار نہ مردوں میں اور جو مومن اور پھر نیکوکار بن کر حاضر ہوگا۔ اس کو آخرت میں بڑے بڑے درجے ملیں گے۔ چنانچہ یہ سب جادوگر صبح کے وقت تو کافر جادوگر تھے اور شام کے وقت نیکوکار اور شہدا تھے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۵

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ کو اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور آپ کے معبودوں کو ترک کئے رہیں۔ فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دوں گے اور ہم کو ہر طرح کا ان پر زور ہے۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو (گھبراؤ مت) یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جس کو چاہیں مالک (وحاکم) بنا دیں اپنے بندوں میں سے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت میں ہی رہے آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ موسیٰ نے فرمایا بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیں گے پھر تمہارا طرزِ عمل دیکھیں گے۔ ○

فراعنہ کی حرکت مذبوحی ☆

فرعون اور اس کی جماعت کے باہمی مشوروں کی خبر دی جا رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ان لوگوں کے دِلوں میں کیسا کینہ تھا۔

فرعون سے اس کے مقربین کہہ رہے ہیں کہ کیا آپ موسیٰ کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ دنیا میں فساد مچاتا پھرے اور اہل ملک کو فتنے میں ڈالے اور ان میں اپنے خدا کی تبلیغ کرے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے یہ لوگ تو دوسروں کو موسیٰ اور مومنین کی فساد انگیزی سے ڈرا رہے ہیں حالانکہ یہی مفسد ہیں۔ انہیں اپنی خبر نہیں بعض کہتے ہیں کہ وَيَذَرَكَ کا واؤ ''اور'' کے معنی میں نہیں بلکہ حال کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہو کہ کیا آپ موسیٰ علیہ السلام کو اجازت دے دیں گے کہ فساد مچاتا پھرے۔ درآنحالیکہ اس نے آپ کی اطاعت اور آپ کے خداؤں کی عبادت چھوڑ دی ہے۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس کو اس طرح پڑھا ہے: وَقَدْتَرَكُوكَ اَنْ يَّعْبُدُوْآ اٰلِهَتَكَ یہ ابن جریر کا بیان ہے۔ بعض نے اس واؤ کو عاطفہ کہا ہے یعنی کیا آپ اسے چھوڑ دیں گے کہ فساد مچائے اور آپ کو اور آپ کے خداؤں کو چھوڑ دے اور بعض نے اس کو اِلَاهَتَكَ پڑھا ہے۔ بمعنائے عِبَادَتَكَ بنا بر قراءت اُولیٰ بعض اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فرعون بھی پوشیدہ طور پر ایک بت کی پرستش کرتا تھا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے گلے میں ایک مورتی لٹکی ہوئی تھی کہ اس کو سجدہ کرتا تھا۔ اسی بنا پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب کسی خوبصورت گائے کو پاتے تھے تو فرعون انہیں حکم دیتا تھا کہ اس کی پرستش کریں۔ اسی لئے سامری نے ایک گوسالہ بنایا تھا۔ جس کے اندر سے آواز نکلتی تھی۔ غرض یہ کہ فرعون نے اپنے اہل دربار کی درخواست منظور کر لی اور کہا کہ ان کی نسل کو قطع کرنے کے لئے ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا کریں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے گا۔ اس قسم کا یہ دوسرا ظلم تھا اور اس سے پہلے بھی پیدائش موسیٰ علیہ السلام سے قبل اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ تاکہ موسیٰ علیہ السلام کا وجود ہی دنیا میں نہ آنے پائے اور واقع ہوا اس کے برخلاف جو فرعون چاہتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام آخر کار زندہ بچ رہے۔ دوبارہ اس نے ایسا ہی قصد کیا۔ جب کہ بنی اسرائیل کو ذلیل کرنا اور ان پر غالب آنا چاہتا تھا۔ یہاں بھی اس کی خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عزت دی اور فرعون کو ذلیل کیا اور اس کو اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا۔ جب فرعون بنی اسرائیل کے ساتھ برائی کرنے کا عزم مصمم کر چکا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ صبر کرو اور اللہ ہی سے مدد مانگو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے حسن عاقبت کا وعدہ کیا اور یہ کہ ملک تمہارا ہو جائے گا۔ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جس کو چاہے ملک کی بادشاہت سونپے اور حسن عاقبت متقین کے لئے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام انہیں حالت موجودہ پر اور پیش آنے والے حالات پر متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بہت قریب میں اللہ پاک تمہارے دشمن کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اس آیت کے ذریعے انہیں نعمتوں پر شکر گزاری کے لئے اُبھارا جا رہا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری میں تاکہ وہ (حق بات کو) سمجھ جائیں۔ سو جب ان پر خوشحالی آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی ہے تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے ہیں۔ یاد رکھو ان کی نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے لیکن ان اکثر لوگ نہیں جانتے تھے۔ ○

کفر کی نحوست ☆

ہم نے آلِ فرعون کو قحط میں مبتلا کر کے آزمانا چاہا۔ ان کی کھیتیوں میں غلہ نہیں ہوا۔ درختوں میں پھل نہیں آئے۔ درخت خرما میں ایک ہی کھجور لگتی تھی۔ تاکہ وہ کچھ عبرت حاصل کریں۔ جب یہ خوب سرسبز رہتے تھے' غلہ خوب ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو اس کے مستحق تھے۔ یہ ہمارا اپنا حق ہے' کیسے نہ شادکام ہوتے اور اگر قحط ہو جاتا' بھوکوں مرنے لگتے تو کہتے کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ حالانکہ یہ نحوست تو خود ان کی اپنی قسمت کی بات ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما لفظ طائر سے مصائب مراد لیتے ہیں۔ نحوست کے اس اصلی سبب کو لوگ سمجھتے نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما عِنْدَ اللّٰہِ سے مِنْ قبل اللّٰہِ مراد لیتے ہیں۔ یعنی منجانب اللہ۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور یوں کہتے (خواہ) کیسی ہی عجیب بات میرے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو چلاؤ' جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔ سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے اپنے ربّ سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر آپ اس عذاب کو ہم سے اُٹھا دیں تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک وقت خاص تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا۔ ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ ○

عذابِ الٰہی کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ☆

قوم فرعون کے تمرد اور سرکشی کی خبر دی جا رہی ہے کہ انہیں کیسا حق سے عناد اور باطل پر اصرار تھا کہ وہ یہ بھی کہنے لگے کہ اگر موسیٰ کوئی نشانی بتائے کہ جس کے ذریعے ہم پر سحر کر دے تو بھی ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں۔ ہم نہ اس کی دلیل قبول کریں گے نہ اس پر' نہ اس کے معجزے پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ ''ہم نے ان پر طوفان بھیجا'' طوفان کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ''کثرت بارش جو غرق کر دے یا کھیتوں اور باغات کو نقصان پہنچائے یا کہ وبائے عام۔'' مجاہد کہتے ہیں' سیلاب اور

طاعون۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طوفان یعنی موت۔ ایک دوسری روایت میں ہے ''خدا کا ناگہانی اور آسمانی عذاب۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ یعنی خدا کا ناگہانی عذاب ان کے سوتے ہوئے انہیں آ پہنچا۔ جَرَادَ یعنی ٹڈی جو ایک مشہور پرندہ ہے' جس کا کھانا حلال ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہے ہیں اور ہر وقت جراد کھانے کا موقع ملا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دو میت اور دو دم ہمارے لئے حلال ہیں۔ ایک مچھلی اور دوسری جراد کہ یہ مری ہوئی ہوں' جائز ہیں اور خون میں وہ منجمد خون' یعنی تلی اور کلیجی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اکثر جاندار جو درحقیقت خدا کا لشکر ہیں۔ جن کو میں نہ کھاتا ہوں' نہ دوسروں کے لئے حرام کہتا ہوں بلکہ وہ حلال ہیں اگرچہ میں نہ کھاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کھانے کا سبب یہ ہے کہ آپ کو پسند نہیں تھا۔ لیکن دوسروں کو اجازت دے رکھی تھی[1]۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹڈی اور گوہ اور گردے نہیں کھاتے تھے۔ مگر یہ کہ اس کو حرام نہیں کہا۔ ٹڈی سے اس لئے اجتناب تھا کہ وہ خدا کا ایک عذاب ہے۔ جس طرف ٹڈی دل گزر جاتا ہے۔ کھیت کے کھیت برباد ہو جاتے ہیں۔ گردے اور مثانوں سے اس لئے اجتناب تھا کہ پیشاب کے قریب کے اجزا ہیں اور گوہ اس لئے کہ غالباً یہ کوئی مسخ شدہ امت ہے۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ روایت بھی غریب ہے۔ میں نے اس لئے اس کو نقل کیا ہے کہ اس سے اس کے اجتناب کے وجوہ پر روشنی پڑے۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جراد کو بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جراد کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ حلال ہے؟ تو فرمایا کاش دو ایک لپیں دو ایک ٹڈیاں مل جاتیں تو ہم بڑے مزے سے کھاتے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ازواج النبی رضی اللہ عنہن طباق بھر بھر کر جراد تحفہ کے طور پر بھیجا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مریم بنت عمران علیہا السلام نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھے ایسا گوشت کھلا جس میں خون نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جراد کھلائی۔ تو مریم نے کہا اے خدا! پرورش کے بغیر بھی اس کو زندگی اور بغیر آواز اور شور کے اس کو ایک دوسرے کے پیچھے رکھ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جراد کو نہ مارو کہ یہ خدا کا ایک زبردست لشکر ہے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ فَاَرْسَلْنَا والی آیت کے بارے میں مجاہد کہتے ہیں کہ یہ عذاب اس لئے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں یہ دروازوں کی کیلیں کھا جاتے تھے اور لکڑی چھوڑ دیتے تھے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ میں جنگل کی طرف نکلا تھا کہ ناگہاں ایک ٹڈی دل دیکھا کہ زمین و آسمان پر چھایا ہوا ہے اور ایک آدمی اس ٹڈی دل کے اندر ہے اور وہ مسلح ہے اور جس طرف اپنے ہاتھ کا اشارہ کرتا ہے اور دھکیلتا ہے تو ٹڈیاں ہٹ جاتی ہیں اور وہ بار بار کہتا ہے کہ دنیا اور مافیہا سب باطل ہیں باطل ہیں[2]۔ قاضی شریح سے جراد کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا' خدا اسے برباد کرے۔ اس میں سات طاقتوروں کی شان ہے۔ اس کا سر تو سر ہے گھوڑے کا۔ گردن ہے بیل کی سینہ ہے شیر کا۔ بازو ہیں گدھ کے۔ پاؤں ہیں اونٹ کے۔ دم ہے سانپ کی اور پیٹ کژدم کا پیٹ ہے۔

قولہ تعالیٰ: ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ مَتَاعًا لَّكُمْ﴾ (المائدہ:۹۶) کے ذکر کے وقت یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج یا عمرے کو جا رہے تھے کہ ہمیں ایک ٹڈی دل سے سامنا ہوا ہم اسے لکڑیوں سے دھکیلتے اور مار رہے تھے۔ حالانکہ ہم حالت احرام میں تھے۔ ہم نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بحالت احرام صید بحر کی ممانعت نہیں۔ جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جراد کے لئے یوں بددعا کی تھی کہ الٰہی! چھوٹے بڑے سب جراد کو ہلاک کر دے۔ ان کے انڈوں کو تباہ کر۔ ان کی

---

[1] گوہ کا کھانا مکروہ ہے۔

[2] بے حد ضعیف اور کمزور روایت ہے۔

نسل کو قطع کر دے اور ہمارا چھینا ہوا رزق ان کے منہ سے لے لے۔'' تو جابر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو خدا کا ایک لشکر ہے آپ اس کو قطع نسل کی بددعا دے رہے ہیں' تو فرمایا کہ یہ سمندر کی مچھلیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ زیاد نے خبر دی ہے کہ جس شخص نے مچھلیوں سے پیدا ہوتے ہوئے انہیں دیکھا ہے' اس کا بیان ہے کہ مچھلی جب ساحل بحر کے قریب انڈے دیتی ہے اور ساحلی پانی سوکھ جاتا ہے۔ دھوپ چمکتی ہے تو انڈوں میں سے یہ جراد نکل کر اڑنے لگتے ہیں۔ قولہٗ: ﴿اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ (الانعام: ۳۸) کے تحت ہم نے یہ حدیث بیان کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار قسم کی مخلوق پیدا کی ہے۔ چھ سو سمندری ہے اور چار سو خشکی کی اور جلدی ہلاک ہونے والی مخلوق جراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنگ میں ہلاک شدہ لوگوں کے سامنے وبا بھی کوئی چیز نہیں اور جراد کے مقابلے میں لکڑی کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔

قُمَّلُ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ گیہوں کے اندر کے کیڑے ہیں۔ یا مچھروں کو کہتے ہیں یا وہ ایسا کیڑا ہے جو اونٹوں کو چمٹی رہنے والی چیچڑیوں کے مشابہ ہے۔ روایت ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دو۔ تو اس وقت خدا کی طرف سے طوفان آیا ہوا تھا۔ وہ بارش تھی کہ موسلا دھار برس رہی تھی۔ فرعونی سمجھ گئے تھے کہ خدا کا عذاب ہے۔ کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام خدا سے دعا کر کے اس بارش کو بند کرا دیجئے۔ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ کر دیں گے۔ موسیٰ نے دعا کی لیکن نہ وہ ایمان لائے نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔ اس بارش کی وجہ سے خوب کھیتی ہوئی۔ غلہ اور پھل خوب پیدا ہوئے۔ سبزیاں اُگیں' لوگوں نے کہا پس ہماری یہی آرزو تھی لیکن ایمان نہ لانے کے سبب جراد ان پر مسلط کر دیئے گئے۔ وہ سب کھیت کھا گئے۔ سبزیاں تباہ کر دیں۔ سمجھ گئے کہ اب کوئی فصل باقی نہیں رہے گی۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس عذاب کو ہٹا دیجئے' ہم ایمان لائیں گے۔ موسیٰ کی دعا سے جراد ختم ہو گئے لیکن پھر بھی ایمان نہ لائے اور غلہ گھروں میں خوب جمع کر کے رکھ لیا اور کہنے لگے کہ اب کیا ڈر ہے۔ غلہ ڈھیروں جمع کیا ہوا موجود ہے کہ یکایک کرم ہائے گندم کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ اگر کوئی پسوانے کے لئے دس جریب پیمانے غلہ لے کر نکلتا تو پسنے تک تین جریب غلہ بھی نہ رہتا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ یہ ''قمل'' کا عذاب دور کر دو۔ ہم آپ کی بات سنیں گے لیکن عذاب دور ہونے کے بعد پھر بھی سرکشی کی۔ ایک وقت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے مل رہے تھے کہ مینڈک کی ٹرٹر سنی گئی۔ آپ نے فرعون سے کہا کہ تم پر اور تمہاری قوم پر یہ کیا عذاب ہے؟ اس نے کہا' اس سے تو کوئی اندیشہ کی بات نہیں لیکن شام بھی نہ ہو پائی تھی کہ لوگوں کے سارے جسم پر مینڈک کودنے لگے۔ کوئی بات کرنے کے لئے منہ کھولتا اور مینڈک کود کر منہ میں ہو جاتا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی اور عذاب دور ہونے پر ایمان نہ لائے۔ اب کے خون کا عذاب نازل ہوا۔ نہروں اور باؤلیوں سے پانی لاتے ہیں تو خون بن جاتا ہے۔ برتنوں میں پانی رکھتے ہیں تو خون ہو جاتا ہے۔ فرعون سے لوگوں نے شکایت کی کہ خون کے عذاب میں ہم مبتلا ہیں۔ پینے کو پانی نہیں ملتا۔ فرعون نے کہا' تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ کس نے جادو کیا ہوگا؟ ہمارے برتنوں میں خون ہی خون بھرا ہوا ہے۔ پھر موسیٰ کے پاس آ کر درخواست کی اور وعدے کئے لیکن اب ایمان نہ لائے نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب جادوگر ایمان لائے اور فرعون مغلوب اور ناکام واپس ہوا تو پھر بھی سرکشی اور کفر سے باز نہ آیا تو پے در پے اس پر پریشانیوں کا ظہور ہوا۔ قحط سے سابقہ پڑا' بارش کا طوفان آیا' پھر جراد کا عذاب' پھر جوں اور کیڑوں کا عذاب۔ پھر مینڈک اور خون۔ یہ مسلسل نشانیاں ظاہر ہوئیں طوفان آیا ساری زمین دل دل ہو گئی۔ نہ ہل چلا سکتے تھے۔ نہ کچھ بو سکتے تھے۔ بھوک سے تڑپنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ عذاب کھل جائے لیکن ایمان لانے کا وعدہ پورا نہ کیا۔ پھر جراد کا عذاب آیا جو ساری کھیتی کھا گئے دروازوں' کیلیں چاٹ گئے۔ جس کی وجہ

سے اُن کے گھر گر پڑے۔ پھر جوں کا عذاب آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس ٹیلے کی طرف آؤ۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خدا ایک پتھر پر لکڑی ماری۔ جس سے بے شمار چیچڑیاں نکل پڑیں۔ گھروں میں ہر جگہ پھیل گئیں۔ غذا کو چمٹنے لگیں۔ نہ سو سکتے تھے نہ قرار لے سکتے تھے۔ پھر مینڈک کا عذاب آیا۔ کھانوں میں مینڈک' برتنوں میں مینڈک' کپڑوں میں مینڈک۔ پھر خون کا عذاب آیا۔ پانی کے ہر برتن میں پانی کے بجائے خون ہی خون۔ غرض مختلف عذابوں سے دو چار ہونا پڑا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینڈک کو نہ مارو کیونکہ مینڈک کا عذاب جب قوم فرعون پر بھیجا گیا تھا تو ایک مینڈک آگ کے ایک تنور میں خدا کی خوشنودی کی خاطر گر پڑا تھا۔ چنانچہ مینڈکوں کا مسکن اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈی چیز بنائی یعنی پانی کا مقام اور ان کی آواز کو تسبیح قرار دیا۔ زین بن اسلم ''دم'' کے عذاب سے نکسیر پھوٹنے کا عذاب مراد لیتے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا۔ اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے۔ اس سرزمین کے پورب پچھم کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے ربّ کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اُونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا۔ ○

آخری عذاب اور فرعون کی ہلاکت ☆

قوم فرعون کو باوجود یکہ متواتر نشانیاں بتائی گئیں اور یکے بعد دیگرے انہیں کئی عذاب دیئے گئے لیکن ان سرکشی دور نہ ہوئی تو انہیں دریا میں ڈبو دیا گیا۔ جس میں موسیٰ علیہ السلام کے لئے راستہ بنا دیا گیا۔ وہ اس میں اُتر پڑے اور اس کو پار کر گئے۔ بنی اسرائیل بھی ان کے ساتھ تھے۔ پھر فرعون اور اس کا لشکر بھی ان کے تعاقب میں ان کے پیچھے اُترا۔ جب وہ بیچ دریا کے ہو گئے تو پانی مل گیا اور وہ ڈوب گئے۔ یہ آیات الٰہی کی تکذیب کرنے اور اس سے غفلت برتنے کا نتیجہ تھا۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ پھر خدا نے فرعون کی تمام سرزمین کو بنی اسرائیل کے سپرد کر دیا۔ حالانکہ بنی اسرائیل کو نہایت ضعیف سمجھا جاتا تھا۔ جو کمزور بنے

ہوئے زندگی غلامی میں گزار رہے تھے۔ جیسا کہ فرمایا ''ہم چاہتے ہیں کہ اس قوم پر احسان کریں' جو دنیا میں کمزور سمجھی جاتی ہے۔ ہم ان کو بادشاہ اور سردار بنانا چاہتے ہیں۔ انہیں اپنی زمین کا وارث قرار دیں گے اور جس عذاب سے فرعون اور ہامان اور قوم فرعون کو اندیشہ تھا وہی ان پر نازل کریں گے۔'' اور فرمایا کہ وہ کیسے کیسے باغات' کھیتیاں اور بہترین مقامات چھوڑ کر تباہ ہو گئے جس میں وہ بڑے مزے سے گزار رہے تھے۔ ہم اگر چاہتے ہیں تو اسی طرح کسی دوسری قوم کو سردار اور بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ شرق و غرب سے ملک شام مراد لیتے ہیں۔ خدا کی مبارک بات بنی اسرائیل کے حق میں پوری ہوئی کیونکہ انہوں نے مصیبتوں پر صبر کیا تھا اور خدا کی وہ بات اور وعدہ: ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ ہے۔ ﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ﴾ یعنی فرعون اور اس کی قوم نے جو عمارتوں اور باغات بنا رکھے تھے اور محل کھڑے کئے ہوئے تھے۔ سب ہم نے تباہ کر دیئے اور اُجاڑ دیئے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اُتار دیا پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے تھے کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک (مجسم) معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے کہ ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ (منجانب اللہ بھی) تباہ کیا جائے گا اور (فی نفسہ بھی) ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔○

صدیوں کا کفر و شرک پھر رنگ لایا ☆

بنی اسرائیل کے جاہل لوگوں کا مطالبہ بیان کیا جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب دریا کو پار کر لیا اور اللہ کی یہ عظیم نشانی وہ دیکھ چکے تو ان کا گزر ایسی قوم پر ہوا جو بتوں کو لئے بیٹھی تھی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کنعانی تھے یا قبیلہ لخم کے تھے۔ گائے جیسے جانور کا بت بنا رکھا تھا۔ اسی لئے بعد میں اسی کے مشابہ ایک گوسالہ کی پرستش میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے ایک خدا بنا دو جیسے کہ ان لوگوں کے خدا ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ خدا کی عظمت کو بھول بیٹھے ہو۔ وہ تو ایسی باتوں سے منزہ ہے کہ اس کا کوئی شریک و مثیل ہو سکے۔ ان کا مذہب بھی باطل ہے اور ان کا عمل بھی باطل ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے سے حنین کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں کفار کا ایک درخت بیری تھا۔ جس پر وہ دھرنا جمائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنے ہتھیار اس درخت پر باندھ رکھے تھے۔ اس درخت کی عظمت کرتے تھے۔ اس درخت کو کہا جاتا تھا "ذات انواط" جب ہم اس درخت کے پاس پہنچے جو بہت سرسبز اور عظیم الشان تھا۔ تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی قرار دیجئے۔ جیسا کہ ان لوگوں کا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'

خدا کی قسم تم نے تو وہ بات کہی جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ سے کہی تھی کہ موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک خدا بنا دیجئے۔ جیسا کہ ان لوگوں کا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا' تم بڑے ہی جاہل ہو۔ ان کا طریق اور ان کے اعمال سب جھوٹے ہیں اور باطل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی انہیں کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہو۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں۔ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں (کے ظلم وایذا) سے بچایا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی بیگار اور خدمت کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس واقعہ میں بڑی بھاری آزمائش تھی۔ ○

شکر کے بجائے کفرانِ نعمت ☆

موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اللہ کی نعمتیں یاد دلا رہے ہیں کہ جس اللہ نے تمہیں فرعون کی قید سے اور غلبہ سے نجات دی اور رسوائی و ذلت سے چھٹکارا دیا یہاں اوج و عزت عطا کی۔ تمہارے دشمنوں کو تمہارے سامنے برباد کیا۔ اُس کے سوا اور کون قابل عبادت ہے۔ اس کی پوری تفصیل سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب کو ان تیس راتوں کا تتمہ بنایا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہو گیا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔ ○

عظیم الشان انعام ☆

بنی اسرائیل پر احسانات کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ تم کو ہدایت حاصل ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا۔ اس نے تورات دی۔ جس میں احکام ہیں اور شرع کی تمام تفصیلی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا

مفسرین کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان دنوں روزہ رکھا تھا۔ جب یہ تیس دن تمام ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مزید حکم دیا کہ چالیس دن کی تکمیل کریں۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ تیس دن ذیقعد اور دس دن ذوالحجہ کے تھے۔ اس طرح عید کے تک چالیس دن کا تکملہ ہوا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور اسی دن دین محمدی بھی کامل ہوا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ (المائدہ:۳) آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اپنی نعمت تم پر پوری اُتار دی اور تمہارے لئے دین اسلام اختیار کیا۔ غرض یہ کہ جب میعاد پوری ہوگئی اور موسیٰ علیہ السلام طور کی طرف گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو دشمنوں سے نجات دی اور طور کی سیدھی طرف بلایا تھا۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا اور حالات کو بہترین رکھنے کی وصیت کی تا کہ فسادات نہ پیدا ہوں۔ یہ بات بطور تنبیہ وتذکیر کے ہے۔ ورنہ ہارون علیہ السلام خود نبی تھے اور وجاہت وجلالت والے نبی تھے۔ والصّلوة علي سائر الانبياء۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور جب موسیٰ ہمارے وقت (موعود) پر آئے اور ان کے ربّ نے ان سے (بہت ہی لطف وعنایت کی باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ سو اگر اپنی جگہ پر قرار رہا تو خیر تم بھی دیکھ سکو گے پس ان کے ربّ نے جو اس پر تجلّی فرمائی (تجلّی نے) اس (پہاڑ) کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا بے شک آپ کی ذات منزہ اور رفیع ہے۔ میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔ ○

لن ترانی ☆

موسیٰ علیہ السلام سے متعلق خبر دی جا رہی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام وعدہ گاہ پر آئے اور آپ کو اللہ پاک سے تکلم کا شرف حاصل ہوا تو یہ بھی درخواست کی کہ اے خدا میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں' مجھے دیکھنے کا موقعہ عنایت فرما تو اللہ پاک نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ لفظ لَنْ نے جو لن ترانی میں اکثر علماء کے لئے اشکال پیدا کر دیا ہے۔ اس لئے کہ لَنْ ہمیشہ کی نفی کے لئے آیا کرتا ہے۔ اس بنا پر معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ دنیا ہو یا آخرت رویت نہیں ہو سکتی اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس بارے

میں متواتر احادیث موجود ہیں کہ مومنین کو آخرت میں خدا کو دیکھ سکیں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القیامہ: ۲۲-۲۳) اس میں مومنین کو خوشخبری دی گئی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے۔ پھر کفار کے بارے میں کہا کہ وہ نہ دیکھ سکیں گے۔ ﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ (المطففین: ۱۵) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نفی دنیا کے لئے ہے نہ کہ آخرت کے لئے۔ اس طرح اب کلام میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے کہ آخرت میں رویت صحیح ہے اور دنیا میں نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مقام میں یہ کلام بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الانعام: ۱۰۳) سورہ انعام میں اس پر کافی بحث گزر چکی ہے۔

کتب متقدمہ میں ہے کہ اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! کوئی زندہ مرنے سے پہلے مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ خشک چیزیں بھی میری تجلی سے فنا ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ ربّ نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی کی (اس وقت آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ بھی کیا) تو ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ابو اسمٰعیل نے یہ کہتے ہوئے ہمیں اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی کا نام مبہم ہے بتایا نہیں گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى﴾ پڑھتے وقت اپنے انگوٹھے کو اپنی چھنگلیا کے اوپر کے پورے پر رکھ کر بتایا کہ اتنی سی تجلی کے سبب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ حمید نے ثابت سے کہا کہ دیکھو اس طرح۔ چنانچہ ثابت نے اپنا ہاتھ حمید کے سینے پر مارا اور کہا کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے تو کیا میں اس کو چھپاؤں گا۔ امام احمد نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رب نے صرف چھنگلیا کے برابر تجلی کی تھی کہ پہاڑ جل اُٹھا اور خاک بن گیا۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ زمین میں دھنس گیا اور دھنستا جا رہا ہے۔ اب وہ قیامت تک ظاہر نہیں ہوگا۔ انسؓ سے روایت ہے کہ جب پہاڑوں پر تجلی ہوئی تو چھ پہاڑ اُڑ گئے۔ تین مکہ میں آ گرے اور تین مدینہ میں۔ مدینے میں اُحد ہے، ورقان ہے، رضویٰ ہے اور مکے میں حرا ہے، ثبیر ہے، ماثور ہے۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے۔ تجلی سے پہلے کوہِ طور چکنا اور صاف تھا۔ تجلی کے بعد اس میں غار اور شگاف پڑ گئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ قول کہ ''اے موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ قائم رہے تو سمجھو کہ تم مجھے دیکھ سکو گے ورنہ نہیں۔ یہ اس لئے کہ پہاڑ کی پیدائش اور استحکام تو انسان سے کہیں زیادہ اور اشد ہے اور جب پہاڑ پر خدا کی تجلی ہوئی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ تو پہاڑ کی یہ کیفیت دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر پڑے۔ ''صعق'' کے معنی غشی کے ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر کی قتادہؒ اس کے معنی موت کے لیتے ہیں اور از روئے لغت یہ معنی بھی صحیح ہیں۔ جیسا کہ آیت قرآن ہے کہ: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ......﴾ (الزمر: ۶۸) یعنی صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز مر جائے گی۔ فنا ہو جائے گی۔ غرض یہاں قرینہ موت کا ہے اور غشی کا بھی ہے۔ غشی کا اس لئے کہ پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ: ﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ﴾ اور افاقہ تو غشی سے ہی ہوتا ہے۔ نہ کہ موت سے۔ اس لئے غشی کے معنی لینا ہی صحیح ہے۔ افاقہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اے خدا تو پاک ہے، تجھ پر کوئی نظر نہیں ڈال سکتا۔ ورنہ مر جائے گا، جل جائے گا۔ میں نے رویت کی درخواست کر کے جو غلطی کی ہے اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اب مجھے اس کا یقین ہو گیا اور سب سے پہلے مجھے یقین ہے۔ یہاں ایمان سے ایمان و اسلام مراد نہیں بلکہ ایمان اس بات کا کہ تیری مخلوق تجھے نہیں دیکھ سکتی۔ ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ایک عجیب و

غریب حدیث نقل کی ہے اور غالباً انہیں یہ بات اسرائیلیات کے دفتر سے ملی ہے۔ واللہ اعلم

﴿خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا﴾ سے متعلق ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک یہودی نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ایک آپ کے انصاری صحابی نے میرے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ اس انصاری کو بلا کر آپ نے پوچھا۔ تو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس یہودی کو کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے تو میں نے کہا۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ تو اس نے کہا ہاں۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور جب افاقہ ہو گا تو سب سے پہلے مجھے ہو گا۔ لیکن میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام پایہ عرش کو تھامے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ مجھ سے پہلے انہیں ہوش آئے گا یا یہ کہ وہ بے ہوش ہوں گے ہی نہیں۔ کیونکہ وہ ایک بار تجلی طور سے بے ہوش ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں بے ہوش سے مستثنیٰ فرما دے گا۔ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے۔ ابو بکر بن ابی الدینار کہتے ہیں کہ اس قضیے کے فریق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے لیکن صحیحین میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ انصار کا ایک آدمی تھا اور ابو بکر تو انصار میں سے نہیں تھے۔ بلکہ مہاجر تھے اور یہ بات کہ: ﴿لا تخیرونی علی موسٰی﴾ مثل اس حدیث کے ہے کہ: "لا تفضلونی علی الانبیاء ولا علی یونس بن متی" کہتے ہیں کہ یہ بات از روئے تواضع تھی یا یہ فرمان اس سے پہلے کا ہے کہ آپ کو اپنی فضیلت کا علم خدا کی طرف سے ہوا ہو۔ یا یہ کہ غصہ میں آ کر تعصب کی بنا پر مجھے فضیلت نہ دو یا یہ کہ صرف اپنی رائے سے فضیلت قائم نہ کرو۔ واللہ اعلم

لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ بے ہوشی عرصۂ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ہو گی۔ بہت ممکن ہے کہ اس وقت کا حال ہو جب خدا تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے آئے گا۔ تو اس کی تجلی سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام تجلی کی برداشت نہ لا سکے۔ سی لئے آپ کا فرمان ہے کہ نہ معلوم مجھ سے پہلے افاقہ ہو گا یا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش نہیں ہوئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ہوئی تو آپ کی نظر ایسی تیز ہو گئی کہ دس کوس کی مسافت سے تاریک رات میں بھی کسی چٹان پر چلتی ہوئی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس لحاظ سے کوئی بعید نہیں کہ یہ خصوصیت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہو کیونکہ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آیات کبریٰ اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھیں۔ اس بات کے ذریعہ گویا کہ حدیث کی تصحیح ثابت ہو گئی لیکن اس کی صحت غور طلب بات ہے کیونکہ اس حدیث میں راوی غیر معروف لوگ ہیں اور ایسی باتیں جب تک ثقہ راویوں سے منسوب نہ ہوں، قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ

قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٤٥﴾

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ (یہی بہت ہے کہ) میں نے پیغمبروں اور اپنی ہم کلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔ تو (اب) جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی (ضروری) نصیحت اور (احکام ضروریہ کے متعلق) ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی تو ان کو کوشش کے ساتھ (خود بھی) عمل میں لاؤ اور قوم کو بھی حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں۔ میں اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں۔ ○

کلیم اللہ علیہ السلام ☆

موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہے کہ ہم نے تم کو رسالت اور کلام کے لئے سب لوگوں میں سے چن لیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد ﷺ ساری اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا۔ جن کی شریعت قیامت تک کے لئے جاری ہوگی اور آپ کے اُمتی سارے انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہوں گے۔ شرف و فضل میں آپ کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران کلیم اللہ۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں جو کلام اور مناجات دی ہے اس کو لے لو اور شکر ادا کرو اور جن احکام کو برداشت کرنے کی تمہیں طاقت نہیں' اس کا مطالبہ نہ کرو۔ پھر خبر دی جاتی ہے کہ ان الواح میں ہر بات کی نصیحت اور ہر حکم کی تفصیل موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ الواح جواہر کے تھے۔ اللہ پاک نے اس میں مواعظ اور احکام تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے تھے اور سب حلال و حرام بتا دیئے گئے تھے۔ ان الواح پر توریت لکھی ہوئی تھی۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ قرون اولیٰ کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ جس میں لوگوں کے لئے بصیرت تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ الواح توریت لکھنے سے پہلے ہی دیئے گئے تھے۔ بہر حال یہ ضرور ہے کہ یہ سوال رویت کو نامنظور کرنے کا معاوضہ تھا۔ قوت کے ساتھ لو۔ یعنی طاعت کا عزم مصمم کر کے اور اپنی قوم کو بھی حکم کرو کہ اس پر اچھی طرح عمل کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے ساتھ قوت کا لفظ ہے اور قوم موسیٰ کے ساتھ احسن کا لفظ ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو تاکید ہے کہ سب سے پہلے تم اس پر سختی سے عمل کرو اور تمہاری قوم بھی احسن طریق سے عمل کرے۔ ﴿سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ یعنی قریب میں تم میری مخالفت کرنے والوں اور میری اطاعت سے سرتابی کرنے والوں کا انجام دیکھ لو گے۔ کہ وہ کس طرح ہلاک اور برباد ہو جائیں گے۔ یہ بات بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی اپنے مخاطب سے کہے کہ اگر تم میرے حکم کے خلاف کرو گے تو کل میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ یہاں خلاف امر کرنے والوں کو وعید اور تہدید کی جا رہی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت کرنے والوں کو فاسقوں کا ملک یعنی شام عطا کریں گے یا یہ کہ منازل قوم فرعون مراد ہیں۔ لیکن پہلی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ یہ فرمان موسیٰ علیہ السلام کے بلاد مصر کو چھوڑنے کے بعد کا ہے اور یہ دوسرا قول بنی اسرائیل سے خطاب ہے اور یہ گفتگو میدان تیہ میں داخل ہونے سے پہلے کی ہے۔

سَأَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

میں ایسےلوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے۔ اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا۔ ان کے سب کام غارت گئے اور ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے۔ ○

سیدھی راہ ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جنہیں ہماری طاعت سے انکار ہے اور جو بلا وجہ[1] لوگوں سے غرور کرتے ہیں۔ شریعت اور احکام کے سمجھنے ہی محروم کردیں گے۔ جو ہماری عظمت و وحدانیت پر دلیل قاطع ہیں انہیں جہالت سے پالا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کردیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا' ہم نے ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ ہی دیا ہے کیونکہ سمجھانے بجھانے پر بھی وہ ایمان لائے ہی نہیں اور فرمایا کہ وہ جب ٹیڑھے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کردیا تاکہ نہیں سمجھتے تو کبھی بھی نہ سمجھنے پائیں۔ بعض سلف نے کہا ہے کہ غرور کرنے والا علم اور معرفت سیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس کی تو ناک چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جس نے کچھ عرصہ کے لئے علم سیکھنے کی ذلت کو برداشت نہیں کیا۔ اس کو ہمیشہ کے لئے علم سے محروم رہنے کی ذلت برداشت کرنی پڑے گی۔ اسی لئے اللہ پاک نے ان سے فہم قرآن کی صلاحیت چھین لی ہے اور اپنی آیات سے محروم کردیا۔ اس آیت کا اشارہ اس امت کی طرف بھی ہے۔ یہ ابن عیینہ کا خیال ہے لیکن یہ کوئی ضرور نہیں۔ ابن عیینہ تو ہر امت کے حق میں اس کو قرار دیتے ہیں اور اُمتوں کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کیسی ہی آیت کیوں نہ سنیں ایمان نہیں لاتے۔ جیسا کہ فرمایا جن لوگوں کے حق میں کلمہ رُبّ پورا ہو چکا کہ وہ راہ راست نہیں آئیں گے۔ تو وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ خواہ کیسی ہی آیت کیوں نہ آئے۔ حتیٰ کہ وہ عذاب الیم دیکھ لیں گے اور اگر راہ ہدایت اور طریق نجات ان پر ظاہر ہو جائے لیکن سیدھی راہ کبھی نہیں اختیار کریں گے اور اگر ہلاکت و گمراہی کی راہ ان کے سامنے آجائے تو فوراً اختیار کرلیں گے۔ اب ان کی اس نادانی کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے۔ ان پر

[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر غرور کی کوئی وجہ ہو مثلاً کوئی مالدار ہو یا حسین و جمیل تو اس کے لئے غرور و کبر جائز ہو جاتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ سمجھانا یہ ہے کہ کبر و غرور تو اس کے اسباب بھی موجود ہوں تب بھی مناسب نہیں۔ چہ جائیکہ اس صورت میں غرور کا مظاہرہ ہو جبکہ کچھ بھی نہیں۔

عمل نہیں کیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ جنہیں ہماری آیتیں ماننے سے انکار ہوتا ہے اور روز قیامت میں ہم سے سامنا ہونے کا یقین نہیں اور مرتے دم تک اپنے اسی خیال سے قائم رہے تو ایمان کے ساتھ نیک عمل نہ ہونے کے سبب یہ سارے نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور سلب کر لئے جائیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے اعمال کی یہی جزا ہے۔ ہم ان کے حسب اعمال جزا دیتے ہیں۔ اگر وہ ایمان کے ساتھ نیکی کرتے تو نیک جزا دیتے اور برائی تو برائی ہی ہے۔ جیسا عمل ویسا بدلہ۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے (مقبوضہ) زیوروں کا ایک بچھڑا بنایا جو کہ ایک قالب تھا۔ جس میں ایک آواز تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا۔ اس کو انہوں نے معبود قرار دے دیا اور بڑا بے ڈھنگا کام کیا اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارے یہ گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے۔ ○

گوسالہ پرستی ☆

بنی اسرائیل میں سے گمراہ لوگوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی۔ سامری نے ان زیورات سے جو قبطیوں سے مستعار لئے تھے۔ ان کے سونے چاندی سے بچھڑے کا سا ایک مجسمہ بنایا اور اس کے پیٹ کے اندر ایک مٹھی بھر وہ مٹی ڈال دی جو جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں تلے سے حاصل کر رکھی تھی۔ چنانچہ اس بچھڑے کے اندر سے ایسی آواز نکلنے لگی جیسے گائے کی ہوتی ہے۔ یہ سارا کھیل موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں ہوا۔ جب کہ آپ میقات ربّ کی خاطر طور پر گئے تھے۔ طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فتنہ سے آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہوتا ہے کہ اے موسیٰ تمہاری قوم کو تمہارے پیچھے ہم نے آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ یعنی سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے۔ مفسرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ گوشت کا بن گیا تھا اور آواز دینے لگا تھا یا سونے ہی کا بنا ہوا تھا۔ صرف اس میں ہوا داخل ہو گئی تھی اور اس کے اندر سے گائے کی طرح آواز نکلتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بچھڑا تیار ہونے کے بعد جب گائے کی طرح آواز دینے لگا تو لوگ ناچتے ہوئے اس کے اطراف طواف کرنے لگے اور بڑے فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہی ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا۔ موسیٰ بھول میں پڑ گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ کیا وہ اتنی سی بات کو نہیں سمجھتے کہ آواز نکالتا ہے تو کیا ہوا۔ وہ تمہاری کسی بات کا جواب تو نہیں دیتا۔ نہ تمہیں کوئی ضرر پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ نہ وہ ان سے بات کرتا ہے نہ انہیں کوئی رہنمائی کر سکتا

ہے۔ان گوسالہ پرستوں کی سرزنش ہو رہی ہے کہ بچھڑے کو لے کر گمراہ ہو گئے۔ خالق السموات والارض کو بھول گئے۔ ان کی آنکھوں پر جہل و گمراہی کے پردے پڑ گئے ہیں جیسا کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی شے کی محبت تمہیں اندھا اور بہرا کر دے گی اور جب یہ اپنے فعل پر نادم ہوئے اور سمجھ میں آ گیا کہ واقعی ہم گمراہ ہو گئے تھے۔ تو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے اور مغفرت نہ فرمائے تو ہم بڑے گھاٹے میں رہیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے گناہ کا اعتراف کیا وار خدا تعالیٰ کے سامنے عجز و زاری کی۔ بعض نے یَرْحَمْنَا کے بجائے (ت سے) "ترحمنا" اور "تغفرلنا" پڑھا ہے۔ اس طرح "ربنا" فاعل ہونے کے بجائے منادی ہو جاتا ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

ع ۱۸ / ۸

اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی۔ کیا اپنے ربّ کے حکم (آنے) سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ ہارون نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (بھائی) ان لوگوں نے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔ تو تم مجھ پر (سختی کر کے) دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھ کو ان ظالم لوگوں کے ذیل میں مت شمار کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے ربّ میری خطا معاف فرما دے اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ ○

موسیٰ ہارون علیہما السلام ...... اور موسیٰ علیہ السلام کا غیظ و غضب ☆

موسیٰ علیہ السلام جب خدا سے باتیں کر کے قوم کی طرف واپس آئے تو نہایت غضبناک تھے اور رنج و افسوس میں تھے اور کہنے لگے کہ میرے بعد گوسالہ کی پرستش کر کے تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ کیا خدا کے عذاب کو تم جلدی بلا لینا چاہتے تھے اور خدا کی باتوں سے ہٹا کر مجھے لوٹا لینا چاہتے تھے مگر یہی بات مقدر میں تھی اور شدت غضب میں یہ الواح انہوں نے زمین پر ڈال دیں اور بھائی کا سر پکڑ کر اپنی گھسیٹا' کہا جاتا ہے کہ یہ الواح زمرد کے تھے' یا یاقوت کے تھے' یا کپڑے کے یا لکڑی کے۔ اس واقعہ سے دلالت ہوتی ہے اس حدیث پر جو آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ)) یعنی شنیدہ کے بود مانند دیدہ اور ظاہر سیاق عبارت یہ ہے کہ آپ نے غضبناک ہو کر الواح قوم کے سامنے پھینک دیئے۔ یہ خلف و سلف تمام جمہور کا قول

ہے۔ ابن جریر نے روایت کی ہے کہ یہ قول غریب ہے اس کی اسناد ٹھیک نہیں۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ رد کرنے کے قابل ہے۔ شاید بعض اہل کتاب کے ذخیرے سے قتادہ نے نقل کرلیا ہو اور اہل کتاب میں تو جھوٹ تصرف کرنے والے بات بنانے والے اور زندیق بہت ہیں۔ بھائی کا سر پکڑ کر گھسیٹا' تو اس خیال کے تحت کہ گوسالہ پرستی سے روکنے میں اس نے کوتاہی کی ہوگی۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کہ اے ہارون' جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ گمراہی اختیار کر رہے ہیں تو میرے حکم پر چلنے سے تم کو کس نے روکا تھا۔ کیا تمہیں میری نافرمانی کی جرأت ہوگئی؟ تو ہارون علیہ السلام نے کہا اے میرے ماں جائے' میری داڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ کر نہ کھینچو' مجھے تو یہ خوف تھا کہ تم کہیں یہ نہ کہو' کہ میرا انتظار کیوں نہ کیا اور بنی اسرائیل میں تفرقہ کیوں ڈال دیا۔ اے بھائی یہ لوگ تو میری پروا نہیں کرتے تھے۔ مجھے کمزور خیال کرلیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کردیتے۔ دشمنوں کو مجھ پر مت ہنساؤ[1] اور ان ظالموں میں مجھے شمار کرو۔'' میری ماں کے بیٹے کے الفاظ اس لئے کہے تاکہ یہ الفاظ اثر انداز ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کو رحم آ جائے۔ ورنہ وہ تو ان کے ماں باپ دونوں طرف سے سگے بھائی تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھائی کی بے قصوری ثابت ہو گئی۔ تو ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ ارشاد ہے کہ ہارون علیہ السلام نے پہلے ہی لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ اے لوگو! تم فتنے میں مبتلا ہو رہے ہو۔ تمہارا رب یہ گوسالہ نہیں' بلکہ رحمٰن ہے۔ تم میرے پیچھے چلو اور میری بات سنو۔ اسی لئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ ''الٰہی! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ ہم دونوں کو تو اپنی رحمت میں لے لے تو ارحم الراحمین ہے۔'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے۔ دیکھنے والے کی بات الگ اور سننے والے ہوتی ہے۔ رب عزوجل نے خبر دی تھی کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم شرک میں مبتلا ہوگئی ہے۔ یہ سن کر انہوں نے الواح نہیں پھینکے اور جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو غصے کے مارے الواح پھینک دیئے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥٣﴾

جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے۔ پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ کا معاف کردینے والا رحمت کرنے والا ہے۔ O

گوسالہ پرستی کی عبرتناک سزا ☆

گوسالہ پرستی کی سزا میں اللہ کا جو غضب بنی اسرائیل پر نازل ہوا وہ یہ تھا کہ ان کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوئی۔ جب تک بحکم خدا آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کر ڈالیں جیسا کہ سورۂ بقر میں گزر چکا ہے کہ ''خدا کی بارگاہ میں پیش کرو کہ باہم

[1] دشمن یہ دیکھ کر خوب ہنسیں گے کہ ہارون علیہ السلام جن موسیٰ کی امت کی اصلاح میں اپنی جان کی بازی بھی لگائے ہوئے تھا۔ آج وہ خیر خواہ ہارون موسیٰ سے برسرعام کھڑا ذلیل ہو رہا ہے۔

اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو۔ خدا اسی میں تمہاری بہتری جانتا ہے اور جب انہوں نے ایسا کیا تو ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ وہ تو ربّ رحیم ہے لیکن دنیا میں انہیں ذلت و خواری نصیب ہوئی۔ وقولہ: ﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ﴾ اور یہ ذلت تو ہر مفتری کے لئے یوم قیامت تک رہتی ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ اس طرح ہر صاحب بدعت ذلیل ہوگا۔ جو بدعت نکالتا ہے اس کو یہی سزا ملے گی۔ مخالف رسول اور بدعت کا بوجھ اس کے دل سے نکل کر اس کے کندھوں پر آ پڑتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ دنیوی شان و شوکت رکھتا ہو۔ لیکن ذلت اس کے چہرہ پر برستی ہے۔ خدا کی طرف سے قیامت تک یہ سزا جھوٹ باندھنے والے کو ملتی رہے گی۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ خواہ کیسا ہی گناہ ہو لیکن توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ اگرچہ کفر و شرک و شقاق و نفاق ہی ہو حکم ہوتا ہے کہ جو گناہ کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لائیں' تو اے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا ربّ اس کے بعد بھی غفور رحیم ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا' ایک ایسے شخص کے بارے میں کہ کسی عورت سے زنا کرے' پھر اس سے نکاح کر لے تو اس کے بارے میں کیا ہوگا؟ تو اس آیت کی تلاوت کی کہ جن لوگوں نے برے کام کئے۔ پھر توبہ کر لی' ایمان لائے اور راستی پر آ گئے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد بھی بخشنے والا اور رحیم ہے۔ عبداللہؓ نے دس بار اس کی تلاوت کی۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اُٹھا لیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے ربّ سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی۔ ○

کتابِ ہدایت ☆

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تھم گیا تو انہوں نے تختیاں اُٹھا لیں' جو غصہ کی وجہ سے پھینک دی تھیں۔ یہ حرکت بت پرستی پر غیرت اور غصہ کی وجہ سے تھی۔ ارشاد ہے کہ ''اس کے اندر ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے خدا سے ڈرتے تھے۔'' اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ جب انہیں پھینک دیا تو وہ ٹوٹ گئی تھیں۔ پھر انہیں جمع کر لیا اور اسی بنا پر بعض سلف نے کہا ہے کہ ان ٹوٹی ہوئی تختیوں میں ہدایت و رحمت کے احکام درج تھے۔ لیکن تفصیل سے متعلق احکام ضائع ہو گئے۔ گمان کیا گیا ہے کہ اسرائیلی بادشاہوں کے خزانوں میں دولت اسلامیہ کے زمانے تک یہ ٹکڑے موجود تھے۔ واللہ اعلم۔ لیکن اس بات پر دلیل واضح ہے کہ پھینک دینے سے وہ ٹوٹ گئی تھیں۔ وہ تختیاں جنت کے جوہر کی بنی ہوئی تھیں۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ جب انہیں اُٹھا لیا تو ان میں ہدایت و رحمت پائی۔ رھبت کے معنی خشوع و خضوع کے ہیں۔

﴿اَخَذَ الْاَلْوَاحَ﴾ سے متعلق قتادہ نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یا ربّ میں الواح میں لکھا پاتا ہوں کہ ایک بہترین امت ہوگی جو ہمیشہ اچھی باتوں کو سکھاتی رہے گی اور بری باتوں سے روکتی رہے گی۔ اے خدا وہ امت میری امت ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ وہ تو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔ پھر کہا یا ربّ ان الواح سے ایک ایسی امت کا پتہ چلتا ہے جو سب سے

آخر میں پیدا ہوگی لیکن جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگی۔ اے خداوہ میری امت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ احمد ﷺ کی امت ہے۔ پھر کہا یا ربّ اس امت کا قرآن ان کے سینوں میں ہوگا۔ دل میں دیکھ کر پڑھتے ہوں گے۔ حالانکہ ان سے پہلے کے سب لوگ ہی اپنے قرآن پر نظر ڈال کر قرآن پڑھتے ہیں۔ دل سے نہیں پڑھتے۔ حتیٰ کہ ان کا قرآن اگر ہٹالیا جائے تو پھر ان کو کچھ بھی یاد نہیں اور نہ وہ کچھ پہچان سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ کی ایسی قوت دی ہے کہ کسی امت کو نہیں دی گئی' یا ربّ میری وہ امت ہو۔ کہا اے موسیٰ! وہ تو احمد ﷺ کی امت ہے۔ پھر کہا یا رب! وہ امت تیری ہر کتاب پر ایمان لائے گی۔ وہ گمراہوں اور کافروں سے قتال کریں' حتی کہ کانے دجال سے بھی لڑیں گے۔ الٰہی! وہ میری امت ہو۔ خدا نے کہا کہ یہ احمد ﷺ کی امت ہوگی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا یا ربّ' الواح میں ایک امت کا ذکر ہے کہ وہ اپنے نذرانے اور صدقات خود آپس میں ہی کھالیں گے۔ حالانکہ اس امت سے پہلے تک کی امتوں کا یہ حال ہوگا کہ اگر وہ کوئی صدقہ یا نذر پیش کریں گے اور وہ قبول ہوگئی تو اللہ آگ کو بھیجے گا اور آگ اسے کھاجائے گی اور قبول نہ ہوئی رد ہوگئی تو پھر بھی وہ اس کو نہ کھائیں گے۔ بلکہ درندے اور پرندے آ کر کھاجائیں گے اور اللہ ان کے صدقے ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو دے گا یا ربّ وہ میری امت ہو۔ تو فرمایا یہ احمد ﷺ کی امت ہوگی۔ پھر کہا یا ربّ میں پاتا ہوں کہ وہ اگر کوئی نیکی کا ارادہ کرے گی۔ لیکن عمل میں نہ لا سکے گی تو پھر بھی ایک ثواب کی حقدار ہوجائے گی اور اگر عمل میں لائے گی تو اس حصے ثواب ملے بلکہ سات سو حصے تک۔ اے خداوہ میری امت ہو تو کہا نہیں۔ یہ احمد ﷺ کی امت ۔ پھر کہا کہ الواح میں ہے کہ وہ دوسروں کی شفاعت بھی کریں گے اور ان کی شفاعت بھی دوسروں کی طرف سے ہوگی اے خداوہ میری امت ہو۔ تو کہا نہیں' یہ احمد ﷺ کی امت ہوگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے پھر الواح رکھ دیئے اور کہا یا ربّ مجھے اس احمد ﷺ کی امت میں بنا دے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ

اور موسیٰ نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین پر لانے کے لئے منتخب کئے۔ سو جب ان کو زلزلہ (وغیرہ) نے آ پکڑا تو موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ کو یہ منظور ہوتا تو آپ اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتے۔ کہیں آپ ہم میں کے چند بیوقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے۔ یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے۔ ایسے امتحانات سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیں اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں۔ آپ ہی تو ہمارے خبر گیراں ہیں' ہم پر رحمت اور مغفرت فرمایئے اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ ہیں

اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں'

ستر آدمیوں کی گستاخی' خدا کا قہر اور موسیٰ علیہ السلام کی پریشانی ☆

اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام کو ستر آدمی انتخاب کر لینے کا حق دیا تھا۔ چنانچہ موسیٰؑ ایسے منتخب ستر لوگ لے کر خدا سے دعا کرنے کے لئے لے گئے۔ لیکن جب انہوں نے خدا سے دعا کی تو کچھ اس طرح کی کہ اے خدا! ہمیں وہ کچھ عنایت کر جواب تک ہم سے پہلے تو نے کسی کو نہ دیا ہو اور نہ ہمارے بعد پھر کسی اور کو دے۔ یہ بات خدا تعالیٰ کو ناگوار گزری۔ چنانچہ زلزلے نے انہیں آ گھیرا۔ سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس آدمیوں کے ساتھ آنے کے لئے کہا' جو گوسالہ کی پرستش کے سبب خدا سے معافی مانگیں اور دعا کے لئے ایک وقت اور مقام قرار دیا۔ موسیٰؑ نے ستر آدمی انتخاب کئے۔ جنہیں اعتذار کے لئے اپنے ساتھ لے گئے۔ لیکن جب وہ وعدہ گاہ پر پہنچے تو کہنے لگے اے موسیٰؑ! ہم تو تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے کہ اپنی آنکھوں سے اعلانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں۔ تم نے تو خدا سے باتیں کر لیں۔ اب ہمیں بھی خدا کو دکھلا دیجئے۔ اس جسارت میں اُن پر بجلی گری اور سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے اُٹھے۔ خدا تعالیٰ سے کہہ رہے تھے کہ خدا! اب میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا؟ یہ تو ان میں کے اچھے لوگ تھے۔ انہیں بھی تو نے ہلاک کر دیا۔ کاش اے خدا تو ان کے ساتھ مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ستر اچھے سے اچھے آدمی چنے تھے اور کہا تھا کہ چلو خدا کی طرف اور اپنی بقیہ قوم کی طرف سے خدا کے پاس معذرت پیش کرو۔ توبہ کر کے روزے رکھو۔ جسم اور کپڑوں کو پاک کر لو۔ پھر انہیں وقت مقررہ پر طورِ سینا کی طرف لے چلے اور یہ سب خدا کی اجازت اور علم سے تھا۔ اب یہ سب ہی ستر افراد جو حضرت موسیٰؑ کی رہنمائی میں خدا سے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے کہنے لگے اے موسیٰؑ خدا سے تمہاری باتیں ہوتی ہیں۔ ہمیں بھی یہ باتیں سننے دیجئے۔ موسیٰؑ نے کہا اچھا اور جب موسیٰ پہاڑ کے قریب پہنچے تو وہ ایک بہت ہی گہرے اور اُمڈے ہوئے بادل کے اندر چھپ گئے۔ پہاڑ بھی بادل کے اندر ڈھک گیا۔ موسیٰ بادل میں آئے۔ قوم سے کہا تم بھی قریب تر ہو جاؤ اور موسیٰؑ جب خدا سے باتیں کر رہے ہوتے تو آپ کے چہرے پر ایک بہت ہی چمکدار نور ضیا بار ہوتا کہ کوئی آپ کے چہرے پر نظر ڈالنے کی قدرت نہ رکھتا۔ اس لئے آپ اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے۔ جب لوگ اس ابر کے قریب آ کر اس میں داخل ہو گئے تو سجدے میں گر پڑے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور خدا تعالیٰ کی باتیں سنیں کہ اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام کو امر دے رہا ہے اور نہی کر رہا ہے کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو اور اس سے جب فارغ ہو گئے' ابر ہٹ گیا' اور موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ موسیٰؑ سے کہنے لگے کہ ہم تو اس وقت تم پر ایمان لائیں کہ تم ہمیں علانیہ خدا کو دکھلا دو اس گستاخی پر انہیں بجلی نے آ پکڑا۔ ان کی روحیں جسم سے نکل گئیں' مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر خدا کے سامنے آہ وزاری کرنے لگے کہ الٰہی تو اگر انہیں ہلاک ہی کرنا چاہتا تھا تو ان کے ساتھ مجھے ہلاک کر دیتا۔ انہوں نے بے وقوفی کی حرکت کی۔ میرے پیچھے کیا تو بنی اسرائیل کو ہلاک کر دے گا۔

علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارونؑ و شبر و شبیر یہ سب مل کر ایک پہاڑ کی وادی کی طرف گئے۔ ہارون ایک ٹیلہ پر کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی۔ موسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف لوٹے تو انہوں نے ہارونؑ سے پوچھا۔ موسیٰؑ نے کہا کہ وہ مر گئے۔ وہ کہنے لگے کہ نہیں تم نے قتل کیا ہوگا۔ وہ بڑے نرم مزاج اور مرنجاں مرنج آدمی تھے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ اچھا تم کچھ آدمی چن لو۔ انہوں نے ستر آدمی چن لئے۔ اب ہارونؑ کی لاش پر گئے اور پوچھا ہارون! تم کو

کس نے قتل کیا؟ ہارونؑ سے آواز آئی ''مجھے تو کسی نے بھی قتل نہیں کیا میں تو اپنی موت مرا ہوں۔'' اب یہ لوگ کہنے لگے ''اے موسیٰ! اس کے بعد ہم تم سے کبھی سرکشی نہیں کریں گے۔'' سزا یہ ملی کہ انہیں ایک کڑک نے آلیا۔ موسیٰ علیہ السلام سیدھے اور بائیں بلاوجہ گھومتے اور کہتے اے خدا! کیا ان بیہودوں کی گفتگو پر تو ہمیں قتل کر دے گا۔ یہ تیری آزمائش تھی تو جس کو چاہے گمراہ کرے جس کو چاہے ہدایت دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو زندہ کر دیا اور ان سب کو انبیاء بنایا۔ یہ بہت غریب اور ناقابل یقین حدیث ہے۔ راویوں میں عمارہ بن عبید تو بالکل مجہول شخص ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ان پر عذاب نازل ہوا تھا کہ گوسالہ پرستی کو چپ چاپ دیکھتے رہے اور قوم کو اس شرک سے منع نہ کیا تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بےوقوفوں کا نام دیا تھا اور کہا تھا کہ اے خدا! یہ تیرا ابتلا اور امتحان ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یوں حمد وثنا کی یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے۔ تیرا ہی حکم چلتا ہے اور تو جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہدایت وگمراہی تیرے ہی پاس ہے۔ جسے تو راہ دکھائے اسے کوئی بہکا نہیں سکتا اور جسے تو گمراہ کر دے اسے کوئی راہ دکھا نہیں سکتا۔ تو جس سے روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے تو دے دے اس سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ ملک کا مالک تو ہی ہے اور حکم کا حاکم بھی صرف تو ہی ہے۔ خلق وامر سب تیری ہی طرف سے ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کہ کہ ''اے خدا تو ہمارا ولی ہے، ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما، تو خیر الغافرین ہے۔''

غَفَرَ کے معنی ڈھانپنا، چھپانا اور گناہ پر مواخذہ نہ کرنا اور زعفران کے ساتھ جب رحمت کا جوڑ ہو جائے تو یہ مطلب یہ ہے کہ بخش دینے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اس کو آئندہ مبتلائے گناہ نہ ہونے دے۔ اے خدا! دنیا میں بھی تو ہمیں نیکی دے اور آخرت میں بھی۔ (حَسَنَة کی تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے) ہم توبہ کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کا نام یہود اس لئے پڑ گیا کہ انہوں نے ﴿هُدْنَا اِلَيْكَ﴾ کہا تھا۔

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو ضرور لکھوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ○

رحمت وزحمت ☆

موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے خدا یہ تیرا فتنہ[1] تیرا عذاب ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ عذاب اسی کو پہنچتا ہے جس کے لئے میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کو عذاب ہونا چاہئے۔ ورنہ میری رحمت تو ہر شے پر وسیع ہے۔ میں جیسا چاہوں کروں ہر بات میں حکمت اور عدل میرا ہی حق ہے۔ رحمت والی آیت بہت عظیم ہے اور سب پر شامل ہے۔ جیسا کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کی زبان میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے خدا! تیری رحمت اور تیرا علم سب پر حاوی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا، اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنی اونٹنی کھولی اس پر سوار ہو کر یہ دعا کرنے لگا کہ اے خدا مجھ پر اور

[1] عربی میں ''فتنہ'' کے معنی آزمائش کے ہیں۔ عربی میں فتنہ ان معنی میں استعمال نہیں جن معنی میں اردو میں ہوتا ہے۔

محمد ﷺ پر اپنی رحمت کر' ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر۔ تو حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ بتاؤ یہ شخص تو زیادہ گمراہ اور بیوقوف ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سنا جو اس نے کہا؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اس کی بڑی وسیع رحمت ہے۔ اس نے رحمت کے سو حصے کئے ہیں۔ ایک حصہ ساری خلقت پر تقسیم کیا ہے۔ جن وانس و بہائم' سب کو اسی ایک میں سے حصہ ملا ہے اور باقی ننانوے حصے اپنے لئے خاص رکھے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ان دونوں میں کون زیادہ بے وقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں جن میں سے صرف ایک ہی حصہ دنیا میں اُتارا ہے۔ اسی سے مخلوق ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور رحم کرتی ہے۔ اسی سے حیوان اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں۔ باقی ننانوے اس کے پاس ہی ہیں۔ جن کا اظہار قیامت کے دن ہوگا اور بروز قیامت اسی حصے کے ساتھ اور ننانوے حصے جو مؤخر ہیں' ملا دیئے جائیں گے اور روایت ہے کہ اسی نازل کردہ ایک حصہ میں چرند و پرند بھی شامل ہیں۔ خدا کی قسم جو بلحاظ دین فاجر ہے' جو بلحاظ کسب معاش احمق ہے۔ وہ بھی اس میں داخل ہے۔ خدا کی قسم وہ بھی جنت میں جائے گا۔ جس کو آگ نے گناہوں کے سبب گھیر رکھا ہو۔ اس کی رحمت قیامت میں ایسی چھا جائے گی کہ ابلیس کو بھی اس میں سے کچھ ملنے کی توقع پیدا ہو جائے گی۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ سعد اس کے راویوں میں سے ایک غیر معروف شخص ہے۔ میری رحمت کے مستحق وہ ہوں گے جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا تمہارے ربّ نے اپنی ذات کے لئے رحمت کو فرض قرار دے لیا ہے۔ پرہیزگاری کرتے ہیں۔ یعنی شرک اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ کہا گیا کہ زکوٰۃ نفوس مراد ہے' یا زکوٰۃ اموال یا یہ کہ دونوں مراد ہوں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کو مانتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع ۱۹/۹

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے کہ) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور

کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔ ○

النبی الامی (ﷺ) ☆

جو لوگ نبی اُمی کی پیروی کرتے ہیں اور مسلمان ہو جاتے ہیں انہیں اس پیش گوئی کا علم ہے جو ان کی کتابوں توریت و انجیل میں نبی اُمی سے متعلق لکھی ہوئی ہیں۔ کتب انبیاء میں نبی ﷺ کی صفت مذکور ہے۔ جنہوں نے اپنی اپنی امت کو آپ کی بعثت کی خوش خبری دی ہے اور ان کا مذہب اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ان کے علما اور راہب اس چیز کو جانتے ہیں۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ایک بدوی نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں مَیں دودھ بیچنے کے لئے مدینے گیا۔ فروخت کرنے کے بعد میں نے کہا چلو ان سے بھی (محمد ﷺ سے) مل لوں اور ان سے کچھ باتیں سنوں۔ میں نے دیکھا کہ آپ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ جا رہے ہیں، میں بھی پیچھے ہو لیا۔ یہ تینوں ایک یہودی کے گھر پہنچے۔ جو توراة جانتا تھا۔ اس کا لڑکا قریب الموت تھا۔ نو جوان اور خوبصورت۔ وہ اس کے پاس بیٹھا تعزیت نفس کی خاطر توریت پڑھ رہا تھا۔ حضور ﷺ اس یہودی سے باتیں کرنے لگے اور کہا کہ تمہیں توریت نازل کرنے والے کی قسم ہے، سچ بتاؤ اس میں میرا ذکر اور میری بعثت کی خبر بھی ہے کہ نہیں؟ اُس نے سر ہلا کر کہا ''نہیں''۔ تو اس کا قریب الموت نوجوان لڑکا بول اُٹھا کہ توراة نازل کرنے والے کی قسم کہ ہم اپنی کتابوں میں آپ کی صفت اور بعثت کی خبر پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ جب وہ مر گیا تو آپ ﷺ نے کہا کہ یہ مسلمان ہے۔ یہودیوں کو یہاں سے ہٹا دو۔ پھر آپ نے اس کے کفن اور نماز کا اہتمام کیا۔ یہ حدیث جید اور قوی ہے اور صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ہشام بن العاص سے روایت ہے کہ ہرقل شاہ روم کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے میں اور ایک اور آدمی بھیجے گئے۔ ہم چلے اور غوطہ دمشق تک پہنچے۔ جبلہ بن ایہم الغسانی کے محل کو گئے۔ وہ صاحب تخت تھا۔ ہمارے پاس ایک سفیر کو بھیجا کہ بات کرے کہ کیا کہنا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم تو سے بات نہیں کریں گے۔ ہم بادشاہ سے بات کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر اس نے بلا لیا تو اسی سے بات کریں گے۔ ہمیں تم سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ اس نے جا کر بادشاہ کو خبر کی۔ اس نے بلا لیا اور کہنے لگا۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس سے گفتگو کی اور اسلام کی دعوت دی۔ وہ سیاہ کپڑے پہنے تھا۔ ہشام نے کہا یہ سیاہ کپڑے کیوں ہیں؟ جبلہ نے کہا، میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ یہ سیاہ لباس نہ اُتاروں گا جبکہ تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں۔ ہم نے کہا خدا کی قسم ہم یہ تخت تم سے لینے والے ہیں اور ملک اعظم کا ملک بھی ان شاء اللہ ہمارے قبضہ میں آ جائے گا۔ ہمارے نبی ﷺ نے اس کی پیش گوئی فرما دی ہے۔ اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں ہو۔ وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ دن میں روزہ رکھتے ہوں گے۔ راتوں کو نماز پڑھتے ہیں۔ تم بتاؤ تمہارا روزہ کیسا ہے؟ ہم نے پوری طرح بتا دیا تو گویا اس کے چہرے پر سیاہی سی دوڑ گئی۔ اس نے کہا اچھا جاؤ بادشاہ سے ملو اور ہمارے ساتھ ایک رہبر کر دیا۔ ہم اس کی رہنمائی میں چلے اور جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو ہمارے رہبر نے کہا کہ تم ان سواریوں اور اونٹنیوں کو لے کر شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ تم چاہو تو ہم تمہارے لئے گھوڑے اور خچر مہیا کر دیں۔ ہم نے کہا خدا کی قسم ہم تو ان پر ہی سوار رہیں گے۔ اس نے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ انہیں دوسری سواریوں پر بیٹھنے سے انکار ہے۔ بادشاہ نے اونٹنیوں پر ہی سوار آنے کی اجازت دے دی۔ ہم اپنی تلواریں لٹکائے بادشاہ کے

محل تک پہنچے۔ اپنی سواریاں وہاں بٹھائیں۔ بادشاہ اپنے محل کے بالا خانے سے ہمیں دیکھ رہا تھا ہم نے اُترتے ہی کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَر۔ خدا جانتا ہے کہ ہماری آوازِ تکبیر سے سارا محل لرز اُٹھا۔ گویا آندھیوں نے اس کو ہلا دیا ہو۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ تم کو اپنے دین کا اس طرح مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ پھر ہمیں بلا بھیجا۔ ہم داخل دربار ہوئے۔ وہ اپنی مسند پر بیٹھا ہوا تھا اور پوپ' پادری اور عمائد سلطنت اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی مجلس کی ہر چیز سرخ تھی۔ سارا ماحول سرخ۔ اس کے کپڑے بھی سرخ۔ ہم اس کے قریب گئے۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ تم آپس میں جس طرح سلام کرلیا کرتے ہو' مجھے کیوں نہیں کیا؟ اس کے پاس ایک فصیح الکلام عربی جاننے والا ترجمان موجود تھا۔ ہم نے اس کے ذریعہ یہ کہا کہ ہم باہم جو سلام کہہ لیا کرتے ہیں وہ آپ کے لئے سزاوار نہیں اور آپ کا جو طریقہ ادب وسلام ہے وہ ہمارے لئے سزاوار نہیں کہ وہ طریقہ تعظیم' وہ شیوۂ سلام وکلام ہم آپ کے لئے برتیں۔ اس نے کہا کہ تمہارا باہمی سلام کیسا ہوتا ہے؟ ہم نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ۔ اس نے کہا تم اپنے بادشاہ کو کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا' انہیں بھی اسی طرح' اس نے کہا کہ وہ کس طرح جواب دیتے ہیں؟ ہم نے کہا وہ بھی یہی الفاظ کہہ کر جواب دیتے ہیں۔ اس نے پوچھا تمہارا امتیازی نعرہ کیا ہے؟ ہم نے کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر۔ جب ہم نے بآواز بلند یہ کہا تو سارا محل لرز گیا۔ حتیٰ کہ وہ گھبرا کر سر اُٹھا کر دیکھنے لگا کہ چھت تو نہیں گرے گی۔ وہ کہنے لگا یہ کلمہ جو تم نے کہا' جس سے مکان ہل گیا تو جب کبھی تم اپنے گھروں میں کہتے ہو تو کیا تمہارے گھر بھی کانپ اُٹھتے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں۔ ہم نے ایسا کبھی نہیں دیکھا بجز آپ کے محل کے۔ کہا کیا اچھا ہوتا کہ جب کبھی تم لوگ یہ نعرے لگاتے تو تمہاری ہر چیز بھی لرز اُٹھتی اور اس نعرے کی زد سے میرا آدھا ملک مار کھا جاتا اور آدھا رہ جاتا۔ ہم نے پوچھا' ایسا کیوں؟ تو کہا یہ آسان ہے اس بات سے کہ امر نبوت مستحکم اور قائم ہو جائے۔ پھر ہم سے آنے کی غرض پوچھی۔

ہم نے مقصد تبلیغ بتا دیا۔ پوچھا تمہارا نماز روزہ کیسا ہوتا ہے؟ ہم نے بتا دیا۔ اس نے اب ہمیں رخصت کیا۔ ہمیں ضیافت خانے میں ٹھہرایا۔ ہماری مہمانی کی۔ ہم وہاں تین دن ٹھہرے۔ پھر ایک رات ہمیں بلایا۔ ہم گئے۔ پھر ہم سے دریافت کیا۔ پھر ہم نے اپنا مقصد دہرایا۔ اب اس نے ایک بہت بڑی چیز سونے چاندی سے جڑاؤ منگوائی۔ اس میں چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے۔ ان میں دروازے لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک خانہ کا قفل کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں ایک سرخ تصویر بنی ہوئی تھی۔ ایک آدمی کی تصویر تھی۔ جس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ موٹی رانیں' لمبی اور گھنی داڑھی' سر کے بال دو حصوں میں نہایت خوبصورت اور لمبے لمبے۔ کہنے لگا کیا اس کو جانتے ہو۔ ہم نے کہا نہیں۔ کہنے لگا یہ آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کے جسم پر بہت بال تھے۔ پھر ایک اور ڈبے کا قفل کھولا۔ اس میں سے بھی ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں ایک گورے رنگ کے آدمی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ گھونگروالے بال۔ سرخ آنکھیں' بڑا سا سر۔ خوبصورت داڑھی۔ کہنے لگا یہ نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور ڈبے میں سے تصویر نکالی۔ بہت ہی گورا رنگ' خوبصورت سی آنکھیں۔ کشادہ پیشانی' منور چہرہ' سفید داڑھی ہنس مکھ' کہا جانتے ہو' کون ہیں؟ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک ڈبہ کھولا۔ ایک روشن اور گورے رنگ کی تصویر تھی اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ پوچھا گیا کیا انہیں جانتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ تصویر دیکھ کر ہم پر رقت طاری ہو گئی۔ وہ کہنے لگا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ پھر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم کیا یہ وہی ہیں؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہیں۔ اس تصویر کو دیکھ کر تم یہ سمجھ لو کہ آپ ہی کو دیکھا ہے۔ پھر کچھ دیر تک اس صورت کو گھورتا رہا۔

پھر کہا یہ آخری ڈبہ تھا لیکن میں نے اس کو سب کے آخر میں بتانے کے بجائے دوسرے ڈبے چھوڑ کر درمیان میں بتا دیا تا کہ تمہاری سچائی کا امتحان کروں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی' جو گندم گوں اور نرم صورت تھی۔ گھونگریالے بال' گڑی ہوئی آنکھیں' تیز نظر' پر جلال چہرہ' جڑے ہوئے دانت' موٹے ہونٹ' کہنے لگا یہ موسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔ اس کے متصل ایک اور تصویر تھی' جو شکل وصورت میں اس سے مشابہت رکھتی تھی۔ مگر یہ کہ بالوں میں تیل پڑا ہوا۔ کنگھی کی ہوئی۔ کشادہ پیشانی' آنکھیں بڑی کہنے لگا یہ ہارون علیہ السلام بن عمران ہیں۔ پھر ایک ڈبہ میں سے ایک تصویر نکالی۔ گندمی رنگ۔ میانہ قامت' سیدھے بالوں والا' چہرے سے رنج وغضب آشکار۔ کہنے لگا یہ لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک سفید رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا۔ ایک سنہرے رنگ کا آدمی جس کا قد طویل تھا۔ رخسار ہلکے تھے۔ چہرہ خوبصورت تھا۔ کہا یہ حضرت اسحٰق ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا۔ اس میں سے سفید ریشمی کپڑا نکال کر ہمیں دکھایا۔ اس کی شکل اسحٰق کی تصویر سے بہت مشابہ تھی مگر اس کے ہونٹ پر تل تھا' کہا یہ یعقوب علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک سیاہ کپڑے کی تصویر بتائی' گورا رنگ' بہت خوبصورت چہرہ' پُر نور اور اخلاص وخشوں کے آثار نمایاں' رنگ سرخی مائل' کہا یہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور ڈبے میں سے سفید ریشمی کپڑا نکالا جس کے اندر کی تصویر آدم علیہ السلام کی تصویر سے ملتی جلتی تھی۔ چہرہ آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ کہا یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی' سرخ رنگ' پُر گوشت پنڈلیاں' بڑی آنکھیں' بڑا پیٹ' ٹھنگنا قد' شمشیر آویزاں' کہا یہ داؤد علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی۔ موٹی رانیں' لمبے پاؤں' گھوڑے پر سوار' کہا یہ سلیمان علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور تصویر نکالی۔ جوان' سیاہ داڑھی' گھنے بال' خوبصورت آنکھیں' خوبصورت چہرہ' کہا یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ ہم نے پوچھا یہ تصویریں آپ کو کہاں سے ملیں؟ ہم جانتے ہیں کہ یہ تصویریں ضرور انبیاء کی ہوں گی۔ کیونکہ ہم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر صحیح پائی ہے۔ پھر کہنے لگا کہ آدم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ میری انبیاء اولاد کو مجھے بتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کی تصویریں حضرت آدم علیہ السلام کو دیں۔ اسے آدم علیہ السلام نے مغربی ملک میں محفوظ رکھ دیا تھا۔ ذوالقرنین نے اس کو نکالا اور دانیال علیہ السلام کے سپرد کیا۔ پھر کہنے لگا کہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ اپنا ملک چھوڑ دوں اور تم میں سے کسی کمتر کا غلام ہو رہوں۔ حتیٰ کہ مجھے موت آ جائے۔ اب ہمیں رخصت کر دیا۔ انعام واکرام دیا۔ جانے کے انتظامات کر دیئے۔ جب ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ ان سے واقعہ بیان کیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور کہا اگر اس کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا تو وہ ضرور ایسا کرتا۔ پھر فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ یہود اپنی کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پاتے ہیں۔

عطا یسار کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے میں نے ملاقات کی اور توریت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیش گوئی کو دریافت کیا۔ تو کہا ہاں خدا کی قسم توریت میں بھی آپ کا ایسا ہی ذکر ہے جیسے قرآن میں ہے کہ اے نبی ہم نے تم کو امت کا گواہ بنایا اور جنت کی خوشخبری دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا اور عوام کا پشت پناہ بنایا ہے۔ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ تمہارا نام متوکل ہے۔ تم نہ سخت گیر ہو نہ سنگ دل۔ تم کو اس وقت تک اللہ تعالیٰ وفات نہ دے گا' جب تک کہ غلط راہ چلنے والی اس قوم کو تم سیدھا نہ کر لو اور جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور ان کے دلوں سے پردے نہ اُٹھ جائیں اور کان سننے اور آنکھیں دیکھنے لگیں۔ پھر عطا کی ملاقات حضرت کعب سے ہوئی۔ تو یہی سوال ان سے کیا' تو بیان میں ایک حرف کا بھی اختلاف نہ پایا۔ سوا اس کے کہ وہ اپنی زبان میں غلفا کو غلوفیاً اور صما کو صوموماً اور عمیاً کو عموماً کہتے تھے لیکن یہ جملے بڑھا دیئے گئے کہ وہ بازاروں میں شور وغوغا نہ کریں گے۔ وہ بڑائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے ہیں۔ درگزر کر دیتے ہیں اور عبداللہ بن عمر

رضی اللہ عنہما کی حدیث کا ذکر کیا پھر کہا کہ سلف کے کلام میں لفظ توراۃ کا اطلاق عموماً کتب اہل کتاب پر ہوتا ہے اور کتب حدیث میں بھی کچھ ایسا ہی وارد ہے واللہ اعلم۔[1]

جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ میں شام کی طرف تجارت کی غرض سے نکلا۔ جب میں ملک شام کے قریب پہنچا تو اہل کتاب میں سے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا تمہارے ملک میں کوئی شخص نبی آیا ہوا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کیا تم اس کی تصویر پہچان سکتے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ تو وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جس میں تصویریں تھیں۔ مگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تصویر نہیں دیکھی۔ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ ایک اور شخص آیا۔ اس نے کہا' کیا بات ہے؟ ہم نے اس کو بتا دیا۔ تو وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دیکھی اور یہ بھی کہ تصویر میں ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے' جوان کے پیچھے انہیں تھامے کھڑا ہے؟ اس نے کہا یہ نبی تو نہیں ہے لیکن اگر ان کے بعد کوئی نبی ہوتا تو یہی ہوتا اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن ان کا جانشین ہوگا۔ اقرع مؤذن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک پادری کو بلانے کے لئے بھیجا۔ میں بلا لایا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کیا تم کتاب میں میرا ذکر پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ کتاب میں آپ کو قرن کہا گیا ہے۔ آپ نے اپنا درّہ اٹھا کر کہا' قرن کیا بات ہے؟ اس نے کہا اس سے مراد ہے مردِ آہنی ''امر شدید''۔ پھر عمرؓ نے کہا اچھا میرے بعد؟ کہا ہاں تمہارا جانشین ایک مرد صالح ہوگا لیکن وہ اپنے اہل قرابت کو بہت ترجیح دے گا۔ تو عمرؓ کہنے لگے ''خدا عثمان پر رحم کرے'' تین بار کہا' پھر کہا اس کے بعد کون؟ کہا' پارہ آہن کی طرح ایک شخص۔ عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ علیؓ مراد ہیں۔ آپ نے اپنا سر پکڑ لیا اور افسوس کرنے لگے۔ اس نے کہا یا امیر المومنین وہ خلیفہ صالح ہے لیکن وہ اس وقت خلیفہ ہوگا جب کہ تلوار میان سے نکال لی گئی ہوگی اور خون بہہ رہا ہوگا۔[2]

اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ نبی نیک باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے جو کتب مقدسہ میں درج ہے اور واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال تھا کہ خیر کے سوا کچھ نہ کہتے اور ہر بات سے روکتے جو شر کی ہوتی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب تم قرآن میں یہ پڑھو: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ تو کان لگا دو کہ شاید کوئی خیر کا حکم دیا جانے والا ہے یا کسی شر سے روکا جانے والا ہے اور سب سے اہم چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ یہ کہ خدا کی بلا شرکتِ غیرے عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ تمام انبیاء اسی کو لے کر بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر قوم کے اندر اپنے پیغمبر بھیجے ہیں کہ عبادت صرف اللہ کی کرو اور بتوں کی پرستش سے باز رہو۔ ابی اسید سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میری کوئی حدیث سنو' جس کو تمہارے دل مان لیں۔ تمہارے شعور اس سے نرم ہو جائیں اور تم یہ بات محسوس کرو کہ یہ بات تمہاری ذہنیت سے قریب تر ہے تو یقیناً تمہاری بہ نسبت میری ذہنیت اس سے قریب تر ہوگی۔ یعنی وہ میری حدیث ہو سکتی ہے اور اگر خود تمہارے دل اس حدیث کا انکار کریں اور وہ بات تمہاری ذہنیت اور شعور سے دور ہو تو سمجھو کہ تمہاری بہ نسبت میری ذہنیت سے دور ہوگی اور وہ میری حدیث نہ ہوگی۔[3]

---

[1] یہ روایت بظاہر بے حد نا قابل اعتماد ہے۔ افسوس کہ ابن کثیر نے اس طویل قصے کو نقل تو کر دیا ہے لیکن اس پر کوئی تنقید و جرح نہیں کی۔

[2] خدا جانے ابن کثیر ایسی روایات کہاں سے نقل کر رہے ہیں نہ حوالے اور نہ مآخذ کی نشاندہی اور سب سے بڑے افسوس کی بات یہ کہ ان روایات پر تنقید بھی نہیں کرتے۔

[3] یہ معیار ہے تو ٹھیک لیکن وہ ذوق وجدان اور اعلیٰ ذہنیت جو حدیث کی صحت وسقم کے بارے میں فیصلہ کر سکتی ہے خال خال ہی =

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنو تو اس کے بارے میں وہی گمان کرو جو زیادہ صحیح گمان ہو اور زیادہ پاکیزہ ہو۔ ارشاد باری ہے کہ ''اس نے طیبات تمہارے لئے حلال کر رکھے ہیں اور خبائث حرام کر دیئے ہیں'' جیسے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام۔ یہ حلال ہیں لیکن زبردستی حرام کر رکھے ہیں۔ اسے اپنی ذات اور تنگی کر لی ہے اور جو خبائث اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ہیں۔ جیسے خنزیر کا گوشت اور سود اور کھانے کی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی تھیں انہیں حلال کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز جو حلال کر رکھی ہے۔ اس کا کھانا بدن کو نفع بخشتا ہے۔ دین کا مددگار ہوتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا وہ جسم اور دین دونوں کے لئے مضر ہے۔ وہ لوگ جو عقلی طور پر خوبی اور خرابی جانچتے ہیں وہ اسی آیت سے تمسک کرتے ہیں۔ اس تخیل کا جواب بھی دیا گیا ہے لیکن یہاں ان تمام تفصیلات کا محل نہیں ہے اور اسی آیت سے حجت قائم کی ہے۔ ان علماء نے بھی جو یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی حلت اور حرمت سے متعلق کوئی حدیث نہ ہو تو حلال اور حرام کو جانچنے کا یہ معیار ہو سکتا ہے کہ بلحاظ افادیت کس چیز کو مفید اور طیب سمجھتے ہیں اور کس کو خبیث اور مضر سمجھتے ہیں۔ اس تخیل میں بھی بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ وہ بوجھ جو لوگوں کے دلوں پر تھا' رسول اس کو ہلکا کرتے ہیں اور رواج کی جن زنجیروں میں وہ جکڑے ہوئے تھے' رسول ان کو ہٹا دیتے ہیں۔ وہ آسانی اور بخشش و معافی لے کر آئے ہیں۔ جیسے حدیث ہے کہ میں آسان اور باطل کی آمیزش سے پاک دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ اور ابو موسیٰ اشعری کو امیر یمن بنا کر بھیجا تھا۔ تو ہدایت کی تھی کہ خوش مزاج اور خندہ جبیں بن کر رہو۔ لوگ تم سے وحشت نہ کریں۔ ان کے لئے آسانیاں پیدا کرو۔ تنگی نہ کرو۔ لوگوں میں عادت مان لینے کی ہوا' اختلافات کی ذہنیت نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو برزہ اسلمی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔ آپ کی آسانیاں بخشنے کا خوب مشاہدہ کر چکا ہوں۔ اگلی امتوں میں بڑی سختیاں تھیں۔ اس امت پر وہ احکام ہلکے کر دیئے گئے ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت سے دل کے خیالات اور ارادوں پر گرفت نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ زبان سے بول نہ چکیں یا عمل نہ کر چکیں۔ فرمایا کہ میری امت سے خطا اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے۔ بھول چوک سے اگر کچھ کیا ہو یا بحالت جبر کیا ہو تو اس کو قابل معافی سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے: ((رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَاطَاقَةَ لَنَابِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ))۔

صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ اس دعا کے ذریعے جو کچھ خدا سے مانگا جاتا ہے تو ہر سوال پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اچھا میں نے دیا میں نے قبول کیا۔'' قول باری ہے کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کرتے ہیں اور ان کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرتے ہیں' یہی لوگ دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاْ ۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ

...... = خال افراد کو نصیب ہے اور پھر اب تو محدثین نے حدیث اور غیر صحیح کا ایسا فیصلہ کر دیا کہ اس مسئلہ میں مزید رائے قائم کرنے میں گنجائش نہیں رہی۔ اس لئے ہر عامی اور ہر شخص کو اپنے ذوق کے مطابق حدیث کو رد و بدل کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ سو (کیسے) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (ایسے) نبی امی پر (بھی) جو کہ خود اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (نبی) کا اتباع کرو تا کہ تم راہ (راست) پر آ جاؤ۔ ○

رسول الثقلین (صلی اللہ علیہ وسلم) ☆

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب و عجم اور دنیا جہان کے لوگوں سے کہہ دو کہ میں سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور عظمت کی دلیل ہے کہ نبوت آپ پر ختم ہوگئی اور وہ قیامت تک ساری دنیا کے پیغمبر ہیں اور کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے۔ تمہیں تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے ارشاد باری ہے کہ جو قوم نبی کو نہ مانے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور فرمایا کہ ''اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب سے کہہ دو کہ اسلام لاتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ اسلام لائیں تو ہدایت پائیں گے۔ ورنہ تمہارا کام تو صرف تبلیغ کرنا تھا۔'' اس مضمون کی اس قدر زیادہ احادیث ہیں کہ شمار دشوار ہے اور دین اسلام کی یہ بات سب کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ میں کچھ تیز گفتگو ہوگئی۔ ابوبکرؓ نے عمر رضی اللہ عنہ کو ناراض کر دیا۔ عمرؓ رنجیدہ واپس ہو گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا اور عمرؓ سے معافی مانگنے کے لئے ان کے پیچھے ہی گئے۔ لیکن عمرؓ نے گھر میں آنے نہیں دیا۔ دروازہ بند کر لیا اب ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تمہارے اس ساتھی نے عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ دلایا ہے؟ پھر عمر رضی اللہ عنہ کو بھی صدیق رضی اللہ عنہ کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دینے پر ندامت ہوئی۔ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، سلام کر کے بیٹھ گئے اور واقعہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرؓ پر غصہ آ گیا۔ ابوبکرؓ یہ کہتے ہی رہ گئے کہ ''یا رسول اللہ زیادتی میری طرف سے ہوئی ہے۔'' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ ''کیا تم لوگ میرے دوست اور ساتھی کو چھوڑ دینا چاہتے ہو؟ میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں تو تم کہتے تھے کہ جھوٹ کہتے ہو اور ابوبکرؓ نے میری تصدیق کر دی تھی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں رات کی نماز پڑھنے کے لئے اُٹھے تو آپ کے بعض اصحاب آپ کی حفاظت و نگرانی کرنے لگے۔ نماز پڑھ لینے کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور فرمایا کہ آج رات پانچ چیزیں خصوصیت کے ساتھ مجھے دی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے یہ امتیازات کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں دیئے گئے تھے: (۱) یہ کہ میں دنیا جہان کے لوگوں کی طرف پیغمبر بن کر آیا ہوں اور اس سے پہلے کوئی بھی رسول صرف اپنی قوم ہی کی طرف رسول بن کر آتا رہا ہے (۲) مجھے صرف رعب ہی سے

دشمن پر نصرت حاصل ہو جاتی ہے' اگر چہ میرے اور اس کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہو۔ مگر اس پر میرا رعب چھا جاتا ہے۔ (۳) مال غنیمت میرے اور میری امت کے لئے حلال کر دیا گیا ہے لیکن مجھ سے پہلے مال غنیمت کو کھانا گناہ کبیرہ تھا' اس کو جلا دیا جاتا تھا (۴) ساری زمین میرے لئے پاک ہے اور مسجد ہے جہاں کہیں نماز کا وقت آیا اسی مٹی سے مسح کیا اور اسی مٹی پر نماز پڑھ لی۔ مجھ سے پہلے کے لوگ صرف اپنے گرجاؤں' کنیسوں اور مندروں میں عبادت کرتے تھے (۵) پانچویں یہ چیز کہ مجھ سے کہا گیا کہ ایک چیز کی اجازت ہے مانگ لو ہر نبی نے اپنی پسندیدہ چیز کی درخواست کی ہے۔ میں نے اپنا سوال یوم قیامت پر اُٹھا رکھا اور وہ تمہارے لئے ہے اور قائل توحید کے لئے ہے۔ اس کی اسناد بہت قوی ہیں اور جید ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت[2] سے کسی یہودی یا نصرانی نے میرے آنے کی خبر سن لی۔ مگر مجھ پر ایمان نہیں لایا تو جنت نہیں جا سکتا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں ایک دوسری طرح ہے مگر سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ قول باری ہے کہ آسمان وزمین کی بادشاہت اسی کی ہے' وہی جلاتا اور مارتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھے بھیجا ہے وہ ہر شے کا خالق ہے رب ہے مالک ہے۔ مارنا اور جلانا اس کی قدرت میں ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نبی اُمّی پر ایمان لاؤ۔ اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں' تم ان کا اتباع کرو۔ ان پر ایمان لاؤ۔ انہیں کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کتب مقدسہ میں انہیں کی بشارت ہے اور کتب سابقہ میں نبی اُمّی ہی کے الفاظ سے آپ کی تعریف کی گئی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو اس پر اور اس کے کلمات پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کرے تو صراط مستقیم کی طرف ہدایت پا جائے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو دین حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتی ہے۔ ○

حق نیوش ☆

آگاہ فرمایا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایسے بھی لوگ ہیں جو امر حق کی پیروی کرتے ہیں' حق کی رہبری کرتے ہیں اور عدل وانصاف کو سامنے رکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ''اہل کتاب میں بھی ایک جماعت ہے جو راتوں کو آیات خدا کی تلاوت کرتی ہے اور نمازیں پڑھتی ہے اور فرمایا کہ بعض اہل کتاب' اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تم پر اور ان پر جو کچھ اترا ہے' سب کو مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔ دوسرے اہل کتاب کی طرح اللہ کی آیتوں کو روپے کے لالچ میں نہیں بیچتے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ان کو بڑا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب والا ہے۔ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ کلام حق ہے۔ ہم اب بھی مسلمان ہیں اس سے پہلے مسلمان تھے۔ انہیں ان کے صبر کا دو دفعہ اجر دیا جائے گا اور فرمایا کہ جنہیں کتاب دی

[1] اگر پانی نہ ملتا ہو۔

[2] آنحضور ﷺ کی دو امتیں ہیں ایک ''امت دعوت'' دوسری ''امت اجابت'' آپ ﷺ کی امت دعوت میں تمام انسان شریک ہیں اور سب کی طرف آپ ﷺ پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث ہوئے ہیں اور ''امت اجابت'' صرف وہی جماعت ہے جس نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کی اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئی۔ اس حدیث میں امت سے امت دعوت مراد ہے امت اجابت مراد نہیں۔

گئی ہے وہ اس کا حق تلاوت ادا کرتے ہیں۔ یہی مومن لوگ ہیں اور فرمایا کہ وہ لوگ جنہیں اس سے علم دیا گیا ہے۔ یعنی کتاب' جب یہ کتاب انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ تو سر کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور سجدے میں ان کا خشوع و خضوع بہت بڑھ جاتا ہے۔''

بنی اسرائیل نے جب اپنے انبیاء کو قتل کیا اور کفر اختیار کیا تو بارہ گروہ تھے۔ ان میں سے ایک گروہ بقیہ گیارہ کے عقائد سے بیزار تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ''اے اللہ! ہم میں اور ان میں تفریق کر دے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر ان کے لئے ایک سرنگ پیدا کر دی۔ وہ اس میں چلتے رہے۔ یہاں تک وہ اسی راہ ملک چین تک جا نکلے۔ وہاں ہمارے موحد مسلمان تھے جو ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ اب زمین پر رہو بسو اور جب وعدۂ آخرت آئے گا تو ہم تمہیں حاضر کریں گے۔ کہتے ہیں کہ سرنگ میں ڈیڑھ سال تک چلتے رہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِیْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ع ۲۰ ۵ ۱۰

اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعتیں مقرر کر دیں اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے

موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو (بس مارنے کی دیر تھی) فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ (چنانچہ) ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقعہ معلوم کر لیا اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے ان پر ابر کو سایہ فگن کر دیا اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ان کو ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں اور (اجازت دی کہ) کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) اور (عاجزی سے) جھکے جھکے دروازہ میں داخل ہونا۔ ہم تمہاری پچھلی خطائیں معاف کر دیں گے۔ (یہ تو سب کے لئے ہوگا) اور جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید برآں اور دیں گے۔ سو بدل ڈالا ان ظالموں ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی۔ اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کے منافی کرتے تھے۔ ○

ان تمام آیتوں کی تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وہ مدنی سورت ہے اور یہ سیاق آیت مکی ہے۔ ان آیتوں اور ان آیتوں کا ذکر بھی ہم نے کر دیا ہے اسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾

اور آپ ان (اپنے ہم عصر یہودی) لوگوں سے (بطور تنبیہ) اس بستی کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھئے جبکہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد (شرعی) سے نکل رہے تھے جبکہ ان کے پاس ہفتہ کے روز تو ان (کے دریا) کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتیں۔ ہم ان کی اس طرح پر (شدید) آزمائش کرتے تھے۔ اس سبب سے وہ پہلے سے بے حکمی کیا کرتے تھے۔ ○

احکام اللہ سے تلاعت کا عبرتناک انجام ☆

اللہ پاک کا قول ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ﴾ یعنی تم ان لوگوں کو جانتے ہو جو سنیچر کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کر گئے۔ اللہ پاک اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ جو یہودی تمہارے پاس ہیں ان سے ان لوگوں کے واقعات دریافت کرو۔ جنہوں نے امر خداوندی کی مخالفت کی۔ پھر ان کی سرکشی کی کیسی سزا انہیں دی گئی اور انہیں اس بات کے نتیجہ بد سے ڈراؤ۔ جو تمہاری ان صفات کو چھپاتے ہیں جو اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔ تا کہ اس زمانہ کے یہودی بھی اسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ جن میں ان کے پہلے مبتلا کئے گئے تھے۔ اس بستی کا نام ایلہ تھا اور یہ بحر قلزم کے کنارے پر واقع تھی اور اس آیت میں کہ ''ان کی بستی والوں سے پوچھو جو سمندر کے کنارے رہتے ہیں۔'' جس بستی کا ذکر ہے اس کا نام از روئے بیان ابن عباس رضی اللہ عنہما ایلہ تھا۔ جو مدین اور طور کے درمیان واقع ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام متنا ہے اور وہ مدین اور عینونا کے درمیان واقع ہے۔ یَعْدُوْنَ کا مطلب ہے کہ وہ یوم سبت کے بارے میں حکم خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں اور

اس دن تو وہ مچھلیاں کثرت سے چڑھی آتی تھیں اور پانی پر پھیل جاتی تھیں اور جب سنیچر کا دن نہیں ہوتا تھا تو کنارے تک ہرگز نہ آتیں۔ یہ ہم نے کیوں کیا؟ صرف اس لئے کہ ان کی اطاعت کو آزمائیں کہ شکار کی ممانعت کرنے والے روز تو مچھلیاں خلاف توقع زد میں رہتیں اور جن دنوں شکار حلال ہے' چھپ جاتیں۔ یہ ایک آزمائش تھی کیونکہ وہ طاعت اللہ سے کوتاہی کرتے تھے لیکن ان لوگوں نے خدا کی حرمت کو توڑنے کے لئے مختلف طریقوں سے حیلے ڈھونڈے اور ممنوع کا ارتکاب کرنے کے لئے چور دروازے سے گھسنا چاہا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہ کرو جیسا کہ یہود نے کیا کہ حیلے سوچ سوچ کر حرام کو حلال کر لیا۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور (اُس وقت کا حال پوچھئے) جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو' جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرتے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے (اور اپنے) رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور (نیز) اس لئے کہ شاید یہ ڈر جائیں (سو آخر) جب اس امر کے تارک ہی رہے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا (یعنی نہ مانا) تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری بات سے منع کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو (حکم مذکور میں) زیادتی کرتے تھے۔ ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ یعنی جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا۔ اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو (براہ قہر) کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ۔ ○

اَمر بالمعروف کی برکات ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بستی والے تین قسم کے ہو گئے۔ ایک تو وہ جنہوں نے ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنے کا حیلہ کے ممنوع کا ارتکاب کیا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے ان مرتکبین گناہ کو منع کیا' روکا اور اس فعل میں ان سے الگ رہے اور تیسری وہ جماعت' جو اس بارے میں بالکل خاموش رہی۔ نہ خود ایسا کیا نہ کرنے والوں کو روکا۔ بلکہ منع کرنے والوں سے کہا کہ "ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ۔ جنہیں اللہ ہلاک کرنا اور عذاب دینا چاہتا ہو۔ تم جانتے ہو کہ یہ مستحق عذاب ہو گئے ہیں۔ نصیحت کا کوئی اثر نہیں لیتے۔" تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کے پاس ہم تو معذور سمجھے جائیں کہ کیوں نہیں روکا تھا کیونکہ اچھی باتیں سکھانا اور بری باتوں سے روکنا چاہئے۔ بعض نے معذِرةً کے بجائے مَعْذِرَةٌ

پڑھا ہے۔ یعنی یہ معذرت ہے اور بعض نے مَعْذِرَۃً یعنی ہم معذرت کی خاطر انہیں روکتے ہیں اور کیا عجب کہ وہ اس سے باز آ جائیں اور خدا کے پاس توبہ کرلیں لیکن جب انہوں نے قبول نصیحت سے انکار کر دیا تو جو لوگ برائی سے انہیں روک رہے تھے ان کو تو ہم نے بچالیا اور ان کا ارتکاب معصیت کرنے والے ظالموں کو ہم نے پکڑ لیا اور انہیں دردناک عذاب دیا۔ یہاں روکنے والوں کی نجات اور گنہگاروں کی ہلاکت بتائی گئی اور غیر جانبدار لوگوں کے بارے میں سکوت اختیار کرلیا گیا۔ اس لئے جزا ویسی ہی ہوتی ہے جیسا عمل ہوتا ہے۔ اس وہ نہ مستحق مدح ہوئے کیونکہ مدح کے قابل کام نہیں کیا تھا اور نہ مستحق مذمت ہوئے کیونکہ ارتکاب گناہ نہیں کیا تھا۔ پھر ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا ان کی نجات ہوئی ہوگی یا ہلاکت ہوئی ہوگی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مچھلیاں ہفتہ کے روز تو بہت آتیں' لیکن دوسرے دنوں میں نہ آتیں۔ اس پر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان میں سے بعض ہفتہ کے روز بھی مچھلیاں پکڑنے لگے۔ تو بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ اس روز تو مچھلیوں کا شکار حرام ہے لیکن ان کی سرکشی قائم رہی لیکن کچھ لوگ انہیں برابر منع کرتے رہے۔ جب اس پر بھی کچھ عرصہ گزر گیا تو روکنے والوں کی ایک جماعت نے بعض دوسرے روکنے والوں سے کہا کہ ان کم بختوں کو منع کرنے سے کیا فائدہ؟ ان پر خدا کا عذاب محقق[1] ہو چکا ہے۔ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہو یہ لوگ منع کرنے والوں کی بہ نسبت راہ خدا میں زیادہ غضبناک تھے۔ چنانچہ منع کرنے والوں نے کہا کہ خدا ہمیں معاف کرے۔ ہم معذرت کرتے ہیں۔ گویا یہ دونوں جماعتیں بھی منع کرنے والوں کی تھیں۔ چنانچہ جب خدا کا غضب نازل ہوا ہے تو یہ دونوں جماعتیں تو بچ گئیں اور یہ چور دروازے سے بھاگنے والے سرکش گنہگار بندر بنا دیئے گئے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا' وہ آبدیدہ تھے اور مصحف ان کی گود میں تھا۔ میں اس بات کو اہم سمجھ کر ان کے پاس گیا۔ آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا' قرآن کے یہ ورق رلا رہے ہیں۔ سورہ اعراف زیر تلاوت تھی کہنے لگے ایلہ کیا جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگے ایلہ میں یہود لوگ بستے تھے۔ انہیں ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی۔ ان کی آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن ہی نکلیں۔ ہفتہ کے دن دریا مچھلیوں سے پٹے رہتے تھے۔ تروتازہ' موٹی اور عمدہ بکثرت مچھلیاں پانی کے اوپر کودتی پھاندتی رہتی تھیں۔ ہفتہ کے سوا دوسرے دنوں میں سخت کوشش کے بعد ملتی تھیں۔ کچھ دنوں تو یہ لوگ حکم خدا کی عظمت کرتے رہے اور انہیں پکڑنے سے رکے رہے لیکن شیطان نے ان کے دلوں میں یہ خیال قائم کیا کہ ممانعت تو ہفتہ کے روز مچھلیوں کے کھانے کی ہے۔ تم ہفتہ کو انہیں پکڑ سکتے ہو لیکن کھا نہیں سکتے دوسرے روز کھا لینا۔ یہ خیال ایک جماعت کا ہو گیا لیکن دوسری جماعت نے کہا کہ کھانے اور پکڑنے دونوں کی ممانعت ہے۔ غرض یہ کہ اس بحث کے بعد جمعہ کا دن آیا تو لوگ اپنی عورتوں اور بچوں کو لے کر نکلے۔ ان کے داھنی طرف روکنے والی جماعت تھی' جو ان سے الگ رہی اور بائیں طرف دوسری جماعت تھی۔ جس نے خاموشی اختیار کر لی۔ سیدھی جانب والوں نے کہا "دیکھو ہم تمہیں منع کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] اگر کوئی شخص کسی گناہ پر اصرار کرتا ہے اور سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس کے لئے مقدر ہو چکا۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے بھی ان کی سرکشی وغیرہ کو دیکھ کر سمجھا کہ اب اللہ تعالیٰ کا قہر و عذاب ان کے لئے طے ہے۔ جب ہی تو یہ اپنی حرکتوں کو نہیں چھوڑ رہے ہیں۔

عذاب کے مستحق بن جاؤ۔'' اور بائیں طرف والوں نے کہا کہ ''ارے اس ہلاک ہونے والی اور مبتلائے عذاب ہونے والی قوم کو کیا نصیحت کر رہے ہو۔ کب ماننے والے ہیں؟ اصحاب یمین نے کہا' خدا ہمیں معاف کرے۔ اس لئے ہم روک رہے ہیں کہ شاید رک جائیں ہماری تو دلی خواہش ہے کہ انہیں مستحق عذاب نہ ہوں۔ اگر وہ باز نہ آئے تو خدا معاف کرے لیکن وہ لوگ خطا پر قائم رہے۔ تو انہوں نے کہا اے دشمنان خدا تم نے نہ مانا خدا کی قسم ہم کو تو اندیشہ ہے کہ تم پر دن بھی نہ نکلے گا یا تو زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے یا پتھر برس پڑیں گے یا ایسا ہی کوئی اور عذاب۔ یہ منع کرنے والے اور چپ رہنے والے عذاب خدا سے ڈر کر شہر سے باہر ہی رہ گئے اور یہ گناہگار شہر کے اندر رہے۔ شہر پناہ کا دروازہ اندر سے لگا لیا۔ اب باہر رہنے والے صبح ہی فصیل کے دروازے پر پہنچے۔ لوگ باہر نکلے ہوئے نہیں تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ بہت کچھ کھٹکھٹایا۔ آوازیں دیں لیکن کچھ جواب نہ ملا۔ اب فصیل کی دیوار کے اوپر سیڑھیاں لگا کر چڑھے۔ دیکھا کہ سب بندر بنے ہوئے ہیں۔ ان کی لمبی لمبی دمیں ہیں۔ اب شہر پناہ کا دروازہ کھلا۔ اندر داخل ہوئے۔ ان بندروں نے اپنے عزیزوں کو پہچان لیا۔ لیکن انسان نے اپنے عزیز بندروں کو نہیں پہچانا۔ یہ نزدیک آتے' ان کے پاؤں پر لوٹتے' تو انسان ان سے کہتے کہ کیا ہم تم کو منع نہیں کرتے تھے تو سر ہلا کر کہتے کہ ہاں......!۔

پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی ''جب انہوں نے نصیحت نہیں مانی تو منع کرنے والوں کو ہم نے بچا لیا اور ظالموں کو مبتلائے عذاب کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ منع کرنے والوں کو تو میں جانتا ہوں کہ نجات پا گئے لیکن دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں سمجھتا[1]۔ مصیبت تو یہ ہے کہ ہم بھی لوگوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن کچھ نہیں کہتے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا' میں آپ پر فدا' یہ دوسرے بھی تو ان گنہگاروں سے بہت ناراض تھے اور ان کی مخالفت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس ہلاک ہونے والی قوم کو نصیحت کر کے کیا کرو گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عذاب میں شریک نہیں بنائے جا سکتے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوش ہو کر مجھے دو اچھے کپڑے انعام میں دیئے کہتے ہیں کہ یہ مچھلیاں ہفتہ کے روز ساحل پر بہت دکھائی دیتیں اور شام ہو جاتی تو دوسرے ہفتہ کے آنے تک نہ دکھائی دیتیں۔ ایک وقت ایک آدمی جال ڈوریاں اور میخیں لے کر گیا اور وہاں لگا دیا۔ ایک بڑی سی مچھلی ہفتہ کے روز اس میں لگ گئی اور ہفتہ کا دن گزرنے پر جب اتوار کی رات آئی تو یہ مچھلی پکڑی اور بھون کر کھانے لگا۔ مچھلی کی بو پا کر لوگ اس کے پاس دوڑے آئے اس سے پوچھا' اس نے انکار کیا اور جب بہت اصرار کیا کہ اس نے ایک مچھلی پکڑی تھی اور جب دوسرا ہفتہ آیا تو پھر اس نے ایسا ہی کیا اور یک شنبہ میں اس نے بھون کر کھایا۔ لوگوں نے مچھلی کی خوشبو پا کر پھر آ کر اس سے پوچھا' تو کہا تم بھی ایسا ہی کرو' جیسا میں کرتا ہوں۔ ان لوگوں نے پوچھا تو کیا کرتا ہے۔ اس نے انہیں حیلہ بتا دیا۔ تو دوسرے لوگ بھی اس حیلہ پر عمل کرنے لگے۔ حتیٰ کہ یہ بات عام ہو گئی۔ ان کا ایک شہر تھا' جس کو ربض کہتے تھے۔ اس شہر کا دروازہ رات میں بند کر دیتے تھے۔ چنانچہ رات ہی رات میں ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ ان کے پڑوس کے دیہاتی جو ان کی بستی کے اطراف ہی رہتے تھے اور صبح طلب معاش میں اندر جاتے تھے تو دروازے کو بند پایا۔ آوازیں دیں' جواب نہ ملا۔ دیوار کے اوپر چڑھ کر دیکھا تو وہ بندر بن چکے تھے نزدیک آ رہے تھے اپنے لوگوں سے لپٹ رہے تھے۔ سورہ بقرہ

---

[1] یعنی یہ لوگ نہ تو خود اس سرکشی میں مبتلا تھے اور نہ ہی گنہگاروں کو اس اقدام سے روکتے تھے بلکہ منع کرنے والوں سے بھی کہتے تھے کہ تم بھی ان کو منع نہ کرو کیونکہ یہ ہرگز نہ مانیں گے ان ہی کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہہ رہے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ ان کا انجام کیا ہوا۔

میں اس کی تفصیل ہم نے بیان کردی ہے۔

دوسرا قول ایک یہ بھی ہے کہ ساکت رہنے والے لوگ بھی عذاب میں مبتلا ہوئے تھے کیونکہ یہ لوگ انہیں بھونتے اور کھاتے دیکھ کر بھی منع نہیں کرتے تھے صرف ایک جماعت نے منع کیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ عمل عام طور پر تقلید کیا جانے لگا۔ تو ان بعض لوگوں نے کہا کہ کیوں ان ظالموں کو منع کرتے ہو۔ انہیں عذاب شدید سے سابقہ پڑنے والا ہے۔ ہم تو ان کے اس عمل سے سخت ناراض ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ تین فریق تھے۔ ان میں سے صرف منع کرنے والے بچے۔ باقی دونوں مبتلائے عذاب ہوئے۔ لیکن عکرمہ کے کہنے کے بعد پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور انہیں انعام میں حلہ اور لباس دیا اور اس قول سے تو یہ رجوع والا قول بہتر ہے کہ سکوت کرنے والے لوگ بھی نجات پا گئے تھے اور قول باری تعالیٰ: ﴿اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕیْسٍ﴾ سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ ان کے سوا دوسرے دو قسم کے جو لوگ بچ گئے انہیں ضرور نجات مل گئی ہوگی۔ بَىِٕیْسٍ کے معنی شدید کے ہیں یا الیم کے ہیں یا دردناک ہیں۔ یہ سب معنی آپس میں قریب اور ایک دوسرے کے مناسب ہیں۔ واللہ اعلم۔ خَاسِئِیْنَ کے معنی ذلیل وحقیر کے ہیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؁۱۶۷

اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ جب آپ کے ربّ نے یہ بات بتلادی کہ وہ ان یہود پر قیامت (کے قریب) تک ایسے (کسی نہ کسی) شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید کی تکلیف پہنچاتا رہے گا۔ بلاشبہ آپ کا ربّ واقعی (جب چاہے) جلدی ہی سزا دے دیتا ہے اور بلاشبہ واقعی اگر کوئی باز آجائے (تو) بڑی رحمت والا اور بڑی مغفرت والا بھی ہے۔ ○

ابدی پھٹکار ☆

تَاَذَّنَ بروزن تَفَعَّلَ اذان سے مشتق ہے۔ یعنی حکم دیا یا معلوم کرایا اور چونکہ اس آیت میں قوت کلام کی شان ہے۔ اس لئے لَیَبْعَثَنَّ کا (ل) معنائے قسم کا فائدہ دے رہا ہے۔ اس لئے (ل) کے بعد ہی یَبْعَثَنَّ یعنی ان کے عصیان ومخالفت اور ہر بات میں حیلہ جوئی کے سبب انہیں ذلت وحقارت کا عذاب ملتا رہے گا کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سات یا تیرہ سال تک خراج لگا رکھا تھا اور سب سے پہلے خراج آپ ہی نے لگایا۔ پھر ان یہودیوں پر یونانیوں' کشد انیوں' کلد انیوں کا تسلط رہا۔ پھر نصرانیوں کے تحت غضب رہے۔ وہ انہیں ذلیل کرتے رہے' جزیہ اور خراج لیتے رہے۔ اسلام آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنا غلبہ رکھا۔ وہ ذمی تھے جزیہ دیتے رہے۔ پھر آخر کار وہ دجال کے مددگار بن کر نکلیں گے لیکن مسلمانوں ان کو قتل کردیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس غرض سے مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ یہ سب قرب قیامت کے وقت ہوگا قولہٗ ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ گنہگاروں سے بہت جلد بدلہ لینے والا ہے لیکن وہ بڑا غفور رحیم ہے جو توبہ کرتا ہے وہ اسے بخش دیتا ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے کہ عذاب اور رحمت دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہے۔ تاکہ عذاب سے ڈرانے کے سبب لوگ یاس میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ اس لئے ترغیب وترہیب دونوں ساتھ ہیں۔ تاکہ لوگ خوف ورجا کے درمیان رہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور ہم نے دنیا میں ان کی متفرق جماعتیں کر دیں بعضے ان میں نیک تھے اور بعضے ان میں اور طرح کے تھے (یعنی بد) اور ان کو خوش حالیوں (رحمت وعنا) اور بدحالیوں (بیماری وفقر) سے آزماتے رہے کہ شاید اس سے باز آ جائیں۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ جانشین ہوئے کہ کتاب (توراۃ) کو ان سے حاصل کیا اس دنیائے دنی کا مال متاع لے لیتے ہیں اور (اس گناہ کو حقیر سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی۔ حالانکہ اگر ان کے پاس (پھر) ویسا ہی مال متاع (دین فروشی کے عوض) آنے لگے۔ تو اس کو لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ (بھی) لیا اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے (اس دنیا سے) بہتر ہے جو (ان عقائد و اعمال قبیحہ سے) پرہیز رکھتے ہیں پھر کیا (اے یہود) تم نہیں سمجھتے اور (ان میں سے) جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔ ○

مختلف جماعتیں، مختلف کام ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گروہ در گروہ کر کے دنیا میں پھیلا دیا۔ جیسا کہ فرمایا ''اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ زمین پر سکونت پذیر رہو جب آخرت کا دن آئے تو ہم پھر تم کو جمع کر لیں گے۔ اس بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جو اچھے نہیں ہیں۔ جیسا کہ جن کہتے تھے کہ ہم میں صالح جن بھی ہیں اور غیر صالح بھی۔ ہمارے بھی مختلف فرقے ہوتے ہیں۔ ہم نے انہیں راحت وآرام کا زمانہ اور خوف وبلا کا زمانہ دے کر دونوں طرح آزمایا۔ تاکہ وہ عبرت حاصل کر کے برے کاموں سے باز آ جائیں۔ پھر فرمایا کہ ''اس کے بعد اس کے جانشین ایسے ناخلف ثابت ہوئے کہ کتاب کے وارث ہونے کے باوجود اس دنیا کی تھوڑی سی دولت وشان وشوکت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان جانشینوں میں

کوئی خیر نہیں۔ یہ توریت کو پڑھنا صرف اپنا ہی حق سمجھتے ہیں' دوسروں کو پڑھانا نہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں بلکہ یہ آیت تو اور بھی عام ہے۔ نصاریٰ اور غیر نصاریٰ سب حق فروشی کرتے ہیں اور اس سے دنیا حاصل کرتے ہیں اور اپنے نفس کو یوں بہلا لیتے ہیں کہ پھر توبہ کر لیں گے لیکن اس جیسی دوبارہ کوئی وجہ پیدا ہو گئی تو پھر حسب سابق دنیا کے عوض دین کو بیچ دیا۔ آیتوں میں تحریف کر دی۔ غلط مسئلہ اور غلط فتویٰ بتا دیا۔ دنیاوی جو چیز بھی حاصل کرنے کی صورت پیدا ہو گئی۔ پھر نہ حلال کو دیکھا نہ حرام کو' لے لیا اور پھر توبہ کرنے کو بیٹھ گیا۔ توبہ کی اور خدا سے مغفرت کی دعا کی اور پھر دنیا کا کوئی مال سامنے آیا تو ان کے قدم ڈگمگائے۔ خدا کی قسم یہ بڑے ناخلف لوگ تھے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد یہی لوگ توریت وانجیل کے وارث تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب میں ان سے عہد بھی لے لیا تھا اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان اچھے لوگوں کے بعد ایسے برے جانشین آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سے لمبی چوڑی امیدیں باندھ رکھیں اور اپنے نفس کو دھوکا دیتے گئے۔ دنیا کمانے کا موقع آیا تو پھر کچھ نہ دیکھا۔ کوئی چیز گناہ کے ارتکاب سے انہیں نہ روک سکی۔ جو ملا کھا گئے نہ حلال کی پروا کی' نہ حرام کی۔ بنو اسرائیل کا جو قاضی ہوتا تھا۔ وہ رشوت خور ہوتا تھا۔ ان کے اچھے لوگ اس رشوت خور حاکم کو نکال کر دوسرے کو لاتے۔ اس کو تاکید رہتی کہ رشوت لے کر مقدمات کا فیصلہ نہ کیا کرے۔ وہ وعدے وعید کر کے جب قاضی اور جج بن جاتا تو دونوں ہاتھوں سے رشوت لینے لگتا اور کہتا کہ ارے اللہ بخشنے والا ہے۔ دوسرے اس پر اعتراض اور طعن وتشنیع کرنے لگتے لیکن جب یہ رشوت خور مر جاتا' یا معزول کر دیا جاتا اور یہی طعن کرنے والا قاضی بنا دیا جاتا تو یہی شخص خود رشوت لینے لگتا۔ اسی لئے اللہ پاک فرماتا ہے کہ دنیا ان کے پاس آئی اور انہوں نے اسے سمیٹنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا کتاب میں ان سے عہد نہیں لیا گیا تھا کہ حق بات کے سوا کوئی بات خدا کی طرف تم لوگ منسوب نہ کرنا۔ عہد یہ لیا گیا کہ لوگوں کو حق بات کی تلقین کرنا اور حق بات کو چھپانا نہیں لیکن انہوں نے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑے سے روپوں کی خاطر آیتوں میں تحریف کر دی یا ان کا غلط مطلب نکال لیا۔ ان کی کمائی کیا بری کمائی ہے۔ وہ خدا سے تمنا رکھتے ہیں گناہوں کی بخشش کی۔ بخشش کی آرزو تو رکھتے ہیں مگر گناہوں کو چھوڑتے نہیں۔ توبہ پر قائم رہتے نہیں کہ اللہ پاک بڑے اجر کی ترغیب دے رہا ہے اور گناہوں کے نتیجہ' بد سے ڈرا رہا ہے۔ ان دین بیچنے والوں کو کیا ذرا بھی عقل نہیں؟ پھر اللہ پاک ان لوگوں کی تعریف فرماتا ہے' جنہوں نے کتاب خداوندی سے تمسک کر رکھا ہے۔ جو انہیں اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا رہی ہے اور یہ چیز ان کی کتاب توریت وانجیل میں درج ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جو کتاب خداوندی کو تھامے ہوئے ہیں۔ اس کے امر ونواہی پر عمل کرتے ہیں' گناہوں سے باز رہتے ہیں' نمازیں پڑھتے ہیں تو ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۹ ۲۱

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرف ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ (جلدی) قبول کرو جو کتاب ہم نے دی ہے (یعنی تورات) اور مضبوطی کے ساتھ (قبول کرو) اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔ ○

پہاڑ سر پر ☆

اور جب کہ ہم نے ان کے سروں پر پہاڑ کو مثل سائبان کے لٹکا دیا' جیسا کہ: ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ......﴾ سے ظاہر ہے اس پہاڑ کو فرشتوں نے ان کے سروں پر لا کھڑا کیا تھا[1]۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کو ارضِ مقدس کی طرف لے چلے اور غصہ فرو ہو جانے کے بعد تختیاں اُٹھالیں اور فریضہ تبلیغ سے متعلق خدا کا حکم انہیں سنایا تو انہیں گراں گزرا' اور تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ لا کھڑا کیا۔ جیسا کہ سروں پر چھت ہو اور ملائکہ اس کو تھامے ہوئے تھے اور کہا گیا کہ دیکھو یہ خدا کی وحی اور اس کے احکام ہیں۔ اس میں حلال وحرام اور امر ونہی کا ذکر ہے' قبول کرتے ہو یا نہیں؟ وہ کہنے لگے سنایئے کیا احکام ہیں۔ اگر یہ فرائض اور حدود آسان تر ہیں تو ضرور قبول کر لیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا جو کچھ بھی ہو قبول کر لو انہوں نے کہا نہیں۔ جب تک کہ ہم واقف نہ ہو جائیں کہ کیا حدود فرائض ہیں۔ کیسے قبول کر لیں۔ کئی دفعہ یہ سوال جواب ہوا۔ آخر کار پہاڑ کو خدا کا حکم ہوا وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر آسمان میں اُڑتا ہوا ان کے سروں پر چھا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا' خدائے عزوجل جو کچھ فرماتا ہے' مانتے ہو کہ نہیں؟ اگر توریت اور اس کے احکام کو نہیں مانو گے تو تمہارے سروں پر پہاڑ گر پڑے گا۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ پہاڑ گرا ہی چاہتا ہے تو سجدے میں بائیں رخ پر گر پڑے اور داہنی آنکھ سے کنکھیوں کے طور پر پہاڑ کو دیکھ رہے تھے کہ کہیں گر تو نہیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک یہودی جب بھی سجدہ کرتے ہیں اپنے بائیں رخ پر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وہ سجدہ ہے جو رفع عذاب کی یادگار ہے۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے الواح پھینک دیئے تھے۔ جو خدا کی کتاب ہے اور اس کے ہاں کی تحریر کردہ تھی تو زمین کا ہر پہاڑ' ہر درخت' ہر پتھر لرز اٹھا اور جنبش میں آ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر یہودی جب توریت پڑھتا ہے تو اپنا سر ہلانے اور جھومنے لگتا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ ''وہ اپنے سر ہلانے لگتے ہیں۔'' واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

[1] علماء کی رائے میں یہ وہی ''طور'' پہاڑ تھا جس پر اکثر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل ہوا تھا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی پہاڑ کا جڑ سے اُکھڑنا فضا میں معلق ہونا نہ تو عقلاً ہی محال ہے اور نہ قانون قدرت کے خلاف ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ ایک حیرت انگیز امر ہے اور اسی لئے آیات اللہ میں شمار ہونے کے لائق ہے اس سے۔ یہ قرآنی بیانات کو کسی تردد یا تاویل کے بغیر قبول کرنا ہی ایمان ہے۔

اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہیں کے متعلق اقرار کر لیا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں۔ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں۔ تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے محض بے خبر تھے۔ یا یوں کہنے لگو کہ (اصل) شرک تو ہمارے بڑوں کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے۔ سو کیا ان غلط راہ (نکالنے) والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں۔ ہم اس طرح آیات کو صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں اور تا کہ وہ باز آ جائیں۔ ○

عہدِ الستُ ☆

ارشاد باری[1] ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ذرّیت کو ان کی پشت سے روزِ ازل میں باہر نکالا اور انہوں نے اپنے نفوس پر آپ گواہی دی کہ اللہ ہمارا ربّ اور مالک ہے۔ خدا وہی ہے اور کوئی نہیں۔ چنانچہ یہی اعتراف فطرتِ انسانی ہے اور یہی ان کی جبلت ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ تم اپنی پوری توجہ دینِ حق کی طرف قائم رکھو۔ اللہ نے اسی فطرت پر انسان کی فطرت بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح پیدا کر دیا وہ اسی طرح قائم رہے گی۔ اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مولود اور ہر مخلوق اپنی فطرت پر پیدا ہوئی ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو شرک سے ہٹا کر پیدا کیا ہے۔ لیکن شیاطین آتے ہیں اور دینِ حق سے اس کو پھیر دیتے ہیں اور میں نے جو حلال رکھا ہے اس کو حرام کر دیتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ہر مولود اسی مذہب اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی' نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے کہ مویشی بھلے چنگے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کے کاٹ کاٹ کر ان کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اسود بن سریع کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار غزوات میں شریک رہا۔ مجاہدین نے کافروں کو قتل کر کے ان کے بچوں کو پکڑ لیا۔ اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ آپ کو یہ حرکت بہت ناگوار گزری۔ کہنے لگے' لوگو! کیا ہوا بچوں کو پکڑ رہے ہو۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ مشرکین کے بچے نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم میں سے اچھے سے اچھے لوگ بھی تو مشرکین ہی کی اولاد ہیں۔ کوئی جان ایسی نہیں جو اسلام پر پیدا نہ ہوتی ہو۔ حتیٰ کہ وہ ماں باپ کی زبان سیکھتے ہیں اور ماں باپ اسے نصرانی یا یہودی بنا دیتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی صلب سے ذریت لی گئی اور انہیں یا تو اصحاب یمین یا اصحاب شمال بنایا اور ان سے گواہی لی گئی

[1] اس سے پہلے ایک قوم خاص سے جو عہد لیا گیا تھا اس کا ذکر تھا۔ اب ایک عام عہد کا یہاں سے ذکر شروع فرمایا گویا کہ ''میثاق خاص'' کے بعد ''میثاق عام'' کا تذکرہ سبحان اللہ کیا اعجاز بیان' ترتیب اور نادر اسلوب ہے۔ جاننا چاہئے کہ تمام آسمانی مذاہب کے اصول و فروغ اسی ''ربوبیت عامہ'' کے عقیدہ پر ختم ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس عقیدہ پر بالاتفاق ایک ایسا عہد لیا جائے جس پر نہ کسی کا اختلاف ہو اور نہ یہ صاف اور واضح حقیقت موشگافیوں کی زد میں آئے۔ اس لئے جناب باری عز اسمہٗ نے اس سلسلہ میں خود ہی اقدام فرما کر ابوالبشر کی پوری اولاد سے یہ عہد لے لیا بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ یہ عہد کب اور کہاں لیا گیا لیکن اس کا کوئی نقصان بھی نہیں۔ جس طرح کہ ایک نامور عالم اور فاضل روزگار شخص کو بہر حال یقین ہوتا ہے کہ اس کو بچپن میں کسی شخص نے یہ حروف اور نقوش سکھائے تھے حالانکہ نہ پہلا معلم یاد ہوتا ہے نہ پہلی درس گاہ یاد ہوتی ہے اور نہ اس کا محل وقوع بس ایک اجمالی یاد ذہن کے گوشوں میں موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح اس عہد الست کا بھی معاملہ ہے حاصل کلام یہ تعلیمی خصوصیات و احوال کا محفوظ نہ رہنا اس عہد کے تسلیم کرنے میں خلل انداز نہیں ہے اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب یہ عہد یاد نہیں تو پھر اس کا فائدہ جواب یہ ہے کہ ہر دل اور ہر دماغ میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور خالق کل ہونے کا عقیدہ اور یقین موجود ہے اور جو شرک کرتا ہے وہ اپنی ناقص عقل کا مظاہرہ کرتا ہے۔

کہ اللہ ہی ان کا رب ہے۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت ایک دوزخی سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ تو ساری زمین اور اس کے املاک تمہاری ملک ہوں اور تم سے کہا جائے کہ فدیہ میں یہ سب دے کر کیا نجات حاصل کرو گے؟ تو وہ کہے گا' یقیناً ایسا کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تم سے اس سے بہت ہی کم کا مطالبہ کیا تھا۔ میں تو آدم علیہ السلام کی پشت ہی میں تم سے یہ عہد لے لیا تھا کہ کسی کو میرا شریک نہ بناؤ گے لیکن تم شرک کر بیٹھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مقدم نعمان میں بروز عرفہ روحوں سے وعدہ لیا گیا تھا اور آدم علیہ السلام کی صلب سے نکال کر انہیں ذرّوں کی طرح نکال پھیلا دیا گیا تھا اور ان سے یوں گفتگو ہوئی تھی کہ ''بتاؤ! میں تمہارا ربّ نہیں۔'' سب روحیں کہنے لگیں ''کیوں نہیں' ضرور۔'' جریر سے روایت ہے' کہ ضحاک بن مزاحم کا لڑکا مر گیا۔ جو صرف چھ دن کا تھا۔ تو ضحاک نے کہا کہ اے جابر جب تم اس کو لحد میں رکھو تو اس کا چہرہ قبر میں کھلا رکھو' کیونکہ بچے کو بٹھایا جائے گا اور اس سے سوال بھی ہوگا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ فارغ ہونے کے بعد میں نے ضحاک سے پوچھا کہ تمہارے بچے سے کیا پوچھا جانے والا ہے اور کون پوچھے گا؟ تو کہا اس سے میثاق ازل کے بارے میں سوال ہوگا' جب کہ صلب آدم میں روحوں سے اقرار عبودیت لیا گیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا اقرار ہے؟ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب صلب آدم کو چھوا تو اس سے وہ روحیں نکل پڑیں جو قیامت تک نسل آدم علیہ السلام ہونے والی ہیں۔ پھر ان سے وعدہ لیا گیا کہ عبادت صرف اللہ کی کریں گے اور کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ پھر اللہ پاک ان روحوں کے رزق کا خود کفیل بنا۔ اس کے بعد صلبِ آدم میں انہیں واپس کر دیا گیا۔ جب تک یہ اہل میثاق پیدا ہوتے رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ اب ان میں سے جس کو میثاق آخر سے سابقہ پڑے گا اور وہ اس کو بطریق احسن پورا کرے گا تو اسی کو میثاق اوّل بھی نفع دے سکتا ہے اور جو میثاق آخر میں کامیاب نہیں۔ اس کو میثاق اوّل بھی نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتا اور جو بچپن ہی میں مر گیا۔ قبل اس کے کہ میثاق آخر کی نوبت آئے اور دنیا میں اچھے اچھے کام انجام دے تو سمجھا جائے کہ وہ میثاق اوّل یعنی ازل کے وعدہ پر قائم ہے۔ جو بنائے فطرت اسلام ہے۔ اس تمام تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ان تمام باتوں سے بخوبی واقف تھے۔ واللہ اعلم۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے ذریات نکالیں تو اس طرح ذریات جیسے کنگھی کہنے میں بال کنگھی کے اندر ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا ''کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟'' تو روحوں نے کہا تو ضرور ہمارا ربّ ہے فرشتے کہنے لگے کہ ہم گواہ ہیں کہ قیامت کے روز کہیں تم یہ نہ کہہ بیٹھو کہ ہمیں تو اس کا کوئی علم نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کی پیٹھ پر جب ہاتھ پھیرا تو ذریات نکلنا شروع ہو گئیں۔ تو فرمایا کہ فلاں فلاں تو جنتی ہیں کیونکہ اہل جنت ہی کا سا عمل کریں گی اور یہ دوزخی ہیں کیونکہ اہل نار کا سا عمل کریں گی۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب یہ وہیں طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کا کیا فائدہ رہا؟ تو فرمایا کہ اللہ کا وہی بندہ جنت کے لئے پیدا ہوا ہے' جس کے عمل جنتیوں کے سے ہوں گے اور سمجھو کہ دوزخی وہی ہے جو دوزخیوں کے سے کام کرے اور اسی عمل بد پر قبل از توبہ اس کا دم ٹوٹے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب روحیں صلب آدم سے ظاہر ہوئیں تو ہر انسان کے ماتھے پر ایک روشنی چمک رہی تھی۔ اس تمام نسل کو آدم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آدم نے پوچھا اے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا گیا یہ سب تمہاری نسل ہے۔ ایک شخص

کے چہرے پر بہت زیادہ روشنی تھی۔ پوچھا یارب یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک عرصہ دراز کے بعد تمہاری نسل سے ایک شخص ہوگا' جس کو داؤد کہیں گے۔ آدم نے پوچھا یارب! اس کی عمر کیا ہوگی؟ کہا ساٹھ برس۔ تو آدم نے کہا' یارب میں نے اپنی عمر کے چالیس سال اس کو دیئے لیکن جب آدم کی عمر ختم ہوگئی۔ ملک الموت آئے تو آدم علیہ السلام نے کہا ابھی سے کیوں آگئے ابھی تو چالیس سال میری عمر کے باقی ہیں۔ تو کہا گیا کہ یہ چالیس سال کیا تم نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیئے تھے؟ تو آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کی نسل میں بھی انکار کی عادت پڑ گئی اور چونکہ آدم بھول گئے تھے اس لئے بھول چوک بھی اولاد آدم علیہ السلام کی خصلت بن گئی اور آدم سے چونکہ خطا سرزد ہوگئی تھی' اس لئے خطا کرنا بھی اولاد آدم کی فطرت ہے۔ جب آدم علیہ السلام نے اپنی ذریت کو دیکھا تو ان میں بیمار بھی تھے۔ جذامی اور برص والے بھی تھے۔ اندھے وغیرہ بھی تھے۔ آدم علیہ السلام نے کہا' یارب یہ ایسے کیوں بنا دیئے گئے؟ فرمایا کہ انسان ہر حال میں میرا شکر کرے۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا یارب! یہ کون ہیں جو سرتاپا نور ہیں کہا گیا یہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا یارسول اللہ! کیا اعمال از سر نو بار آور ہیں۔ یا جو کچھ طے ہوگیا سو ہوگیا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے ذریت نکالی۔ پھر انہی کی اپنی زبان سے توحید خدا کی گواہی لی۔ پھر دو مٹھیاں ان سے بھریں اور کہا یہ تو ٹھہرے جنتی اور وہ ٹھہرے دوزخی۔ اگرچہ عمل پر جنت دوزخ کا انحصار ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ اہل جنت کے سے عمل کرنا کس پر آسان رہے گا اور کس پر دوزخیوں کے سے عمل کرنا آسان رہے گا۔ اب اسی بنا پر وہ جنتی یا دوزخی ہوں گے۔ کچھ ہم نے ازل میں انہیں دوزخی یا جنتی نہیں بنایا۔ ان کے اعمال اس کے ذمہ دار ہیں۔ البتہ ہم ابھی سے دونوں کا علم رکھتے ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ فلاں جنتی ہوں گے اور فلاں دوزخی۔ یہ تقسیم ہمارے کہہ دینے پر نہیں ہوئی بلکہ عمل کی بنا پر ہوئی ہے۔ ہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وضاحت کی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر کے قسمت بنا دی تو سیدھے جانب بھی روحیں تھیں اور بائیں جانب بھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں سے سوال کیا کہ کیا تمہارا رب نہیں ہوں؟ دونوں نے اعتراف کیا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ پھر سیدھے بائیں دونوں طرف کی روحیں ملا دی گئیں۔ کسی نے خدا سے پوچھا' یارب یہ دونوں گروہ جو ممتاز طور پر تھے' خلط ملط کیوں کر دیا گیا۔ خدا نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں' اپنے اپنے عمل کے سبب وہ اب بھی ممتاز رہیں گے۔ ملا دینے پر بھی نیک و بد دونوں کا آپس میں کوئی ملاپ نہیں۔ ہم ایسا نہ کرتے تو قیامت کے دن گنہگار کہتے کہ ہم کو تو کوئی اس کا علم نہیں تھا اور نیک تو کسی صورت میں نہ کہتے۔ اب بات صرف عمل پر رہ گئی ہے تو گنہگاروں کو اعتراض کرنے اور ناواقفیت کا عذر کرنے کا حق نہیں رہا۔ ہم نے ابوامامہ کی حدیث کی وضاحت کی ہے۔ قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں کو شکلیں دی گئیں۔ بولنے کی قوت دی۔ ان سے میثاق لیا۔ اس میثاق پر آسمان و زمین گواہ بنائے۔ آدم علیہ السلام بھی گواہ ہوئے۔ ورنہ قیامت میں وہ تو صاف انکار کر بیٹھتے۔ جان لو کہ خدا کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ میں تمہارے پاس پیغمبر بھیجوں گا تاکہ وہ تم کو عہد و میثاق یاد دلائے۔ میں کتابیں بھیجوں گا تو انہوں نے کہا کہ تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ خدا کی اطاعت کا اقرار کیا۔ آدم علیہ السلام ان کے سامنے لائے گئے۔ آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان میں غنی بھی ہیں اور فقیر بھی۔ خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی۔ کہا گیا یارب! سب لوگ ایک ہی حالت میں کیوں نہیں پیدا کئے گئے؟ تو کہا کہ مجھے یہ محبوب تھا کہ دیکھو شاکر و صابر کون ہے۔ سب ایک ہی جیسے ہوتے تو یہ امتحان کہاں ہو سکتا۔ انبیاء ان لوگوں میں نور بھرے چراغ کے مانند تھے۔

یہ رسالت ونبوت دوسرا میثاق تھا کہ خدا کی توحید کے اقرار کے بعد اقرار رسالت بھی کریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے نبیوں سے بھی میثاق کیا ہے۔ وہ یہ کہ دین حنیف پھیلانے کے لئے عزم مصمم کرلو۔ جو ایک فطری دین ہے۔ اس استشہاد سے غرض یہ تھی کہ انسان فطرت توحید پر پیدا شدہ ہے۔ اسی لئے ﴿مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ﴾ کہا گیا نہ کہ مِنْ اٰدَمَ یعنی نہ صرف آدم علیہ السلام بلکہ آدم کی ساری اولاد فطرت توحید پر مخلوق ہے اور اسی لئے ﴿مِنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ کہا گیا نہ کہ مِنْ ظَهْرِهٖ یعنی سب بنی آدم کی نسلوں سے نسل بعد نسل۔ جیسا کہ فرمایا کہ اس نے تم سب کو فرداً فرداً زمین پر خلیفہ بنایا اور فرمایا کہ ''جیسا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا دوسری قوموں کی ذریت سے۔'' اور خود آپ اپنا گواہ بنایا' جب ہی تو گواہی دی کہ ''ہاں تو ہمارا رب ہے۔'' یعنی حالاً وقالاً دونوں طرف وہ معترف رہے کیونکہ شہادت کبھی تو قول کے ذریعہ ہوتی ہے۔ کقولہ ﴿قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا﴾ (الانعام: ۱۳۰) اور کبھی حال کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ یعنی مشرکین کو کوئی حق نہیں کہ مسجد خدا کو بسائیں۔ اپنی ہی ذات پر کفر کی شہادت دیتے ہوئے یعنی ان کا حال ان کے کفر کا شاہد ہے۔ یہ شہادت قول شہادت نہیں حالی شہادت ہے اور سوال کبھی قال کے ذریعہ ہوتا ہے کبھی حال کے ذریعہ۔ کقولہ ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾ (ابراہیم: ۳۴) یعنی تم نے جو کچھ مانگا' اللہ نے تمہیں دیا کہتے ہیں کہ اس بات پر یہ دلیل بھی ہے کہ ان کے شرک کرنے پر یہ حجت ان کے خلاف پیش کی۔ پس اگر یہ واقع ہوا ہوتا جیسا کہ ایک قول ہے تو چاہئے تھا کہ ہر ایک کو یاد ہوتا تا کہ اس پر حجت رہے۔ اگر اس کا جواب یہ ہو کہ فرمانِ رسول ﷺ سے خبر پالینا ہی کافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو رسولوں ہی کو نہیں مانتے وہ رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو کب صحیح مانیں گے۔ حالانکہ قرآن کریم نے رسولوں کی تکذیب کے علاوہ خود اس شہادت کو مستقل دلیل ٹھہرایا۔ چنانچہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرت سلیمہ ہے۔ جس پر خدا تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ فطرت توحید باری تعالیٰ ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہم کو تو اس توحید کا علم ہی نہ تھا اور یہ کہ شرک تو ہمارے باپ داداوں نے کیا تھا۔ ان کے ایجاد پر ہمیں سزا کیوں ہو۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا۔ سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہی حالت (عام طور پر) ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔ (حقیقت میں) ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور (اس تکذیب سے) وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ ○

رحمت کے بعد لعنت ☆

بنی اسرائیل میں ایک شخص بلعم بن باعورا نامی اہل بلقاء میں سے تھا۔ کہتے ہیں وہ اسم اعظم جانتا تھا یہودی علماء کے ساتھ بیت المقدس میں رہتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ اہل یمن میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی نشانیاں اور کرامتیں دی تھیں لیکن اس نے ناقدری کی۔ وہ مستجاب الدعوات تھا۔ اس کی دعائیں قبول ہو جاتیں۔ لوگ مصیبتوں کے وقت خدا سے دعا مانگنے کے لئے اسی کو آگے بڑھاتے تھے۔ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تبلیغ دین کے لئے ملک مدین کی طرف بھیجا۔ یہاں کے بادشاہ نے اسے اپنا بنا لیا۔ اس پر بہت عنایتیں کیں۔ چنانچہ اس نے اس بادشاہ کے دین کو قبول کر لیا اور دین موسیٰ کو چھوڑ دیا۔ اس کا نام بلعام تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امیہ بن صلت ہے ممکن ہے کہ اس کہنے سے یہ مراد ہو کہ یہ امیہ بھی اس کے مشابہ تھا۔ اس کو بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن اس نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو بھی اس نے پایا تھا۔ آپ کی آیات بینات دیکھی تھیں۔ معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے دین خدا میں داخل ہوئے ہزاروں کو دیکھا لیکن مشرکین کے میل جول ان میں اس کا امتیاز اور وہاں کی سرداری نے اسے روک دیا۔ اس نے بڑے مرثیے بدر کے کافروں کے ماتم میں کہے ہیں۔ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مومن نہیں ہوا تھا۔ یہ سارا بیان ممکن ہے امیہ بن ابی صلت سے متعلق ہو اور اس کا بلعام سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بلعام کا ذکر قرآن میں ہو رہا ہے کہ ہم نے اس کو اپنی آیتیں یعنی کرامتیں بخشی تھیں لیکن وہ ان سے ہٹ گیا۔ یعنی ان سے محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تین دعاؤں کا حق دے دیا تھا کہ قبول ہوں گی۔ ایک عورت اور ایک لڑکا اس کا تھا اس کی عورت نے کہا کہ ایک دعا میرے حق میں خاص کر دو۔ اس نے کہا اچھا کہو کیا دعا ہے؟ عورت نے کہا کہ خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ سارے بنی اسرائیل میں مجھ سے زیادہ حسین کوئی عورت نہ ہو۔ اس نے خدا سے دعا کی اور وہ حسین ترین عورت بن گئی۔ جب عورت نے یہ محسوس کر لیا کہ اس جیسی اب کوئی عورت حسین نہیں۔ تو شوہر سے بے پروا ہو گئی اور بے رغبت بن گئی اور اس کے خیالات اور اعمال کچھ اور ہی ہو گئے۔ تو بلعام نے دعا کی کہ وہ کتیا بن جائے۔ چنانچہ وہ کتیا بن گئی۔ دو دعائیں ختم ہو گئیں۔ اس کے لڑکے آ کر کہنے لگے کہ ہم سے تو نہیں دیکھا جا سکتا کہ ہماری ماں کتیا ہو۔ لوگ عار دلا رہے ہیں۔ دعا کرو کہ وہ اپنے سابقہ حال پر آ جائے۔ چنانچہ دعا کی اور وہ عورت جیسی پہلے تھی ویسی ہی ہو گئی۔ اب تینوں دعائیں صرف ہو گئیں۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔ اس کا آیت کا سبب نزول جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک شخص تھا اور وہ جبارین یہود کے شہر کا رہنے والا تھا۔ اسم اعظم جانتا تھا۔ کہا گیا ہے کہ اس کی دعا منجانب اللہ قبول ہوا کرتی تھی اور سب سے عجیب بات یہ ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ نبی تھا مگر اس کی نبوت چھین لی گئی۔ ابن جریر کا ایسا قول ہے لیکن یہ مطلقاً صحیح

نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب شہر جبارین میں آئے تو بلعام کے پاس لوگ آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام ایک مرد آھنی ہے۔ اس کے ساتھ بڑی فوج ہے۔ اگر وہ ہم پر غالب آ جائے تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے۔ خدا سے دعا کرو کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی مصیبت ہم سے دور ہو جائے۔ اس نے کہا اگر میں ایسی دعا کروں تو میرا دین اور دنیا دونوں تباہ ہو جائیں لیکن لوگ اس کو تنگ ہی کرتے رہے۔ چنانچہ اس نے ایسی دعا کی۔ تو خدا تعالیٰ نے اس کی بزرگی اور کرامتیں سب سے چھین لیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ یعنی وہ کرامتوں سے محروم ہو گیا۔ یہیں سے شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے لئے میدان تیہ کی چہل سالہ گردش ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون نبی کو بھیجا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو اپنے نبی ہونے کی خبر دی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ جبارین سے جنگ کرو۔ جبارین نے یوشع کے ہاتھ پر بیعت کی اور تصدیق کی لیکن بنی اسرائیل کا ایک بلعام نامی نافرمانی کر کے جبارین کے پاس چلا گیا اور ان سے کہا کہ تم نہ گھبراؤ جب تم لڑنے کے لئے نکلو گے تو میں اپنے بددعا کے ہتھیار سے کام لوں گا اور وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ جبارین کے پاس اس کے دنیوی تمتع کے لئے سب کچھ موجود تھا۔ بجز اس کے کہ وہ ان عورتوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا کیونکہ ان عورتوں کی عظمت ان پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ صرف اپنی ہی عورت سے تعلق رکھتا تھا۔ شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ نیک لوگ بھی بعض وقت بدبن جاتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو تم پر کچھ اس قسم کا اندیشہ ہے۔ جیسے وہ آدمی جو قرآن کا علم رکھتا تھا۔ قرآن کی برکت اور رونق اس کے چہرے سے ظاہر تھی' اسلامی شان تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بدبختی نے اسے آ گھیرا۔ اسلام کے احکام اس نے پس پشت ڈال دیئے۔ وہ اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑا۔ یہ الزام لگا کر کہ اس نے شرک کیا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ الزام لگانے والا خطا کار تھا یا جس پر الزام لگایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خطا کار الزام لگانے والا تھا۔ ارشاد باری ہے کہ اگر ہم چاہتے تو دنیا پرستی کی گندگی سے اس کو بالاتر رکھتے اور جو کرامتیں اس کو دی تھیں' ان سے اس کو محروم نہ کرتے لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور دنیا میں ایسا پھنس گیا جیسے دوسرے بے سمجھ لوگ: ﴿لٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ وہ شیطان کا رفیق کار بن گیا اور پستی اختیار کر لی۔ اس کی سواری نے خدا کو سجدہ کیا لیکن بلعام نے شیطان کو سجدہ کیا۔ ابن سیار سے اس آیت اور اس شخص کی خبر پڑھو جس کو ہم نے کرامتیں بخشی تھیں'' کے بارے میں روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لے کر اس سرزمین کا رخ کیا۔ جس میں بلعام رہتا تھا۔ یا شام کا رخ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی فوج کشی سے وہاں کے لوگ گھبرا گئے اور بلعام کے پاس آ کر کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے شکر کے لئے بددعا کرو۔ تو اس نے کہا کہ میں ربّ سے مشورہ کر لوں۔ چنانچہ اس نے مشورہ کیا یا استخارہ کیا' تو اس سے کہا گیا کہ نہیں بددعا نہ کرنا کیونکہ وہ میرے بندے ہیں اور ان میں میرا نبی بھی ہے۔ تو اس نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ میں نے ربّ سے مشورہ کیا لیکن مجھے بددعا کرنے کی ممانعت ہوئی ہے۔ اب لوگوں نے اس کے پاس بہت سے ہدیے اور تحفے بھیجے۔ چاہئے تھا کہ قبول نہ کرتا لیکن اس نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد یہ لوگ پھر اس کو مجبور کرنے لگے۔ اس نے کہا اچھا مشورہ کروں۔ اب کے اس کو کوئی مشورہ نہ ملا۔ اس نے کہا' مجھے کوئی مشورہ نہیں دیا گیا۔ اس لئے بددعا نہ کروں گا لیکن لوگوں نے اس کو بہکایا کہ اگر خدا کو منظور ہی نہ ہوتا تو پہلے کی طرح روک دیتا

اب اللہ تعالیٰ خاموش ہے تو گویا تم کو بد دعا کی اجازت ہے۔ چنانچہ وہ دھوکا کھا گیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کے لئے بد دعا کرنے لگا۔ جب کبھی وہ بد دعا کے الفاظ موسیٰ علیہ السلام کے لئے نکالنا چاہتا تو اپنی ہی قوم کے لئے بد دعا کے الفاظ زبان سے نکلتے اور اپنی قوم کے فتح کے لئے الفاظ ادا کرنا چاہتا تو موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے الفاظ زبان سے نکل جاتے یا ''ان شاء اللہ'' کا جملہ بھی آخر میں زبان سے نکل جاتا۔ جس کے باعث بد دعا مشروط ہونے کے سبب عبث بن کر رہ جاتی ہے۔ لوگ کہنے لگے' ارے تم تو بد دعا موسیٰ علیہ السلام کے بجائے ہمارے حق میں کر رہے ہو۔ وہ کہتا میں کیا کروں میری زبان سے بلا ارادہ ایسا ہی کچھ نکل جاتا ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اگر بد دعا کروں گا بھی تو قبول نہیں ہوگی۔ اب میں تم کو ایک تدبیر بتاتا ہوں' جس سے یہ لوگ ہلاک ہو سکتے ہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کر دیا ہے اور فعل زنا سے سخت ناراض ہے۔ اگر یہ لوگ کسی طرح زنا میں مبتلا کر دیئے جائیں تو یقیناً ان کی ہلاکت کی اُمید ہے۔ چنانچہ ایسا کرو کہ ان کی فوج میں اپنے پاس کی عورتیں بھیج دو۔ یہ تو بیوی بچے چھوڑے ہوئے مسافر ہیں۔ کیا عجب کہ زنا میں پڑ جائیں اور ہلاک ہو جائیں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ عورتوں کو موسیٰ علیہ السلام کی فوج کی طرف بھیج دیا۔ حتیٰ کہ بادشاہ کی بیٹی بھی فوج میں اسی مقصد کے لئے آ گئی۔ شہزادی کو اس کے باپ نے یا بلعام نے تاکید کر دی تھی کہ موسیٰ کے سوا کسی کے تصرف میں نہ آنا کہتے ہیں کہ واقعی لوگ زنا میں پڑ گئے۔ شہزادی کے پاس بنی اسرائیل کا ایک سردار آ پہنچا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے کہہ دیا کہ موسیٰ کے سوا میں کسی کو نہ آنے دوں گی۔ سردار نے بتایا کہ میرا عہدہ ایسا برتر ہے اور میری یہ یہ شان و شوکت ہے تو لڑکی نے اپنے باپ کو لکھ بھیجا اور اس بارے میں اس کی ہدایت مانگی۔ تو اس سے کہا گیا کہ ہاں مان جاؤ۔ وہ دونوں جب مصروف کار تھے تو ہارون علیہ السلام کا ایک بیٹا وہاں پہنچا اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ ایسا مارا کہ دونوں اپنی موجودہ حالت کے اندر ایک ہی نیزہ پر پرو گئے۔ وہ نیزہ بلند کر کے لوگوں کے سامنے آیا اور لوگ دیکھتے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مرض طاعون کا عذاب بھیجا' جس سے ستر ہزار آدمی مر گئے۔

ابن سیار کا بیان ہے کہ بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر معلولی تک آیا۔ یہاں سے اس کی سواری آگے بھی چل رہی تھی۔ وہ اس کو مار رہا تھا اور وہ بیٹھی جا رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو زبان دی اور وہ کہنے لگی کہ تو مجھ کو کیوں مار رہا ہے۔ سامنے دیکھ کیا ہے؟ دیکھا تو وہاں شیطان کھڑا تھا۔ وہ اُتر کر شیطان کو سجدہ کرنے لگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَانْسَلَخَ مِنْهُمْ﴾ سالم ابو النضر کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب ارضِ شام سے بنی کنعان میں آئے تو بلعام کی قوم آ کر ان سے کہنے لگی کہ موسیٰ اپنی قوم کو لے کر ہمارے ملک میں آیا ہوا ہے تاکہ ہمیں قتل کرے اور یہاں انہیں بسائے۔ ہم تمہاری قوم ہیں ہمارا کوئی ٹھکانا نہ رہے گا۔ تم مرد مستجاب الدعوات ہو۔ خدا سے ان کے لئے بد دعا کرو۔ اس نے کہا یہ تمہاری کم بختی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان کی مدد پر فرشتے بھی ہیں اور مؤمنین بھی ہیں۔ میں کیسے بد دعا کروں۔ میں جو جانتا ہوں سو جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا ہم رہیں کہاں اور ہر گھڑی اس پر دباؤ ڈالتے رہے اور عاجزی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے اس کو فتنے میں ڈال ہی دیا۔ چنانچہ وہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف چلا۔ جس پر چڑھ کر بنی اسرائیل کے لشکر کو دیکھے۔ اس کو جبل حسبان کہتے ہیں۔ کچھ دور چلا تھا کہ اس کی سواری بیٹھ گئی۔ جب بار بار اس کو مارنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زبان دی اور کہنے لگی کہ ''بلعم! تو مجھے کدھر لئے جا رہا ہے کیا نہیں دیکھتا کہ فرشتے میرے سامنے ہیں۔ مجھے دھکیل کر پیچھے کی طرف واپس کر رہے ہیں۔ تُو اللہ کے نبی اور مومنین پر بد دعا کرنے کے لئے جا رہا ہے'' لیکن وہ باز نہ آیا اور پھر اس کو مارنے لگا۔ چنانچہ اب کی مرتبہ وہ اللہ کے حکم

سے حسبان نامی پہاڑی پر چڑھ گئی۔ وہ وہاں پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کے لئے بددعا کرنے لگا۔ لیکن اس کی زبان اُلٹ جاتی ہے اور بددُعا اپنی قوم کے لئے اور دعا موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھی کہتے ہیں کہ بددعا کرنے پر اس کی زبان باہر نکل پڑی اور اس کے سینہ پر لمبی ہو کر لٹک گئی۔ اب وہ بول اُٹھا کہ میری دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا۔ قوم سے کہنے لگا۔ اب تو صرف مکر و حیلہ ہی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اپنی لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کرا کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجو ان سے کہہ دو کہ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر ایک شخص بھی زنا کا مرتکب ہو گیا تو سمجھو تم نے مقصد پا لیا چنانچہ عورتیں بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجی گئیں۔

اہل کنعان کی ایک عورت جس کا نام کسبتی تھا۔ صور کی بیٹی تھی جو قوم کا سردار اور بادشاہ تھا۔ اس عورت کا ملاپ ہو گیا۔ بنی اسرائیل کے ایک سردار سے جس کا نام زمری بن شلوم تھا۔ جو شمعون بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا پوتا تھا اور سردار تھا اس نے اس عورت کو دیکھا تو پسند آ گئی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گیا اور کہنے لگا موسیٰ علیہ السلام! تم تو یہی کہو گے کہ یہ تجھ پر حرام ہے۔ اس کے نزدیک نہ ہونا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں یہ تجھ پر حرام ہے۔ اس نے کہا موسیٰ! واللہ میں یہاں تو تمہاری بات نہ سنوں گا۔ پھر اس لڑکی کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور ہم بستر رہا۔ اللہ نے بنی اسرائیل میں طاعون بھیج دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا سردار فنحاص بن عیزار بن ہارون نامی زمری بن شلوم کی اس حرکت کے وقت وہاں موجود نہ تھا اور اس حرکت سے ساری قوم میں طاعون پھیل گیا۔ یہ سارا واقعہ فنحاص کو معلوم ہوا۔ اس نے اپنا لوہے کا نیزہ اُٹھایا اور زمری کے خیمہ میں داخل ہوا۔ وہ دونوں لیٹے ہوئے تھے۔ دونوں کو ایک ہی نیزے میں پرو لیا اور نیزے کو سر پر بلند کر کے نکلا۔ فنحاص نوجوان اور قوی تھا' یہ بوجھ اُٹھا لیا اور اُٹھاتے ہوئے کہتا جا رہا تھا کہ "اے خدا! ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں۔ اب طاعون ختم کر دے" طاعون ختم ہو گیا۔ طاعون سے ہلاک ہونے والے بنی اسرائیل' اس مدت میں کہ اس نے عورت حاصل کی' پھر فنحاص کے ہاتھوں قتل ہوا ستر ہزار آدمی مر گئے یا کم سے کم بیس ہزار۔ فنحاص کی اس شکر گزاری میں بنو اسرائیل جب کبھی ذبیحہ کرتے ہیں تو جانور کی سری اور دست اور اپنے پھلوں اور اموال کی پہلی چیز اولاد فنحاص کو نذرانہ کے طور پر دیتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ "اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اس پر مشقت لادو تو بھی زبان لٹکائے ہوئے ہانپتا رہے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپتا رہے۔" چنانچہ لوگ کہ کہتے ہیں کہ بلعام کی زبان بھی لٹک کر اس کے سینے پر آ گری تھی۔ تو اس کی تشبیہ بھی کتے سے دی گئی ہے۔ جو دونوں حالتوں میں ایک سا ہو کہ اس پر کرامتیں نازل کر دیا رحمتیں' ہر دو حالت میں یکساں ہے۔ یا یہ مثال اس گمراہی اور گمراہی کی پائیداری میں اور ایمان کی طرف بلانے یا نہ بلانے دونوں حالتوں میں اس سے نفع گیر نہ ہونے کے اندر اس کتے کی سی ہے جو رگید نے اور نہ رگید نے دونوں صورتوں میں زبان لٹکائے ہانپتا رہتا ہے۔ اس طرح یہ بلعام بھی ہے کہ ایمان کی طرف بلانے سے بھی فائدہ نہیں اُٹھاتا اور نہ بلانے سے بھی نہیں۔ اسی طرح کی ایک بات ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ "چاہے تم ڈراؤ' یا نہ ڈراؤ' ایمان نہیں لائیں گے۔" یا ایک مثال کہ "تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو' اللہ ان کو نہیں بخشے گا یا یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کافر اور منافق اور گمراہ کا دل کمزور اور ہدایت سے فارغ ہوتا ہے۔ کتنی ہی کوشش کی جائے' ہدایت نہیں پاتا۔

اللہ پاک اپنے نبی محمد ﷺ سے فرماتا ہے کہ لوگوں کو یہ واقعات سناؤ۔ تاکہ بنی اسرائیل کے حالات سے واقف ہونے کے بعد وہ غور و فکر کر کے اللہ کی راہ پر آ جائیں اور یہ سوچیں کہ بلعام کا کیا ہوا۔ ربانی علم جیسی زبردست دولت اس نے دنیا کی

حقیر راحت پر کھودی۔ آخر نہ یہ ملا نہ وہ۔ اسی طرح یہ علمائے یہود جو اپنی کتابوں میں خدا کی ہدایتیں پڑھ رہے ہیں اور آپ کے اوصاف اس میں لکھے پاتے ہیں انہیں چاہئے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اور اپنے مریدوں کے پھانسنے کے لئے بھول اور غفلت میں نہ پڑ جائیں ورنہ یہ بھی اسی طرح دین و دنیا سے کھو دیئے جائیں گے۔ انہیں چاہئے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اُٹھائیں اور تمہاری اطاعت کی طرف جھکیں اور دوسروں پر بھی حق بات کو ظاہر کر دیں۔ دیکھو لو کہ کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح کھانے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کو پورا کرنے میں لگ جائے وہ بھی کتے جیسا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بری مثال ہم پر صادق نہیں آنی چاہئے یعنی کسی کو دے کر پھر واپس لے لینے کی مثال اس کتے کی سی ہے جو قے کرے پھر اسی کو کھا جائے اور فرمایا کہ ''انہوں نے آپ اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے۔ کیونکہ ہدایت کا اتباع نہیں کیا۔ دنیا اور دنیا کی لذات میں پھنس گئے۔ یہ اللہ کا ظلم نہیں ہے۔''

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ (ابدی) خسارہ میں پڑ جاتے ہیں۔ ○

ہدایت اور گمراہی ☆

جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے کوئی اس کو گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے کس کی مجال ہے کہ اس کی ہدایت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہیں ہوا اسی لئے حدیث میں ہے: ((ان الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستهديه ونستغفرهٗ ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضلّ لهٗ ومن يضلله فلا هادی لهٗ واشهد ان لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه)) (عن ابن مسعودؓ) ...... ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی۔ خدا کی راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بھٹکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود صرف اللہ ہی ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرف بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں۔ یہ لوگ غافل ہیں۔○

جہنم کا ایندھن ☆

حضرت ﷺ کو ایک بار کسی انصار کے لڑکے جنازے میں جانے کا اتفاق ہوا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ بچہ تو جنت کی ایک چڑیا ہے نہ اس نے کوئی برے کام کئے نہ دوزخ اس کا کوئی ٹھکانا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ اب مجھ سے بھی کچھ سنو! کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور وہ لوگ بھی پیدا کئے جو اہل جنت ہوں گے اور یہ مستحقین جنت اسی روز قرار دیئے گئے کہ ابھی وہ صلب آدم ہی میں تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ پاک رحم مادر میں ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جو چار باتیں اس سے متعلق لکھ دیتا ہے:

(۱) اس کا رزق (۲) اس کی عمر (۳) اس کے اعمال اور (۴) نیک یا بد اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آدم علیہ السلام کی صلب سے جب اللہ تعالیٰ نے ذریت کو نکالا تو اصحاب یمین اور اصحاب شمال دو فریق بنائے۔ ایک جنت کے لئے اور ایک دوزخ کے لئے اور میں اس سے بے نیاز ہوں کہ کون اپنے کو مستحق جنت بنا رہا ہے اور کون مستحق دوزخ۔ اس بارے میں احادیث کثرت سے وارد ہیں اور مسئلہ تقدیر ایک اہم مسئلہ ہے۔ یہاں مزید وضاحت کی گنجائش نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے دل تو ہیں لیکن وہ نہیں سمجھ سکتے' آنکھیں ہیں اور دیکھتے نہیں' کان ہیں اور سنتے نہیں۔ یہ چیزیں جن کو ہدایت حاصل کرنے کے سبب بنایا گیا تھا' ان سے کچھ بھی منتفع نہیں۔ جیسا کہ فرمایا ''انہیں کان' آنکھ' دل دیئے گئے' لیکن اس انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا کیونکہ ان چیزوں سے انہوں نے کام نہیں لیا اور آیات خدا کا انکار کر بیٹھے۔'' منافقین کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ اور کافروں کے حق میں ہے: ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اور فرمایا کہ ''اگر اللہ بروں میں کوئی خیر معلوم کرتا تو ضرور ان کو سننے کے قابل بناتا اور ضرور وہ ہدایت پاتے۔''[۱] اور فرمایا کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں[۲]۔'' اور فرمایا کہ جس نے خدا تعالیٰ کی وحی سے روگردانی کی تو شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور ہر وقت اس سے لپٹا رہتا ہے[۳]۔ یہ لوگ خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی ٹھیک راہ پر ہیں۔'' اب یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ مثل جانوروں کے ہیں کہ نہ حق بات کو سنتے ہیں' نہ حق کی مدد کرتے ہیں' نہ ہدایت کی مدد کرتے ہیں' نہ ہدایت کو دیکھتے ہیں اور اپنے حواس پنجگانہ سے بھی کچھ فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ سوائے اس کے کہ دنیاوی حیات کے اندر اس سے فائدہ اُٹھا لیا جیسا کہ فرمایا' کافروں کی مثال اس جانور کی ہے جو راعی کے الفاظ کو تو نہیں سمجھتا صرف آواز کو سنتا ہے کہ انہیں بھی ایمان کی طرف

۱۔ مطلب یہ ہے کہ ان بدقسمتوں میں کوئی میرے ہی نہیں۔

۲۔ یعنی آدمی بظاہر دیکھتا ہے' سنتا ہے لیکن اس کے باوجود قرآن سے' تعلیمات ربانی سے' وحی سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو وہی کہا جائے گا کہ دل کی آنکھیں اندھی ہیں اگرچہ ظاہر کی آنکھیں اپنا کام ضرور کر رہی ہیں۔

۳۔ یعنی شیطان کو ایسی حالت میں اغوا کا خوب موقع ملتا ہے یہ دینداری اور مذہبی زندگی ہی کا اثر ہے کہ آدمی شیطانی اثرات سے زیادہ سے زیادہ بچا رہتا ہے۔

بلایا جائے تو اس کی افادیت کونہیں سمجھتے البتہ آواز سن پاتے ہیں اسی لئے فرمایا یہ ان جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں کہ جانور اپنے چرانے والے کی بات اگرچہ نہ سمجھیں لیکن اس کے بلانے پر اس وہ رخ تو کرتے ہیں اور اس لئے کہ ان جانوروں سے نہ سمجھ سکنے کا فطری وخلقی فعل سرزد ہوتا ہے یا تو ازروئے طبیعت یا سدھانے کی بنا پر۔ برخلاف کافر کے کہ وہ تو بلاشرکت غیرے اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ اس نے کفر اور شرک کیا اور اسی لئے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وہ بروزِ قیامت ملائکہ سے بھی افضل ہے اور جس نے کفر کیا وہ جانور بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق ہی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔ ○

خدا تعالیٰ کو اچھے ناموں سے یاد کرو ☆

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم سو جو ان کا وِرد رکھے گا وہ جنت میں جائے۔ خدا تعالیٰ وتر ہے۔ اس لئے عدد میں بھی وتر ہی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نام ہائے پاک یہ ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَكِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْعَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ وَالْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِيْ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِ الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِيْ الْمُتَعَالِيْ الْبَرّاء التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُ وْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِيْ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِيْ الْبَدِيْعُ الْبَاقِيْ الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ۔

یہ حدیث غریب ہے کچھ کمی زیادتی کے ساتھ اسی طرح یہ نام ابن ماجہ کی حدیث میں بھی ہیں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ نام راویوں نے قرآن میں سے انتخاب کر لئے ہیں۔ واللہ اعلم

یہ یاد رہے کہ یہی ننانوے نام ہی اللہ کے ہوں اور نہ ہوں۔ یہ بات نہیں۔ مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ جسے کبھی بھی کوئی رنج و غم پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھے: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ بْنُ عَبْدِكَ بْنِ اَمَتِكَ نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِیْ حُكْمِكَ عَدْلٌ فِیْ قَضَآءُ كَ اَسْئَالُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ وَاَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ وَعَلَّمْتَهٗ اَحَدً مِّنْ خَلْقِكَ اَوِاسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَآءَ حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ)) اس پر آپ سے عرض کیا گیا' یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم یاد نہ کریں۔ آپ نے فرمایا بلکہ جو بھی اسے سنے چاہئے کہ اسے یاد کر لے۔ بعض لوگوں نے تو قرآن و سنت سے خدا کے ایک ہزار نام نکالے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جانے بھی دو ان لوگوں کو جو خدا کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں کہ یہ کافر لوگ اللہ کے ناموں میں ''لات'' کا نام بھی شریک کر دیتے ہیں کہ لات کو اللہ تعالیٰ کا مؤنث لفظ بتاتے ہیں۔ عزیٰ کو عزیز کا یہ دونوں نام کافروں کے پاس مؤنث خداؤں کے ہیں۔ الحاد کے معنی تکذیب کے ہیں اور کلام عرب میں اعتدال سے ہٹنے کو کہتے ہیں۔ لحد بمعنی قبر اسی سے ہے کیونکہ قبلہ کی طرف سے رخ پھیر کر بنائی جاتی ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع ۱۰ ۲۲ ۱۲

اور ہماری مخلوق جن و انس میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق (یعنی اسلام) کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتی ہے۔ ○

ہدایت یافتہ اُمت ☆

ہماری پیدا کردہ قوموں میں سے بعض قوم قولاً و عملاً حق پر قائم ہے' حق پسند ہے اور حق کی طرف بلاتی ہے اور از روئے حق ہی فیصلہ کرتی ہے۔ اس امت سے مراد امت محمد یہ ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ آنحضور ﷺ جب اس آیت کو پڑھتے تھے تو فرماتے تھے کہ یہ تم ہو اور وہ قوم جو تم سے پہلے گزری یعنی قوم موسیٰ علیہ السلام کہ یہ لوگ بھی دوسروں کو حق کی طرف بلاتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک قوم حق پر قائم رہے گی۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں اور وہ جماعت حق پر غالب رہے گی۔ ان کا کوئی مخالف ان کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا اور قیامت کے آنے یا وہ اپنے مرنے تک اس پر کاربند رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِیْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں' ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت دیتا ہوں۔ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ ○

مضبوط ہاتھ ☆

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے ابواب رزق کھل جائیں گے۔ دنیوی مفاد زیادہ ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ اسی دھوکے

میں رہیں گے اور یہ گمان کرنے لگیں گے کہ ان کی ہمیشہ یہی حالت رہے گی۔ جیسا کہ فرمایا ''انہوں نے جب ہماری یاد بھلا دی تو ہم نے ابواب رزق ان پر کھول دیئے اور جب وہ غرور میں اُتر آئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔ ان ظالموں کی نسل ہی قطع کر دی گئی۔ حمد کے لائق تو اللہ ربّ العالمین ہی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں ہماری سیاست بہت قوی ہے[1]۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

کیا ان لوگوں نے اس بات میں غور نہ کیا کہ ان کا جن سے سابقہ ہے ان کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں ۔O

مجنون و دیوانہ نہیں ☆

ان تکذیب کرنے والوں نے یہ بھی غور نہ کیا کہ ان کے رفیع محمد (ﷺ) کو درحقیقت کوئی جنون نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور حق کی طرف بلاتے ہیں۔ جس شخص کو عقل سلیم ہے اور اس سے کام لینا چاہتا ہے وہ اس کو صاف صاف تنبیہ کرنے والے ہیں اور فرمایا کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کی عبادت اور اس کی تبلیغ کے لئے ایک ایک اور دو دو مل کر کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اس بات پر تو کچھ غور کرو کہ تمہارے رفیق کو جنون نہیں بلکہ وہ تو خدا کے عذاب شدید سے ڈرانے والے ہیں۔ خدا سے خلوص اختیار کرو۔ تعصب وعناد کو چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا کرو گے' تو حقیقت تم پر کھل جائے گی' کہ یہ رسول سچے ہیں اور خیر خواہ ہیں۔

نبی ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے' قریش کو جمع کیا اور ایک ایک قبیلہ کا نام لے لے کر بلانے لگے۔ پھر اللہ کے عذاب اور آنے والے حادثات سے انہیں ڈرایا تو بعض بے وقوف کہنے لگے کہ یہ تو کچھ دیوانے سے معلوم ہوتے ہیں۔ صبح تک بکواس کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور (نیز) دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ اور اس بات میں بھی غور نہیں کیا کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو۔ پھر قرآن کے بعد کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔O

[1] خدا تعالیٰ کے اس قانون کا نام ''امہال'' ہے جس کے معنی مہلت دینے کے آتے ہیں سرکش لوگوں کے ساتھ اس قانون کو استعمال کیا جاتا ہے لیکن وہ اپنی حماقت سے سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان سے اور ان کے اعمال سے خوش ہے جب ہی تو یہ عنایات میں ہیں۔ حالانکہ وہ عنایات نہیں بلکہ غفلت میں ڈالنے کی ایک راہ تھی۔

نظر عبرت ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ ہماری نشانیوں کو جھٹلانے والے کیا اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ہمیں کیسا غلبہ حاصل ہے آسمانوں اور زمین پر اور ان میں جو کچھ ہے۔ ان سب پر انہیں چاہئے تھا کہ اس پر تدبر و تفکر کرتے اور عبرت لیتے اور اس نتیجہ پر پہنچتے کہ یہ سب اس کا جس کا کوئی نظر و مثل نہیں۔ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ عبادت اور خلوص صرف اسی سے رکھیں اور اس کے رسول کی تصدیق کریں۔ اس کی اطاعت کی طرف جھک جائیں۔ بتوں کو نکال پھینکیں اور اس بات سے ڈریں کہ موت قریب ہے۔ اگر کفر ہی پر مر جائیں گے تو عذاب الیم کے مستحق ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ اب اس کے بعد پھر اور کونسی تخویف و ترہیب چاہئے کہ جو دھمکی آئی ہوئی ہے وہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہے۔ اگر وہ اس وحی و قرآن کی تصدیق نہ کریں' جو محمد ﷺ نے پیش کی ہے تو پھر کس بات کی تصدیق کریں گے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میں میں نے دیکھا کہ آسمان ہفتم تک جب میں پہنچا اور اُوپر نظر کی تو رعد و برق دیکھے اور ایسی قوم پر سے میرا گزر ہوا جن کے پیٹ مٹکوں کی طرح پھولے ہوئے تھے۔ ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے۔ جو باہر سے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ سود کھانے والے ہیں اور جب اس پہلے آسمان پر اُترا تو میں نے اپنے سے نیچے کی طرف نظر ڈالی تو ایک دھند اور دھواں تھا اور شور غوغا برپا تھا۔ میں نے پوچھا کہ اے جبریل علیہ السلام یہ کیا ہے؟ تو کہا یہ وہ شیاطین ہیں جو انسان کے سامنے گھومتے رہتے ہیں اور راز بن جاتے ہیں تا کہ ارض و سما کے ملکوت میں انسان نظر ہی نہ کر سکے۔ اگر یہ حائل نہ ہوتے تو انسان آسمان کی عجیب عجیب باتیں دیکھتا[1]۔ اس کے ایک راوی علی بن زید سے بہت سی منکر روایات بھی منسوب ہیں۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جن کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا (پھر عم لا حاصل) اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔ ○

گمراہی سے نجات نہیں ☆

اللہ تعالیٰ نے جس کے نام گمراہی لکھ دی' اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ وہ کتنی ہی نشانیاں دیکھے' کچھ فائدہ نہیں ہوتا جس کو خدا ہی فتنہ میں ڈالے اس کو کون راہ راست پر لائے۔ جیسا کہ فرمایا دیکھو آسمانوں اور زمین میں ہماری کیا کچھ نشانیاں ہیں۔ لیکن نشانیاں' معجزات اور دھمکیاں کوئی چیز بھی کافروں کو مفید نہیں پڑتیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا

[1] شیطان ہر راہ سے انسان کو اغوا کرنے اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی مخالفت کی راہیں سوچتا ہے۔ کائنات میں غور و فکر' آیات اللہ پر نظر بہت سے گمراہوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بن سکتا تھا تو شیطان نے جو ابن آدم کا پیدائشی دشمن ہے' انسانی ہدایات کی یہ راہ بھی بند کر دی۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے۔ اس کے وقت پر اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔ وہ آسمان اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا اس لئے وہ تم پر محض اچانک آ پڑے گی۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں جیسے گویا کہ آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ○

قیامت کا کسی کو علم نہیں ☆

یہ آیت قریش سے متعلق نازل ہوئی ہے یا یہود کی ایک جماعت سے متعلق لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہود تو مدینے میں رہتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کا وقت جو تم سے پوچھتے ہیں' سو اس کا یقین نہ کریں گے' تکذیب کے انداز میں پوچھتے ہیں جیسا کہ اس آیت کے انداز بیان سے نتیجہ نکلتا ہے۔ ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ کب ہو گی کب اور کس تاریخ میں'' اور فرمایا کہ یہ کافر قیامت کو جلدی مانگتے ہیں حالانکہ مومن تو قیامت کی ہولنا کیوں سے ڈرتے ہیں اور یقین کئے ہوئے ہیں کہ اس کا آنا حق ہے اور جو لوگ قیامت میں شک کرتے ہیں' بڑی گمراہی میں ہیں اور فرمایا ''بتاؤ وہ کس تاریخ کو ہوگی اور دنیا کب ختم ہو جائے گی اور پھر گھڑی قیامت کی کونسی ہے۔'' تو اے نبی ﷺ! کہہ دو کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے۔ خدا کے سوا کسی کو خبر نہیں کہ کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا ہے کہ اے نبی ﷺ! وہ وقت پوچھیں تو بات کو اللہ کی طرف پھیر دو کہ اس کے وقت کی تحدید تو خدا کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے فرمایا: ﴿ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی زمین و آسمان والے اس کے علم سے بے بہرہ ہیں۔ حسنؒ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو اہل ارض و سما پر بہت بھاری گزرے گی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہوئی' جس کو قیامت کا ضرر نہ پہنچے گا۔ آسمان پھٹ جائیں گے' ستارے ٹوٹ پڑیں گے۔ سورج تاریک ہو جائے گا پہاڑ اڑ جائیں گے اور خدا تعالیٰ نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ سب ہوگا۔ آسمان والوں کو بھی اس کا علم نہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ وہ اچانک آ جائے گی۔ لوگوں کو اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ ایک وقت سورج مغرب سے طلوع نہ کرے گا۔ کافر یہ عجیب بات اور اس پیش گوئی کی صداقت دیکھ کر ایمان لائیں گے لیکن کسی کو بھی اس وقت کا ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا یا گنہگاروں کو اب نیک کام کرنا کوئی نتیجہ نہ بخشے گا۔ دو آدمی کپڑے کا لین دین کر رہے ہوں گے اس غرض سے کپڑے کا تھان کھولا جا رہا ہوگا کہ ناگہاں قیامت شروع ہو جائے گی۔ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے یعنی وہ قیامت کا راز تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم ان کے بڑے دوست ہو اور اس انداز سے پوچھتے ہیں گویا قیامت کی تاریخ وقوع سے تم واقف ہو۔ اس لئے اللہ نے فرمایا کہ اس کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس راز کو کسی مقرب ترین فرشتے یا اپنے کسی رسول پر بھی نہیں کیا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ قریش حضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ تمہارے ہمارے درمیان تو رشتہ داری ہے۔ ہمیں تو بتا دیجئے کہ قیامت کب آ رہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ کہہ دو اس کا علم فقط اللہ کو ہے۔ یہ لوگ جو نبی ﷺ سے قیامت کو پوچھتے ہیں' سو نہیں جانتے کہ نبی کو بھی اس کا علم نہیں۔ خدا کے سوا اس کا علم نہیں رکھتا۔ حضرت جبریل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں حضرت ﷺ کے پاس آئے تا کہ ان سے امور دین کی تعلیم لوگ حاصل کر سکیں اور ایک طالب ہدایت سائل کے انداز میں حضرت ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور آپ سے اسلام کے بارے میں پوچھا' پھر ایمان اور احسان سے متعلق دریافت کیا پھر کہا قیامت کب آنے والی ہے۔ اس چوتھے سوال کے جواب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس چیز کے بارے میں مجھ کو تم سے زیادہ علم نہیں۔ یعنی جیسے تم ناواقف میں بھی ناواقف اور کوئی شخص بھی اس بارے میں کچھ نہیں جان سکتا۔ پھر حضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمان: ۳۴) اور ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے بشکل اعرابی آپ سے قیامت کی نشانیاں پوچھیں۔ آپ نے نشانیاں بتا دیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں رکھتا آپ کے ہر جواب پر وہ اعرابی کہتا گیا کہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ گویا وہ جانتا تھا اور بات کی صداقت کا اعتراف کر رہا ہے۔ اس انداز تصدیق پر صحابہ نے تعجب کا اظہار کیا کہ کیسا ہے کہ خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی جواب پر صاد کر رہا ہے۔ پھر یہ سائل چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام تھے اور اس طرح تم لوگوں کو مسائل دین اور عقائد اسلام کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ اس سے پہلے جب کبھی یہ صورت بدل کر آتے رہے میں پہچانتا رہا اور اس دفعہ تو میں نے بھی نہیں پہچانا تھا۔ میں نے آغاز شرح بخاری میں اس حدیث کو بیان کر دیا ہے اور جب اس اعرابی نے آپ سے پوچھا اور بلند آواز میں آپ کو پکارا کہ یا محمد! تو آپ نے بھی بلند آواز میں جواب دیا ''ہاں کیا ہے؟'' تو اس نے کہا قیامت کب آنے والی ہے؟ تو آپ نے فرمایا' اے میاں! قیامت جب بھی آئے ضرور آئے گی لیکن تم بتاؤ کہ اس کے لئے تم نے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ کہا بکثرت نمازیں اور روزے اگرچہ نہیں ہو سکے لیکن خدا اور رسول سے مجھے بہت محبت اور شغف ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا آدمی قیامت میں اسی کے ساتھ رہے گا۔ جس سے اس کو محبت ہو۔ اس حدیث کو سن کر صحابہؓ بے انتہا خوش ہوئے۔ صحیحین میں اکثر صحابہؓ کی روایتوں سے یہ متعدد طریقوں سے بیان ہوئی ہے۔ حضرت نبی ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی شخص ایسا سوال کرتا' جس کی چنداں ضرورت نہیں اس کو اور اس کے لئے عبث ہے تو آپ ﷺ جواب میں اس بات کی طرف اس کا رخ پھیر دیتے جس کا جاننا اس کے لئے اپنے سوال سے کہیں زیادہ ضروری ہوتا تا کہ وہ اپنی ذات کو اس سے نمٹنے کا اہل بنا لے اور پہلے سے تیاری کر رکھے۔ اگرچہ اس کی تعیین وقت سے واقف نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ دیہاتی عرب حضور ﷺ کے پاس آتے تو اکثر یہ سوال کرتے رہتے کہ قیامت کب ہوگی؟ تو آپ ان کے کسی بچے کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ اگر اللہ نے اس کو زندگی دی تو یہ بوڑھا بھی نہ ہونے پائے گا کہ تمہاری قیامت تو آ جائے گی۔ گویا قیامت سے مراد موت ہوئی جو تم کو دنیا سے نکال کر تمہیں عالم برزخ میں لے جا چھوڑے گی اور بہت سی حدیثیں اسی مضمون کی الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ پیش کی گئی ہیں' جو سب کی سب ایک ہی مضمون کی ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ مقصد ان سب حدیثوں کا یہی ہے کہ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی لیکن وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ ''اس بچے کے بڑھاپے سے پہلے قیامت آ جائے گی۔'' یہ اطلاق بھی اسی تقید پر محمول ہے۔ یعنی مراد اس سے لوگوں کی

موت کا وقت ہے[1]۔ اپنی وفات سے ایک ماہ قبل آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے بارے میں مجھ سے تم لوگ پوچھتے رہتے ہو۔ اس کا علم تو خیر خدا کو ہے کہ قیامت آنے میں اور کتنی مدت ہے لیکن میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ اس وقت زمین پر جتنے متنفس آباد ہیں سو سال بعد ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ تو گویا مطلب یہ ہوا کہ جیسے قیامت میں سب لوگ مر جائیں گے اسی طرح سو سال میں موجودہ سب لوگوں کے لئے قیامت آ جائے گی۔ گویا تعین وقت ہی اگر چاہتے ہو تو لو یہ تعین وقت ہے۔ اسی طرح قیامت سے مراد اس ایک صدی کا اختتام تھا کہ بات کو اس ڈھنگ سے بیان کیا گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میں ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام پر میرا گزر ہوا' لوگ قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب حضرت ابراہیمؑ سے آ کر پوچھنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو کوئی اس کا علم نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے۔ آپ نے بھی یہی کہا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے۔ آپ نے بھی کہا کہ اس کا علم تو خدا کے سوا کسی کو ہے ہی نہیں۔ لیکن علامت یہ ہے کہ دجال نکلے گا۔ میرے ساتھ ایک دوشاخہ ہوگا۔ وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھل جائے گا اور اللہ پاک اس کو ہلاک کر دے گا۔ حتیٰ کہ شجر اور حجر بھی بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان میری آڑ میں ایک کافر چھپا ہوا ہے۔ آ' اور اس کو قتل کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کافروں کو ہلاک کر دے گا۔ پھر لوگ اپنی اپنے شہروں اور وطنوں کو واپس ہو جائیں گے۔ ایسے وقت میں یاجوج اور ماجوج نکلیں گے وہ ہر گوشے سے ابل پڑیں گے۔ شہروں کو پامال کرتے پھریں گے۔ ہر چیز ان کے آنے اور پھرنے سے برباد اور تلف ہوتی رہے گی۔ حتیٰ کہ چشموں پر پہنچیں گے تو چشموں کو خالی کر دیں گے[2]۔ لوگ میرے پاس ان کی شکایات لے کر آئیں گے۔ میں ان کے لئے خدا سے بددعا کروں گا۔ اللہ ان سب یاجوج ماجوج کو ہلاک کر دے گا۔ حتیٰ کہ ہر جگہ کی فضا ان کی لاشوں کی بدبو سے مسموم ہو جائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا کہ پانی کا بہاؤ ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں لے جا ڈالے گا۔ اس وقت پہاڑ اکھڑ جائیں گے۔ زمین پھیل جائے گی۔ اس وقت قیامت ایسی قریب ہوگی' جیسے نو مہینے کی حاملہ' کہ جس کو لوگ نہیں جانتے کہ دن رات میں کس وقت زچگی ہو جائے۔ بڑے بڑے پیغمبر بھی قیامت کا وقت نہیں جانتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی صرف اس کی علامتیں بتا دیں کیونکہ اس امت کے آخری زمانہ میں وہ اتریں گے اور نبی ﷺ کے احکام نافذ فرمائیں گے۔ مسیح دجال کو قتل کریں گے اور یاجوج ماجوج کو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے ہلاک کر دے گا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس کی علامتیں بتاؤں۔ وہ یہ کہ اس کے سامنے بڑے فتنے اور انقلابات وحوادث واقع ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم فتنہ کا مفہوم تو سمجھتے ہیں لیکن ہرج کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حبش کی عربی زبان میں اس کے معنی قتل کرنا۔ پھر فرمایا کہ لوگوں میں اجنبیت اور بے پروائی اتنی بڑھ جائے گی کہ ایک شخص دوسرے کو کہتے گا کہ میں نہیں پہچانتا۔ صحاح ستہ میں بات کو اس طریقہ سے روایت نہیں کیا گیا ہے۔ ہمارے نبی امی سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے جو نبی الرحمۃ اور نبی التوبہ ہیں' فرمایا ہے کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ چنانچہ آپ نے کلمہ اور بیچ کی انگلی کو جوڑ کر بتایا' گویا کہ میرے ساتھ قیامت لگی ہوئی ہے یعنی دونوں کے درمیان کوئی نبی ہونے والا نہیں۔ غرض یہ کہ ''عِلْمُ السَّاعَة'' علم قیامت

---

[1] ایک حدیث میں ہے کہ ((من مات قامت قیامته)) یعنی جو شخص مر گیا اس کی تو گویا قیامت شروع ہو گئی۔ مطلب یہ کہ جن احوال سے قیامت میں سابقہ ہوگا ان کے ابتدائی مناظر برزخی زندگی میں شروع ہو ہی جاتے ہیں۔

[2] یعنی اس کثرت سے پانی پئیں گے کہ چشمے خالی ہو جائیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں ہوں گے کہ جس چشمے پر جا پہنچیں گے اس کو خالی کر دیں گے۔

صرف اللہ پاک کو ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ع ۲۳ / ۱۴

آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا خدا نے چاہا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں تو محض (احکام شرعیہ بتلا کر ثواب کی بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔ ○

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے ☆

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ سارے اُمور کی نسبت خدا کی طرف کرو اور اپنی بارے میں کہہ دو کہ مستقبل کا علم مجھے بھی نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے کچھ بتا دیا تو بتا دیتا ہوں جیسا کہ فرمایا ''عالم الغیب کے علم غیب کو کوئی نہیں پا سکتا اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دو کہ اگر میں غیب کی بات جانتا تو اپنے لئے بہت سا خیر جمع کر لیتا یعنی اگر مجھ کو اپنی موت کی خبر ہوتی کہ کب مروں گا تو کوشش کرتا کہ جلد تر بہت سے اعمال صالحہ کرا لوں۔'' یہ قول مجاہدؒ کا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں لیکن یہ بات غور طلب ہے اس لئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل اچھا ہی تھا اور جو بھی عمل کرتے وہ مستقل اور پائیدار ہوتا۔ سارے اعمال ایک ہی ڈھنگ کے لئے تھے۔ ہر عمل میں آپ کی نظر اللہ پر ہی ہوتی۔ غرض یہ کہ کوئی عمل بھی غیر عمل صالح نہ تھا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ غیب کی باتیں جان لیتا تو لوگوں کی بھلائی کس کام کے اندر ہوتی تو اس سے ان کو آگاہ کر دیتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خیر کے معنی مال کے لئے ہیں اور یہ مفہوم احسن ہے۔ یا یہ کہ جس خریداری میں فائدہ کا علم ہوتا وہ ضرور خریدتا اور کوئی چیز نہ بیچتا' جب تک اس میں فائدہ کا علم نہ ہوتا۔ غرض یہ کہ تجارت میں کبھی نقصان نہ اُٹھاتا یا نہ اُٹھانے دیتا۔ یا مجھے فقر و تنگ دستی کبھی نہ آنے پاتی۔ بعض لوگوں نے یہ مطلب بھی لیا ہے کہ قحط آنے والا ہوتا تو بہت کچھ غلہ جمع کر رکھتا۔ سستے زمانے میں خرید لیتا اور گرانی کے زمانہ میں بیچتا اور مجھے غربت و مسکنت کبھی نہ چھوتی اور نقصان آنے سے پہلے اس سے بچ جاتا[1]۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا' میں صرف نذیر اور بشیر ہوں۔ عذاب سے ڈرانے والا اور جنت کی بشارت دینے والا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہم نے قرآن کو تمہاری زبان پر آسان بنا دیا ہے تاکہ ارادۂ تقویٰ رکھنے والوں کو تم بشارت دو اور جھگڑنے والے سرکش لوگوں کو ڈراؤ۔''

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ

[1] ان تمام توجیہات میں پہلی توجیہہ زیادہ دل نشین ہے اگرچہ ابن کثیر نے اس پر بعض اشکالات کئے ہیں۔ تاہم اس توجیہہ کی لطافت و نزاکت معلوم ہے۔

فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور اللہ ایسا (قادر و منعم) ہے جس نے تم کو ایک تن واحد (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا (حوا) بنایا تا کہ وہ اس جوڑے سے انس حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا' وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو کہ ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح وسالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ اللہ کے شریک قرار دینے لگے۔ سو اللہ پاک ہے ان کے شرک سے۔ ○

شکر کے بجائے کفر ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا جہان کے لوگ آدم علیہ السلام کی نسل سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم علیہ السلام ہی سے ان کی بیوی حوا پیدا کی گئی۔ ان ہی دونوں سے نسل بڑھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور اتنا بڑھایا کہ تم لوگ خاندان اور قبیلے بن گئے۔ اب تمہیں ایک دوسرے کے حقوق پہچاننا چاہئیں اور خدا تعالیٰ کی نظروں میں تم میں شریف تر وہی ہوگا جو سب سے زیادہ محتاط عمل کرے۔ ﴿لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ کے معنی ہیں تا کہ ایک دوسرے سے الفت رہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ یعنی تم دونوں کے دلوں میں محبت اور رحمت ڈال دی۔ دو روحوں میں جو محبت و راحت ہوتی ہے۔ وہ روحوں کی باہمی الفت و موانست سے بڑی کر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ساحر اکثر سحر کے ذریعہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیں۔ غرض شوہر جب اپنی بیوی کے ساتھ فطری محبت کی بنا پر موانست قربت اختیار کرتا ہے تو ابتداً وہ اپنے پیٹ میں ایک ہلکا سا بوجھ محسوس کرنے لگتی ہے۔ یہ آغاز حمل کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس وقت تو عورت کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حمل تو ابھی نطفہ یا علقہ اور مضغہ ہے۔ یعنی نطفہ یا گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا۔ ابھی وہ ہلکی پھلکی ہوتی ہے۔ ایوب کہتے ہیں کہ میں نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ﴿مَرَّتْ بِهٖ﴾ کے معنی پوچھے تو کہا اگر میں عرب ہوتا اہل زبان ہوتا تو جانتا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اسی طرح وہ اس حمل کو چندے لئے پھرتی رہتی ہے۔ قتادہ اس کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ حمل نمایاں ہوگیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ حمل لئے ہوئے آسانی سے اُٹھ بیٹھ سکتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ وہ ہے جب کہ خود اس کو شک ہے کہ کہ مجھے حمل ہے بھی یا نہیں۔ غرض یہ کہ اس کے بعد جو عورت کو بوجھ اچھا خاصا محسوس ہونے لگتا ہے اور یقین حمل ہو جاتا ہے تو یہ ماں باپ دونوں خدا سے تمنا کرنے لگتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں صحیح سالم بچہ دے۔ تو خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ماں باپ کو ڈر لگا ہوتا ہے کہ کہیں جانور کی شکل یا اعضاء کا یا غیر سالم بچہ نہ ہو جائے۔ جیسا کہ بعض مرتبہ ہو جایا کرتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یہ مطلب لیتے ہیں کہ اگر خدا ہم کو لڑکا دے کیونکہ مولود میں زیادہ صلاحیت والا مولود لڑکا ہی ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ جب اللہ ان کو صحیح

سالم بچہ دیتا ہے تو اس کو بتوں کا حصہ بنا ڈالتے ہیں۔ خدا کی ذات ایسے شرک سے بے نیاز ہے۔

مفسرین نے یہاں بہت سے آثار واحادیث بیان کی ہیں جن کا ذکر ہم کریں گے۔ ان پر روشنی ڈالیں گے۔ پھر ان شاءاللہ صحیح بات کی طرف رہنمائی کریں گے۔ خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ حوا کو جب وضع حمل ہوا تو ابلیس ان کے پاس آیا۔ ان کا بچہ زندہ نہیں رہتا تھا' تو حوا کو مشورہ دیا کہ بچہ کا نام عبدالحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ بچہ کا نام عبدالحارث رکھا گیا[1] اور وہ زندہ رہا۔ یہ شیطان کی طرف کی وحی تھی اور حارث شیطان کا نام ہوتا ہے۔ اس حدیث میں تین علتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا راوی عمر بن ابراہیم ایک بصری شخص ہے۔ اگرچہ ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً حضرت سمرہ کے اپنے قول سے مروی ہوئی ہے جو مرفوع نہیں۔ ابن جریر میں خود سمرہ بن جندب کا کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ تیسرے یہ کہ اس کے راوی حسن سے بھی اس آیت کی تفسیر اس کے سوا بیان کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ نہیں بلکہ بعض دوسرے مذہب والوں کا ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ کا فعل بیان ہوا ہے کہ اپنی اولاد کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔ اس آیت کی جو تفسیریں بیان کی گئی ہیں' ان سب میں بہتر یہی تفسیر ہے۔ غرض تعجب کے لئے گنجائش یہ تھی کہ ایسا متقی اور پرہیزگار آدمی ایک آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث قول پیغمبر روایت کرے پھر اس کے خلاف خود تفسیر کرے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ وہ سمرہ کا اپنا قول ہے۔ اس کے بعد یہ خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ سمرہ نے اسے اہل کتاب سے ماخوذ کیا ہو۔ جیسے کعب اور وہب وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ ان شاءاللہ اس کا بیان بھی عنقریب آئے گا۔ غرض اس حدیث کا مرفوع ہونا تسلیم نہیں ہو سکتا۔

اب دوسری احادیث بھی اس بارے میں ہیں۔ یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حوا کے جو اولاد ہوتی تھی' ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیتی تھیں اور ان کا نام عبداللہ' عبید اللہ وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم وحوا کے پاس ابلیس آیا' اور کہنے لگا کہ اگر تم اپنی اولاد کا دوسرا نام رکھا کرو گے تو وہ زندہ رہے گی۔ اب حوا کے بچہ ہوا تو ماں باپ نے بچہ کا نام عبدالحارث رکھا۔ اسی سے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ تا آخر۔ حوا کو شک تھا کہ حمل ہے یا نہیں۔ غرض جب وہ حمل سے بوجھ ہوگئی تو ان دونوں نے خدا سے دعا کی کہ اگر جیتا جاگتا صالح بچہ ہوگا تو ہم بڑا شکر کریں گے۔ اب شیطان ان دونوں کے پاس آیا اور کہنے لگا تمہیں کیا خبر کہ کیسا بچہ پیدا ہوگا۔ جانور کی شکل وصورت کا ہوگا یا انسان۔ ایک غلط بات ان کی نگاہوں میں اچھی بنا کر پیش کی اور شیطان تو دھوکا دینے والا ہے ہی۔ اس سے پہلے دو بچے ہو چکے تھے اور مر چکے تھے۔ شیطان نے انہیں سمجھایا کہ اگر تم میرے نام پر اس کا نام نہ رکھو گے تو نہ وہ ٹھیک پیدا ہوگا اور نہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس بچے کا نام عبدالحارث رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا پر صحیح سالم بچہ دیا تو اس کا نام عبدالحارث رکھ کر اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ ان آیتوں میں اسی کا بیان ہے اور ایک روایت میں ہے کہ پہلی دفعہ کے حمل

---

[1] حارث شیطان کا نام ہے۔ عبدالحارث کے معنی ''شیطان کا بندہ'' ہوئے۔ آدم وحوا علیہما السلام یہ نہیں جانتے تھے کہ شیطان کا نام حارث ہے اگر جانتے تو اپنے بچے کا نام عبدالحارث نہ رکھتے لیکن یہ تمام توجیہات اس صورت میں ہیں' جب کہ یہ حدیث صحیح ہو۔

کے وقت یہ (شیطان) آیا اور انہیں ڈرایا کہ میں وہی ہوں' جس نے تمہیں جنت سے نکلوایا۔ اب تم میری اطاعت کرو' ورنہ میرے کرتب سے اس کے سینگ پیدا ہو جائے گا اور وہ پیٹ کو پھاڑ کر نکلے گا اور یہ ہو گا اور وہ ہو گا۔ غرض انہیں بہت خوفزدہ کر دیا۔ مگر انہوں نے اس کی بات نہ مانی۔ خدا تعالیٰ کی مصلحت بچہ مردہ پیدا ہوا۔ دوسرا حمل ہوا پھر بھی بچہ مردہ پیدا ہوا۔ اب کے ابلیس نے آ کر اپنی بہت خیر خواہی جتائی بچے کی محبت غالب آ گئی اور اس کا نام انہوں نے عبدالحارث رکھ دیا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا﴾۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے۔ جیسے مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' قتادہ اور سدی۔ اسی طرح سلف سے لے کر خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے پس ظاہر ہے کہ یہ بات اہل کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ جن کی بابت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کی باتوں کو نہ سچی کہو نہ جھوٹی۔ ان کی روایتیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن کی صحت کسی آیت یا حدیث سے ہوتی۔ دوسری وہ جن کی تکذیب کسی آیت و حدیث سے ہوتی ہے۔ تیسری وہ جن کی بابت کوئی ایسا فیصلہ ہمارے دین میں نہ ملے تو بقول حکم حدیث اس کے بیان میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کی تکذیب و تصدیق نہیں کرنا چاہئے۔ میرے نزدیک تو یہ اثر دوسری قسم کا ہے یعنی ماننے کے قابل نہیں اور جن صحابہ یا تابعین سے یہ روایت ہے۔ انہوں نے اسے تیسری قسم کا سمجھ کر روایت کر دیا ہے لیکن ہم تو وہی کہتے ہیں جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ مشرکوں کا اپنی اولاد میں شریک خدا کا بیان ان آیتوں میں ہے نہ کہ حضرت آدم و حوا کا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اس شرک سے بلند و بالا ہے۔ ان آیتوں میں یہ ذکر اور اس سے پہلے آدم و حوا کا ذکر مثل توطیہ کے ہے کہ ان اصلی ماں باپ کا ذکر کر کے پھر اور ماں باپ کا ذکر ہوا اور ان ہی کا شرک بیان ہوا۔

اب شخصی و انفرادی ذکر ختم کر کے جنس کے ذکر کی طرف بات کا رخ پھیرا جاتا ہے۔ جیسے ''ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی اور پھر انہی ستاروں کو شیطانوں کو مار بھگانے کے کام میں لائے اور یہ ظاہر ہے کہ جو ستارے زینت کے ہیں' وہ جھڑتے نہیں' ان سے شیطانوں پر مار نہیں پڑتی۔'' یہاں بھی بات کا رخ یوں پھیرا جاتا ہے کہ تاروں کی شخصیت سے تاروں کی جنس کی طرف۔ اس کی اور بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صٰمِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

صٰدِقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾ اِنَّ وَلِـيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٧﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾

کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہو جو کسی چیز کو نہ بنا سکیں اور وہ خود ہی بنائے جاتے ہیں اور وہ انکو کسی قسم کی مدد (بھی) نہیں دے سکتے اور وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے اور اگر تم انکو کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں۔ تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو اور یا تم خاموش رہو۔ واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں۔ تم انکو پکارو پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا کر دیں۔ اگر تم سچے ہو۔ کیا انکے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا انکے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو تھام سکیں یا انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا انکے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں۔ آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب شرکاء کو بلا لو پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو۔ یقیناً میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ (عموماً) نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور انکو اگر کوئی بات بتلانے کو پکارو تو اس کو نہ سنیں اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ ○

دُنیا میں سب سے زیادہ کمزور مخلوق بت پرستوں کے معبود ہیں ☆

وہ مشرکین جو اللہ کے بجائے اوثان واصنام کی عبادت کرتے ہیں' انہیں تنبیہ ہو رہی ہے کہ یہ اصنام بھی خدا کی مخلوق میں ایک بنائی ہوئی چیز ہیں۔ کسی بات کی بھی ان کو مقدرت نہیں نہ وہ کسی کو مضرت پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ نہ ان میں دیکھنے کی طاقت ہے نہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ بت تو جمادات میں سے ہیں۔ حرکت تک نہیں کر سکتے۔ بلکہ ان کی عبادت کرنے والے ان سے کہیں افضل ہیں کہ سن سکتے ہیں' دیکھ سکتے ہیں' چھو سکتے ہیں پکڑ سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ کیا ان پتھروں کے بتوں کو خدا شریک بناتے ہیں' جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا' اے لوگو! ایک مثل بیان کی جاتی ہے۔ سنو! یہ لوگ جو خدا کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں وہ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ خواہ سب کے سب ہی مل کر کیوں نہ کوشش کریں۔ بلکہ مکھی اگر ان کے کھانے کی کوئی چیز لے اُڑے تو وہ اس سے واپس تک نہیں لے سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں کس قدر ضعیف و بے قدرت ہیں۔ انہوں نے قدرت کی قدر نہیں

پہچانی۔ بے شک خدا بڑا قوی اور عزیز ہے۔ مکھی ایک حقیر غذا بھی ان سے لے اُڑے تو اس سے چھڑانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس کی یہ صفت ہو وہ کیسے رزق دے یا مدد کرے گا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ﴾ کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو، جس کو خود گھڑتے ہو۔ پھر فرمایا کہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی ذرا بھی مدد نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ان کے ساتھ برا برتاؤ کرے تو خود اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے۔ جیسے کہ حضرت خلیل علیہ السلام اپنی قوم کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیتے تھے اور ان کی انتہائی اہانت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مار مار کر بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ لیکن بت خانے کے سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا تا کہ لوگ آ کر اسی بڑے بت سے پوچھ لیں کہ یہ کیا ہوا اور کس نے کیا؟

معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن جبل دونوں جوان تھے، مسلمان ہو چکے تھے۔ مدینہ میں رات کے وقت مشرکین کے بتوں کو توڑ دیتے۔ اگر وہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے، تو ان کو توڑ کر جلانے کے لئے بیوہ غریب عورتوں کو دے دیتے تا کہ ان کم بخت مشرکین کو کچھ عبرت ہو اور اپنے عمل اور عقیدے پر کچھ غور کریں۔ عمرو بن جموح اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس کے پاس ایک بت تھا۔ جس کی وہ عبادت کرتا تھا۔ اس کو خوشبوئیں ملتا۔ وہ دونوں نوجوان رات کے وقت اس کے بت خانے میں جاتے اس پر غلاظت کرتے۔ عمرو بن جموح آتا اور بت کو اس کیفیت میں دیکھتا تو اس کو دھوتا خوشبوئیں ملتا اور اس کے پاس تلوار رکھ دیتا اور کہتا کہ اس سے مدافعت کر۔ دوبارہ یہ لوگ ایسا ہی کرتے اور ابن جموح پھر دھوتا، صاف کرتا۔ پھر اس کے پاس تلوار رکھتا۔ آخر کار ایک دن ان دونوں نے اس بت کو نکالا اور ایک کتے کی لاش سے اس کو باندھ دیا اور ایک رسی کے ذریعہ ایک باؤلی میں لٹکا دیا۔ جب عمرو بن الجموح آیا اور یہ کیفیت دیکھی تو اس کو عقل آ گئی کہ وہ بت پرستی کے بارے میں اعتقاد باطل رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگا کہ: واللہ لوکنت الھا مستدن لم تك والكلب جميعا فی قرن۔ ''اگر تو سچ مچ خدا ہوتا تو کنوئیں میں کتے کے ساتھ پڑا نہ ہوتا۔'' پھر وہ اسلام لے آیا اور مخلص مسلمان رہا اور جنگ احد میں شہید ہوا۔ ارشاد باری ہے کہ اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ کبھی تمہاری پیروی نہ کریں یعنی یہ بت کسی کی پکار کو نہیں سن سکتے۔ ان کو پکارنا نہ پکارنا برابر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ ''اے باپ! عبادت نہ کر وایسی مورتی کی، جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ تمہارا کچھ کام نکالتی ہے۔'' پھر فرمایا وہ بھی خدا کی مخلوق ہے جیسے یہ بت پرست بلکہ یہ بت پرست ہی ان بتوں سے اچھے کہ سنتے، دیکھتے اور چھوتے تو ہیں۔ پھر فرمایا کہ اچھا اپنی مدد کے لئے اپنے شریکوں کو بلاؤ اور مجھے چشم زدن کی بھی مہلت نہ دو اور میرے خلاف جی کھول کے کوشش کر دیکھو۔ میرا مددگار وہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی۔ وہ نیکوکاروں کا والی ہے۔ وہی خدا میرے لئے کافی و وافی ہے۔ وہی میری مدد کرے گا۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے۔ میں مجبور ہوں تو اسی کا ہوں وہ دنیا اور آخرت میں نہ صرف میرا بلکہ میرے بعد بھی ہر نیکوکار کا سرپرست ہے۔ جیسا ہود علیہ السلام نے اپنے قوم کے جواب میں فرمایا تھا۔ جب کہ آپ کی قوم نے آپ پر یوں تہمت باندھی کہ تم پر ہمارے خداؤں کی کچھ مار پڑی ہے جبھی تو تم ایسی ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں تو خدا کی گواہی دیتا ہوں اور صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ میں تمہارے شرکاء سے نفرت و بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ اچھا تم مل کر میرے ساتھ کچھ شرارت کر دیکھو اور ہاں دم بھر کے لئے مجھے مہلت بھی نہ دینا۔ تم میرا کیا انکار کرو گے میرا بھروسہ تو خدا پر ہے۔ وہ میرا اور تمہارا سب کا ربّ ہے۔ زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی نکیل اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ میرا ربّ سیدھے اور سچے طریق پر ہے اور خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے ان بتوں کے بارے میں جن کی تم اور

تمہارے آباواجداد پرستش کرتے تھے۔ یہ لوگ تو میرے دشمن ہیں مگر پروردگار میرا دوست ہے۔ اسی نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ٹھیک راہ پر چلائے گا اور جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں بری ہوں تمہارے خداؤں سے مگر اپنے خدا کا میں عبادت گزار ہوں۔ جس نے مجھے پیدا کیا اور پھر میری ہدایت فرمائی اور اس کے پیچھے اس کو ایک کلمہ یادگار بنا چھوڑا۔ شاید کہ یہ اپنی بات سے رجوع کریں اور اسی لئے فرمایا کہ وہ نہ تو تمہاری مدد کر سکتے ہیں نہ اپنی اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ خاک نہیں سنتے۔ تم ایسا سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف نظر کر رہے ہیں لیکن خاک کچھ نہیں دیکھتے۔ وہ اپنی تصویری آنکھیں تم سے دوچار کر رہے ہیں' جیسے واقعی دیکھ رہے ہوں لیکن وہ تو بے جان ہیں۔ اسی لئے ان سے ایسا معاملہ کیا جو ایک صاحب عقل کرتا ہو۔ ان بتوں کی شکل تو تصویری شکل ہے اور انسان جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ گویا وہ تم کو گھور رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی طرف ہم نے ھم کی ضمیر راجع کی جو انسان کی طرف لوٹائی جاتی ہے حالانکہ بے جان چیز ھا کی ضمیر کی مستحق ہوتی ہے۔ سدی اس سے بتوں کے بجائے مشرکین مراد لیتے ہیں' لیکن پہلی ہی رائے صحیح ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿١٩٩﴾ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٠٠﴾

سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے اور اگر آپ پر کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ ○

اَمر بالمعروف ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ ان کے وہ اموال جو ان کی ضروریات سے زیادہ ہیں اور وہ مال جو تمہیں لا دیں وہ لے لو اور یہ عمل درآمد سورہ برأت میں فرائض صدقات کی توضیح وتشریح سے پہلے تھا کہ صدقات آپ کے پاس پیش کئے جاتے ہیں اور ضحاک کہتے ہیں کہ ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ کے معنی ہیں' جو زیادتی ہے وہ خرچ کر دو۔ عفو کے معنی زیادتی کے کئے گئے ہیں۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس میں مشرکین سے عفو ودرگزر کا حکم ہے۔ دس سال تک یہ عفو درگزر رہا۔ پھر ان پر سختی کرنے کا حکم ہوا۔ یہ ابن جریر کا قول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ لوگوں کے اخلاق اور اعمال سے درگزر کرو۔ یعنی ان کے اعمال واخلاق کا کھوج نہ کرو۔ مراد یہ ہے کہ لوگوں سے درگزر کرو اور بری صحبت اختیار کرنے سے بچو۔ خدا کی قسم جس کی صحبت میں اختیار کروں گا' ضرور اس کی خوبو پکڑ لوں گا۔ سب اقوال میں یہی قول زیادہ بہتر ہے۔

عیینہ سے روایت کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتاری۔ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس کا کیا مقصد ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو تمہاری ذات پر کوئی زیادتی کرے تو اس کو معاف کر دیا کرو جو تم کو نہ دے تم اس کو دو۔ جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو۔ اسی مضمون کی حدیث سے متعلق ابن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین اعمال مجھے بتائیے؟ آپ نے فرمایا' اے عقبہ بن عامر! جو تم سے ہمدردی نہیں کرتا تم

اس سے ہمدردی کرو۔ جو تم کو محروم رکھتا ہے تم اس کو عطا سے محروم نہ رکھو جو تمہاری ذات سے متعلق زیادتی کرے تم اس سے درگزر کرو اور بخش دو۔ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ (معاف کر دیا کرو اور نیک کاموں کی رہنمائی کیا کرو اور جاہل لوگوں سے انجان بن جاؤ) عرف کے معنی معروف کے ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ عیینہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے یہاں آ کر ٹھہرے۔ حر بن قیس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درباری آدمی تھے۔ وہ قرآن کریم کے ماہر تھے اور قاری علماء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت کے رکن تھے۔ یہ علما جوان بھی ہوتے تھے اور بوڑھے بھی۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا' اے بھتیجے تم کو امیر المؤمنین کے پاس رسوخ حاصل ہے' امیر سے اجازت لے لو کہ میں ان سے مل لوں تو حر نے عیینہ کے لئے اجازت حاصل کر لی اور عمرؓ نے حاضری کی اجازت دے دی۔ جب عیینہ امیر المومنین سے ملے تو کہنے لگے یا ابن خطاب! تم نے ہم کو کافی روپیہ نہیں دیا نہ ہمارے ساتھ عدل سے کام لیا۔ عدل کا نام سن کر عمرؓ غضب ناک ہو گئے اور قریب تھا کہ عیینہ کو مار بیٹھیں۔ تو حر کہنے لگے اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ''معاف کر دیا کرو اور نیک کاموں کا مشورہ دیا کرو اور جاہلوں سے اعراض کیا کرو'' اور یہ تو جاہلین میں سے ہیں۔ خدا کی قسم جب عمرؓ کے آگے یہ آیت تلاوت کی گئی تو وہیں رک گئے۔ کوئی عقوبت نہیں کی۔ وہ کتاب اللہ کے بڑے واقف کار تھے۔ صرف بخاریؒ نے اس کی روایت کی ہے۔''

روایت میں ہے کہ سالم بن عبداللہ کا گزر اہل شام کے ایک قافلہ پر سے ہوا قافلہ میں گھنٹیاں بج رہی تھیں تو کہا کہ گھنٹیاں بجانا منع ہے۔ کفار مندروں میں گھنٹیاں بجاتے ہیں۔ تو اہل قافلہ نے کہا کہ اس بارے میں ہمیں تم سے زیادہ معلومات ہیں۔ ممانعت بڑے بڑے گھنٹوں کی ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی گھنٹیوں میں کوئی حرج نہیں۔ تو سالم خاموش ہو گئے اور صرف اتنا کہا کہ ﴿اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ یعنی جاہلوں کے منہ نہ لگنا ہی بہتر ہے۔ کہا جاتا ہے: اولیته معروفا' عارفا و عارفة۔ سب کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کار نیک۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ بندوں کو نیک کام کا حکم دو۔ لفظ معروف کے اندر تمام طاعات داخل ہیں اور جاہلوں سے اعراض کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اگرچہ اس کے مامور بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن درحقیقت سب ہی بندے مامور ہیں۔ اس کے ذریعے بندوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو اس کو برداشت کر لو۔ یہ مطلب نہیں کہ کوئی خدا کے حقوق واجبی میں قصور کرے تو بھی اعتراض کر جاؤ۔ یا اللہ تعالیٰ سے کفر کرے یا وحدانیت سے جاہل رہے تو بھی درگزر کرو۔ یا مسلمانوں سے اپنی جہالت کے سبب لڑے تو بھی خاموش ہو جاؤ۔ غرض یہ کہ ایسی غلطی نہ ہونا چاہئے۔ یہ وہ اخلاق ہیں جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے۔

اِس مضمون کو ایک عقل مند شاعر نے بہت عمدگی سے شعر میں لکھا ہے۔ کہتا ہے

خُذِ الْعَفْوَ وامُرْ بِعُرْفٍ كَمَا ☆ اُمِرتَ وَ اَعْرِض عن الْجَاهِلِيْنَ

وَلِنْ فِي الْكَلَامِ لِكُلِّ الْاَنَامِ ☆ فَمُسْتَحسَنٌ مِنْ ذَوِى الْجَاهِ لِيْنَ

''معاف کرنے کی عادت رکھو۔ نیک کاموں کی رہبری کیا کرو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔ ہر شخص کے ساتھ بات میں نرمی برتو اور بلند مرتبے والوں کے لئے بات میں نرمی برتنا اور بھی زیادہ مستحسن ہے۔''

بعض علماء کا مقولہ ہے کہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو مرد محسن کہ جو کچھ وہ خوشی سے تجھ پر احسان کرے۔ شکریہ کے ساتھ قبول کرنے اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار نہ ڈال کہ وہ خود دب کر رہ جائے۔ دوسرا برے قسم کا آدمی اس کو امر نیک کا مشورہ دیتا رہ لیکن اگر اس کی گمراہی بڑھتی ہی جائے اور وہ اپنی جہالت پر قائم رہے تو اسے اعراض کر لو۔ شاید یہی درگزر اس

کی برائی سے اس کو روک دے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ (حم السجدۃ: ۳۴) بہترین طریقہ سے مدافعت کرو۔ پھر اس طرح دشمن بھی تمہارے بن جائیں گے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ اظہار خیال کرتے ہیں اور کہا کرو کہ اے خدا میں شیطان کے بہکانے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے تیری پناہ کہ شیطانوں کا عمل دخل میرے پاس ہو اور فرمایا کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوا کرتے۔ مدافعت اور رد جواب اچھے ڈھنگ سے کیا کرو۔ یہ عمل وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو طبیعت کے صابر ہیں۔ نتیجہ میں ان کو بڑی کامیابی حاصل رہے گی۔ خوش قسمت ہی اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اگر شیطان تمہارے دل میں کچھ وسوسے ڈالے اور بہکانے لگے، تمہیں دشمن سے نمٹنے کے وقت غضب میں لائے اور اس جاہل سے اعراض کرنے سے تمہیں روک دے اور اس سے تصادم پر تمہیں آمادہ کرے۔ تو خدا سے پناہ مانگنے لگو۔ جاہل کی تم پر زیادتی کو بھی خدا دیکھ رہا ہے اور تمہارے پناہ مانگنے کو بھی سن رہا ہے۔ اس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ شیطان کے اغوا اور فساد انگیزیاں تم کو جس قدر نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ خدا اس سے علیم و واقف ہے جب ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ والی آیت اُتری تو بندے نے کہا یا الٰہی غصہ آ جائے تو کس طرح عفو کیا جائے؟ تو ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ والی آیت نازل ہوئی۔ ان دو آدمیوں کا قصہ سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ دونوں آپس میں نبی ﷺ کے سامنے لڑ بیٹھے حتیٰ کہ ایک کے غصہ کے مارے نتھنے پھول گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر وہ پڑھے تو اس کا غصہ تھم جائے وہ کلمہ یہ ہے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ اس کو یہ بات بتادی گئی تو کہا مجھے کچھ جنون نہیں ہے۔ نَزَغ کے اصلی معنی فساد کے ہیں۔ یہ فساد خواہ غضب کی وجہ سے ہو یا بلا غضب۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بندوں سے کہہ دو کہ بات اچھے ڈھنگ سے کیا کرو۔ شیطان آپس میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔'' عِیَاذ کے معنی ہیں شر سے پناہ مانگنا اور ملاذ طلب خیر میں ہوا کرتا ہے۔ استعاذہ کی حدیثیں اوّل تفسیر میں پہلے گزر چکی ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں۔ سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جو شیاطین کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے لے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے۔ ○

اغواءِ شیطان سے محفوظ رہنے کا کامیاب طریقہ ☆

جن بندوں نے امر خداوندی کی اطاعت کی اور ممنوعات سے باز رہے ہیں۔ اگر شیطانی وسوسے انہیں دامنگیر ہوتے ہیں تو فوراً انہیں ذکر الٰہی کی یاد آ جاتی ہے۔ اس لفظ کو بعض صیف اور بعض طائف کہتے ہیں۔ یہ دونوں قراءتیں مشہور ہیں اور معنی ایک ہی ہیں اور کہا جاتا ہے کچھ فرق بھی ہے۔ بعض نے اس کے معنی غضب بتائے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ شیطان نے اگر آسیب زدہ کر دیا ہو اور بعض نے کہا ہے کہ گناہ کی وجہ سے ندامت اور رنج بعض نے کہا ہے کہ ارتکاب گناہ۔ ایسے لوگوں کو خدا کی عقوبت عطاء ثواب، خدا کے وعدے اور وعید آ جاتے ہیں۔ تو وہ توبہ کرنے لگتے ہیں اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں اور فوراً اس کی طرف رجوع کر کے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ وہ فوراً اہل بصیرت بن جاتے ہیں بے ہوشی میں تھے تو ہوش میں آ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی' اس کو مرگی کی بیماری تھی۔ حضرت ﷺ کے پاس آ کر عرض کرنے لگی۔ یا رسول اللہ ﷺ! خدا تعالیٰ سے میری شفا کے لئے دعا فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہی تیری مرضی ہے تو میں خدا سے دعا کروں گا وہ تجھے شفا دے گا اور اگر تو چاہے تو صبر کر اور بروز قیامت حساب تم پر سے اُٹھ جائے گی۔ تو کہنے لگی' اچھا میں بیماری پر صبر کرلوں گی۔ جبکہ مجھے حساب سے آزاد کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہہ رہی تھی کہ مجھے صرع کی بیماری ہے۔ ہوش و حواس رخصت ہو جاتے ہیں۔ جسم پر سے کپڑا کھل جاتا ہے برہنہ ہو جاتی ہوں۔ بیماری نہ دور ہو تو نہ ہو دعا کیجئے کہ کم از کم میرا کپڑا نہ کھلنے پائے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور پھر کبھی بحالت صرع کپڑا اس کے جسم پر سے نہ ہٹا۔ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان ایک مسجد میں بیٹھا عبادت کرتا رہتا تھا۔ ایک عورت اس کی دیوانی ہوگئی۔ اس کو اپنی طرف مائل کرتی رہتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس کے گھر آ ہی گیا۔ اب فوراً اس کو یہ آیت یاد آ گئی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ اور ساتھ ہی وہ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو پھر یہی آیت پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے جان دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے' اس کے باپ سے تعزیت کی۔ وہ رات کو دفن کر دیا گیا تو عمرؓ اپنے بعض ساتھیوں کو لے کر اس کی قبر پر گئے۔ اس کی نماز مغفرت پڑھی۔ پھر قبر سے مخاطب ہو کر یوں بولنے لگے۔ اے نوجوان! وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ یعنی جو خدا تعالیٰ سے ڈر گیا' اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دو جنتیں ہیں۔ اس آیت کریمہ کو سن کر قبر کے اندر سے آواز آئی کہ اے عمرؓ! خدا نے مجھے دونوں جنتیں بخشی ہیں۔ قولہ تعالیٰ ﴿وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ﴾ یعنی ان کے ساتھی انسانی شیاطین ان کو گمراہی کی طرف اور گھسیٹے لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ یعنی فضول[1] خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ یعنی ان کے تابعین ان کی باتوں کو تسلیم کرنے والے انہیں اور گمراہی کی طرف لئے جا رہے ہیں۔ معاصی ان پر آسان بناتے ہیں اور گناہوں کو ان کی نگاہوں میں مستحسن کر دکھلاتے ہیں۔ مدّ کے معنی زیادتی کے ہیں یعنی جہل اور گمراہی میں زیادتی کرتے ہیں۔ ﴿ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ﴾ یعنی شیاطین اپنی کوششوں میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نہ تو انسان ہی اپنے اعمال بد کے ارتکاب سے رکتے ہیں اور نہ شیاطین ان سے باز رہتے ہیں۔ گمراہی کی طرف کھینچ لے جانے جانے والے جن و شیاطین ہیں' جو اپنے متبعین کی طرف اپنی وحی بھیجتے رہتے ہیں اور اس میں اپنی کوشش اٹھا نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ ان کی فطرت اور طبیعت ہی ایسی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ یعنی اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں کے پاس بھیجا جو انکے کافروں کو معاصی کی طرف مائل کرتے رہتے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور جب کوئی معجزہ آپ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے۔ آپ فرما دیجئے

[1] سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہ العزیز سے کسی نے دریافت کیا' حضرت فضول خرچی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا بھی لٹا دی جائے تو فضول خرچی نہیں اور اگر ایک پیسہ بھی ایسی جگہ استعمال ہو جہاں استعمال کرنا خدا تعالیٰ کے غضب کا باعث ہو یہی فضول خرچی ہے۔

کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے۔ یہ گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ O

اتباع وحی ☆

یہ لوگ کسی معجزے اور نشانی کے طالب ہوتے ہیں اور تم نہیں پیش کرتے ہو تو کہتے ہیں کہ کوئی نشانی تم نے خود کیوں نہیں بنا ڈالی۔ اپنی طرف سے کیوں نہ گھڑ لیا یا آسمان سے کوئی نشانی کیوں نہ کھینچ لائے۔ آیت سے مراد معجزہ اور خرق عادت ہے۔ جیسا کہ فرمایا ''اگر ہم چاہیں تو آسمان سے معجزہ اتاریں' جس کو دیکھ کر ان کی گردنیں جھک جائیں۔ یہ کافر بھی ہمارے رسول سے کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے کوئی نشانی حاصل کرنے کی تم کوشش کیوں نہیں کرتے تا کہ ہم اس کو دیکھ لیں تو ایمان لائیں تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ کہہ دو کہ میں اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو خدا کا بندہ ہوں' جو مجھے حکم بھیجا گیا۔ اس کی تعمیل کرنے والا ہوں۔ اگر اس نے از خود کوئی معجزہ بھیجا تو میں نے پیش کر دیا۔ اگر نہ بھیجا تو میں اصرار نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ یہ قرآن ہی سب سے بڑا معجزہ ہے۔ اس میں دلائل توحید ایسے واضح ہیں کہ خود معجزہ بنے ہوئے ہیں: هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔ O

کلام اللہ کو سننے کے آداب ☆

جب اس بیان سے فراغت حاصل ہو چکی کہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے اور لوگوں کے لئے سمجھنے کی چیز ہے۔ تو اب ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت خاموش رہا کرو۔ تا کہ اس کا احترام اور تعظیم کی جا سکے۔ ایسا نہیں جیسا کہ کفار قریش کرتے تھے۔ یعنی کہتے تھے کہ قرآن نہ سنو نہ سننے دو۔ قرآن خوانی کے وقت شور و غوغا مچایا کرو لیکن یہ سکوت کی تاکید فرض نماز کے بارے میں ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ امام بآواز بلند قراءت کر رہا ہو[1]۔ جیسا کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام نماز پڑھنے لگے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرنے لگے تو خاموش ہو جاؤ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے اُترنے سے پہلے لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ آیت اُتری کہ خاموش ہو جاؤ اور قرآن سنو تو سکوت کا حکم دیا گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں ایک دوسرے کو سلام علیک کہہ لیا کرتے تھے۔ اسلئے یہ آیت اُتری۔ ابن مسعودؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ لوگوں کو دیکھا کہ امام کے ساتھ خود بھی قرأت کر رہے تھے۔ تو نماز ختم کر کے کہا ''تمہیں کیا ہو گیا کہ قرآن سنتے نہیں سمجھتے نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خاموش رہ کر سننے کی ہدایت فرمائی ہے۔'' زہری کہتے ہیں کہ یہ آیت انصار کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی (یہ آیت مکی ہے اور انصار کے قبول اسلام سے پہلے نازل ہوئی ہے) آنحضرتؐ پڑھتے تھے تو وہ بھی آپ کے پیچھے پڑھتا تھا۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے بالجہر نماز ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی خود بھی میرے ساتھ ساتھ پڑھ رہا تھا۔ تو ایک شخص نے کہا'

[1] یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ احناف کے یہاں امام کے پیچھے بہر حال خاموشی اور سکوت اختیار کیا جائے گا۔ خواہ امام قراءت بلند آواز سے کر رہا ہو یا قراءت سری ہو جیسا کہ ظہر' عصر وغیرہ میں۔

ہاں یارسول اللہؐ! تو آپ نے فرمایا مجھے کیا ہوا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے ساتھ ساتھ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد لوگ صلوٰۃ بالجہر میں امام کے پیچھے قراءت کرنے سے رک گئے۔ زہری نے کہا کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی چاہئے۔ امام کی اپنی قراءت ہی تمہارے لئے کافی ہے۔ اگرچہ اسکی آواز تمہیں سنائی نہ دے لیکن بالجہر نہ ہو تو لوگ خود پڑھ لیا کرتے تھے لیکن یہ درست نہیں کہ کوئی شخص جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت کرے۔ نہ پوشیدہ کرے نہ علانیہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن خوانی کے وقت خاموشی اختیار کرلیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ طریقہ علماء کی ایک جماعت کا ہے کہ مقتدی پر نماز جہریہ میں یہ واجب نہیں ہے کہ قرأت خود بھی کرے نہ امام کے فاتحہ پڑھنے کے وقت نہ غیر فاتحہ پڑھنے کے وقت اور شافعی کے دو قول ہیں جن میں ایک قول یہ بھی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور احمد حنبلؒ کہتے ہیں۔ مقتدی ہرگز قراءت نہ کرے۔ نہ سری نماز میں نہ جہری میں کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ امام کی قراءت تمہاری قراءت ہے یہی زیادہ صحیح ہے[1]۔ یہ مسئلہ بہت بسیط ہے اور مختلف فیہ ہے۔ امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ امام کے پیچھے قراءت واجب ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ واللہ اعلم

قرآن پڑھا جانے لگے تو خاموشی سے سنو۔ یعنی جبکہ صلوٰۃ مفروضہ میں پڑھا جارہا ہو۔ ابن عباسؓ کا قول ہے طلحہ بن عبیداللہ بن کریز کہتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر اور عطا بن ابی رباح کو باہم باتیں کرتے پایا۔ حالانکہ دوسری طرف وعظ ہو رہا تھا۔ تو میں نے کہا' ذکر خدا کیوں نہیں سنتے۔ تم وعید کے قابل ہو رہے ہو۔ تو ان دونوں نے میری طرف دیکھا' پھر اپنی باتوں میں لگ گئے ہیں نے دوبارہ انہیں تنبیہ کی۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں لگ گئے۔ میں تیسری بار اپنی بات کا اعادہ کیا تو کہنے لگے کہ یہ حکم نماز سے متعلق ہے کہ امام قرآن پڑھ رہا ہو اور تم مقتدی ہو تو خاموش ہو کر سنو۔ تم بھی نہ پڑھنے لگو۔ مجاہد بھی اور دوسرے بھی کئی راوی ہیں جو اسے حکم قرآن سے متعلق ہی بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی شخص نماز میں نہ ہو اور قرآن پڑھا جارہا ہے ہو تو باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ زید بن اسلم بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ حکم نماز اور خطبہ یوم جمعہ سے متعلق ہے۔ ابن جبیر کہتے ہیں کہ یوم الاضحیٰ اور عید الفطر اور یوم جمعہ کے خطبے اور جہری نماز سے متعلق ہے۔ غیر جہری نماز سے متعلق نہیں۔ ابن جریر نے بھی یہی اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد چپ رہنا ہے نماز میں اور خطبے میں اور یہی حکم ہے کہ خطبے میں اور امام کے پیچھے چپ رہا کرو۔ حدیث میں بالکل یہی حکم ہے۔ مجاہد اس بات کو بہت ہی برا سمجھتے تھے کہ جب امام کوئی آیت خوف یا آیت رحمت پڑھے تو بولنے لگیں۔ نہیں بلکہ خاموش رہیں۔ اپنی زبان سے جذبات خوف ورجا کے تحت کچھ نہیں کہنا چاہئے۔ حضورؐ نے فرمایا جو قرآن کی کوئی آیت خاموش ہو کر سنے تو اس کیلئے دوگونہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے' قرآن قیامت کے دن اس کیلئے نور بن جاتا ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدة

۲۴ ع ۱۸ ۱۴

اور (آپ ہر ہر شخص سے بھی کہہ دیجئے کہ) اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔ یقیناً جو ۰

[1] خدا تعالیٰ ابن کثیر کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ حق ان کی زبان پر جاری ہو گیا۔

(ملائکہ) تیرے ربّ کے نزدیک (مقرب) ہیں۔ وہ اس کی عبادت سے (جس میں اصلی عقائد میں) تکبر نہیں کرتے اور اسکی پاکی بیان کرتے ہیں (جو کہ طاعت لسانی ہے) اور اسکو سجدہ کرتے ہیں (جو کہ اعمال جوارح سے ہے)۔ ○

اللہ عزوجل سے سرگوشی ☆

اللہ پاک حکم دیتا ہے کہ دن کی ابتدا میں اور دن کے آخری حصے میں خدا کو بہت یاد کرو۔ جیسا کہ ان دونوں وقتوں میں خدا کی عبادت کرنے کا اس آیت کے ذریعے حکم دیا ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور اسی طرح غروب سے قبل خدا کی حمد کی تسبیح کیا کرو اور یہ شب معراج میں پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے اور یہ آیت مکی ہے۔ غُدُوٌّ کے معنی اوّل نہار کے ہیں اور اٰصَال اصیل کی جمع ہے جیسے اَیْمَانٌ یمین کی جمع ہے پھر حکم ہوتا ہے کہ اپنے ربّ کو دل سے بھی یاد کرو اور زبان سے بھی۔ اس سے رغبت رکھ کر بھی اور اس سے ڈر کر بھی۔ بلند آواز کے ساتھ نہیں اور یہ مستحب ہے کہ خدا کا ذکر چیخ و پکار کے ساتھ نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ آیا ہمارا ربّ ہم سے قریب ہے یا دور؟ اگر قریب ہے تو ہم سرگوشی کے طور پر اس کو مخاطب کریں گے اور اگر دور ہے تو آواز دیں گے۔ تو اللہ پاک نے یہ آیت اتاری کہ ''میرے بندے میرے بارے میں پوچھتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں بہت قریب ہوں' وہ مجھے پکاریں تو میں پکار سننے والے کی دعا کو سنتا ہوں۔''

ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ لوگ کسی سفر میں بلند آواز سے دعا کرنے لگے تو ان سے نبی ﷺ نے کہا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو! تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ وہ سننے والا اور قریب ہے تمہاری شہ رگ گردن سے بھی قریب تر ہے۔ اس آیت سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے جو اس آیت میں ہے کہ اپنی دعا اور نماز نہ بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت آہستہ آواز سے بلکہ دونوں کی درمیانی آواز ہو۔ کیونکہ مشرکین جب قرآن سنتے تھے تو قرآن کو اور قرآن اتارنے والے اور لانے والے کو برا بھلا کہتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بہت بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو تا کہ مشرکین کو اذیت نہ ہو اور نہ اتنی پست آواز میں کہ تمہارے ساتھی بھی نہ سن سکیں۔ اس آیت کریمہ میں بھی یہی مضمون ہے کہ صبح و شام کی عبادت میں بلند آواز سے نہ پڑھو اور نادانوں میں سے نہ بنو۔ مراد یہ کہ سامع قرآن کو حکم دیا جائے کہ اس طریقہ سے نماز اور عبادت کی جائے اور یہ بات بعید ہے اور آہستہ پڑھنے کے منافی ہے اور پھر اس سے مراد یہ بھی ہے کہ یہ حکم متعلق بہ نماز ہے جیسا کہ ماسبق میں گزرا۔ یہ صلوٰۃ اور خطبہ سے متعلق ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے وقت ذکر کرنے سے افضل خاموش رہنا ہے۔ خواہ وہ ذکر آہستہ ہو یا بلند آواز سے ہو۔ یہ چیز جو ان دونوں نے بیان کی اس کی مطابعت نہیں کی گئی۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ بندوں کو صبح و شام ہر وقت کثرت ذکر پر ابھارا جائے۔ تا کہ وہ کسی وقت بھی ذکر خدا سے غافل نہ رہیں۔ اسی لئے تو ان ملائکہ کی مدح کی گئی ہے جو صبح شام خدا کی تسبیح کرنے میں غفلت نہیں کرتے چنانچہ فرمایا کہ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ ان فرشتوں کی مثال صرف اس لئے بیان کی گئی ہے تا کہ بندے کثرت اطاعت میں فرشتوں کی اقتدار کریں اور جیسا کہ حدیث آیا ہے اور جب اللہ نے فرشتوں کے سجدہ کرنے کا ذکر فرمایا تو ایسا ہی سجدہ ہمارے لئے مشروع فرمایا حدیث میں ہے کہ تم بھی عبادت خدا کے لئے ایسی ہی صفیں کیوں نہیں باندھتے جیسے کہ فرشتے اپنے ربّ کے سامنے صفیں باندھے رہتے ہیں اور پہلی صف والوں کو اوّلیت حاصل ہے اور صفوں میں صحیح اور سیدھی صف بندی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ یہاں جو سجدہ تلاوت ہے وہ قرآن کا سب سے پہلا سجدۂ تلاوت ہے۔ جس کا ادا کرنا تلاوت کرنے اور سننے والے سب پر بالا جماع مشروع ہے اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو سجدات قرآن میں سے قرار دیا ہے۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَال

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۱۰ ‏ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ‏ کُل آیات: ۷۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

جولوگ آپ سے (خاص) غنائم کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ غنائم اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔ ○

مالِ غنیمت کی تقسیم' طریقۂ تقسیم اور اِس سے متعلقہ احکام وغیرہ ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ''انفال'' مالِ غنیمت کو کہتے ہیں ور کہا کہ سورہ انفال غزوۂ بدر میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ انفال وہ غنیمت ہیں کہ وہ کسی کا حق نہیں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جب بات پوچھی جاتی تو کہتے کہ نہ میں اجازت دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرنے والا' حکم دینے والا اور حلال و حرام کی تشریح کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ قاسم کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا اور انفال کے بارے میں آپ سے سوال کیا۔ آپ نے کہا کہ انفال یہ ہے کہ ایک آدمی جنگ میں دوسرے کو مار کر اس کا گھوڑا اور ہتھیار مالِ غنیمت کے طور پر لے لے۔ اس آدمی نے پھر سوال کیا تو آپ نے نے پھر ویسا ہی جواب دیا۔ پھر اس نے سوال کیا تو آپ کو غصہ آ گیا اور آپ اس پر حملہ کرنے کے قریب ہو گئے۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس کی مثال تو اس شخص کی طرح ہے' جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے مارا تھا۔ حتیٰ کہ خون اس کی ایڑی اور پاؤں سے بہنے لگا۔ تو اس آدمی نے کہا کہ تم بھی وہ نہیں ہو کہ عمر رضی اللہ عنہ کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے تم سے لیا ہے۔ یہ اسناد صحیح ہیں۔ ابن عباس نے نفل کی تفسیر اس مالِ غنیمت سے کی جو جنگ میں چھینا جائے اور امام بعض اشخاص کو اصل غنیمت کے تقسیم کے بعد کچھ اور زیادہ دے دیتا ہے اور اکثر فقہاء نے بھی انفال کا مطلب یہی اخذ کیا ہے۔ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانچویں حصہ کے بارے میں پوچھا جو چار حصے خارج کرنے کے بعد رہ جائے تو یہ آیت اُتری۔ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ ابن مسعود رضی اللہ عنہما

اور مسروق کہتے ہیں کہ ''نفل'' کا اطلاق بروز جنگ چھینے ہوئے مال پر نہیں' بلکہ جنگ کی صفیں قائم کرنے سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ وہ تو ایک قسم کی زیادتی ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ''اے نبی ﷺ سے لوگ اس لونڈی' غلام' سواری اور سامان وغیرہ کے بارے میں پوچھتے ہیں جو بغیر جنگ کے مشرکین سے مسلمانوں کو ملا ہو۔ سو یہ نبی ﷺ کا حق ہے' وہ جس طرح چاہیں اس کو خرچ کریں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مال فے کو انفال سمجھتے ہیں اور فے وہ مال ہے جو کفار سے بغیر قتال حاصل ہو اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ سرایا سے جو مال مل جائے وہ انفال ہے۔ یعنی مسلمان کافروں سے لڑنے کے لئے گئے ہوں اور کافر لڑے بغیر اپنا مال ومتاع اور سامان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں اور یہ مال مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہو اور نبی ﷺ اس لشکر کے ساتھ نہ ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لشکر کے کسی رسالے کو اس کی کارگزاری کے عوض میں یا اس کی حوصلہ افزائی کی خاطر امام وقت انہیں عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے دے۔ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرا بھائی عمیر قتل کر دیا گیا تھا تو میں نے بھی سعید بن العاص کو قتل کر دیا اور اس کی تلوار لے لی۔ جس کا نام ذو الکتیفہ تھا۔ اس کو نبی ﷺ کے پاس لے آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا' مال مقبوضہ کے ذخیرہ میں ڈال آؤ۔ میں ڈالنے جا رہا تھا۔ اس وقت میرے دل کی کیفیت کو خدا ہی جانتا تھا۔ ایک تو بھائی کا قتل' دوسرے جو کچھ میں نے چھینا تھا وہ بھی مجھ سے لے لیا گیا لیکن میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ سورہ انفال کی یہ آیتیں اُتریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر کہا کہ جاؤ اپنا چھینا ہوا مال لے لو۔ سعد بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آج مجھے مشرکین کی ہزیمت سے نجات بخشی ہے۔ اب یہ تلوار مجھے بخش دیجئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تلوار نہ تمہاری ہے نہ ہماری ہے' اس کو رکھ دو۔ میں نے رکھ دی اور واپس ہوا اور دل میں خیال کر رہا تھا کہ مجھے نہیں ملی تو کوئی ایسا شخص پالے گا جو مجھ جیسا مستحق نہیں اور جس نے ایسی مصیبت برداشت کی جیسی میں نے کہ یکایک کسی نے مجھ کو پیچھے سے آواز دی۔ میں حضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا' تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی' لیکن وہ میری تھی نہیں کہ تمہیں دیتا۔ اب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے دے دی ہے تو لو اب تمہیں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ہے کہ: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾۔

سعد کہتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیتیں اُتری ہیں۔ جنگ بدر میں میں نے ایک تلوار پر قبضہ کیا تھا۔ میں نے نبی ﷺ کے پاس لے آیا اور کہا یہ تلوار مجھے بخش دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جہاں سے لی ہے وہیں رکھ دو۔ آپ نے دو دفعہ کہا۔ میں نے پھر درخواست کی تو آپؐ نے پھر یہی کہا۔ چنانچہ انفال والی آیت اُتری اور مجھ سے متعلق دوسری آیت ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ......﴾ (العنکبوت: ۸) تیسری آیت: ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ......﴾ (المائدہ: ۹۰) اور چوتھی آیت وصیت۔

مالک بن ربیعہ کہتے ہیں کہ بدر کے روز ابن عائذ کی تلوار میرے قبضہ میں آئی' جس کا نام ہرزبان پر تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اپنا اپنا لوٹا ہوا مال رکھ دو۔ تو میں نے بھی یہ تلوار رکھ دی اور رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ کوئی کچھ مانگے تو سوال رد نہیں کرتے تھے۔ ارقم نے یہ تلوار حضرت ﷺ سے مانگ لی اور آپ ﷺ نے دے دی۔

نزولِ آیت کا دوسرا سبب ☆ ابوامامہ کہتے ہیں کہ انفال کے بارے میں میں نے عبادہ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا ہمارے ساتھ مجاہدین بدر بھی تھے اور یہ آیت اس وقت اُتری' جب کہ انفال کے بارے میں ہم میں اختلاف پڑ گیا اور ہم آپس میں تیز و

تلخ باتیں کرنے لگے تو بات اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ سے لے لی اور نبی ﷺ کو دے دی۔ اب حضرت ﷺ نے یہ مال غنیمت مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔ عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ میں بدر میں آپ کے ساتھ شریک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی۔ اب ایک جماعت نے تو دشمنوں کا تعاقب کیا اور بھاگنے والوں کو قتل کیا اور ایک جماعت لشکر پر آ پڑی کہ ان کا محاصرہ کر رہی تھی اور ایک جماعت نبی ﷺ کو گھیرے میں لئے ہوئے آپ ﷺ کی حفاظت کر رہی تھی کہ دشمن گزند نہ پہنچائے۔ جب رات ہوگئی اور مال غنیمت تقسیم کرنے لگے تو جن لوگوں نے مال غنیمت کو سمیٹ کر محفوظ کیا تھا کہنے لگے کہ اس کے صرف ہم حقدار ہیں اور جو دشمن کے تعاقب میں گئے تھے ان کا کہنا تھا کہ ہم دشمن کی شکست کا سبب ہیں اس لئے صرف ہم حقدار ہیں اور جنہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت کی تھی وہ کہتے تھے کہ ہم کو اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت کو گزند نہ پہنچے اس لئے ہم تو ایک تو بہت ہی اہم کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ یہ آیت اُتری کہ انفال تو اللہ اور اللہ کے رسول کا ہے۔ پس اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح قائم رکھو۔ اب آپ نے مسلمانوں میں اس کی تقسیم کر دی اور نبی ﷺ کی عادت تھی کہ جب دشمن پر ہوتے تو اسی روز وہیں چوتھائی مال غنیمت تقسیم کر دیتے اور جب واپس ہو چکتے تو تہائی کی تقسیم کر دیتے اور اپنے لئے اس کو نامناسب سمجھتے۔

ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے روز حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو ایسی ایسی کارگزاریاں بتائے گا اس کو ایسا ایسا انعام ملے گا۔ اب نوجوان تو اپنی کارگزاری بتانے کی کوشش میں لگ گئے اور بوڑھوں نے مورچے اور جھنڈے سنبھال لئے اور جب مال غنیمت آیا تو جس کے لئے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ لینے کے لئے آیا تو بوڑھوں نے کہا تم کو ہم پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ ہم تمہارے پشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ اگر تمہیں ہزیمت ہوتی تو ہمارے پاس ہی تم کو پناہ ملتی بات بڑھ گئی۔ جھگڑا ہوا تو انفال والی آیت اُتری۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ بدر کے روز حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس نے کسی کو قتل کیا اس کو مال مقتول میں سے یہ یہ انعام اور جو کسی کو قید کر لائے اس کو یہ انعام۔ چنانچہ ابوالیسرؓ دو قیدی لائے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ تو سعد بن عبادہؓ بول اُٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپؐ نے اس طرح دے دیا تو آپؐ کے دوسرے اصحاب کے کچھ نہیں بچے گا۔ ہم جو میدان جنگ میں رکے رہے تو اس کا سبب کچھ یہ نہیں تھا کہ ہم کو مال کا یا معاوضہ کا لالچ تھا اور نہ یہ کہ ہم دشمن سے گھبراتے تھے۔ ہم تو صرف اس لئے ٹھہرے رہے کہ کہیں آپ ﷺ پر پیچھے سے حملہ نہ ہو جائے۔ مقامی حفاظت کی بھی سخت ضرورت تھی۔ غرض یہ کہ کچھ جھگڑا سا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ارشاد باری ہے کہ: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ (الانفال:۴۱) یعنی جو مال غنیمت تمہیں ملا ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ کا ہے۔

امام ابوعبید اللہ نے اپنی کتاب ''الاموال الشرعیہ'' میں لکھا ہے کہ انفال مالہائے غنیمت کو کہتے ہیں اور ہر وہ مال جو حربیوں سے مسلمانوں کو ملا ہے۔ انفال پر سب سے پہلے تو رسول اللہ ﷺ کا حق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ آپؐ نے یوم بدر میں اس کی تقسیم حسب ہدایت باری تعالیٰ خمس نکالے بغیر کی تھی۔ جیسا کہ حدیث سعد میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ پھر اس کے بعد آیت خمس نازل ہوئی تو پہلی آیت منسوخ ہوگئی۔ ابن زید کا بیان ہے کہ منسوخ نہیں بلکہ وہ بھی قائم ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں اور بھی حدیثیں ہیں۔ انفال مجتمعہ مال غنیمت کو کہتے ہیں لیکن اس میں سے خمس نبی ﷺ کے اہل کے لئے مخصوص ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے اور حدیثوں میں ہے۔ ''انفال'' کلام عرب میں ہر وہ احسان ہے جو محسن نے محض

سلوک کے طور پر کیا گیا ہو اور اس پر احسان کرنا واجب نہ ہو۔ یہی ہے وہ مال غنیمت جس کو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے حلال کر دیا ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ ہم مسلمان ہی اس سے مخصوص ہیں اور مسلمانوں سے پہلے دوسری اُمتوں پر مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خمس کا حقدار بنایا گیا ہے۔ مجھ سے پہلے کسی کو خمس نہیں دیا گیا تھا۔

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ امام اگر فوج کے افراد کو کوئی انعام دے جوان کے مقررہ حصے کے علاوہ ہو تو اس کو نفل یا انفال کہتے ہیں اور یہ اس کی کارگزاریوں اور دشمن پر زوردار حملہ کا لحاظ کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ نفل جو امام کی طرف سے اعتراف حسن کارگزاری کے طور پر ملتا ہے۔ چار طریقوں پر ہوتا ہے۔ ہر طریقہ اپنی جگہ دوسرے طریقہ سے الگ ہے۔ ایک تو مقتول کا لوٹا ہوا مال و اسباب اس میں سے کوئی پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا۔ دوسرا وہ نفل جو پانچواں حصہ الگ کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ مثلاً امام نے کوئی چھوٹا سا لشکر دشمن کے مقابلہ میں بھیجا اور یہ غنیمت کا مال لے کر لوٹا۔ تو امام اس میں سے لشکر کو چوتھائی یا تہائی اپنے صوابدید کے مطابق تقسیم کر دے۔ تیسرا یہ طریقہ' جو خمس نکال کر کیا جانے والا ہے' اس میں سے اپنے صوابدید اور حسب کارگزاری جس کو جتنا مناسب سمجھے دے اور باقی تقسیم کر دے۔ چوتھی صورت یہ کہ ساری غنیمت میں سے نفل دے قبل اس کے کہ خمس نکالے اور یہ سقاؤں' چرواہوں' سائیسوں اور دیگر مزدوروں کا حق ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ کئی صورتوں سے اس کی تقسیم ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے مجاہدین کو مقتولین کا جو سامان اور مال و متاع دیا جاتا ہے وہ انفال میں داخل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وہ حصہ جو مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ تھا۔ اس میں سے آپ جسے چاہیں اور جتنا چاہیں عطا فرمائیں یہ بھی نفل ہے۔ پس امام کو چاہئے کہ دشمنوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت اور اسی قسم کے ضروری مواقع کا لحاظ رکھتے ہوئے سنت کی پیروی کرے۔ اگر ایسی مصلحت درپیش نہ ہو تو نفل نکالنا ضروری نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ایک جماعت کافروں سے لڑنے کے لئے بھیجتا ہے اور ان سے کہہ دیتا ہے کہ جو شخص جو کچھ حاصل کرے۔ اس میں سے پانچواں حصہ تو الگ کر دے اور باقی لے لے اور یہ بات لڑائی پر جانے سے پہلے ہی باہمی رضامندی سے طے پا چکی ہوتی ہے لیکن ان کے اس بیان میں جو کہا گیا ہے کہ بدر کی غنیمت کا پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ دو اونٹنیاں وہ ہیں جو انہیں بدر کے پانچویں حصہ میں سے ملی تھیں' میں نے اس کا پورا بیان کتاب السیرۃ میں کر دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ یعنی اپنی امور میں اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کل سے رہو۔ نہ ایک دوسرے پر ظلم کرو نہ دشمن بنو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو ہدایت دی اور علم دیا ہے کیا یہ اس مال سے بہتر نہیں کہ جس کے لئے تم لڑ رہے ہو اور اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کی طاعت کرو۔ نبی جو تقسیم کرتے ہیں وہ خدا کے حسب ارادہ ہی کرتے ہیں۔ ان کی تقسیم عدل و انصاف پر مبنی ہوتی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ: ﴿اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ کے معنی ہیں کہ آپس میں لڑو جھگڑو نہیں اور گالی گلوچ نہ بکو۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک دفعہ نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ مسکرا رہے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کیوں تبسم فرما رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ میرے دو امتی خدا کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ سے کہتا ہے کہ یا رب اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے' میں بدلہ چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے کہ اپنے ظلم کا بدلہ ادا

کرو۔ ظالم جواب دیتا ہے یارب اب میری کوئی نیکی باقی نہیں رہی کہ ظلم کے بدلے میں اسے دے دوں؟ تو مظلوم کہتا ہے کہ اے خدا! میرے گناہوں کا بوجھ اس پر لاد دے۔ یہ کہتے ہوئے حضور ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ لوگ اس بات کے حاجتمند ہوں گے کہ اپنے گناہوں کا بوجھ کسی اور کے سر دھر دیں۔ اب اللہ پاک طالب انتقام سے فرمائے گا کہ نظر اُٹھا کر جنت کی طرف دیکھ۔ وہ سر اُٹھائے گا' جنت کی طرف دیکھے گا اور عرض کرے گا یارب! اس میں چاندی اور سونے کے محل ہیں۔ موتیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ یارب! یہ محل کس نبی اور کس صدیق اور کس شہید کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو اس کی قیمت ادا کرتا ہے' اس کو دے دیئے جاتے ہیں۔ وہ کہے گا یارب! کون اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ اب وہ عرض کرے گا یارب کس طرح۔ اللہ جل شانہٗ ارشاد فرمائے گا وہ اس طرح کہ تو اپنے بھائی کو معاف کر دے۔ وہ کہے گا یارب میں نے معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اب تم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے جنت میں داخل ہو جاؤ[1]۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو۔ آپس میں صلح قائم رکھو' کیونکہ قیامت کے روز اللہ پاک بھی مؤمنین کے درمیان آپس میں صلح کرانے والا ہے۔''

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۴﴾

(کیونکہ) بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیات ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (اور) جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (بس) سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے ربّ کے پاس اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔ ○

رقتِ قلبی علامتِ ایمان ہے ☆

منافقین جب فریضۂ صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو قرآن کی آیتیں ذرہ بھر اُنکے دل پر اثر نہیں کرتیں۔ نہ اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں نہ خدا پر توکل کرتے ہیں۔ نہ نماز پڑھتے ہیں۔ جب کہ گھر میں ہوتے ہیں' نہ اپنے مال کی

[1] یہ وہ موقع ہے جہاں رحمت الٰہی کے اس جوش وخروش پر حقیر مخشی کی آنکھیں بے اختیار نم آلود ہو گئیں۔ خدارا جن ارباب ایمان ویقین کو ان سطور کے پڑھنے کا موقع ملے وہ مخشی کے لئے ضرور دعا کریں کہ بروز قیامت یہ عاجز و ناتواں خدائے رحمٰن ورحیم کی اس رحمت سے محروم نہ رہے۔

زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ مومن ایسے نہیں ہوتے۔ مومنین کا وصف اس آیت میں یوں فرماتا ہے کہ جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو خدا کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ جب آیتیں ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو تصدیق کرنے کے سبب ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ خدا کے سوا کسی دوسرے پر بھروسہ کرتے ہی نہیں۔ مومنین کی حقیقی پہچان یہی ہے کہ کسی معاملے میں خدا کا نام آ گیا تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ''مومنوں سے اگر کوئی گناہ کا کام سرزد ہو بھی گیا یا حدود سے انہوں نے تجاوز کیا تو فوراً انہیں خدا کا دھیان آ جاتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں سے استغفار کرنے لگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہوں کا بخشنے والا ہی کون ہے۔ غلطی سے گناہ ہو گیا تو بار بار اس پر اصرار نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھدار لوگ ہیں'' اور فرمایا کہ ''جن کو خدا کا سامنا کرنے کا خوف دامن گیر ہے اور خواہش نفسانی ناجائز طور پوری کرنے سے وہ باز رہا تو جنت در حقیقت اسی کا حق ہے۔'' چنانچہ سدی مرد آہن کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈر تو اُس کا قلب کانپ اٹھتا ہے۔ ام درداء کہتی ہیں کہ دل خوف خدا سے دھڑ کنے لگتے ہیں اور تن بدن میں ایک سوزش سی ہو جاتی ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب یہ کیفیت طاری ہو جائے تو بندہ کو چاہئے کہ اس وقت خدا سے اپنے مقصد کی دعا مانگنے لگے کیونکہ ایسے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ''قرآن سن کر ایمان بڑھ جاتا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا ''جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو کوئی کہتا ہے کہ اس آیت سے تم میں سے کس کا ایمان بڑھ گیا۔'' سو بات یہ ہے کہ اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے جو پہلے ہی سے مومن ہے اور جنت کی خوشخبری اسی کے حق میں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ نے اسی نوعیت کی آیتوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے' کہا گیا ہے کہ بہت سارے ائمہ کا اسی پر اجماع[1] ہے۔ جیسے شافعی اور احمد بن حنبل اور ابو عبید۔ جیسا کہ ہم نے شرح بخاری میں بیان کیا ہے۔ ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ یعنی اس کے سوا کسی سے امید ہی نہیں رکھتے۔ اپنی پناہ اسی کو قرار دیتے ہیں کچھ مانگتے ہیں تو اسی سے مانگتے ہیں اور ہر بات میں اسی کی طرف جھکتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جو چاہے گا وہ ہو گا اور جو نہ چاہے گا وہ نہ ہو گا۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ حکم صرف اسی کا ہے۔ اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم نہیں' وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ توکل ایمان کا شیرازہ ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ مومنین کے اعتقاد کا ذکر کرنے کے بعد ان کے اعمال سے آگاہی دی جا رہی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور لوگوں کو دیتے دلاتے ہیں۔ یہ دونوں اعمال ایسے زبردست ہیں کہ تمام اعمال خیر پر مشتمل ہے۔ اقامت صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے۔ اقامت صلوٰۃ کہتے ہیں نماز کو اپنے اوقات پر پابندی کے ساتھ ادا کرنے کو اور یہ کہ وضو میں اچھی طرح منہ ہاتھ پاؤں دھوئے گئے ہوں۔ رکوع اور سجود تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کئے گئے ہوں۔ قرآن کی تلاوت اس کے آداب کے ساتھ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشہد اور درود ہو۔ یہ ہے اقامت صلوٰۃ جو ﴿يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ کا مفہوم ہے اور يُنْفِقُوْنَ

[1] امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایمان میں زیادتی و کمی کے قائل نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل ایمان تو نہ بڑھتا ہے۔ ہاں کیفیات ضرور بدلتی رہتی ہیں۔ مثلاً کبھی دل طاعت الٰہی کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور طاعت کی جانب رغبت ایمان کے انشراح کی علامت ہے اور گاہے شیطانی وساوس کے نتیجہ میں طاعات میں کمی ہوتی ہے اور یہ ایمان کی پژمردگی کا نتیجہ ہے تو گویا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کیفیات بدل رہی ہیں۔ اصل ایمان نہ بڑھ رہا ہے نہ گھٹ رہا ہے۔

کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے کہ اگر زکوٰۃ کے قابل ہوں تو زکوٰۃ دیں اور جو کچھ بھی ہے دیتے دلاتے ہیں۔
بندوں کے واجب اور مستحب مالی حقوق ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو سب کی مدد کریں کیوں کہ سب لوگ خدا کی عیال ہیں۔ خدا کو وہی بندہ سب سے زیادہ مقبول ہے جو مخلوق کو سب سے زیادہ نفع رساں ہے۔ تمہارے اموال خدا کی طرف سے تمہارے پاس گویا بطور امانت ہیں اور بہت جلد تمہارا مال تم سے رخصت ہونے والا ہے۔ اس لئے اس سے محبت نہیں ہونی چاہیے: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ ان صفات سے جو متصف ہیں وہی حقیقی مومن ہیں۔

حارث بن مالک نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حارث! صبح کیسی گزری؟ حارث نے کہا ایک مومن حقیقی کی طرح سے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، خوب سمجھ کر کہو۔ ہر شے کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے۔ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے بتاؤ تو سہی؟ تو حارث نے کہا کہ دنیا کی محبت سے میں نے روگردانی کر لی ہے۔ راتوں کو جاگ کر عبادت کرتا ہوں۔ دن کو روزے کے سبب پیاسا رہتا ہوں اور اپنے کو یوں پاتا ہوں، گویا میرے سامنے عرش رب کھلا ہوا ہے اور گویا میں اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں اور اہل دوزخ کو گرفتار بلا دیکھ رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں اے حارث! تم حقیقت ایمان تک پہنچ چکے ہو۔ اس پر قائم رہنے کی کوشش کرو۔ یہ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا۔ قرآن زبانِ عرب میں نازل کیا گیا ہے اور حقا کا لفظ ادبی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: فُلَانٌ سَيِّدٌ حقًا یعنی فلاں حقیقی سردار ہے۔ اگرچہ قوم میں اور دوسرے بھی سردار ہیں، اور فلاں حقیقی تاجر ہے اگرچہ اور تاجر بھی بہت ہیں اور فلاں حقیقی شاعر ہے۔ اگرچہ اور بہت سے شاعر ہیں: ﴿لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ یعنی جنت میں ان کو بڑے بڑے درجے ملیں گے۔ جیسا کہ فرمایا، اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے بڑے درجے ہیں اور جو کچھ وہ عمل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے واقف ہے۔ اللہ پاک ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے گا۔ اہل جنت میں سے بعض کے درجے بعض سے بالاتر ہیں۔ اوپر والے اوپر سے نیچے کے درجے والوں کو دیکھیں گے اور فخر نہیں کریں گے۔ نیچے والے اوپر والوں کو دیکھ کر حسد نہیں کریں گے۔ مسلم اور بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ علیین والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح کہ تم افق آسمان پر ستاروں کو دیکھتے ہو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ انبیاء کے منازل ہیں، کسی اور کو کیا نہ ملیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں خدا کی قسم وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی وہ بھی اس کے مستحق ہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اوپر کی جنتوں والوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے افق آسمان پر ستارے ہیں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما انہیں میں سے ہیں۔ انہیں بھی یہ عزت ملے گی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت ان کو گراں سمجھتی تھی (اور) وہ اس مصلحت (کے کام) میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا (اپنے بچاؤ کے لئے) آپ سے (بطور مشورہ) اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے۔ کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی اور اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کر دے تا کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً) ثابت کر دے گو یہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں۔ ○

بدر کی معرکہ آرائی' مؤمنین پر نازک حالات کا اثر اور رحمتِ الٰہی کی دست گیری ☆

مفسرین نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ: ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ﴾ میں ''كَمَآ'' کے آنے کا کیا سبب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آیت زیر ذکر میں تشبیہ دی گئی ہے۔ مومنین کے باہمی صلح کے ساتھ ان کے ارتقاء رب اور اطاعت رسول کے بارے میں چنانچہ بات کا ڈھنگ یوں ہوتا ہے کہ جیسا تم نے غنائم کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور لڑ پڑے تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارا فیصلہ چکا دیا تھا اور تم سب سے چھین کر تقسیم کا حق رسول کو دے دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے عدل اور مساوات کے ساتھ تقسیم کر دی تھی اور یہ بات تمہاری مصلحت کاملہ کی خاطر تھی۔ اسی طرح اس موقع پر جب دشمنوں سے لڑنے کے لئے تم کو مدینے سے نکلنا پڑا۔ تو اس بڑے لشکر سے لڑنا تمہیں ناپسند تھا۔ یہ بڑا لشکر وہ تھا جو اپنے ہم مذہب کافروں کی مدد کے لئے تم کو مدینے سے نکلنا پڑا۔ تو اس بڑے لشکر سے لڑنا تمہیں ناپسند تھا۔ یہ بڑا لشکر وہ تھا جو اپنے ہم مذہب کافروں کی مدد کے لئے اور شام کو گئے ہوئے قافلہ مال تجارت کی حفاظت کے لئے مکے سے نکلا تھا اور اس کو ناپسند کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ نے اسی جنگ سے دوچار کیا اور پہلے سے بغیر قرارداد جنگ کے دشمن سے تمہیں بھڑا دیا اور نتیجہ میں تمہیں نصرف و ہدایت بخشی۔ جیسا کہ فرمایا' قتال تم پر فرض کیا جاتا ہے اور یہ تمہیں ناپسند ہے لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ تم کسی بات کو ناگوار سمجھو اور دراصل تمہاری بھلائی اسی میں ہو اور تم کسی بات کو پسند کرو اور درحقیقت نتیجہ میں وہ تمہارے لئے مضر ثابت ہو۔ تمہاری فلاح کا علم تمہارے خدا کو ہے تم کو نہیں۔ بعض نے اس تشبیہ کے یہ معنی بتائے ہیں کہ جس طرح تمہارے خدا نے حق کے طور پر تم کو مدینہ سے باہر نکلنے میں کامیاب کیا ہے۔ حالانکہ بعض مؤمنین اس خروج سے ناراض تھے لیکن انہیں آنا پڑا۔ اسی طرح وہ جنگ سے باز رہنا چاہتے تھے اور تم سے اختلافِ رائے رکھتے ہیں۔ حالانکہ رسول ﷺ کی رائے کی حقانیت ان پر ظاہر ہو چکی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ معنی ہیں کہ جس طرح مدینے سے مجبوراً تم لوگ نکلے۔ اسی طرح امر حق میں رسول ﷺ سے جھگڑتے ہیں۔

سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت بدر کی لڑائی میں نکلنے کے بارے میں نازل ہوئی: ﴿یُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ مماتبیّن﴾ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ اے نبی ﷺ یہ مومنین تم سے لڑنے کی نیت سے انفال کے بارے میں سوالات کر رہے ہیں جیسا کہ بدر کے روز بھی انہوں نے تم سے مجادلہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ تو ہمیں قافلے سے نمٹنے کے لئے لے کر نکلے تھے۔ ہم کو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنا پڑے گا اور نہ ہم جنگ کے لئے تیار ہو کر نکلے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ نبی ﷺ مدینہ سے ابو سفیان کے قافلے کی راہ روکنے کے لئے نکلے تھے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ قافلہ ملک شام سے قریش کے لئے بہت سامال لے کر روانہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کو آمادہ کیا اور تین سو دس سے کچھ زیادہ آدمی لے کر نکل کھڑے ہوئے اور چشمہ بدر کی راہ پر ساحل کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان کو حضور ﷺ کے حملے کرنے کی خبر ہو چکی تھی جو اس قافلہ کا سردار تھا۔ اس نے ضمضم بن عمرو کو مکہ بھیج کر اہل مکہ کو مدینے والوں کے ارادے سے آگاہ کیا مکے والے تقریباً ایک ہزار آدمی لے کر نکلے۔ ابوسفیان قافلے کو سیف البحر کی طرف سے لے کر نکل گیا اور صاف بچ گیا۔ اب مکہ کا یہ ایک ہزاری لشکر بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ چشمہ بدر کے پاس آ کر پڑاؤ ڈالا۔ اب مسلمان اور کافر بغیر اس کے کہ پہلے سے کوئی قرارداد جنگ ہو آپس میں گتھ گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا بول بالا کرنا چاہتا تھا اور حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ خدا کو منظور تھی۔ جیسا کہ یہ بیان عنقریب آنے والا ہے۔ غرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی کہ مکہ سے ایک بڑا لشکر ان سے لڑنے کے لئے نکلا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی بھیجی کہ دو میں سے ایک چیز تمہیں ملے گی یا تو قافلے کو لوٹ لو یا اس لشکر سے لڑ بیٹھو۔ دونوں نہیں ملیں گے کسی ایک کو اختیار کر لو اور اس میں کامیاب ہو جاؤ۔ مسلمانوں میں سے اکثر کی یہ رائے تھی کہ قافلے کو لوٹ لو اور چل دو۔ بغیر جنگ کے بہت سامال مل جائے گا جس کی حکایت اللہ پاک نے یوں فرمائی ہے کہ ”تم چاہتے ہو کہ دونوں میں سے وہ صورت پسند کریں جو شوکت والی نہ ہو یعنی قافلے سے نمٹ لیں اور اللہ تعالیٰ کا تو ارادہ یہ تھا کہ حق ظاہر ہو کر رہے اور مکہ کے کافروں کا قلع قمع ہو جائے۔

ابوایوب انصاری کہتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے اور حضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابوسفیان قافلہ لے کر آ رہا ہے[1]۔ تم لوگ کیا کہتے ہو؟ کیا اس قافلہ کی راہ روکنے کے لئے ہم نکل پڑیں۔ ممکن ہے کہ تم لوگوں کو بہت کچھ مال و

[1] جیسا کہ معلوم ہے کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت تیرہ سال مسلسل مشرکین مکہ کے جور وظلم کا خود اپنے وطن میں اس طرح شکار رہی کہ نہ ان کا کوئی مددگار تھا اور نہ والی وارث، ہجرت کے بعد مکہ معظمہ کے احترام کے پیش نظر مشرکین مکہ سے انتقام لینے کی کوئی صورت نہ تھی۔ مسلسل انتظار کے بعد ان ارشادات کے ساتھ اجازت دی گئی: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ...... اس اجازت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا کہ مشرکین مکہ کے تجارتی وفود شام و یمن میں آتے جاتے شکست دے کر غریب مسلمانوں کی امداد کی جاتی اور مشرکین کی اقتصادی حالت کو نقصان پہنچایا جاتا۔ تہذیب و تمدن کے اس دور میں بھی دشمن کے لئے اس طرح کی صورت حال پیدا کرنا معیوب نہیں بلکہ جنگ میں کامیابی کی بہترین کوشش ہے۔ بہر حال ۲ ہجری میں آنحضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک بڑی تجارتی مہم شام کو روانہ ہوئی ہے۔ اس قافلہ میں ساٹھ قریشی ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا۔ شام سے جب ابوسفیان واپس ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرمایا کہ اس قافلہ سے تعرض کیا جائے یا نہیں؟ آپ کے اس مشورہ پر دو فریق ہو گئے۔ ایک تو وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ کوئی مہم تو درپیش ہے نہیں جس کے لئے اہتمام ہو خواہ مخواہ جانے کی ضرورت کیا اور دوسرا فریق انصار کا تھا جن کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ اگر مدینہ میں کوئی شخص مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا تو وہ اس کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن مدینہ سے باہر نکل کر ...... =

دولت مل جائے۔ ہم نے عرض کیا' ضرور چلنا چاہئے ۔ چنانچہ ہم سب نکلے اور ایک یا دو روز چلتے رہے۔ اب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا ان کافروں سے جنگ کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ انہیں اس بات کی خبر ہوگئی ہے کہ تم قافلے کے خیال سے نکل چکے ہو۔ مسلمانوں نے کہا کہ واللہ ہم میں دشمن کے اتنے بڑے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ ہم جو نکلے ہیں تو صرف قافلے کو لوٹنے کے خیال سے چل پڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ پھر ہم لوگوں نے یہی جواب دیا۔ اب مقداد بن عمرو نے کہا یارسول اللہ ﷺ! ہم اس موقع پر ایسا نہ کہیں گے' جیسا کہ موسیٰ کی امت نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور دشمن سے لڑو ہم یہیں بیٹھے تمہاری واپسی کے منتظر رہیں گے۔ ہم گروہ انصار نے تمنا کی اور کہا' اگر ہم بھی وہی بات کہتے جو مقداد بن عمرو نے کہی تو یہ بات قافلہ کا مال عظیم مل جانے سے بھی ہمیں زیادہ پسند ہوتی۔ چنانچہ یہ آیت اُتری کہ: ﴿كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ﴾۔

ابو وقاص لیثی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ بدر کی طرف سب کو لے کر نکلے اور مقام روحا میں پہنچ کر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور کہا' تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ تو ابو بکرؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! ہمیں علم ہو چکا ہے کہ یہ کفار یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا' تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ اب کی مرتبہ عمرؓ نے بھی ابو بکرؓ کی طرح جواب دیا۔ آپ نے پھر اور ایک بار یہ سوال کیا تو سعد بن معاذؓ نے کہا کہ یارسول اللہ آپ کی مراد ہم سے ہے۔ خدا کی قسم میں نہ کبھی برک الغماد گیا ہوں نہ مجھے اس کی راہ کا علم ہے لیکن اگر آپ یمن سے حبش کے ملک برک الغماد تک جائیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور امت موسیٰ کی طرح نہ کہیں گے کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑ لو۔ ہم یہیں سے تمہارا ساتھ دیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ نکلنے کے وقت کسی اور غرض سے نکلے ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کوئی دوسری صورت پیدا کر دی ہو۔ تو آپ جو صورت چاہیں' اختیار کریں۔ جو آپ کا ساتھ دینا چاہے' دے اور جو آپ سے ٹوٹنا چاہتا ہے' ٹوٹ جائے۔ جو چاہے آپ کا مخالف بن جائے اور چاہے آپ سے صلح کر کے رہے۔ ہمارا مال جو کچھ ہے آپ سب لے سکتے ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کے اسی قول کی بنا پر وہ آیت اُتری۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے جنگ بدر کے لئے مشورہ کیا اور پھر قریش کے لشکر سے جنگ کا حکم دیا تو مسلمانوں کو یہ جنگ ناپسند تھی۔ اسی لئے آیت اُتری تھی کہ ﴿إِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ﴾ یعنی بعض مؤمنین کی یہ مرضی نہیں ہے اور حق بات ظاہر ہو جانے کے بعد بھی یہ تم سے بحث کرتے ہیں۔ وہ ایسا سمجھ رہے ہیں کہ جنگ کریں گے تو گویا

......= اقدامی طور پر کسی پر حملہ آور ہونا یا ایسے اقدام میں مہاجرین کی اعانت انصار کی ذمہ داری سے خارج تھی لیکن بعد میں بعض انصاری حضرات کی پُرجوش اور پُرحوصلہ تقریروں پر مجمع کا رنگ بدل گیا اور حضور ﷺ تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کے ساتھ ابوسفیان کے اس قافلہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کا اس وقت کسی بڑے اقدام کا ہرگز ارادہ نہیں تھا لیکن ابوسفیان کی اطلاع پر مکہ سے ابوجہل کا لشکر جرار کے ساتھ آنا اور مقابلہ کی پوری تیاری ایک بڑی اور فیصلہ کن جنگ کی تمہید بن گئی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ کسی تیاری کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ اس لئے بعض کی رائے یہ تھی کہ جنگ سے گریز ہو اور صرف شام سے آنے والے قافلہ سے نمٹا جائے۔ لیکن آپ ﷺ کو یہ رائے پسند نہ تھی اور بعض حضرات کے مشورہ پر اس رائے پر عمل بھی نہ کیا گیا۔ بہر حال تقدیر کے فیصلہ کے مطابق کفر و ایمان کا معرکہ ہوا۔ باطل کو شکست ہوئی اور حق غالب رہا۔ ستر کافر مارے گئے ذلت آمیز ناکامی کے ساتھ بدر کے میدان سے اس طرح فرار ہوئے کہ مکہ میں جا کر اپنی جان بچائی۔ بعض مؤرخین کا یہ خیال کہ تجارتی قافلہ پر حضور ﷺ کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتے تھے قطعاً غلط ہے اور یورپ سے غیر ضروری طور پر متاثر ہونے کا ایک بڑا نتیجہ ہے۔

موت کی طرف کھنچے جا رہے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿فِي الْحَقِّ﴾ سے مراد فی القتال ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ لکارِھُوْنَ سے مشرکین کے ساتھ ہی جنگ کی ناگواری مراد ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ ﴿بَعْدَ مَاتَبَيَّنَ﴾ کا مطلب ہے کہ یہ ظاہر ہو جانے کے بعد کہ تم حکم خدا سے سوا کسی بات کا اقدام نہیں کرتے۔ پھر بھی رسول کی رائے کے خلاف کرتے ہیں۔ ابن زید: ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَاتَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں یعنی یہ مشرکین حق بات کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں گویا کہ وہ موت کی طرف کھنچے جا رہے ہیں جب کہ انہیں اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور یہ کہ ایسی مذموم صفت سے مومنین متصف نہیں ہو سکتے اور یہ صفت اہل کفر ہی کی ہو سکتی ہے۔ ابن جریر کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابن زید کا یہ قول کوئی وقعت نہیں کیونکہ الفاظ: ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ﴾ سے پہلے سیاق عبارت اہل ایمان سے متعلق ہے اور جو الفاظ اس کے بعد ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اسی کی خبر ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ ابن عباسؓ ہی کا قول درست ہے کہ اس سے مراد مومنین ہی ہیں۔ ابن جریر نے اسی قول ابن عباسؓ کی تائید کی ہے۔ یہی حق ہے اور سیاق کلام اسی کی تائید کرتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کامیابی کے ساتھ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اب مال بھرے قافلے سے بھی نمٹ لیں۔ اب کوئی رکاوٹ بھی باقی نہیں رہی۔ تو عباس جو قیدی کی حیثیت سے اسیران جنگ میں تھے، بول اُٹھے کہ ہرگز یہ مناسب نہیں کیونکہ یا رسول اللہ! اللہ پاک نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے دو چیزوں میں سے ایک کا۔ چنانچہ ایک چیز آپ کو حاصل ہو چکی۔ اب دوسری چیز کو حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس کی اسناد جید ہے۔ اس قول کے معنی: ﴿تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ﴾ یہ ہیں کہ تم چاہتے تھے کہ وہ چیز حاصل کریں، جس میں نہ کوئی مدافعت ہے نہ قتال ہے۔ یعنی ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا تھا کہ تم کو ایک ایسی جماعت سے بھڑا دے جو جاہ شوکت والی ہو اور اس سے جنگ واقع ہوتا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان پر کامیابی بخشے اور خدا کے دین کا غلبہ ہو، کلمہ اسلام بلند ہو اللہ تعالیٰ کے سوا عاقبت امور سے اور کوئی واقف نہیں۔ حسن تدبیر کا مدبر وہی ہے۔ اگرچہ لوگ اس کے خلاف ہی کیوں نہ چاہتے ہوں جیسا کہ فرمایا، قتال تم پر فرض ہے، خواہ وہ تمہیں ناگوار ہی ہو۔ بہت ممکن ہے کہ تمہیں ایک بات ناپسند ہو اور خیر اسی کے اندر ہو اور ایک بات اچھی لگے اور شر اسی کے اندر ہو۔ حسب ذیل حدیث بھی سیاق حدیث بدر میں ہے کہ جب نبی ﷺ نے شام سے ابوسفیان کے چلنے کی خبر پائی تو مسلمانوں کو بلایا اور کہا کہ قریش کے اس قافلہ کے ساتھ مال و متاع بہت ہے۔ اس پر دھاوا بولو۔ کیا عجب کہ کفار کا مال غنیمت اللہ تمہیں دے دے۔ بعض کے پاس اسلحہ تھے اور بعض کے پاس نہیں اور نہ انہیں گمان تھا کہ نبی ﷺ جنگ کریں گے اور ابوسفیان جب حجاز کے قریب ہوا تو اس نے اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے اور ہر آنے جانے والے سے نبی ﷺ کی خبریں پوچھتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس کو خبر مل گئی کہ محمد ﷺ تمہارے قافلے کے درپے ہیں۔ تو اس نے احتیاطی تدابیر اختیار کر لیں اور ضمضم بن عمرو غفاری کو فوراً مکے بھیجا کہ قریش سے مل کر قافلے کی حفاظت کا انتظام کرائے کیونکہ محمد ﷺ حملہ آور ہو رہے ہیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلے اور وادی ظفران تک پہنچے اور وہاں قیام کیا کہ اتنے میں آپ کو خبر ملی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت و مدافعت کی خاطر مکہ سے روزانہ ہو گئے ہیں۔ تو آپ نے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی جو مناسب مشورہ سمجھا، ظاہر کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا۔ پھر مقداد کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم

آپ کے ساتھ ہیں خدا کا جومنشا ہے اس کو پورا کیجئے خدا کی قسم ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں کہیں گے[1]۔ اگر آپ ہمیں حبش تک لے جانا چاہیں تو جب تک آپ وہاں نہ پہنچیں' ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ تو آپ نے سعد رضی اللہ عنہ کو دعائے خیر دی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کی مراد انصار سے تھی۔ ایک تو اس وجہ سے بھی کہ انصار تعداد میں زیادہ تھے۔ دوسرے اس لئے بھی کہ عقبہ میں جب انصار نے بیعت کی تھی تو اس بات پر کی تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ جائیں گے تو ہر حال میں ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ یعنی آپ پر دشمن چڑھائی کرنے آئے تو ہم اس کے مقابلہ پر ہو جائیں گے۔ اس میں چونکہ یہ وعدہ نہ تھا کہ جارحانہ اقدام پر بھی ساتھ دیں گے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بھی ارادہ اور رائے دریافت کر لینا چاہتے تھے تا کہ ان سے بھی وعدہ لے کر ان کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا آپ پر ایمان ہے۔ ہم آپ کے حکم ماننے کا وعدہ آپ سے کر چکے ہیں۔ آپ کا ساتھ کبھی نہ چھوڑیں گے۔ خدا کی قسم اگر سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر بھی آپ اس میں گھوڑ ڈال دیں تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے۔ ہم میں سے کوئی بھی ذرا تامل نہ کرے گا۔ ہم لڑائیوں میں بہادری کا مظاہرہ کرنے والے' مصیبتوں کو جھیلنے والے ہیں۔ آپ ہم سے ان شاء اللہ خوش رہیں گے۔ اس جواب سے آپ بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ رب نے دو میں سے ایک کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور کیا عجب کہ وہ ایک یہی جنگ ہو۔ میں گویا مشرکین کا مقتل یہیں سے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

ع ۱ / ۱۵

اُس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے ربّ سے فریاد کر رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ تم کو ایک ہزار[2] فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ اَمر محض اس (حکمت) کے لئے کہ (غلبہ کی) بشارت ہو اور تا کہ تمہارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہو جائے اور (واقع میں تو) نصرت (اور غلبہ) صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والے ہیں۔ ○

نصرتِ الٰہی ☆

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کا شمار کیا تو تین سو سے کچھ اوپر تھے اور مشرکین کوئی ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ چنانچہ آپ قبلہ رو ہو کر خدا سے مانگنے لگے۔ آپ صرف ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور تہبند بندھا ہوا تھا اور فرما رہے تھے کہ یا رب نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس موقع پر پورا کر۔ اگر مسلمانوں کی

[1] جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑ لو' ہم یہیں انتظار میں بیٹھے رہیں گے۔

[2] چوتھے پارے میں فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار تک بیان کی گئی ہے اور یہاں صرف ایک لیکن اس میں کوئی تضاد نہیں۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے پہلے صرف ایک امداد کا ذکر ہے اور چوتھے پارے میں آخر میں جو کمک بھیجی گئی تھی' اس کا بیان ہے۔

اس مٹھی بھر جماعت کو تو نے ہلاک کر دیا تو زمین پر عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا اور توحید کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ آپ خدا سے فریاد کر رہے تھے دعائیں مانگ رہے تھے۔ حتیٰ کہ چادر آپ کے شانوں میں سے گر پڑی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آ کر اس کو آپ کے کاندھوں پر ڈال دیا اور آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اب بس کیجئے وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب تم نے خدا سے دعا مانگی تو اس نے تمہاری درخواست قبول کر لی۔ اب میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرتا ہوں۔ چنانچہ جس روز جنگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست فاش دے دی مشرکوں میں سے ستر قید ہوئے اور ستر قتل ہوئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کے بھائی بند ہیں اور قبیلہ اور خاندان والے ہیں۔ میں تو یہ رائے رکھتا ہوں کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ تا کہ فدیہ کی رقم سے ہمیں مالی استحکام حاصل ہو۔ کافروں پر غلبہ کی اور قوت پیدا ہو اور کیا عجب ہے کہ بعد میں اللہ انہیں ہدایت بخش دے۔ پھر یہ خود ہماری قوت میں اضافہ کریں گے۔ اس کے بعد حضور رضی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ عمر! تم کیا کہتے ہو؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میری رائے ابوبکر کی رائے کے خلاف ہے۔ آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں اپنے رشتہ دار کا فر قیدی کو قتل کر دوں اور علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے کہ وہ اپنے بھائی عقیل کی گردن اُڑا دیں اور حمزہ اپنے فلاں بھائی کی گردن ماریں تا کہ ہم خدا کے حضور میں یہ ثابت کر سکیں کہ مشرکین کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی رعایت نہیں۔ یہ مشرکین قیدی تو کافروں کے سردار ہیں اور قائد ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی اور ان قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دوسرا دن نکلا تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گیا۔ دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں رو رہے ہیں۔ میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کیوں رو رہے ہیں۔ رونا آئے تو میں بھی روؤں اور نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا لوں تا کہ آپ کا شریک ہو جاؤں[1]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی وجہ سے رونا ہے۔ میں اس خطا کی وجہ سے اس عذاب کو دیکھ رہا ہو جو اتنا قریب ہے۔ جتنا یہ میرے ساتھ کا درخت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾ تا ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (الانفال: ۶۷-۶۹) چنانچہ غنیمت حلال کر دی گئی۔ پھر جب آئندہ سال یوم احد آیا تو یوم بدر کی غلطی کا اللہ نے یوں بدلہ لیا کہ فدیہ کے ستر چھوڑے ہوئے کافروں کے بدلے اُحد میں مسلمانوں کے ستر صحابی شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ پڑے۔ خود سر مبارک میں دھنس گیا۔ خون چہرہ مبارک پر بہنے لگا۔ چنانچہ یہ آیت اُتری کہ "مصیبت پہنچی تو کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی۔ کہہ دو کہ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں نازل ہوئی ہے یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے سبب"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ: ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ﴾ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا کرنا ہے کیونکہ بدر کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بہت اصرار کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ کر کہنے لگے یا رسول اللہ! اب دعا مختصر کر دیجئے۔ اللہ پاک ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا جو آپ سے کیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یوم بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اے خدا! میں عہد کے پورا کرنے کی طرف تجھے توجہ دلاتا ہوں۔ ورنہ اے خدا تجھے پوجنے والا کوئی

[1] نبی علیہ السلام کی اتباع اس درجہ کی ہونا چاہئے۔

نہیں رہے گا۔ تو ابو بکرؓ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا بس بس۔ تو آپ اُٹھے اور فرمارہے تھے کہ قریب تر عرصہ میں کافروں کو شکست ہونے والی ہے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے ہیں۔ ﴿بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾ یعنی فرشتوں کی صفیں ایک کے پیچھے ایک لگی ہوئی تھیں اور مردفین سے مراد مدد بھی ہو سکتی ہے یعنی فرشتے مدد پر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام ہزار فرشتے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدھی طرف تھے' جدھر کہ ابو بکرؓ تھے اور میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتے لے کر بائیں طرف تھے' جدھر میں تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہزار کی مدد پر دوسرے ہزار بھی تھے۔ اسی لئے بعض نے ''مردفین'' بہ فتحہ دال قراءت کی ہے۔ واللہ اعلم اور یہ بھی روایت ہے کہ پانچ سو ملائکہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ تھے اور پانچ سو میکائیل علیہ السلام کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے لگا ہوا تھا کہ اوپر سے ایک کوڑا مشرک کے سر پر پڑنے کی آواز سنی اور ایک سوار کی بھی آہٹ پائی۔ اب دیکھتے ہیں کہ کافر گر کر زمین پر ڈھیر ہو گیا ہے۔ کوڑے کی ضرب سے سر پھٹ گیا۔ حالانکہ کسی انسان نے اسے مارا نہ تھا۔ اب پیچھے والے انصاری نے یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی' تو آپ نے فرمایا' تم نے سچ کہا یہ آسمانی مدد تھی۔ یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔ چنانچہ ستر تو قتل ہوئے اور ستر قیدی ہوئے۔ رافع اہل بدر میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ اہل بدر کو کیسا سمجھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے افضل تو' حضرت جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ بدر میں مدد کرنے والے ملائکہ بھی دوسرے ملائکہ میں ایسے ہی افضل سمجھے جاتے ہیں۔ صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا' جب کہ عمرؓ نے قتل حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں مشورہ دیا تھا۔ یہ کہ حاطب بدر میں شریک ہوا تھا اور تمہیں کیا خبر کہ شاید اللہ پاک نے اہل بدر کو بخش دیا ہو کیونکہ فرمایا تھا کہ تم جو چاہو کرو' میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

قولہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى﴾ یعنی فرشتوں کا یہ بھیجنا تمہیں صرف خوش کرنے کے لئے تھا اور یہ کہ تمہارے دل کو اطمینان کی صورت ہو۔ ورنہ خدا تمہاری مدد کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔ اس کو تمہاری کے لئے فرشتوں کی بھی ضرورت نہیں رہے۔ یہ مدد درحقیقت خدا کی مدد تھی۔ فرشتے تو مدد کی ظاہری صورت تھے۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب کبھی تم کافروں کو پاؤ تو ان کی گردن اُڑا دو۔ غالب آجاؤ تو انہیں زنجیروں میں جکڑ لو۔ پھر یا تو معاف کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ حتیٰ کہ جنگ کا سدباب ہو جائے۔ یہ اس لئے کہا گیا کہ اگر اللہ چاہے تو خود ان کی مدد کر سکتا ہے لیکن دراصل وہ بعض کو بعض کے ذریعہ آزماتا ہے اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو کبھی تلف نہیں کرے گا۔ انہیں ہدایت کرے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا اور ارشاد باری ہے کہ: ﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۴۱) ہم زمانہ کو لوگوں میں گھماتے رہتے ہیں اور زمانہ کو بدل بدل کر لاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ جانچ لے اور شہیدوں کو الگ کرے۔ ظالموں سے اللہ خوش نہیں رہ سکتا۔ اس میں ایمانداروں کا امتیاز ہو جاتا ہے اور کافروں کو خدا مٹا دیتا ہے۔ جہاد کا شرعی فیصلہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ مشرکوں کو موحدوں کے ہاتھوں سزا دیتا ہے اس سے پہلے وہ عام آسمانی عذابوں سے ہلاک کر دیئے جاتے تھے جیسے قوم نوح پر طوفان آیا۔ عاد اولیٰ آندھی میں تباہ ہوئے۔ اہل ثمود چیخ سے غارت کر دیئے گئے۔ قوم لوط کی بستیاں اُلٹ دی گئیں اور پتھروں کی بارش ہوئی۔ شعیب کی قوم کے سر پر پہاڑ معلق کر دیا گیا۔ اللہ نے موسیٰ کو بھیجا اور ان کے دشمن فرعون کو ہلاک کر دیا گیا

اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کر دیا گیا۔ موسیٰ کو تورات دے کر کفار کو قتل کر دینا فرض قرار دیا گیا اور یہی حکم دوسری شریعتوں کے اندر بھی قائم رہا۔

جیسا کہ فرمایا کہ "ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان سے پہلے کی اُمتیں بھی نافرمانی کے سبب ہلاک کر دی گئی تھیں۔ اس میں لوگوں کے لئے بصیرت ہے۔" (القصص: ۴۳) مومنین کا کافروں کو بھی بجائے قید کے قتل کر دینا ان کافروں کی زبردست اہانت کی چیز تھی اور اس سے مومنین کے دل ٹھنڈے ہوتے جیسا کہ اس امت کے مومنین کو حکم دیا گیا تھا "کہ ان کافروں کو قتل ہی کر دو۔ اللہ پاک تمہارے ہاتھوں انہیں رسوا کرنا اور عذاب دینا چاہتا ہے اور اس لئے بھی کہ تمہارا دل ٹھنڈا ہو۔" (التوبۃ: ۱۴) کیونکہ یہ گردن زدنی سرداران قریش مسلمانوں کے دلوں کو اس انتقام سے کتنی ٹھنڈک پہنچتی۔ چنانچہ ابوجہل جب عین جنگ میں مارا گیا تو اس کی لاش کی بڑی بے عزتی ہوئی کہ اگر بستر پر اپنی موت مرتا تو اس کی کبھی یہ رسوائی نہ ہوتی یا جیسا کہ ابولہب مرا تو ایسا سڑ گیا کہ اُس کے قریب ترین اقرباء بھی اس کی لاش کے قریب نہ آتے تھے۔ نہلانے کی بجائے دور سے لاش پر پانی پھینک دیا گیا اور دفن کے طور پر اس کو ایک گڑھے میں گرا دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ عزت کافروں کے لئے نہیں بلکہ رسولوں اور مومنین کے لئے ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور فرمایا کہ ہم اپنے رسولوں اور مومنین کی مدد دنیا میں بھی کرتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ تم یہ حکم دینا کہ کفار کو قتل کر و اس میں بھی اس کی خاص حکمت ہے ورنہ کیا وہ خود اپنی قدرت سے ہلاک نہیں کر سکتا۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

اُس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ کو طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور (اس کے قبل) تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو (حدث اصغر و اکبر سے) پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دل کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔ اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب (ان)

فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (ومددگار) ہوں سو (مجھ کو مددگار سمجھ کر) تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں سوتم کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں۔ سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔ ○

نصرت ایک اور راہ سے ☆

اللہ پاک ان احسانات کو یاد دلاتا ہے کہ وقت جنگ تم پر غنودگی طاری کر کے ہم نے تم پر احسان کیا ہے[1]۔ کہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا جو تمہیں احساس تھا اور اس احساس کے تحت تم پر ایک خوف سا طاری تھا۔ اس سے تمہیں مامون کر دیا اور اسی طرح اللہ نے یوم احد میں بھی کیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا......﴾ یعنی رنج و غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دیا جو غنودگی کی شکل میں تمہیں ڈھانکے ہوئے تھا۔ ابوطلحہ کہتے ہیں کہ جنگ احد کے روز مجھے بھی غنودگی آ گئی تھی کہ تلوار میرے ہاتھ سے گری جاتی تھی اور میں تھامے جاتا تھا اور میں لوگوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ ڈھال پر سر لگائے ہوئے نیند میں لوگ جھول رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بدر کے روز مقداد رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے پاس سواری نہیں تھی۔ ہم سب نیند کے سے عالم میں تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے صبح تک نمازیں پڑھتے رہے اور خدا کے آگے روتے رہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بروز جنگ یہ اونگھ خدا کی طرف سے گویا ایک امن کی شکل میں تھی اور نماز میں یہی اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اونگھ کا تعلق سر سے ہے اور نیند کا تعلق دل[۱] سے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ غنودگی یوم احد میں مسلط تھی اور یہ خبر تو بہت عام اور مشہور ہے اور یہاں آیت شریفہ سیاق قصہ بدر میں ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بدر میں بھی غنودگی طاری تھی اور یہ شدت جنگ میں مومنین پر طاری ہو جایا کرتی تھی تا کہ ان کے قلوب اللہ کی مدد سے مطمئن[2] اور مامون رہیں اور یہ مومنین پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ مشکلات کے ساتھ آسانیاں بھی ہیں۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ بروز بدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بنائے ہوئے کاشانہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دونوں مل کر خدا سے دعا کر رہے تھے۔ اس حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ سی آ گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے ہوئے بیدار ہو گئے اور فرمانے لگے' اے ابوبکرؓ خوش ہو جاؤ' وہ ہیں جبریل گرد آلود کیفیت میں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانے سے باہر آئے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ (القمر: ۴۵) ''دشمنوں کو ہزیمت ہوگئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔''

1۔ بدر کا معرکہ جیسا کہ معلوم ہے عجیب و غریب حالات میں پیش آیا۔ مسلمان بالکل بے سروسامان اور کفار پوری طرح مسلح۔ ادھر میدان جنگ کے آرام دہ علاقے کفار کے قبضہ میں اور مسلمانوں کے پاس وہ علاقے جس میں پانی کی کمی اور ریت کے ایسے تودے کہ پاؤں زمین میں دھنستے جائیں۔ ظاہری حالات قطعاً مسلمانوں کے خلاف شیطان وساوس دل و دماغ پر چھا رہے ہیں۔ خدایا اس موقع پر کیونکر کامیابی ہوگی۔ کامیابی تو درکنار زندہ و سلامت بھی نکل سکیں گے یا نہیں؟ کچھ اس قسم کے خیالات تھے جو مسلمانوں کے دل و دماغ پر مسلط تھے۔ اچانک بارش برسی اور میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ مسلمانوں کا علاقہ بہترین جنگی میدان بن گیا اور کفار کا مقبوضہ علاقہ میں چلنا پھرنا بھی دوبھر ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانی دور ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دل سے خوف و ہراس بھی جاتا رہا۔ یہاں اسی کا ذکر ہے۔

2۔ کسی مریض کیلئے تھوڑی دیر کیلئے سو جانا' سینکڑوں علاج سے زیادہ کارآمد ہے۔ تھک جانے کے بعد تھوڑا سا آرام کیسا چست و چاق کر دیتا ہے۔ فکر و پریشانی میں آنکھ لگ جائے تو سارا غم ہی کافور ہو جائے۔ یہ روزانہ کے ہمارے مشاہدات ہیں اور ایسے واقعات ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ: ﴿يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے تم پر پانی برسایا۔ ایک تو نیند کی سی کیفیت کو تمہارے لئے امن کی وجہ قرار دیا' دوسرا احسان تم پر خدا کا یہ ہے کہ پانی برس پڑا جو مسلمانوں کے لئے مفید اور کافروں کے لئے مضر ثابت ہوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بدر میں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا تھا۔ وہاں مشرکوں نے میدان بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کے اور پانی کے درمیان وہ حائل ہو گئے تھے۔ مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے۔ شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا' کہ تم بڑے اللہ والے ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں' اور پانی پر قبضہ مشرکوں کا ہے اور پانی سے تم اتنے محروم ہو گئے ہو کہ نماز بھی پڑھتے ہو تو تیمم کر کے پڑھ لیتے ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خوب پانی برسایا۔ مسلمانوں نے پیا بھی اور پاکی وصفائی بھی کی۔ اللہ نے شیطان کے وسوسہ کو بھی نیچا دکھایا۔ پانی کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف ریت جم گئی۔ لوگوں کو اور جانوروں کو چلنے میں آسانی ہو گئی اور اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی۔ جبریل ایک طرف پانچ سو فرشتے لئے ہوئے تھے اور میکائیل دوسری طرف پانچ سو فرشتے لئے ہوئے موجود تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرکین قریش جب ابوسفیان کے قافلے کی مدد کے لئے نکلے اور مسلمانوں سے لڑ پڑے تو چشمہ بدر پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان پانی سے محروم ہو گئے۔ پیاس سے تڑپنے لگے۔ نماز بھی جنابت اور حدث ہونے کی حالت میں پڑھنے لگے[1]۔ حتیٰ کہ ان کی دلوں میں مختلف خیالات پیدا ہونے لگے[2]۔ اب اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا اور میدانوں میں پانی برسایا اور میدانوں میں پانی بہنے لگا۔ مسلمانوں نے برتن بھر لئے' جانوروں کو پلایا۔ نہائے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکی بخشی۔ اب وہ ثابت قدم بھی ہو گئے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ریت تھی۔ پانی برس گیا تو زمین دب گئی اور سخت ہو گئی' مسلمانوں کے قدم زمین پر جمنے لگے۔ مشہور یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کی طرف چلے تو پانی کے قریب اُترے۔ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مقام جہاں آپ فروکش ہیں' سو کیا آپ بحکم وحی فروکش ہیں' جس سے ہم ذرہ برابر سرتابی نہیں کر سکتے یا یہ کہ جنگی مصلحت کے تحت قیام فرمایا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مصلحت کے تحت قیام کیا ہے۔ حباب نے کہا کہ ایسی صورت میں اور آگے چلئے۔ آخری پانی پر قبضہ کر لیجئے۔ وہیں حوض بنا کر یہاں کا سب پانی جمع کر لیں تو پانی پر ہمارا قبضہ رہے گا اور دشمن پانی کے بغیر رہ جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے چل کھڑے ہوئے کہتے ہیں کہ حباب نے جب یہ مشورہ دیا تو اس وقت آسمان سے ایک فرشتہ آیا اور جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس فرشتہ نے کہا "اے محمد! اللہ تعالیٰ نے سلام فرمایا ہے' نیز ارشاد ہے کہ حباب بن منذر کی رائے تمہارے لئے صحیح ہے۔" آپ جبریل کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کیا تم اس کو جانتے ہو؟ جبریل نے اس کو دیکھ کر کہا میں تمام فرشتوں کو جانتا تو نہیں ہوں لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ فرشتہ ہے کوئی شیطان نہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ نے پانی برسایا مسلمانوں کے طرف کی زمین پانی سے دب کر سخت ہو گئی اور چلنے میں آسانی ہو گئی۔ لیکن کفار کی طرف زمین نشیب تھی' وہاں دلدل ہو گئی۔ انہیں چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے غنودگی کا احسان کرنے سے پہلے پانی برسا کر احسان کیا۔ گرد و غبار دب

---

[1] اس وقت تک تیمم کا حکم نہیں ہوا تھا۔

[2] خدا جانے کیا ہو اور کیا نہ ہو۔ دیکھو کفار کے مقابلہ میں فتحیاب ہوتے ہیں یا کہیں شکست ہی قسمت میں نہ ہو۔

گیا۔ زمین سخت ہوگئی۔ مسلمان خوش ہو گئے۔ ثابت قدمی بڑھ گئی۔ اب اونگھ آنے لگی' مسلمان تازہ دَم ہو گئے۔ صبح لڑائی ہونی والی ہے' رات کو ہلکی سی بارش ہوگئی۔ ہم نے درخت کے نیچے ہو کر بارش سے پناہ لی۔ حضور ﷺ جاگتے رہے اور لوگوں سے جنگ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

قولہ: ﴿لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ یعنی حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک کرنے کے لئے پانی برسایا اور تاکہ شیطان کے اغوا سے بھی تم کو چھڑا دے اور یہ دل کی پاکی تھی۔ جیسا کہ اہل جنت کے حق میں فرمایا ہے کہ انہیں پہننے کے لئے ریشمی لباس ملے گا اور سونے چاندی کا زیور ہوگا اور یہ ظاہری زینت ہے اور اللہ انہیں شراب طہور پلائے گا اور حسد اور بغض کے کینہ سے انہیں پاک رکھے گا اور یہ باطن کی زینت ہے۔ پانی برسانے سے یہ بھی غرض تھی کہ تمہارے دلوں کو اطمینان دے کر صابر اور ثابت قدم بنایا جائے۔ یہ صبر اور اقدام باطنی شجاعت ہے اور یہ ثابت قدمی شجاعت ظاہری ہے۔ قولہ تعالیٰ: ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تم مومنین کو ثابت قدم رکھو[1]۔ یہ نعمت خفیہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر ظاہر فرما رہا ہے۔ تاکہ اس کی شکر گزاری کریں۔ وہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو تاکید فرمائی کہ نبی ﷺ کی اور دین نبی ﷺ اور جماعت مومنین کی مدد کریں تاکہ ان کے دل ٹوٹ نہ جائیں۔ وہ ہمت نہ ہار دیں۔ تم بھی ان کے ساتھ کافروں سے قتال کرو۔ کہا گیا کہ فرشتہ کسی مسلمان کے پاس آتا اور کہتا کہ مشرکوں میں عجیب بددلی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے حملہ کیا تو ہمارے قدم نہیں ٹک سکتے۔ ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اب ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے' دوسرا تیسرے کو کہتا۔ اس طرح صحابہ کے دل بڑھ جاتے اور سمجھ لیتے کہ مشرکوں میں طاقت وقوت نہیں ہے[2]۔ پھر فرماتا ہے کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ یعنی اے ملائکہ تم مومنین کو ثابت قدم رکھو اور ان کے دلوں کو قوی بناؤ۔ تم ان کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کی ایک ایک پوری کو زخمی کر دو۔ ان کے ہاتھ پاؤں قطع کر دو۔ مفسرین نے: ﴿فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے سر پر مارنے کے معنی لئے ہیں اور بعض نے گردن پر چنانچہ اس معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ﴾ (محمد: ۴) یعنی کافروں سے جنگ ہو تو گردنوں پر مارو اور انہیں زنجیروں میں جکڑ لو۔ قاسم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں خدا کے عذاب میں مبتلا کرنے نہیں مبعوث ہوا ہوں۔ یعنی خدا کی طرف کا عذاب جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل ہوتا رہا۔ بلکہ خود لڑ کر گردنیں مار کر اور قید کر کے انہیں عبرتناک نتیجہ پر پہنچاؤں گا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ گردنیں مارنا اور کھوپڑی پھوڑنا مراد ہے۔ مغازی اموی میں لکھا ہے کہ جنگ بدر کے روز نبی ﷺ مقتولین پر سے گزرے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: ((يفلق هاما)) یعنی سر ٹوٹے پڑے ہیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ ہی بول اُٹھے اور مصرعہ لگا کر اس کا ایک شعر ہی بنا دیا۔ یعنی

---

[1] اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ ہزار ہا' لاکھوں' کروڑوں فرشتوں کی امداد بھی بے سود ہے تاوقتیکہ خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت شامل نہ ہو۔ فرشتے بھی تمام مخلوقات کی طرح خدا تعالیٰ ہی کی نصرت کے محتاج ہیں۔ خود ان میں کوئی بھی طاقت نہیں ہے۔

[2] یا تو واقعہ بھی ایسا ہی ہوگا کہ کفار کے قلوب پر مسلمانوں کی دہشت چھائی ہوئی ہو اور اگر ایسا نہیں تھا تو یاد رکھئے کہ جنگی مہمات میں اس قسم کی تدابیر ناجائز نہیں ہیں۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: ((الحرب خدعة)) یعنی جنگ دشمن پر غالب آنے کے لئے تدابیر اختیار کرنے کا نام ہے۔

یفلق هاماً من رجال اعزة علینا ☆ وھم کانوا اعق واظلما

''یعنی سر ٹوٹے پڑے ہیں ان لوگوں کے جو ہم پر غرور کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ بڑے ظالم اور نافرمان تھے۔''

نبی ﷺ نے گویا ایک بیت کے دو ابتدائی لفظ کہہ دیئے اور منتظر تھے کہ ابوبکر اس کو ایک شعر بنا کر پورا کر دیں۔ کیونکہ آپ کے لئے شاعر ہونا مناسب نہیں تھا۔ جیسا کہ خود اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ﴾ یعنی ہم نے ان کو شاعر نہیں بنایا اور نہ ان کے لئے شاعر ہونا کوئی امتیاز ہے۔ یوم بدر میں لوگ ان مقتولین کو پہچان جاتے تھے جو ملائکہ کے ہاتھوں مرے ہیں کیونکہ ایسے مقتولین کا زخم گردن پر یا جوڑ بندوں پر ہوتا تھا اور یہ ایسے نشانات ہوتے تھے گویا آگ سے جلے ہوئے ہیں: ﴿وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ اے مومنو! دشمنوں کو مارو ان کے جوڑ بندوں پر' تا کہ ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں۔

بنان جمع ہے بنانۃ کی۔ ہر جوڑ اور ہر حصہ کو ''بنان'' کہتے ہیں۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ مطلب ہے کہ اے فرشتو! ان کافروں کے چہروں اور آنکھوں پر مارو اور ایسے زخم ڈالو گویا آگ کی چنگاریوں سے جلا دیئے گئے ہیں اور کسی کافر کو قید کر لینے کے بعد مارنا جائز نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بدر کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے کہہ رکھا تھا کہ قتل کرنے کے بجائے مسلمانوں کو زندہ پکڑو تا کہ انہیں ہمارے دین کو برا کہنے پر' ہم پر طعن کرنے اور لات وعزیٰ سے روگردانی کا مزا چکھا سکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تم مومنین کو ثابت قدم رکھو۔ میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دوں گا۔ تم ان کی گردنوں اور جوڑ بندوں پر مارو۔ مقتولین بدر میں ابوجہل کا انہتر واں نمبر تھا۔ پھر عقبہ بن ابی معیط قید کر کے قتل کر دیا گیا اور ستر کی تعداد پوری ہوگئی۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت کی تھی اور شرع و ایمان چھوڑنے کا پہلا اختیار کیا تھا۔ لفظ شقّ ''شق عصا'' سے ماخوذ ہے۔ یعنی اس نے لکڑی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ارشاد ہے کہ جس نے اللہ اور رسول سے علیحدگی یعنی مخالفت اختیار کی۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ اپنی مخالفت کرنے والے پر غالب ہے۔ کسی بات میں اس کو بھول چوک نہیں۔ اس کے غضب کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ یہ کافروں سے خطاب ہو رہا ہے کہ دنیا میں عذاب و نکال کا مزہ چکھو اور آخرت میں بھی عذاب دوزخ کا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس

موقع پر (مقابلہ کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے۔ باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ ○

جنگ سے فرار کفر ہے ☆

جنگ کے وقت فرار اختیار کرنے والوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اے ایمان والو! جب لڑائی ہو گی تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگ نہ جانا۔ ہاں کوئی مصلحت کے طور پر بھاگے کہ گویا خوفزدہ ہو گیا ہے تا کہ اس کا تعاقب کیا جائے۔ پھر اکیلا پا کر پلٹ کر حملہ کر دے تو ایسی مصلحت کے تحت بھاگنے میں کوئی حرج نہیں[1] یا اس غرض سے بھاگے کہ مسلمانوں کے دوسرے دستے سے جا ملے تا کہ ان کی مدد کرے یا وہ اس کی مدد کریں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ وہ اپنے امام کی پناہ میں جانا چاہتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ایک چھوٹے سے لشکر کا سپاہی تھا کہ لوگوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ میں بھی بھاگا۔ اب ہمیں احساس ہوا کہ ہم جنگ سے بھاگے ہیں اور خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے۔ اب کیا کریں؟ ہم نے مشورہ کیا کہ مدینے چلیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گے۔ اگر ہماری توبہ آپ نے قبول کر فرمالی تو کیا کہنا' ورنہ ہم کہیں بھی نکل جائیں گے اور منہ نہ دکھائیں گے۔ چنانچہ ہم قبل از نماز ظہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپؐ نے پوچھا' تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا' ہم پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا' نہیں بلکہ تم لوگ اپنے مرکز کی طرف آنے والے ہو۔ میں تمہارا اور تمہاری جماعت مومنین کا مرکز ہوں۔ ہم نے یہ سن کر آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پہ بوسہ[2] دیا۔ ابوداؤد نے مزید کہا ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾۔

اہل علم نے عکارون کے معنی عرفون بتائے ہیں۔ یعنی دور اندیش اور نکتہ رس۔ ابوعبیدہ سرزمین ایران کے ایک پل پر قتل کر دیئے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہوشیاری برت کہ انہیں بھاگ آنے کا موقع تھا' میں ان کا امیر اور بندھن تھا' میرے پاس کیوں نہ آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ''اے لوگو! اس آیت سے تم غلط فہمی میں نہ پڑنا۔ یہ آیت یوم بدر کے لئے تھی اور اس وقت میں ہر مسلمان کی جماعت ہوں۔'' نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ہم لوگ دشمن سے قتال کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہم نہیں جانتے کہ ہمارا مرکز کیا ہے' امام یا جنگی مرکز؟ تو کہا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ تو کہا کہ یہ آیت یوم بدر کے لئے ہے نہ اس سے پہلے کیلئے نہ بعد کے لئے۔ مُتَحَيِّزًا کے معنی ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پناہ لینے والا۔ اسی طرح آج بھی کوئی شخص جنگ کے میدان سے ہٹ کر اپنے امیر یا اصحاب امیر کی طرف پناہ لے سکتا ہے۔ لیکن یہ فرار اگر اس سبب کے سوا اور اسباب کی بنا پر ہو تو یہ حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو: (۱) شرک باللہ (۲) جادو کرنا (۳) کسی کو ناحق قتل کرنا (۴) سود کھانا (۵) مال یتیم کھا جانا (۶) جہاد میں پیٹھ دکھا کر بھاگ جانا (۷) پاک

[1] مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے پیچھے ہٹیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ بزدلی کی وجہ سے فرار اختیار کرنا کفر ہے۔

[2] اس مسرت وخوشی میں کہ آپ نے ان کو ایک بڑی بشارت سنائی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ہاتھوں کا بوسہ اس وقت کا ہو جب تک کہ بوسہ کی ممانعت نہ ہوئی ہو ورنہ کسی بزرگ' پیر کی قبر وغیرہ کو بوسہ دینا سخت منع ہے۔

دامن اور بے گناہ عورتوں پر الزام لگانا۔ یہ بات اور کئی طرح بھی ثابت ہے کہ یہ آیت بدر سے متعلق نازل ہوئی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بھاگے گا تو خدا کا غضب لے کر بھاگے گا۔اس کا ٹھکانا دوزخ ہے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

بشیر بن معبد کہتے ہیں کہ میں بیعت کرنے کے لئے حضور ﷺ کے پاس آیا تو بیعت کے لئے آپ ﷺ نے یہ شرط کی کہ: ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی گواہی دو میری رسالت کو مانو' نماز پابندی سے پڑھو' زکوٰۃ دیتے رہو' حج کرو' رمضان کے روزے رکھو اور یہ بھی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس میں دو باتیں میرے لئے دشوار ہیں۔ایک تو جہاد کہ اگر بحالت جنگ کوئی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا تو خدا کا غضب اس پر نازل ہو جائے گا اور مجھے خوف ہے کہ موت سے گھبرا کر کہیں مجھ سے یہ گناہ سرزد نہ ہو جائے۔ دوسرے صدقہ' سو خدا کی قسم مجھے غنیمت اور اس کے سوا کچھ نہیں ملتا اور دس اونٹنیاں ہیں جن کا دودھ دوہ لیا' پیا پلا لیا۔اس پر سواری کر لی۔تو حضور ﷺ نے میرا ہاتھ تھام لیا' اس کو ہلایا اور کہا جہاد بھی نہ کرو گے' صدقہ بھی نہ دو گے' پھر جنت کا استحقاق کیسے حاصل ہوگا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے منظور ہے میں ہر شرط پر بیعت کروں گا۔ یہ حدیث غریب ہے۔صحاح ستہ میں موجود نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا' تین کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے کوئی عمل نیک بھی کارآمد نہیں ہوسکتا: (۱) شرک باللہ (۲) والدین کی نافرمانی' ان سے سرکشی (۳) میدان جنگ سے بھاگ جانا۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔

سدی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کہا: ﴿اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ﴾ تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔اگرچہ جنگ سے فرار کا گناہ بھی ہو۔یہ حدیث بھی غریب ہے۔حضرت زید خادم نبی نے بھی اس کے سوا اور حدیث بیان نہیں کی۔بعض نے کہا ہے کہ فرارِ جنگ صحابہؓ پر حرام تھا۔اس لئے کہ جہاد اس وقت ان پر ہی فرض تھا۔بعض نے کہا ہے کہ صرف انصار پر فرض تھا' اس لئے کہ بیعت ان ہی نے کی تھی اور کہا تھا کہ سختی اور راحت ہر حالت میں ہم فرمانبردار رہیں گے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت صرف اہل بدر سے مخصوص ہے۔دلیل یہ پیش کی ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ مستقل اور صاحب شوکت جماعت تھی ہی نہیں۔جو کچھ تھے' یہی مٹھی بھر لوگ تھے۔اس لئے ایسے حکم کی سخت ضرورت تھی نبی ﷺ کی یہ حدیث اسی حالت پر روشنی ڈالتی ہے کہ یا اللہ اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو بھی ہلاک کردے گا تو دنیا میں تجھے پوجنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یوم بدر میں یہ بات ضروری تھی لیکن آج اگر کوئی اپنے امام کی طرف یا اپنے قلعہ کی طرف پناہ لے تو کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ یوم بدر میں بھاگنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوزخ قرار دے دی لیکن استثنا بھی کر دیا کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے حکمت عملی کی خاطر اپنی جماعت میں آ کر محفوظ ہو جانے کے لئے ایسا کیا تو خیر حرج نہیں۔پھر اس کے بعد جنگ احد ہوئی تو فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ﴾ (آل عمران:۱۵۵) پھر سات سال بعد جنگ حنین ہوئی تو فرمایا: ﴿ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ﴾ (التوبۃ:۲۵) اور ﴿ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور پھر فرمایا: ﴿وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗ﴾ یہ آیت اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اس ساری تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر اہل بدر بھی بوقت جنگ اگر فرار کریں تو بھی یہ حرام ہونا چاہئے اگرچہ یہ آیت بوقت جنگ بدر نازل ہوئی تھی لیکن جب اس کو سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا تو حرام ہونا چاہئے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے (بے شک) ان کو قتل کیا آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی اور تا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مومنین کے اقوال کے) خوب سننے والے (اور ان کے افعال و احوال کے) خوب جاننے والے ہیں۔ ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا۔

کارسازِ حقیقی ☆

اِس بات پر روشنی ڈالی جارہی ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ پاک ہے اور جو نیک کام بندوں سے ظاہر ہوتا ہے اس کو خدا ہی نے نیک بنایا ہے کیونکہ توفیق اسی نے دی تھی اور کام کرنے کی ہمت وقدرت اسی نے بخشی تھی۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے۔ تمہاری طاقت میں یہ کہاں تھا کہ اتنے کم ہونے کے باوجود دشمن کی اتنی کثیر التعداد فوج کو شکست دیتے۔ یہ کامیابی خدا ہی نے تمہیں دی۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۳) یعنی بدر میں خدا نے تمہیں کامیاب بنایا۔ حالانکہ تم بہت کمزور تھے اور فرمایا: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴾ (التوبۃ: ۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے اکثر مواقع پر تمہاری مدد فرمائی ہے۔ حنین کی جنگ میں تمہاری کثرت نے تم کو مغرور بنا دیا تھا لیکن اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا زمین اتنی کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہوئی اور تم پیٹھ کر بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کامیابی کثرتِ عدد پر نہیں اور نہ تعداد اور ہتھیاروں پر ہے۔ کامیابی تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی بات ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً﴾ (البقرہ: ۲۴۹) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ جاتی ہے۔ پھر مٹھی بھر مٹی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے فرماتا ہے جو جنگ بدر میں کافروں کے منہ پر آپ ﷺ نے پھینکی تھی کہ میدانِ جنگ کی جھونپڑی سے آپ ﷺ باہر آئے۔ خدا تعالیٰ دعا اور تضرع کی۔ یہ مٹی کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ پھر اصحاب کو حکم دیا کہ فوراً دھاوا بول دو۔ خدا کی قدرت کہ یہ مٹی اور کنکر مشرکین کی آنکھوں میں جا گرے۔ ایک بھی ایسا نہ تھا جو اس سے متضرر نہ ہوا ہو اور جس کو جنگ سے قاصر نہ رہنا پڑا ہو۔

اسی لئے فرمایا کہ ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ یعنی تم نے مٹی نہیں پھینکی تھی خدا تعالیٰ نے پھینکی تھی۔ آنکھوں میں مٹی جھونک کر تم نے انہیں سرنگوں نہیں کیا تھا' خدا تعالیٰ نے کیا تھا[1]۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

[1] عادتاً بھی تو یہ محال ہے کہ ایک شخص کی پھینکی ہوئی کنکریاں فوج کے تمام ہی حصوں اور ہر ہر سپاہی کے آنکھ میں جا گریں۔ اس لئے عقل خود اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس عمل کو کسی مخفی طاقت کا ایک کرشمہ سمجھے۔

ﷺ نے یوم بدر میں اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر خدا سے دعا کی کہ اے خدا یہ مٹھی بھر لوگ مر جائیں گے تو کون تیرا نام لیوا باقی رہے گا۔ تو جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ مٹھی بھر مٹی ان کافروں کی طرف پھینک مارو۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ کافروں کی ناک، آنکھ اور منہ مٹی سے بھر گیا اور اس گرد آلود آندھی سے گھبرا کر وہ پچھلے پاؤں بھاگے اور شکست ہوگئی۔ مسلمانوں نے ان کو قتل کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا اور قید کر لیا۔ کافروں کو یہ ہزیمت حضور ﷺ کے معجزے کے سبب ہوئی۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے تین کنکر لئے تھے۔ ایک سامنے پھینکا۔ دو کنکر دشمن کی فوج کے سیدھے بائیں طرف پھینکے تھے۔ یہ یوم بدر کا واقعہ ہے۔ حضرت ﷺ نے اس طرح یوم حنین میں بھی کیا تھا۔ حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ بدر کے روز ہم نے آسمان سے ایک آواز سنی، گویا ایک تھال میں کنکر ڈال کر ہلائے گئے ہوں۔ یہ حضرت ﷺ کی مٹی پھینکنے کی آواز تھی۔ چنانچہ ہمیں ہزیمت ہوگئی تھی۔

یہاں اور دو اقوال ہیں جو بہت غریب ہیں: (۱) یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کمان منگوائی۔ یہ بہت لمبی تھی۔ آپ ﷺ نے دوسری لانے کا حکم دیا۔ دوسری لائی گئی۔ آپ نے اس سے قلعہ کی طرف ایک تیر پھینکا۔ یہ تیر گھومتا ہوا چلا اور سردار قبیلہ ابن ابی حقیق کے آ لگا جب کہ وہ اپنے قلعہ کے اندر اپنے بستر پر تھا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وما رمیت اذ رمیت......﴾ یہ حدیث بہت غریب ہے ممکن ہے راوی کو شبہ ہو گیا ہو یا اس کی مراد یہ ہو کہ یہ آیت عام ہے اور اس واقعہ کو بھی شامل ہے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ سورہ انفال کی اس آیت میں جنگ بدر کا ذکر ہے تو یہ واقعہ اسی جنگ بدر کا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ (۲) یہ کہ اُحد کی لڑائی کے دن آنحضرت ﷺ نے ابی بن خلف کے ایک نیزہ مارا تھا۔ یہ شخص زرہ بکتر اور لوہے میں غرق تھا لیکن یہ نیزہ اس کے تالو پر جا لگا اور وہ گھوڑے سے لڑھکنے لگا۔ اس کے کئی دن بعد اسی تکلیف سے اس کی موت واقع ہوئی۔ وہ عذاب دنیوی کے علاوہ عذاب آخرت کا بھی مستحق ہوا۔ ان دونوں اماموں سے ایسی روایت بہت غریب ہے۔ شاید ان دونوں کا یہی مقصد ہو کہ آیت عام ہے۔ خاص واقعہ سے ہی متعلق نہیں۔ بلکہ جب کبھی ایسا ہو تو ہر واقعہ اسی آیت سے متعلق ہو سکتا ہے۔ ﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا﴾ تاکہ مومنین اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو معلوم کر لیں کہ دشمن ان سے بہت زیادہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ دیا تاکہ وہ خدا کا شکر ادا کریں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ نے بڑا اچھا امتحان ہم سے لیا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کون مدد کا مستحق ہے اور کون نہیں۔ ﴿ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ﴾ یہ نصرت حاصلہ کی۔ دوسری بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرا رہا ہے کہ کافروں کی چالوں کو ناکام بنا دینے والا ہے اور مستقبل میں ان کو ذلیل کرنے والا ہے اور وہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾

اور اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آ موجود ہوا اور اگر باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت خوب ہے

اور اگر پھر تم وہی کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اصل میں) ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ ○

فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے ☆

کافروں سے خطاب ہے کہ اگر فتح مانگ رہے تھے اور خدا سے کہہ رہے تھے کہ ہمارے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ کر دے تو جو تم مانگتے تھے وہی ہوا۔ اے خدا! جس نے ہم سے قطع تعلق کر رکھا ہے اور غیر مانوس باتیں ہمیں پیش کر رہا ہے کل اسے ذلیل کر۔ یہ تو انہیں کافروں کی مانگ تھی۔ پس یہ آیت اُتری کہ: ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ كُمُ الْفَتْحُ﴾ تم فتح مانگ رہے تھے لو فتح آ گئی۔

سدی کہتے ہیں کہ مشرکین جنگ بدر کے لئے جب مکہ سے چلنے لگے تو غلاف کعبہ کو پکڑ کر اللہ سے دعا مانگنے لگے اور کہنے لگے: ''اے خدا! دونوں فریقوں میں جو تیرے نزدیک افضل ہے اور جس کا قبلہ بہتر قبلہ ہے اس کی مدد فرما۔'' چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ تم جیسا کہتے ہو ویسی ہی تمہاری مدد کرتا ہوں اور وہ مدد محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ: ﴿وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ﴾ یعنی اگر تم کفر سے باز آ جاؤ گے تو اس کے اندر دین و دنیا میں تمہاری بھلائی ہے اور اگر تم نے پھر شرک و کفر کیا تو ہم بھی دوبارہ سزا دیں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو' کچھ تمہارے کام نہ آئے گی کیونکہ خدا جس کے ساتھ ہو' اس پر کون غالب آ سکتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے اور یہی نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی جماعت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا کہنا ماننے سے روگردانی کرو اور تم (اعتقاد سے) سن تو لیتے ہی ہو اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔ بے شک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے اور اگر ان کو اب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔ ○

اطاعتِ خدا اور اِس کے بعد اطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم):

مؤمنین کو اطاعت خدا اور اطاعت رسول اور اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو چھوڑ دینے کا حکم ہوتا ہے اور یہ کہ کافروں سے مشابہت نہ پیدا کرو اور اسی لئے فرمایا: ﴿لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ یعنی اطاعت اور امتثال امر نہ چھوڑو۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ یعنی حالانکہ تم جانتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس بات کی طرف بلا رہے ہیں اور ان لوگوں سے مشابہت پیدا کرلو جو کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سنا' حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے منافقین مراد ہیں۔ جن کا طریقہ یہ تھا کہ زبان سے تو کہتے تھے کہ ہم سنتے ہیں' قبول کرتے ہیں لیکن خاک نہیں سنتے تھے۔ پھر آگاہ فرمایا جارہا ہے کہ بنی آدم کی یہ قسم فطرۃً ساری مخلوق سے بدتر ہے۔ چوپایوں اور جانداروں میں بدترین وہ ہیں جو حق بات سننے میں بہرے ہیں۔ حق بات بولتے نہیں گونگے ہیں' عقل ہی نہیں رکھتے کیونکہ حق بات سمجھتے نہیں۔ یہ بدترین مخلوق ہے اور یہ کافر انسان ہیں۔ جانور تو جس فطرت پر پیدا شدہ ہیں' اسی ڈھرے پر چل رہے ہیں۔ گویا خدا کے مطیع ہیں۔ انسان تو از روئے فطرت عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں لیکن پھر بھی یہ کفر کرتے ہیں یعنی خلاف فطرت کرنے کی وجہ سے جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ اسی لئے انہیں جانوروں سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ کافروں کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جو پکارنے والے کا مطلب تو کچھ نہیں سمجھتا' صرف آواز کو سنتا ہے۔ پھر فرمایا بلکہ یہ کافر جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ایسے ہی لوگ انتہائی غفلت میں ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قریش کے بنی عبدالدار کے لوگ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے منافق مراد ہیں۔ مگر مشرکین و منافقین میں کوئی منافات نہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں فرقے بے عقل اور بے سمجھ ہیں اور عمل صالح کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر خدا جانتا کہ یہ سمجھانے سے سمجھ جائیں گے اور ان میں کوئی خیر ہوسکتی تو اللہ تعالیٰ انہیں سناتا۔ یعنی سننے کی قوت دیتا۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ چونکہ ان میں خیر ہی نہیں' اس لئے وہ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور اگر خدا انہیں سنائے بھی' تو بھی یہ کم بخت سیدھی راہ اختیار نہ کریں گے۔ اعراض ہی کریں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان میں اور بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔ ○

اطمینان نہیں ہے ☆

اے ایمان والو تمہاری ہی اصلاح اور مصلحت کی خاطر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلائیں تو فوراً قبول کرلو اور تکمیل حکم جلدی

کرو۔ ابوسعید بن المعلی کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی ﷺ کا گزر ہوا۔ آپؐ نے مجھے آواز دی۔ لیکن نماز کی وجہ سے میں نہ جا سکا۔ نماز پڑھ کر میں پہنچا تو فرمایا کہ کیوں اب تک نہیں آئے۔ کیا تم سے خدا نے نہیں کہا ہے کہ خدا' خدا کا رسول تمہارے ہی بھلے کے لئے جب تمہیں بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ میں یہاں سے چلنے سے قبل تمہیں قرآن کی ایک عظیم سورت تعلیم کروں گا۔ پھر حضرت ﷺ جانے لگے تو یاد دلایا۔ غرض فوری تعمیل کا حکم ہے اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ابو سعید خدری کا ہے۔ آپ نے وہ سورت سورہ فاتحہ بتائی اور فرمایا یہی ''سبع مثانی'' ہے۔ یعنی سات آیتیں ہیں' جو ہر وقت نماز میں دہرائی جاتی رہتی ہیں۔ اس حدیث کا بیان سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ لِمَا يُحْيِيكُمْ کے معنی ہیں' حق کی خاطر۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہی قرآن ہے۔ جس میں نجات' بقا اور حیات ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ اسلام لانے میں ہی ان کی زندگی ہے اور کفر میں موت ہے یا یہ کہ جب نبی ﷺ تمہیں جنگ کے لئے بلائیں کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت بخشی۔ حالانکہ اس سے پہلے تم ذلیل تھے اور ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی اور پہلے تم کافروں سے مغلوب تھے۔ پھر تم ان پر غالب ہو گئے۔ قولہ تعالیٰ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ جان رکھو کہ اللہ انسان اور انسان کے دل کے درمیان حائل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ حائل ہے مومن اور کفر کے درمیان اور کافر کے اور ایمان کے درمیان کہ مومن کو کفر کرنے نہیں دیتا اور کافر کو ایمان لانے نہیں دیتا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ یوں حائل ہے کہ کافر کو سمجھنے نہیں دیتا۔ سدی کہتے ہیں کہ کوئی بھی اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ اس کی اجازت کے بغیر ایمان لائے یا کفر کرے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت جیسی ہے کہ: ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:۱۶) اور بہت ساری احادیث اس کے مناسب حال وارد ہیں۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ اکثر آپ فرمایا کرتے تھے: ((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ.)) اے دلوں کے بدلنے والے میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ پر اور قرآن پر ایمان لا چکے ہیں۔ کیا آپ کو ہم پر کوئی اندیشہ ہے؟ فرمایا ہاں' کیونکہ کیا عجب تم بدل جاؤ کیونکہ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں' جب چاہے بدل دے۔ نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ ہر دل خدا تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اس کو سیدھا رکھنا چاہے تو وہ سیدھا رہتا ہے۔ اگر چاہے بگاڑ دے تو وہ بگڑ جاتا ہے اور فرمایا کہ میزان خدا کے ہاتھ میں ہے' چاہے ہلکا کر دے چاہے بھاری۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ' کیا دِل بدل جاتے ہیں؟ فرمایا ہاں خدا اگر چاہے تو انسان کے دل کو سیدھا اور مستقیم رہنے دے اور اگر چاہے تو وہ ٹیڑھا کر دے۔ اسی لئے ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ: ((رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ.)) یعنی اے خدا ہدایت پر ہونے کے بعد ہمارے دِلوں کو کج نہ ہونے دے اور اپنی طرف سے ہمارے لئے رحمت بھیج۔ تو بڑا وہاب اور بخشنے والا ہے۔ میں نے کہا' یا رسولؐ اللہ! مجھے دعا سکھلایئے کہ میں اپنے لئے وہ مانگتی رہوں تو فرمایا یوں دعا مانگا کرو: ((اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَاَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَاَجِرْنِيْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَآ اَحْيَيْتَنِيْ.)) نیز آپؐ نے فرمایا کہ بنی آدم کے قلوب خدا تعالیٰ کے پاس قلب واحد کی طرح ہیں کہ انہیں جس طرح چاہے' پھیرے۔ پھر فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ مصرّف القلوب صرف قلوبنا اِلیٰ طاعك.)) یعنی اے دِلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ O

فتنۂ عظیم ☆

مؤمنین کو آزمائش سے ڈرایا جا رہا ہے کہ خدا کی آزمائش گناہ گار اور نیکوکار سب سے متعلق ہوگی۔ صرف گنہگار اس سے مخصوص نہیں۔ حضرت زبیرؓ سے کہا گیا کہ ابو عبداللہ تمہیں کیا ہو گیا۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے' تم نے عثمان کو کھو دیا۔ پھر ان کے خون کے دعویدار بن گئے۔ دعویدار ہی بننا تھا' تو انہیں قتل کیوں ہونے دیا۔ تو زبیرؓ نے کہا کہ خدا کی آزمائش تھی' جس میں ہم لوگ مبتلا ہو گئے۔ ہم نبی ﷺ' ابوبکر' عمر' عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں قرآن کے اندر پڑھتے تھے: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ یعنی تم بھی ایسی آزمائش میں مبتلا ہو گئے جو صرف ظالموں ہی سے مخصوص نہیں۔ بلکہ سب کا امتحان ہوگا لیکن ہمیں گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں کو اس سے سابقہ پڑے گا۔ حتیٰ کہ وہ آزمائش ہم پر آ پڑی اور مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑے اور قتل عثمانؓ سے اس فتنہ کی ابتدا ہوگئی۔

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ آیت علی' عمار' طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ہمیشہ یہ آیت پڑھتے رہتے تھے لیکن کیا خبر تھی کہ اس کا مصداق ہم ہی ہوں گے۔ سدی کا خیال ہے کہ یہ خاص کر اہل بدر کے حق میں اُتری ہے۔ جنگ جمل میں وہی اس کا مصداق بنے اور آپس میں لڑ بیٹھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ اس سے صرف اصحاب نبی مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مومنین کو حکم ہے کہ بدی کو مسلمانوں میں پھیلنے نہ دو جہاں کسی کو امر منکر میں مبتلا دیکھو۔ فوراً روک دو۔ ورنہ عذاب سب کو ہونے لگے گا۔ یہی تفسیر ٹھیک ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص اس آزمائش میں مبتلا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ پس تم میں سے ہر شخص کو فتنوں کی گمراہیوں سے خدا کی پناہ مانگنا چاہئے کیونکہ یہ تحذیر صحابہ اور غیر صحابہ سب پر شامل ہے۔ اگرچہ یہ ضرور صحیح ہے کہ خطاب صحابہ سے ہے۔ یہ حدیث فتنوں اور آزمائشوں سے ڈرنے پر دلالت کرتی ہے اور اس موضوع سے متعلق انشاء اللہ ایک مستقل کتاب میں صراحت کی جائے گی کہ یہ کام ائمہ نے بھی مستقل کتابوں کی شکل میں انجام دیا ہے یہاں جس چیز کا خصوصیت سے ذکر ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل خواص کے عمل کے سبب عوام پر عذاب نہیں بھیجتا ہے لیکن جب کہ خاص لوگ امر منکر قوم میں پھیلا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کو روک سکنے پر قادر ہوتے ہیں لیکن اپنے اقتدار کو کام میں لا کر نہیں روکتے۔ تو پھر عمومی عذاب آ جاتا ہے اور اس میں خاص و عام سب گرفتار بلا ہو جاتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا' خدا کی قسم جب تک تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے عذاب نہ آئے گا اور جہاں بری باتوں سے تم نے روکنا چھوڑ دیا اور نیک کام کی ترغیب سے تم رک گئے تو اللہ پاک تم پر سخت ترین عذاب بھیج سکتا ہے۔

پھر تم لاکھ دعا کرو گے دعا قبول نہیں ہوگی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تم پر دوسری قوم مسلط کر دیگا۔ پھر تمہاری ساری دعائیں بیکار ہو جائینگی۔

ابوالرقاد کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام کو حذیفہ کی طرف بھیجا تو اس وقت یہ کہہ رہے تھے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں اگر ایک بات بھی کوئی اس قسم کی کہہ دیتا تو اس کو منافق سمجھنے لگے۔ لیکن آج ایک نشست میں تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے میں ایسے چار منافقانہ کلمات سن رہا ہوں۔ تم کو چاہئے کہ نیک کاموں کا حکم دیا کرو' بری باتوں سے فوراً روک دیا کرو۔ لوگوں کو خیر پر ابھارا کرو۔ ورنہ تم سب کے سب عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ یا عذاب اس نوعیت کا ہوگا کہ تمہارے حاکم بدلوگ بنا دیئے جائیں گے پھر اچھے لوگ بھی لاکھ دعائیں کریں گے' کچھ نہ ہوگا۔ نعمان بن بشیر تقریر کر رہے تھے اور اپنی دونوں انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہنے والے اور حدود اللہ کو توڑنے والے یا اس میں سستی و غفلت کرنے والوں کی مثال یوں سمجھو' جیسے چند لوگ کسی کشتی پر سوار ہیں۔ کشتی کے اوپر کے لوگ نیچے کے لوگوں کی تکلیف کا سبب بنے اور نیچے کے لوگوں نے اوپر کے لوگوں کو تکلیف پہنچائی۔ یعنی نیچے کے لوگوں کو پانی کی ضرورت ہوئی۔ تو اوپر گئے تا کہ پانی کھینچ لائیں لیکن اوپر والوں کو تکلیف ہونے لگی۔ تو کہنے لگے اگر ہم کشتی میں نیچے ہی سے کوئی تختہ ہٹا کر پانی کی سبیل کر لیں تو اوپر والوں کو تکلیف نہ ہوگی۔ غرض یہ کہ ظاہر ہے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوا ہوگا۔ کشتی میں پانی آنے کے سبب سب ڈوب گئے ہوں گے۔ چاہئے کہ کشتی میں سوراخ کرنے سے انہیں روک دیا جائے۔ اسی طرح اگر ان گنہگاروں کو تم چھوڑ دو گے۔ امر گناہ سے روکو گے نہیں تو کشتی والوں کی طرح تم سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگرچہ کشتی کے اوپر والوں کی طرح تمہارا اپنا قصور نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ سزا ہے اس بات کی کہ روکا کیوں نہیں۔ ام المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ معاصی جب میری اُمت میں عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ عذاب کو عام کر دے گا تو میں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ اس میں نیک لوگ بھی تو ہوں گے۔ آپ نے فرمایا' ہاں وہ بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے لیکن مرنے پر اللہ کی مغفرت انہیں حاصل رہے گی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اور اُس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے سرزمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو (مخالف) لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں۔ سو (ایسی حالت میں) اللہ نے تم کو (مدینہ میں) رہنے کو جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تا کہ تم شکر کرو۔ ○

بڑا انقلاب ☆

اللہ پاک ان نعمتوں کو بتا رہا ہے جو مومنین پر کی گئیں کہ تم تعداد میں کم تھے' ہم نے تمہیں بڑھا دیا' کمزور تھے اور خائف تھے۔ ہم نے قوی بنا دیا اور خوف کے اسباب دور کر دیئے۔ غریب اور فقیر تھے۔ پاک رزق دیا۔ شکر گزار بنایا۔ اطاعت کرنے لگے اور ہر بات میں فرمانبردار ہو گئے۔ یہ تھا حال مومنین کا' جب کہ وہ مکے میں تھے اور تعداد میں بہت تھوڑے تھے' کمزور تھے'

مشرک، مجوسی، رومی، سب کے سب ان کی قلت اور عدم قوت کے سبب ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ ہر آن انہیں خوف تھا کہ وہ اُچک لئے جائیں گے۔ یہی حالت ایک عرصہ تک رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ وہاں انہیں پناہ ملی۔ مدینے کے لوگوں نے ان کی مدد کی۔ یوم بدر اور دوسری لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیا۔ جان و مال ان پر قربان کر دیا۔ کیونکہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرنا چاہتے تھے۔ ﴿وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ قتادہؒ کہتے ہیں کہ عرب میں یہ لوگ بہت ہی خستہ حالی میں تھے۔ ان کی زندگی بہت تباہ تھی۔ پیٹ سے بھوکے، جسم سے ننگے۔ راہ سے بے راہ۔ جو بھی تھا بدنصیب انہیں تو کھانے کو نہ ملتا تھا۔ بلکہ ان ہی کو کھایا جا رہا تھا۔ ہمیں تو نہیں معلوم کہ دنیا بھر میں ان سے بڑھ کر بھی کوئی ذلیل حالت میں ہو۔ لیکن اسلام لانے کے بعد کیا ہوا۔ یہی ذلیل لوگ ملکوں پر قابض ہو گئے۔ امیر اور بادشاہ بن گئے۔ رزق ڈھیروں ملنے لگا۔ بادشاہوں پر بھی حکم چلانے لگے۔ اللہ نے انہیں وہ سب کچھ دیا جو آج تم دیکھ رہے ہو۔ اب اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ وہ منعم حقیقی ہے۔ شکر گزار بندوں کو پسند کرتا ہے اور دولت وسعت کو اور بڑھاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۷ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۸

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم تو اس کا (مضر ہونا) جانتے ہو اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہارے اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اَجر (موجود) ہے۔ ○

خیانت بڑا گناہ ہے ☆

یہ آیت ابولبابہ بن عبدالمنذر کے حق میں اُتری ہے جبکہ آنحضورؐ نے انہیں بنو قریظہ کے یہودیوں کی طرف بھیجا تھا کہ حکم رسول کی شرط مانتے ہوئے قلعہ خالی کر دیں یہودیوں نے ابولبابہ ہی سے مشورہ مانگا۔ انہوں نے ان کے حسب مرضی مشورہ دیا۔ اسکے بعد ہی ابولبابہ کو احساس ہوا اور وہ تاڑ گئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی خیانت ہوئی۔ چنانچہ قسم کھا بیٹھے کہ جب تک اللہ توبہ قبول فرما نہ لے گا، مر جائیں گے لیکن کھانا نہ کھائیں گے۔ اب مدینے کی مسجد میں آئے، ستون سے اپنے کو باندھ لیا۔ نو دن اسی حالت میں گزر گئے، بھوک پیاس سے غش کھا کر گر گئے۔ حتیٰ کہ نبیؐ کی زبانی اللہ نے توبہ قبول فرمائی۔ لوگ بشارت دیتے ہوئے آئے اور چاہا کہ ستون سے کھول دیں، ابولبابہ نے کہا، مجھے صرف نبیؐ کھول سکتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے کھولا تو کہنے لگے یا رسول اللہؐ! میں نے اپنا سب مال صدقہ کر دیا۔ تو آپؐ نے فرمایا نہیں۔ صرف تیسرا حصہ صدقہ ہوگا۔ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ مضمون کے اعتبار سے یہ آیت قتل عثمان کی پیشگوئی سے متعلق ہے کیونکہ امیر کو فتنہ و فساد پیدا کر کے قتل کر دینا اللہ اور رسول کی خیانت ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوسفیان مکے سے نکلے۔ جبریل علیہ السلام نے آ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ابوسفیان فلاں مقام پر ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ ابوسفیان فلاں مقام پر ہے اس کو گرفتار کرنے کے لئے نکلو اور

معاملہ بالکل راز میں رہے لیکن ایک منافق نے ابوسفیان کو لکھ بھیجا کہ محمد (ﷺ) تم کو پکڑنے کے در پے ہیں' ہوشیار ہو جاؤ تو یہ آیت اُتری کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت نہ کرو۔ رسول کا راز ظاہر کر دینا یہی رسول کی خیانت ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ آیت کے سیاق سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ مسلم و بخاری میں حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ یوں لکھا ہے کہ انہوں نے کفار قریش کو نبی ﷺ کے قصد سے آگاہ کرنے کے لئے خط لکھا۔ یہ فتح مکہ کے وقت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرما دیا۔ آپ نے پیچھے ہی آدمی دوڑا دیا۔ وہ خط پکڑا گیا۔ حاطب کو بلایا گیا۔ حاطب نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! اس کی گردن اُڑا دیجئے۔ اس نے اللہ اور رسول ﷺ کی خیانت کی ہے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا' عمر جانے بھی دو۔ یہ بدر کے جہاد میں شامل تھا۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ مجاہدین بدر کے بارے میں اللہ نے فرما دیا ہے کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ تمہارے سب گناہ معاف ہیں۔ غرض یہ کہ صحیح تر یہی بات ہے کہ آیت عام ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ آیت کا شان نزول ایک سبب خاص ہے اور علماء کے نزدیک عموم لفظ کے قائل ہو سکتے ہیں۔ خصوص سبب نہیں تو نہ سہی اور خیانت کی تعریف میں چھوٹے بڑے لازم اور متعدی سب ہی شامل ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہاں لفظ امانت سے وہ سارے اعمال مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کر رکھے ہیں۔ مراد یہ کہ فریضہ کو نہ توڑو۔ ترک سنت نہ کرو۔ ارتکاب معصیت سے بچو۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ سامنے تو کسی کی مرضی کی بات بولو اور اس کی عدم موجودگی میں کسی سے اس کی غیبت یا مخالفت کرو۔ اصلی خیانت یہی ہے۔ امانت اسی سے ختم ہوتی ہے۔

سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی خیانت یہی ہے کہ آدمی باہمی خیانت کرے۔ لوگ نبی ﷺ سے بات سنتے تھے۔ دوسروں سے کہہ دیتے تھے۔ اس کی خبر مشرکین تک پہنچ جاتی تھی۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان کی بات بہر صورت امانت ہوا کرتی ہے۔ بات کو جہاں سنا ہے وہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ کسی کے سامنے کسی کی بات دہرانا نہیں چاہئے۔ اگرچہ اس نے منع نہ کیا ہو۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ فتنہ سے آزمائش اور امتحان مراد ہے کہ اولاد دے کر آزماتے ہیں کہ تم شکر کرتے ہو یا نہیں اور اولاد کی ذمہ داریاں بجالاتے ہو یا نہیں۔ یا یہ کہ ان کی محبت میں خدا سے غافل ہو جاتے ہو۔ اگر اس امتحان میں پورے اُترو گے تو اللہ کے پاس اجر عظیم ہے اور فرمایا کہ شر اور خیر کے ذریعے ہم تم کو آزمائیں گے اور فرمایا کہ اے مومنو! تمہاری اولاد اور تمہارے اموال خدا کی یاد سے تم کو غافل نہ بنا دیں۔ اگر ایسا ہوگا تو بڑے گھاٹے میں رہو گے اور فرمایا کہ تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد دشمن ہیں۔ اس لئے احتیاط کو پیش نظر رکھو۔ اللہ کا ثواب اور اس کی جنتیں اس مال اور اولاد سے کہیں بہتر ہیں۔ یہ دشمن کی طرح ضرر رساں ہیں اور اکثر ان میں سے تمہارے لئے فائدہ بخش نہیں بنتے۔ اللہ پاک دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔ قیامت میں اس کے پاس ثواب عظیم ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''اے ابن آدم! تو مجھے ڈھونڈھ میں مل جاؤں گا۔ میں تجھے مل گیا تو سمجھ لے کہ سب کچھ مل گیا اور اگر تو نے مجھے کھو دیا تو سب کچھ کھو دیا۔ چاہئے کہ میں تیرے پاس ہر چیز سے محبوب رہوں۔''

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزوں میں زبردست حلاوت ایمان ہے: (۱) اللہ اور رسول کا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہونا۔ (۲) جس سے بھی محبت اور خلوص ہو تو صرف خدا کی خاطر اور للّٰہیت کے طور پر ہو' ذاتی غرض شامل نہ ہو۔ (۳) آگ میں جھونک دیا جانا بہتر سمجھے بہ نسبت اس کے کہ اسلام کے بعد مرتد ہو جائے۔ بلکہ رسول ﷺ کی محبت کو اموال و اولاد پر بھی مقدم سمجھے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ خدا کی قسم ایمان نصیب ہی نہیں اگر اپنی جان و مال و اولاد سے زیادہ مجھے نہ چاہو۔''

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ ○

تقویٰ کی برکات ☆

اے مومنو! اگر تم خدا سے ڈرو تو اللہ تم کو دین اور دنیا میں نجات دے دے گا "فرقان" سے مراد نجات یا مدد یا حق و باطل میں فیصلہ مراد ہے۔ یہ تفسیر ابن اسحاق کی تفسیر ماسبق سے زیادہ عام ہے۔ اس لئے کہ جو خدا سے ڈرے گا' اس کے احکام بجا لائے گا' اس کی مناہی سے اجتناب کرے گا۔ معرفت حق و باطل کی اسے توفیق ہوگی۔ یہ اس کی نجات و مدد کا سبب ہوگا۔ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ خدائے تعالیٰ غفار و ستار بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے جزائے عظیم کا حقدار ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا اے مومنو! خدا سے ڈرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ خدا تم پر دہری رحمت نازل کرے گا۔ وہ تمہیں ایک نور دے گا کہ اس کی رہنمائی میں چلو گے' وہ تمہیں بخش دے گا' وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٣٠﴾

اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جبکہ کافر لوگ آپ کی نسبت بڑی بڑی تدبیریں سوچ رہے تھے کہ (آیا) آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کر دیں اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (میاں) اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے۔ ○

کمزور تدابیر اور غالب تدابیر ☆

اب کافر یہ چال چلنا چاہتے ہیں کہ تم کو قید کر دیں' یا قتل کر دیں' یا وطن سے نکال دیں اثبات کے معنی قید اور حبس کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی برا ارادہ رکھتے ہیں۔ کافروں نے جب یہ مشورہ کیا کہ نبی ﷺ کو قید یا قتل کر دیں یا دیس نکالا دیں۔ تو ابو طالب نے بھتیجے سے پوچھا کیا تمہیں کچھ خبر ہے کہ یہ کافر تمہارے ساتھ کیا قصد رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ قید یا قتل یا جلاوطنی۔ تو ابو طالب نے پوچھا' آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا میرے رب نے خبر دی۔ ابو طالب نے کہا تمہارا رب بہت اچھا رب ہے۔ ہمیشہ اس کے خیر طلب رہو۔ آپ نے فرمایا' میں اس کا خیر طلب کیا رہوں گا بلکہ وہ میری خیر کی طلب میں رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ابو طالب کا ذکر اس میں بہت ہی عجیب ہے بلکہ قابل انکار اس لئے کہ یہ آیت مدنی ہے اور یہ واقعہ اور قریش کا اس طرح مشورہ کرنا ہجرت کی رات میں تھا اور ابو طالب کی موت تو اس سے بھی تین سال پہلے

واقع ہو چکی تھی۔ ابو طالب کی موت ہی کے سبب تو کافروں کو اتنی جرأت اور ہمت بھی ہوئی تھی کیونکہ ابو طالب تو ہمیشہ آپ کی حمایت اور مدد کرتے رہتے تھے اور یہ بھتیجے کی حفاظت میں قریش کا مقابلہ کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ سرداران قریش کی ایک جماعت نے مجلس شوریٰ کی اور آپ کی ضرر رسائی کے درپے ہوئے۔ اس مجلس میں ایک ابلیس بھی شیخ کی صورت میں آیا۔ لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا' میں اہل نجد کا شیخ ہوں۔ میں نے سنا کہ تم لوگ مجلس شوریٰ کر رہے ہو۔ میں بھی چلا آیا۔ تاکہ میری نصیحت اور مشورہ سے تم محروم نہ رہو۔ لوگوں نے کہا آیئے ضرور آیئے۔ وہ کہنے لگا کہ تم لوگ اس شخص کے بارے میں خوب فکر اور تدبیر سے کام لو ورنہ بہت ممکن ہے کہ وہ تم پر غالب آ جائے۔ چنانچہ ایک نے رائے دی کہ اسے قید کر دینا چاہئے۔ حتیٰ کہ وہ قید ہی میں ہلاک ہو جائے۔ جیسا کہ زہیر اور نابغہ شاعروں کو اس سے پہلے قید کر دیا گیا تھا اور وہ وہیں تا دم مرگ پڑے رہے اور یہ بھی تو ایک شاعر ہی ہے۔ اس پر وہ شیخ نجدی چیخ اُٹھا کہ میری تو ہرگز یہ رائے نہیں۔ خدا کی قسم اس کا رب اس کو وہاں سے نکال لے جائے گا۔ وہ اپنے ساتھیوں میں پہنچ جائے گا' پھر وہ حملہ کر کے تم سے سب کچھ چھین لے گا اور تمہارے شہروں سے تم کو نکال باہر کرے گا۔ لوگوں نے کہا' شیخ نے سچ کہا' کوئی دوسری تجویز پیش کرو۔ دوسرے نے رائے دی کہ اس کو اپنے ملک سے ہی نکال باہر کرو اور چین پاؤ۔ جب وہ یہاں رہے گا ہی نہیں تو تمہیں اس سے پھر اندیشہ ہی کیا ہے اس کا تعلق تمہارے سوا کسی اور سے رہے گا تمہیں کیا واسطہ۔ یہ سن کر شیخ نجدی نے کہا کہ خدا کی قسم یہ رائے بھی ٹھیک نہیں۔ کیا تمہیں اس کی شیریں زبانی کی خبر نہیں؟ وہ اپنی باتوں سے سب کا دل موہ لیتا ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ باہر جا کر سارے عرب کو ملا لے گا۔ اس کے سارے حمایتی مل کر بیٹھیں گے اور تمہیں اپنے وطن سے نکال دیں گے۔ تمہارے شرفا قتل ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کہا شیخ سچ کہتا ہے۔ کوئی اور رائے پیش ہو۔ تو ابو جہل نے کہا میں ایک مشورہ دیتا ہوں' اگر تم سوچو تو اس سے بہتر کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔ ہر قبیلہ سے تم ایک ایک نوجوان چن لو۔ جو بہادر اور شریف ہو۔ ہر ایک کے پاس تلوار ہو۔ سب مل کر اس پر دفعتہً وار کر بیٹھیں۔ جب وہ قتل ہو جائے تو اس کا خون قبائل میں بٹ جائے گا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ بنی ہاشم کا ایک قبیلہ قریش کے سارے قبیلوں سے لڑائی مول لے۔ مجبوراً بنی ہاشم کو اس کے قتل کی دیت قبول کرنی پڑے گی۔ دیت دے دیں گے۔ ہم کو چین مل جائے گا۔ شیخ نجدی نے کہا' واللہ یہ رائے ٹھیک رہی۔ اس سے بہتر کوئی رائے نہیں۔ اس پر اتفاق رائے کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ اب جبریل علیہ السلام آئے اور آنحضور ﷺ سے کہا کہ آج رات بستر پر نہ سونا اور کافروں کی سازش کی اطلاع دے دی آپ اس رات بستر پر نہ سوئے اور اس وقت ہجرت کا حکم دے دیا۔

مدینے آنے کے بعد اللہ پاک نے آپ پر سورہ انفال نازل فرمائی۔ اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ: ﴿يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ وہ چال چلتے ہیں' اللہ بھی چال چلے گا اللہ تعالیٰ بڑا مدبر ہے۔ ان کا قول تھا ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾ (الطور:۳۰) (ترجمہ) کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس دن کا نام ہی "یوم الزحمته" پڑ گیا۔ کیونکہ اس روز حضور ﷺ کے قتل کی سازش کی گئی تھی۔ ان کے انہیں ارادوں کا ذکر آیت: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (الاسراء:۷۶) میں ہے۔ نبی ﷺ حکم خداوندی کے انتظار میں تھے اور جب قریش نے قتل کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حکم دیا کہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ علی رضی اللہ عنہ سبز چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ

باہر نکلے ۔لوگ دروازے پر دکھائی دیئے۔ آپؐ نے ایک مٹھی بھر مٹی لی' ان کی طرف پھینکی ۔ان کی آنکھیں نبی ﷺ کی طرف سے پھر گئیں۔ آپ ﴿یٰسٓ﴾ تا ﴿فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ﴾ پڑھتے ہوئے نکل گئے ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس روتی ہوئی آئیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں روتی ہو؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا کیسے نہ روؤں ۔ یہ قریش لوگ لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کھا کر وعدہ کئے ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر حملہ کر کے قتل کر دیں گے اور ہر ایک ان میں سے آپ کے قتل میں حصہ لینا چاہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا بیٹی وضو کے لئے پانی لاؤ ۔ آپؐ نے وضو کیا ۔ کعبۃ اللہ کی طرف چلے ۔ قریشیوں نے کہا یہ وہی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ان کے سر نیچے کو جھک گئے ۔ گردنیں ٹیڑھی ہوگئیں ۔ وہ اپنی نگاہیں اُٹھا نہ سکے ۔ آپؐ نے ایک مٹھی بھر مٹی اُٹھائی اور ان کی طرف پھینکی اور کہا کہ چہرے بگڑ جائیں ۔ جس کو یہ کنکری لگی' یوم بدر میں وہ کافر ضرور قتل ہوا ۔ غرض آپ ﷺ ہجرت کر گئے ۔ غار میں جا پہنچے ۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیا ۔ مشرکین رات بھر آپؐ کے گھر کا محاصرہ کئے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ سمجھتے رہے۔ صبح کے قریب دھاوا بول دیا ۔ لیکن گھر میں علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو سارا منصوبہ چوپٹ ہوگیا ۔ پوچھنے لگے محمد ﷺ کہاں ہیں؟ حضرت علی نے کہا' مجھے کوئی خبر نہیں ۔ نقش قدم کے پتہ سے چلے' پہاڑ کے قریب پہنچے تو اشتباہ ہوگیا ۔ پہاڑ پر چڑھ گئے ۔ غار کے سامنے سے گزرے ۔ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بن دیا تھا[1] ۔ کہنے لگے کہ اگر غار کے اندر کوئی گیا ہوتا تو اس کے دہانے پر مکڑی کا اتنا بڑا جالا کیسے قائم رہتا ۔ آپؐ غار میں تین دن رہے ۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ چال چلتے ہیں تو ہم بھی اپنی چال چلتے ہیں ۔ دیکھو کیسے ان کافروں سے نجات دے دی ۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور اگر ہم ارادہ کریں تو اس کے برابر ہم بھی کہہ دیں یہ کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں ۔ جو پہلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں اور جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایئے یا ہم پر کوئی (اور) دردناک عذاب واقع کر دیجئے اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو (ایسا) عذاب دیں اور (نیز) اللہ تعالیٰ

[1] یہ ہیں وہ تدابیر جو خدائے قادر وتوانا اپنے خاص بندوں کی حفاظت کے لئے اختیار فرماتے ہیں ۔ یہ وہی تدابیر ہیں جو ہمیشہ کے لئے کامیاب رہتی ہیں اور ان کے مقابل میں جو حیلہ گری ہوتی ہے اس کا انجام سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں ۔

ان کو (ایسا) عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔O

کفار کا ہذیان ☆

قریش کے کفر و تمرد کی خبر دی جا رہی ہے کہ قرآن سن کر وہ کیسا دعوائے باطل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے جو یہ قرآن سنا ہے چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ دیں۔ یہ صرف ان کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور قول بلا فعل ہے چنانچہ اس پر بارہا قرآن میں تحدی کی گئی۔ چیلنج دیا گیا کہ ایسی ایک ہی سورت بنا لاؤ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ ایسا کہہ کر وہ خود اپنے نفسوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور اپنے احمق متبعین کو بھی دھوکے میں رکھے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث تھا۔ یہ بے دین بلاد فارس کی طرف گیا ہوا تھا۔ وہاں کے ایرانی بادشاہوں اور رستم و اسفندیار کی تاریخ پڑھا ہوا تھا اور جب واپس ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی بعثت واقع ہو چکی تھی۔ آپ لوگوں کو قرآن سناتے رہتے تھے اور جب حضرت ﷺ مجلس ختم کر دیتے تو یہ کم بخت نضر بیٹھ جاتا اور یہ ایرانی بادشاہوں کی تاریخ بیان کر کے کہتا' بتاؤ کس نے اچھی قصہ خوانی کی ہے' میں نے یا محمدؐ نے؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے یوم بدر میں مسلمانوں کو کامیابی بخشی اور بعض مشرکین مکہ گرفتار ہوئے تو حضرت ﷺ نے اس کو بھی گردن زدنی قرار دیا اور اس کی بھی گردن اُڑا دی گئی۔ مقداد بن اسود نے اس کو قید کیا ہوا تھا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے بدر کے روز تین قیدیوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ (۱) عقبہ بن ابی معیط (۲) طعیمہ بن عدی (۳) نضر بن حارث۔ نضر' مقداد کا قیدی تھا۔ حضرت ﷺ نے جب اس کے قتل کا حکم دیا تھا تو مقداد نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو میرا قیدی ہے مجھے ملنا چاہئے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے کتاب اللہ کو منہ چڑایا چنانچہ قتل کا حکم ہو گیا۔ مقداد نے اپنے اسیر کی طرف حضرت کو توجہ دلائی تو آپ نے یہ دعا کی کہ یا اللہ! تو اپنے فضل سے مقداد کو بہت کچھ دے دے۔ تو مقداد کہنے لگے یا رسول اللہ! اصرار کے ساتھ مطالبہ سے میری یہی تو غرض تھی کہ آپ سے دعا کرا لوں۔ اسی نضر کے بارے میں یہ آیت اُتری: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا......﴾ سعید بن جبیر نے طعیمہ کے بجائے مطعم بن عدی کا نام کہا ہے اور یہ بات غلط ہے۔ اس لئے کہ مطعم بن عدی تو بدر کے روز زندہ ہی نہیں تھا۔ اس لئے اس روز حضرت نے فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان مقتولین میں سے کسی کا سوال کرتا تو میں اس کو یہ قیدی دے دیتا۔ آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ اس نے حضرت ﷺ کو اس وقت بچایا تھا جب کہ آپ طائف کے ظالموں سے پیچھا چھڑا کر مکے واپس ہو رہے تھے۔

"اساطیر" اسطورہ کی جمع ہے یعنی وہ کتابیں اور اقتباسات جو سیکھ کر لوگوں کو سنائے جاتے ہیں اور یہ محض افسانے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو متقدمین کے جھوٹے افسانے ہیں' جنہیں لکھ لیا گیا ہے اور شب و روز سنایا جاتا رہتا ہے۔ جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ اس سے درگزر فرما کر اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ وہ آسمان و زمین کے بھیدوں کو جانتا ہے اور یہ قرآن اسی کی طرف سے ہے۔

کافر کہتے تھے کہ "اے خدا! اگر یہ قرآن حق ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا یا عذاب الیم ہمیں دے۔" یہ دعا ان کے جہل و نادانی و سرکشی و عناد کی وجہ سے ہے۔ اس لئے وہ بے وقوفی میں بدنام ہیں۔ انہیں تو چاہئے تھا کہ وہ دعا یوں مانگتے کہ الٰہی! اگر یہ قرآن تیری ہی طرف سے ہے تو ہمیں اس کے اتباع کی توفیق عنایت فرما لیکن انہوں نے تو اپنی جان پر عذاب مول لے لیا اور سزا کے

لئے جلدی کرنے لگے۔ جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ''یہ لوگ عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ ارے عذاب کا اگر ایک دن مقرر نہ ہوتا تو عذاب انہیں فوراً ہی آ پکڑتا کہ انہیں خبر تک نہ ہوتی۔'' وہ کہتے ہیں کہ: ﴿قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا......﴾ (ص:۱۶) اور ﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾ (المعارج:۱) گزشتہ امتوں کے جاہلوں نے بھی تو ایسا ہی کہا تھا۔ ''شعیب علیہ السلام کی قوم کہتی ہے کہ اے شعیب! اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان گرا دے یا کہا اے خدا اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے سنگ باری کر۔'' ابوجہل بن ہشام نے یہی کہا تھا کہ: اللّٰهم ان كان هذا هوالحق من عندك فامطر علينا حِجَارَة مِنَ السَّمَاء اوائتنا بعذاب اليم. کہ اگر یہ سچا قرآن ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر کیوں نہیں برسا دیتے۔ تو یہ آیت اتری: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ......﴾ یعنی جب تک تم ان کے درمیان ہو' خدا عذاب نہ دے گا۔ یا جب تک وہ استغفار کرتے ہیں اور فرمایا ﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى......﴾ یعنی تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آؤ گے' جیسا کہ پہلی دفعہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا۔ عطا کہتے ہیں کہ اس مضمون کی دس آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔

بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جنگ احد میں گھوڑے پر سوار دیکھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ اے خدا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں' اگر وہ سچ ہے تو مجھے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے۔ (یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایمان نہیں لائے تھے) اس امت کے جاہلوں کا بھی ایسا ہی قول تھا۔ اللہ پاک اپنی آیت کو پھر دہراتا ہے اور ان پر اپنی رحمت کا ذکر فرماتا ہے کہ جب تک وہ استغفار کرتے ہیں اور آپ ان میں ہیں' ہم ان پر عذاب آسمانی نازل نہ کریں گے۔ مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے: ((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ.)) تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بس بس یہیں تک بولو۔ آگے نہ بڑھو لیکن کفار ساتھ ہی یہ بھی بولتے: اِلَّا شَرِيْكًا هُوَلَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ لیکن تیرا ایک شریک بھی ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے املاک کا بھی مالک ہے اور پھر ساتھ ہی کہتے غُفْرَانَكَ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری کہ تم جب تک ان میں ہو' وہ عذاب سے محفوظ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان کو دو امانیں حاصل تھیں۔ ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود' دوسرے ان کا بعد از شرک استغفار۔ اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرکشی کرنے کے بعد صرف ان کا استغفار سبب معافی رہ گیا۔ قریش آپس میں کہتے تھے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے درمیان بزرگ بنایا ہے۔ دن میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ وہ جو گستاخی کرتے تھے' رات کو نادم ہو کر کہتے غُفْرَانَكَ اَللّٰهُمَّ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ﴿مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ﴾ والی آیت اتاری یعنی انبیاء علیہ السلام جب تک بستی سے نکل نہیں جاتے' قوم پر عذاب نہیں آیا کرتا۔ ان میں بعض لوگ وہ بھی تھے جو پہلے ہی سے ایمان حاصل کر چکے تھے۔ وہ استغفار کرتے' نمازیں پڑھتے یہ مسلمان تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد بھی مکے میں رہ گئے تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکے کی بستی چھوڑ دینے کے بعد بھی اہل مکہ پر اس لئے عذاب نہیں آیا کہ یہ مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے اور استغفار کرتے رہتے تھے۔ یہ اہل مکہ وقوع عذاب سے بچ گئے کیونکہ یہ اچھے لوگ ابھی ان میں باقی تھے۔ حضرت

۱؎ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا رحمت ہونے کا کچھ نہ کچھ فائدہ کفار کو بھی تھا۔ یہی فائدہ کیا کچھ کم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اقدس واطہر کی برکت سے وہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کے انعامات بعض خاص ہیں اور بعض عام۔ بارش برستی ہے تو سب ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن ایمان کی دولت عام نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی خدا تعالیٰ کا ایک عام انعام تھا لیکن یہاں اس حقیقت کو فراموش نہ کیجئے کہ آپ کی برکت سے عام عذاب رک گیا پس اگر کسی مقام پر کوئی خاص عذاب آ جائے تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔

ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی قیامت تک استغفار لوگوں کو عذاب سے بچاتا رہے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان نے کہا اے خدا تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روحیں ہیں میں انہیں بہکاتا رہوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' مجھے میری عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا۔

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾

اور (نیز) ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو (بالکل ہی معمولی) سزا (بھی) نہ دے جب کہ وہ لوگ (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی (بننے کے بھی لائق) نہیں' اس کے متولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی نہیں۔ لیکن ان میں اکثر لوگ (اپنی نالائقی کا) علم نہیں رکھتے اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا سو اس کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب۔ ○

دُنیا کا وہ ظلم وعدوان تاریخ عالم جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے ☆

یہ لائق عذاب تو تھے لیکن رسول ﷺ کی برکت سے عذاب سے بچ گئے۔ اسی لئے جب آپ نے مکہ کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بروزِ بدر اُن پر عذاب واقع فرمایا۔ ان کے سردار قتل کر دیئے گئے۔ بڑے بڑے لوگ قیدی بن گئے۔ اللہ نے انہیں استغفار کی ہدایت فرمائی لیکن یہ اس کے ساتھ شرک وفساد کو بھی ملا دیتے تھے۔ قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ یہ مقتولین قریش استغفار نہیں کرتے تھے۔ اگر کرتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بدر میں ذلت کی موت نہ دیتا اور اگر خود مکہ میں یہ کمزور مسلمان استغفار نہ کرتے ہوتے تو اہل مکہ پر ایسی مصیبت آ پڑتی کہ ہٹائے نہ ہٹتی۔ استغفار کی برکت ہی نے مکہ میں عذاب نازل ہونے سے قریش کو بچایا اور مسلمانان مکہ کے صدقہ میں وہ ایک عرصہ تک عذاب سے محفوظ رہے۔ یوم حدیبیہ میں اللہ پاک نے فرمایا تھا: ﴿هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ...... ﴾ (الفتح: ۲۵) یعنی ان لوگوں نے کفر کیا۔ بیت اللہ میں آنے سے تمہیں روک دیا۔ قربانی کے جانوروں کو مذبح تک نہیں پہنچنے دیا۔ اگر مکہ میں یہ مومن مرد اور عورتیں نہ ہوتیں' جن کو تم جانتے نہیں تھے کہ اگر تم ان کو پامال کر دیتے تو تم کو ان کی وجہ سے بے خبری میں مضرت پہنچ جاتی۔ یہ اس لئے ہوا کہ خدا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر یہ لوگ پناہ گزین نہ ہوتے تو کب کا ان پر عذاب الٰہی اُتر چکا ہوتا۔ نبی ﷺ مکے میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے ہوتے ہوئے ان پر عذاب کروں گا اور جبکہ حضرت ﷺ مدینے کی طرف چلے گئے تو اللہ پاک فرماتا ہے تمہارے جانشین ابھی مکہ میں ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ اس لئے ابھی عذاب نہ دوں گا اور جب مسلمان بھی مکہ سے نکل گئے تو فرماتا ہے کہ اب کیوں نہ عذاب دیا جائے۔ انہوں

نے تم مسلمانوں کو کعبۃ اللہ آنے سے روکا۔ وہ خدا کے دوست تو تھے نہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کا عذاب ان پر نازل کیا اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ﴾ کی ناسخ ہے۔

عکرمہ اور حسن بصری کہتے ہیں کہ ''انفال'' میں ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ﴾ والی آیت کو اس کے بعد والی ﴿مَالَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾ نے منسوخ کر دیا ہے۔ چنانچہ ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ فرمایا گیا۔ چنانچہ اہل مکہ سے جنگ ہوئی اور وہ بھوک اور مضرت کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کو عذاب سے مستثنیٰ بھی کیا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ انہیں کیوں عذاب نہ کرے کہ مسجد حرام سے وہ مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ خدا کے اولیاء وہ نہیں بلکہ متقی لوگ ہیں[1]۔ لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے حالانکہ یہی روکے جانے والے لوگ کعبۃ اللہ کے زیادہ اہل ہیں کہ اس میں نماز پڑھیں' طواف کریں اور یہ کفار مسجد حرام کے اہل نہیں ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ......﴾ (التوبہ: ۱۷) کہ مشرکین کو کیا حق ہے کہ اللہ کی مسجد کو آباد رکھیں۔ حالانکہ کفر ان کے دلوں میں جاگزیں ہے۔ ان کے تو سارے اعمال سلب ہیں اور دوزخ کا ایندھن ہیں۔ مساجد کو تو وہ آباد رکھیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھیں' نمازیں پڑھیں' زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ہدایت یافتہ لوگ یقیناً یہی ہیں۔

اور فرمایا ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ خدا کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور مکے کے مسلمانوں کو مکے سے نکال دینا' یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ حضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کے اولیاء کون لوگ ہیں؟ تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ متقی لوگ۔ پھر آپ نے تلاوت فرمائی: ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ حضرت نے قریش کو جمع کیا اور پوچھا کیا کوئی غیر قریش بھی تم میں ہیں تو لوگوں نے کہا صرف ہمارے بھانجے ہمارے حلیف' ہمارے غلام۔ تو آپ نے فرمایا حلیف' بھانجے اور غلام سب ایک ہی قبیلہ کے ہوتے ہیں۔ یہ سب اولیاء ہیں۔ لیکن میرے اولیاء متقی لوگ ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان سے مجاہد مراد ہیں۔ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں پھر اس بات کا ذکر ہے کہ مسجد حرام میں یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی عبادت بس یہی تھی کہ کعبہ میں آ کر بھی یہ جانوروں کی سی سیٹیاں بجاتے اور تالیاں بجاتے۔ ننگے ہو کر طواف کرتے۔ منہ میں انگلیاں رکھ کر سیٹی کی آواز نکالتے۔ رخسار جھکاتے۔ تالی بجاتے۔ بس اسی کو عبادت سمجھتے۔ بائیں طرف طواف کرتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ مسلمانوں کی عبادت میں حرج پیدا کریں۔ اسی طرح یہ لوگ مؤمنین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید تَصْدِیَہ کے معنی کہتے ہیں خدا کی راہ سے لوگوں کو روکنا۔ فرماتا ہے کہ اب اپنے کفر کا مزہ چکھو' یعنی یہ عذاب کہ یوم بدر میں قتل بھی ہوئے قید بھی ہوئے مجاہد کہتے ہیں کہ اہل اقرار پر عذاب سیف کے ذریعے آتا اور تکذیب پر چیخ اور زلزلے کے طور آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

[1] کفار مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے تھے کہ ہم جس کو چاہیں داخل ہونے دیں اور جس کو چاہیں' منع کر دیں۔ بس لئے ہم ہی اس مسجد کے متولی ہیں۔ حالانکہ ان کم عقلوں کو یہ سمجھ نہ آئی کہ مسجد سے تو حقیقی متولی بھی کسی کو روک نہیں سکتا۔ چہ جائے کہ تم' حالانکہ تم اس مقدس مسجد کے متولی بھی نہیں کیونکہ اس عظیم مسجد کا متولی وہی ہو سکتا ہے جو ایمان اور اسلام کی دولت کے ساتھ تقویٰ کی پاکیزہ صفت سے بھی بہرہ ور ہو اور تم ایسے بدنصیب ہو کہ تمہارے من میں نہ اسلام اور ایمان کی دولت نہ تقویٰ کا سرمایہ پھر تولیت کا دعویٰ کس حد تک تمہارے لئے مناسب ہے۔

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۹ ۱۸

بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ ان کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے (مگر) پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے۔ پھر آخر مغلوب ہی ہو جائیں گے اور کافروں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کر دے اور (ان سے الگ کر کے) ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے۔ یعنی ان سب کو متصل کر دے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے ایسے ہی لوگ پورے خسارہ میں ہیں۔ ○

بے سود خرچ نفع ضائع اور نقصان لازم ☆

قریش پر جنگ بدر میں جب مصیبت پڑی اور یہ لوگ مکہ واپس ہوئے اور ابوسفیان بھی قافلہ لے کر لوٹے تو عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور قریش کے کئی آدمی جن کے باپ بیٹے بھائی جنگ میں کام آئے تھے۔ ابو سفیان سے اور ان سے جن کا مال تجارت اس قافلہ میں تھا' کہنے لگے کہ اے معشر قریش محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں نیچا دکھا چکے ہیں' تمہارے شرفا کو قتل کر دیا ہے۔ ان سے دوبارہ لڑنے کے لئے اس قافلے کا مال تم دے دو۔ تاکہ ہم ان سے اپنا انتقام لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس قافلہ کا سب مال دے دیا۔ اسی بارے میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ﴾ یعنی کافر اپنا مال خرچ کر رہے ہیں تاکہ خدا کا راستہ روک سکیں اور وہ روپیہ خرچ کریں گے اور یہی مال ضائع ہو جائے گا تو پھر حسرت بھی اٹھائیں گے۔ ہم انہیں دوبارہ مغلوب کر دیں گے اور وہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ابوسفیان اور نفقۂ اموال کے بارے میں نہیں' بلکہ یہ آیت اہل بدر کے بارے میں اُتری ہے۔ بہر تقدیر یہ آیت عام ہے چاہے کسی بارے میں اُتری ہو اور اگرچہ سبب نزول خاص ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اتباع طریق حق سے روکنے کے لئے کفار روپیہ پیسہ خوب خرچ کر رہے ہیں لیکن ان کے یہ اموال ضائع جائیں گے۔ انہیں حسرت و ندامت لاحق ہو گی۔ وہ اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کامل کرنا چاہتا ہے' خواہ یہ کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا ناصر اپنے کلمہ کو غالب کرنے والا بنے گا۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہو گی اور آخرت میں عذاب دوزخ ہو گا۔ جو زندہ بچا' اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اپنے کانوں سے سن لیا کہ کیسی رسوائی سے آخر کار انہیں سابقہ پڑا اور جو مر گیا یا قتل ہو گیا وہ ابدی رسوائی اور سرمدی عذاب سے دوچار ہو گیا۔ قولہ تعالیٰ ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اہل سعادت کا امتیاز اہل شقاوت سے ہے کہ مومن کافر سے ممتاز ہو جائے اور یہ بھی محتمل

ہے کہ امتیاز سے مراد آخرت کا امتیاز ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ "ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکا اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ ہم ان کے درمیان فرق کردیں گے۔" اور فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو وہ الگ الگ ہو جائیں گے اور فرمایا کہ اے مشرکو! اور گنہگارو! آج مومنوں سے الگ تھلگ ہو جاؤ اور اس مطلب کا بھی احتمال ہے کہ اس سے دنیا میں ہی امتیاز مقصود ہو کہ مومنین کے اعمال جدا اور کافروں کے جدا اور "لیمیز" کا لام سببیہ ہوسکتا ہے۔ یعنی گناہ کے طور پر مال خرچ کرنے کے سبب خبیث کو طیب سے اللہ تعالیٰ نے جدا کردیا۔ یعنی یہ امتیاز کرنے کے لئے کہ کافروں سے لڑنے کے لئے کون اطاعت کرتا ہے اور کون روگردانی کر کے معصیت کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا دونوں لشکروں کے تصادم کے وقت جو کچھ تمہیں پہنچا۔ وہ خدا کے حکم سے تھا۔ تا کہ مومنوں اور کافروں میں تمیز ہو جائے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ خدا کی راہ میں جہاد کرو جارحانہ یا مدافعانہ تو کہتے ہیں کہ اگر اصول جنگ سے ہم واقف ہوتے تو ضرور لڑتے اور فرمایا کہ خدا آخر مومنین کو بھی ان کی موجودہ حالت پر کیوں چھوڑے۔ وہ تو امتحان کر کے پرکھنا چاہتا ہے کہ اچھا کون ہے اور برا کون؟ اور امر غیب پر وہ تم کو آگاہ بھی کیوں کرے اور فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ مجاہدین کے صبر کا اللہ تعالیٰ نے ابھی امتحان نہیں لیا۔ اس کی نظیر سورۂ براءت میں بھی ہے۔ چنانچہ معنی یہ ہوئے کہ ہم کفار سے بھڑا کر تمہیں آزمائیں گے۔ وہ تم سے قتال کریں گے۔ تمہارے اموال صرف کریں گے۔ یہ صرف اس امتیاز کے لئے کہ خبیث کون ہے اور طیب کون ہے۔ رکم: کہتے ہیں کہ ایک پر ایک اشیاء کو جمع کرتے جانا۔ جیسا کہ ابر کے بارے میں فرمایا کہ: ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا﴾ یعنی تہ بہ تہ بادل ﴿فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ پھر وہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور بڑے خسارہ میں رہیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ (اپنے کفر سے) باز نہ آ جائیں گے تو ان کے گناہ سارے (جو اسلام سے) پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کردیئے جائیں گے اور اگر اپنی وہی (کفر کی) عادت رکھیں گے تو (ان کو سنا دیجئے کہ) کفار سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین خالص اللہ ہی کا ہو جائے۔ پھر اگر کفر سے باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہی اور بہت اچھا مددگار ہے۔ ○

اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ ان کافروں سے کہہ دو کہ اگر تم کفر و عناد سے باز رہے اور اسلام میں داخل ہو

کر طالب مغفرت ہوئے تو زمانہ کفر میں جو کچھ گناہ کیا تھا' اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا[1]۔ جیسا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو اسلام میں آ کر نیکوکار رہا تو اس کے جاہلیت کے گناہوں سے بھی مواخذہ نہ ہوگا اور جو اسلام میں آنے کے بعد بھی برا رہا تو اس سے ہر دو زمانوں کے اعمال سے متعلق پرسش ہو سکے گی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام ماقبل کے گناہوں کے لئے توبہ ہے اور توبہ بھی تو اپنے سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ لیکن اے نبی ﷺ اگر یہ اپنی سابقہ چال پر قائم رہے عناد نہ چھوڑا تو کیا وہ نہیں جانتے کہ پہلے کے لوگوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ عناد اور تکذیب کا سابقہ امتوں نے کیا نتیجہ دیکھا تھا۔ یاد رکھو عذاب وعقوبت ہی اس کا علاج ہوگا۔ ﴿سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ سے مجاہد اور سدی یوم بدر مراد لیتے ہیں اور فرمایا ان سے خوب قتال کرو' حتیٰ کہ فتنہ دب جائے' شرک مٹ جائے اور دین خدا ہی کا ہو[2]۔

ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا اے عبدالرحمٰن خدا نے فرمایا ہے کہ ''اگر مومنین کی دو جماعتیں باہم قتال کریں'' تو تم قتال میں کیوں شریک نہیں ہوتے۔ جب کہ ایسی دو جماعتوں کا قرآن میں ذکر ہے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''اے بھتیجے شریک جنگ نہ ہونے کا طعن میرے لئے سن لینا گوارا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کسی مومن کو عمداً قتل کروں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان سے قتال کرو' حتیٰ کہ فتنہ ہی باقی نہ رہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ عہد رسول اللہ ﷺ میں ہماری یہی کیفیت تھی۔ اسلام میں بہت کم افراد تھے۔ آدمی کی دین کے بارے میں آزمائش ہوتی تھی۔ لوگ یا تو قتل کر دیئے جاتے تھے یا قید و بند کی مصیبت میں مبتلا ہوتے تھے اور جب اسلام نے ترقی پالی تو اب فتنہ باقی نہ رہا۔ غرض یہ کہ اس معترض شخص نے جب ابن عمرؓ سے اپنے موافق بات دیکھی ہی نہیں تو بات کا رخ پھیر کر کہنے لگا کہ علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا حضرت عثمانؓ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ بخش دیا اور تم عثمانؓ کی مغفرت کو ناپسند کرتے ہو اور علیؓ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے عم زاد بھائی ہیں اور داماد ہیں اور وہ دیکھو وہاں نبی ﷺ کی بیٹی اور علیؓ کی بیوی رہتی ہیں۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ہمارے پاس آئے اور کہا قتال فتنہ کے بارے میں تمہارے کیا رائے ہے اور فتنہ کس کو کہتے ہیں۔ نبی ﷺ مشرکین سے قتال کرتے تھے اور اس وقت فتنہ در آیا ہوا تھا اور تمہارا قتال تو ملک اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابن زبیرؓ کے فتنے سے متعلق دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہا تم جانتے ہو' جو کچھ لوگوں کا علم ہے۔ تم عمرؓ کے بیٹے ہو اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو' اس فتنہ سے تم کو کس بات نے روکا۔ تو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون مسلمان پر حرام کر دیا ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ کیا خدا نے خود نہیں فرمایا ہے کہ فتنہ دب جانے کے لئے قتال کرو تا کہ دین خالص اللہ کا ہو جائے تو کہا' ہم نے تو فتنہ دبانے کے لئے بہت کچھ قتال کیا ہے۔ حتیٰ کہ فتنہ نہ رہا اور تم مسلمانوں کے دو گروہوں میں اس لئے قتال کرنا چاہتے ہو کہ فتنہ اور کھڑا ہو جائے اور دین اللہ کی بجائے غیر اللہ کا ہو جائے۔ اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میں تو ایسے آدمی کو کبھی قتل نہ کروں گا جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ چکا ہو۔ تو سعد بن مالک نے بھی ایسا ہی کہا' تو اس آدمی نے قَاتِلُوْهُمْ والی آیت پڑھی' تو ان لوگوں نے کہا کہ فتنہ کو دبانے والا ایسا قتال ہم نے کیا ہے اور فتنہ دب گیا ہے اور دین خالص خدا کا ہو گیا ہے۔

---

[1] حدیث صحیح میں ہے کہ اسلام اور ہجرت ان تمام گناہوں کو دھو دیتے ہیں جو اسلام سے پہلے اور ہجرت سے قبل کسی نے کئے ہوں لیکن اب ہجرت فرض نہیں رہی بجز مخصوص حالات کے اس لئے اسلام پر خدا تعالیٰ کا یہ خاص فضل بہر حال مرتب ہوگا۔

[2] یہ جہاد کا مقصد ہے یعنی دین کا غلبہ' مسلمانوں کا ذوق اقتدار یا تسلط جہاد کا مقصد نہیں۔ دنیا میں وہ اشخاص سب سے زیادہ احمق ہیں' جنہوں نے جہاد کے مقصد کو سمجھا نہیں اور اس مقدس فریضہ پر اعتراضات شروع کر دیئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فتنہ دب جانے سے شرک کا دب جانا مراد لیتے ہیں ﴿یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ سے مراد خالص توحید ہے۔ جس میں شرک کا لگاؤ ہو اور خدا کے اقتدار میں کسی کو شریک نہ بنایا گیا ہو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دین اسلام ہوتے ہوئے کفر باقی نہ رہے اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کافروں سے قتال کرنے پر مامور ہوا ہوں۔ حتیٰ کہ لوگ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے قائل ہو جائیں۔ اگر وہ قائل ہو جائیں تو ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے۔ ہاں کسی وجہ سے قصاص وغیرہ میں قتل کئے جا سکتے ہیں اور اس کا حساب خدا کے پاس ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا' جس نے اظہار شجاعت میں قتال کیا ہو یا قوم و خاندان کی حمایت میں یا شہرت و نمود کی خاطر' اس میں کونسا قتال فی سبیل اللہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ صرف وہ قتال جو اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر عمل میں آیا ہو فی سبیل اللہ ہے۔ قولہ تعالیٰ ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ یعنی اگر کفر کے ساتھ تمہارے قتال سے وہ باز رہے تو تم بھی ان سے ہاتھ روک لو۔ اس لئے کہ تمہیں اُن کے دِل کا حال کیا معلوم؟ جو کچھ ان کے دل کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ان کو دیکھتا ہے جیسا کہ فرمایا ''اگر انہوں نے توبہ کر لی اور نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے تو پھر ان سے پرستش مناسب نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ ﴿اِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ﴾ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور فرمایا کہ فتنہ دبنے تک ان سے لڑتے رہو تا کہ خدا ہی کا مذہب رائج ہو جائے۔ الزام صرف اس سے تجاوز کرنے والوں پر ہے کہتے ہیں کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر تلوار اُٹھائی۔ اس نے کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه لیکن اسامہ رضی اللہ عنہ نے تلوار ماردی اور قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو فرمایا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے بعد بھی تم نے اس کو قتل کر دیا۔ اب تم قیامت کے روز لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے ساتھ کیا کرو گے؟ تو اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے تو صرف اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا۔ تو فرمایا' کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے رہے کہ اب قیامت کے روز کیا کرو گے۔ اسامہؓ کہتے ہیں کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج تک مسلمان نہ ہوا ہوتا' تا کہ اسلام کے زعم میں اس کو قتل نہ کر دیتا۔

اور اگر انہوں نے پیٹھ پھیر لی تو جانے دو کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ بڑا اچھا مولیٰ ہے اور بڑا اچھا مددگار ہے اور اگر ان کی عادت تمہارے خلاف اور تمہاری مخالفت پر قائم ہے۔ تو اللہ تمہارا مولیٰ اور تمہارا ناصر ہے۔ عبدالملک بن مروان نے عروہ کو لکھا اور چند باتیں دریافت کیں تو عروہ نے یوں جواب لکھ بھیجا۔ سلام علیک! میں خدائے واحد کی حمد کرتا ہوں اور پھر تمہیں لکھتا ہوں کہ تم نے مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کے واقعات پوچھے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں گا' قوت و طاقت خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی۔ وہ کیسے اچھے نبی کیسے اچھے سید تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ جنت میں ہمیں ان کا چہرہ دکھائے۔ انہیں کے دین و ملت پر زندہ رکھے اور انہیں کے دین پر موت دے اور انہیں کے ساتھ آخرت میں اُٹھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہدایت اور نور کی طرف قوم کو بلایا تو لوگوں نے آپ کی تبلیغ کو کچھ ایسی اہمیت نہیں دی۔ حضرت کی وحی کو سن بھی لیتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بتوں کا ذکر کیا اور مالدار قریش کے لوگ طائف سے مکے آئے تو ان میں سے اکثر کو یہ تبلیغ بہت ناگوار گزری۔ آپ کی تبلیغ سے بیزار ہوئے۔ جو کوئی مسلمان ہو بھی جاتا' تو اس کو بہکانے لگتے۔ چنانچہ مائل ہونے والے عامۃ الناس بھی بے رغبت ہو گئے۔ مگر چند لوگ اپنے مستقل ارادے پر قائم رہے۔ اسلام کی طرف سے ان کے خیالات پراگندہ نہیں ہوئے اب قریش کے سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ اسلام قبول

کرنے والوں پر سختی اور ظلم کرنا چاہئے۔ یہ فتنہ ایک سخت زلزلہ تھا۔ جو اس فتنہ میں پھنس گیا سو پھنس گیا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا تو محفوظ رہا۔ جب مسلمانوں پر قریش بہت ظلم ڈھانے لگے تو حضرت نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ ارضِ حبش کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حبش کا بادشاہ ایک مرد صالح تھا' جس کا نام نجاشی تھا۔ وہ ظالم نہیں تھا۔ چاروں طرف اس کی تعریف ہوتی تھی۔ سرزمین حبش قریش کی تجارت گاہ تھی اور تجار قریش کے وہاں مکانات تھے۔ جہاں وہ تجارت کر کے بہت مال پیدا کرتے تھے۔ امن حاصل کرتے تھے اور تجارت خوب چمکی ہوئی تھی۔ حضرت ﷺ نے حکم دیا تو عام مسلمان جن پر مکہ والے زیادہ ظلم ڈھا رہے تھے' حبش کی طرف چلے گئے کیونکہ ان کو اپنی جان کا خوف تھا۔ وہ وہاں ہمیشہ کے لئے نہیں ٹھہرے۔ صرف چند سال رہے۔ وہاں بھی مسلمانوں نے اسلام پھیلایا۔ وہاں کے شرفا بھی اسلام لائے۔ جب قریش کفار نے یہ رنگ دیکھا کہ مسلمان پر ظلم کرنے سے وہ حبش چلے جاتے ہیں اور وہاں کے لوگوں اور سرداروں کو اپنا بنا لیتے ہیں تو اب انہوں نے مصلحت یہی سمجھی کہ نرم برتاؤ اختیار کریں۔ چنانچہ وہ نبی ﷺ اور اصحاب نبی کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے لگے۔ چنانچہ پہلی آزمائش مسلمانوں کی یہی تھی' جس نے مسلمانوں کو حبش کی طرف بھیجا۔ پھر جب نرمی پیدا ہوگئی اور وہ فتنہ جس کے زلزلوں نے مسلمان صحابہ کو وطن چھوڑنے اور حبشہ جانے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے کچھ دب جانے کی خبروں نے مہاجرین حبشہ کو پھر آمادہ کیا کہ وہ مکے واپس چلے آئیں۔ تو وہ تھوڑے بہت بھی جو گئے تھے' واپس آ گئے۔ اس اثنا میں مدینہ کے انصار مسلمان ہو گئے اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔ ان اہل مدینہ کا مکے آنا جانا شروع ہوا۔ اس میں مکے والے اور بگڑے۔ مشورہ کیا کہ اب تو ان پر اور سختی کرنا چاہئے۔ چنانچہ عام طور پر مسلمانوں پر مظالم توڑنے لگے۔ مسلمان بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔

یہ مسلمانوں کے لئے دوسرا فتنہ اور دوسری آزمائش تھی۔ ایک فتنہ تو یہ کہ حبش کی طرف مسلمانوں کو بھاگنا پڑا اور دوسرا فتنہ وہاں سے مسلمانوں کو واپس آنے کے بعد جب کہ اہل مکہ نے دیکھا کہ مدینے سے لوگ آتے جا رہے ہیں اور مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بار مدینے سے ستر (۷۰) آدمی آئے جو معتبر اور سردار لوگ تھے اور یہ سب مسلمان ہو گئے۔ حج کیا اور بمقام عقبہ حضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا کہ ہم آپؐ کے ہو رہے ہیں اور آپؐ ہمارے ہو رہیں گے۔ اگر آپؐ کے صحابہ ہمارے شہر میں آئیں یا آپ ﷺ تشریف لائیں تو ہم آپ ﷺ کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی حمایت کریں گے جیسی کہ اپنی اور اپنے لوگوں کی کرتے ہیں۔ قریش نے اس معاہدہ کو سن کر مزید سختی برتنی شروع کر دی۔ اب حضرت ﷺ نے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ یہ دوسرا فتنہ تھا۔ جس نے نبی ﷺ کو اور اصحاب کو مکہ سے نکالا۔ اسی چیز کو اللہ پاک نے قرآن میں ظاہر فرمایا ہے کہ ان کافروں سے قتال کرو۔ حتیٰ کہ یہ فتنے ختم ہو جائیں[1] اور دین اللہ کا ہی سکہ چلے۔ عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ خط عروہ نے عبدالملک بن مروان کو لکھا تھا۔ واللہ اعلم

---

[1] تاریخ شاہد ہے اسلام کے خلاف طاقتوں کو جب بھی غلبہ حاصل ہوا تو کوئی ایسی مصیبت نہیں تھی جو کفار کی جانب سے مسلمانوں پر نہ لائی گئی ہو۔ اسپین (قرطبہ) کی اندوہناک تاریخ اور موجودہ دور میں الجزائر کے مجاہدین پر فرانسیسیوں کے مظالم' تاریخ کے سیاہ دھبے ہیں۔ اس کے خلاف مسلمانوں کو جہاں کہیں عروج حاصل ہوا' ان کے اقتدار میں کسی بھی فرقہ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ آج بھی اسلامی سلطنتوں اور غیر اسلامی علاقوں کے سچے حالات سے ان کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ پس اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت' کفار کے مظالم سے محفوظ رہنے اور تمام فرقوں کو امن دینے کا بہترین علاج اسلام کا غلبہ ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی اور تدبیر کارآمد اور نہ کوئی راہ قابل عمل ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

اور اس بات کو جان لو کہ جو شے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اسکے رسول کا ہے اور (ایک حصہ) آپ کے قرابتداروں کا ہے اور (ایک حصہ) غریبوں کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر جس کو ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر فیصلہ کے دن یعنی کہ جس دن (بدر میں) دونوں جماعتیں (مومنین و کفار) باہم مقابل ہوئی تھیں نازل فرما دیا تھا اور اللہ (ہی) ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔O

تقسیم غنائم ☆

خداوند تعالیٰ یہاں مال غنیمت کی تفصیل بیان کرتا ہے جو اس نے خاص طور پر اس امت کے لئے حلال کیا ہے۔ غنیمت کا مال اگلی اُمتوں پر حرام تھا۔ غنیمت وہ مال ہے جو کفار پر حملہ کرنے کے بعد حاصل ہو اور فے وہ مال ہے جو بغیر لڑے بھڑے ہاتھ آ جائے۔ مثلاً ان سے صلح کر کے کچھ مال بطور تاوان وصول کیا جائے۔ یا وہ مال جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ یا جزیہ یا خراج وغیرہ کا مال ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے سلف وخلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے لیکن بعض علماء غنیمت کا اطلاق ''فے'' پر اور فے کا غنیمت پر کرتے ہیں۔ اسی لئے قتادہ کا قول ہے کہ اس آیت سے سورۂ حشر کی یہ آیت ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ......﴾ منسوخ ہو گئی ہے اور اس طرح مال غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے تو مجاہدین کو ملیں گے اور ایک حصہ ان کو ملے گا جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے۔ (یعنی رسولؐ، قرابتدار، یتیم، مساکین اور مسافر لوگ) لیکن یہ قول قابل قبول نہیں کیونکہ یہ آیت جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے اور وہ آیت ''بنی نضیر'' کے بارے میں اُتری ہے اور علمائے سیر و مغازی (تاریخ دانوں) میں سے کسی کو بھی اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ قصۂ بنی نضیر جنگ بدر کے بعد کا ہے اور نہ اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہے لیکن جو لوگ فی اور غنیمت میں فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ آیت تو فی کے بارے میں اُتری ہے اور یہ غنیمت کے بارے میں اور کچھ لوگ فے کے معاملہ کو امام کی رائے پر موقوف رکھتے ہیں کہ جیسی اس کی مرضی ہو ویسا کرے۔ اس طرح ان دونوں آیات (آیت حشر اور آیت تخمیس) میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت میں بیان ہے کہ خمس یعنی پانچواں حصہ مال غنیمت میں سے نکال دینا چاہئے۔ چاہے وہ کم ہے یا زیادہ ہے۔ سوئی ہو یا دھاگا ہی ہو۔ پروردگار فرماتا ہے جو خیانت کرے گا وہ اسے لے کر قیامت کے دن پیش ہو گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا بدلہ ملے گا کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ خمس میں سے خدا تعالیٰ کا حصہ کعبے میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت ابو

العالیہ ریاحی کہتے ہیں کہ غنیمت کے مال میں رسول خدا ﷺ پانچ حصے کرتے تھے۔ چار تو مجاہدین میں تقسیم ہوتے۔ پانچویں میں آپ مٹھی بھر نکال لیتے۔ اسے کعبے میں داخل کر دیتے۔ پھر جو بچا' اس کے پانچ حصے کر ڈالتے۔ ایک رسول خدا ﷺ کا۔ ایک قرابت داروں کا۔ ایک یتیموں کا' ایک مسکینوں کا۔ ایک مسافروں کا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے حصہ کا نام صرف بطور تبرک ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے حصے کے بیان کا گویا وہ شروع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب حضور ﷺ کوئی لشکر بھیجتے اور غنیمت کا مال ملتا تو آپ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصے کے پانچ حصے کر ڈالتے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس یہ فرمان کہ ﴿اَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ یہ صرف کلام کے شروع کے لئے ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا قول یہی ہے کہ خدا رسول کا ایک ہی حصہ ہے۔ اسی کی تائید بیہقی کی اس صحیح سند والی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے وادی القریٰ میں پہنچ کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ غنیمت کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اس میں پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے۔ باقی کے چار لشکریوں کے۔ اس نے پوچھا کہ اس میں کسی کو کسی پر زیادہ حق نہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ یہاں تک کہ تو اپنے کسی دوست کے جسم سے تیر نکالے تو اس تیر کا بھی تو اس سے زیادہ مستحق نہیں۔ حضرت حسن نے اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور فرمایا' کیا میں اپنے لئے اس حصے پر رضامند نہ ہو جاؤں' جو خدا تعالیٰ نے خود اپنا رکھا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کے پانچ حصے برابر سے کئے جاتے ہیں۔ چار تو ان لشکریوں کو ملتے ہیں جو اس جنگ میں شامل تھے۔ پھر پانچویں کے چار حصے کئے جاتے تھے۔ ایک چوتھائی اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی۔ پھر یہ حصہ آنحضرت ﷺ کی قرابت داروں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس میں سے جو کچھ آنحضرت ﷺ لیتے تھے یعنی پانچویں حصے کا پانچواں حصہ' وہ آپ کے بعد جو بھی آپ کا نائب ہو' اس کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے اللہ تعالیٰ کا حصہ اللہ کے نبی ﷺ کا ہے اور جو آپ کا حصہ تھا' وہ آپ کی بیویوں کا ہے۔ عطا بن رباح فرماتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا جو حصہ ہے' وہ صرف رسول خدا ﷺ ہی کا ہے۔ آپ کو اختیار ہے' جس کام میں آپ چاہیں' لگائیں۔

مقدام بن معدی کرب' حضرت عبادہ بن صامت' حضرت ابو درداء اور حضرت حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کا ذکر ہونے لگا۔ تو ابو درداء نے عبادہ بن صامت سے کہا' فلاں فلاں غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ایک جہاد میں خمس کے ایک اونٹ کے پیچھے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نماز پڑھائی۔ سلام کے بعد کھڑے ہو گئے اور چند بال اپنی چٹکی میں لے کر فرمایا کہ یہ بال اس اونٹ کے ہیں' جو مال غنیمت میں سے ہے۔ یہ بھی مال غنیمت میں سے ہیں اور میرے نہیں ہیں۔ میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف پانچواں ہے اور پھر وہ بھی تم ہی کو واپس دے دیا جاتا ہے۔ پس سوئی دھاگے تک ہر چھوٹی بڑی چیز پہنچا دیا کرو۔ خیانت نہ کرو۔ خیانت عار ہے اور خیانت کرنے والے کے لئے دو جہان میں آگ ہے۔ قریب والوں سے دور والوں سے راہ خدا میں جہاد جاری رکھو۔ شرعی کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال تک نہ کرو۔ وطن میں اور سفر میں خدا کی مقرر کردہ حدیں جاری کرتے رہو۔ خدا کے بارے میں جہاد کرتے رہو۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک بہت بڑا دروازہ ہے۔ اسی جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ غم و رنج سے نجات دیتا ہے (مسند احمد) یہ حدیث حسن ہے اور بہت ہی اعلیٰ

ہے۔ صحاح ستہ میں اس سند سے منقول نہیں لیکن مسند ہی کی دوسری حدیث میں دوسری سند سے خمس کا اور خیانت کا ذکر موجود ہے۔ ابوداؤد اور نسائی میں بھی مختصراً یہ حدیث ہے۔ اس حصے میں سے آنحضرت ﷺ بعض چیزیں اپنی ذات کے لئے بھی مخصوص فرمالیا کرتے تھے۔ لونڈی' غلام' تلوار' گھوڑا وغیرہ۔ جیسا کہ محمد سیرین اور عامر شعبی اور اکثر علماء نے فرمایا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار بدر کے دن نفل میں سے تھی۔ جو حضور ﷺ کے پاس تھی۔ اسی کے بارے میں احد والے دن خواب دیکھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اسی طرح آئی تھی۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے' حضرت یزید بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم باڑے میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ ہم نے اسے پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے زہیر بن اقیش کی طرف ہے کہ اگر تم اللہ کی وحدت کی اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دو اور نمازیں قائم رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور غنیمت کے مال سے خمس ادا کرتے رہو اور نبی ﷺ کا حصہ اور خالص حصہ ادا کرتے رہو تو تم اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی امان میں ہو۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ تجھے یہ کس نے لکھ دیا ہے' اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے۔ پس ان صحیح حدیثوں کی دلالت اس بات پر ہے۔ اسی لئے اکثر بزرگوں نے اسے حضور ﷺ کے خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ' علیہ۔

اور لوگ کہتے ہیں کہ خمس میں امام وقت مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق جو چاہے کر سکتا ہے۔ جیسے مال فے میں اسے اختیار ہے۔ ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی قول حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اکثر سلف کا ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے جب یہ ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا تو یہ بھی خیال رہے کہ خمس جو حضور ﷺ کا حصہ تھا' اسے اب آپ کے بعد کیا جائے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ اب یہ حصہ امام وقت یعنی خلیفۃ المسلمین کا ہو گا۔ حضرت ابوبکر' حضرت علی' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم اور ایک جماعت کا یہی قول ہے اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی مصلحت میں صرف ہو گا اور قول یہ ہے کہ یہ بھی باقی کی اور قسموں پر خرچ ہو گا یعنی قرابت دار' یتیم' مسکین اور مسافر' امام ابن جریر کا مختار یہی ہے اور بزرگوں کا فرمان ہے کہ حضور ﷺ کا اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا جائے۔ عراق والوں کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور کہا گیا ہے کہ خمس کا یہ پانچواں حصہ سب کا سب قرابت داروں کا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن محمد بن علی اور علی بن حسین کا قول ہے کہ یہ ہمارا حق ہے۔ پوچھا گیا کہ آیت میں مسکینوں اور یتیموں اور مسافروں کا بھی ذکر ہے تو امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اس سے مراد بھی ہمارے یتیم اور ہمارے مسکین ہیں۔ امام حسن بن محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے کہ فرماتے ہیں کہ کلام کا شروع اس طرح ہوا ہے۔ ورنہ دنیا و آخرت کا سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ پھر ان دونوں حصوں کے بارے میں حضور ﷺ کے بعد کیا ہوا۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا حصہ آپ کے خلیفہ کو ملے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے قرابتداروں کو۔ بعض کہتے ہیں خلیفہ کے قرابتداروں کو۔ ان کی رائے میں ان دونوں حصوں کو ان دونوں حصوں کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے کام میں لگایا جائے۔ اسی طرح خلافت صدیقی و فاروقی میں بھی ہوتا رہا ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ حضور ﷺ کے اس حصہ کو جہاد کے کام میں صرف کرتے تھے۔ پوچھا گیا کہ حضرت علیؓ اس بارے کیا کرتے تھے۔ فرمایا وہ اس بارے میں سب سے سخت تھے۔ اکثر علماء رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

ہاں ذوی القربیٰ کا جو حصہ ہے وہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا ہے۔ اس لئے کہ اولاد عبد المطلب نے اولاد ہاشم کی جاہلیت میں اور اول اسلام میں موافقت کی اور انہی کے ساتھ انہوں نے گھاٹی میں قید ہونا بھی منظور کر لیا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف جو کفار سے برابر پہنچ رہی تھی اس کی وجہ سے یہ لوگ بگڑ بیٹھے تھے اور آپ کی حمایت میں تھے۔ مسلمان تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے' کافر خاندانی طرفداری اور رشتوں ناتوں کی حمایت کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی فرمانبرداری کر کے۔ ہاں بنو عبد شمس اور بنو نوفل' یہ بھی گو آپ کے چچازاد بھائی تھے' لیکن وہ ان کی موافقت میں نہ تھے بلکہ ان کے خلاف تھے۔ انہیں الگ کر چکے تھے اور ان سے لڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ قریش کے اور تمام قبائل ان کے مخالف ہیں۔ اسی لئے ابو طالب نے اپنے قصیدۂ لامیہ میں ان کی بہت ہی مذمت کی ہے کیونکہ یہ قریبی قرابت دار تھے۔ کہا ہے کہ انہیں بہت جلد خدا کی طرف سے ان کی اس شرارت کا پورا بدلہ ملے گا۔ ان بیوقوفوں نے اپنے ہو کر ایک خاندان اور ایک خون کے ہو کر ہم سے آنکھیں پھیر لی ہیں وغیرہ۔ ایک موقع پر ابن جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل اور حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن شمس رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور شکایت کی کہ آپ نے خیبر کے خمس میں سے بنو عبد المطلب کو تو دیا لیکن ہمیں چھوڑ دیا۔ حالانکہ آپ کی قرابتداری کے لحاظ سے وہ اور ہم بالکل برابر ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو! بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب تو ایک ہی چیز ہیں۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے تو مجھ سے نہ کبھی جاہلیت میں جدائی برتی نہ اسلام میں۔ یہ قول تو جمہور علماء کا ہے کہ یہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صرف بنو ہاشم ہیں مجاہد کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بنو ہاشم میں فقرا ہیں۔ پس صدقے کی جگہ ان کا حصہ مال غنیمت میں مقرر کر دیا۔ یہی رسول اللہ ﷺ کے وہ قرابتدار ہیں' جن پر صدقہ حرام ہے۔ علی بن حسین سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب قریش ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے استفتا کیا گیا کہ ذوی القربیٰ کون ہیں؟ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ ہم تو کہتے تھے کہ ہم ہیں لیکن ہماری قوم نہیں مانتی۔ وہ سب کہتے ہیں کہ سارے ہی قریش ہیں (مسلم وغیرہ)۔ بعض روایتوں میں صرف پہلا جملہ ہی ہے۔ دوسرے جملے کے راوی ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن مدنی کی روایت میں ہی یہ جملہ ہے کہ سب کہتے ہیں کہ سارے قریش ہیں ان میں ضعف بھی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تمہارے لئے لوگوں کے میل کچیل سے تو نے منہ پھیر لیا ہے۔ خمس کا پانچواں حصہ کافی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اس کے راوی ابراہیم بن مہدی کو امام ابو حاتم ثقہ بتلاتے ہیں۔ لیکن یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ منکر روایتیں بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

آیت میں یتیموں کا ذکر ہے یعنی مسلمانوں کے بے باپ کے بچے۔ پھر بعض تو کہتے ہیں کہ یتیمی کے ساتھ فقیری بھی ہو تو وہ مستحق ہیں اور بعض کہتے ہیں ہر امیر فقیر یتیم کو یہ الفاظ شامل ہیں۔ مساکین سے مراد وہ محتاج ہیں' جن کے پاس اتنا نہیں کہ ان کی فقیری اور ان کی حاجت پوری ہو جائے اور انہیں کافی ہو جائے ابن السبیل وہ مسافر ہے' جو اتنی حد تک وطن سے نکل چکا ہو یا جا رہا ہو کہ جہاں پہنچ کر اسے نماز کو قصر پڑھنا جائز ہو اور سفر خرچ کافی اس کے پاس نہ رہا ہو۔ اس کی تفسیر سورہ برأت کی آیت ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ ......﴾ کی تفسیر میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تم میں اللہ پر اور اس کی وحی پر ایمان ہے تو جو وہ فرما رہا ہے' بجا لاؤ۔ یعنی مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ الگ کر دیا کرو۔ صحیحین میں ہے کہ وفد عبد القیس کو رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا۔ میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ جانتے بھی ہو کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز کو پابندی سے ادا کرنا۔ زکوۃ دینا اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنا...... پس خمس کا دینا بھی ایمان میں داخل ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں باب قائم کیا ہے کہ خمس کا ادا کرنا ایمان میں ہے۔ پھر اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور ہم نے شرح صحیح بخاری میں اس کا پورا مطلب واضح کر دیا ہے۔ واللہ الحمد والمنہ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا ایک احسان و انعام بیان فرماتا ہے کہ اس نے حق و باطل میں فرق کر دیا اپنے دین کو غالب کیا۔ اپنے نبی ﷺ کی اور آپ کے لشکریوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں انہیں غلبہ دیا۔ کلمہ ایمان کلمۂ کفر پر چھا گیا۔ پس یوم الفرقان سے مراد بدر کا دن ہے۔ جس میں حق و باطل کی تمیز ہو گئی۔ بہت سے بزرگوں سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے۔ یہی سب سے پہلا غزوہ تھا۔ مشرک لوگ عتبہ بن ربیعہ کی ماتحتی میں تھے۔ جمعہ کے دن انیس یا سترہ رمضان کو یہ لڑائی ہوئی تھی۔ اصحاب رسول تین سو دس سے کچھ اوپر تھے اور مشرکوں کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تھی۔ باوجود اس کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کافروں کو شکست دی۔ ستر سے کچھ زیادہ تو یہ مارے گئے اور اتنے ہی قید کر لئے گئے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کو گیارہویں رات میں ہی تلاش کرو۔ اس لئے کہ اس کی صبح کو بدر کی لڑائی کا دن تھا۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لیلۃ الفرقان جس دن دونوں جماعتیں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی' رمضان شریف کی سترھویں تھی۔ یہ رات بھی جمعہ کی رات تھی۔ مغازی اور سیرت کے مصنفین کے نزدیک صحیح یہی ہے۔ ہاں یزید بن ابو جعد جو اپنے زمانے کے مصری علاقہ کے امام تھے' فرماتے تھے کہ بدر کا دن پیر کا دن تھا۔ لیکن کسی اور نے ان کی متابعت نہیں کی اور جمہور کا قول یقیناً ان کے قول پر مقدم ہے۔ واللہ اعلم۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

اور یہ وہ وقت تھا کہ جب تم اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور وہ لوگ (یعنی کفار) اس میدان کے اُدھر والے کنارہ پر تھے اور وہ قافلہ (قریش کا) تم سے نیچے کی طرف کو (بچا ہوا) اور اگر تم اور وہ کوئی بات ٹھہراتے تو ضرور اس سے تم میں اختلاف ہوتا لیکن تا کہ جو بات اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے یعنی تا کہ جس کو برباد (گمراہ) ہونا ہے وہ نشان آئے پیچھے برباد ہوا اور جس کو زندہ (ہدایت یافتہ) ہونا ہے (وہ بھی) نشان آئے پیچھے زندہ ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔ O

حالات کی ناسازگاری اور نصرت الٰہی کا عظیم مظاہرہ ☆

فرماتا ہے کہ اس دن تم وادی الدنیا میں تھے۔ جو مدینہ شریف سے قریب ہے اور مشرک لوگ مکے کی جانب مدینے کی دور کی وادی میں تھے اور ابوسفیان اور اس کا قافلہ تجارتی اسباب سمیت نیچے کے رخ دریا کی طرف تھا اگر تم اور کفار قریش پہلے سے جنگ کا ارادہ کرتے تو یقیناً تم میں اختلاف پڑتا کہ لڑائی کہاں ہو۔ یہ مطلب بیان کیا گیا کہ اگر تم لوگ آپس میں طے کر کے جنگ کے لئے تیار ہوئے ہوتے اور پھر تمہیں ان کی کثرت تعداد اور کثرت اسباب معلوم ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ ارادے پست ہو جاتے۔ اس لئے قدرت نے بغیر پہلے سے طے کئے دونوں جماعتوں کو ملا دیا کہ خدا کا یہ ارادہ پورا ہو جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کو بلندی ہو اور شرک اور مشرکوں کو پستی ہو۔ پس جو کچھ کرنا تھا خدائے پاک کر گزرا۔ چنانچہ کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان تو صرف قافلے کے ارادے سے ہی نکلے تھے۔ اللہ نے دشمن سے مڈبھیڑ کرا دی۔ بغیر کسی تقرر کے اور بغیر کسی جنگی تیاری کے۔ ابوسفیان ملک شام سے قافلے کو لے کر چلا۔ ابوجہل اسے مسلمانوں سے بچانے کیلئے مکہ سے نکلا۔ قافلہ اور راستے سے نکل گیا اور مسلمانوں اور کافروں کی جنگ ہوگئی۔ اس سے پہلے دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔

ایک دوسرے کو خصوصاً پانی لانے والوں کو دیکھ کر ایک دوسرے کو علم ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارادی سے چلے جا رہے تھی۔ صفراء کے قریب پہنچ کر بسبس بن عمر اور عدی بن ابوالزعباء جہنی کو ابوسفیان کا پتہ چلانے کے بھیجا۔ ان دونوں نے بدر کے میدان میں پہنچ کر بطحا کے ایک ٹیلے پر اپنی سواریاں بٹھائیں اور پانی کے لئے نکلے۔ راستے میں دو لڑکیوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھا۔ ایک دوسرے سے کہتی ہیں تو میرا قرض ادا کیوں نہیں کرتی؟ اس نے کہا جلدی نہ کر۔ کل یا پرسوں یہاں قافلہ آنے والا ہے۔ میں تجھے تیرا حق دے دوں گی۔ مجدی بن عمرو بیچ میں بول اٹھا اور کہا یہ سچ کہتی ہے۔ اسے ان دونوں صحابیوں نے سن لیا۔ اپنے اونٹ کسے اور فوراً خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر آپ کو خبر دی۔ ادھر ابوسفیان اپنے قافلے سے پہلے یہاں اکیلا پہنچا اور مجدی بن عمرو سے کہا کہ اس کنوئیں پر تم نے کسی کو دیکھا؟ اس نے کہا نہیں۔ البتہ دو سوار آئے تھے اپنے اونٹ اس ٹیلے پر بٹھائے۔ اپنی مشک میں پانی بھرا اور چل دیئے۔ یہ سن کر یہ اس جگہ پہنچا۔ مینگنیاں لیں اور توڑا اور کھجوروں کی گٹھلیاں ان میں پا کر کہنے لگا۔ واللہ یہ مدنی لوگ ہیں۔ وہیں سے واپس اپنے قافلہ میں پہنچا اور راستہ بدل کر سمندر کے کنارے چل دیا۔ جب اسے اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنا قاصد قریشیوں کو بھیجا کہ اللہ نے تمہارے قافلہ کو اور مال کو اور آدمیوں کو بچا لیا' تم لوٹ آؤ۔ یہ سن کر ابوجہل نے کہا نہیں' جب یہاں تک ہم آ چکے ہیں تو ہم بدر تک ضرور جائیں گے۔ یہاں ایک بازار لگا کرتا تھا۔ وہاں ہم تین دن ٹھہریں گے۔ وہاں اونٹ ذبح کریں گے۔ شراب پئیں گے۔ کباب بنائیں گے۔ تاکہ عرب میں ہماری دھوم مچ جائے اور ہر ایک کو ہماری بہادری' بے جگری معلوم ہو اور وہ ہمیشہ ہم سے خوفزدہ رہیں۔ لیکن اخنس بن شریق نے کہا کہ بنوزہرہ کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال محفوظ کر دیئے تم کو چاہئے کہ اب واپس چلے جاؤ۔ اس کے قبیلہ نے اس کی بات مان لی۔ یہ لوگ تو لوٹ گئے اور بنوعدی بھی۔ بدر کے قریب پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو' حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ چند اور صحابہ کو بھی ان کے ساتھ کر دیا۔ انہیں بنوسعید بن عاص کا اور بنوحجاج کا غلام کنوئیں پر مل گیا۔ دونوں کو گرفتار کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت آپ نماز میں تھے۔ صحابہ نے سوال کرنا شروع کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا'

وَاعْلَمُوا ۱۰

قریش کے سقے ہیں۔ انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا تھا۔ صحابہ کا خیال تھا کہ ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اس لئے ان پر سختی شروع کی۔ آخر گھبرا کر انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے قافلہ کے ہیں۔ تب انہیں چھوڑا۔ حضور ﷺ نے ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور فرمایا' کہ جب تک یہ سچ بولتے رہے' تم انہیں مارتے پیٹتے رہے اور جب انہوں نے جھوٹ کہا' تم نے چھوڑ دیا۔ واللہ یہ سچے ہیں۔ یہ قریش کے غلام ہیں۔ ہاں جی بتلاؤ قریش کا لشکر کہاں ہے؟ انہوں نے کہا وادی قصویٰ کے اس طرف اس ٹیلے کے پیچھے۔ آپ نے فرمایا وہ تعداد میں کتنے ہیں؟ انہوں نے کہا بہت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا آخر کتنے ہوں گے؟ انہوں نے کہا تعداد تو ہمیں معلوم نہیں آپؐ نے فرمایا اچھا یہ بتلا سکتے ہو' ہر روز کتنے اونٹ کٹتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک دن نو ایک دن دس۔ آپؐ نے فرمایا' پھر تو وہ نو سو سے ایک ہزار تک ہیں۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا کہ ان میں سرداران قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوالبختری بن ہشام' حکیم بن حزام' نوفل بن خویلد' حارث بن عامر بن نوفل' طعیمہ بن عدی' نضر بن حارث' زمعہ بن اسود' ابوجہل' امیہ بن خلف نبیہ بن حجاج' منبہ بن حجاج' سہل بن عمرو' عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر آپؐ نے صحابہ سے فرمایا' لو مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف ڈال دیئے ہیں[1]۔

بدر کے دن جب دونوں جماعتوں کا مقابلہ شروع ہونے لگا' تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لئے ایک جھونپڑی بنا دیں۔ آپ وہیں رہیں۔ ہم اپنے جانوروں کو یہیں بٹھا کر میدان میں جا اتریں۔ اگر فتح ہوئی تو الحمد للہ۔ یہی مطلوب ہے ورنہ آپ ہمارے جانوروں پر سوار ہو کر انہیں ساتھ لے کر ہماری قوم کے ان حضرات کے پاس چلے جائیں' جو مدینہ شریف میں ہیں وہ ہم سے زیادہ آپ سے محبت رکھتے ہیں۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ کوئی جنگ ہونے والی ہے۔ ورنہ وہ ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑتے آپ ﷺ کی مدد کے لئے آپؐ کے ہم رکاب نکل کھڑے ہوتے۔ حضور ﷺ نے ان کے اس مشورے کی قدر کی۔ انہیں دعا دی اور اس ڈیرے میں آپ ٹھہر گئے۔ آپ کے ساتھ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے اور کوئی نہ تھا۔ صبح ہوتے ہی قریشیوں کے لشکر ٹیلے کے پیچھے سے آتے نمودار ہوئے۔ انہیں دیکھ کر آپ ﷺ نے جناب باری میں دعا کہ باری تعالیٰ یہ فخر و غرور کے ساتھ تجھ سے لڑتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لئے آ رہے ہیں۔ باری تعالیٰ تو انہیں پست و ذلیل کر۔ اس آیت کے آخری جملہ کی تفسیر سیرت ابن اسحاق میں یہ ہے کہ یہ اس لئے کہ کفر کرنے والے دلیل خداد یکھ لیں' گو کفر ہی پر رہیں اور ایمان والے بھی دلیل کے ساتھ ایمان لائیں۔ یعنی بغیر آمادگی اور بغیر شرط و قرارداد کے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور مشرکوں کی مڈبھیڑ کرادی کہ حقانیت کو باطل پر غلبہ دے کر حق کو بالکل ظاہر کر دے۔ اس طرح کہ کسی کو بالکل شک وشبہ باقی نہ رہے۔ اب جو کفر پر رہے' وہ بھی کفر کو کفر سمجھ کر رہے اور جو ایمان والا ہو جائے وہ دلیل دیکھ کر ایماندار بنے۔ ایمان ہی دلوں کی زندگی ہے اور کفر ہی اصلی ہلاکت ہے۔ جیسے فرمان قرآن ہے: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ......﴾ یعنی وہ جو مردہ تھا۔ پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کے لئے نور بنا دیا کہ اس روشنی میں وہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ تہمت کے قصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہیں کہ پھر جسے ہلاک ہونا تھا' وہ ہلاک ہو گیا۔ یعنی بہتان میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تضرع و زاری اور تمہاری دعا استغفار اور فریاد و مناجات کا سننے والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم اہل حق ہو۔ تم مستحق امداد ہو۔ تم اس قابل ہو کہ تمہیں کافروں اور مشرکوں پر غلبہ دیا جائے۔

---

[1] حضور ﷺ کا یہ ارشاد حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مزید جدو جہد اور مجاہدانہ جذبات پیدا کرنے کے لئے تھا کہ آج مکہ کے بہادر انسان تمہارے مقابلہ میں نکل آئے' اس لئے تم بھی ان کا مقابلہ پوری ہمت اور استقلال سے کرو۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۳﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۴۴﴾

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو وہ لوگ زیادہ دکھلا دیتے تو تمہاری ہمتیں ہار جاتیں اور اس امر میں تم میں باہم نزاع (اختلاف) ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے تقرر کے بارہ میں (اس کم ہمتی و اختلاف سے) بچا لیا بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو جبکہ تم مقابل ہوئے وہ لوگ تمہاری نظر میں کم کر کے دکھلا رہے تھے اور اسی طرح ان کی نگاہ میں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے تاکہ جو بات اللہ تعالیٰ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے اور سب مقدمے اللہ ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے۔ ○

نصرت و تائید ایک نئی شکل میں ☆

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خواب میں مشرکوں کی تعداد بہت کم دکھائی [1]۔ آپ نے اپنے اصحاب سے ذکر کیا۔ یہ چیز ان کی ثابت قدمی کا باعث بن گئی۔ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ آپ کو آپ کی آنکھوں سے ان کی تعداد کم دکھائی، جن آنکھوں سے آپ سوتے تھے لیکن یہ قول غریب ہے۔ جب قرآن میں منام کے لفظ ہیں تو اس کی تاویل بلا دلیل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ممکن تھا کہ ان کی تعداد کی زیادتی دلوں میں رعب بٹھا دے اور آپس میں اختلاف ہو جائے کہ آیا ان سے لڑیں یا نہ لڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات ہی سے بچا لیا اور ان کی تعداد کم کر کے دکھائی۔ خدائے پاک دلوں کے بھید سے سینے کے راز سے واقف ہے۔ منافقوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے۔ خواب میں تعداد کم دکھا کر پھر یہ بھی مہربانی فرما دی کہ بوقت جنگ بھی مسلمانوں کی نگاہوں میں وہ بہت ہی کم آئے تاکہ مسلمان دلیر ہو جائیں اور انہیں کوئی چیز نہ سمجھیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

[1] یاد رکھنا چاہئے کہ نبی کا خواب کبھی غلط نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ خواب دیکھتا ہے وہ سو فیصد صحیح ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر خواب میں خدا تعالیٰ کچھ اور دکھائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کی تعبیر اس طرح ہو سکتی ہے کہ جس وقت آپ یہ خواب دیکھ رہے تھے کفار فی الواقع کم ہی ہوں۔ اس لئے کہ ان میں بیشتر بعد میں مسلمان ہوئے۔ کفر پر قائم رہنے والے بہت ہی کم تھے۔ تو گویا کہ خدا تعالیٰ نے صرف ان ہی کو خواب میں دکھایا۔ جن بدقسمتوں کی قسمت میں کفر دائمی طور پر لکھا گیا تھا اور وہ تعداد میں کم تھے یا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب دیکھا اس وقت کافر تعداد میں کم تھے۔ ہاں خواب کے بعد پھر کفار مکہ سے پہنچ کر مشرکین کی فوج میں شامل ہوئے ہوں۔ بہر حال یہ خواب اپنی جگہ بالکل سچا تھا اور اس کے غلط ہونے کا شبہ غلط ہوگا۔

فرماتے ہیں۔ میں نے تو اندازہ کر کے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر کے قریب ہوں گے۔ اس نے پورا اندازہ کر کے کہا کہ نہیں نہیں کوئی ایک سو ہیں۔ پھر ان میں سے ایک شخص ہمارے ہاتھ میں قید ہو گیا۔ اس سے ہم نے پوچھا کہ تم کتنے ہو اس نے کہا ایک ہزار کا یہ لشکر ہے۔ پھر اسی طرح کافروں کی نظروں میں بھی خدائے حکیم نے مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی۔ اب تو ایک دوسرے پر کود پڑے۔ تاکہ رب کا کام جس کا کرنا وہ اپنے علم میں مقرر کر چکا ہے پورا ہو جائے۔ کافروں پر اپنی پکڑ اور مومنوں پر اپنی رحمت نازل فرمادے۔ پس جب تک لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی یہی کیفیت دونوں جانب رہی۔ لڑائی شروع ہوتے ہی۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے اپنے بندوں کی مدد فرمائی۔ مسلمانوں کا جتھہ بڑھ گیا اور کافروں کا زور ٹوٹ گیا۔ چنانچہ اب تو کافروں کو مسلمان اپنے سے دُگنے نظر آنے لگے اور اللہ نے مجاہدوں کی مدد کی اور آنکھوں والوں کے لئے عبرت کا خزانہ کھول دیا۔ جیسے کہ آیت: ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ......﴾ میں بیان ہوا ہے۔

پس دونوں آیتیں ایک سی ہیں۔ کم نظر آتے تھے جب تک لڑائی شروع نہیں ہوئی۔ شروع ہوتے ہی مسلمان دگنے دکھائی دینے لگے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو (ان آداب کا لحاظ رکھو ایک یہ کہ) ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو۔ امید ہے کہ تم کامیاب ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (کا لحاظ) کیا کرو اور نزاع مت کرو (نہ اپنے امام سے نہ آپس میں) ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

ذکر اللہ ایک کارآمد ہتھیار ☆

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو لڑائی کی کامیابی تدبیر اور دشمن کے مقابلہ کی شجاعت سکھا رہا ہے۔ ایک غزوے میں رسول مقبول ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا 'لوگو! دشمن سے بھڑ جانے کی تمنا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو لیکن جب دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو استقلال رکھو اور یقین مانو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کی کہ اے سچی کتاب کے نازل فرمانے والے۔ اے بادلوں کے چلانے والے اور لشکروں کو ہزیمت دینے والے خدا' ان کافروں کو شکست دے اور ان پر ہماری مدد فرما۔ (بخاری مسلم)

عبدالرزاق کی روایت ہے کہ دشمن کے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور مقابلہ کے وقت ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ وہ کو چیخیں

چلائیں۔لیکن تم خاموش رہا کرو۔طبرانی میں ہے تین وقتوں میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی پسند ہے۔تلاوت قرآن کے وقت[1] جہاد کے وقت اور جنازے کے وقت اور حدیث میں ہے' میرا کامل بندہ وہ ہے جو دشمن کے مقابلہ کے وقت بھی میرا ذکر کرتا رہے[2]۔یعنی اس حال میں بھی میرے ذکر کو مجھ سے دعا کرنے کو اور مجھ سے فریاد کرنے کو ترک نہ کرے۔حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' پوری مشغولی کے وقت یعنی جب تلوار چلتی ہو' تب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرض رکھا ہے۔حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چپ رہنا اور ذکر اللہ کرنا لڑائی کے وقت بھی واجب ہے۔پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔تو جریج نے آپ سے دریافت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد بلند آواز سے کریں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر اللہ سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک اور کوئی چیز نہیں۔اس میں بھی اولیٰ وہ ہے جس کا حکم لوگوں کو نماز میں کیا گیا ہے اور جہاد میں کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بوقت جہاد بھی اپنے ذکر کا حکم فرمایا ہے۔پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔شاعر کہتا ہے کہ عین جنگ وجدال کے وقت بھی میرے دل میں تیری یاد ہوتی ہے۔عنترہ کہتا ہے نیزوں اور تلواروں کے تیزی سے چلتے ہوئے بھی میں تجھے یاد کرتا ہوں۔پس آیت میں جناب باری نے دشمنوں کے مقابلہ کے وقت میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے اور صبر وتحمل کا حکم دیا کہ بزدلی نہ دکھاؤ۔اللہ کو یاد کرو' اسے نہ بھولو۔اس سے فریاد کرو۔اس سے دعائیں کرو۔اسی پر بھروسہ رکھو۔اس سے مدد طلب کرو۔یہی کامیابی کے گر ہیں۔اس وقت بھی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔وہ جو فرمائیں بجا لاؤ۔جن سے روکیں رک جاؤ۔آپس میں جھگڑے اور اختلاف نہ پھیلاؤ۔ورنہ ذلیل ہو جاؤ گے۔بزدلی جم جائے گی۔ہوا اکھڑ جائے گی[3]۔قوت اور تیزی جاتی رہے گی۔اقبال وترقی رک جائے گی۔دیکھو صبر کا دامن نہ چھوڑو اور یقین رکھو کہ صابروں کے ساتھ خود خدا ہوتا ہے صحابہ کرام ان احکام میں ایسے پورے اُترے کہ ان کی مثال اگلوں میں بھی نہیں' پیچھے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔یہی شجاعت یہی اطاعت رسول' یہی صبر واستقلال تھا' جس کے باعث مدد خدا شامل حال رہی اور بہت ہی کم مدت میں باوجود تعداد اور اسباب کی کمی کے مشرق ومغرب کو فتح کر لیا۔نہ صرف لوگوں کے ملکوں ہی کے مالک بنے۔بلکہ ان کے دلوں کو بھی فتح کر کے خدا کی طرف لگا دیا۔رومیوں اور فارسیوں کو' ترکوں اور صقالبہ کو' بربریوں اور حبشیوں کو' سوڈانیوں اور قبطیوں کو غرض دنیا کے کل گوروں کو کالوں کو زیر نگیں کر لیا۔اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کیا۔دین حق کو پھیلا دیا اور اسلامی حکومت کو دنیا کے کونے کونے میں جما دیا۔اللہ ان سے خوش رہے اور انہیں بھی خوش رکھے۔خیال تو رکھو کہ تیس سال میں دنیا کا نقشہ بدل دیا۔تاریخ کا ورق پلٹ دیا۔اللہ تعالیٰ ہمارا بھی ان ہی کی جماعت میں حشر کرے وہ کریم ووہاب ہے۔

---

[1] یعنی اگر کوئی شخص تلاوت کر رہا ہو تو دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ خاموشی سے سنیں: ﴿واذا قری القران فاستمعوا وانصتوا لعلکم تفلحون﴾ جہاد کے وقت خاموشی اس لئے مطلوب ہے' کہ اگر مسلمانوں کے لشکر میں شور وشیون کی صدائیں ہوں گی تو کفار ان کو مغلوب اور پریشان سمجھ کر خوش بھی ہوں گے اور اپنے عملہ کو اور زیادہ تیز کر دیں گے اور رہا جنازہ تو اس میں خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ جاہلوں کے طریقہ پر کسی شخص کے مرنے پر رونا پیٹنا خدا تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔

[2] ذکر اللہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہے' جیسا کہ آیت ربانی ہے: ﴿الا بذکر اللہ تطمئن القلوب﴾ اور اس طرح ذکر میں مشغولیت کی وجہ سے عام ہولنا کی کا احساس بھی نفسیاتی طور پر کم ہو گا۔

[3] یعنی دشمنوں کے دل پر تمہاری دھاک نہیں رہے گی اور تمہارے بداندیش تم پر غالب آ جائیں گے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾

اور ان (کافر) لوگوں کے مشابہ نہ ہونا کہ جو (اسی بدر کے واقعہ میں) اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ (دین) سے روکتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجئے جبکہ شیطان نے ان (کفار) کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمہارا حامی ہوں۔ پھر جب دونوں جماعتیں (کفار و مسلمین کی) ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگا اور یہ کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں۔ جو تم کو نظر نہیں آتیں (مراد فرشتے) میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب منافقین اور جن کے دلوں میں (شک کی) بیماری تھی یوں کہتے تھے کہ ان (مسلمان) لوگوں کو ان کے دین نے بھول میں ڈال رکھا ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (اور) حکمت والے (بھی) ہیں۔ O

شیطانی فریب کا پردہ چاک ☆

جہاد میں ثابت قدمی نیک نیتی ذکر اللہ کی کثرت کی نصیحت فرما کر مشرکین کی مشابہت سے منع کیا جا رہا ہے کہ جیسے وہ حق کو مٹانے اور لوگوں میں اپنی بہادری دکھانے کے لئے فخر وغرور کے ساتھ اپنے شہروں سے چلے تم ایسا نہ کرنا۔ چنانچہ ابوجہل سے جب کہا گیا کہ قافلہ تو بچ گیا اب تو ہمیں واپس چلنا چاہئے۔ تو اس ملعون نے جواب دیا کہ واہ کس کا لوٹنا بدر کے پانی پر جا کر پڑاؤ کریں گے۔ وہاں شرابیں اڑائیں گے کباب کھائیں گے۔ گانا سنیں گے۔ تاکہ لوگوں میں شہرت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کے قربان جائیے۔ ان کے ارمان قدرت نے پلٹ دیئے۔ یہیں ان کی لاشیں گریں اور یہیں کے گڑھوں میں ذلت کے ساتھ ٹھوس دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال گھیر لینے والا ہے۔ ان کے ارادے اس پر کھلے ہیں۔ اسی لئے انہیں برے

وقت سے پالا پڑا۔ پس یہ مشرکین کا ذکر ہے' جو اللہ تعالیٰ کے رسول' رسولوں کے سرتاج ﷺ سے بدر میں لڑنے چلے تھے۔ ان کی گانے والیاں بھی تھیں۔ باجے گاجے بھی تھے۔ شیطان لعین ان کا پشت پناہ بنا ہوا تھا۔ انہیں پھسلا رہا تھا۔ ان کے کام کو خوبصورت دکھلا رہا تھا[1]۔ ان کے کانوں میں پھونک رہا تھا کہ بھلا تمہیں کون ہرا سکتا ہے۔ ان کے دل سے بنوبکر کا مکہ پر چڑھائی کرنے کا خوف نکال[2] رہا تھا اور سراقہ ابن مالک بن جعشم کی صورت میں ان کے سامنے کھڑے ہو کر کہہ رہا تھا کہ میں تو اس علاقہ کا سردار ہوں۔ بنو مدلج سب میرے تابع ہیں۔ میں تمہارا حمایتی ہوں' بے فکر رہو۔ شیطان کا کام بھی یہی ہے کہ جھوٹے وعدے دے۔ نہ ہونی امیدیں دلائے اور دھوکہ کی جال میں پھنسائے۔ بدر والے دن یہ اپنے جھنڈے والے لشکر کو لے کر مشرکوں کے ساتھ ہوا۔ ان کے دلوں میں ڈالتا رہا کہ بس تم بازی لے گئے۔ میں تمہارا مددگار ہوں۔ لیکن جب مسلمانوں سے مقابلہ شروع ہوا اور اس خبیث کی نظریں فرشتوں پر پڑیں' تو پچھلے پیروں بھاگا اور کہنے لگا' میں وہ دیکھتا ہوں' جس سے تمہاری آنکھیں اندھی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بدر والے دن ابلیس اپنا جھنڈا بلند کئے مدلجی شخص کی صورت میں اپنے لشکر سمیت پہنچا اور شیطان سراقہ بن مالک بن جعش کی صورت میں نمودار ہوا اور مشرکین کے دل بڑھائے' ہمت دلائی۔ جب میدان جنگ میں صف بندی ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے مٹی کی مٹھی بھر کر مشرکوں کے منہ پر ماری۔ اس سے ان کے تو قدم اُکھڑ گئے اور ان میں بھگدڑ پڑ گئی۔ حضرت جبریل علیہ السلام شیطان کی طرف چلے۔ اس وقت یہ ایک مشرک کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تھا۔ آپ کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر اپنے لشکر سمیت بھاگ کھڑا ہوا۔ اس شخص نے کہا' سراقہ تم تو کہہ رہے تھے کہ تم ہمارے حمایتی ہو۔ یہ پھر کیا کر رہے ہو؟ یہ ملعون چونکہ فرشتوں کو دیکھ رہا تھا' کہنے لگا' میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں تو خدا سے ڈرنے والا آدمی ہوں[3]۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب بڑے بھاری ہیں۔

اور روایت میں ہے کہ اسے پیٹھ پھیرتا دیکھ کر حارث بن ہشام نے پکڑ لیا۔ اس نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا جس سے یہ بے ہوش ہو کر گر پڑا' تو اوروں نے کہا کہ سراقہ تو اس حال میں ہمیں ذلیل کرتا ہے اور ایسے وقت میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے۔ وہ کہنے لگا ہاں ہاں میں تم سے بری الذمہ اور بے تعلق ہوں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر تھوڑی سی دیر کے لئے ایک طرح کی بے خودی سی طاری ہو گئی۔ پھر ہوشیار ہو کر فرمانے لگے صحابیو! خوش ہو جاؤ۔ یہ ہیں تمہاری دائیں جانب حضرت جبریل علیہ السلام اور یہ ہیں تمہاری بائیں طرف میکائیل

---

[1] آدمی کو جب اپنے برے کام اچھے معلوم ہونے لگیں تو سمجھنا چاہئے کہ یہ وسوسۂ شیطانی ہے اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ اب برے کام قطعاً نہیں چھوٹیں گے۔ بھلا وہ بیمار جو اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہو اور اپنی بیماری کو صحت۔ وہ کب علاج و معالجہ کی طرف متوجہ ہوگا اور کیوں اس کی بیماری جائے گی۔

[2] قریش کی بنو کنانہ سے ہمیشہ کی چھیڑ چھاڑ اور دشمنی تھی۔ جس وقت قریشی لشکر مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلا تو ان کو یہ خطرہ دامن گیر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بنو کنانہ ہماری راہ میں مزاحم ہوں۔ شیطان نے یہ سوچ کر کہ کہیں قریش اس خطرہ کی وجہ سے مسلمانوں کے مقابلہ سے ہٹ نہ جائیں۔ فوراً بنو کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں خود کو پیش کیا اور قریش کو خوب بہکایا اور حمایت کا یقین دلایا۔ لیکن وقت پر بھاگ نکلا۔ شیطان اور جنات کو اپنی شکل مختلف انداز میں بدلنے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے۔ آپ گرگٹ کو دیکھتے ہیں کہ وہ لحظہ بہ لحظہ کتنے رنگ بدلتا ہے۔ بس اسی طرح ان مخلوقات کو بھی اپنی صورتوں کے بدلنے پر من جانب اللہ قدرت حاصل ہے۔

[3] یعنی اس خدائی فوج کی دہشت سے میرا دل بے قابو ہوا جاتا ہے۔ اس لئے اب مجھ میں کھڑے ہونے کی بھی تاب نہیں۔

علیہ السلام اور یہ ہیں حضرت اسرافیل علیہ السلام۔ تینوں مع اپنی فوجوں کے آ موجود ہوئے ہیں۔ ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی صورت میں مشرکوں میں تھا۔ ان کے دل بڑھا رہا تھا اور ان میں پیشگوئیاں کر رہا تھا کہ بے فکر رہو۔ آج تمہیں کوئی بھی ہرا نہیں سکتا۔ لیکن فرشتوں کے لشکر دیکھتے ہی اس نے تو منہ موڑا اور یہ کہتا ہوا بھاگا کہ میں تم سے بری ہوں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں جو تمہاری نگاہ میں نہیں آتے۔ حارث بن ہشام چونکہ اسے سراقہ سمجھے ہوئے تھا۔ اس لئے اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے اس کے سینے میں اتنی زور سے گھونسا مارا کہ یہ تو منہ کے بل گر پڑا اور شیطان بھاگ گیا۔ سمندر میں کود پڑا اور اپنا کپڑا اونچا کر کے کہنے لگا۔ خدایا میں تجھے تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ طبرانی میں حضرت رفاعہ بن رافع سے بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں' جب قریشیوں نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو انہیں بنی بکر کی جنگ یاد آ گئی اور خیال کیا کہ ایسا نہ ہو ہماری عدم موجودگی میں یہاں چڑھ دوڑیں۔ قریب تھا کہ وہ اپنے ارادے سے دست بردار ہو جائیں۔ اسی وقت ابلیس سراقہ کی صورت میں ان کے پاس آیا۔ یہ بنو کنانہ کے سرداروں میں سے تھا کہنے لگا' اپنی قوم کا میں ذمہ دار ہوں۔ تم ان سے بے کھٹکے رہو اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے سب پورے تیار ہو کر جاؤ۔ خود بھی ان کے ساتھ چلا۔ ہر منزل میں یہ اسے دیکھتے تھے۔ سب کو یقین تھا کہ سراقہ خود ہمارے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ لڑائی شروع ہوگئی۔ اس وقت یہ مردود دم دبا کر بھاگا۔ حارث بن ہشام یا عمیر بن وہب نے اسے جاتے دیکھ لیا۔ اس نے شور مچا دیا کہ سراقہ کہاں بھاگا جا رہا ہے۔ شیطان اسے موت اور دوزخ کے منہ میں دھکیل کر خود فرار ہو گیا کیونکہ اس نے خدائی لشکر کو مسلمانوں کی امداد کے لئے آتے ہوئے دیکھا۔ تو صاف کہہ دیا کہ میں تم سے بری ہوں۔ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اس بات میں تھا بھی وہ سچا۔ پھر کہتا ہے میں خدا کے خوف سے ڈرا کہ اللہ کے عذاب سخت اور بھاری ہیں۔ اس نے جبریل علیہ السلام کو فرشتوں کے ساتھ اترتے دیکھ لیا۔ سمجھ گیا کہ ان کے مقابلہ کی مجھ میں یا مشرکوں میں طاقت نہیں۔ وہ اپنے اس قول میں جھوٹا تھا کہ میں خوف خدا کرتا ہوں۔ یہ تو صرف اس کی زبانی بات تھی۔ دراصل وہ اپنے میں طاقت ہی نہیں پاتا تھا۔ یہی اس دشمن خدا کی عادت ہے کہ بھڑکاتا ہے اور بہکاتا ہے۔ حق کے مقابلہ میں لا کھڑا کر دیتا ہے پھر روپوش ہو جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے شیطان انسان کو کفر کا حکم دیتا ہے پھر جب وہ کفر کر چکتا ہے تو یہ کہنے لگتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور آیت میں ہے کہ جب کام ختم ہو جاتا ہے تو یہ کہتا ہے' خدا کے وعدے سچے ہیں۔ میں خود جھوٹا' میرے وعدے بھی سراسر جھوٹے۔ میرا تم پر کوئی زور دعویٰ تو تھا نہیں' تم نے تو آپ میری آرزو پر گردن جھکا دی۔ اب مجھے سرزنش نہ کرو۔ خود اپنے تئیں ملامت کرو۔ نہ میں تمہیں بچا سکوں نہ تم میرے کام آ سکو۔ اس سے پہلے تو تم مجھے شریک خدا بنا رہے تھے۔ میں تو آج اس کا بھی انکاری ہوں۔ یقین مانو کہ ظالموں کے لئے دکھ کی مار ہے۔

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میری آنکھیں آج بھی ہوتیں تو میں تمہیں بدر کے میدان میں وہ گھاٹی دکھا دیتا' جہاں سے فرشتے آتے تھے۔ بے شک وشبہ مجھے وہ معلوم ہے۔ انہیں ابلیس نے دیکھ لیا اور خدا نے انہیں حکم دیا کہ مومنوں کو ثابت قدم رکھو۔ یہ لوگوں کے پاس ان کے جان پہچان کے آدمیوں کی شکل میں آتے تھے اور کہتے تھے' خوش ہو جاؤ' یہ کافر بھی کوئی چیز ہیں اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔ بے خوفی کے ساتھ شیر کا سا حملہ کر دو۔ ابلیس یہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اب تک وہ سراقہ کی شکل میں کفار میں موجود تھا۔ ابو جہل نے یہ حال دیکھ کر اپنے لشکروں میں گشت شروع کیا۔ کہہ رہا

تھا کہ گھبراؤ نہیں۔ اس کے بھاگ کھڑے ہونے سے دل تنگ نہ ہو جاؤ' یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے سیکھا پڑھا آیا تھا کہ تمہیں عین موقعہ پر بزدل کر دے۔ کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ لات وعزیٰ کی قسم آج ان مسلمانوں کو ان کے نبی سمیت گرفتار کر لیں گے۔ نامردی نہ کرو۔ دل بڑھاؤ اور سخت حملہ کر دو۔ دیکھو خبردار انہیں قتل نہ کرنا۔ زندہ پکڑنا تا کہ انہیں دل کھول کر سزائیں دیں۔ یہ بھی اپنے زمانے کا فرعون ہی تھا۔ اس نے بھی جادوگروں کے ایمان لانے پر کہا تھا کہ یہ صرف تمہارا ایک مکر ہے کہ یہاں سے تم ہمیں نکال دو۔ اس نے بھی کہا تھا کہ جادوگرو! یہ موسیٰ (علیہ السلام) تمہارا استاد ہے حالانکہ یہ محض اسکا فریب تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' عرفہ کے دن جس قدر ابلیس حقیر و ذلیل رسوا اور درماندہ ہوتا ہے اتنا کسی اور دن نہیں دیکھا گیا کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عام معافی اور عام رحمت اُترتی ہے۔ ہر ایک کے گناہ عموماً معاف ہو جاتے ہیں۔ ہاں بدر کے دن اس کی ذلت و رسوائی کی کچھ نہ پوچھو۔ جبکہ اس نے دیکھا کہ فرشتوں کی فوجیں جبریل علیہ السلام کی سرکردگی میں آ رہی ہیں۔ جب دونوں فوجیں صف بندی کر کے آمنے سامنے آ گئیں تو اللہ کی قدرت و حکمت سے مسلمان کافروں کو بہت کم نظر آنے لگے اور کافر مسلمانوں کی نگاہوں میں کم جچنے لگے۔ اس پر کافروں نے قہقہہ لگایا کہ دیکھو مسلمان کیسے مذہبی دیوانے ہیں۔ مٹھی بھر آدمی ہم ایک ہزار کے لشکر سے ٹکرا رہے ہیں۔ ابھی کوئی دم میں ان کا چورا ہو جائے گا۔ پہلے ہی حملہ میں وہ شکست کھائیں گے کہ سر سہلاتے رہ جائیں گے۔ اللہ رب العالمین فرماتا ہے انہیں نہیں معلوم کہ یہ متوکلین کا گروہ ہے۔ ان کا بھروسہ اس پر ہے جو غلبہ کا مالک ہے' جو حکمت کا مالک ہے۔ خدا کے دین کی سختی مسلمانوں میں محسوس کر کے ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ انہیں مذہبی دیوانگی ہے۔ دشمن خدا ابوجہل ملعون ٹیلہ پر سے جھانک کر اللہ والوں کی کمی اور بے سروسامانی دیکھ کر گدھے کی طرح پھول گیا اور کہنے لگا' لو پالا مار لیا ہے۔ بس آج سے خدا کی عبادت کرنے والوں سے زمین خالی نظر آئے گی۔ ابھی ہم ان میں سے ایک ایک کے دو دو کر کے رکھ دیں گے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دین میں طعنہ دینے والے مکہ کے منافق تھے۔ عامر کہتے ہیں یہ چند لوگ تھے جو زبانی مسلمان ہوئے تھے۔ لیکن آج بدر کے میدان میں مشرکوں کے ساتھ تھے۔ انہیں مسلمانوں کی کمی اور کمزوری دیکھ کر تعجب معلوم ہوا اور کہا کہ یہ لوگ تو مذہبی فریب خوردہ ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ قریش کی ایک جماعت تھی۔ قیس بن ولید بن مغیرہ اور بوقیس بن فاکہ بن مغیرہ اور حارث بن زمعہ بن اسود بن عبدالمطلب اور علی بن اُمیہ بن خلف اور عاص بن منبہ بن حجاج۔ یہ قریش کے ساتھ تھے لیکن تھے یہ شک میں اور اسی میں رکے ہوئے۔ یہاں مسلمانوں کی حالت دیکھ کر کہنے لگے' یہ لوگ تو صرف مذہبی مجنون ہیں۔ ورنہ مٹھی بھر بے رسد اور بے ہتھیار آدمی اتنی ٹڈی دل شوکت و شان والی فوجوں کے سامنے کیوں کھڑے ہو جاتے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بدر کی لڑائی میں نہیں آئے۔ ان کا نام منافق رکھ دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ قوم اسلام کی اقراری تھی لیکن مشرکوں کی رو میں بہہ کر یہاں چلی آئی۔ یہاں آ کر مسلمانوں کا کمزور جتھا دیکھ کر انہوں نے یہ کہا۔ جناب باری جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے کہ جو اس مالک الملک پر بھروسہ کرے' اسے وہ ذی عزت کر دیتا ہے کیونکہ اس کی لونڈی ہے اور غلبہ اس کا غلام ہے۔ وہ بلند جناب ہے۔ وہ بڑا ذی شان ہے۔ وہ سچا سلطان ہے۔ وہ حکیم ہے۔ اس کے سب کام حکمت سے ہوتے ہیں۔ وہ ہر چیز کو اس کی ٹھیک جگہ رکھتا ہے۔ مستحقین امداد کی مدد فرماتا ہے اور مستحقین ذلت کو وہ ذلیل کرتا ہے۔ وہ سب کو جانتا ہے۔

وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۞ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۞

اور اگر آپ (اس وقت کا واقعہ) دیکھیں جبکہ فرشتے ان (موجودہ) کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں (اور) ان کے منہ پر اوران کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ (ابھی کیا ہے آگے چل کر) آگ کی سزا جھیلنا (اور) یہ عذاب ان اعمال (کفریہ) کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں۔ ○

عالم آخرت کی جانب کفار کے قدم اور فرشتوں کی پیہم ضربات ☆

کاش کہ تو اے پیغمبر! دیکھتا کہ فرشتے کس بری طرح کافروں کی روح قبض کرتے ہیں۔ وہ اس وقت ان چہروں پر اور کمر پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آگ کا عذاب اپنی بداعمالیوں کے بدلے چکھو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ بھی بدر کے دن کا ہے کہ سامنے سے ان کافروں کے چہروں پر تلواریں پڑتی تھیں اور جب بھاگتے تھے تو پیٹھ پر وار پڑتے تھے۔ فرشتے ان کا خوب گھڑمتا بنا رہے تھے۔

ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے کہا میں نے ابو جہل کی پیٹھ پر کانٹوں کے سے نشان دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ فرشتوں کی مار کے نشان ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ آیت بدر کے ساتھ مخصوص تو نہیں۔ الفاظ عام ہیں۔ ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے۔ سورۂ قتال میں بھی اس بات کا بیان ہوا ہے اور سورہ انعام کی آیت ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ......﴾ (الانعام:۹۳) میں بھی اس کا بیان مع تفسیر گزر چکا ہے۔ چونکہ یہ نافرمان لوگ تھے۔ ان کی موت کے وقت فرشتوں کے ہاتھ ان کی جانب بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں خوب مارتے ہیں۔ ان کی روحیں اپنی سیاہ کاریوں کی وجہ سے بدن سے چھپتی پھرتی ہیں۔ جنہیں فرشتے جبراً نکالتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ تیرے لئے غضب خدا ہے اور عذاب خدا ہے جیسے حضرات براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اس بری حالت میں سکرات موت کے وقت جبکہ کافر کے پاس ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں تو فرماتے ہیں اے خبیث روح چل گرم ہواؤں اور گرم سائے کی طرف۔ پس وہ روح بدن میں چھپتی پھرتی ہے۔ آخر اسے جبراً گھسیٹا جاتا ہے۔ جس طرح کسی زندہ شخص کی کھال کو اُتارا جائے۔ اسی کے ساتھ رگیں اور پٹھے بھی آ جاتے ہیں۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں اب جلنے کا مزہ چکھو۔ یہ تمہاری دنیوی بداعمالی کی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں۔ وہ تو عادل حاکم ہے۔ برکت و بلندی، غنا اور پاکیزگی والا بزرگ اور تعریفوں والا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف کی حدیث قدسی میں ہے کہ میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی حرام کر دیا ہے۔ پس آپس میں کوئی کسی پر ظلم وستم نہ کرے۔ میرے بندو! میں تو صرف تمہارے کئے ہوئے اعمال ہی کو گھیرے ہوں۔ بھلائی پا کر میری تعریفیں کرو اور اس کے سوا کچھ اور دیکھو تو اپنے تئیں ہی ملامت کرو۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

ان کی حالت ایسی ہے جیسے فرعون والوں کی اور ان سے پہلے کے کافر لوگوں کی حالت تھی کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کا انکار کیا۔ سو خدا تعالیٰ نے ان کے (ان) گناہوں پر ان کو پکڑ لیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں۔ ○

فرعون اور اس کی ہلاکت ☆

ان کافروں نے بھی تیرے ساتھ وہی کیا جو ان سے پہلے کافروں نے اپنے نبیوں کے ساتھ کیا تھا۔ ہم نے بھی ان کے ساتھ وہی کیا جو ہم نے ان سے اگلوں کے ساتھ کیا تھا۔ جو ان ہی جیسے تھے۔ مثلاً فرعون اور ان سے پہلے کے لوگ جنہوں نے خدا کی آیتوں کو نہ مانا' جس کے باعث خدائی پکڑ ان پر آ گئی۔ تمام قوتیں اللہ ہی کی ہیں اور اس کے عذاب بھی بڑے بھاری ہیں۔ کوئی نہیں جو اس پر غالب آ سکے۔ کوئی نہیں جو اس سے بھاگ سکے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے' جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے اور یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے ہیں بڑے جاننے والے ہیں ان کی حالت فرعون اور ان سے پہلے والوں کی سی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا اس پر ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔ ○

قانونِ فطرت ☆

اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی نعمتیں گناہوں سے پہلے نہیں چھینتا۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا' جب تک کہ وہ اپنی ان باتوں کو نہ چھوڑیں جو ان کے دلوں میں ہیں۔ جب وہ کسی قوم کی برائیوں کی وجہ سے انہیں برائی پہنچانا چاہتا ہے۔ تو اس کے ارادے کو لوٹا نہیں سکتا۔ نہ اس کے خلاف کافروں کا کوئی حمایتی ہو سکتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ فرعونیوں کے اور ان جیسے ان سے آگے والوں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں دیں۔

وہ سیاہ کاریوں میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دیئے ہوئے باغات' چشمے' کھیتیاں' خزانے' محلات اور نعمتیں' جن میں وہ مست ہو رہے تھے' سب چھین لیں۔ اس بارے میں انہوں نے اپنا برا آپ کیا۔ خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا[1]۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں۔ تو یہ ایمان نہ لائیں گے۔ جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے (کئی بار) عہد لے چکے ہیں (مگر) پھر (بھی) وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور عہد شکنی سے ڈرتے نہیں۔ سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پائیں تو ان (پر حملہ کر کے اس) کے ذریعے سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیجئے تا کہ وہ لوگ سمجھ جائیں۔ ○

کفار ایک گھناؤنی مخلوق ☆

زمین پر جتنے بھی چلتے پھرتے ہیں[2] ان سب میں بدتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے ایمان کافر ہیں جو عہد کر کے توڑ دیتے ہیں۔ ادھر قول و قرار کیا اُدھر پھر گئے۔ ادھر قسمیں کھائیں اُدھر توڑ دیں۔ نہ خدا کا خوف نہ گناہ کا ڈر۔ پس جب تو ان پر لڑائی میں غالب آ جائے تو ایسی سزا دے کہ بعد والوں کو بھی عبرت حاصل ہو وہ بھی خوف زدہ ہو جائیں تو ممکن ہے کہ اپنے ایسے کرتوت سے باز رہیں۔

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ ○

معاہدۂ جنگ بندی اور نقضِ عہد ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر کسی سے تمہارا عہد و پیان ہوا ہو اور تمہیں خوف ہو کہ یہ بدعہدی اور وعدہ خلافی کریں گے تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ برابر کی حالت میں عہد نامہ توڑ دو اور انہیں اطلاع کر دو تا کہ وہ بھی صلح کے خیال میں رہیں۔

[1] بلکہ ناقدروں سے کوئی چیز چھین لینا عین انصاف ہے۔

[2] یعنی تمام مخلوقات میں۔

کچھ دن پہلے ہی انہیں خبر کر دو۔ اللہ خیانت کو ناپسند کرتا ہے۔ کافروں سے بھی خیانت تم نہ کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لشکروں کو سرحد روم کی طرف بڑھانا شروع کر دیا' کہ مدت صلح ختم ہوتے ہی ان پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ تو ایک شیخ اپنی سواری پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ وعدہ پورا کرو۔ عذر درست نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کسی دوسری قوم سے عہد و پیمان ہو جائے تو نہ کوئی گرہ کھولو نہ باندھو[1] جب تک مدت صلح ختم نہ ہو جائے یا انہیں اطلاع دے کر عہد نامہ چاک نہ ہو جائے۔ جب یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو آپ نے اسی وقت فوج کو واپسی کا حکم دے دیا یہ شیخ حضرت عمرو بن عنبسہ تھے رضی اللہ عنہ۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک شہر کے قلعہ کے پاس پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم مجھے بلاؤ میں تمہیں بلاؤں گا۔ جیسے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں بلاتے دیکھا ہے۔ پھر فرمایا میں بھی ان ہی میں سے ایک شخص تھا۔ پس مجھے اللہ عزوجل نے اسلام کی ہدایت کی۔ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ' تو جو ہمارا حق ہے وہی تمہارا حق ہوگا اور جو ہم پر ہے تم پر بھی وہی ہوگا اور اگر تم اسے نہیں مانتے تو ذلت کے ساتھ تمہیں جزیہ دینا ہوگا۔ اسے بھی قبول نہ کرو تو ہم تمہیں ابھی سے مطلع کرتے ہیں۔ جبکہ ہم تم برابری کی حالت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ تین دن تک انہیں اسی طرح دعوت دی۔ آخر چوتھے روز صبح ہی صبح حملہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فتح دی اور مدد فرمائی۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾

اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ (خدا تعالیٰ) کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعے سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو ان پر جو کفر کی وجہ سے اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے لئے کچھ کمی نہ ہوگی۔ ○

جہاد کی تیاری ☆

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہم سے بھاگ نکلے۔ ہم اب ان کو پکڑ نہیں سکتے۔ بلکہ وہ ہر وقت ہمارے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے اور آیت میں ہے برائیاں کرنے والے ہم سے آگے نہیں بڑھ

[1] مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا اقدام نہ کرو جس سے نقض عہد کا شبہ ہو۔

سکتے۔ فرماتا ہے کہ کافر یہاں ہمیں ہرا نہیں سکتے۔ وہاں ان کا ٹھکانا آگ ہے جو بدترین جگہ ہے اور فرمان ہے' کافروں کا شہروں میں آنا جانا چلنا[1] پھرنا کہیں تجھے دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ یہ تو معمولی سی پونجی ہے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو برا بستر ہے۔

پھر مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنی طاقت وامکان کے مطابق ان کفار کے مقابلہ کے لئے ہر وقت مستعد رہو' جو قوت طاقت جو گھوڑے' لشکر رکھ سکتے ہو' موجود رکھو' مسند میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے منبر پر قوت کی تفسیر تیراندازی سے کی اور دو مرتبہ یہی فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ تیراندازی کیا کرو۔ سواری کیا کرو اور تیراندازی گھوڑا سواری سے بہتر ہے۔ فرماتے ہیں گھوڑوں کے پالنے والے تین قسم کے ہیں ایک تو اجر و ثواب پانے والے۔ ایک نہ ثواب نہ عذاب۔ ایک عذاب بھگتنے والے۔ جو جہاد کے ارادہ سے پالے' اس کا گھوڑا تو چرے چگے' چلے پھرے' جو کرے' اس پر ثواب ملتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اپنی رسی توڑ کر کہیں چڑھ جائے تو بھی اس کے نشانات قدم اور اس کی لید پر بھی اسے نیکیاں ملتی ہیں۔ کسی نہر پر گزرتے ہوئے وہ پانی پی لے' گو مجاہد نے پلانے کا ارادہ نہ بھی کیا ہو تاہم اسے نیکیاں ملتی ہیں بس یہ گھوڑا تو اس کے پالنے والے کے لئے بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ ہے اور جس شخص نے گھوڑا پالا کہ وہ دوسروں سے بے پروا ہو[2] جائے پھر خدا کا حق بھی اس کی گردن اور اس کی سواری میں نہ بھولا[3]۔ یہ اس کے لئے پردہ ہے۔ یعنی نہ اسے اجر نہ اسے گناہ۔ تیسرا وہ شخص جس نے فخر وریا کے طور پر پالا اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے' وہ اس کے لئے وبال ہے اور اس کی گردن پر بوجھ ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ اچھا گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا اس کے بارے میں کوئی آیت اُتری نہیں۔ ہاں یہ جامع عام آیت موجود ہے کہ جو شخص ایک ذرے کے برابر نیکی کرے گا' وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ایک ذرے کے برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں' گھوڑے تین طرح کے ہیں' رحمان کے' شیطان کے اور انسان کے۔ اس میں ہے کہ' شیطانی گھوڑے وہ ہیں جو گھڑ دوڑ کی شرطیں لگانے اور جوئے بازی کرنے کے لئے ہوں۔ اکثر علما کا قول ہے کہ تیراندازی گھوڑا سواری سے افضل ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں۔ لیکن جمہور کا قول قوی ہے کیونکہ حدیث میں بھی آ چکا ہے۔ حضرت معاویہ بن جریج حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ اس وقت وہ اپنے گھوڑے کی خدمت کر رہے تھے۔ پوچھا تم اس گھوڑے سے کیا کام لیتے ہو؟ فرمایا میرا خیال ہے کہ اس جانور کی دعا میرے حق میں قبول ہو گئی ہے۔ کہا جانور اور دعا؟ فرمایا ہاں۔ خدا کی قسم ہر گھوڑا ہر صبح دعا کرتا ہے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں میں سے ایک کے حوالے کیا ہے تو تو مجھے اس کی تمام اہل سے اور مال سے اور اولاد سے زیادہ بنا کر اس کے پاس رکھ۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر عربی گھوڑے کو ہر صبح کو دو دعائیں کرنے کی اجازت ملتی ہے...... آنحضور ﷺ فرماتے ہیں۔ گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے۔ گھوڑوں والے خدا کی مدد میں ہیں۔ اسے نیک نیتی سے جہاد کے ارادے سے پالنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص ہر وقت ہاتھ بڑھا کر خیرات کرتا ہے اور بھی حدیثیں اس بارے میں بہت سی ہیں۔

---

[1] یعنی کفار کی ظاہری شان وشوکت ممالک غیر سے ان کے روابط' ان چیزوں سے ہرگز نہ ڈرنا چاہئے۔

[2] یعنی اپنے کاروبار اور سواری یا سامان لادنے کے لئے گھوڑا پالا تا کہ وقت بے وقت مزدوروں کے ناز ونخرے سے نجات ہو جائے۔

[3] یعنی زکوٰۃ اگر واجب تھی تو اس کو ادا کیا۔

صحیح بخاری شریف میں بھلائی کی تفصیل ہے کہ اجر اور غنیمت۔ فرماتا ہے کہ اس سے تمہارے دشمن خوف زدہ اور ہیبت خوردہ رہیں گے۔ ان ظاہری مقابلے کے دشمنوں کے علاوہ اور دشمن بھی ہیں یعنی بنو قریظہ فارس اور محلوں کے شیاطین۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ اس سے مراد جنات ہیں۔ ایک منکر حدیث میں ہے جس گھر میں کوئی آزاد گھوڑا ہو وہ گھر کبھی بدنصیب نہیں ہوگا لیکن اس روایت کی نہ تو سند ٹھیک ہے نہ یہ صحیح ہے اور اس سے مراد منافق لیا گیا ہے اور یہی قول زیادہ مناسب ہے جیسے فرمان خدا ہے: ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ.....﴾ (التوبۃ: ۱۰۱) تمہارے ہر طرف دیہاتی اور مدنی منافق ہیں۔ جنہیں تم نہیں جانتے لیکن ہم ان سے خوب واقف ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جہاد میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا بدلہ پاؤ گے۔ ابوداؤد میں ہے ایک درہم کا ثواب سات سو گنا کر کے ملے گا۔ جیسا کہ آیت ﴿مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ.....﴾ (البقرہ: ۲۶۱) میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں کو ہی خیرات و صدقات دینے کا حکم دیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت: ﴿وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ.....﴾ اتری تو آپ نے فرمایا کہ کسی دین کا ہو جو بھی سوال کرے اس کے ساتھ سلوک کرو۔ یہ روایت غریب ہے ابن ابی حاتم میں ہے۔

وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾

اور اگر وہ (کفار) کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے اور وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا اور اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا بے شک وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ ○

عارضی جنگ بندی کا معاہدہ ☆

ارشاد ہے کہ جب کسی قوم کی خیانت کا خوف ہو تو اسے آگاہ کر کے عہد نامہ چاک کر ڈالو لڑائی کی اطلاع کر دو۔ اس کے بعد اگر وہ لڑائی پر آمادگی ظاہر کریں تو اللہ پر بھروسہ کر کے جہاد شروع کر دو اور اگر وہ پھر صلح پر آمادہ ہو جائیں تو پھر صلح و صفائی کر لو۔ اسی آیت کی تعمیل میں حدیبیہ والے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے نو سال کی مدت کے لئے صلح کر لی۔ جو کئی

شرائط پر طے ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عنقریب اختلاف ہوگا اور کوئی بات پیش آئی گی۔ پس اگر تجھ سے ہو سکے تو صلح ہی کر لینا (مسند امام احمد) مجاہد کہتے ہیں کہ یہ بنو قریظہ کے بارے میں اُتری ہے لیکن یہ غور طلب ہے بلکہ سارا قصبہ بدر کا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا خیال ہے کہ سورہ برأت کی آیت سیف ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ...... ﴾ (التوبۃ: ۲۹) سے منسوخ ہے لیکن یہ بھی محل نظر ہے کیونکہ اس آیت میں جہاد کا حکم طاقت و استطاعت پر ہے لیکن دشمنوں کی زیادتی کے وقت ان سے صلح کر لینی بلاشک وشبہ جائز ہے جیسے کہ اس آیت میں ہے اور جیسے کہ حدیبیہ کی صلح اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے کی۔ بس کوئی خلاف یا کوئی خصوصیت یا منسوخیت نہیں۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھ وہی تجھے کافی ہے۔ وہی تیرا مددگار ہے۔ اگر یہ دھوکہ بازی کر کے کوئی فریب دینا چاہتے ہیں اور اس درمیان میں اپنی شان وشوکت اور آلات جنگ بڑھانا چاہتے ہیں تو تو بے فکر رہ اللہ تیرا طرفدار ہے۔ وہ تجھے کافی ہے۔ اس کے مقابلہ کا کوئی نہیں۔ پھر اپنی ایک اعلیٰ نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ مہاجرین وانصار کے ذریعے صرف اپنے فضل سے تیری تائید کرائی۔ انہیں تجھ پر ایمان لانے تیری اطاعت کرنے کی توفیق دی۔ تیری مدد اور تیری نصرت پر انہیں آمادہ کیا۔ تو آپ گو روئے زمین کے خزانے خرچ کر ڈالتا۔ لیکن ان میں وہ الفت ومحبت پیدا نہ کر سکتا۔ جو اللہ تعالیٰ نے خود کر دی۔ ان کی صدیوں کی پرانی عداوتیں دور کر دیں۔ اوس خزرج انصار کے قبیلوں میں جاہلیت میں آپس میں خوب تلوار چلا کرتی تھیں۔ نور ایمان نے اس عداوت کو محبت سے بدل دیا۔ جیسے قرآن کا بیان ہے کہ اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دل ملا دیئے اور اپنے فضل سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ تم جہنم کے کنارے تک پہنچ گئے تھے لیکن اس نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کے لئے اسی طرح اپنی باتیں بیان فرماتا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حنین کی غنیمت کی تقسیم کے وقت رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ اے انصاریو! کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں پا کر خدا کی عنایت سے تمہیں راہ راست نہیں دکھائی؟ کیا تم فقیر نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے امیر کر دیا تم جدا جدا تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہارے دل ملا دیئے۔ آپ کی ہر ہر بات پر انصار کہتے جاتے تھے کہ بے شک خدا تعالیٰ اور رسول خدا ﷺ کا اس سے بھی زیادہ احسان ہم پر ہے۔ الغرض اپنی اس انعام واکرام کو بیان فرما کر اپنی عزت وحکمت کا اظہار کیا کہ وہ بلند جناب ہے اس سے اُمید رکھنے والا نااُمید نہیں رہتا۔ اس پر توکل کرنے والا سرسبز رہتا ہے۔ وہ اپنے کاموں میں اپنے حکموں میں حکیم ہے[1]۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرابت داری کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور نعمت کی ناشکری کی جاتی ہے۔ دلوں کے میل جیسی اور کوئی چیز دیکھی نہیں گئی۔

جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے اگر تو روئے زمین کے خزانے بھی ختم کر دیتا تو تیرے بس میں نہ تھا کہ ان کے دل ملا دے۔ شاعر کہتا ہے تجھ سے دھوکا کرنے والا' تجھ سے بے پروائی برتنے والا تیرا رشتہ دار نہیں بلکہ تیرا حقیقی رشتہ دار وہ ہے جو تیری آواز پر لبیک کہے اور تیرے دشمنوں کی سرکوبی میں تیرا ساتھ دے اور شاعر کہتا ہے میں نے تو خوب مل جل کر آزما کر دیکھ لیا کہ قرابت داری سے بھی بڑھ کر دلوں کا میل جول ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں نہیں جان سکا کہ یہ سب قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہی ہے یا دوسرے راویوں میں سے کسی کا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ان کی یہ محبت راہ خدا میں تھی' توحید سنت کی بنا پر تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رشتہ داریاں بھی ٹوٹ جاتی ہیں' احسان کی بھی ناشکری کی جاتی ہے لیکن جب خدا

[1] یعنی اس کا کوئی حکم مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔

کی جانب سے دل ملا دیئے جاتے ہیں انہیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ پھر آپ نے اسی جملہ کی تلاوت فرمائی۔ عبدۃ بن ابی لبابہ فرماتے ہیں میری حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے مجھ سے مصافحہ کر کے فرمایا کہ جب دو شخص خدا کی راہ میں محبت رکھنے والے آپس میں ملتے ہیں۔ ایک دوسرے سے بخندہ پیشانی ہاتھ ملاتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے۔ میں نے کہا یہ کام تو بہت آسان ہے فرمایا یہ نہ کہو یہی الفت وہ ہے جس کی نسبت جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تو روئے زمین کے خزانے خرچ کر دے تو بھی یہ تیرے بس کی بات نہیں کہ دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دے۔ ان کے اس ارشاد سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مجھ سے بہت زیادہ سمجھ دار ہیں۔ ولید بن ابی مغیث کہتے ہیں میں نے حضرت مجاہد سے سنا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا صرف مصافحہ ہی سے؟ تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ پھر آپ نے اسی جملہ کی تلاوت کی تو حضرت ولید نے فرمایا تم مجھ سے بہت بڑے عالم ہو۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں سب سے پہلے چیز جو لوگوں میں سے اُٹھ جائے گی وہ الفت و محبت ہے۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان جب اپنے بھائی سے مل کر اس سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے تیز ہوا سے۔ ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ گو وہ سمندر کے جھاگ جتنے ہوں۔

يَاۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ يَاۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کی اتباع کی ہے وہ کافی ہیں۔ اے پیغمبر آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والوں ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے اور (اسی طرح) اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آ جائیں گے۔ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کو) کچھ سمجھتے نہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے۔ سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔ ○

نڈر رہئے اور جہادی اسپرٹ پیدا کیجئے ☆

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو اور مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلا رہا ہے اور انہیں اطمینان دلا رہا ہے کہ وہ انہیں دشمنوں پر غالب کرے گا گو وہ ساز و سامان والے اور ٹڈی دل ہوں اور گو مسلمان بے سرو سامان اور مٹھی بھر ہوں۔ فرماتا ہے اللہ کافی ہے اور جتنے مسلمان تیرے ساتھ ہوں گے۔ وہی کافی ہوں گے۔ پھر اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہو۔ حضور ﷺ صف بندی کے وقت' مقابلہ کے وقت برابر فوجوں کا دل بڑھاتے رہتے۔ بدر کے دل فرمایا' اُٹھو اس جنت کو حاصل کرو' جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی ہے[1]۔ حضرت عمیر بن حمام ؓ کہتے ہیں اتنی چوڑائی؟ فرمایا ہاں ہاں اتنی ہی۔ اس نے کہا واہ وا۔ آپ ؐ نے فرمایا یہ کس ارادہ سے کہا؟ کہا اس امید پر کہ اللہ مجھے بھی جنتی کر دے۔ آپ ؐ نے فرمایا میری پیشگوئی ہے کہ تو جنتی ہے۔ وہ اُٹھتے ہیں' دشمن کی طرف بڑھتے ہیں' اپنی تلوار کا میان توڑ دیتے ہیں۔ کچھ کھجوریں جو پاس ہیں کھانی شروع کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں' انہیں کھاؤں' اتنی دیر تک بھی اب یہاں ٹھہرنا مجھ پر شاق ہے۔ انہیں ہاتھ سے پھینک دیتے ہیں اور حملہ کر کے شیر کی طرح دشمن کے بیچ میں گھس جاتے ہیں اور جوہر تلوار دکھاتے ہوئے کافروں کی گردنیں مارتے ہوئے راہ خدا میں شہید ہو جاتے ہیں رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ ابن المسیب اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے وقت اُتری جبکہ مسلمانوں کی تعداد پوری چالیس کی ہوئی۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ اس لئے کہ آیت مدنی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام واقعہ مکہ شریف کا ہے۔ حبشہ کی ہجرت کے بعد کا اور مدینہ کی ہجرت سے پہلے کا۔ واللہ اعلم۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو بشارت دیتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ تم میں سے بیس ان کافروں میں سے دو سو پر غالب آئیں گے ایک سو ایک ہزار پر غالب رہیں گے۔ غرض ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ کا ہے۔ پھر حکم تو منسوخ ہو گیا لیکن بشارت باقی ہے۔ جب یہ حکم مسلمانوں پر گراں گزرا ایک دس کے مقابلہ سے ذرا جھجکا تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے بوجھ ہلکا کر دیا...... لیکن جتنی تعداد کم ہوئی اتنا ہی صبر ناقص ہو گیا۔ پہلے حکم تھا کہ بیس مسلمان دو سو کافروں سے پیچھے نہ ہٹیں۔ اب یہ ہوا کہ اپنے سے دگنی تعداد یعنی سو دو سو سے نہ بھاگیں۔ پس گرانی گزرنے پر ضعیفی اور ناتوانی کو قبول فرما کر خدا نے تخفیف کر دی۔ پس دگنی تعداد کے کافروں سے تو لڑائی میں پیچھے ہٹنا لائق نہیں۔ ہاں اس سے زیادتی کے وقت طرح دے جانا جرم نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت ہم صحابیوں کے بارے میں اُتری ہے۔ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا پہلا حکم اُٹھ گیا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (۶۷) لَوْلَا

[1] یعنی زمین و آسمان سے زیادہ وسیع ہے۔ اس پر حیرت ہی کیوں ہے۔ مومن کے قلب میں تو اتنی وسعت ہے کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے مطابق خدا تعالیٰ کا عرش مومن ہی کا قلب ہے۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

نبی کے شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیئے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کرلیں۔ تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کی مصلحت کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اس کے بارہ میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی۔ سو جو کچھ تم نے لیا ہے سو جو کچھ تم نے لیا ہے۔ اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں۔ ○

ایک غیر مناسب اقدام ☆

مسند احمد میں ہے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول مقبول ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ لیا کہ اللہ نے انہیں تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے۔ بتلاؤ کیا ارادہ ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہما بن خطابؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ان کی گردنیں اڑادی جائیں۔ آپ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا' انہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے بس میں کر دیا ہے یہ کل تک تمہارے بھائی بند ہی تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنا جواب دہرایا۔ آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور پھر وہی فرمایا۔ اب کی دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہماری رائے میں تو آپ ان کی خطا سے درگزر فرمالیجئے اور انہیں فدیہ لے کر آزاد کیجئے۔ اب آپ کے چہرے سے غم کے آثار جاتے رہے۔ عفو عام کر دیا اور فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اُتاری۔ اسی سورت کے شروع میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں بھی اسی جیسی حدیث ہے کہ بدر کے دن آپ نے دریافت فرمایا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کی قوم کے ہیں۔ آپ والے ہیں۔ انہیں زندہ چھوڑا جائے۔ ان سے توبہ کرالی جائے کیا عجب کہ کل خدا ان پر مہربان ہو جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ یہ ہیں آپ کے جھٹلانے والے۔ آپ کو نکال دینے والے۔ حکم دیجئے کہ ان کی گردنیں ماری جائیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس میدان میں درخت بکثرت ہیں۔ آگ لگوا دیجئے اور انہیں جلا دیجئے۔ آپ خاموش ہو رہے۔ کسی کو کوئی جواب نہیں دیا اور اُٹھ کر تشریف لے گئے۔ لوگوں میں بھی ان تین بزرگوں کی رائے کا ساتھ دینے والے ہو گئے۔ اتنے میں آپ پھر تشریف لائے اور فرمانے لگے بعض دل نرم ہوتے ہوتے دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض دل سخت ہوتے ہوتے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں[1]۔ اے ابوبکرؓ تمہاری مثال تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے کہ خدا سے عرض کرتے ہیں کہ میرے تابعدار تو میرے ہی ہیں لیکن میرے مخالف بھی تیری معافی اور بخشش کے ماتحت ہیں اور تمہاری مثال

[1] حق کے بارے میں شدت بری نہیں بلکہ بعض مواقع پر تو مطلوب بھی ہے۔ خود آنحضور ﷺ کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے معاملات میں خواہ آپ ﷺ کو کتنی ہی تکالیف پہنچی ہو کبھی کسی سے مواخذہ نہیں کیا لیکن اگر کوئی شخص کسی حدود اللہ کو توڑتا تو آپ ﷺ اس درجہ غضب ناک ہو جاتے کہ الامان والحفیظ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جو کہیں گے کہ خدایا اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو عزیز وحکیم ہے اور اے عمرؓ! تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم پر بدعا کی کہ خدا زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا باقی نہ رکھ۔

سنو! تمہیں اس وقت احتیاج ہے ان قیدیوں میں سے کوئی بھی بغیر فدیہ کے رہا نہ ہو ورنہ ان کی گردنیں ماری جائیں اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے درخواست دی کہ یا رسول اللہ ﷺ سہیل بن بیضا کو اس سے مخصوص کرلیا جائے۔ اس لئے کہ وہ اسلام کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اس پر حضور ﷺ خاموش ہو گئے۔ واللہ میں سارا دن خوف زدہ رہا کہ کہیں مجھ پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں۔ یہاں تک کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ مگر سہیل بن بیضا اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث ترمذی مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ ان قیدیوں میں عباس بھی تھے۔ انہیں ایک انصاری نے گرفتار کیا تھا۔ انصار کا خیال تھا کہ اسے قتل کر دیں۔ آپ کو بھی یہ حال معلوم تھا۔ آپ نے فرمایا رات کو مجھے اس خیال سے نیند نہیں آئی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اجازت دیں تو میں انصار کے پاس جاؤں۔ آپ نے اجازت دی۔ حضرت انصار کے پاس آئے اور کہا کہ عباس کو چھوڑ دو۔ انہوں نے جواب دیا' واللہ ہم اسے نہ چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا گو جناب رسول اللہ ﷺ کی خوشی اسی میں ہے؟ انہوں نے کہا اگر یہ ہے تو آپ انہیں لے جائیے۔ ہم نے بخوشی چھوڑا۔ اب حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ عباس مسلمان ہو جاؤ۔ واللہ تمہارے اسلام لانے سے مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے بھی زیادہ خوشی ہو گی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے اسلام لانے سے خوش ہو جائیں گے۔ ان قیدیوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ابوبکرؓ سے مشورہ لیا تو آپ نے جواب دیا کہ سب ہمارے ہی کنبے قبیلے کے لوگ ہیں۔ انہیں چھوڑ دیجئے۔ حضرت عمرؓ سے جب مشورہ لیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ آخر آپ نے فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اپنے صحابہ کو اختیار دیجئے کہ وہ ان دو باتوں میں سے ایک کو پسند کرلیں۔ اگر چاہیں تو فدیہ لے لیں اور اگر چاہیں تو ان قیدیوں کو قتل کر دیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ فدیہ لینے کی صورت میں اگلے سال ان میں سے اتنے ہی شہید ہوں گے۔ صحابہ نے کہا ہمیں یہ منظور ہے اور ہم فدیہ لے کر چھوڑیں گے۔ (ترمذی' نسائی وغیرہ) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ ان بدری قیدیوں کے بارے میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اگر چاہو تو انہیں قتل کر دو اور اگر چاہو ان سے زر فدیہ وصول کر کے انہیں رہا کر دو لیکن اس صورت حال میں اتنے ہی آدمی تمہارے شہید کئے جائیں۔ پس ان ستر شہیدوں میں سب سے آخر میں حضرت ثابت بن قیس تھے رضی اللہ عنہ جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ یہ روایت حضرت ابوعبیدہ سے مرسلاً بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر پہلے ہی سے خدا کی کتاب میں تمہارے لئے مال غنیمت حلال نہ لکھا ہوا ہوتا اور جب تک ہم بیان نہ فرمائیں' تب تک عذاب نہیں کیا کرتے۔ ایسا دستور ہمارا نہ ہوتا تو جو مال فدیہ تم نے لیا ہے اس پر تمہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا۔ اسی طرح پہلے سے خدا تعالیٰ طے کر چکا ہے کہ کسی بدری صحابی کو وہ عذاب نہیں کرے گا۔ ان کے لئے مغفرت طے ہو گئی ہے۔ ام الکتاب میں تمہارے لئے مال غنیمت کی حلت لکھی جا چکی ہے۔ پس مال غنیمت تمہارے لئے حلال طیب ہے' شوق سے کھاؤ پیو اور اپنے کام میں لاؤ۔ پہلے لکھا جا چکا تھا کہ اس امت کے لئے یہ حلال ہے یہی قول امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ ہے اور اس کی تائید

بخاری ومسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔حضور ﷺ فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں ۔ مہینے بھر کی فاصلہ تک میری مدد رعب سے کی گئی۔ میرے لئے تمام زمین پاک اور نماز کی جگہ بنادی گئی۔ مجھ پر غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں۔ مجھے شفاعت عطا فرمائی گئی۔ ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا لیکن میں عام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔آپ فرماتے ہیں کسی سیاہ سر والے انسان کے لئے میرے سوا غنیمت حلال نہیں کی گئی۔ پس صحابہ نے ان بدری قیدیوں سے فدیہ لیا۔ ابوداؤد میں ہے ہر ایک سے چار سو کی رقم بطور تاوان جنگ کے وصول کی گئی۔ پس جمہور علمائے کرام کا مذہب یہ ہے کہ امام وقت کو اختیار ہے کہ اگر چاہے قیدی کفار کو قتل کر دے۔ جیسے کہ بنو قریظہ کے قیدیوں کے ساتھ حضور ﷺ نے کیا۔ اگر چاہے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دے۔ جیسے کہ بدری قیدیوں کے ساتھ حضور ﷺ نے کیا۔ یا مسلمان قیدیوں کے بدلے چھوڑ دے۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے قبیلہ مسلمہ بن اکوع کی ایک عورت اور اس کی لڑکی کو مشرکوں کے پاس جو مسلمان قیدی تھے ان کے بدلے میں دیا اور اگر چاہے انہیں غلام بنا کر رکھے۔ یہی مذہب امام شافعی کا ہے اور علمائے کرام کی ایک جماعت کا ہے۔ گو اوروں نے اس کا اختلاف بھی کیا ہے۔ یہاں اس کے بسط کی جگہ نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے (دنیا میں) اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور آخرت میں تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں اور اگر (بالفرض) یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت (نقض عہد) کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو (کچھ فکر نہ کیجئے) اس سے پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفتار کرا دیا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔ ○

جزا یا سزا ☆

بدر والے دن آپؐ نے فرمایا تھا کہ مجھے یقیناً معلوم ہے کہ بعض بنو ہاشم وغیرہ زبردستی اس لڑائی میں نکالے گئے ہیں۔ انہیں ہم سے لڑائی کرنے کی خواہش نہ تھی۔ پس بنو ہاشم کو قتل نہ کرنا۔ ابوالبختری ابن ہشام کو بھی قتل نہ کیا جائے۔ عباس بن عبدالمطلب کو بھی قتل نہ کیا جائے۔ اسے بھی بادل نخواستہ ان لوگوں نے اپنے ساتھ کھینچا ہے۔ اس پر ابوحذیفہ بن عتبہ نے کہا کہ ہم اپنے باپ دادوں کو اپنے بچوں کو اپنے کنبے قبیلے کو تو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ واللہ اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کی گردن ماروں گا جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اے ابوحفص کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا کے منہ پر تلوار

ماری جائے گی۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا دن تھا جس میں رسول اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت سے مجھے یاد فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ابو حذیفہ کی گردن اُڑا دوں۔ واللہ اعلم وہ تو منافق ہو گیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' واللہ مجھے اپنے اس دن کے قول کا کھٹکا آج تک ہے۔ میں اس سے اب تک ڈر رہا ہوں۔ میں تو اس دن چین پاؤں گا جس دن اس کا کفارہ ہو جائے' اور وہ یہ ہے کہ میں راہ خدا میں شہید کر دیا جاؤں۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں آپ شہید ہوئے رضی اللہ عنہ وارضاء۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں جس دن بدری قیدی گرفتار ہو کر آئے' رسول اللہ ﷺ کو اس رات نیند نہ آئی۔ صحابہؓ نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا میرے چچا عباس کی آہ و بکا کی آواز میرے کانوں میں ان قیدیوں میں سے آ رہی ہے۔ صحابہ نے اس وقت ان کی قید کھول دی۔ تب آپ کو نیند آئی۔ انہیں ایک انصاری صحابی نے گرفتار کیا تھا۔ یہ بہت مالدار تھے۔ انہوں نے سو اوقیہ سونا اپنے فدیہ میں دیا۔ بعض انصاریوں نے سرکار نبوت میں گزارش کی بھی کہ ہم چاہتے ہیں اپنے چچا عباس کو بغیر کوئی زر فدیہ لئے آزاد کر دیں۔ لیکن مساوات کے علمبردار ﷺ نے فرمایا' ایک دھیلا بھی کم نہ لینا۔ پورا فدیہ لو۔ قریش نے فدیہ کی رقمیں دے کر اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے قیدی کی من مانی رقم وصول کی۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو مسلمان ہی تھا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے تمہارے اسلام کا علم ہے۔ اگر یہ تمہارا قول صحیح ہے تو اللہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا لیکن چونکہ احکام ظاہر ہیں اس لئے آپ اپنا فدیہ ادا کیجئے بلکہ اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی۔ نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کا اور عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب کا اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا۔ جو بنو حارث ابن فہر کے قبیلے سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس تو اتنا مال نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ مال کہاں گیا' جو تم نے اور ام الفضل نے زمین میں دفن کیا ہے اور تم نے کہا ہے کہ اگر میں اپنے اس سفر میں کامیاب رہا تو یہ مال بنو ابو الفضل اور عبداللہ اور قثم کا ہے۔

اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ واللہ میرا یقین ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس دفینے کے واقعہ کو بجز میرے اور ام الفضل کے کوئی نہیں جانتا۔ اچھا یوں کیجئے میرے پاس سے بیس اوقیہ سونا آپ کے لشکریوں کو ملا ہے۔ اسی کو میرا زر فدیہ سمجھ لیا جائے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں' وہ مال تو ہمیں خدا نے اپنے فضل سے دلوا ہی دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا اور اپنے حلیف کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کیا۔ اس بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت اُتاری کہ اگر تم میں بھلائی ہے تو اللہ اس سے بہتر بدلہ تمہیں دے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کا یہ فرمان پورا اُترا اور ان بیس اوقیہ کے بدلے مجھے اسلام میں خدا نے بیس غلام دلوائے جو سب کے سب مالدار تھے۔ ساتھ ہی مجھے اللہ عزوجل کی مغفرت کی بھی امید ہے۔ آپ فرماتے ہیں میرے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ میں نے اپنے اسلام کی خبر حضور ﷺ کو دی اور کہا کہ میرے بیس اوقیہ کا بدلہ مجھے دلوایئے جو مجھ سے لئے گئے ہیں۔ آپ نے انکار کیا۔ الحمدللہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے بدلے مجھے بیس غلام عطا فرمائے جو سب تاجر ہیں۔ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ ہم آپ کی وحی پر ایمان لا چکے ہیں۔ آپ کی رسالت کے گواہ ہیں۔ ہم اپنی قوم میں آپ کے خیر خواہی کرتے رہے۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ خدا دلوں کے حال سے واقف ہے۔ جس کے دل میں نیکی ہوگی' اس سے جو لیا گیا ہے' اس سے بہت زیادہ دے دیا جائے گا اور پھر اگلا شرک بھی معاف کر دیا جائے گا۔ فرماتے کہ ساری دنیا مل جانے سے بھی زیادہ

خوشی مجھے اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے۔ مجھ سے جو لیا گیا۔ واللہ اس سے سوجھے زیادہ مجھے ملا اور مجھے امید ہے کہ میرے گناہ بھی ڈھل جائیں گے۔ مذکور ہے کہ جب بحرین کا خزانہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا' وہ اسی ہزار کا تھا۔ آپ نماز ظہر کے لئے وضو کر چکے تھے۔ پس آپ نے ہر ایک شکایت کرنے والے کی اور ہر ایک سوال کرنے والے کی دادرسی کی اور نماز سے پہلے ہی سارا خزانہ خرچ کر دیا۔ حضرت عباس کو حکم دیا کہ اس میں سے لے لو اور گٹھڑی باندھ کر لے جاؤ۔ پس یہ ان کے لئے بہت بہتر تھا اور خدائے تعالیٰ گناہ بھی معاف فرمائے گا۔ یہ خزانہ ابن الحضرمی نے بھیجا تھا۔ اتنا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہیں آیا۔ سب کا سب بوریوں پر پھیلا دیا گیا اور نماز کی اذان ہوئی آپ تشریف لائے اور مال کے پاس کھڑے ہو گئے۔ مسجد کے نمازی بھی آ گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو دینا شروع کیا نہ تو اس دن ناپ تول تھی نہ گنتی اور شمار تھا۔ پس جو آیا وہ لے گیا اور دل کھول کر لے گیا۔ حضرت عباس نے تو اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ لی لیکن اُٹھا نہ سکے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا اونچا کر دیجئے۔ آپ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ اتنی کہ دانت چمکنے لگے۔ فرمایا کچھ کم کر دو' جتنا اٹھے اتنا ہی لو۔ چنانچہ کچھ کم لیا اور اُٹھا کر یہ کہتے ہوئے چلے کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ایک بات تو پوری ہوتی دکھا دی اور دوسرا وعدہ بھی انشاء اللہ پورا ہو کر رہے گا۔ یہ اس سے بہتر ہے جو ہم سے لیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر اس مال کو تقسیم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس میں سے ایک پائی بھی نہ بچی۔ آپ نے اپنے اہل کو اس میں سے ایک کوڑی بھی نہیں دی۔ پھر نماز کے لئے آگے بڑھے اور نماز پڑھی۔

دوسری حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا اتنا کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد اتنا مال کبھی نہیں آیا حکم دیا کہ مسجد میں پھیلا دو۔ پھر نماز کے لئے آئے کسی کی طرف التفات نہ کیا۔ نماز پڑھا کر بیٹھ گئے۔ پھر تو جسے دیکھتے' دیتے اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی دلوایئے۔ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے لے لو۔ انہوں نے چادر میں گٹھڑی باندھی' لیکن وزنی ہونے کے باعث اُٹھا نہ سکے تو کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو حکم دیجئے کہ میرے کاندھے پر چڑھا دے۔ آپ نے فرمایا' میں تو کسی سے نہیں کہتا۔ کہا آپ ہی ذرا اُٹھوا دیجئے۔ آپ نے اس کا بھی انکار کیا۔ اب تو بادل نخواستہ اس میں سے کچھ کم کرنا پڑا' اُٹھا کر کندھے پر رکھ کر چل دیئے۔ ان کی اس مال کی محبت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں جب تک یہ آپ کی نگاہ سے اوجھل نہ ہو گئے' ان ہی پر رہیں پس جب کل مال بانٹ چکے' ایک کوڑی بھی باقی نہ بچی۔ تب آپ وہاں سے اُٹھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو کئی جگہ اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً جزم کے صیغہ کے ساتھ وارد کیا ہے۔ اگر یہ لوگ خیانت کرنی چاہیں گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں' اس سے پہلے وہ خود خدا کی خیانت بھی کر چکے ہیں۔ تو ان سے یہ بھی ممکن ہے کہ اب جو ظاہر کریں۔ اس کے خلاف اپنی دل میں رکھیں۔ اس سے تو نہ گھبرا۔ جیسے خدا تعالیٰ نے اس وقت انہیں تیرے قابو میں کر دیا ہے۔ ایسے ہی وہ ہمیشہ قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں۔ ان کے اور تمام مخلوق کے ساتھ جو کچھ وہ کرتا ہے اپنے ازلی ابدی پورے علم اور کامل حکمت کے ساتھ۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کاتب کے بارے میں اُتری ہے جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم آپ کی خیر خواہی کرتے رہیں گے۔ سدی نے اسے عام اور سب کو شامل کیا ہے۔ یہی ٹھیک بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے رستے میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے رہنے کو جگہ دی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد (صلح کا) ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں۔ ○

کارنامے اور شاہکار ☆

مسلمانوں کی قسمیں بیان ہو رہی ہیں۔ ایک تو مہاجر جنہوں نے نام خدا پر وطن ترک کیا۔ اپنے گھر بار' مال تجارت' کنبہ قبیلہ' دوست احباب چھوڑے۔ خدا کے دین پر قائم رہنے کے لئے نہ جان کو جان سمجھا نہ مال کو مال۔ دوسرے انصار مدنی جنہوں نے ان مہاجرین کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ اپنے مال میں ان کا حصہ لگا دیا۔ ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے لڑائی کی۔ یہ سب ایک ہی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان میں بھائی چارہ کرا دیا۔ انصاری اور مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ بھائی بندی قرابت داری سے بھی مقدم تھی۔ ایک دوسرے کا وارث بنتا تھا۔ آخر میں یہ منسوخ ہو گئی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں مہاجرین اور انصار سب آپس ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں اور فتح مکہ کے بعد کے آزاد کردہ مسلمان لوگ قریشی اور آزاد ثقیف آپس میں ایک دوسرے کے والی ہیں قیامت تک اور روایت میں ہے' دنیا اور آخرت میں۔ مہاجرین و انصار کی تعریف میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ فرمان ہے' ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ......﴾ (التوبۃ: ۱۰۰) پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار اور ان کے احسان کے تابعدار وہ ہیں جن سے خدا خوش ہے اور وہ اس سے خوش ہیں' اس نے ان کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جن کے درختوں کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں...... اور روایت ہے: ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ......﴾ (التوبۃ: ۱۱۷) نبی پر اور مہاجرین و انصار پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی توجہ فرمائی۔ جنہوں نے سختی کے وقت بھی آپ کی اتباع نہ چھوڑی اور آیت میں ہے ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ......﴾ (الحشر: ۸) ان مہاجر محتاجوں کے جو اپنے مالوں سے اور اپنے شہروں سے نکال دیئے گئے۔ جو خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو میں ہیں' جو خدا کی اور رسول ﷺ کی مدد میں لگے

ہوئے ہیں' یہی سچے لوگ ہیں اور جنہوں نے ان کو جگہ دی' ان سے محبت رکھی۔ انہیں کشادہ دلی کے ساتھ رکھا بلکہ اپنی ضرورت پر ان کی حاجت کو مقدم رکھا یعنی جو ہجرت کی فضیلت خدا نے ان کو دی ہے ان پر وہ ان کا حسد نہیں کرتے۔ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر انصار پر مقدم ہیں۔ علما کا اس میں اتفاق ہے۔ مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ کو ہجرت اور نصرت کا اختیار دیا تو آپ نے ہجرت کو پسند کیا۔

پھر فرماتا ہے جو ایمان لائے لیکن انہوں نے وطن ترک نہیں کیا' انہیں ان کی رفاقت حاصل نہیں۔ یہ مومنوں کی تیسری قسم ہے جو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہ تھا نہ خمس میں۔ ہاں کسی لڑائی میں شرکت کریں تو اور بات ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ جب کسی کو کسی فوجی دستے کا سپہ سالار بنا کر بھیجتے تو اسے نصیحت فرماتے کہ دیکھو اپنے دل میں اللہ کا ڈر رکھنا۔ مسلمانوں میں ہمیشہ خیر خواہانہ برتاؤ کرنا۔ جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ خدا کے ساتھ کفر کرنے والوں سے لڑو۔ اپنے دشمن مشرکوں کے سامنے تین باتیں پیش کرو۔ ان میں سے جو بھی وہ منظور کر لیں انہیں اختیار ہے۔ ان سے کہو کہ اسلام قبول کر لیں۔ اگر مان لیں تو پھر ان سے رک جاؤ اور ان کا اسلام قبول کر لو اور ان سے کہو کہ کفرستان چھوڑ دیں' مہاجرین کے شہروں کو چلے جائیں۔ تو جو حق مہاجرین کے ہیں ان کے بھی قائم ہو جائیں گے اور جو مہاجروں پر ہے' ان پر بھی ہوگا۔ ورنہ یہ دیہات کے اور مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔ ایمان کے احکام ان پر جاری رہیں گے۔ فے اور غنیمت کے مال میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کسی فوج میں شرکت کریں اور کوئی معرکہ سر کریں۔ یہ نہ مانیں تو انہیں کہو کہ جزیہ دیں۔ اگر یہ قبول کر لیں تو تم لڑائی سے رک جاؤ اور ان سے جزیہ لے لیا کرو۔ اگر ان دونوں باتوں کا انکار کریں تو اللہ کی مدد کے بھروسہ پر خدا تعالیٰ سے نصرت طلب کر کے ان سے جہاد کرو۔ جو دیہاتی مسلمان وہیں مقیم ہیں ہجرت نہیں کی۔ یہ اگر کسی وقت تم سے مدد کی خواہش کریں دشمنانِ دین کے مقابلہ پر تو ان کی مدد تم پر واجب ہے لیکن اگر مقابلہ پر کوئی ایسا قبیلہ ہے کہ تم میں اور ان میں صلح کا معاہدہ ہے تو خبردار تم عہد شکنی نہ کرنا۔ قسمیں نہ توڑنا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾

اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر اس (حکم مذکور) پر عمل نہ کرو تو دنیا میں بڑا فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ ○

فتنۂ کفر ☆

اوپر مسلمانوں کی کارسازی اور رفاقت و ولایت کا ذکر ہوا۔ اب یہاں کافروں کی نسبت بھی بیان فرما کر کافروں اور مومنوں میں دوستی کا تعلق منقطع کر دیا۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ نہ مسلمان کافر کا اور نہ کافر مسلمان کا وارث۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ صحیحین میں بھی ہے کہ مسلمان کافر اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ سنن وغیرہ میں بھی ہے' دو مختلف مذاہب والے آپس

میں ایک دوسرے کے وارث نہیں۔ اسے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ حسن کہتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک نئے مسلمان سے آپ نے عہد کیا کہ نماز قائم رکھنا' زکوٰۃ دینا' بیت اللہ شریف کا حج کرنا' رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور جب اور جہاں شرک کی آگ بھڑک اُٹھے تو اپنے تئیں ان کا مقابل اور ان سے برسر جنگ سمجھنا۔ یہ روایت مرسل ہے اور مفصل روایت میں ہے' آپ فرماتے ہیں' میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں ٹھہرا رہے۔ کیا دونوں جانب وہ لگی ہوئی آگ نہیں دیکھتا۔ ابوداؤد میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' جو مشرکوں سے خلا ملا رکھے اور ان میں ٹھہرا رہے وہ ان ہی جیسا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے' اللہ کے رسول رسولوں کے سرتاج حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جب تمہارے پاس وہ آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم رضا مند ہو تو اس کے نکاح میں دے دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں زبردست فتنہ فساد برپا ہوگا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا جب تمہارے پاس کسی شخص کا مانگا آ جائے' جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو اس کا نکاح کر دو۔ تین بار یہی فرمایا۔ آیت کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے مشرکوں سے یک سوئی نہ کی اور ایمانداروں سے ہی دوستیاں نہ رکھیں تو ایک فتنہ برپا ہو جائے گا۔ یہ اختلاط برے نتیجے دکھائے گا۔ لوگوں میں زبردست فساد برپا ہو جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

اور جو لوگ (اوّل) مسلمان ہوئے اور انہوں نے (ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی' یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں۔ ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بُری معزز روزی ہے اور جو لوگ (ہجرت نبویہ کے) بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا' سو یہ لوگ (گو فضیلت میں تمہارے برابر نہیں لیکن تاہم) تمہارے ہی شمار میں ہیں اور جو ایک رشتہ دار ہیں کتاب میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ ○

ایمان' ہجرت اور جہاد ☆

مؤمنوں کا دنیوی حکم ذکر فرما کر اب آخرت کا حال بیان فرما رہا ہے۔ ان کے ایمان کی سچائی ظاہر کر رہا ہے۔ جیسے کہ اس سورت کے شروع میں بیان ہوا ہے۔ انہیں بخشش ملے گی۔ ان کے گناہ معاف ہوں گے۔ انہیں عزت کی پاک روزی ملے گی' جو برکت والی' ہمیشگی والی طیب و طاہر ہوگی۔ قسم قسم کی لذیذ' عمدہ اور نہ ختم ہونے والی ہوگی۔ ان اتباع کرنے والے ایمان و

عمل صالح میں ان کا ساتھ دینے والے آخرت میں بھی درجوں میں ان کے ساتھ ہی ہوں گے۔ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ (التوبہ: ۱۰۰) اور ﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ (الحشر: ۱۰) میں ہے۔ متفق علیہ بلکہ متواتر حدیث میں ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا۔ جس سے محبت رکھتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جو کسی قوم سے محبت رکھے وہ ان میں سے ہی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا حشر بھی ان ہی کے ساتھ ہوگا۔ مسند احمد کی حدیث گزر چکی ہے کہ مہاجر و انصار آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ فتح مکہ کے بعد کے مسلمان قریشی اور ثقیف کے آزاد شدہ آپس میں ایک ہیں۔ قیامت تک یہ سب آپس میں ولی ہیں۔ پھر اولوالارحام کا بیان ہوا۔ یہاں ان سے مراد وہی قرابت دار نہیں جو علماء فرائض کے نزدیک اس نام سے یاد کئے جاتے ہیں' یعنی جن کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور جو عصبہ بھی نہ ہوں۔ جیسے خالہ' ماموں' پھوپھی' نواسے' نواسیاں' بھانجے' بھانجیاں وغیرہ۔ بعض کا خیال یہی ہے۔ یہ آیت سے حجت پکڑتے ہیں اور اسے اپنے مسلک پر ایک واضح دلیل سمجھتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام قرابت داروں کو شامل ہے جیسے ابن عباس' مجاہد' عکرمہ' حسن' قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ناسخ ہے آپس کی قسموں پر وارث بننے کی اور بھائی چارہ پر وارث بننے کی۔ جو پہلے دستور تھا۔ پس یہ علماء فرائض کے ذوی الارحام کو شامل ہوگی خاص نام کے ساتھ اور جو انہیں وارث نہیں بناتے' ان کے پاس کئی دلیلیں ہیں۔ سب سے قوی یہ حدیث ہے کہ اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دلوا دیا ہے۔ پس کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی حقدار ہوتے تو ان کے بھی حصے مقرر ہو جاتے۔ جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔

سُوْرَةُ التَّوْبَة

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

کُل رکوع: ۱۶ کُل آیات: ۱۲۹

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ②

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے دست برداری ہے جن سے تم نے (بلا تعین مدت) عہد کر رکھا تھا۔ سو تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو اور یہ (بھی) جان رکھو کہ تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور (یہ بھی جان رکھو) کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو (آخرت میں) رسوا کریں گے۔ ○

جوارِ مکہ میں صرف مسلمان رہ سکتے ہیں ☆

یہ سُورت سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ بخاری شریف میں ہے سب سے آخر آیت: ﴿یَسْتَفْتُوْنَكَ......﴾ (النساء: ۱۷۶) اُتری اور سب سے آخر سورت برأت اُتری ہے۔ اس کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ بن عفان رضی اللہ عنہ کی اقتدا کر کے اسے قرآن میں نہیں لکھی تھی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ نے سورہ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اور سورہ برأت کو جو مئین میں سے ہے ملا دیا ہے اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور پہلے کی سات لمبی سورتوں میں انہیں رکھا؟ آپ نے جواب دیا کہ بسا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ساتھ کئی سورتیں اُترتی تھیں۔ جب آیت اُترتی آپ وحی کے لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو۔ جس میں یہ ذکر ہے۔ سورۂ انفال مدینہ شریف میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی اور سورہ برأت سب سے آخر میں اُتری تھی۔ بیانات دونوں کے ملتے جلتے ہیں مجھے ڈر لگا کہیں یہ بھی اسی میں سے نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے نہیں فرمایا کہ یہ اس میں سے ہے۔ اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو متصل لکھیں اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور سات لمبی سورتوں میں انہیں

رکھا۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ اس وقت اُترا' جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ حج کا زمانہ تھا۔ مشرکین اپنی عادت کے مطابق حج میں آ کر بیت اللہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کیا کرتے تھے۔ آپ نے ان کے ساتھ طواف کو ناپسند فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امام بنا کر اس سال مکہ شریف روانہ کیا کہ مسلمان کو احکام حج سکھائیں اور مشرکوں میں اعلان کر دیں کہ وہ آئندہ سال حج کو نہ آئیں اور برأۃ کا بھی عام لوگوں میں اعلان کر دیں۔ آپ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ آپ کا پیغام بحیثیت آپ کے نزدیکی قرابتدار کے آپ بھی پہنچا دیں۔ جیسے کہ اس کا تفصیلی بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ۔

پس فرمان ہے کہ بے تعلقی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ اعلان ان لوگوں سے کئے گئے۔ جن سے کوئی وقت معین نہ تھا۔ یا جن سے عہد چار ماہ سے کم تھا لیکن جن کا لمبا عہد تھا۔ وہ بدستور باقی رہا جیسے فرمان ہے کہ: ﴿فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ﴾ (التوبۃ: ۴) ان کی مدت پوری ہونے تک تم ان سے عہد نبھاؤ۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم سے جن کا عہد و پیمان ہے' ہم اس پر مقررہ وقت تک پابندی کریں گے۔ گو اس بارہ میں اور اقوال بھی ہیں۔ لیکن سب سے اچھا اور سب سے قوی قول یہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے عہد ہو چکا تھا' ان کے لئے چار ماہ کی حد بندی اللہ تعالیٰ نے مقرر کی اور جن سے عہد نہ تھا' ان کے لئے مہینوں کے گزر جانے کی حد بندی مقرر کر دی یعنی دس ذی الحجہ سے محرم ختم تک پچاس دن۔ اس مدت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے جنگ کرنے کی آزادی دے دی گئی ہے جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں اور جن سے عہد کیا ہے وہ دس ذی الحجہ کے اعلان کے دس سے لے کر بیس ربیع الآخر تک اپنی تیاری کر لیں۔ پھر اگر چاہیں مقابلہ پر آ جائیں۔ یہ واقعہ ۹ ہجری کا ہے۔ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تیس یا چالیس آیتیں قرآن کی اسی سورت کی دے کر بھیجا کہ آپ چار ماہ تک کی مدت کا اعلان کر دیں۔ آپ نے ان کے خیموں میں' قیام گاہوں میں جا جا کر یہ آیتیں انہیں سنا دیں اور ساتھ ہی سرور نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بھی سنا دیا کہ اس سال کے بعد حج کے لئے کوئی مشرک نہ آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی ننگا شخص نہ کرے۔ قبیلہ خزاعہ' قبیلہ مدلج اور دوسرے سب قبائل کے لئے بھی یہی اعلان تھا۔ تبوک سے واپس آ کر آپ نے حج کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن مشرکوں کا وہاں آنا اور ان کا ننگے ہو کر وہاں کا طواف کرنا آپ کو ناپسند تھا۔ اس لئے حج نہ کیا اور اس سال حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا انہوں نے ذی المجاز کے بازاروں میں اور ہر گلی کوچے اور ہر ہر پڑاؤ اور میدان میں اعلان کیا کہ چار مہینے تک کی تو شرک کو اور مشرک کو مہلت ہے۔ اس کے بعد ہماری اسلامی تلوار اپنا جوہر دکھائے گی۔ بیس دن ذی الحجہ کے۔ محرم پورا' صفر پورا اور ربیع الاول پورا اور ربیع الآخر کے دس دن۔ زہری کہتے ہیں شوال سے محرم تک ڈھیل تھی لیکن یہ قول غریب ہے اور سمجھ سے بھی بالاتر ہے کہ حکم پہنچنے سے پہلے ہی مدت شمار کیسے ہو سکتی ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳

اور اللہ اور رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین (کو امن دینے) سے پھر اگر تم (کفر سے) توبہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم نے (اسلام سے) اعراض کیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کرسکو گے اور ان کافروں کو دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔ ○

خدا کا دین غالب ہے ☆

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عام اعلان ہے۔ حج اکبر کے دن یعنی عید قربان کو جو حج کے تمام دنوں سے بڑا اور افضل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ مشرکوں سے بریٔ الذمہ اور الگ ہے۔ اگر اب بھی تم گمراہی اور شرک و برائی چھوڑ دو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ توبہ کرلو نیک بن جاؤ۔ اسلام قبول کرلو شرک و کفر چھوڑ دو اور اگر تم نے نہ مانا اپنی ضلالت پر قائم رہے تو تم نہ اب خدا کے قبضہ سے باہر ہو نہ آئندہ کسی وقت خدا کو تم عاجز بنا سکتے ہو۔ وہ تم پر قادر ہے۔ تمہاری چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ کافروں کو دنیا میں بھی سزا دے گا اور آخرت میں بھی عذاب دے گا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قربانی والے دن ان لوگوں میں جو اعلان کے لئے بھیجے گئے تھے بھیجا۔ ہم نے منادی کرادی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی شخص ننگا ہو کر نہ کرے۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ سورۂ براۃ کا اعلان کر دیں۔ پس آپ نے بھی منیٰ میں ہماری ساتھ عید کے دن ان ہی احکام کی منادی کی۔ حج اکبر کا دن بقرعید کا دن ہے کیونکہ لوگ حج اصغر بولا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کے بعد حجتہ الوداع میں ایک بھی مشرک حج کو نہیں آیا تھا۔ حنین کے زمانہ میں رسول خدا ﷺ نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا تھا۔ پھر اس سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو منادی کے لئے روانہ فرمایا۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ برأت کا اعلان کر دیں۔ امیر حج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی رہے۔ لیکن اس روایت میں غرابت ہے۔ عمرۂ جعرانہ والے سال امیر حج حضرت عتاب بن اسید تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو ۹ ہجری میں امیر حج تھے۔

مسند کی روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں اس سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ ہم نے پکار پکار کر منادی کر دی کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے۔ بیت اللہ کا طواف آئندہ سے کوئی شخص ننگے ہو کر نہیں کر سکے گا۔ جن کے ساتھ ہمارے عہد و پیمان ہیں ان کی مدت آج سے چار ماہ کی ہے۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) مشرکوں سے بریٔ الذمہ ہیں۔ اس سال کے بعد کسی کافر کو بیت اللہ کے حج کی اجازت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ منادی کرتے کرتے میرا گلا بیٹھ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز بیٹھ جانے کے بعد میں نے منادی شروع کر دی تھی۔ ایک روایت میں ہے جس سے عہد ہے اس کی مدت وہی ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں۔ مجھے تو ڈر ہے کہ یہ جملہ کسی راوی کے وہم کی وجہ سے نہ ہو کیونکہ مدت کے بارے میں اس کے خلاف بہت سی روایتیں ہیں۔ مسند میں ہے کہ براۃ کا اعلان کرنے کو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ وہ ذوالحلیفہ میں پہنچے ہوں گے جو آپ نے فرمایا کہ یہ اعلان تو میں یا خود کروں گا یا میرے اہل بیت میں سے کوئی شخص کرے گا۔ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سورہ برأت کی دس آیتیں جب اُتریں آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا انہیں لے جاؤ۔ اہل مکہ کو سناؤ۔ پھر مجھے یاد فرمایا اور

ارشاد ہوا کہ تم جاؤ' ابو بکرؓ سے ملو۔ جہاں بھی وہ ملیں۔ ان سے کتاب لے لینا اور مکہ والوں کے پاس جا کر انہیں سنا دینا۔ میں چلا' جحفہ میں جا کر ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کتاب لے لی۔ آپ واپس لوٹے اور حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا میرے بارے میں کوئی آیتیں نازل ہوئی ہیں؟ آپ نے فرمایا' نہیں جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا کہ یا تو یہ پیغام خود آپ پہنچایئے یا اور کوئی شخص' جو آپ میں سے ہو۔ اس سند میں ضعیف ہے اور سے یہ مراد بھی نہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اسی وقت لوٹ آئے۔ بلکہ آپ نے اپنی سرداری میں وہ حج کرایا۔ حج سے فارغ ہو کر پھر واپس آئے۔ جیسے اور روایتوں میں صراحتاً مروی ہے اور حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ سے جب حضور ﷺ نے اس پیغام رسانی کا ذکر کیا تو حضرت نے عذر پیش کیا کہ عمر کے لحاظ سے اور تقریر کے لحاظ سے اپنے میں کمی پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے یا تو میں خود پہنچاؤں یا تو پہنچائے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ اگر یہی ہے تو لیجئے میں جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اللہ تمہاری زبان کو ثابت رکھے اور تیرے دل کو ہدایت دے۔ پھر اپنا ہاتھ ان کے منہ پر رکھا۔ لوگوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حج کے موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کیا بات پہنچانے کے لئے بھیجا تھا؟ آپ نے اوپر والی چاروں باتیں بیان فرمائیں۔

مسند احمد وغیرہ میں یہ روایت کئی طرف سے آئی ہے۔ اس میں لفظ یہ ہیں کہ جن سے معاہدہ ہے۔ وہ جس مدت تک ہے اسی تک رہے گا اور حدیث میں ہے کہ آپ سے لوگوں نے کہا کہ آپ حج میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھیج چکے ہیں' کاش کہ یہ پیغام بھی انہیں پہنچا دیتے۔ آپ نے فرمایا' اسے تو میرے گھر والا ہی کوئی پہنچائے گا۔ اس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی عضبا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔ انہیں راستے میں دیکھ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ سردار ہو یا ماتحت؟ فرمایا نہیں میں تو ماتحت ہوں۔ وہاں جا کر آپ نے تو حج کا انتظام کیا اور عید والے دن حضرت علیؓ نے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے یہ احکام پہنچائے۔ پھر دونوں آپ کے پاس آئے۔ پس مشرکین میں سے' جن سے عام عہد تھا' ان کے لئے تو چار ماہ کی مدت ہو گئی۔ باقی جس سے جتنا عہد تھا' وہ بدستور رہا اور روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تو رسول اللہ ﷺ کے امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور مجھے ان کے پاس چالیس آیتیں سورۂ برأت کی دے کر بھیجا تھا۔ آپ نے عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اُٹھیے اور سرکار رسالت مآب ﷺ کا پیغام لوگوں کو سنا دیجئے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ان چالیس آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ پھر لوٹ کر منیٰ میں آ کر جمرہ پر کنکریاں پھینکیں' اونٹ ذبح کیا' سر منڈوایا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ سب حاجی اس خطبے کے وقت موجود نہ تھے۔ اس لئے میں نے لوگوں کی قیام گاہوں میں اور خیموں میں جا جا کر منادی شروع کر دی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس وجہ سے لوگوں کو یہ گمان ہو گیا یہ دسویں تاریخ کا ذکر ہے حالانکہ اصل پیغام نویں کے دن عرفہ میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ابو اسحاق کہتے ہیں' میں نے ابو جحیفہ سے پوچھا کہ حج اکبر کا کون سا دن ہے؟ آپ نے فرمایا عرفہ کا دن۔ میں نے کہا یہ آپ اپنی طرف سے فرما رہے ہیں یا صحابہ سے سنا ہے؟ فرمایا سب کچھ یہی ہے۔ عطا بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں پس اس دن کوئی روزہ نہ رکھے۔ راوی کہتا ہے میں نے اپنے باپ کے بعد حج کیا۔ مدینہ پہنچا اور پوچھا کہ یہاں آج کل سب سے افضل کون ہیں؟ لوگوں نے کہا حضرت سعید بن مسیب ہیں رضی اللہ عنہ۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے مدینہ والوں سے پوچھا کہ یہاں آج کل سب سے افضل کون ہیں؟ تو انہوں نے آپ کا نام لیا تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ یہ فرمایئے کہ عرفہ کے دن روزہ کے بارے میں

آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' لو میں تمہیں اپنے سے ایک سو درجے بہتر شخص کو بتاؤں۔ وہ عمرو بن العاص ہیں وہ اس روزہ سے منع فرماتے تھے اور اسی دن کو حج اکبر فرماتے تھے (ابن ابی حاتم وغیرہ) اور بھی بہت سے بزرگوں نے یہی فرمایا ہے کہ حج اکبر سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ ایک مرسل حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے اپنے عرفہ کے خطبہ میں فرمایا یہی حج اکبر کا دن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بقرعید کا دن ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بقرعید کے دن اپنے سفید خچر پر جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے آ کر لگام تھام لی اور یہی پوچھا۔ آپ نے فرمایا حج اکبر کا دن آج ہی کا دن ہے۔ لگام چھوڑ دے۔ عبداللہ بن اوفی کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عید کے خطبہ میں فرمایا آج ہی کا دن یوم الاضحیٰ ہے۔ آج ہی کا دن یوم النحر ہے۔ آج ہی کا دن حج اکبر کا دن ہے۔ ابن عباس سے بھی یہی روایت ہے اور بھی بہت علماء کا یہی خیال ہے کہ حج اکبر بقرعید کا دن ہے۔

امام ابن جریر کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منادی کرنے والوں کو منیٰ میں عید کے دن بھیجا تھا۔ ابن جریر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جمروں کے پاس دسویں تاریخ ذی الحجہ کو ٹھہرے اور فرمایا یہی دن حج اکبر کا دن ہے اور روایت میں ہے کہ آپ کی اونٹنی سرخ رنگ کی تھی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ جانتے بھی ہو آج کیا دن ہے؟ لوگوں نے کہا قربانی کا دن؟ آپ نے فرمایا سچ ہے یہی دن حج اکبر کا ہے اور روایت میں ہے کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ لوگ اس کی نکیل تھامے ہوئے تھے۔ آپ نے صحابہؓ سے پوچھا' جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ ہم اس خیال سے خاموش ہو گئے کہ شاید آپؐ اس کا کوئی اور ہی نام بتلائیں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ حج اکبر کا دن نہیں اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے آپ کے سوال پر جواب دیا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ عید کے بعد کا دن ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حج کے تمام دنوں کا یہی نام ہے۔ سفیان بھی یہی کہتے ہیں کہ جیسے یوم جمل یوم صفین' ان لڑائیوں کے تمام دنوں کا نام ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا حاصل۔ یہ تو اس سال تھا جس سال حج کے امیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ابن سیرین اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں' یہ وہ دن تھا' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور عام لوگوں کا حج ہوا۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ④

ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت مقررہ تک پورا کر دو۔ واقعی اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ○

ایفائے عہد ☆

پہلے جو حدیثیں بیان ہو چکی ہیں ان کا اور اس آیت کا مضمون ایک ہی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جن سے مطلقاً عہد و پیمان ہوئے تھے انہیں تو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ اس میں وہ اپنا جو چاہیں کر لیں اور جن سے کسی مدت تک عہد و پیمان ہو چکے ہیں وہ سب عہد ثابت ہیں۔ بشرطیکہ وہ لوگ معاہدہ کی شرائط پر قائم رہیں۔ نہ مسلمانوں کو خود کوئی ایذا پہنچائیں۔ نہ ان کے دشمنوں کی کمک اور امداد کریں۔ اللہ تعالیٰ ایفائے عہد کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

سو جب شہر حرم گزر جائیں تو (اس وقت) ان مشرکین کو جہاں پاؤ مارو پکڑ لو باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں پر ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔ ○

اب اقدام جنگ صحیح ہے ☆

حرمت والے مہینوں سے مراد یہاں وہ چار مہینے ہیں، جن کا ذکر آیت ﴿مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ میں ہے۔ ان کے حق میں آخری حرمت والا مہینہ محرم الحرام کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے بھی یہی روایت ہے لیکن یہ محل تامل ہے۔ بلکہ مراد اس سے وہ چار مہینے ہیں، جن میں مشرکین کو پناہ ملی تھی کہ ان کے بعد تم سے لڑائی ہے۔ چنانچہ خود اسی سورت میں اس کا بیان دوسری آیت میں آ رہا ہے۔ فرماتا ہے، ان چار ماہ کے بعد مشرکوں سے جنگ کرو۔ انہیں قتل کرو۔ انہیں گرفتار کرو، جہاں بھی پاؤ۔ پس یہ عام ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ خاص ہے۔ حرم میں لڑائی نہیں ہو سکتی۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ......﴾ (البقرہ:۱۹۱) یعنی مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو۔ جب تک وہ اپنی طرف سے لڑائی کی ابتدا نہ کریں۔ اگر یہ وہاں تم سے لڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑائی کرنے کی اجازت ہے۔ چاہو قتل کرو، چاہو قید کر لو۔ ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لو۔ ان کے لئے ہر گھاٹی میں بیٹھ کر تاک لگاؤ۔ انہیں زد پر لا کر مارو یعنی یہی نہیں کہ مل جائیں تو جھڑپ ہو جائے۔ خود چڑھ کر مارو۔ ان کی راہیں بند کر دو اور انہیں مجبور کر دو کہ یا تو اسلام لائیں یا لڑیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں، پابند نماز ہو جائیں، زکوٰۃ دینے لگیں تو بے شک راہیں کھول دو۔ ان پر تنگیاں اُٹھا لو۔ زکوٰۃ کے مانعین سے جہاد کرنے کی اسی جیسی آیتوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دلیل لی تھی کہ لڑائی اس شرط پر حرام ہے کہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اسلام کے واجبات بجا لائیں۔ اس آیت میں ارکان اسلام کو ترتیب وار بیان فرمایا ہے۔ اعلیٰ پھر ادنیٰ پس شہادت کے بعد سب سے بڑا رکن اسلام نماز ہے جو اللہ عزوجل کا حق ہے۔ نماز کے بعد زکوٰۃ جس کا نفع فقیروں، مسکینوں محتاجوں کو پہنچتا ہے اور مخلوق کا زبردست حق جو انسان کے

ذمہ ہے ادا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو اکثر نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا ذکر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔ صحیحین میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے حکم کیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد جاری رکھوں جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ کوئی معبود بجز اللہ کے نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ رسول اللہ ہے اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں[1] ......

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمہیں نمازوں کے قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم کیا گیا ہے۔ جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کی نماز قبول نہیں فرماتا' جب وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ آپ کی سوجھ بوجھ سب سے بڑھی ہوئی تھی' جو آپ نے زکوٰۃ کے منکروں سے جہاد کیا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے' جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ بجز اللہ تعالیٰ اور کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ ان دونوں باتوں کا اقرار کر لیں ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر لیں۔ ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں۔ ہم جیسی نمازیں پڑھنے لگیں تو ہم پر ان کے خون ان کے مال حرام ہیں مگر احکام اسلام حق کے ماتحت[2]۔ انہیں ہر وہ حق حاصل ہے جو اور مسلمانوں کا ہے اور ان کے ذمہ ہر وہ چیز ہے جو اور مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ یہ روایت بخاری شریف میں اور سنن میں بھی ہے' سوائے ابن ماجہ کے۔ ابن جریر میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں' جو دنیا سے اس حال میں جائے کہ اللہ تعالیٰ اکیلے کی خالص عبادت کرتا ہو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ اس حال میں جائے گا کہ خدا اس سے خوش ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' یہی اللہ کا دین ہے۔ اسی کو تمام پیغمبر علیہم السلام لائے تھے اور اپنے رب کی طرف سے اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا تھا۔ اس سے پہلے کہ باتیں پھیل جائیں اور خواہشیں اِدھر اُدھر لگ جائیں۔ اس کی سچائی کی شہادت خدا کی آخری وحی میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ (التوبۃ: ۵) پس توبہ یہی ہے کہ اللہ واحد برحق کے سوا اوروں کی عبادت سے دست بردار ہو جائیں۔ نمازوں اور زکوٰتوں کے پابند ہو جائیں۔

اور آیت میں ہے کہ ان تینوں کاموں کے بعد وہ تمہارے دینی برادر ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ تلوار کی آیت ہے۔ اس نے تمام عہد و پیمان کو چاک کر دیا جو مشرکوں سے تھے[3]۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ برأت کے نازل ہونے پر چار مہینے گزر جانے کے بعد کوئی عہد و ذمہ باقی نہیں رہا۔ پہلی شرطیں توڑ دی گئیں۔ اب اسلام اور جہاد باقی رہ گیا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو چاروں تلواروں کے ساتھ بھیجا۔ ایک تو مشرکین عرب میں' فرماتا ہے: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ مشرکوں کو جہاں پاؤ' قتل کرو۔ یہ روایت اسی طرح مختصراً ہے۔ میرا خیال ہے کہ دوسری تلوار اہل کتاب میں' فرماتا ہے: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ......﴾ (التوبۃ: ۲۹) اللہ تبارک و تعالیٰ پر اور

---

[1] سابقہ پارے میں اس حدیث کا صحیح مطلب لکھا گیا ہے۔ ناظرین وہیں دیکھ لیں۔

[2] یعنی اگر کبھی اسلام ہی ان کے اموال و جان کو لینے کی فرمائش کرے تو پھر ان کی جان لینے اور اموال چھیننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً مرتد ہو جائے' تو واجب القتل اور اس کا تمام مال و دولت چھین لینے کا حکم ہے۔

[3] اس لئے کہ پہلے اور ابتداءً مشرکین ہی نے نقض عہد کیا تھا۔ محارب قوم جب ابتداءً نقض عہد کرے تو پھر مسلمانوں پر سے بھی ایفائے عہد کی ذمہ داری اُٹھ جاتی ہے۔

قیامت کے دن پر ایمان نہ لانے والوں اور خدا رسول کے حرام کردہ کو حرام نہ ماننے والوں اور خدا کے سچے دین کو قبول نہ کرنے والوں سے جو اہل کتاب ہیں' جہاد کرو' تاوقتیکہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دینا قبول نہ کرلیں۔ تیسری تلوار منافقوں میں' فرمان ہے: ﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ...... ﴾ (التوبۃ: ۷۳) اے نبی ﷺ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ چوتھی تلوار باغیوں میں' ارشاد ہے ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا...... ﴾ (الحجرات: ۹) اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرادو۔ پھر بھی اگر کوئی جماعت دوسری کو دباتی چلی جائے تو ان باغیوں سے تم لڑو' جب تک کہ پلٹ کر خدا کے حکم کو نہ قبول کرلیں۔ ضحاک اور سدی کا قول ہے کہ یہ آیت: ﴿فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً﴾ (محمد: ۴) سے منسوخ ہے۔ یعنی بطور احسان کے چھوڑ دے یا فدیہ لے کر کافر قیدیوں کو چھوڑ دے۔ قتادہ اسکے برعکس کہتے ہیں کہ پچھلی آیت سے منسوخ ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۟۠ ع

اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجئے تا کہ اگر وہ کلام الٰہی سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ میں پہنچا دیجئے۔ یہ حکم اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے۔ ○

امن کی طلب اور اسلامی حکم ☆

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ جن کافروں سے آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی آپ سے امن طلب کرے تو آپ اس کی خواہش پوری کر دیں۔ اسے امن دیں۔ یہاں تک کہ وہ قرآن کریم سن لے۔ آپ کی باتیں سن لے۔ دین کی تعلیم معلوم کر لے۔ حجت خداوندی پوری ہو جائے۔ پھر اپنے امن میں ہی اسے اس کے وطن پہنچا دو۔ بے خوفی کے ساتھ یہ اپنے امن کو پہنچ جائے۔ ممکن ہے کہ سوچ سمجھ کر حق کو قبول کر لے۔ یہ اس لئے کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔ انہیں دینی معلومات بہم پہنچائیں۔ خدا کی دعوت اس کے بندوں کے کانوں تک پہنچا دو[1]۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو تیرے پاس دینی باتیں سننے کے لئے آئے خواہ وہ کوئی بھی ہو وہ امن میں ہے۔ یہاں تک کہ کلام خدا سنے۔ پھر جہاں سے آیا ہے وہاں بہ امن پہنچ جائے۔ اسی لئے حضور ﷺ اسے' جو دین سمجھنے کے لئے آئے اسے جو پیغام لے کر آئے' امن دے دیا کرتے تھے۔ حدیبیہ والے سال یہی ہوا۔ قریش کے جتنے قاصد آئے' یہاں انہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ عروہ بن مسعود مکرز بن حفص سہیل بن عمرو وغیرہ وغیرہ یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ یہاں آ کر انہیں وہ شان نظر آئی جو قیصر و کسریٰ کے دربار میں نہ تھی۔ یہی انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ پس یہ چیز بھی بہت سے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن گئی۔ مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کا قاصد جب حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا' آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم مسیلمہ کی رسالت کے قائل ہو۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اگر قاصدوں

[1] جہاد کا صرف یہی مقصد ہے کہ اسلام اور خدا پرستی کی ان کو دعوت دی جائے۔ لوٹ مار' خونریزی وسفا کی یا ہوس ملک گیری جہاد کے مقاصد میں نہیں۔

کا قتل میرے نزدیک ناجائز نہ ہوتا تو میں تیری گردن اُڑا دیتا۔ آخر یہ شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی کوفہ میں امارت کے زمانہ میں قتل کر دیا گیا۔ اسے ابن النواحہ کہا جاتا تھا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مسیلمہ کا ماننے والا ہے تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا اب تو قاصد نہیں ہے اب تیری گردن مارنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اسے قتل کر دیا گیا۔ اللہ کی لعنت اس پر ہو۔

الغرض دارالحرب سے جو قاصد آئے یا تاجر آئے یا صلح کا طالب آئے یا آپس میں اصلاح کے ارادہ سے آئے یا جزیہ لے کر حاضر ہوا۔ امام یا نائب امام نے اسے امن و امان دے دیا ہو۔ تو جب تک وہ دارالاسلام میں رہے۔ جب وہ اپنے وطن میں نہ پہنچ جائے اسے قتل کرنا حرام ہے۔ علماء کہتے ہیں ایسے شخص کو دارالاسلام میں سال بھر تک نہ رہنے دیا جائے[1]۔ زیادہ سے زیادہ وہ چار ماہ تک یہاں ٹھہر سکتا ہے۔ پھر چار ماہ سے زیادہ اور سال کے اندر کے دو قول امام شافعی وغیرہ علماء کے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾

ان مشرکین (قریش) کا عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے (قابل رعایت) رہے گا مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا ہے سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی سیدھی طرح رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ○

عمل میں مساوات ☆

اُوپر والے حکم کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ چار ماہ کی مہلت دینے پر لڑائی کی اجازت دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے شرک و کفر کو چھوڑنے والے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے والے ہی نہیں۔ ہاں صلح حدیبیہ جب تک ان کی طرف سے نہ ٹوٹے، تم بھی نہ توڑنا۔ یہ صلح دس سال کے لئے ہوئی تھی۔ ماہ ذی القعدہ ۶ ہجری سے حضور ﷺ نے اس معاہدہ کو نبھایا۔ یہاں تک کہ قریشیوں کی طرف سے معاہدہ توڑا گیا۔ ان کے حلیف بنو بکر نے رسول اللہ ﷺ کے حلیف خزاعہ پر چڑھائی کی بلکہ حرم میں بھی انہیں قتل کیا۔ اس بنا پر رمضان شریف ۸ ہجری میں حضور ﷺ نے ان پر چڑھائی۔ رب العالمین نے مکہ آپ کے ہاتھوں فتح کرایا اور اسے آپ کے بس میں کر دیا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ لیکن آپ نے باوجود غلبہ اور قدرت کے ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کیا، سب کو آزاد کر دیا۔ انہی لوگوں کو طلقا کہتے ہیں۔ یہ تقریباً دو ہزار تھے۔ جو کفر پر بھی باقی رہے اور اِدھر اُدھر ہو گئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے سب کو عام پناہ دے دی اور انہیں مکہ شریف میں آنے اور یہاں اپنے مکانوں میں

[1] اس حکم کا تعلق ملک کے تحفظ سے ہے۔ غیر ملکی اور وہ بھی مخالف قوم کا ایک فرد دارالاسلام میں دیر تک اس کا رہنا خلاف مصلحت ہے۔ آج بھی یہی دستور ہے غیر ملکی باشندوں کا اب بھی زیادہ ٹھہرانا مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں۔

رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی کہ بارہ ماہ تک وہ جہاں چاہیں جا آ سکتے ہیں۔ ان ہی میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ تھے۔ پھر خدا نے ان کی رہبری کی اور انہیں اسلام نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہر اندازہ کرنے میں اور ہر کام کرنے میں تعریف والا ہی ہے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۸

کیسے (ان کا عہد قابل رعایت رہے گا) حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا۔ یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل (ان باتوں کو) نہیں مانتے اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔ ○

قرآن کا بیان اور اس کی صداقت پر تاریخ کی معتبر شہادت ☆

اللہ تعالیٰ کافروں کے مکروفریب اور ان کی دلی عداوت سے مسلمانوں کو آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ ان کی دوستی اپنے دل میں نہ رکھیں نہ ان کے قول قرار پر مطمئن رہیں۔ ان کا کفروشرک انہیں وعدوں کی پابندی پر رہنے نہیں دیتا۔ یہ تو وقت کے منتظر ہیں۔ ان کا بس چلے تو یہ تمہیں کچا چباڈالیں۔ نہ قرابت داری کو دیکھیں نہ وعدوں کی پاسداری کریں۔ ان سے جو ہو سکے وہ تم پر توڑیں اور خوش ہوں۔ اِلّ کے معنی قرابت داری کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعر میں بھی ہیں اور معنی کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے غلبہ کے وقت اللہ کا بھی لحاظ نہ کریں گے نہ کسی اور کا۔ یہی لفظ اِلّ ایل بن کر جبریل میکائیل اور اسرافیل میں آیا ہے۔ یعنی اس کا معنی اللہ ہے۔ لیکن پہلا قول ہی ظاہر اور مشہور ہے اور اکثر مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں مراد عہد ہے۔ قتادہ کا قول ہے مراد قسم ہے۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۱۱

انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض (دنیا کی) متاع ناپائیدار کو اختیار کر رکھا ہے۔ سو یہ لوگ اللہ کے رستہ سے ہٹے ہوئے ہیں (اور) یقیناً ان کا عمل بہت ہی برا ہے۔ یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں (بھی) نہ قرابت کا احساس کریں نہ قول وقرار کا اور یہ لوگ بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں سو اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو

وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم سمجھ دار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ○

ابھی موقعہ ہے کہ وہ اپنی سرکشی سے باز آ جائیں ☆

مشرکوں کی مذمت کے ساتھ ہی مسلمانوں کو ترغیب جہاد دی جا رہی ہے کہ ان کافروں نے دنیائے خسیس کو آخرتِ نفیس کے بدلے پسند کر لیا ہے۔ خود راہِ خدا سے رک کر مومنوں کو بھی ایمان سے روک رہے ہیں۔ ان کے اعمال بہت ہی بد ہیں یہ تو مومنوں کو نقصان پہنچانے کے ہی درپے ہیں۔ نہ انہیں رشتہ داری کا خیال نہ معاہدہ کا پاس۔ یہ تو حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ ہاں اب بھی سچی توبہ اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی انہیں تمہارا بنا سکتی ہے۔ چنانچہ بزار کی حدیث میں ہے جو دنیا کو اس حال میں چھوڑے کہ اللہ کی عبادتیں خلوص کے ساتھ کر رہا ہو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو۔ نماز و زکوٰۃ کا پابند ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو کر ملے گا۔ یہی اللہ کا وہ دین ہے جسے انبیاء علیہم السلام لاتے رہے اور اسی کی تبلیغ خدا کی طرف سے وہ کرتے رہے۔ اس سے پہلے کی باتیں پھیل جائیں اور خواہشیں بڑھ جائیں۔ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے۔ کہ اگر وہ توبہ کر لیں، یعنی بتوں اور بت پرستی کو چھوڑ دیں اور نمازی بن جائیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کے راستے چھوڑ دو اور آیت میں ہے کہ پھر تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ امام بزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں تو مرفوع حدیث وہیں پر ختم ہے کہ خدا اس سے راضی ہو کر ملے گا۔ اس کے بعد کا کلام راوی حدیث ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ واللہ اعلم

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن کریں تو تم لوگ (اس قصد سے کہ یہ باز آ جائیں) ان پیشوایانِ کفر سے (خوب) لڑو کیونکہ اس صورت میں ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں۔ ○

عہد شکنی کریں تو ان سے لڑو ☆

اگر یہ مشرک اپنی قسموں کو توڑ کر وعدہ خلافی اور عہد شکنی کریں اور تمہارے دین پر اعتراض کرنے لگیں تو تم ان کفر کے سروں کو توڑ مروڑ دو۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے، دین میں عیب جوئی کرے، اس کا ذکر اہانت کے ساتھ کرے، اسے قتل کر دیا جائے۔ ان کی قسمیں محض بے اعتبار ہیں۔ یہی طریقہ ان کے کفر و عناد سے روکنے کا ہے۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ وغیرہ یہ سب سردارانِ کفر تھے۔ ایک خارجی نے حضرت سعد بن وقاص کو کہا کہ یہ کفر کے پیشواؤں میں سے ایک ہے۔ آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے، میں تو ان میں سے ہوں جنہوں نے کفر کے پیشواؤں کو قتل کیا تھا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔ اس آیت والے اس کے بعد قتل نہیں کئے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے گو سبب نزول کے اعتبار سے اس سے مراد مشرکین قریش ہیں لیکن حکم کے اعتبار سے یہ انہیں اور سب کو شامل ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر بھیجا۔ تو ان سے فرمایا کہ تمہیں ان میں کے کچھ لوگ ایسے ملیں گے جن کی چندھیا مُنڈی ہوئی ہوگی تو تم اس شیطانی بیٹھک پر تلوار مار کر انہیں پارہ پارہ کر دینا۔ واللہ ان میں کے ایک کا قتل دوسرے ستر لوگوں کے قتل

سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس لئے کہ فرمان خدا ہے کفر کے اماموں کو قتل کرو۔ (ابن ابی حاتم)

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کر دینے کی تجویز کی اور انہوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی۔ کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے ہو۔ سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ ان سے لڑو اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ) ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل (وخوار) کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا اور ان کے قلوب کے غیظ (و غضب) کو دور کر دیگا اور جس پر منظور ہو گا اللہ تعالیٰ توبہ بھی فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔ ○

تمہارے ہاتھوں کفار پر عذاب ☆

مسلمانوں کو پوری طرح جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے فرما رہا ہے کہ یہ عہد شکن قسمیں توڑنے والے کفار وہی ہیں' جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے کی پوری طرح ٹھان لی تھی' چاہتے تھے کہ قید کر لیں یا قتل کر ڈالیں یا دیس نکالا دے دیں۔ ان کے مکر سے خدا کا مکر کہیں بہتر ہے۔ صرف ایمان کی بنا پر دشمنی کر کے پیغمبر ﷺ کو اور مومنوں کو وطن سے خارج کرتے تھے' بھڑ بھڑا کر اُٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں کہ تجھے مکہ شریف سے نکال دیں۔ برائی کی ابتدا بھی ان ہی کی طرف سے ہے۔ بدر کے دن لشکر لے کر نکلے' معلوم ہو چکا کہ قافلہ بچ کر چلا گیا ہے لیکن تاہم غرور و فخر سے خدائی لشکر کو شکست دینے کے ارادے مسلمانوں سے بھڑ گئے جیسا کہ پورا واقعہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ انہوں نے عہد شکنی کی اور اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے حلیفوں سے جنگ کی۔ بنو بکر کی خزاعہ کے خلاف مدد کی۔ اس خلاف وعدہ کی وجہ سے حضور ﷺ نے ان پر لشکر کشی کی' ان کی خوب سرکوبی کی اور مکہ فتح کر لیا۔ فالحمد للہ۔

فرماتا ہے کہ تم ان نجس لوگوں سے خوف کھاتے ہو' اگر تم مومنین ہو تو تمہارے دل میں بجز خدا کے کسی کا خوف نہ ہونا چاہئے وہی اس لائق ہے کہ اس سے ایماندار ڈرتے رہیں اور آیت میں ہے ان سے نہ ڈرو صرف مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ میرا غلبہ' میری سلطنت' میری سزا' میری قدرت' میری ملکیت' بے شک اس قابل ہے کہ ہر وقت ہر دل میری ہیبت سے لرزتا رہے۔ تمام کام میرے ہاتھ میں ہیں۔ جو چاہوں کر سکتا ہوں اور کر گزرتا ہوں۔ میری منشا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں پر

جہاد کی فرضیت کا راز بیان ہو رہا ہے کہ خدا قادر تھا جو عذاب چاہتا ان پر بھیج دیتا لیکن اس کا منشا یہ ہے کہ تمہارے ہاتھوں انہیں سزا دے۔ ان کی بربادی تم خود کرو تمہارے دل کی خوب بھڑاس نکلے اور تمہیں راحت و آرام شادمانی و کامرانی حاصل ہو۔ یہ بات کچھ ان ہی کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ تمام مومنوں کے لئے بھی ہے۔ خصوصاً خزاعہ کا قبیلہ جن پر خلاف عہد قریش اپنے حلیفوں میں مل کر چڑھ دوڑے۔ ان کے دل اسی وقت ٹھنڈے ہوں گے ان کے غبار اسی وقت دھلیں گے جب مسلمانوں کے ہاتھوں کفار نیچے ہوں۔ ابن عساکر میں ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غضبناک ہو جاتیں تو حضور ﷺ ان کی ناک پکڑ لیتے اور فرماتے اے عویش یہ دعا کرو: ((اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ ذَنْبِيْ وَاَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَاَجِرْنِيْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ))۔ اے اللہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پروردگار میرے گناہ بخش اور میرے دل کا غصہ دور کر اور مجھے گمراہ کن فتنوں سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے توبہ قبول فرمالے۔ وہ اپنے بندوں کی تمام مصلحتوں سے خوب آگاہ ہے۔ اپنے تمام کاموں میں اپنے شرعی احکام میں اپنے تمام حکموں میں حکمت والا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے۔ وہ عادل و حاکم ہے۔ ظلم سے پاک ہے۔ ایک ذرہ برابر بھلائی برائی ضائع نہیں کرتا بلکہ اس کا بدلہ دنیا اور آخرت میں دیتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے (ظاہر طور پر) ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (ایسے موقع پر) جہاد کیا اور اللہ اور رسول اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا خاص دوست نہ بنایا ہو اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے سب کاموں کی۔ ○

خدائے واحد کو مانتے ہو تو اس کا ثبوت دو ☆

یہ ناممکن ہے کہ امتحان بغیر مسلمان چھوڑ دیئے جائیں۔ سچے جھوٹے کو ظاہر کرنا ضروری ہے۔ ولیجہ کے معنی بھیدی اور دخل دینے والے کے ہیں۔ پس سچے وہ ہیں جو جہاد میں آگے بڑھ کر حصہ لیں اور ظاہر و باطن میں خدا اور رسول کی خیر خواہی اور حمایت کریں۔ ایک قسم کا بیان دوسری قسم کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس لئے دوسری قسم کے لوگوں کا بیان چھوڑ دیا۔ ایسی عبارتیں شاعروں کے شعروں میں بھی ہیں اور جگہ قرآن کریم میں ہے کہ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ صرف اس کے کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش ہوگی ہی نہیں حالانکہ اگلے مومنین کی بھی ہم نے آزمائش کی۔ یاد رکھو خدا سچے جھوٹوں کو ضرور الگ الگ کر دے گا اور آیت میں اسی مضمون کو ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ......﴾ (آل عمران ۱۴۲) کے لفظوں سے بیان فرمایا ہے اور آیت میں ہے: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ......﴾ (آل عمران: ۱۷۹) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تم مومنوں کو تمہاری حالت پر ہی چھوڑ دے اور امتحان کر کے یہ نہ معلوم کر لے کہ خبیث کون ہے اور طیب کون ہے۔ پس جہاد کے مشروع کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ گو اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ جو

ہو گا وہ بھی اسے معلوم ہے اور جو نہیں ہو وہ جب ہو گا تب کس طرح ہو گا' یہ بھی وہ جانتا ہے۔ چیز کے ہونے سے پہلے ہی اسے اس کا علم حاصل ہے اور ہر چیز کی ہر حالت سے وہ واقف ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ دنیا پر بھی کھرا کھوٹا' سچا جھوٹا ظاہر کر دے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے' نہ اس کی قضا و قدر وارادہ کو کوئی بدل سکتا ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝

مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں جس حالت میں کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی باتوں کا اقرار کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کے سب اعمال اکارت جائیں گے اور دوزخ میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں۔ سو ایسے لوگوں کی نسبت توقع (یعنی وعدہ) ہی کہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ O

مساجد کو مشرک آباد نہیں کر سکتے ☆

یعنی خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کو خدا کی مسجدوں کی آبادی کرنے والے بننا لائق نہیں' یہ مشرک ہیں۔ خانہ خدا سے انہیں کیا تعلق۔ مساجد کو مسجد بھی پڑھا ہے۔ پس مراد مسجد حرام ہے' جو روئے زمین کی مسجدوں سے افضل ہے۔ جو اول دن سے صرف خدا کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے۔ جس کی بنیادیں خلیل خدا نے رکھی تھیں اور یہ لوگ مشرک ہیں۔ حال و قال دونوں اعتبار سے تم نصرانی سے پوچھو' وہ صاف کہے گا میں نصرانی ہوں۔ یہود سے پوچھو' وہ اپنی یہودیت کا اقرار کریں گے۔ صابی سے پوچھو وہ بھی اپنا صابی ہونا اپنی زبان سے کہے گا۔ مشرک بھی اپنے مشرک ہونے کے اقراری ہیں۔ ان کے اس شرک کی وجہ سے ان کے اعمال اکارت ہو چکے ہیں اور وہ ہمیشہ کے لئے ناری ہیں۔ یہ تو مسجد حرام سے روکتے ہی ہیں۔ یہ گو کہیں' لیکن دراصل خدا کے اولیا نہیں۔ اولیاء اللہ تو وہ ہیں جو متقی ہوں لیکن اکثر لوگ علم سے کورے اور خالی ہوتے ہیں۔ ہاں خانہ خدا کی آبادی مومنوں کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ پس جس کے ہاتھ سے مسجدوں کی آبادی ہو' اس کے ایمان کا قرآن گواہ ہے۔ مسند میں ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' جب تم کسی کو مسجد میں آنے جانے کی عادت والا دیکھو تو اس کے ایمان کی شہادت دو۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

اور حدیث میں ہے' مسجدوں کے آباد کرنے والے اللہ والے ہیں اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسجد والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب پوری قوم سے ہٹا لیتا ہے اور حدیث میں ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے مجھے اپنی عزت اپنے جلال کی قسم کہ میں زمین والوں کو عذاب کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنے گھروں کو آباد کرنے والوں اور اپنی راہ میں آپس میں محبت رکھنے

والوں اور صبح سحری کے وقت استغفار کرنے والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب ہٹا لیتا ہوں۔ ابن عساکر میں ہے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے۔ کہ وہ الگ تھلگ پڑی ہوئی اِدھر اُدھر کی بکریوں کو پکڑ لے جاتا ہے۔ پس تم پھوٹ اور اختلاف سے بچو۔ جماعت اور مسجدوں کو لازم پکڑے رہو۔ اصحاب رسول ﷺ کا بیان ہے کہ مسجدیں اس زمین پر خدا کا گھر ہیں۔ جو یہاں آئے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کی عزت کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جو نماز کی اذان سن کر پھر بھی مسجد میں آ کر باجماعت نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ وہ اللہ اور رسول ﷺ کا نافرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مسجدوں کی آبادی کرنے والے اللہ کے اور قیامت کے ماننے والے ہی ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا یہ نمازی ہوتے ہیں۔ بدنی عبادت نماز کے پابند ہوتے ہیں اور مالی عبادت زکوۃ کے بھی ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی بھلائی اپنے لئے بھی ہوتی ہے اور پھر عام مخلوق کے لئے بھی ہوتی ہے۔ ان کے دل اللہ کے سوا اور کسی سے ڈرتے نہیں۔ یہی راہ یافتہ لوگ ہیں۔ موحد ایماندار قرآن حدیث کے ماتحت پانچوں نمازوں کے پابند صرف اللہ کا خوف کھانے والے اس کے سوا دوسرے کسی کی بندگی نہ کرنے والے ہی راہ یافتہ اور کامیاب اور مقصد پانے والے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ عسیٰ ہے وہاں یقین کے معنی میں ہے۔ اُمید کے معنی میں نہیں مثلاً ارشاد ہے: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (الاسراء:۷۹) تو مقامِ محمود میں پہنچانا یعنی حضور ﷺ کا شافع محشر بننا یقینی چیز ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عسیٰ کلام اللہ میں حق ویقین کے لئے آتا ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۲۰ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲

کیا تم لوگوں نے حجاج کو پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک اور جو لوگ بے

انصاف ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا جو لوگ ایمان لائے اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے ترک وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی مال اور جان سے جہاد کیا وہ درجہ میں اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور (جنت کے) ایسے باغوں کی کہ ان کے لئے ان (باغوں) میں دائمی نعمت ہوگی (اور) ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ ○

بڑا کارنامہ' اجر عظیم ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کافر کہتے تھے کہ بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کے پانی پلانے کی سعادت ایمان و جہاد سے بہتر ہے۔ ہم چونکہ یہ دونوں خدمتیں انجام دے رہے ہیں اس لئے ہم سے بہتر کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا فخر وغرور اور حق سے تکبر اور اعراض بیان فرمایا کہ میں آیتوں کی تمہاری سامنے تلاوت ہوتے ہوئے تم اس بے پروائی سے منہ موڑ کر کفر و انکار میں مبتلا رہتے ہو۔ پس تمہارا گمان بے جا' تمہارا غرور غلط' تمہارا فخر نامناسب ہے۔ یوں بھی خدا پر ایمان اور جہاد بڑی چیز ہے لیکن تمہارے مقابلہ میں تو وہ اور بھی بڑی چیز ہے کیونکہ تمہاری تو کوئی نیکی بھی ہوا سے شرک کا گھن کھا جاتا ہے۔ بس فرماتا ہے کہ یہ دونوں گروہ برابر کے بھی نہیں۔ یہ تو اپنے تئیں آبادی کرنے والا کہتے تھے۔ خدا نے ان کا نام ظالم رکھا۔ خانۂ خدا کی ان کی خدمت بیکار کر دی۔ کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی قید کے زمانہ میں کہا تھا کہ اگر تم اسلام و جہاد میں تھے تو ہم بھی خانۂ خدا کی خدمت اور حاجیوں کو آرام پہنچانے میں تھے۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ شرک کے وقت کی نیکی بے کار ہے۔ صحابہؓ نے ان پر جب لے دے شروع کی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی تھے۔ ہم غلاموں کو آزاد کرتے تھے۔ ہم بیت اللہ کو غلاف چڑھاتے تھے۔ ہم حاجیوں کو پانی پلاتے تھے۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ روایت ہے کہ یہ گفتگو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علیؓ میں ہوئی تھی۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ طلحہ بن شیبہ' عباس بن عبدالمطلب' علیؓ بن ابی طالب بیٹھے بیٹھے اپنی اپنی بڑائیاں بیان کرنے لگے۔ عثمانؓ نے کہا' میں بیت اللہ کا کنجی بردار ہوں۔ میں اگر چاہوں وہاں رات گزار سکتا ہوں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں زم زم کا پانی پلانے والا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں۔ اگر چاہوں مسجد میں ساری رات رہ سکتا ہوں۔ علیؓ نے کہا میں نہیں جانتا کہ تم دونوں صاحب کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔ میں مجاہد ہوں۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ عباسؓ نے اس اندیشہ کو ظاہر کیا کہ کہیں میں چاہ زم زم کے پانی کے عہدے سے نہ ہٹا دیا جاؤں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم اپنے اس منصب پر قائم رہو۔ تمہارے لئے اس میں بھلائی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث وارد ہوئی ہے' جس کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ اسلام کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پروا نہیں۔ بجز اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں دوسرے نے اسی طرح مسجد حرام کی آبادی کو کہا۔ تیسرے نے اسی طرح راہ خدا کے جہاد کو کہا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں ڈانٹ دیا اور فرمایا منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آوازیں بلند نہ کرو۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے۔ جمعہ کے بعد ہم سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا تھا کہ جمعہ کے بعد میں خود جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات دریافت کرلوں گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

اے ایمان لانے والو اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے) ایمان لانے کی اُمید نہ رہے اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (سزائے ترک ہجرت کا) بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ ○

کفار سے کوئی قربت و تعلق نہیں ☆

اللہ تعالیٰ کافروں سے ترکِ موالات کا حکم دیتا ہے' ان کی دوستیوں سے روکتا ہے گو وہ ماں باپ ہوں۔ بہن بھائی ہوں۔ بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر پسند کریں اور آیت میں ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ......﴾ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو تو ہرگز خدا اور رسول کے دشمنوں سے دوستیاں کرنے والا نہیں پائے۔ گو وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا رشتہ دار ہوں' یہی لوگ ہیں' جن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی خاص روح سے ان کی تائید فرمائی ہے۔ انہیں نہروں والی جنت میں پہنچائے گا۔ بیہقی میں ہے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے باپ نے بدر والے دن ان کے سامنے اپنے بتوں کی تعریف شروع کر دی۔ آپ نے اسے ہر چیز منع کیا لیکن وہ برابر ہی کرتا چلا گیا۔ باپ بیٹوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ آپ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ اس پر آیت لَا تَجِدُ...... نازل ہوئی۔ پھر ایسا کرنے والوں کو ڈراتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر یہ رشتے اور اپنے حاصل کئے ہوئے مال ارزاں ہو جانے کا خطرہ اور پسندیدہ مکانات اگر تمہیں اللہ و رسول سے اور جہاد سے بھی زیادہ مرغوب ہیں تو تمہیں خدا کے عذاب کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ایسے بدکاروں کو اللہ بھی راستہ نہیں دکھاتا۔ رسول اللہ

ﷺ صحابہ کے ساتھ جارہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں' بجز میری اپنی جان کے۔ حضور ﷺ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' خدا کی قسم اب آپ ﷺ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اب اے عمرؓ (تو مومن ہوگیا[1]) (بخاری شریف) صحیح حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہوگا' جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے' اولاد سے اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں جب تم عین (یعنی نونقد گیارہ اُدھار پر) کی خرید وفروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دُم میں تھام لو گے[2] اور جہاد چھوڑ دو گے۔ اللہ تعالیٰ تم پر ذلت ڈال دے گا وہ دور نہ ہوگی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾

تم کو خدا تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار) پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پر غرہ ہو گیا تھا۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (کے قلوب) پر اور دوسرے مومنین (کے قلب) پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے اور بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔ ○

---

[1] معلم کامل اور طالب علم باصلاحیت کا کام بہت جلد ہوا کرتا ہے۔ ادھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا مرشد کامل کہ ایک نگاہ میں حالت بدل دے اور ادھر فاروقؓ جیسا مرید کہ شیخ کی ہر ایک ادا پر جان چھڑکنے کے لئے تیار ہو۔ پھر ان مدارج کو طے کرنے میں دیر کیوں ہو؟

[2] یعنی اس قسم کے مشاغل اختیار کرلو اور ان ہی میں لگ کر رہ جاؤ۔

یوم حنین ☆

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ برأت کی یہ پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنا بہت بڑا احسان مومنوں پر ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی خود امداد فرمائی۔ انہیں دشمنوں پر غالب کر دیا اور ایک جگہ نہیں ہر جگہ اس کی مدد شامل حال رہی۔ اسی وجہ سے فتح وظفر نے کبھی ہم رکابی نہ چھوڑی۔ یہ صرف تائید خداوندی تھی نہ کہ مال واسباب اور ہتھیاروں کی فراوانی اور نہ تعداد کی زیادتی۔ یاد کرو' حنین والے دن ذرا تمہیں اپنی تعداد کی کثرت پر ناز ہو گیا تھا تو کیا حال ہوا۔ پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے۔ معدودے چند ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھہرے۔ اسی وقت خدا کی مدد نازل ہوئی۔ اس نے دلوں میں تسکین ڈال دی۔ یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ مدد اسی کی طرح سے ہے۔ اس کی مدد سے چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے بڑے بڑے گروہ کے منہ پھیر دیئے ہیں۔ اللہ کی امداد صابروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ واقعہ ہم عنقریب مفصل بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند کی حدیث میں ہے بہترین ساتھی چار ہیں اور بہترین چھوٹا لشکر چار سو کا ہے اور بہترین بڑا لشکر چار ہزار کا ہے اور بارہ ہزار کی تعداد تو اپنی کمی کے باعث کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ یہ سوائے ایک راوی کے باقی سب راویوں نے مرسلاً بیان کی ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی میں بھی یہ روایت اسی طرح ہے واللہ اعلم۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد ماہ شوال میں جنگ حنین ہوئی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے فارغ ہوئے اور ابتدائی امور سب انجام دے چکے اور عموماً مکی حضرات مسلمان ہو چکے اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آزاد بھی کر چکے تو آپ کو خبر ملی کہ قبیلہ ہوازن جمع ہو گیا ہے اور آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہے۔ ان کا سردار مالک بن عوف نصری ہے۔ ثقیف کا سارا قبیلہ ان کے ساتھ ہے۔ اسی طرح بنو جشم بنو سعد بن بکر بھی ہیں اور بنو ہلال کے بھی کچھ لوگ ہیں اور کچھ لوگ بنو عمرو بن عامر کے اور عون بن عامر کے بھی ہیں۔ یہ سب لوگ مع اپنی عورتوں اور بچوں اور گھر کے ساز وسامان کے ساتھ میدان میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی بکریوں اور اونٹوں کو بھی انہوں نے ساتھ رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس لشکر کو لے کر جو آپ کے ساتھ مہاجرین اور انصار وغیرہ کا تھا' ان کے مقابلہ کے لئے چلے۔ تقریباً دو ہزار نو مسلم مکی بھی آپ کے ساتھ ہو لئے مکہ اور طائف کے درمیان کی وادی میں دونوں لشکر مل گئے۔ اس جگہ کا نام حنین تھا۔ صبح سویرے منہ اندھیرے قبیلۂ ہوازن جو کمین گاہ میں چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے بے خبری میں مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ بے پناہ تیر برساتے ہوئے آگے بڑھے اور تلواریں چلانی شروع کر دیں۔ یہاں مسلمانوں میں دفعتہً ابتری پھیل گئی اور یہ منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف بڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفید خچر پر سوار تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے جانور کی دائیں جانب سے نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بائیں طرف نکیل پکڑے ہوئے تھے۔ جانور کی تیزی کو یہ لوگ روک رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آواز بلند مسلمانوں کو واپسی کا حکم فرما رہے تھے اور ندا کرتے جاتے تھے کہ اللہ کے بندو کہاں چلے' میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ میں نبی ہوں' جھوٹا نہیں ہوں۔ میں اولاد عبدالمطلب میں ہوں۔ آپ کے ساتھ اس وقت صرف اسی یا سو کے قریب صحابہ رہ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عباس' حضرت علی' حضرت فضل بن عباس' حضرت ابوسفیان بن حارث' حضرت ایمن بن ام ایمن' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ آپ کے ساتھ ہی تھے۔

پھر آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو بہت بلند آواز والے تھے حکم دیا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے میرے صحابیوں کو آواز دو کہ وہ نہ بھاگیں۔ بس آپ نے یہ کہہ کر کہ اے ببول کے درخت تلے بیعت کرنے والو! اے سورہ بقرہ کے حاملو! پس یہ آواز ان کے کانوں میں پہنچنی تھی کہ انہوں نے ہر طرف سے لبیک لبیک کہنا شروع کر دیا اور آواز کی جانب لپک پڑے اور اسی وقت لوٹ کر آپ کے آس پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کا اونٹ نہیں رہا تو اس نے اپنی زرہ پہن لی' اونٹ پر سے کود گیا اور پیدل سرکار نبوت میں حاضر ہو گیا۔ جب کچھ جماعت آپؐ کے ارد گرد جمع ہو گئی۔ آپؐ نے خدا سے دعا مانگنی شروع کی کہ بارالہا' جو وعدہ تیرا میرے ساتھ ہے' اسے پورا فرما۔ پھر آپؐ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی اور اسے کافروں کی طرف پھینکا۔ جس سے ان کی آنکھیں اور ان کے منہ بھر گئے۔ وہ لڑائی کے قابل نہ رہے۔ ادھر مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ ان کے قدم اُکھڑ گئے۔ بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور مسلمانوں کی باقی فوج حضور ﷺ کے پاس پہنچی۔ اتنی دیر میں تو انہوں نے ان کفار کو قید کر کے آپ کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ مسند احمد میں ہے حضرت ابو عبدالرحمٰن فہری جن کا نام یزید بن اسید ہے یا یزید بن انیس ہے اور کرز بھی کہا گیا ہے' فرماتے ہیں کہ میں اس معرکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ اس دن بڑی گرمی پڑ رہی تھی۔ دوپہر کو ہم درختوں کے سائے تلے ٹھہر گئے۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد میں نے اپنے ہتھیار لگا لئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے خیمہ میں پہنچا۔ سلام کے بعد میں نے کہا' حضور ﷺ ہوائیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ بلال! اس وقت بلالؓ ایک درخت کے سائے میں تھے۔ حضور ﷺ کی آواز سنتے ہی پرندے کی طرح گویا اُڑ کر لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَاَنَا فِدَآئُکَ کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا' میری سواری کسو' اسی وقت انہوں نے زین نکالی' جس کے دونوں پلے کھجور کی رسی کے تھے۔ جس میں کوئی فخر وغرور کی چیز نہ تھی۔ جب کس چکے تو حضور ﷺ سوار ہوئے ہم نے صف بندی کر لی۔ شام اور رات اسی طرح گزری۔ پھر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہو گئی تو مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیسے قرآن نے ذکر فرمایا ہے۔ حضور ﷺ نے آواز دی کہ اے اللہ کے بندو! میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں۔ اے مہاجرین میں بندۂ خدا اور رسولِ خدا ہوں۔ پھر اپنے گھوڑے سے اُتر پڑے۔ مٹی کی ایک مٹھی بھر لی اور یہ فرما کر کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں' کافروں کی طرف پھینک دی۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی۔ ان مشرکوں کا بیان ہے کہ ہم میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا' جس کی آنکھوں اور منہ میں یہ مٹی نہ آئی ہو۔ اسی وقت ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا زمین و آسمان کے درمیان لوہا کسی لوہے کی چادر پر بج رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ بھاگے ہوئے مسلمان جب ایک سو آپؐ کے پاس واپس پہنچ گئے۔ آپؐ نے اسی وقت حملہ کا حکم دے دیا۔ اول تو منادی انصار کی تھی پھر خزرج ہی پر رہ گئی۔ یہ قبیلہ لڑائی کے وقت بڑا ہی صابر تھا۔ آپ نے اپنی سواری پر سے میدان جنگ کا نظارہ دیکھا اور فرمایا اب لڑائی گرما گرمی سے ہو رہی ہے۔ اس میں سے اللہ نے جس کافر کو چاہا قتل کرا دیا جسے چاہا قید کرا دیا اور ان کے مال اور اولاد اپنے نبی کو فے میں دلا دیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ اے ابوعمارہ! کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے حنین والے دن بھاگے نکلے تھے؟ آپ نے فرمایا لیکن رسول اللہ ﷺ کا قدم پیچھے نہ ہٹا تھا۔ بات یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ تیر اندازی کے فن کے استاد تھے۔ خدا کے فضل سے ہم نے انہیں پہلے ہی حملہ میں شکست دے دی لیکن جب لوگ مال غنیمت پر جھک پڑے۔ انہوں نے موقعہ دیکھ کر پھر جو قدر اندازی کے ساتھ تیر

برسائے تو یہاں بھگدڑ مچ گئی۔ سبحان اللہ! رسول اللہ ﷺ کی کامل شجاعت اور پوری بہادری کا یہ موقعہ تھا۔ لشکر بھاگ نکلا ہے اس وقت آپ کسی تیز سواری پر نہیں جو بھاگنے دوڑنے میں کام آئے۔ بلکہ خچر پر سوار ہیں اور مشرکوں کی طرف بڑھ رہے ہیں اور خود کو چھپانے اور عام لوگوں کی نظر سے بچانے کی کوشش بھی نہیں فرماتے۔ بلکہ اپنا نام اپنی زبان سے پکار پکار کر بتلا رہے ہیں کہ نہ پہچاننے والے بھی پہچان لیں۔ خیال فرمائیے کہ کس قدر ذاتِ واحد پر آپ کا توکل ہے اور کتنا کامل یقین آپ کو اللہ کی مدد پر ہے۔ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امرِ رسالت کو پورا کر کے ہی رہے گا اور آپ کے دین کو دنیا کے اور دنیوی پر غالب کر کے ہی رہے گا۔ فصلوات اللہ وسلامہ علیہ ابداً ابداً۔

اب اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک ﷺ پر اور مسلمانوں کے اوپر سکینت نازل فرماتا ہے اور اپنے فرشتوں کا لشکر بھیجتا ہے جنہیں کوئی نہ دیکھتا تھا۔ ایک مشرک کا بیان ہے کہ حنین والے دن جب ہم مسلمانوں سے لڑنے لگے۔ ایک بکری کا دودھ نکالا جائے اتنی دیر بھی ہم نے انہیں سامنے نہ جمنے دیا۔ فوراً بھاگ کھڑے ہوئی اور ہم نے ان کا تعاقب شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہمیں ایک صاحب سفید خچر پر سوار نظر پڑے۔ ہم نے دیکھا کہ خوبصورت نورانی سفید چہرے والے کچھ لوگ ان کے اردگرد ہیں۔ ان کے زبان سے نکلا کہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں واپس چلے جاؤ۔ بس یہ کہنا تھا کہ ہمیں شکست ہوگئی۔ یہاں تک کہ مسلمان ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں میں بھی اس لشکر میں تھا۔ آپ کے ساتھ صرف اسی مہاجرو انصار رہ گئے تھے۔ ہم نے پیٹھ نہیں دکھائی تھی۔ ہم پر اللہ تعالیٰ نے اطمینان وسکون نازل فرمادیا تھا۔ حضور ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار دشمنوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جانور نے ٹھوکر کھائی۔ آپ زمین پر سے نیچے کی طرف جھک گئے۔ میں نے آواز دی کہ حضور ﷺ اونچے ہو جائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اونچا ہی رکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک مٹھی مٹی کی تو بھر دو میں نے بھر دی۔ آپ نے کافروں پر پھینکی جس سے آنکھیں بھر گئیں۔ پھر فرمایا مہاجر و انصار کہاں ہیں؟ میں نے کہا یہیں ہیں۔ فرمایا انہیں آواز دو۔ میرا آواز دینا تھا کہ وہ تلواریں تولے ہوئے لپک لپک کر آ گئے۔ اب تو مشرکین کی کچھ نہ چلی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ حنین کے دن جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ لشکر شکست کھا کر بھاگ رہا ہے اور آپ تنہا رہ گئے ہیں تو بدر والے دن اپنے باپ اور چچا کا مارا جانا یاد آ گیا کہ وہ علیؓ اور حمزہؓ کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ ان کے انتقام لینے کا اس سے اچھا موقعہ اور کونسا ملے گا۔ آؤ پیغمبر کو قتل کریں۔ اس ارادہ سے میں آپ کی دائیں جانب بڑھا لیکن وہاں میں نے عباس بن عبدالمطلب کو پایا۔ سفید چاندی جیسی زرہ پہنے مستعد کھڑے ہیں۔ میں نے سوچا کہ چچا میں اپنے بھتیجے کی پوری حمایت کریں گے۔ چلو بائیں جانب سے جا کر اپنا کام کروں۔ ادھر سے آیا تو دیکھا کہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کھڑے ہیں۔ میں نے کہا ان کے بھی چچا کے لڑکے بھائی ہیں۔ اپنے بھائی کی ضرور حمایت کریں گے۔ پھر میں نظروں سے بچ کر پیچھے کی طرف آیا اور آپؐ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اب یہی باقی رہ گیا تھا کہ تلوار سوت کر وار کر دوں کہ میں نے دیکھا کہ ایک آگ کا کوڑا بجلی کی طرح چمک کر مجھ پر پڑنا چاہتا ہے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پچھلے پاؤں پیچھے ہٹا۔ اسی وقت حضور ﷺ نے میری طرف التفات کیا اور فرمایا شیبہ میرے پاس آؤ! خدایا اس کے شیطان کو دور فرمادے۔ اب میں نے آنکھ کھول کر جو رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا۔ تو واللہ آپ مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ آپ نے فرمایا کہ شیبہ جا کافروں سے لڑ۔ شیبہ کا بیان ہے کہ اس

جنگ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں میں بھی تھا لیکن میں اسلام کی وجہ سے یا اسلام کی معرفت کی بنا پر نہیں نکلا تھا بلکہ میں نے کہا واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہوازن قریش پر غالب آ جائیں۔ میں آپ کے پاس ہی کھڑا تھا' جو میں نے ابلق رنگ کے گھوڑے دیکھ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ابلق رنگ کے گھوڑے دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیبہ وہ تو سوا کافروں کے کسی کو نظر نہیں آتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر دعا کی کہ خدایا شیبہ کو ہدایت کر۔ پھر دوبارہ سہ بارہ یہی کیا اور یہی کہا۔ واللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہٹنے سے پہلے ہی ساری دنیا سے زیادہ محبت آپ کی میں اپنے دل میں پانے لگا......

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں اس غزوے میں آپؐ کے ہم رکاب تھا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی چیز آسمان سے اُتر رہی ہے۔ چیونٹیوں کی طرح اس نے میدان گھیر[1] لیا اور اسی وقت مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے۔ واللہ اعلم ہمیں کوئی شک نہیں کہ وہ آسمانی مدد تھی۔ یزید بن عامر سوائی اپنے کفر کے زمانے میں جنگ حنین میں کافروں کے ساتھ تھا۔ بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان سے جب دریافت کیا جاتا کہ اس موقع پر تمہارے دلوں کا رعب و خوف سے کیا حال تھا؟ تو وہ طشت میں کنکریاں رکھ بجا کر کہتے' بس یہی آواز ہمارے دلوں سے آ رہی تھی۔ بے طرح کلیجہ اچھل رہا تھا اور دل دہل رہا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' مجھے رعب سے مدد دی گئی ہے۔ مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں۔ الغرض کفار کو خدا نے یہ سزا دی اور یہ ان کے کفر کا بدلہ تھا۔ باقی ہوازن پر خدا نے مہربانی کی۔ انہیں توبہ نصیب ہوئی۔ مسلمان ہو کر خدمت مخدوم میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مندی کے ساتھ لوٹتے ہوئے مکہ شریف کے قریب جعرانہ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ جنگ کو بیس دن کے قریب گزر چکے تھے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ اب تم دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو' یا تو قیدی یا مال؟ انہوں نے قیدیوں کا واپس لینا پسند کیا۔ ان قیدیوں کی چھوٹوں بڑوں کی' مرد عورت کی' بالغ نابالغ کی تعداد چھ ہزار کی تھی۔ آپ نے یہ سب انہیں لوٹا دیئے۔ ان کا مال بطور غنیمت کے مسلمانوں میں تقسیم ہوا اور نو مسلم جو مکہ کے آزاد کردہ تھے۔ انہیں بھی آپؐ نے اس مال میں سے دیا کہ ان کے دل اسلام کی طرف پورے مائل ہو جائیں۔ ان میں سے ایک ایک کو سو اونٹ عطا فرمائے۔ مالک بن عوف نصری کو بھی آپ نے سو اونٹ دیئے اور اسی کو اس کی قوم کا سردار بنایا۔ جیسے کہ وہ تھا۔ اس کی تعریف میں اس نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے کہ میں نے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ کسی کو دیکھا ہے نہ سنا۔ دینے میں اور بخشش و عطا کرنے میں اور غلطیوں سے درگزر کرنے میں دنیا میں آپ کا ثانی نہیں۔ آپ قیامت کے دن ہونے والے تمام امور سے مطلع فرماتے رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ شجاعت اور بہادری میں بھی آپ بے مثل ہیں۔ میدان جنگ میں گرجتے ہوئے شیر کی طرح آپ دشمنوں کی طرف بڑھتے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ

[1] مقصود کثرت کا اظہار ہے یعنی اتنے کثیر تھے کہ سارے میدان پر چھا گئے۔

مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! مشرک لوگ (بوجہ عقائد خبیثہ) نرے ناپاک ہیں۔ سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو (خدا پر توکل رکھو) خدا تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا (ان کا) محتاج نہ رکھے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۔ اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اسکے رسول ﷺ نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔ O

ایک ممانعت ☆

اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین اپنے پاک دین والے پاکیزگی اور طہارت والے مسلمان بندوں کو حکم فرماتا ہے کہ وہ دین کی رو سے نجس مشرکوں کو بیت اللہ شریف کے پاس نہ آنے دیں۔ یہ آیت ۹ ہجری میں نازل ہوئی۔ اسی سال آنحضرت رسول مقبول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ حج میں اعلان کر دو کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے اور کوئی ننگا شخص بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اسی شرعی حکم کو اللہ قادر و قیوم نے یوں ہی پورا کیا کہ نہ وہاں مشرکوں کو داخلہ نصیب ہوا نہ کسی نے اس کے بعد عریانی کی حالت میں خدا کے گھر کا طواف کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ غلام اور ذمی شخص کو مستثنیٰ بتاتے ہیں۔ مسند کی حدیث میں فرمانِ رسول اکرم ﷺ ہے کہ ہماری اس مسجد میں اس سال کے بعد سوائے معاہدہ والے اور تمہارے غلاموں کے اور کوئی کافر نہ آئے لیکن اس مرفوع سے زیادہ صحیح سند والی موقوف روایت ہے۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ یہود و نصرانی کو مسلمانوں کی مسجدوں میں نہ آنے دو۔ اس منع کرنے میں آپ کا عمل اس آیت میں تھا۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حرم سارا اس حکم میں مثل مسجد حرام کے ہے۔ یہ آیت مشرکوں کی نجاست پر بھی دلیل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے مومن نجس نہیں ہوتا باقی رہی یہ بات کہ مشرکوں کا بدن اور ذات بھی نجاست ہے یا نہیں؟

پس جمہور کا قول تو یہ ہے کہ نجس نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال کیا ہے۔ بعض ظاہریہ کہتے ہیں کہ مشرکوں کے بدن بھی ناپاک ہیں۔ حسن فرماتے ہیں جو ان سے مصافحہ کرے وہ ہاتھ دھو لے۔ اس حکم پر بعض لوگوں نے کہا کہ پھر تو ہماری تجارت گر جائے گی ہمارے بازار بے رونق ہو جائیں گے اور بہت سے فائدے جاتے رہیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ غنی و حمید فرماتا ہے کہ تم اس بات سے نہ ڈرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اور بہت سی صورتوں سے دلا دے گا۔ تمہیں

اہل کتاب سے جزیہ دلائے گا اور تمہیں غنی کر دے گا۔ تمہاری مصلحتوں کو تم سے زیادہ تمہارا رب جانتا ہے۔ اس کا حکم اس کی ممانعت کسی نہ کسی حکمت سے ہوتی ہے۔ یہ تجارت اتنے فائدے کی نہیں جتنا فائدہ وہ تمہیں جزیہ سے دے گا۔ ان اہل کتاب سے جو خدا کے اور اس کے رسول ﷺ کے اور قیامت کے منکر ہیں۔ جو کسی نبی کے صحیح معنی میں پورے متبع نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کے اور اپنے آبا کی تقلید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر انہیں اپنے نبی (ﷺ پر) اپنی شریعت پر پورا ایمان ہوتا تو وہ ہمارے اس نبی پر بھی ضرور ایمان لاتے۔ ان کی بشارت تو ہر نبی دیتا رہا۔ ان کی اتباع کا حکم ہر نبی نے دیا لیکن باوجود اس کے وہ اس اشرف الرسل ﷺ کے منکر ہیں۔ پس اگلے نبیوں کی شرع سے بھی دراصل انہیں کوئی سروکار نہیں۔ اسی وجہ سے ان نبیوں کا زبانی اقرار ان کے لئے بے سود ہے کیونکہ یہ سید الانبیاء افضل الرسل خاتم النبیین اکمل المرسلین ﷺ سے کفر کرتے ہیں۔ اس لئے ان سے بھی جہاد کرو۔ ان سے جہاد کے حکم میں یہ پہلی آیت ہے اس وقت تک آس پاس کے مشرکین سے جنگ ہو چکی تھی۔ ان میں کے اکثر توحید کے جھنڈے تلے آ چکے تھے۔ جزیرۃ العرب میں اسلام نے جگہ کر لی تھی۔ اب یہود و نصاریٰ کی خبر لینے اور راہِ حق دکھانے کا حکم ہوا۔ ۹ ہجری میں یہ حکم اُترا اور آپ نے رومیوں سے جہاد کی تیاری کی۔ لوگوں کو اپنے ارادہ سے آگاہ کیا۔ مدینہ کے اردگرد کے عربوں کو آمادہ کیا اور تقریباً تیس ہزار کا لشکر لے کر روم کا رخ کیا۔ بجز منافقین کے یہاں کوئی نہ رکا۔ اگر کچھ رہ گئے تو وہ بہت ہی تھوڑے تھے۔ موسم سخت گرم تھا۔ پھلوں کا وقت تھا۔ روم سے جہاد کے لئے شام کے ملک کا دور دراز کا کٹھن سفر تھا۔ تبوک تک تشریف لے گئے۔ وہاں تقریباً بیس روز قیام فرمایا۔ پھر استخارہ کر کے حالت کی تنگی اور لوگوں کی ضعیفی کی وجہ سے واپس لوٹ آئے جیسے کہ عنقریب اس کا واقعہ ان شاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا۔

اسی آیت سے استدلال کر کے بعض نے فرمایا ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے اور ان جیسوں سے ہی لیا جائے۔ جیسے مجوس ہیں۔ چنانچہ ہجر کے مجوسیوں سے آنحضرت ﷺ نے جزیہ لیا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور مشہور مذہب امام احمد کا بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں سب عجمیوں سے لیا جائے۔ خواہ وہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرک ہوں۔ ہاں عرب میں سے صرف اہل کتاب سے ہی لیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جزیہ کا لینا تمام کفار سے جائز ہے۔ خواہ وہ کتابی ہوں یا مجوسی ہوں یا بت پرست وغیرہ ہوں۔ ان مذاہب کے دلائل وغیرہ کے بسط کی یہ جگہ نہیں واللہ اعلم۔ پس فرماتا ہے کہ جب تک وہ ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھوں جزیہ نہ دیں۔ انہیں نہ چھوڑو۔ پس اہل ذمہ کو مسلمانوں پر عزت و توقیر دینی اور انہیں عروج و ترقی دینی جائز نہیں۔ صحیح مسلم میں ہے رسولِ خدا ﷺ فرماتے ہیں' یہود و نصاریٰ سے سلام کی ابتدا نہ کرو اور جب ان میں سے کوئی راستے میں مل جائے تو اسے تنگی کی طرف مجبور کرو۔ یہی وجہ تھی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے ایسی ہی شرطیں کی تھیں۔ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں' میں نے اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا کہ اہل شام کے فلاں فلاں شہری لوگوں کی طرف سے یہ معاہدہ ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہ جب آپ کے لشکر ہم پر آئے' ہم نے آپ سے اپنی جان مال اور اہل و عیال کے لئے امن طلب کی۔ ہم سے ان شرطوں پر وہ امن حاصل کرتے ہیں کہ ہم اپنے شہروں میں اور ان کے پاس کوئی دیر اور کوئی گرجا گھر اور کوئی خانقاہ نیا نہیں بنائیں گے اور نہ ایسے کسی خرابی والے مکان کی اصلاح کریں گے اور جو مٹ چکے ہیں انہیں درست نہیں کریں گے۔ ان میں اگر کوئی مسلمان مسافر اُترنا چاہے تو روکیں گے نہیں۔ خواہ دن ہو خواہ رات ہو ہم ان کے دروازے اور رہ گزر مسافروں کے لئے کشادہ رکھیں گے اور جو مسلمان

آئے ہم اس کی تین دن تک مہمانداری کریں گے ہم اپنے مکانوں یا رہائشی مکانوں وغیرہ میں کہیں کسی جاسوس کو نہ چھپائیں گے۔ مسلمانوں سے کوئی دھوکہ فریب نہیں کریں گے۔ اپنی اولاد کو قرآن نہ سکھائیں گے۔ شرک کا اظہار نہ کریں گے۔ نہ کسی کو شرک کی طرف بلائیں گے۔ ہم میں سے کوئی اگر اسلام قبول کرنا چاہے ہم اسے ہرگز نہ روکیں گے۔ مسلمانوں کی توقیر وعزت کریں گے ہماری جگہ اگر وہ بیٹھنا چاہیں تو ہم اُٹھ کر انہیں جگہ دے دیں گے ہم مسلمانوں سے کسی چیز میں برابر نہ کریں گے۔ ہم ان کی زبان نہ بولیں گے۔ ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے۔ زین والے گھوڑوں پر سواریاں نہ کریں گے۔ تلواریں نہ لٹکائیں گے نہ اپنے ساتھ رکھیں گے۔ انگوٹھیوں پر عربی نقش نہیں کرائیں گے۔ شراب فروشی نہیں کریں گے۔ اپنے سروں کے اگلے بالوں کو ترشوادیں گے اور جہاں کہیں ہوں گے زنار ضرور تاً ڈالے رہیں گے۔ صلیب کا نشان اپنے گرجوں پر ظاہر نہیں کریں گے۔ اپنی مذہبی کتابیں مسلمانوں کی گزرگاہوں اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے۔ گرجوں میں ناقوس بلند آواز سے نہیں بجائیں گے۔ نہ مسلمانوں کی موجودگی میں باآواز بلند اپنی مذہبی کتاب پڑھیں گے۔ نہ اپنے مذہبی شعار کو راستوں پر کریں گے۔ نہ اپنے مردوں پر اونچی آواز سے ہائے وائے کریں گے۔ نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے راستوں میں آگ لے کر جائیں گے۔ مسلمانوں کے حصہ میں آئے ہوئے غلام ہم نہ لیں گے۔ مسلمانوں کی خیر خواہی ضرور کرتے رہیں گے ان کے گھروں میں انہیں جھانکیں گے نہیں۔

جب یہ عہد نامہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے ایک شرط اور بھی اس میں بڑھوائی کہ ہم کسی مسلمان کو ہرگز ماریں گے نہیں۔ یہ تمام شرطیں ہمیں قبول ومنظور ہیں اور ہمارے سب ہم مذہبوں لوگوں کو بھی ان ہی شرائط پر امن ملا ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی ہم خلاف ورزی کریں گے تو ہم سے آپ کا ذمہ الگ ہو جائے گا اور جو کچھ آپ اپنے دشمنوں اور مخالفین سے کرتے ہیں ان تمام کے مستحق ہم بھی ہو جائیں گے۔[1]

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ

[1] ان شرائط کو سخت یا خلاف انصاف نہ کہیے اول تو ان مظالم کی سیاہ تاریخ پر نظر ڈالیے جو ان اقوام کی جانب سے مٹھی بھر مسلمانوں پر ہمیشہ ہوتے رہے اور دنیا کے کسی بھی گوشہ میں جب بھی ان کو اقتدار تھوڑا بہت میسر آیا تو کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو انہوں نے مسلمانوں پر روا نہ رکھا ہو۔ یہ معاہدہ اور مسلمانوں کی طرف سے یہ شرائط ان مظالم کے مقابلہ میں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے ضروری تھا کہ اسلام کا تفوق ذہنوں میں قائم کیا جائے تاکہ دوسرے مذاہب کے دائروں میں ایک ذلت انگیز زندگی کے بجائے اسلام کی دی ہوئی باعزت زندگی کی تڑپ لوگوں میں نمایاں ہو۔ یہی کچھ اسباب تھے جن کی بنا پر یہ معاہدہ وجود میں آیا۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور یہود (میں سے بعض) نے کہا کہ عزیز خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ (میں سے اکثر) نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ان کے منہ سے کہنے کا۔ یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔ خدا ان کو غارت کرے۔ یہ کدھر اُلٹے جار ہے ہیں۔ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء کو اور مشائخ کو (باعتبار طاعت کے) رب بنا کر رکھا ہے اور مسیح بن مریم کو بھی۔ حالانکہ انکو صرف یہ حکم کیا گیا ہے کہ فقط ایک معبود (برحق) کی عبادت کریں۔ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ ○

یہود و نصاریٰ کے ذہنی دھوکے ☆

ان آیتوں میں بھی جناب باری عزوجل مومنوں کو مشرکوں' کافروں سے' یہودیوں' نصرانیوں سے جہاد کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ فرماتا ہے' دیکھو وہ شانِ خدا میں کیسی گستاخیاں کرتے ہیں۔ یہود عزیر کو خدا کا بیٹا بتلاتے ہیں' اللہ اس سے پاک اور برتر و بلند تر ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ ان لوگوں کو حضرت عزیز کی نسبت جو یہ وہم ہوا' اس کا قصہ یہ ہے کہ جب عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے ان کے علما کو قتل کر دیا۔ ان کے رئیسوں کو قید کر لیا۔ عزیر علیہ السلام علم کے اُٹھ جانے سے اور علما کے قتل ہو جانے سے اور بنی اسرائیل کی تباہی سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ اب جو رونا شروع کیا تو آنکھوں سے آنسو ہی نہ تھمتے تھے۔ روتے روتے پلکیں بھی جھڑ گئیں۔ ایک دن اسی طرح روتے ہوئے ایک میدان سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ ایک عورت قبر کے پاس بیٹھ کر رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے ہائے اب میرے کھانے کا کیا ہوگا؟ میرے کپڑوں کا ہوگا؟ آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا' اس شخص سے پہلے تجھے کون کھلاتا تھا اور کون پہناتا تھا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ نے فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ تو اب بھی زندہ ہے' اس پر کبھی موت آئے گی ہی نہیں۔ یہ سن کر اس عورت نے کہا' اے عزیر پھر تم یہ بتلاؤ کہ بنی اسرائیل سے پہلے علماء کو کون علم سکھاتا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ۔ اس نے کہا آپ یہ رونا دھونا لے کر کیوں بیٹھے ہیں۔ آپ کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ جناب باری سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو تنبیہ ہے۔ پھر آپ سے فرمایا کہ فلاں نہر پر جا کر غسل کرو۔ وہیں دو رکعت نماز ادا کرو۔ وہاں تمہیں ایک شخص ملیں گے وہ جو کچھ کھلائیں وہ کھالو۔ چنانچہ وہیں تشریف لے گئے' نہا کر نماز ادا کی۔ دیکھا کہ ایک شخص ہیں۔ کہہ رہے ہیں منہ کھولو۔ آپ نے منہ کھول دیا تو انہوں نے تین مرتبہ کوئی چیز آپ کے منہ میں بڑی سی ڈالی۔ اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا۔ آپ تورات کے سب سے بڑے عالم بن گئے۔ بنی اسرائیل میں گئے' ان سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس تورات لایا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ ہم سب کے نزدیک سچے ہیں۔ آپ نے اپنی انگلی کے ساتھ قلم کو لپیٹ لیا اور اسی انگلی سے بیک وقت پوری تورات لکھ ڈالی۔ ادھر لوگ لڑائی سے لوٹے۔ ان میں ان کے علماء بھی واپس آئے تو انہیں عزیر علیہ السلام کی اس بات کا علم ہوا۔ یہ گئے اور پہاڑوں اور غاروں میں تورات شریف کے جو نسخے چھپا آئے تھے وہ نکال لائے اور ان نسخوں سے حضرت عزیر علیہ السلام کے لکھے ہوئے نسخے کا مقابلہ کیا تو بالکل صحیح پایا۔ اس پر بعض جاہلوں کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈال دیا کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں۔ حضرت مسیح کو نصرانی خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ ان کا واقعہ تو ظاہر ہے۔ پس ان

دونوں گروہ کی غلط بیانی قرآن بتا رہا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ ان کی صرف زبانی باتیں ہیں' جو محض بے دلیل ہیں۔ جس طرح ان سے پہلے کے لوگ کفر وضلالت میں تھے۔ یہ بھی ان ہی کے مرید و مقلد ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں لعنت کرے۔ حق سے کیسے بھٹک گئے۔

مسند احمد ترمذی اور ابن جریر میں ہے کہ جب عدی بن حاتم کو رسول اللہ ﷺ کا دین پہنچا تو شام کی طرف بھاگ نکلا۔ جاہلیت میں ہی یہ نصرانی بن گیا تھا۔ یہاں اس کی بہن اور اس کی جماعت قید ہوگئی۔ پھر حضور ﷺ نے بطور احسان اس کی بہن کو آزاد کر دیا اور رقم بھی دی۔ یہ سیدھی اپنے بھائی کے پاس گئیں اور انہیں اسلام کی رغبت دلائی اور سمجھایا کہ تم رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس جاؤ۔ چنانچہ یہ مدینہ شریف آ گئے تھے۔ اپنی قوم طے کے سردار تھے۔ ان کے باپ کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچائی۔ آپ خود ان کے پاس آئے اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے اسی آیت اِتَّخَذُوْا کی تلاوت ہو رہی تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی۔ آپ نے فرمایا' ہاں سنو! ان کے کئے ہوئے حرام کو حرام سمجھنے لگے اور جسے ان کے علماء و درویش حلال بتلا دیں اسے حلال سمجھنے لگے۔ یہی ان کی عبادت نہیں تھی پھر آپ نے فرمایا عدی کیا تم اس سے منکر ہو کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں خدا سے بڑا اور کوئی ہے۔ کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں' کیا تمہارے خیال میں اس کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق ہے؟ پھر آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے مان لی اور خدا کی توحید اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی ادا کی آپ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا یہود پر غضب خدا اُترا ہے اور نصرانی گمراہ ہو گئے ہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح منقول ہے کہ اس سے مراد حلال و حرام کے مسائل میں علما اور ائمہ کی محض باتوں کی تقلید ہے۔ سدی فرماتے ہیں' انہوں نے بزرگوں کی ماننی شروع کر دی اور خدا کی کتاب کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں حکم تو صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ وہی جسے حرام کر دے حرام ہے اور وہ جسے حلال فرما دے حلال ہے۔ اسی کے فرمان شریعت ہیں۔ اسی کے احکام بجا لانے کے لائق ہیں۔ اس کی ذات عبادت کی مستحق ہے۔ وہ شرک سے اور شریک سے پاک ہے۔ اس جیسا اس کا شریک اس کا نظیر اس کا مددگار اس کا مقابل کوئی نہیں۔ وہ اولاد سے پاک ہے نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ پروردگار۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بدوں اس کے کہ اس کے اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے مانے گا نہیں۔ گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔ (چنانچہ) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین دے کر بھیجا۔ تا کہ اس کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔ ○

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ☆

فرماتا ہے کہ ہر قسم کے کفار کا ارادہ اور خواہش یہی ہے کہ نورِ خدا بجھا دیں ہدایت خداوندی اور دین حق کو مٹا دیں تو خیال کر لو کہ اگر کوئی شخص اپنے منہ کی پھونک سے آفتاب یا مہتاب کی روشنی بجھانا چاہے تو کیا یہ ہو سکتا ہے؟ اسی طرح یہ لوگ بھی نور خدا کے بجھانے کی خواہش میں اپنی امکانی کوشش کر لیں۔ آخر عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ ضروری بات ہے اور خدا کا فیصلہ ہے کہ دین حق اور تعلیم رسول ﷺ کا بول بالا ہو گا۔ تم مٹانا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ بلند کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کی تقدیر تمہاری خواہشات پر غالب رہے گی۔ تم گو ناخوش رہو۔ لیکن آفتاب ہدایت بیچ آسمان کے پہنچ کر ہی رہے گا۔ عربی لغت میں کافر کہتے ہیں کسی چیز کے چھپا لینے والے کو اسی اعتبار سے رات کو بھی کافر کہتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی تمام چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ دانے زمین میں چھپا دیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿يُعْجِبُ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ﴾ (الحدید: ۲۰) اسی خدا نے ہدایت دی اپنے رسول ﷺ کو اور دین حق کے ساتھ اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پس حضور ﷺ کی سچی خبریں اور صحیح ایمان اور نفع والا علم یہ ہدایت ہے اور عمدہ اعمال جو دنیا و آخرت میں نفع دیں۔ یہ دین حق ہے۔ یہ تمام اور مذاہب پر چھا کر رہے گا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ میرے لئے زمین کی مشرق و مغرب لپیٹ دی گئی۔ میری امت کا ملک ان تمام جگہوں تک پہنچے گا۔ فرماتے ہیں تمہارے ہاتھوں پر مشرق و مغرب فتح ہو گا۔ تمہارے سردار جہنمی ہیں بجز ان کے جو متقی پرہیز گار اور امانت دار ہوں فرماتے ہیں یہ دین تمام اس جگہ پر پہنچے گا۔ جہاں پر دن رات پہنچیں۔ کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جہاں اللہ عزوجل اسلام کو نہ پہنچائے۔ عزیزوں کو عزیز کرے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا۔ اسلام کو عزت دینے والوں کو عزت ملے گی اور کفر کو ذلت نصیب ہو گی۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے تو یہ بات خود اپنے گھر میں بھی دیکھ لی۔ جو مسلمان ہوا اسے خیر و برکت عزت و شرافت ملی اور جو کافر رہا اسے ذلت و نکبت نفرت و لعنت نصیب ہوئی۔ پستی اور حقارت دیکھی اور ذلت کے ساتھ جزیہ دینا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھر ایسا نہیں رہے گا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے۔ وہ عزت والوں کو عزت دے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا۔ جنہیں عزت دینی چاہے گا انہیں اسلام نصیب کرے گا اور جنہیں ذلیل کرنا ہو گا وہ اسے مانیں گے نہیں لیکن اس کی ماتحتی میں انہیں آنا پڑے گا۔

حضرت عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے پاس رسول کریم ﷺ تشریف لائے مجھ سے فرمایا اسلام قبول کر تا کہ سلامتی ملے۔ میں نے کہا میں تو ایک دین کو مانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے دین کا تجھ سے زیادہ مجھے علم ہے۔ میں نے کہا سچ۔ آپ نے فرمایا بالکل سچ۔ کیا تو رکوسیہ میں سے نہیں ہے؟ کیا اپنی قوم سے تو ٹیکس وصول نہیں کرتا؟ میں نے کہا ہاں یہ تو سچ ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے دین میں یہ تیرے لئے حلال نہیں۔ پس یہ سنتے ہی میں تو جھک گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ تجھے اسلام سے کونسی چیز روکتی ہے۔ سن صرف اسی ایک بات سے تو رکتا ہے کہ مسلمان بالکل ضعیف اور کمزور اور ناتواں

ہیں۔ تمام عرب انہیں گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ پنپ نہیں سکتے۔ لیکن سن حیرہ کا تجھے کچھ علم ہے؟ میں نے کہا' دیکھا تو نہیں۔ لیکن سنا ضرور ہے۔ آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر دین کو پورا فرمائے گا' یہاں تک کہ ایک سانڈنی سوار حیرہ سے چل کر بغیر کسی خطرہ کے مکہ معظمہ پہنچے گا اور بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا۔ واللہ تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ میں نے کہا کسریٰ بن ہرمز کے۔ آپ نے فرمایا' ہاں ہاں کسریٰ بن ہرمز کے۔ تم میں مال کی اس قدر کثرت ہو گی کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ اس حدیث کو بیان کرتے وقت حضرت عدیؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان پورا ہوا۔ یہ دیکھو آج حیرہ سے سواریاں چلتی ہیں۔ بے خوف وخطر بیت اللہ پہنچ کر طواف کرتی ہیں۔ صادق و مصدوق کی دوسری پیش گوئی بھی پوری ہوئی۔ کسریٰ کے خزانے فتح ہوئے۔ میں خود اس فوج میں تھا' جس نے ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور کسریٰ کے چھپے ہوئے خزانے اپنے قبضہ میں کئے۔ واللہ مجھے یقین ہے کہ صادق و مصدوق ﷺ کی تیسری پیش گوئی بھی قطعاً پوری ہو کر ہی رہے گی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' دن رات کا دور ختم نہ ہو گا' جب تک کہ پھر لات وعزیٰ کی عبادت نہ ہونے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یا رسول اللہ آیت ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ﴾ (التوبة:۳۳) کے نازل ہونے کے بعد سے میرا خیال تو آج تک یہی رہا کہ یہ پوری بات ہے۔ آپ نے فرمایا' ہاں پوری ہوگئی اور مکمل ہی رہے گی۔ جب تک خدائے پاک کو منظور ہو۔ پھر وہی لوگ باقی رہ جائیں گے۔ جن میں کوئی خیر وخوبی نہ ہوگی۔ پس وہ اپنے باپ دادوں کی طرف پھر سے لوٹ جائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے ایمان والو اکثر احبار اور رہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں اور (غایۃ حرص سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں (اول) تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا۔ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کئے کا مزہ چکھو۔ ○

غلط طریقوں پر لوگوں کے مال اُڑانا جرم ہے☆

یہودیوں کے علماء کو احبار اور نصاریٰ کے عابدوں کو رہبان کہتے ہیں۔ آیت ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ......﴾ (المائدہ:۶۳) میں یہود کے علما کو احبار کہا گیا ہے۔ نصرانیوں کے عابدوں کو ربانی اور ان کے علما کو قسیس۔ اس آیت میں کہا گیا ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا﴾ (المائدہ:۸۲) مقصود آیت کا لوگوں کو برے علماء گمراہ صوفیوں اور عابدوں سے ہوشیار کرنا اور ڈرانا ہے۔ حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہمارے علماء میں سے وہی بگڑتے ہیں جن میں کچھ نہ کچھ شائبہ یہودیت کا ہوتا ہے اور صوفیوں اور عابدوں میں سے وہی بگڑتے ہیں جن میں نصرانیت کا شائبہ ہوتا ہے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ تم یقیناً پہلو کے طریقہ پر چلو گے۔ ایسی پوری مشابہت سے کہ ذرا بھی فرق نہ ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا کیا یہود و نصاریٰ کی روش پر؟ آپ نے فرمایا ہاں ان ہی کی اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ فارسیوں اور رومیوں کی روش پر؟ آپ نے فرمایا اور کون لوگ ہیں۔ پس ان کے اقوال و افعال کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔ یہ اس لئے کہ یہ منصب و ریاست حاصل کرنا اور اس وجاہت سے لوگوں کے مال مارنا چاہتے ہیں۔ احبار یہود کو زمانہ جاہلیت میں بڑا ہی رسوخ حاصل تھا۔ ان کے تحفے ہدیے، اخراج چراغی مقرر تھے جو بے مانگے انہیں پہنچ جاتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد اسی طمع نے انہیں قبولِ اسلام سے روکا لیکن حق کے مقابلہ کی وجہ سے اس طرف سے بھی کورے رہے اور آخرت سے بھی گئے گزرے۔ ذلت و حقارت ان پر برس پڑی اور خدا کے غضب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو گئے یہ حرام کھانے والی جماعت خود سے رک کر اوروں کے بھی درپے رہتی تھی۔ حق و باطل سے خلط ملط کر کے لوگوں کو بھی راہ حق سے روک دیتے تھے۔ جاہلوں میں بیٹھ کر گپ ہانکتے کہ ہم لوگوں کو راہ حق کی طرف بلاتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح دھوکہ ہے۔ وہ تو جہنم کی طرف بلانے والے ہیں۔ قیامت کے دن یہ بے یار و مددگار چھوڑ دیئے جائیں گے۔ عالموں کا، صوفیوں کا یعنی واعظوں اور عابدوں کا ذکر کر کے اب امیروں، دولت مندوں اور رئیسوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جیسے یہ دونوں طبقے اپنی اندر بدترین لوگوں کو بھی رکھتے ہیں۔ ایسے ہی اس تیسرے طبقہ میں بھی شریر النفس لوگ ہوتے ہیں۔ عموماً ان ہی طبقے کے لوگوں کا عوام پر اثر ہوتا ہے۔ جھنڈ کے جھنڈ حامیوں کے ان کے ساتھ بلکہ ان کے پیچھے ہوتے ہیں۔ پس ان کا بگڑنا گویا مذہبی دنیا کا ستیاناس ہونا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ ☆ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَّ رُهْبَانُهَا

یعنی "دین واعظوں، عالموں، صوفیوں اور درویشوں کے پلید طبقہ ہی سے بگڑتا ہے"۔

کنز: اصطلاحِ شرع میں اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جاتی ہو۔ حضرت ابن عمر سے یہی منقول ہے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں، جس مال کی زکوٰۃ دے دی جاتی ہے وہ اگر ساتوں زمین تلے بھی ہو تو وہ کنز نہیں اور جس کی زکوٰۃ نہ دی جاتی ہو وہ گو زمین پر ظاہر پھیلا پڑا ہو، کنز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً یہی منقول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بے زکوٰۃ کے مال سے اس مالدار کو داغا جائے گا آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے اُترنے سے پہلے تھا۔ زکوٰۃ کا حکم نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اسے مال کی طہارت بتا دی۔ خلیفۂ برحق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی

فرمایا ہے کہ قولِ خدا ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ......﴾ (التوبة:۱۰۳) نے منسوخ کر دیا ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ تلواروں کا زیور بھی کنز یعنی خزانہ ہے۔ یاد رکھو میں تمہیں وہی سناتا ہوں' جو میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار ہزار اور اس سے کم تو نفقہ ہے اور اس سے زیادہ کنز ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ مال کی کثرت کی مذمت اور قلت کی تعریف میں بہت سی حدیثیں موجود ہیں۔ بطور نمونہ کے ہم بھی ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔

مسند عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' سونے چاندی والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ تین مرتبہ آپ کا یہی فرمان سن کر صحابہ پر شاق گزرا اور انہوں نے سوال کیا کہ پھر ہم کس قسم کا مال رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حالت بیان کر کے یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ذکر کرنے والی زبان شکر کرنے والا دل اور دین کے کاموں میں مدد دینے والی بیوی۔ مسند احمد میں ہے کہ سونے چاندی کی مذمت کی۔ یہ آیت جب اُتری اور صحابہؓ نے آپس میں چرچا کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا لو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر آتا ہوں۔ اپنی سواری تیز کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے......اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ نے کہا' پھر ہم اپنی اولاد کے لئے کیا چھوڑ جائیں؟ اس میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہی پیچھے حضرت ثوبان بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے مقرر فرمائی ہے کہ بعد کا مال پاک ہو جائے۔ میراث کا مقرر کرنا بتلا رہا ہے کہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر خوشی میں نعرہ تکبیر بلند کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا اور سنو میں تمہیں بہترین خزانہ اور بتلاؤں' نیک عورت کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف نظر ڈالیں تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب حکم دے فوراً بجالائے اور جب موجود نہ ہو حفاظت کرے۔

حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے۔ ایک منزل میں اُترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ' کھیلیں۔ مجھے برا معلوم ہوا۔ آپ نے افسوس ظاہر کیا اور فرمایا میں نے تو اسلام کے بعد سے اب تک ایسی بے احتیاطی کی بات کبھی نہیں کی تھی۔ اب تم اسے بھول جاؤ اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں' اسے یاد رکھ لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب لوگ سونا چاندی جمع کرنے لگیں تو تم ان کلمات کو بکثرت کہا کرو: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ عَلَی الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ ءَ اَسْئَلُكَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَاَسْئَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَاتَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ)) یعنی یا اللہ میں تجھ سے کام کی ثابت قدمی اور بھلائیوں کی پختگی اور تیری نعمتوں کا شکریہ اور تیری عبادتوں کی اچھائی اور سلامتی والا دل اور سچی زبان اور تیرے علم میں جو بھلائی ہے' وہ اور تیرے علم میں جو برائی ہے' اس کی پناہ اور جن کی برائیوں کو تو جانتا ہے' ان سے استغفار کرتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ تو تمام غیب کا جاننے والا ہے۔ آیت میں بیان ہے کہ خدا کی راہ میں اپنے مال کو نہ خرچ کرنے والے اور اسے جمع کر کے رکھنے والے دردناک عذاب سے مطلع ہو جائیں۔ قیامت کے دن اسی مال کو خوب تپا کر گرم آگ جیسا کر کے اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور کمر داغی جائے گی اور بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ان سے فرمایا جائے گا کہ لو اپنی جمع جتھا کا مزہ چکھو۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جہنم کے گرم پانی کا تریڑا ان کے سروں پر بہاؤ' اور ان سے کہو کہ عذاب کا لطف اُٹھاؤ' تم تو بڑے ذی عزت اور بزرگ سمجھے جاتے رہے۔ یہ ہے بدلہ اس کا۔ ثابت ہوا کہ جو شخص جس چیز کو محبوب بنا کر اللہ کی اطاعت سے اسے مقدم کرے گا۔ اسی کے ساتھ اسے عذاب

ہو گا۔ ان مالداروں نے مال کی محبت میں اللہ کے فرمان کو بھلا دیا تھا۔ آج اسی مال سے انہیں سزا دی جا رہی ہے۔ جیسے کہ ابو لہب کھلم کھلا حضور ﷺ کی دشمنی کرتا تھا اور اس کی بیوی اس کی مدد کرتی تھی۔ قیامت کے دن آگ کے اور بھڑکانے کے لئے وہ اپنے گلے میں رسی ڈال کر لکڑیاں لا لا کر اسے سلگائے گی اور اس میں وہ جلتا رہے گا۔ یہ مال جو یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ یہی مال قیامت کے دن سب سے زیادہ مضر ثابت ہوں گے اسی کو گرم کر کے اس سے داغ دیئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ایسے مالداروں کے جسم اتنے لمبے چوڑے کر دیئے جائیں گے کہ ان کا ایک ایک دینار و درہم اس پر آ جائے گا۔ پھر کل مال آگ جیسا بنا کر علیحدہ علیحدہ کر کے سارے جسم پر پھیلا دیا جائے گا۔ یہ نہیں کہ ایک کے بعد ایک داغ لگے۔ بلکہ ایک ساتھ سب کے سب۔ مرفوعاً بھی یہ روایت آئی ہے' لیکن اس کی سند صحیح نہیں واللہ اعلم۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ اس کا مال ایک اژدہا بن کر اس کے پیچھے لگے گا۔ جو عضو سامنے آ جائے گا اس کو چبا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو اپنے بعد خزانہ چھوڑ جائے اس کا وہ خزانہ قیامت کے دن زہریلا اژدہا بن کر' جس کی آنکھوں پر نقطے ہوں گے۔ اس کے پیچھے لگے گا۔ یہ بھاگتا ہوا پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گا تیرا جمع کردہ اور مرنے کے بعد چھوڑا ہوا خزانہ۔ آخر اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا۔ پھر باقی جسم بھی۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے۔ اس کا مال قیامت کے دن آگ کی تختیوں جیسا بنا دیا جائے گا اور اس سے اس کی پیشانی' پہلو اور کمر داغی جائے گی۔ پچاس ہزار سال تک لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک تو اس کا حال یہی رہے گا۔ پھر اسے اس کی منزل کی راہ دکھا دی جائے گی جنت کی طرف یا جہنم کی طرف......

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ زید بن وہب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملے اور دریافت کیا کہ تم یہاں کیسے آ گئے ہو؟ آپ نے فرمایا' ہم شام میں تھے۔ وہاں میں نے آیت: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ......﴾ کی تلاوت کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں۔ یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ میں نے کہا ہمارے اور ان کے سب کے حق میں ہے۔ اس میں میرا ان کا اختلاف ہو گیا۔ انہوں نے میری شکایت کا خط دربار عثمانی میں لکھا۔ خلافت کا فرمان میرے نام آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ میں جب مدینہ پہنچا تو دیکھا کہ ہر طرح سے مجھے لوگوں نے گھیر لیا۔ اس طرح بھیڑ لگ گئی کہ گویا انہوں نے اس سے پہلے مجھے دیکھا ہی نہیں تھا۔ غرض میں مدینہ میں ٹھہرا لیکن لوگوں کی آمد و رفت سے تنگ آ گیا۔ آخر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ نے مجھے فرمایا کہ تم مدینہ کے قریب کسی صحرا میں چلے جاؤ۔ میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی لیکن یہ کہہ دیا کہ واللہ جو میں کہتا تھا' اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ بال بچوں کے کھلانے کے بعد جو بچے' اسے جمع رکھنا مطلقاً حرام ہے۔ اسی کا آپ کو فتویٰ دیتے تھے اور اسی بات کو لوگوں میں پھیلاتے تھے اور لوگوں کو بھی اس پر آمادہ کرتے تھے۔ اسی کا حکم دیتے تھے اور اس کے مخالف لوگوں پر تشدد کرتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو روکنا چاہا کہ کہیں لوگوں میں عام ضرر نہ پھیل جائے۔ یہ نہ مانے' تو آپ نے خلافت سے شکایت کی۔ امیر المومنین نے انہیں بلا کر ربذہ میں تنہا رہنے کو حکم دیا۔ آپ وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی رحلت فرما گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بطور امتحان ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ہزار اشرفیاں بھجوائیں۔ آپ نے شام سے پہلے ہی پہلے سب اِدھر اُدھر راہِ للہ خرچ کر ڈالیں۔ شام کو وہی صاحب جو انہیں صبح کو ایک ہزار اشرفیاں دے گئے تھے آئے اور کہا مجھ سے

غلطی ہو گئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ اشرفیاں اور صاحب کے لئے بھجوائیں تھیں' میں نے غلطی سے آپ کو دے دیں۔ وہ واپس کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے میرے پاس تو اب ان میں سے ایک پائی بھی نہیں' اچھا جب میرا مال آ جائے تو میں آپ کو آپ کی اشرفیاں واپس کر دوں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس آیت کے حکم کو عام بتلاتے ہیں۔ سدی فرماتے ہیں یہ آیت اہل قبلہ کے بارے میں ہے۔ احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں مدینہ میں آیا کہ ایک جماعت قریشیوں کی محفل لگائے بیٹھی ہے۔ میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا کہ ایک صاحب تشریف لائے۔ میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے بہت خستہ حالت میں' اور آ کر کھڑے ہو کر فرمانے لگے' روپیہ پیسہ جمع کرنے والے اس سے خبردار رہیں کہ قیامت کے دن جہنم کے انگارے ان کی چھاتی پر رکھے جائیں گے جو کھوے کی ہڈی کے پار ہو جائیں گے۔ پھر پیچھے کی طرف سے آگے کو سوراخ کرتے اور جلاتے ہوئے نکل جائیں گے۔ سب لوگ سر نیچا کئے بیٹھے رہے۔ کوئی بھی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی مڑ کر چل دیئے اور ایک ستون سے لگ کر بیٹھ گئے۔ میں ان کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ میرے خیال میں تو ان لوگوں کو آپ کی بات بری لگی۔ آپ نے فرمایا یہ کچھ نہیں جانتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس اگر اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو مجھے یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ تین دن گزرنے کے بعد میرے پاس اس میں کچھ بھی بچا ہوا رہے۔ ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے لئے میں کچھ رکھ لوں تو اور بات ہے۔ غالباً اسی حدیث نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب کر دیا تھا' جو آپ نے اوپر پڑھا۔ واللہ اعلم۔

ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کا حصہ ملا۔ آپ کی لونڈی نے اسی وقت ضروریات فراہم کرنا شروع کر دیں۔ سامان کی خرید کے بعد سات بچ رہے۔ حکم دیا کہ اس کے فلوس لے لو۔ تو حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے آپ اپنے پاس رہنے دیجئے تاکہ بوقت ضرورت کام آ جائے یا کوئی مہمان آ جائے تو کام نہ اٹکے۔ آپ نے فرمایا' نہیں مجھ سے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا ہے کہ جو سونا چاندی سر بند کر کے رکھا جائے۔ وہ رکھنے والے کے لئے آگ کا انگارا ہے۔ جب تک کہ اسے راہِ للہ نہ دے۔ ابن عساکر میں ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے فقیر بن کر مل' غنی بن کر نہ مل۔ انہوں نے پوچھا یہ کس طرح؟ فرمایا سائل کو رد نہ کر۔ جو ملے اسے چھپا نہ رکھ۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکے ہے؟ آپ نے فرمایا یہی ہے۔ ورنہ آگ ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اہل صفہ میں سے ایک صاحب کا انتقال ہوا۔ دو دینار یا دو درہم ان کے بچے ہوئے نکلے۔ آپ نے فرمایا آگ کے دو داغ ہیں' تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو اور روایت میں ہے کہ ایک اہل صفہ کے انتقال کے بعد ان کے تہبند کی گرہ میں سے ایک دینار نکلا' آپ نے فرمایا ایک داغ آگ کا۔ پھر دوسرے کا انتقال ہوا۔ ان کے پاس سے دو دینار برآمد ہوئے' آپ نے فرمایا دو داغ آگ ہے۔ فرماتے ہیں' جو بوک سرخ و سفید یعنی سونا چاندی چھوڑ کر مرے۔ ایک ایک قیراط کے بدلے ایک ایک تختی آگ کی بنائی جائے گی اور اسکے قدم سے لے کر ٹھوڑی تک اسکے جسم میں اس آگ کے داغ کئے جائیں گے۔ آپ کا فرمان ہے کہ جس نے دینار سے دینار اور درہم سے درہم ملا کر جمع کر کے رکھ چھوڑا۔ اس کی کھال کشادہ کر کے پیشانی اور کروٹ اور کمر پر اس کے داغ دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا یہ ہے جسے تم اپنی جانوں سے کے لئے خزانہ بناتے رہے۔ اب اس کا بدلہ چکھو۔ اس کا راوی سعف کذاب و متروک ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

یقیناً شمار مہینوں کا (جو کہ) کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک (معتبر ہیں) بارہ مہینے (قمری) ہیں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے (اسی روز سے اور) ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں۔ یہی امر مذکور دین مستقیم ہے۔ سو تم ان سب مہینوں کے بارہ میں (دین کے خلاف کر کے) اپنا نقصان مت کرنا اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ تم سے وہ لڑتے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے۔ ○

بارہ مہینے ☆

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ صادق و مصدوق حضرت محمد ﷺ نے اپنے حج کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ زمانہ گھوم کر اپنی اصل پر آ گیا ہے۔ سال کے بارہ مہینے ہوا کرتے ہیں۔ جن میں سے چار حرمت و ادب والے ہیں۔ تین تو مسلسل ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جو مضر کے ہاں ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں ہے۔ پھر پوچھا یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول ﷺ کو ہی پورا علم ہے۔ آپ نے سکوت فرمایا ہم سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور ہی نام رکھیں گے۔ پھر پوچھا کیا یہ یوم النحر یعنی قربانی کی عید کا دن نہیں؟ ہم نے کہا ہاں، پھر پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ جانے اور اس کا رسول ۔ آپ نے پھر سکوت فرمایا، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ اس مہینہ کا نام اور ہی رکھیں۔ آپ نے فرمایا کیا ذوالحجہ نہیں ہے۔ ہم نے کہا ہاں۔ پھر آپ نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ خوب جاننے والے ہیں۔ آپ پھر خاموش ہو رہے اور ہمیں پھر خیال آنے لگا کہ شاید آپ اس کا کوئی اور ہی نام رکھیں گے۔ پھر فرمایا کیا یہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے۔ ہم نے کہا بیشک۔ آپ نے فرمایا، یاد رکھو تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم میں آپس میں ایسی ہی حرمت والی ہیں۔ جیسی حرمت و عزت تمہارے اس دن کی، تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں ہے۔ تم ابھی ابھی اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا۔ سنو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن زنی کرنے لگو۔ بتلاؤ کیا میں نے تبلیغ کر دی۔ سنو! تم میں سے جو موجود ہیں، انہیں چاہئے کہ جو موجود نہیں، ان تک پہنچا دیں۔ بہت ممکن ہے کہ جسے وہ پہنچائے، وہ ان بعض سے بھی زیادہ نگہداشت رکھنے والا ہو اور روایت میں ہے کہ وسط ایام تشریق میں منیٰ میں حجۃ الوداع کے خطبہ کے موقع کا یہ ذکر ہے۔ ابوحرہ

رقاشی کے چچا جو صحابی ہیں' کہتے ہیں کہ اس خطبہ کے وقت میں حضور ﷺ کی ناقہ کی نکیل تھامے ہوئے تھا اور لوگوں کی بھیڑ کو روکے ہوئے تھا۔ آپ کے پہلے جملے کا یہ مطلب ہے کہ جو کمی بیشی' تقدیم تاخیر مہینوں کی جاہلیت کے زمانے کے مشرک کیا کرتے تھے وہ الٹ پلٹ کر اس وقت ٹھیک ہو گئی ہے۔ جو مہینہ آج ہے وہی حقیقت میں بھی ہے۔ جیسے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ یہ شہر ابتدائے مخلوق سے باحرمت و باعزت ہے۔ وہ آج بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک حرمت والا ہی رہے گا۔ پس عربوں میں یہ جو رواج پڑ گیا تھا کہ ان کے اکثر حج ذی الحجہ کے مہینے میں نہیں ہوتے تھے۔ اب کی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے حج کے موقعہ پر یہ بات نہ تھی۔ بلکہ حج اپنے ٹھیک مہینہ پر تھا۔ بعض لوگ اسکے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حج ذوالقعدہ میں ہوا۔ لیکن یہ غور طلب بات ہے۔ جیسے کہ ہم ثبوت بیان کریں گے' آیت: ﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ......﴾ کی تفسیر میں۔ اس قول سے بھی زیادہ غرابت والا ایک قول بعض سلف کا یہ بھی ہے کہ اس سال یہود و نصاریٰ' مسلمان سب کا حج کا دن اتفاق سے ایک ہی تھا' یعنی عید الاضحیٰ کا دن۔

شیخ علم الدین سخاوی نے اپنی کتاب ''المشہور فی اسماء الایام والشہور'' میں لکھا ہے کہ محرم کے مہینہ کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس نام کی وجہ اس کی حرمت کی تاکید ہے۔ اس لئے کہ عرب جاہلیت میں اسے بدل ڈالتے تھے۔ کبھی حلال کر ڈالتے کبھی حرام کر ڈالتے۔ اس کی جمع محرمات محارم محاریم ہے۔ صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینہ میں عموماً ان کے گھر خالی رہتے تھے کیونکہ یہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے۔ جب مکان خالی ہو جائے تو عرب کہتے ہیں صَفِرَ الْمَکَان اس کی جمع اصفار ہے جیسے جمل کی جمع اجمال ہے۔ ربیع الاول کے نام کا سبب یہ ہے کہ اس مہینہ میں ان کی اقامت ہو جاتی ہے ارتباع کہتے ہیں اقامت کو۔ اس کی جمع اربعا ہے۔ جیسے نصیب کی جمع انصبا اور اس کی جمع اَرْبِعَۃ ہے جیسے رغیف کی جمع ارغفہ ہے ربیع الآخر کے مہینہ کا نام رکھنا بھی اسی وجہ سے ہے۔ گویا یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے۔ جمادی الاولیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینہ میں پانی جم جاتا تھا۔ ان کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے تھے۔ یعنی ٹھیک ہر موسم پر ہی ہر مہینہ آتا تھا لیکن یہ بات کچھ موزوں نہیں۔ اس لئے کہ جب ان مہینوں کا حساب چاند پر ہے تو ظاہر ہے کہ موسمی حالت ہر ماہ پر ہر سال یکساں نہیں رہے گی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس مہینہ کا نام جس سال رکھا گیا ہو اس سال یہ مہینہ کڑاکے کے جاڑے میں آیا ہو اور پانی میں جمود ہو گیا ہو۔ چنانچہ ایک شاعر نے یہی کہا ہے کہ جمادی کی سخت اندھیری راتیں جن میں کتا بھی بمشکل ایک آدھ مرتبہ ہی بھونک لیتا ہے۔ اس کی جمع جمادات جیسے حباریٰ اور حباریات۔ یہ مذکر مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔ جمادی الاولیٰ اور جمادی الآخرہ کہا جاتا ہے۔ جمادی الاخریٰ کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ گویا یہ پانی کے جم جانے کا دوسرا مہینہ ہے۔ رجب' یہ ماخوذ ہے ترجیب سے۔ ترجیب کہتے ہیں تعظیم کو چونکہ یہ مہینہ عظمت و عزت والا ہے۔ اس لئے اسے رجب کہتے ہیں۔ اس کی جمع ارجاب رجاب اور رجبات ہے۔ شعبان کا نام شعبان اس لئے ہے کہ اس میں عرب لوگ لوٹ مار کے لئے اِدھر اُدھر متفرق ہو جاتے تھے۔ تشعب کے معنی ہیں جدا جدا ہونا۔ پس اس مہینہ کا بھی یہی نام رکھ دیا گیا۔ اس کی جمع شعبابین شعبانات آتی ہے۔ رمضان کو رمضان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اونٹنیوں کے پاؤں بوجہ شدت گرما کے جلنے لگتے ہیں۔ رَمَضَتِ الْفِصَالَ اس وقت کہتے ہیں۔ جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہوں۔ اس کی جمع رمضانات اور رماضین اور رامضہ آتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یہ محض غلط اور ناقابل التفات قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس بارے میں ایک

حدیث بھی وارد ہوئی ہے لیکن ہے وہ ضعیف۔ میں نے کتاب الصیام کے شروع میں اس کا بیان کر دیا ہے۔ شوال شلت الابل سے ہے یہ مہینہ اونٹوں کی مستیوں کا مہینہ تھا۔ یہ دم میں اٹھا دیا کرتے تھے۔ اس لئے اس مہینے کا یہی نام ہو گیا۔ اس کی جمع شواویل' شواول' شوالات آتی ہے۔ ذوالقعدہ یا ذوالقعدہ کا نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ میں عرب لوگ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ نہ لڑائی کے لئے نکلتے اور نہ سفر کے لئے۔ اس کی جمع ذوات القعدہ ہے۔ ذوالحِجہ کو ذوالحَجہ کہہ سکتے ہیں چونکہ اسی ماہ میں حج ہوتا تھا' اس لئے اس کا یہ نام مقرر ہو گیا۔ اس کی جمع ذوات الحجہ آتی ہے۔ یہ تو تھی وجہ ان مہینوں کے ناموں کی۔

اب ہفتے کے سات دنوں کے نام اور ان ناموں کی جمع سنیے۔ اتوار کے دن کو یوم الاحد کہتے ہیں۔ اس کی جمع آماد اور وحود آتی ہے۔ پیر کے دن کو اثنین کہتے ہیں۔ اس کی جمع اثانین آتی ہے۔ منگل کو ثلاثا کہتے ہیں۔ یہ مذکر بھی بولا جاتا ہے اور مؤنث بھی۔ اس کی جمع ثلاثاوات اور اثالث آتی ہے۔ بدھ کے دن کو اربعاء کہتے ہیں۔ جمع اربعاوات اور ارابیع آتی ہے جمعرات کو خمیس کہتے ہیں۔ جمع اس کی اخمسہ اخامس آتی ہے۔ جمعہ کو جُمُعہ اور جُمْعہ کہتے ہیں۔ اس کی جمع جُمُعٌ اور جَمَاعَاتٌ آتی ہے۔ سنیچر یعنی ہفتہ کے دن کو سبت کہتے ہیں۔ سبت کے معنی ہیں قطع کے۔ چونکہ گنتی ہفتہ کے دنوں کی یہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسے سبت کہتے ہیں۔ قدیم عربوں میں ہفتہ کے دنوں کے نام یہ تھے۔ اول' رہون' جبار' دبار' مونث عروبہ' شیار۔ عرب جاہلیت کے اشعار میں بھی دنوں کے نام پائے جاتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان بارہ مہینوں میں چار حرمت والے ہیں۔ جاہلیت کے عرب بھی انہیں حرمت والے مانتے تھے لیکن بسل نامی ایک گروہ اپنے تشدد کی بنا پر آٹھ مہینوں کو حرمت والا خیال کرتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں رجب کو قبیلہ مضر کی طرف اضافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس مہینہ کو وہ رجب کا مہینہ شمار کرتے تھے' دراصل وہی رجب کا مہینہ عنداللہ بھی تھا' جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں ہے۔ قبیلہ ربیعہ کے نزدیک رجب شعبان اور شوال کے درمیان کے مہینے کا یعنی رمضان کے مہینے کا تھا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول دیا کہ حرمت والا مضر کا ہے نہ کہ ربیعہ کا۔ ان چار حرمت والے مہینوں میں سے تین پے در پے اس مصلحت سے ہے کہ حاجی ذوالقعدہ کے مہینے میں نکلے تو اس وقت تک لڑائیاں' مار پیٹ' جنگ و جدال' قتل و قتال بند ہو۔ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ پھر ذی الحجہ میں احکام حج کی ادائیگی امن و امان' عمدگی اور شان سے ہو جائے۔ پھر ماہ محرم کی حرمت میں واپس گھر پہنچ جائے۔ درمیانہ سال میں رجب کو حرمت والا بنانے کی غرض یہ ہے کہ زائرین اپنے طواف بیت اللہ کے شوق کو عمرہ کی صورت میں ادا کر لیں۔ گو دور دراز والے ہوں۔ وہ بھی مہینہ بھر میں آمد و رفت کر لیں۔ یہی اللہ کا سچا اور سیدھا دین ہے پس خدا کے فرمان کے مطابق تم ان پاک مہینوں کی حرمت کرو۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ گناہوں سے بچو۔ اس لئے کہ اس میں گناہوں کی برائی اور بڑھ جاتی ہے۔ جیسے کہ حرم شریف کا گناہ اور جگہ کے گناہ سے بڑھ جاتا ہے۔ فرمانِ خدا ہے کہ جو حرم میں الحاد کا ارادہ ظلم سے کرے' ہم اسے دردناک عذاب دیں گے۔ اسی طرح ان محترم مہینوں کا گناہ اور جگہ سے بڑھ جاتا ہے اسی لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک ان مہینوں کے قتل کی دیت بھی سخت ہے۔ اسی طرح حرم کے اندر کے قتل کی اور ذی محرم رشتے دار کے قتل کی بھی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' فِیهِنَّ سے مراد سال بھر کے کل مہینے ہیں۔ پس ان کل مہینوں میں گناہوں سے

بچو۔ خصوصاً ان چار مہینوں میں کہ یہ حرمت والے ہیں۔ ان کی بڑی عزت ہے۔ ان میں گناہ سزا کے اعتبار سے اور نیکیاں اجرو ثواب کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں۔

حضرت قتادہ کا قول ہے کہ حرمت والے مہینوں میں گناہ کی سزا اور بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ گوظلم ہر حال میں بری چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جس امر کو چاہے بڑھا دے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بھی پسند فرمایا فرشتوں میں انسانوں میں اپنے رسول چن لئے۔ اسی طرح کلام میں سے اپنے ذکر کو پسند فرمالیا اور زمین میں سے مسجدوں کو پسند فرمالیا اور مہینوں میں سے رمضان شریف کو اور ان چار مہینوں کو پسند فرمالیا اور دنوں میں سے جمعہ کے دن کو اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کو۔ پس تمہیں ان کی عظمت کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ جنہیں خدا نے عظمت دی ہے۔ امور کی تعظیم اتنی کرنی عقل منداور سمجھدار لوگوں کے نزدیک ضروری ہے، جتنی تعظیم ان کی اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے بتلائی ہے۔ ان کی حرمت کا ادب نہ کرنا حرام ہے۔ ان میں جو کام حرام ہیں انہیں حلال نہ کرلو۔ جو حرام ہیں انہیں حرام نہ بنالو۔ جیسے اہل شرک کرتے ہیں۔ یہ ان کے کفر میں زیادتی کی بات تھی۔

پھر فرمایا کہ تم سب کے سب کافروں سے جہاد کرتے رہو۔ جیسے کہ وہ سب کے سب تم سے برسر جنگ ہیں۔ حرمت والے ان چار مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنی منسوخ یا محکم ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ پہلا تو یہ کہ منسوخ ہے۔ یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ اس آیت کے الفاظ پر غور کیجئے کہ پہلے تو فرمان ہوا کہ ان مہینوں میں ظلم نہ کرو۔ پھر مشرکوں سے جنگ کرنے کو فرمایا۔ ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے۔ حرمت کے مہینے بھی اس میں آ گئے۔ اگر یہ مہینے اس سے الگ ہوتے تو ان کے گزر جانے کی قید ساتھ ہی بیان ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ ماہِ ذوالقعدہ میں کیا تھا، جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ آپ ہوازن قبیلہ کی طرف شوال میں چلے۔ جب ان کو ہزیمت ہوئی اور ان میں کے بچے ہوئے بھاگ کر طائف میں پناہ گزیں ہوئے تو آپ وہاں گئے اور چالیس دن تک محاصرہ رکھا۔ پھر بغیر فتح ہوئے وہاں سے واپس لوٹ آئے۔ پس ثابت ہے کہ آپ نے حرمت والے مہینے میں محاصرہ کیا دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنی حرام ہے اور ان مہینوں کی حرمت کا حکم منسوخ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ شعائر خداوندی کو اور حرمت والے مہینوں کو حلال نہ کرلیا کرو اور فرمان ہے حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں قصاص ہیں۔ پس جو تم پہ زیادتی کرے تو تم بھی ان سے ویسی ہی زیادتی کا بدلہ لے لو...... اور فرمان ہے: ﴿اِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ......﴾ (التوبۃ: ۵) حرمت والے مہینے گزر جانے کے بعد مشرکوں سے جہاد کرو۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ چار مہینے ہیں ہر سال میں۔ پھر فرمایا کہ تم سب مسلمان ان سے اسی طرح لڑو، جیسے کہ وہ تم سے سب کے سب لڑتے ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ حکم پہلے حکم سے مختلف نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ حکم بالکل نیا اور الگ ہو۔ مسلمانوں کو رغبت دلانے اور انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے تو فرماتا ہے کہ جیسے تم سے جنگ کرنے کے لئے وہ عرب کے تمام علاقوں سے جمع ہو کر آتے ہیں، تم بھی اپنے سب کلمہ گویوں کو لے کر ان سے مقابلہ کرو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملہ میں مسلمانوں کو حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کی رخصت دی ہو۔ جبکہ حملہ ان کی طرف سے ہو جیسے آیت: ﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ﴾ (البقرہ: ۱۹۴) میں ہے اور جیسے آیت: ﴿وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ......﴾ (البقرہ: ۱۹۱) میں بیان ہے کہ ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو، جب تک کہ وہ لڑائی کی خود ابتدا نہ کریں۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو...... یہی

جواب حرمت والے مہینہ میں حضور ﷺ کے طائف کے محاصرے کا ہے کہ دراصل یہ لڑائی تتمہ تھی ہوازن کی اور ان کے ثقفی حلیفوں کی لڑائی کا۔ انہوں نے ہی لڑائی کی ابتدا کی تھی۔ اِدھر اُدھر سے آپ کے مخالفین کو جمع کر کے لڑائی کی دعوت دی تھی۔ پس حضور ﷺ ان کی طرف بڑھے۔ یہ بڑھنا بھی حرمت والے مہینہ میں نہ تھا۔ یہاں شکست کھا کر یہ لوگ طائف میں بھاگ گئے تھے اور وہاں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ آپ اس مرکز کو خالی کرانے کے لئے اور آگے بڑھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا مسلمانوں کی ایک جماعت کو قتل کر ڈالا۔ ادھر محاصرہ جاری رہا۔ منجنیق وغیرہ سے چالیس دن تک ان کو گھیرے رہے۔ الغرض اس جنگ کی ابتدا حرمت کے مہینے میں نہیں تھی۔ لیکن جنگ نے طول کھینچا تو حرمت کا مہینہ بھی آ گیا۔ جب چند دن گزر گئے تو آپ نے محاصرہ ہٹا لیا۔ جنگ کا جاری رکھنا اور چیز ہے اور جنگ کی ابتدا اور چیز ہے۔ اس کی بہت سی نظیریں ہیں واللہ اعلم۔ اب اس میں جو حدیثیں ہیں ہم انہیں وارد کرتے ہیں۔ ہم انہیں سیرت میں بھی بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ ع ۸

یہ ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے جس سے کفار گمراہ کئے جاتے ہیں کہ وہ اس حرام مہینہ کو کسی سال (نفسانی غرض سے) حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) حرام سمجھتے ہیں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کئے ہیں (صرف) ان کی گنتی پوری کر لیں۔ پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر دیں ان کی بداعمالیاں ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت کی (توفیق) نہیں دیتا۔ ○

خدا کے حکم کے ساتھ مشرکوں کی زیادتی ☆

مشرکوں کے کفر کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ کس طرح اپنی فاسد رائے کو اور اپنی ناپاک خواہش کو شریعت خداوندی میں داخل کر کے خدا کے دین کے احکام الٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا لیتے تھے۔ تین مہینے کی حرمت کو تو ٹھیک رکھا۔ پھر چوتھے مہینہ کی حرمت کو اس طرح بدل دیا کہ محرم کو صفر کے مہینہ میں کر دیا اور محرم کی حرمت نہ کی۔ تا کہ بظاہر سال کے چار مہینہ کی حرمت بھی پوری ہو جائے اور اصلی حرمت کے مہینے میں لوٹ مار قتل و غارت بھی ہو جائے اور اس پر اپنے قصیدوں میں بھی خوب فخر کرتے تھے۔ ان کا ایک سردار تھا جنادہ بن عمرو ابن امیہ کنانی' یہ ہر سال حج کو آتا۔ اس کی کنیت ابو ثمامہ تھی۔ یہ منادی کر دیتا کہ نہ تو ابو ثمامہ کے مقابلہ میں کوئی آواز اُٹھا سکتا ہے۔ نہ اس کی بات میں کوئی عیب جوئی کر سکتا ہے۔ سنو! پہلے سال کا صفر مہینہ حلال ہے اور دوسرے سال کا حرام۔ پس ایک سال کے محرم کی حرمت نہ رکھتے دوسرے سال کے محرم کی حرمت منا لیتے۔ اس کی اسی زیادتی کفر کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ شخص اپنے گدھے پر سوار آتا اور جس سال یہ محرم کو حرمت والا بنا دیتا۔ لوگ اس کی حرمت کرتے اور جس سال وہ کہہ دیتا کہ محرم کو ہم نے ہٹا کر صفر میں اور صفر کو آگے بڑھا کر محرم میں کر دیا ہے اس سال عرب میں اس ماہ محرم کی حرمت کوئی نہ کرتا۔ ایک قوم یہ بھی ہے کہ بنی کنانہ کے اس شخص کو علمس کہا جاتا

تھا۔ یہ منادی کر دیتا کہ اس سال محرم کی حرمت نہ منائی جائے۔ اگلے سال محرم اور صفر دونوں کو حرمت رہے گی۔ پس اس کے قول پر جاہلیت کے زمانہ میں عمل کر لیا جاتا اور اب حرمت کے اصلی مہینہ میں جس میں ایک انسان اپنے باپ کے قاتل کو پا کر بھی اس کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھتا تھا۔ آزادی سے آپس میں خانہ جنگیاں لوٹ مار ہوتی۔ لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ گنتی میں وہ موافقت کرتے تھے اور اس میں گنتی کی موافقت بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک سال میں تین مہینے رہ جاتے ہیں اور دوسرے سال میں پانچ ماہ بن جاتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خدا کی طرف سے تو حج فرض تھا ذی الحجہ کے مہینہ میں لیکن مشرک ذی الحجہ کا نام محرم رکھ لیتے۔ پھر برابر گنتے جاتے اور اس حساب سے جو ذی الحجہ آتا' اس میں حج ادا کرتے۔ پھر محرم کے نام سے خاموشی برت لیتے۔ اس کا ذکر ہی نہ کرتے۔ پھر لوٹ کر صفر نام رکھ دیتے۔ پھر رجب کو جمادی الآخر' شعبان کو رمضان اور رمضان کو شوال۔ پھر ذوالقعدہ کو شوال' ذی القعدہ کو ذی الحجہ کو ذی القعدہ اور محرم کو ذی الحجہ کہتے اور اس میں حج کرتے۔ پھر اس کا اعادہ کرتے اور دو سال تک ہر ایک مہینے میں برابر حج کرتے۔ جس سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا۔ اس سال مشرکوں کی اس گنتی کے مطابق دوسرے برس کا ذوالقعدہ کا مہینہ تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موقعہ پر ٹھیک ذوالحجہ کا مہینہ تھا اور اسی کی طرف آپ نے اپنے خطبہ میں اشارہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ زمانہ لوٹ کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے جس ہیئت پر اس وقت تھا۔ جب زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے تھے لیکن یہ قول بھی درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اگر ذی قعدہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حج ہوا تو یہ حج کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ......﴾ (التوبۃ: ۳) یعنی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آج کے حج اکبر کے دن مشرکوں سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان ہے۔ اس کی منادی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حج میں بھی کی گئی۔ پس اگر یہ حج ذی الحجہ کے مہینہ میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو حج نہ فرماتا اور صرف مہینوں کی تقدیم تاخیر کو جس کا بیان اس آیت میں ہے' ثابت کرنے کے لئے اس تکلف کی ضرورت بھی نہیں۔ کیونہ وہ تو اس کے بغیر بھی ممکن ہے کیونکہ مشرکین ایک سال تو محرم الحرام کے مہینے کو حلال کر لیتے اور اس کے عوض ماہ صفر کو حرمت والا کر لیتے۔ سال کے باقی مہینے اپنی جگہ باقی رہتے۔ پھر دوسرے سال محرم کو حرام سمجھتے اور اس کی حرمت و عزت باقی رکھتے۔ تاکہ سال کے چار حرمت والے مہینے جو خدا کی طرف سے مقرر تھے۔ ان کی گنتی میں موافقت کر لیں۔ پس کبھی تو حرمت والے تینوں مہینے جو پے در پے ہیں۔ ان میں سے آخری ماہ محرم کی حرمت رکھتے۔ کبھی اسے صفر کی طرف مؤخر کر دیتے رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا ہے۔ یعنی اس وقت جو مہینہ اس کے نزدیک ہے وہی مہینہ صحیح گنتی میں بھی ہے۔ اس کا پورا بیان' ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے۔ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا بیان فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ مہینوں کی تاخیر شیطان کی طرف سے کفر کی زیادتی تھی کہ کافر بہکیں۔ وہ ایک سال محرم کو حرمت والا کرتے اور صفر کو حلت والا۔ پھر محرم کو حلت والا کر لیتے یہی ان کی وہ تقدیم تاخیر ہے۔ جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔ امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السیرت میں اس پر بہت اچھا کلام کیا ہے' جو بے حد مفید اور عمدہ ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کام کو سب سے پہلے کرنے والا قلمس حذیفہ بن عبید تھا۔ پھر قیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ پھر اس کا لڑکا عباد۔ پھر اس کا لڑکا قلع۔ پھر

اس کا لڑکا امیہ۔ پھر اس کا لڑکا عوف۔ پھر اس کا لڑکا ابوثمامہ جنادہ۔ اسی کے زمانہ میں اشاعت اسلام ہوئی۔ عرب کے لوگ حج سے فارغ ہو کر اس کے پاس جمع ہوتے۔ یہ کھڑا ہو کر انہیں لکچر دیتا اور رجب ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی حرمت بیان کرتا اور ایک سال تو محرم کو حلال کرتا اور محرم صفر کو بنا دیتا اور ایک سال محرم کو ہی حرمت والا کہہ دیتا کہ خدا کی حرمت کے مہینوں کی گنتی کے موافق ہو جائے اور خدا کا حرام حلال بھی ہو جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اے ایمان والو تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر قناعت کر لی سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دے گا۔ (یعنی تم کو ہلاک کر دے گا) اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا اور (ان سے اپنا کام لے گا) اور تم اللہ کے (کے دین) کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ ○

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبۂ ایمان' عزم و استقلال کا امتحان' معرکہ تبوک ☆

ایک طرف تو گرمی سخت پڑ رہی تھی' دوسری طرف پھل پک گئے تھے اور درختوں کے سائے بڑھ گئے تھے۔ ایسے وقت رسول اللہ ﷺ ایک دور دراز کے سفر کے لئے تیار گئے غزوۂ تبوک میں اپنے ساتھ چلنے کو سب سے فرما دیا۔ کچھ لوگ جورہ گئے تھے' انہیں جو تنبیہ کی گئی' ان آیتوں کا شروع اس آیت سے ہے کہ جب تمہیں خدا کی راہ کے جہاد کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کیوں زمین میں دھنسنے لگتے ہو۔ کیا دنیا کی ان فانی چیزوں پر ریجھ کر آخرت کی باقی نعمتوں کو بھلا بیٹھے ہو۔ سنو! دنیا کی تو آخرت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں۔ حضور ﷺ نے اپنی کلمہ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' اس انگلی کو سمندر میں ڈبو کر نکالے۔ اس پر جتنا پانی سمندر کے مقابلہ میں ہے' اتنا ہی مقابلہ دنیا کا آخرت سے ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے آپ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ کا ثواب دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں نے دو لاکھ کا فرمان بھی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کے اسی جملہ کی تلاوت کر کے فرمایا کہ دنیا جو گزر گئی اور جو باقی ہے۔ وہ سب آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ مروی ہے کہ عبدالعزیز بن مروان نے اپنے

انتقال کے وقت اپنا کفن منگوایا۔ اسے دیکھ کر فرمایا' بس میرا تو دنیا میں یہی حصہ تھا۔ میں اتنی دنیا لے کر جا رہا ہوں۔ پھر پیٹھ پھیر کر رونے لگے اور فرمایا ہائے دنیا تیرا بہت بھی کم ہے اور تیرا کم تو بہت ہی کم ہے۔ افسوس ہم تو دھوکے میں ہی رہے۔

پھر ترکِ جہاد پر اللہ تعالیٰ ڈانٹتا ہے کہ سخت دردناک عذاب ہوں گے۔ ایک قبیلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے بلوایا۔ وہ نہ اُٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی۔ پھر فرماتا ہے کہ اپنے دل میں پھولنا نہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں۔ اگر تم دوست نہ رہے تو خدا تمہیں برباد کر کے اپنے رسول کے ساتھی اوروں کو کر دے گا۔ جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ تم اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ نہیں کہ تم نہ جاؤ تو مجاہدین جہاد کر ہی نہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ میں سب قدرتیں ہیں۔ وہ تمہارے بغیر بھی اپنے دشمنوں پر اپنے غلاموں کو غالب کر سکتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت: ﴿انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ (التوبۃ: ۴۱) اور آیت: ﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ......﴾ (التوبۃ: ۱۲۰) یہ سب آیتیں آیت: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً......﴾ (التوبۃ: ۱۲۲) سے منسوخ ہیں لیکن امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے نکلنے کو فرمائیں وہ فرمان سنتے ہی اُٹھ کھڑے ہو جائیں۔ فی الواقع یہ توجیہ بہت عمدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اگر تم لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات (اور تدبیر) نیچی کر دی (کہ وہ ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ ○

اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اِس کا خدا کافی ہے ☆

تم اگر میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امداد و تائید چھوڑ دو' تو میں کسی کا محتاج نہیں ہوں۔ میں خود اس کا ناصر' مؤید' کافی اور حافظ ہوں۔ یاد کر لو ہجرت والے سال جبکہ کافروں نے آپؐ کے قتل' قید یا دیس نکالے کی سازش کی تھی اور آپ اپنے سچے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنِ تنہا مکہ شریف سے نکل بھاگے تھے۔ کون اس کا مددگار تھا۔ تین دن خوف اور ڈر کی حالت میں غار حرا میں گزرے لیکن اس وقت یہ خدا ہی کی مدد تھی کہ مشرکین پریشان ہوئے اور مایوس واپس چلے گئے اور آخر کار آپ

غار سے باہر آئے اور مدینہ کی راہ لی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لحہ بہ لحہ گھبرا رہے تھے کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کو کوئی ایذا پہنچائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تسکین فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ابوبکر ان دو کی نسبت تیرا کیا حال ہے جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوبکر بن ابوقحافہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غار میں کہا کہ اگر ان کافروں میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف کو بھی دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا' تو ان دو کو کیا سمجھتا ہے جن کا تیسرا خود خدا ہے۔ الغرض اس موقعہ پر بھی جناب باری سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی تفسیر یہی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مطمئن تھے ہی لیکن اس خاص حال میں تسکین کا از سر نو بھیجنا کچھ اس کے خلاف نہیں۔ اسی لئے اس کے ساتھ فرمایا کہ اپنے غائبانہ لشکر کو اتار کر اس کی مدد فرمائی۔ یعنی بذریعہ فرشتوں کے اللہ تعالیٰ نے کلمۂ کفر دبا دیا اور اپنے کلمہ کا بول بالا کیا۔ شرک کو پست کیا اور توحید کو اونچا کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی بہادری کے لئے دوسرا حمیت قومی کے لئے تیسرا لوگوں کو خوش کرنے کے لئے لڑ رہا ہے تو ان میں راہِ خدا کا مجاہد کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو کلمۂ خدا کو بلند و بالا کرنے کی نیت سے لڑے وہ راہ خدا کا مجاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر غالب ہے۔ جس کی مدد کرنا چاہے کرتا ہے۔ نہ اس کے سامنے کوئی پڑ سکے نہ اس کے ارادہ کو کوئی بدل سکے کون ہے جو اس کے سامنے لب ہلا سکے یا آنکھ ملا سکے۔ اس کے سب اقوال و افعال حکمت و مصلحت' بھلائی اور خوبی سے پُر ہیں۔ تعالیٰ شانہٗ وجل مجدہٗ۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱

نکل پڑو (خواہ) تھوڑے سامان سے ہو اور (خواہ) زیادہ سامان سے (ہو) اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو (تو دیر مت کرو۔) ○

جہاد میں شرکت کا حکم ☆

کہتے ہیں کہ سورۂ براۃ میں یہی آیت پہلے اُتری ہے۔ اس میں ہے کہ غزوہ تبوک کے لئے تمام مسلمانوں کو ہمراہ ہادی امم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل کھڑے ہونا چاہئے۔ اہل کتاب کے کافر رومیوں سے جہاد کے لئے تمام مومنوں کو ملنا چاہئے۔ خواہ جی مانے یا نہ مانے' خواہ آسانی نظر آئے یا بھاری پڑے۔ ذکر ہو رہا تھا کہ کوئی بڑھاپے کا کوئی بیماری کا عذر کر دے گا تو یہ آیت اُتری۔ بوڑھے جوان سب کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کا حکم ہوا۔ کسی کا کوئی عذر نہ چلا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی اور اس حکم کی تعمیل میں سرزمین شام میں چلے گئے اور نصرانیوں سے جہاد کرتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ جان آفریں کو جان سونپی رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے تو فرمایا کہ ہمارے رب نے تو میرے خیال میں بوڑھے جوان سب کو جہاد کی دعوت دی ہے۔ میرے پیارے بچو! میرا

سامان تیار کرو۔ میں ملک شام کے جہاد میں شرکت کے لئے ضرور جاؤں گا۔ بچوں نے کہا' ابا جی! حضور ﷺ کی حیات تک آپ نے حضور ﷺ کی ماتحتی میں جہاد کیا۔ خلافت صدیقی میں آپ مجاہدین کے ساتھ رہے۔ خلافت فاروقی میں بھی آپ کے جہادی ولولے مشہور ہیں۔ اب آپ کی عمر جہاد کی نہیں رہی۔ آپ گھر پر آرام کیجئے۔ ہم لوگ آپ کی طرف سے میدان جہاد میں نکلتے ہیں اور اپنی تلواروں کے جوہر دکھاتے ہیں لیکن آپ نہ مانے اور اس وقت گھر سے روانہ ہو گئے۔ سمندر پار جانے کے لئے کشتی لی اور چلے۔ ہنوز منزل مقصود سے کئی دن کی راہ پر تھے۔ جو بیچ سمندر کے روح خدا کو سونپ دی۔ نو دن تک کشتی چلتی رہی لیکن کوئی جزیرہ یا ٹاپو نظر نہ آیا کہ وہاں آپ کو دفن کیا جائے۔ نو دن کے بعد ملاح خشکی پر اُترے اور آپ کو سپرد لحد کیا۔ اب تک نعش مبارک جوں کی توں تھی رضی اللہ عنہ وارضاہ اور یہ بھی بہت سے بزرگوں سے خفافاً وثقالاً کی تفسیر جوان بوڑھے منقول ہے۔ الغرض جوان ہوں' بوڑھے ہوں' امیر ہوں' فارغ ہوں' مشغول ہوں' خوش حال ہوں یا تنگ دست ہوں' پیشہ ور ہوں یا تجارتی ہوں' قوی ہوں یا کمزور ہوں۔ جس حالت میں بھی ہوں' بلا عذر کھڑے ہو جائیں اور راہ خدا میں جہاد کے لئے چل پڑیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے طور پر امام ابو عمرو اوزاعی کا قول ہے کہ جب اندرون روم پر حملہ ہو تو مسلمان ہلکے پھلکے اور سوار چلیں اور جب ان بندوں کے کناروں پر حملہ ہو تو ہلکے بوجھل' سوار' پیدل ہر طرح نکل کھڑے ہو جائیں[1]۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ آیت: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ......﴾ (التوبة: ۱۲۲) سے یہ منسوخ ہے' اس پر ہم پوری روشنی ڈالیں گے۔ ان شاء اللہ۔

روایت ہے کہ ایک بھاری بدن کے بڑے شخص نے آپ سے اپنا حال ظاہر کر کے اجازت چاہی' لیکن آپ نے انکار کر دیا اور یہ آیت اُتری لیکن یہ حکم صحابہؓ پر سخت گزرا۔ پھر جناب باری اسے آیت: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ......﴾ (التوبة: ۹۱) سے منسوخ کر دیا۔ یعنی ضعیفوں' بیماروں' تنگ دستوں فقیروں پر جبکہ ان کے پاس خرچ تک نہ ہو۔ اگر وہ دین خدا اور شرع مصطفیٰ کے حامی اور طرفدار اور خیر خواہ ہوں تو میدان جنگ میں نہ جانے پر کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اول غزوے سے لے کر پوری عمر تک سوائے ایک سال کے ہر غزوے میں موجود رہے اور فرماتے رہے کہ خفیف وثقیل دونوں کو نکلنے کا حکم ہے اور انسان کی حالت ان دو حالتوں سے سوا نہیں ہوتی۔ حضرت ابو راشد حرانی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مقداد بن اسود سوار سرکار رسالت مآب کو حمص میں دیکھا کہ ہڈی اتر گئی ہے' پھر بھی ہودج میں سوار ہو کر جہاد کو جا رہے ہیں تو میں نے کہا اب تو شریعت آپ کو معذور سمجھتی ہے۔ پھر آپ یہ تکلیف کیوں اُٹھا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو! سورۃ البعوث یعنی سورہ براءت ہمارے سامنے اُتری ہے۔ جس میں حکم ہے کہ ہلکے بھاری سب جہاد کرو۔ حضرت حیان بن زید شرعبی کہتے ہیں کہ صفوان بن عمرو والی حمص کے ساتھ جراجمہ کی جانب جہاد کے لئے چلے۔ میں نے دمشق کے ایک بزرگ عمر رسیدہ کو دیکھا کہ حملہ کرنے والوں کے ساتھ اپنے اونٹ پر سوار وہ بھی آ رہے ہیں۔ ان کی بھویں ان کی آنکھوں پر پڑ رہی ہیں۔ شیخ فانی ہو چکے ہیں۔ میں نے پاس جا کر کہا' چچا صاحب' آپ تو اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معذور ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنی آنکھوں پر سے بھویں ہٹائیں اور فرمایا بھتیجے سنو! اللہ تعالیٰ نے ہلکے اور بھاری ہونے کی دونوں صورتوں میں ہم سے جہاد میں نکلنے کی طلب کی ہے۔ ہے۔ سنو! خدا کی آزمائش شکر و صبر و ذکر اللہ اور توحید خالص سے ہوتی ہے۔ جہاد کے حکم کے بعد مالک زمین و زمان اپنی راہ

[1] کیونکہ اس دوسری صورت میں خطرہ زیادہ ہے اور جب اسلامی اسٹیٹ کو زیادہ خطرہ درپیش ہو تو جہاد ہر ایک پر فرض ہو جاتا ہے۔

میں اپنے رسول کی مرضی میں مال و جان کے خرچ کا حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔ دنیوی نفع تو یہ ہے کہ معمولی سا خرچ ہو گا اور بہت سی غنیمت ملے گی۔ آخرت کا نفع یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ دو باتوں میں سے ایک ضروری ہے۔ وہ مجاہد کو یا شہید کر کے جنت کا مالک بنا دیتا ہے یا اسے سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹاتا ہے۔ خرد خداوند عالم کا فرمان عالی شان ہے کہ تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ باوجودیکہ تم اس سے اعراض[1] کرتے ہیں۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ تمہاری نہ چاہی ہوئی چیز ہی دراصل تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہارے پسند کی چیز فی الواقع تمہارے حق میں بے حد مضر ہو۔ سنو! تم بالکل نادان ہو لیکن اللہ تعالیٰ پورا پورا دانا بینا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا جی تو چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا گو نہ چاہے۔

(مسند احمد)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۶ ۵ ۱۲

اگر کچھ لگتے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی سا ہوتا تو یہ (منافق) لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت ہی دُور دراز معلوم ہونے لگی اور ابھی خدا کی قسمیں کھا جائیں گے اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ضرور ہم تمہارے ساتھ چلتے یہ لوگ (جھوٹ بول بول کر) اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ ○

دُنیا طلبی ☆

جو لوگ غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے اور اس کے بعد حضور ﷺ کے پاس آ آ کر اپنے جھوٹے جھوٹے عذر پیش کرنے لگے تھے۔ انہیں اس آیت میں ڈانٹا جا رہا ہے کہ دراصل انہیں کوئی معذوری نہ تھی۔ اگر کوئی آسان غنیمت اور قریب کا سفر ہوتا تو یہ لالچی ساتھ ہو لیتے۔ لیکن شام تک کے لمبے سفر نے ان کے گھٹنے توڑ دیئے اس مشقت کے خیال نے ان کے ایمان مضمحل کر دیئے۔ اب یہ آ آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر خدا کے رسول کو دھوکے دے رہے ہیں کہ اگر کوئی عذر نہ ہوتا تو بھلا ہم شرف ہم رکابی چھوڑنے والے تھے۔ ہم تو جان و دل سے آپ کے قدموں میں حاضر ہو جاتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کے جھوٹ کا مجھے علم ہے۔ انہوں نے اپنے تئیں غارت کر دیا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ

[1] یہ اعراض محض ان خطرات و توہمات کی بنا پر ہوتا ہے جو ایسی حالت میں عام طور پر پیش آتے ہیں۔ خدانخواستہ جہاد کے حکم سے سرتابی کبھی نہیں ہوئی۔

صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف (تو) کر دیا (لیکن) آپ نے ان کو (ایسی جلدی) اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں آپ سے رخصت نہ مانگیں گے (بلکہ وہ حکم کے ساتھ دوڑ پڑیں گے) اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ البتہ وہ لوگ جہاد میں نہ جانے سے آپ سے رخصت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں۔ سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں۔ ○

بندہ نوازی ☆

سبحان اللہ اپنے محبوب سے کیسی پیار بھری باتیں ہو رہی ہیں۔ سخت بات کے سنانے سے پہلے ہی معافی کا اعلان سنایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد رخصت دینے کا عہد بھی سورہ نور میں سنا دیا جاتا ہے اور ارشاد عالی ہوتا ہے: ﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ...... ﴾ (النور: ۶۲) یعنی ان میں سے کوئی اگر کوئی شخص آپ سے اپنے کسی کام اور شغل کی وجہ سے اجازت چاہے تو جسے چاہیں اجازت دے سکتے ہیں۔ یہ آیت ان کے بارے میں اُتری ہے۔ جن لوگوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ حضور ﷺ سے اجازت طلب تو کریں۔ اگر اجازت ہو جائے تو فبہا اور اگر اجازت نہ بھی دیں، تاہم ہم اس غزوہ میں جائیں گے ہرگز نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہیں اجازت نہ ملتی تو اتنا فائدہ ضرور ہوتا کہ سچے عذر والے اور جھوٹے بہانے بنانے والے کھل جاتے۔ نیک و بد میں ظاہری تمیز ہو جاتی۔ اطاعت گزار تو حاضر ہو جاتے، نافرمان باوجود اجازت نہ ملنے کے بھی نہ نکلتے کیونکہ انہوں نے تو طے کر لیا تھا کہ حضور ﷺ ہاں کہیں یا نہ کہیں، ہم تو جہاد میں جائیں گے نہیں۔ اسی لئے جناب باری نے اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایمان دار لوگ راہ خدا کے جہاد سے رکنے کی اجازت تجھ سے طلب کریں۔ وہ تو جہاد کو خوشنودی خدا کا ذریعہ سمجھ کر اپنی جان و مال کے فدا کرنے کے آرزو مند رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اس متقی جماعت سے بخوبی آگاہ ہے۔ یہ بلا عذر شرعی بہانے بنا کر جہاد سے رک جانے کی اجازت طلب کرنے والے تو بے ایمان لوگ ہیں۔ جنہیں آخرت کی اجزا کی کوئی امید ہی نہیں۔ ان کے دل آج تک تیری شریعت سے شک و شبہ میں ہی ہیں۔ یہ حیران و پریشان ہیں۔ ایک قدم ان کا آگے بڑھتا ہے تو دوسرا پیچھے ہٹتا ہے۔ انہیں ثابت قدمی اور استقلال

نہیں۔ یہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ یہ نہ اِدھر ہیں نہ اُدھر۔ یہ خدا کے گمراہ کئے ہوئے ہیں۔ تو ان کے سنوارنے کا کوئی رستہ نہیں پائے گا۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر وہ لوگ (جہاد میں) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے لیکن (خیر ہوئی) اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور (بحکم تکوینی) یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو۔ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوا اس کے کہ اور دونا فساد کرتے اور کیا ہوتا اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے اور (اب بھی) تم میں ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں اور ان ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب سمجھتا ہے۔ ○

عذر گناہ بدتر از گناہ ☆

یہ عذر کرتے ہیں ان کے غلط ہونے کی ایک ظاہری دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ان کا ارادہ ہوتا تو کم از کم سامان سفر تو تیار کر لیتے لیکن یہ تو اعلان اور حکم کے بعد بھی دنوں کے گزرنے پر بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ ایک تنکا بھی اِدھر سے اُدھر نہ کیا۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ان کا تمہارے ساتھ نکلنا پسند ہی نہ تھا۔ اس لئے انہیں پیچھے ہٹا دیا اور تقدیری طور پر ان سے کہہ دیا کہ تم تو بیٹھنے والوں کا ہی ساتھ دو[1] سنو! ان کے ساتھ کو ناپسند رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ پورے نامراد اعلیٰ درجے کے بزدل بڑے ہی ڈرپوک ہیں۔ اگر یہ تمہارے ساتھ ہوتے تو پتہ کھڑکا اور بندہ سرکا کی مثل کو اصل کر دکھاتے اور ان کے ساتھ ہی تم میں بھی فساد برپا ہو جاتا۔ یہ اِدھر کی اُدھر' اُدھر کی اِدھر لگا بجھا کر بات کا بتنگڑ بنا کر آپس میں پھوٹ اور عداوت ڈلوا دیتے اور کوئی نیا فتنہ کھڑا کر کے تمہیں آپس ہی میں اُلجھا دیتے۔ ان کے ماننے والے ان کے ہم خیال ان کی پالیسی کو اچھی نظر سے دیکھنے والے خود تم میں بھی موجود ہیں۔ وہ اپنے بھولے پن سے' ان کی شرانگیزیوں سے بے خبر رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ مومنوں کے حق میں نہایت برا نکلتا ہے۔ آپس میں شر و فساد پھیل جاتا ہے۔ مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ان کے جاسوس بھی تم میں لگے ہوئے ہیں۔ جو تمہاری ذرا ذرا سی خبریں انہیں پہنچاتے ہیں لیکن یہ معنی کرنے سے وہ لطافت باقی نہیں رہتی' جو شروع آیت سے

[1] یعنی ان کی تقدیر میں اس جہاد میں شرکت تھی نہیں اور تقدیر پر اصل حاکم خدا تعالیٰ ہی ہیں۔

ہے یعنی ان لوگوں کا تمہارے ساتھ نہ نکلنا خدا کو اس لئے بھی ناپسند رہا کہ تم میں بعضے وہ بھی ہیں جو ان کو مان لیا کرتے ہیں۔ یہ تو بہت درست ہے لیکن جاسوسی کی کوئی خصوصیت ان کے نہ نکلنے کی وجہ سے لئے نہیں ہوسکتی۔ اس لئے قتادہ وغیرہ مفسرین کا یہی قول ہے۔ امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول اور جد بن قیس بھی تھا اور یہی بڑے بڑے رؤسا اور ذی اثر منافق تھے۔ اللہ نے انہیں دور ڈال دیا۔ اگر یہ ساتھ ہوتے تو ان کی منہ دیکھی ماننے والے وقت پر ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے نقصان کا باعث بن جاتے۔ اسلامی لشکر میں ابتری پھیل جاتی کیونکہ یہ لوگ وجاہت والے تھے اور کچھ مسلمان ان کے حال سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کے ظاہری اسلام اور چرب کلامی پر مفتون تھے اور اب تک ان کے دلوں میں ان کی محبت تھی۔ یہ ان کی لاعلمی کی وجہ سے تھی۔ سچ ہے پورا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اسی اپنے علم غیب کی بنا پر وہ فرماتا ہے تم مسلمان ان کا نہ نکلنا غنیمت سمجھو۔ یہ ہوتے تو اور فساد فتنہ برپا کرتے۔ نہ کرتے نہ کرنے دیتے۔ اسی باعث فرمان ہے کہ اگر کفار دوبارہ بھی دنیا میں لوٹائے جائیں تو نئے سرے سے پھر وہی کریں۔ جس سے منع کئے جائیں اور یہ جھوٹے کے جھوٹے ہی رہیں اور آیت میں ہے کہ اگر علم اللہ میں ان کے دلوں میں کوئی بھی قدر ہوتی تو اللہ تعالیٰ عزوجل ضرور انہیں سنا دیتا لیکن اب تو یہ حال ہے کہ سنیں بھی تو منہ موڑ کر لوٹ جائیں اور جگہ ہے کہ اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ تم آپس میں ہی موت کا کھیل کھیلو یا جلاوطن ہو جاؤ تو بجز بہت کم لوگوں کے یہ ہرگز اسے نہ کرتے۔[1] حالانکہ ان کے حق میں بہتر اور اچھا یہی تھا کہ جو نصیحت انہیں کی جائے یہ اسے بجالائیں۔ تاکہ اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیں اور راہ مستقیم دکھائیں اور بھی ایسی آیتیں بہت سی ہیں۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

انہوں نے تو پہلے (جنگ احد وغیرہ میں) بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور اللہ کا حکم غالب رہا اور ان کو ناگوار ہی گزرتا رہا۔ ○

اسلام کی سربلندی کفار کے قصر بے بنیاد میں زلزلہ ☆

اللہ تعالیٰ منافقین سے نفرت دلانے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا بھول گئے مدتوں یہ فتنہ وفساد کی آگ سلگاتے رہے ہیں اور تیرے کام کے الٹ دینے کے بیسیوں تدبیریں کر چکے ہیں۔ مدینہ میں آپ کا قدم آتے ہی تمام عرب نے ایک ہو کر مصیبتوں کی بارش آپ پر کر دی۔ باہر سے وہ چڑھ دوڑے اندر سے یہود مدینہ اور منافق مدینہ نے بغاوت کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں سب کی کمانیں اتار دیں۔ ان کے جوڑ ڈھیلے کر دیئے۔ ان کے جوش ٹھنڈے کر دیئے۔ بدر کے معرکہ نے ان کے ہوش حواس بھلا دیئے اور ان کے ارمان ذبح کر دیئے۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی نے صاف کہہ دیا کہ بس اب یہ لوگ ہمارے بس کے نہیں رہے۔ اب تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ظاہر میں اسلام میں موافقت کی جائے دل میں جو ہے سو

[1] جیسا کہ قوم موسیٰ کو گوسالہ پرستی کی صورت میں حکم کیا گیا تھا کہ مجرمین کو غیر مجرمین قتل کر دیں کہ یہی ان کی توبہ ہے۔

ہے وقت آنے دو وقت پہ دیکھ لیا جائے اور دکھا دیا جائے گا۔ پھر جوں جوں حق کی بلندی اور توحید کی اونچائی ہوتی ہے یہ جلتے بھنتے رہے۔ آخر حق نے قدم جمائے اور کلمۂ خدا غالب آ گیا اور یہ یوں ہی پیٹ پیٹتے اور ڈنڈے بجاتے رہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۴۹

اور ان (منافقین متخلفین) میں بعضا شخص وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھ کو اجازت دے دیجئے اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالئے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے اور یقیناً دوزخ (آخرت میں) ان کافروں کو گھیرے گی۔ ○

خود فریبی ☆

جد بن قیس سے حضور ﷺ نے فرمایا اس سال نصرانیوں کے جلاوطن کرنے میں تو ہمارا ساتھ دے گا تو اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو تو معاف رکھئے میری ساری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا بے طرح شیدائی ہوں عیسائی عورتوں کو دیکھ کر مجھ سے تو اپنا نفس روکا نہ جائے گا۔ آپ نے اس سے منہ موڑ لیا۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ منافق نے یہ بہانہ بنایا' حالانکہ وہ فتنہ میں تو پڑا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑنا' جہاد سے منہ موڑنا' یہ کیا کم فتنہ ہے یہ منافق بنوسلمہ قبیلہ کا رئیس اعظم تھا۔ حضور ﷺ نے جب اس قبیلہ کے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ تو انہوں نے کہا جد بن قیس جو بڑا ہی بخیل ہے۔ آپ نے فرمایا بخل سے بڑھ کر اور کیا بیماری ہے۔ سنو اب تمہارا سردار نوجوان سفید اور خوبصورت مو حضرت بشر بن براء بن معرور ہیں۔ جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔ نہ اس سے وہ بچ سکیں گے نہ بھاگ سکیں نہ نجات پا سکیں گے۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵۱

اور اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کے لئے موجب غم ہوتی ہے اور اگر آپ پر کوئی حادثہ پڑتا ہے تو (خوش ہو کر) کہتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے اپنا احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا اور (یہ کہ) وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے: (۱) ہم پر کوئی حادثہ پڑ سکتا نہیں مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ کے تو سب مسلمانوں کو اپنے سب کام سپرد رکھنے چاہئیں۔ ○

معاندت ☆

ان بد باطن لوگوں کی اندرونی خباثت کا بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کی فتح ونصرت سے ان کی بھلائی اور ترقی سے ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اگر خدا نخواستہ یہاں اس کے خلاف ہوا تو الاپ الاپ کر اپنی چالاکی کے افسانے گائے جاتے ہیں کہ میاں اسی وجہ سے تو ہم ان سے بچتے رہے' خوشی سے بغلیں بجانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا جواب دے کہ رنج راحت اور ہم خود اللہ کی تقدیر اور اس کی منشا کے ماتحت ہیں۔ وہ ہمارا مولیٰ ہے۔ وہ ہمارا آقا ہے۔ وہ ہماری پناہ ہے۔ ہم مومن ہیں اور مومنوں کا بھروسہ اسی پر ہوتا ہے۔ وہ ہمیں کافی ہے۔ وہ ہمارا کارساز ہے اور بہترین کارساز ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۞ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۞ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۞

(۲) فرما دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں بہتریوں میں سے ایک بہتری کے منتظر رہتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا خواہ اپنی طرف سے (دنیا یا آخرت میں) یا ہمارے ہاتھوں سے سو تم (اپنے طور پر) انتظار کرو اور تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) ہم انتظار میں ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تم خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے کسی طرح (خدا کے نزدیک) مقبول نہیں (کیونکہ) بلاشبہ تم عدول حکمی کرنے والے لوگ ہو اور ان کی خیر خیرات قبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے ساتھ کفر کیا اور وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ۔ O

نشیب وفراز اور حالات کا اُلٹ پھیر ☆

مسلمانوں کے جہاد میں دو ہی انجام ہوتے ہیں اور دونوں ہر طرح اچھے ہیں۔ اگر شہادت ملی تو جنت اپنی ہے اور اگر فتح ملی تو غنیمت واجر ہے۔ پس اے منافقو! تم جو ہماری بابت انتظار کر رہے ہو وہ ان ہی دو اچھائیوں میں سے ایک کا ہے اور ہم جس بات کا انتظار تمہارے بارے میں کر رہے ہیں۔ وہ دو برائیوں میں سے ایک کا ہے۔ یعنی یہ کہ عذاب خدا براہ راست تم پر آ جائے یا ہمارے ہاتھوں تم پر خدائی مار پڑے کہ قتل وقید ہو جاؤ۔ اچھا اب تم اپنی جگہ اور ہم اپنی جگہ منتظر رہیں۔ دیکھیں پردۂ غیب

سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ تمہارے خرچ کرنے کا خدا بھوکا نہیں۔ تم خوشی سے دو تو' اور ناراضگی سے دو تو' وہ تو قبول فرمائے گا نہیں۔ اس لئے کہ تم فاسق لوگ ہو۔ تمہارے خرچ کی عدم قبولیت کا باعث تمہارا کفر ہے اور اعمال کی قبولیت کی شرط کفر کا نہ ہونا بلکہ ایمان کا ہونا ہے۔ ساتھ ہی کسی عمل میں تمہارا نیک قصد اور سچی ہمت نہیں۔ نماز کو آتے ہو تو بھی مردہ دلی سے گرتے پڑتے مرتے بچھڑتے۔ سست اور کاہل ہو کر۔ دیکھا دیکھی مجمع میں دو چار دے بھی دیتے ہو تو مرے جی سے' دل کی تنگی سے' صادق و مصدوق حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں۔ اللہ نہیں تھکتا' جب تک تم نہ تھک جاؤ۔ اللہ پاک ہے وہ پاک ہی چیز قبول فرماتا ہے۔ متقیوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں تم فاسق ہو تمہارے اعمال قبولیت سے گرے ہوئے ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٥٥﴾

سو ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں (بھی) ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے۔ ○

ناقابلِ اعتبار حالات ☆

ان کے مال اور اولاد کو للچائی ہوئی نگاہوں سے نہ دیکھ۔ ان کی دنیا کی خوش حالی کی کوئی حقیقت نہ گن۔ یہ ان کے حق میں کوئی بھلی چیز نہیں ہے۔ یہ تو ان کے لئے دنیوی سزا بھی ہے کہ نہ اس میں سے زکوٰۃ نکلے نہ خدا کے نام خیرات ہو۔ قتادہ کہتے ہیں یہاں مطلب مقدم و موخر ہے۔ یعنی تجھے ان کے مال اولاد اچھے نہ لگنے چاہئیں۔ خدا کا ارادہ اس سے انہیں اس حیات دنیا میں ہی سزا دینے کا ہے۔ پہلا قول حضرت حسن بصری کا ہے۔ وہی اچھا اور قوی ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ اس میں یہ ایسے پھنسے رہیں گے کہ مرتے دم تک راہ ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ یوں ہی بتدریج پکڑ لئے جائیں گے اور انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہی حشمت و وجاہت' مال و دولت جہنم کی آگ بن جائے گا۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾

اور یہ (منافق لوگ) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں کے ہیں۔ حالانکہ (واقع میں) وہ تم میں کے نہیں لیکن (بات یہ ہے کہ) وہ ڈرپوک لوگ ہیں۔ ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی یا غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ ذرا سی بھی مل جاتی تو یہ

ضرور منہ اُٹھا کر ادھر چل دیتے۔○

جھوٹی قسمیں ☆

ان کی بزدلی ان کی غیر مستقل مزاجی' ان کی سراسیمگی اور پریشانی' گھبراہٹ اور بے اطمینانی کا یہ حال ہے کہ تمہارے پاس آ کر تمہارے دل میں گھر کرنے کے لئے اور تمہارے ہاتھوں سے بچنے کے لئے بڑی لمبی چوڑی زبردست قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ ہم تمہارے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ یہ صرف خوف و ڈر ہے جو ان کے پیٹ میں درد پیدا کر رہا ہے۔ اگر آج انہیں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی قلعہ مل جائے۔ اگر آج یہ کوئی محفوظ غار دیکھ لیں۔ یا کسی اچھی سرنگ کا پتہ انہیں مل جائے تو یہ سارے کے سارے دم بھر میں اس طرف اُڑ جائیں۔ تیرے پاس ان میں سے ایک بھی نظر نہ آئے کیونکہ انہیں تجھ سے کوئی محبت یا انس تو نہیں ہے۔ یہ تو ضروری مجبوری اور خوف کی بنا پر تمہاری چاپلوسی کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں اسلام ترقی کر رہا ہے' یہ بجھتے چلے جا رہے ہیں۔ مومنوں کی ہر خوشی سے یہ جلتے تڑپتے ہیں۔ ان کی ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ موقعہ مل جائے تو آج بھاگ چھوٹیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور ان میں بعض لوگ ہیں جو صدقات تقسیم کرنے کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔ اگر ان صدقات میں (ان کی خواہش کے مطابق) ان کو مل جاتا ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے ان کو (ان کی خواہش کے موافق) نہیں ملتا تو ناراض ہو جاتے اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے کہ جو کچھ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور یوں کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے آئندہ اللہ تعالیٰ اپنی فضل سے ہم کو اور دے گا اور اس کے رسول دیں گے ہم (اول) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔○

ناروا الزام ☆

بعض منافق آنحضرت ﷺ پر تہمت لگاتے کہ آپ مال زکوٰۃ کی صحیح تقسیم نہیں کرتے وغیرہ اور اس سے ان کا ارادہ سوائے اپنے نفع کے اور کچھ نہ تھا۔ انہیں کچھ مل جائے تو راضی ہیں اور یہ رہ جائیں تو ناراض ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے مال زکوٰۃ جب ادھر اُدھر تقسیم کیا۔ تو انصار میں سے کوئی بولا کہ یہ عدل نہیں۔ اس پر یہ آیت اُتری اور روایت میں ہے کہ ایک نو مسلم صحرائی حضور ﷺ کو سونا چاندی بانٹتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے عدل کا حکم دیا ہے تو تو عدل نہیں کرتا۔ آپ نے

فرمایا تو تباہ ہو اگر میں عادل نہیں تو زمین پر کون عادل ہوگا؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس سے اور اس جیسوں سے بچو۔ میری اُمت میں اس جیسے لوگ ہوں گے۔ قرآن پڑھیں گے لیکن حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ جب نکلیں انہیں قتل کر ڈالو۔ پھر نکلیں پھر مار ڈالو۔ پھر جب ظاہر ہوں پھر گردنیں مارو۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ قسم خدا کی نہ میں تمہیں دوں نہ تم سے روکوں۔ میں تو ایک خازن ہوں۔ جنگ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت ذوالخویصرہ ہرقوص نامی ایک شخص نے حضور ﷺ پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ تو عدل نہیں کرتا' انصاف سے کر۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اگر میں عدل نہ کروں تو پھر تیری بربادی کہیں نہیں جا سکتی۔ جب اس نے پیٹھ پھیرلی' تو آپ نے فرمایا' اس کی نسل سے ایک قوم نکلے گی' جن کی نمازوں کے مقابلہ میں تم میں ایک کو اپنے روزے حقیر معلوم ہوں گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر شکار سے۔ تمہیں جہاں بھی وہ مل جائیں ان کے قتل کرنے میں کمی نہ کرو۔ آسمان تلے ان مقتولوں سے بدتر مقتول اور کوئی نہیں ...... پھر ارشاد ہوتا ہے کہ انہیں رسول ﷺ کے ہاتھوں جو کچھ بھی اللہ نے دلوا دیا تھا' اگر یہ اس پر قناعت کرتے' صبر وشکر کرتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے۔ وہ اپنے فضل سے اپنے رسول کے ہاتھوں ہمیں اور بھی دلوائے گا۔ ہماری امیدیں ذات الٰہی سے وابستہ ہیں۔ تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔ پس اس میں خدا کی تعلیم ہے کہ خدا تعالیٰ جو دے اس پر انسان کو صبر وشکر چاہیے۔ توکل ذات واحد پر رکھے۔ اسی کو کافی وافی سمجھے۔ رغبت اور توجہ اور لالچ اور امید اور توقع اس کی ذات پاک سے رکھے۔ رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت میں سرمو فرق نہ کرے اور خدائے تعالیٰ سے توفیق طلب کرے کہ جو احکام ہوں انہیں بجا لانے اور جو منع کام ہوں' انہیں چھوڑ دینے اور جو خبریں ہوں انہیں مان لینے اور صحیح اطاعت کرنے کی وہ رہبری فرمائے۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰

صدقات تو صرف حق ہیں غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں قرضداروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں میں یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔ ○

مصارفِ صدقات ☆

اوپر کی آیت میں ان جاہل منافقوں کا ذکر تھا۔ جو ذات رسول اللہ ﷺ پر تقسیم صدقات میں اعتراض کرتے تھے۔ اب یہاں اس آیت میں بیان فرما دیا کہ تقسیم زکوٰۃ پیغمبر کی مرضی پر موقوف نہیں۔ بلکہ ہمارے بتلائے ہوئے مصارف میں لگتی (استعمال ہوتی) ہے۔ ہم نے خود اس کی تقسیم کر دی ہے اور کسی اور کے سپرد نہیں کی۔ ابوداؤد میں ہے۔ زیاد ابن حارث صدائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے سرکار نبوت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک شخص نے آ کر آپ سے سوال کیا کہ مجھے صدقہ میں سے کچھ دلوائیے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نبی غیر نبی کسی کے حکم پر تقسیم زکوٰۃ کے بارے میں راضی نہیں ہوا۔

یہاں تک کہ خود اُس نے تقسیم کر دی ہے۔ آٹھ مصرف مقرر کر دیئے ہیں۔ اگر تو ان میں سے کسی میں ہے تو میں تجھے دے سکتا ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال کی تقسیم ان آٹھوں قسم کے تمام لوگوں پر کرنی واجب ہے اور امام مالک وغیرہ کا قول ہے کہ واجب نہیں' بلکہ ان میں سے کسی ایک کو دے دینا ہی کافی ہے۔ گو اور قسم کے لوگ بھی ہوں۔ عام اہل علم کا قول بھی یہی ہے۔ آیت میں بیان مصرف ہے نہ کہ ان سب کو دینے کے وجوب کا ذکر۔ ان اقوال کی دلیلوں اور مناظروں کی جگہ یہ کتاب نہیں۔ واللہ اعلم۔

فقیروں کو سب سے پہلے اس لئے بیان فرمایا کہ ان کی حاجت بہت سخت ہے۔ گو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسکین فقیر سے برے حال والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے ہاتھ تلے مال نہ ہو۔ اس کو فقیر نہیں کہتے بلکہ فقیر وہ بھی ہے جو محتاج ہو کر گر پڑا ہو' گو کچھ کھاتا پیتا کماتا بھی ہو۔ ابن علیہ کہتے ہیں اس روایت میں اخلق کا لفظ ہے۔ اخلق کہتے ہیں ہمارے نزدیک تجارت کو لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور بہت سے حضرات فرماتے ہیں۔ فقیر وہ ہے' جو سوال سے بچنے والا ہو اور مسکین وہ ہے جو صحیح سالم جسم والا ہو۔ ابراہیم کہتے ہیں مراد اس سے مہاجر فقرا ہیں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں یعنی دیہاتیوں کو اس میں سے کچھ بھی نہ ملے۔ عکرمہ کہتے ہیں مسلمان فقراء کو مساکین نہ کہو۔ مسکین تو صرف اہل کتاب کے لوگ ہیں۔

اب وہ حدیثیں سنئے جو ان آٹھ قسموں کے متعلق ہیں۔

۱ فقراء' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ صدقہ مالدار پر اور تندرست وتوانا پر حلال نہیں۔ دو شخصوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کا مال مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغور نیچے سے اوپر تک انہیں صحت مند قوی تندرست وتوانا دیکھ کر فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں لیکن امیر شخص کا اور قوی طاقتور کماؤ شخص کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

۲ مساکین' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' مسکین یہی گھوم گھوم کر ایک لقمہ دو لقمے ایک کھجور دو کھجور لے کر ٹل جانے والے ہی نہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر مساکین کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا جو بے پروائی کے برابر نہ پائے۔ نہ اپنی ایسی حالت رکھے کہ کوئی دیکھ کر پہچان لے اور کچھ دے دے نہ کسی سے خود کوئی سوال کرے۔

۳ صدقہ وصول کرنے والے یہ تحصیلدار ہیں۔ انہیں اجرت اسی مال سے ملے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس عہدے پر نہیں آ سکتے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ ہمیں صدقہ وصول کرنے کا عامل بنا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد پر صدقہ حرام ہے۔ یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔

۴ جن کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کچھ دیا دلایا جاتا ہے۔ ان کی کئی قسمیں ہیں بعضوں کو تو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو غنیمت حنین کا مال دیا تھا حالانکہ وہ اس وقت کفر کی حالت میں آپ کے ساتھ نکلا تھا۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ آپ کی اس داد و دہش نے میرے دل میں آپ کی سب سے زیادہ محبت ڈال دی۔ حالانکہ پہلے سب سے بڑا دشمن آپ کا میں ہی تھا۔ بعضوں کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام مضبوط ہو جائے اور ان کا دل اسلام پر لگ جائے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین والے دن مکہ کے آزاد کردہ لوگوں کے سرداروں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک کو دیتا ہوں' دوسرے کو جو اس سے زیادہ میرا محبوب ہے نہیں دیتا۔ اس

لئے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اوندھے منہ جہنم میں گر پڑے۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے کچا سونا مٹی سمیت آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپؐ نے صرف چار شخصوں میں ہی تقسیم فرمایا۔ اقرع بن حابس، عینیہ بن بدر، علقمہ بن لعاثہ اور زید خیر اور فرمایا میں ان کی دلجوئی کے لئے انہیں دے رہا ہوں۔ بعض کو اس لئے بھی دیا جاتا ہے کہ اس جیسے اور لوگ بھی اسلام قبول کر لیں۔ بعض کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آس پاس والوں سے صدقہ پہنچائے یا آس پاس کے دشمنوں کی نگہداشت رکھے اور انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقعہ نہ دے۔ ان سب کی تفصیل کی جگہ احکام و فروع کی کتابیں ہیں۔ تفسیر میں ان مضامین کو مفصل بیان نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم[1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ اور عامر شعبی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اب یہ مصرف باقی نہیں رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی ہے۔ مسلمان ملکوں کے مالک بن گئے ہیں اور بہت سے بندگان خدا ان کے ماتحت ہیں لیکن اور بزرگوں کا قول ہے کہ اب بھی مولفہ قلوب کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ فتح مکہ اور فتح ہوازن کے بعد بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان لوگوں کو مال دیا۔ دوسرے یہ کہ اب بھی ایسی ضرورتیں پیش آ جایا کرتی ہیں۔

﴿۵﴾ آزادی گردن کے بارے میں بہت سے بزرگ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے وہ غلام ہیں، جنہوں نے رقم مقرر کر کے اپنے مالکوں سے اپنے آزادی کی شرط کر لی ہو۔ انہیں مال زکوٰۃ سے رقم دی جائے کہ وہ ادا کر کے آزاد ہو جائیں اور بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ غلام جس نے یہ شرط لکھوائی ہو، اسے بھی مال زکوٰۃ سے خرید کر آزاد کرنے میں کوئی ڈر نہیں۔ غرض مکاتب غلام اور محض غلام دونوں کی آزادی زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے حدیثوں میں بھی اس کی بہت کچھ فضیلت وارد ہوئی ہے۔ یہاں تک فرمایا ہے کہ آزاد کردہ غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ بھی۔ اس لئے کہ ہر نیکی کی جزا اسی جیسی ہوتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم نے کیا ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ کے ذمہ حق ہے۔ وہ غازی جو راہ خدا میں جہاد کرتا ہو۔ وہ مکاتب غلام اور قرضدار جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہو۔ وہ نکاح کرنے والا جس کا ارادہ بدکاری سے

---

[1] ابن کثیر نے یہ صورتیں ''تالیف قلوب'' کی شمار کرائی ہیں۔ شریعت میں اس کو ''تالیف قلب کا مصرف'' کہا جاتا ہے۔ اسلام کی طرف متوجہ کرنے یا اسلام پر قائم رکھنے کے لئے کسی کے ساتھ مالی امداد و تعاون غلط نہیں بالکل صحیح ہے اور موجودہ دور میں تالیف قلب کے اس مصرف پر کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا آج دنیا غلط مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مال و دولت بے دریغ انداز میں لٹاتی ہے۔ یہ الیکشن اور اس پر ہوش ربا اخراجات اور اسی طرح کے اور مذموم مصارف، عیسائی مشنریاں نہ صرف کروڑوں روپے اور اربوں روپے عیسائیت کی تبلیغ میں صرف کر رہی ہیں بلکہ عیسائیت کی نشر و اشاعت کے لئے نوجوان دوشیزاؤں کی بھی بے تکلف بھینٹ چڑھانے سے گریز نہیں۔ کمیونزم کی اشاعت پر غریبوں کا سب سے بڑا مددگار ''روس'' لاکھوں روپے صرف کرتا ہے اور سرمایہ دار ممالک اس کی تردید میں کیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ غرضیکہ مذہب سے لے کر سیاست تک اور اجتماعی زندگی سے انفرادی تعیش تک برا چھے برے مقصد پر دولت پانی کی طرح بہائی جا رہی ہے۔ پھر اگر اسلام جو دین فطرت ہے۔ جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی اور سچائی نہیں، اس کی اشاعت پر تھوڑا بہت اور وہ بھی نہایت محتاط طور پر خرچ کر دیا جائے تو کیا گناہ ہے؟ حیرت ہے کہ عیسائیت و صیہونیت جنہوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے جبر و قہر کی کوئی سنت نہیں چھوڑی اور اوچھے ہتھیار استعمال کرنے میں کبھی کوئی پرہیز نہیں کیا وہ ''اسلام'' کے اس شعبہ پر کس منہ سے اعتراض کرتے ہیں۔

محفوظ رہنے کا ہو۔ کسی نے حضور ﷺ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نسمہ آزاد کر اور گردن خلاصی کر۔ اس نے کہا کیا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں' نسمہ کی آزادی تو یہ ہے کہ تو اکیلا ہی کسی غلام کو آزاد کر دے اور گردن خلاصی یہ ہے کہ تو بھی اس میں سے جو تجھ سے ہو سکے مدد کرے۔

﴿۶﴾ قرضدار: ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک شخص دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر لے لے۔ کسی کے قرض کا آپ ضامن بن جائے۔ پھر اس کا مال اُٹھ جائے' یا وہ خود قرضدار بن جائے۔ یا کسی نے برائی پر قرض اُٹھایا ہو اور اب وہ توبہ کر لے۔ پس انہیں مالِ زکوٰۃ دیا جائے کہ یہ قرض ادا کر دیں۔ اس مسئلہ کی اصل قبیصہ بن مخارق ہلالی کی یہ روایت ہے کہ میں نے دوسرے کا حوالہ اپنی طرف لیا تھا۔ پھر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم ٹھہرو ہمارے پاس مال صدقہ آئے گا تو ہم اس میں سے تمہیں دیں گے۔ پھر فرمایا قبیصہ سن کہ تین قسم کے لوگوں کو ہی سوال حلال ہے۔ ایک تو ضامن اس سے رقم پورا ہونے تک اسے سوال جائز ہے۔ پھر سوال نہ کرے۔ دوسرا وہ جس کا مال کسی آفت ناگہانی سے ضائع ہو جائے۔ اسے بھی سوال کرنا درست ہے۔ یہاں تک کہ فارغ البال ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جس پر فاقے گزرنے لگے اور اس کی قوم کے تین ذی ہوش لوگ اس کی شہادت کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ ہاں بیشک فلاں شخص پر فاقے گزرنے لگے ہیں' اسے بھی مانگ لینا جائز ہے۔ تاوقتیکہ اس کا سہارا ہو جائے اور سامان زندگی مہیا ہو جائے۔ ان کے سوا اوروں کو سوال کرنا حرام ہے۔ اگر وہ مانگ کر کچھ لے کر کھائیں گے تو حرام کھائیں گے۔ (مسلم شریف) ایک شخص نے زمانہ نبوی ﷺ میں ایک باغ خریدا۔ قدرت خدا سے آسمانی آفت سے باغ کا پھل مارا گیا۔ اس سے وہ بہت قرضدار ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں جو ملے لے لو۔ اس کے سوا تمہارے لئے اور کچھ نہیں (مسلم)۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک قرضدار سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دریافت کرے گا کہ تو نے قرض کیوں لیا اور کیوں رقم ضائع کر دی؟ جس سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوئے۔ وہ جواب دے گا کہ خدایا تجھے خوب علم ہے' میں نے نہ اس رقم کو کھایا نہ پیا نہ اُڑایا۔ بلکہ میرے ہاں سے مثلاً چوری ہو گئی یا آگ لگ گئی یا کوئی آفت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا بندہ سچا ہے' آج تیرے قرض کے ادا کرنے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ کوئی چیز منگوا کر اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا۔ جس سے نیکیاں برائیوں سے بڑھ جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل رحمت سے جنت میں لے جائے گا۔ (مسند احمد)

﴿۷﴾ راہِ خدا میں وہ مجاہدین غازی داخل ہیں' جن کا دفتر میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ حج بھی راہِ خدا میں داخل ہے۔

﴿۸﴾ مسافر' جو سفر میں بے سروسامان رہ گیا ہو۔ اسے بھی مال زکوٰۃ سے اتنی رقم دی جائے' جس سے وہ اپنے شہر میں پہنچ سکے گو وہ اپنے ہاں مالدار ہی ہو۔ یہی حکم ان کا بھی ہے جو اپنے شہر سے سفر کو جانے کا قصد رکھتے ہوں لیکن مال نہ ہو تو انہیں بھی سفر خرچ مال زکوٰۃ سے دینا جائز ہے' جو اسے آمد و رفت کے لئے کافی ہو۔ آیت کے اس لفظ کی دلیل کے علاوہ ابوداؤد وغیرہ کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مالدار پر زکوٰۃ حرام ہے بجز پانچ قسم کے مالداروں کے' ایک تو وہ جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہو' دوسرا وہ جو مالِ زکوٰۃ کی کسی چیز کو اپنے مال سے خرید لے' تیسرا قرضدار

چوتھا راہ خدا کا غازی مجاہد، پانچواں وہ جسے کوئی مسکین بطور تحفہ کے اپنی کوئی چیز جو زکوٰۃ میں اسے ملی ہو دے اور روایت میں ہے زکوٰۃ مالدار کے لئے حلال نہیں مگر فی سبیل اللہ جو ہو اور جسے اس کا کوئی پڑوسی مسکین بطور تحفہ ہدیہ کے دے یا اپنے ہاں بلا لے۔ زکوٰۃ کے ان آٹھوں مصارف کو بیان فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے فرض ہے۔ یعنی مقدر ہے۔ اللہ کی تقدیر اس کی تقسیم اور اس کے فرض کرنے سے۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کا عالم ہے۔ اپنے بندوں کی مصلحت سے واقف ہے۔ وہ اپنے قول و فعل شریعت اور حکم میں حکمت والا ہے بجز اس کے کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ نہ اس کے سوا کوئی کسی کا پالنے والا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

ان (منافقین) میں سے بعض ایسے ہیں کہ نبی کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ (نبی) کان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں خیر ہی خیر ہو کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مومنین کا یقین کرتے ہیں اور آپ ان لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہیں۔ جو تم میں ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایذائیں پہنچاتے ہیں ان لوگوں کے لئے دردناک سزا ہے۔ ○

ایذاءرسانی ☆

منافقوں کی ایک جماعت بڑی موذی ہے۔ اپنی باتوں سے پیغمبر خدا ﷺ کو دکھ پہنچاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ نبی تو کانوں کا بڑا ہی کچا ہے۔ جس سے جو سنا مان لیا۔ جب ہم اس کے پاس جائیں گے اور قسمیں کھائیں گے۔ وہ ہماری بات بھی باور کر لے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ بہتر کانوں والا، اچھی سننے والا ہے۔ وہ صادق و کاذب کو خوب جانتا ہے، وہ اللہ کی باتیں مانتا ہے اور باایمان لوگوں کی سچائی بھی جانتا ہے۔ وہ مومنوں کے لئے رحمت ہے اور بے ایمانوں کے لئے خدا کی حجت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ستانے والوں کے لئے دُکھ کی مار ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

یہ لوگ تمہارے سامنے (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم کو راضی کر لیں (جس میں مال و جان محفوظ رہے) حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ سچے مومن ہیں تو اس کو راضی کریں۔ کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا (جیسا کہ یہ لوگ کر رہے ہیں) تو یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور سے نصیب ہوگی وہ اس میں ہمیشہ رہے گا (اور) یہ بڑی رسوائی ہے۔ ○

ایک ہی کو راضی کرو ☆

واقعہ یہ ہوا تھا کہ منافقوں میں سے ایک شخص کہہ رہا تھا کہ ہمارے سردار اور رئیس بڑے ہی عقل مند دانا اور تجربہ کار ہیں۔ اگر محمد ﷺ کی باتیں حق ہوتیں تو یہ کیا ایسے بیوقوف تھے کہ انہیں نہ مانتے۔ یہ بات ایک سچے مسلمان صحابی رضی اللہ عنہ نے سن لی اور اس نے کہا' واللہ حضور ﷺ کی سب باتیں بالکل سچ ہیں اور ان نہ ماننے والوں کی بیوقوفی میں کوئی شک نہیں۔ جب یہ صحابی دربار نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اس شخص کو بلوا بھیجا لیکن وہ سخت قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں۔ یہ تو مجھ پر تہمت باندھتا ہے۔ اس صحابی نے دعا کی کہ پروردگار تو سچے کو سچا کر دے اور جھوٹے کو جھوٹا کر دکھا۔ اس پر یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ خدا اور رسول کے مخالف ابدی جہنمی ہیں۔ ذلت و رسوائی عذاب دوزخ بھگتنے والے ہیں۔ اس سے بڑھ کر شومی طالع' اس سے زیادہ رسوائی' اس سے بڑھ کر شقاوت اور کیا ہوگی۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

منافق لوگ (طبعاً) اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت (مثلاً یا آیت) نازل نہ ہو جائے جو ان کو ان منافقین کے مافی الضمیر پر اطلاع دے دے آپ فرما دیجئے کہ اچھا استہزا کرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس (کے اظہار) سے تم اندیشہ کرتے ہو۔ ○

منافقین کی آپس میں باتیں ☆

آپس میں بیٹھ کر باتیں تو کر لیتے' لیکن پھر خوف زدہ رہتے کہ کہیں خدا کی طرف سے مسلمانوں کو بذریعہ وحی الٰہی خبر نہ ہو جائے اور آیت میں ہے۔ تیرے سامنے آ کر وہ دعائیں دیتے ہیں۔ جو اللہ نے نہیں دیں۔ پھر اپنے جی میں اکڑتے ہیں کہ ہمارے اس قول پر اللہ ہمیں کوئی سزا کیوں نہیں دیتا۔ ان کے لئے جہنم کی کافی سزا موجود ہے۔ جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں فرماتا ہے دینی باتوں میں مسلمانوں کی حالتوں پر دل کھول کر مذاق اُڑا لو۔ اللہ تعالیٰ بھی وہ کھول دے گا جو تمہارے دلوں ہے۔ یاد رکھو' ایک دن رسوا اور فضیحت ہو کر رہو گے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ یہ بیمار دل لوگ نہ سمجھیں کہ ان کے دلوں کی بدیاں ظاہر ہی نہ ہوں گی۔ ہم تو انہیں اس قدر فضیحت کریں گے اور ایسی نشانیاں تیرے سامنے رکھ دیں گے کہ تو ان کے لب ولہجہ سے ہی انہیں پہچان لے...... اس سورت کا نام ہی سورۃ الفاضحہ ہے۔ اس لئے کہ اس نے منافقوں کی قلعی کھول دی۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھئے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ (ان سے) کہہ دیجئے گا کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے۔ تم اب (یہ بے ہودہ) عذر مت کرو۔ تم تو اپنے کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے۔ اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو تو (ضرور ہی) سزا دیں گے۔ بسب اس کے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے۔ ○

کتنی بڑی جرأت ☆

ایک منافق کہہ رہا تھا کہ ہمارے یہ قرآن خواں لوگ بڑے بودے اور بزدل ہیں۔ حضور ﷺ کے پاس جب اس کا ذکر ہوا تو یہ عذر پیش کرتا ہوا آیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم تو یوں ہی وقت گزاری کے لئے ہنس بول رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تمہاری ہنسی کے لئے اللہ تعالیٰ' رسول ﷺ اور قرآن ہی رہ گیا ہے۔ یاد رکھو اگر اگر کسی کو ہم معاف کر دیں گے تو کسی کو سخت سزا بھی کریں گے۔ اس وقت حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار جا رہے تھے۔ یہ منافق آپ کی تلوار پر ہاتھ پتھروں سے ٹھوکریں کھاتا ہوا ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ آپ اس کی طرف دیکھتے بھی نہ تھے۔ جس مسلمان نے اس کا یہ قول سنا تھا۔ اس نے اسی وقت اسے جواب بھی دیا تھا کہ تو بکتا ہے' جھوٹا ہے تو منافق ہے۔ یہ واقعہ جنگ تبوک کے موقعہ کا ہے۔ مسجد میں اس نے یہ ذکر کیا تھا۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ تبوک جاتے ہوئے حضور ﷺ کے ساتھ منافقوں کا ایک گروہ بھی تھا۔ جن میں ودیعہ بن ثابت اور فخش بن حمیر وغیرہ تھے۔ یہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ نصرانیوں کی لڑائی کو عربوں کی آپس کی لڑائی جیسی سمجھنا سخت خطرناک غلطی ہے۔ اچھا ہے انہیں وہاں سے پلٹنے دو۔ پھر ہم بھی یہاں ان کی درگت بنائیں گے۔ اس پر ان کے دوسرے سردار فخش نے کہا' بھئی ان باتوں کو چھوڑ دو۔ ورنہ یہ ذکر پھر قرآن میں آئے گا۔ کوڑے کھا لینا ہمارے نزدیک تو اس رسوائی سے بہتر ہے۔ آگے آگے یہ لوگ تذکرے کرتے جا ہی رہے تھے کہ حضور ﷺ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا' جانا ذرا دیکھنا' یہ لوگ جل گئے' ان سے پوچھ تو لو کہ یہ کیا ذکر کر رہے تھے۔ اگر یہ انکار کریں تو تو کہنا کہ تم یہ باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمارؓ نے جا کر ان سے یہ کہا۔ یہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور عذر معذرت کرنے لگے کہ حضور ہنسی میں ہمارے منہ سے ایسی بات نکل گئی۔ ودیعہ نے تو یہ کہا' لیکن فخش بن حمیر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ میرا اور میرے باپ کا نام ملاحظہ فرمائیے۔ پس اس وجہ سے یہ لغو حرکت اور حماقت مجھ سے سرزد ہوئی۔ اس لئے معاف کیا جائے۔ بس اس سے جناب باری نے درگزر فرما لیا اور اس آیت میں اسی سے درگزر فرمانے کا ذکر بھی ہوا۔ اس کے بعد اس نے اپنا نام بدل لیا' عبدالرحمٰن نام رکھا۔ سچا مسلمان بن گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی

کہ خدایا مجھے اپنی راہ میں شہید کرے۔ تاکہ یہ دھبہ ڈھل جائے۔ چنانچہ یمامہ والے دن یہ بزرگ شہید کر دیئے گئے اور ان کی نعش بھی نہ ملی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ان منافقوں نے بطور طعنہ زنی کہا تھا کہ لیجئے کیا آنکھیں پھٹ گئی ہیں۔ اب یہ چلے ہیں کہ رومیوں کے قلعے اور ان کے محلات فتح کریں۔ بھلا اس عقل مندی اور دور بینی کو تو دیکھئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں پر مطلع کر دیا۔ تو یہ صاف منکر ہو گئے اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔ ہم تو آپس میں ہنسی کھیل کر رہے تھے۔ ہاں ان میں سے ایک شخص تھا جسے ان شاء اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہوگا۔ یہ کہا کرتا تھا کہ خدایا میں تیرے پاک کلام کی ایک آیت جب بھی سنتا ہوں، جس میں میرے گناہ کا ذکر ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میرا دل کانپ اٹھتا ہے۔ پروردگار تو میری توبہ قبول فرما اور مجھے اپنی راہ میں شہید کر اور اس طرح کہ نہ کوئی مجھے غسل دے نہ کفن کرے نہ دفن کرے۔ یہی ہوا، جنگ یمامہ میں یہ شہدا کے ساتھ شہید ہوئے۔ تمام شہداء کی لاشیں مل گئیں۔ لیکن ان کی نعش کا پتہ ہی نہ چلا۔ جناب باری کی طرف سے اور منافقوں کو جواب ملا کہ اب بہانے نہ بناؤ۔ تم گو زبانی ایماندار بنے تھے لیکن اب اسی زبان سے تم کافر ہو گئے۔ یہ قول کفر کا کلمہ ہے کہ تم نے اللہ رسول اور قرآن کا مذاق بنایا۔ ہم اگر کسی سے درگزر بھی کر جائیں لیکن تم سب سے یہ معاملہ نہیں ہوگا۔ تمہارے اس جرم میں اور اس بدترین خطا اور اس سخت کفر کی سخت ترین سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات (یعنی کفر و مخالفت اسلام) کی تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات یعنی ایمان و اتباع نبوی) سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا۔ بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور (علانیہ) کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان کے لئے (سزا) کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور کرے گا اور ان کو عذاب دائمی ہوگا۔ ○

منافق ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ☆

منافقوں کی خصلتیں مومنوں کے بالکل برخلاف ہوتی ہیں۔ مومن بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے

ہیں۔ منافق برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلائیوں سے منع کرتے ہیں۔ مومن سخی ہوتے ہیں۔ منافق بخیل ہوتے ہیں۔ مومن ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں' منافق کو خدا کا خیال بھی نہیں آتا۔ اسی کے بدلے اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جیسے کسی کو کوئی بھول گیا ہو۔ قیامت کے دن یہی ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم ٹھیک اسی طرح تمہیں بھلا دیں گے۔ جیسے تم اس دن کی ملاقات کو بھلائے ہوئے تھے۔ منافق راہ حق سے دور ہو گئے ہیں۔ گمراہی کی بھول بھلیوں میں پھنس گئے ہیں۔ ان منافقوں اور کافروں کی ان بداعمالیوں کی سزا ان کے لئے خدا تعالیٰ جہنم کو مقرر فرما چکا ہے۔ جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے۔ وہاں کا عذاب انہیں کافی ہوگا۔ انہیں رب رحیم اپنی رحمت سے دور کر چکا ہے اور ان کے لئے اس نے دائمی عذاب رکھے ہیں۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ط فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ط اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

(اے منافقو) تمہاری عادت ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں۔ جو شدت قوت میں اور کثرت اموال و اولاد میں تم سے بھی زیادہ تھے تو انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا۔ سو تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی بری باتوں میں ایسے ہی گھسے تھے اور لوگوں کے اعمال (حسنہ) دنیا اور آخرت میں ضائع گئے اور وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔ ○

اُن کے اعمال برباد ہو گئے ☆

ان لوگوں کو بھی اگلے لوگوں کی طرح کے عذاب پہنچے۔ خلاق سے مراد یہاں دین ہے۔ جیسے اگلے لوگ جھوٹ اور باطل کے ساتھ ملوث تھے۔ ایسے ہی ان لوگوں نے بھی کیا۔ ان کے یہ فاسد اعمال اکارت گئے۔ نہ دنیا میں سودمند ہوئے نہ آخرت میں ثواب دلانے والے ہوئے۔ یہی صریح نقصان ہے کہ عمل کیا اور ثواب نہ ملا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جیسے آج کی رات کل کی رات سے متشابہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اس امت میں بھی یہودیوں کی مشابہت آ گئی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ان کی پیروی کرو گے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ جانور کے سوراخ میں داخل ہوا ہے تو تم بھی اس میں گھسو گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم اپنے سے پہلے کے لوگوں کے طریقوں کی ہو بہو تابعداری کرو گے کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو یقیناً تم بھی گھسو گے۔ لوگوں نے پوچھا' اس سے مراد آپ کی کون لوگ ہیں۔ کیا اہل کتاب؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کون۔ اس حدیث

کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو قرآن کے ان لفظوں کو پڑھ لو: ﴿کَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ......﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' خلاق سے مراد دین ہے اور تم نے بھی اسی طرح کا خوض کیا جس طرح کا انہوں نے۔ لوگوں نے پوچھا کیا فارسیوں اور رومیوں کی طرح؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور لوگ ہیں ہی کون۔ اس حدیث کے شاہد صحیح حدیثوں میں بھی ہیں۔

اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝۷۰

کیا ان لوگوں کو (ان کے عذاب و ہلاک کی) خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم علیہ السلام اور اہل مدین اور اُلٹی ہوئی بستیاں کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر صاف نشانیاں (حق کی) لے کر آئے (لیکن نہ ماننے سے برباد ہوئے) سو (اس بربادی میں) اللہ تعالیٰ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ ○

نافرمان قوموں کا انجام انہیں معلوم ہے ☆

ان بدکردار منافقوں کو وعظ سنایا جا رہا ہے کہ اپنے سے پہلے کے اپنے جیسوں کے حالات پر عبرت کی نظر ڈالو۔ دیکھو کہ نبیوں کی تکذیب کیا پھل لائی؟ قوم نوح کا غرق ہونا سوائے مسلمانوں کے کسی کا نہ بچنا یاد کرو۔ عادیوں کا ہود علیہ السلام کے نہ ماننے کی وجہ سے ہوا کے جھونکوں سے تباہ ہونا یاد کرو۔ ثمودیوں کا حضرت صالح علیہ السلام کے جھٹلانے اور خدا کی نشانی اونٹنی کے کاٹ ڈالنے سے ایک جگر دوز کڑاکے کی آواز سے تباہ و برباد ہونا یاد کرو۔ ابراہیم علیہ السلام کا دشمنوں کے ہاتھوں سے بچ جانا اور ان کے دشمنوں کا غارت ہونا' نمرود بن کنعان بن کوش جیسے بادشاہ کا مع اپنے لاؤ لشکر کے تباہ ہونا نہ بھولو۔ وہ سب لعنت کے مارے بے نشان کر دیئے گئے۔ قوم شعیب ان ہی بدکرداریوں اور کفر کے بدلے زلزلہ سے اور سائبان والے دن کے عذاب سے تہ و بالا کر دی گئی۔ جو مدین کی رہنے والی تھی۔ قوم لوط جن کی بستیاں الٹی پڑی ہیں۔ مدین اور سدوم وغیرہ' اللہ تعالیٰ نی انہیں بھی اپنی نبی لوط کے نہ ماننے اور اپنی بدفعلی نہ چھوڑنے کے باعث ایک ایک کو پیوند زمین کر دیا۔ ان کے پاس ہمارے رسول' ہماری کتاب اور کھلے معجزے اور صاف دلیلیں لے کر پہنچے۔ لیکن انہوں نے ایک مان کر نہ دی۔ بالآخر اپنی ظلم سے آپ برباد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو حق واضح کر دیا۔ کتاب اُتار دی۔ رسول بھیج دیئے۔ حجت ختم کر دی لیکن یہ رسولوں کے مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ کتاب خدا کی تعمیل سے بھاگے۔ حق کی مخالفت کی۔ پس لعنت خدا اُتری اور انہیں خاک سیاہ کر گئی۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کہنا مانتے ہیں۔ ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قدر (مطلق) ہے حکمت والا ہے۔ ○

مسلمان خدا کی رحمت وشفقت کے مستحق ☆

منافقوں کی بری خصلتیں بیان فرما کر مسلمانوں کی نیک صفات بیان فرما رہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا دست وبازو بنے رہتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے اور مضبوط کرتا ہے۔ آپؐ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری جگہ میں ڈال کر دکھا بھی دیا اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن اپنی دوستیوں اور سلوکوں میں مثل ایک جسم کے ہیں کہ ایک حصہ کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ پاک نفس لوگ اوروں کی تربیت سے بھی غافل نہیں رہتے۔ سب کو بھلائیاں سکھاتے ہیں۔ اچھی باتیں بتلاتے ہیں۔ برے کاموں سے بری باتوں سے امکان بھر روکتے ہیں۔ حکم خدا بھی یہی ہے۔ فرماتا ہے تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہئے جو بھلائیوں کا حکم کر کے برائیوں سے منع کرے...... یہ نمازی ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ تاکہ ایک طرف اللہ کی عبادت ہو۔ دوسری طرف مخلوق کی دل جوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت ہی ان کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ جو حکم ملا بجالائے۔ جس سے روکا رک گئے۔ یہی لوگ ہیں جو رحم خداوندی کے مستحق ہیں۔ یہی صفات ہیں جن سے خدا کی رحمت ان پر نازل ہوتی ہے۔ اللہ عزیز ہے وہ اپنے فرماں برداروں کی خود بھی عزت کرتا ہے اور انہیں ذی عزت بنا دیتا ہے۔ دراصل عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس نے اپنے ایماندار غلاموں کو بھی عزت دے رکھی ہے اس کی حکمت ہے کہ ان میں یہ صفتیں رکھیں اور منافقوں میں وہ خصلتیں رکھیں۔ اس کی حکمت کی تہ کو کون پہنچ سکتا ہے۔ جو چاہے کرے وہ برکتوں والا اور بلندیوں والا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

ع ۹ / ۱۵

اور اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور (ان سب نعمتوں کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی ضامندی سب (نعمتوں) سے بڑی چیز ہے۔ یہ (جزائے مذکور) بڑی کامیابی ہے۔ ○

مسلمانوں سے خدا کا وعدہ ☆

مؤمنوں کی ان نیکیوں پر جو اجر و ثواب انہیں ملے گا۔ اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ابدی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والے باغات اور جنتیں جہاں قدم قدم پر خوشگوار پانی کے چشمے ابل رہے ہیں۔ جہاں بلند و بالا' خوبصورت' مزین صاف ستھرے آرائش و زیبائش والے محلات اور مکانات ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ دو جنتیں تو صرف سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ بھی وہاں ہے۔ سب سونے ہی سونے کا ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں' برتن بھی اور کل چیزیں بھی۔ ان میں اور دیدار خداوندی میں کوئی حجاب بجز اس کبریائی کی چادر کے نہیں' جو اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ہے۔ یہ جنت عدن میں ہوں گے اور حدیث میں ہے کہ مومن کے لئے جنت میں ایک خیمہ ہوگا' ایک ہی موتی کا بنا ہوا۔ اس کا طول ساٹھ میل کا ہوگا۔ مومن کی بیویاں وہیں ہوں گی۔ جن کے پاس یہ آتا جاتا رہے گا لیکن ایک دوسرے کو دکھائی نہ دیں گی۔ آپ کا فرمان ہے کہ جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے۔ نماز قائم رکھے۔ رمضان کے روزے رکھے۔ اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے۔ اس نے ہجرت کی ہو یا اپنے وطن میں ہی رہا ہو لوگوں نے کہا۔ پھر ہم اوروں سے بھی یہ حدیث بیان کر دیں؟ آپ نے فرمایا جنت میں ایک سو درجے ہیں' جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدوں کے لئے بنائے ہیں۔ ہر دو درجوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ پس جب بھی تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو۔ وہ سب سے اونچی اور سب سے بہتر جنت ہے۔ جنتیوں کی سب نہریں وہیں سے نکلتی ہیں۔ اس کی چھت رحمان کا عرش ہے۔ فرماتے ہیں' اہل جنت جنتی بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے چمکتے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ یہ بھی معلوم رہے کہ تمام جنتوں میں خاص ایک مقام ہے جس کا نام وسیلہ ہے کیونکہ وہ عرش کے بالکل ہی قریب ہے۔ یہ جگہ ہے حضرت محمد ﷺ کی۔ آپ فرماتے ہیں جب تم مجھ پر درود پڑھو تو اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کیا کرو۔ پوچھا گیا وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا گیا جنت کا وہ اعلیٰ درجہ جو ایک ہی شخص کو ملے گا اور مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مؤذن کی اذان کا جواب دو۔ جیسے کلمات وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو۔ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لئے وسیلہ طلب کرو۔ وہ جنت کی ایک منزل ہے جو تمام مخلوق خدا میں ایک ہی شخص کو ملے گی۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے ہی عنایت کی جائے گی۔ جو شخص میرے لئے خدا سے اس وسیلہ کی طلب کرے اس کے لئے میری شفاعت بروز قیامت حلال ہو گئی۔ فرماتے ہیں میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو۔ دنیا میں جو بھی میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی بنوں گا۔ صحابہؓ نے ایک دن آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں جنت کی باتیں سنائیے اس کی بنا کس چیز سے ہے۔ فرمایا سونے کی اینٹوں سے۔ اس کا گارہ خالص مشک ہے۔ اس کے کنکر لؤلؤ اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ اس میں جو جائے گا' وہ نعمتوں میں ہوگا' جو کبھی خالی نہ ہوں۔ وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا۔ جس میں موت کا کھٹکا بھی نہیں۔ نہ اس کے کپڑے خراب ہوں گے نہ اس کی جوانی ڈھلے۔ فرماتے ہیں جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے نظر آتا ہے اور باہر کا اندر سے۔ ایک اعرابی نے پوچھا' حضورؐ! یہ بالا خانے کن کے لئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جو اچھا کلام کرے' کھانا کھلائے' روزے رکھے اور راتوں کو لوگوں کے سونے کے وقت تہجد کی نماز پڑھے۔ فرماتے ہیں کوئی ہے' جو جنت کا شائق اور اس کے لئے محنت کرنے والا ہو۔ واللہ جنت کی کوئی چار دیواری محدود کرنے والی نہیں۔ وہ تو ایک بقعۂ نور ہے

چمکتا ہوا اور مہکتا ہوا گلستان ہے اور بلند و بالا پاکیزہ محلات ہیں اور جاری و ساری لہریں مارنے والی نہریں ہیں اور گدرائے ہوئے اور پکے میووں کے گچھے ہیں اور خوش جمال' خوبصورت' پاک سیرت حوریں ہیں اور بیش قیمت رنگین ریشمی جوڑے ہیں مقام ہے۔ ہمیشگی کا گھر ہے' سلامتی میوے ہیں' لدے پھدے سبزہ ہے پھیلا ہوا۔ کشادگی اور راحت ہے۔ امن اور چین ہے۔ نعمت اور رحمت ہے۔ عالی شان خوش منظر کوشک اور حویلیاں ہیں۔ یہ سن کر لوگ بول اُٹھے کہ حضور ﷺ ہم سب اس جنت کے مشتاق ہیں اور اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ آپ نے فرمایا ان شاء اللہ کہو۔ پس سب لوگوں نے ان شاء اللہ کہا۔

پھر فرماتا ہے ان تمام نعمتوں سے اعلیٰ اور بہتر نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ عزوجل جنتیوں کو پکارے گا کہ اے اہل جنت! وہ کہیں گے: لبیک ربنا وسعدیك والخیر فی یدیك۔ پوچھے گا' کہو تم خوش ہو گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ خوش کیوں نہ ہوتے' تو نے اے پروردگار ہمیں وہ دیا جو مخلوق میں سے کسی کو نہ ملا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' لو میں تمہیں اس سے بہت ہی افضل و اعلیٰ چیز عطا فرماتا ہوں' وہ کہیں گے خدایا اس سے بہتر چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' سنو! میں نے اپنی رضا مندی تمہیں عطا فرمائی ہے۔ آج کے بعد میں کبھی تم سے ناخوش نہ ہوں گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے' اللہ عزوجل فرمائے گا' کچھ اور چاہیے تو دوں؟ وہ کہیں گے خدایا جو تو نے ہمیں عطا فرما رکھا ہے۔ اس سے بہتر تو کوئی اور چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' وہ میری رضا مندی ہے جو سب سے بہتر ہے۔ امام حافظ ضیا مقدسی نے صفت جنت میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اُس میں اس حدیث کو شرط صحیح پر بتلایا ہے۔ واللہ اعلم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ مَا قَالُوا۟ وَلَقَدْ قَالُوا۟ كَلِمَةَ ٱلْكُفْرِ وَكَفَرُوا۟ بَعْدَ إِسْلَٰمِهِمْ وَهَمُّوا۟ بِمَا لَمْ يَنَالُوا۟ ۚ وَمَا نَقَمُوٓا۟ إِلَّآ أَنْ أَغْنَىٰهُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ مِن فَضْلِهِۦ ۚ فَإِن يَتُوبُوا۟ يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ وَإِن يَتَوَلَّوْا۟ يُعَذِّبْهُمُ ٱللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٧٤﴾

اے نبی کفار (سے بالسنان) اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے (دنیا میں تو) یہ اس کے مستحق ہیں اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی اور (وہ بات کہہ کر) اپنے اسلام (ظاہری) کے بعد (ظاہر میں بھی) کافر ہو گئے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا۔ جو ان کے ہاتھ نہ لگی اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ اُن کو اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے رزق خداوندی سے مالدار کر دیا۔ سو اگر (اس کے بعد بھی) توبہ کریں تو ان کے لئے

(دونوں جہان میں) بہتر ہوگا اور اگر روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔○

کافر اور منافق جہنم میں جائیں گے☆

کافروں منافقوں سے جہاد کا اور ان پر سختی کا حکم ہوا۔ مومنوں سے جھک کر ملنے کا حکم ہوا۔ کافروں کی اصلی جگہ جہنم مقرر فرما دی پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار تلواروں کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ایک تلوار تو مشرکوں میں فرماتا ہے: ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (التوبۃ: ۵) حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کی خوب خبر لو۔ دوسری تلوار اہل کتاب کے کفار میں فرماتا ہے: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ......﴾ (التوبۃ: ۲۹) یعنی اللہ پر قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ خدا اور رسول کے حرام کئے ہوئے کو حرام نہیں مانتے۔ دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ ان اہل کتاب سے جہاد کرو جب تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا منظور نہ کرلیں۔ تیسری تلوار منافقین میں۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ چوتھی تلوار باغیوں میں فرمان ہے: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الحجرات: ۹) باغیوں سے اس وقت تک لڑو جب تک وہ خدا کے حکم کے جھک نہ جائیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منافق جب اپنا نفاق ظاہر کرنے لگیں تو ان سے تلوار سے جہاد کرنا چاہئے۔ امام ابن جریر کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں۔ ہاتھ سے نہ ہو سکے تو ان کے منہ پر ڈانٹ ڈپٹ سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے تو تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقوں کے ساتھ زبانی جہاد کو فرمایا اور یہ کہ ان پر نرمی نہ کی جائے۔ مجاہد کا بھی قریباً یہی قول ہے۔ ان پر حد شرعی کا جاری کرنا بھی ان سے جہاد کرنا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ کبھی تلوار بھی ان کے خلاف اُٹھانی پڑے گی۔ ورنہ جب تک ہو سکے زبان سے کام لیا جائے۔ جیسا موقعہ ہو اس کے مطابق اپنا طرز عمل اختیار کرے۔ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات زبان سے نہیں نکالی۔ حالانکہ درحقیقت کفر کا بول بول چکے ہیں اور اپنے ظاہری اسلام کے بعد کھلا کفر کر چکے ہیں۔

یہ آیت عبداللہ بن اُبی کے بارے میں اُتری ہے۔ ایک جہنی اور ایک انصاری میں لڑائی ہوگئی۔ جہنی شخص انصاری پر چھا گیا۔ تو اس منافق نے انصار کو اس کی مدد پر ابھارا اور کہنے لگا واللہ ہماری اور اس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تو وہی مثال ہے کہ "اپنی کتے کو موٹا تازہ کرو کہ وہ تجھے ہی کاٹے۔" واللہ اگر ہم اب کی مرتبہ مدینہ واپس گئے تو ہم ذی عزت لوگوں ان تمام کمینے لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ ایک مسلمان نے جا کر حضور ﷺ سے یہ گفتگو دہرادی۔ آپ نے بلوا کر اس سے سوال کیا تو یہ قسم کھا کر انکار کر گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری قوم کے جو لوگ حرہ کی جنگ میں کام آئے۔ ان پر مجھے بڑا ہی رنج وصدمہ ہو رہا تھا۔ اس کی خبر حضرت ارقم کو پہنچی تو آپ نے مجھے خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے۔ آپ دعا کرتے تھے کہ خدایا انصار کو اور انصار کے لڑکوں کو بخش دے۔ نیچے کے راوی ابن الفضل کو اس میں شک ہے کہ آپ نے اپنی اس دعا میں ان کے پوتوں کے لئے نام بھی لیا یا نہیں؟ پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے موجودہ لوگوں میں سے کسی سے حضرت زید کی نسبت سوال کیا تو اس نے کہا یہی زید وہ ہیں جن کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی سچائی کی شہادت خود خدائے علیم نے دی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ تو خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک منافق نے کہا اگر یہ سچا ہے پھر تو ہم

گدھوں سے بھی زیادہ احمق ہیں۔ حضرت زید نے کہا واللہ آنحضرت ﷺ بالکل سچے اور بیشک تو اپنی حماقت میں گدھے سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ پھر آپ نے یہ بات حضور ﷺ کے گوش گزار کی لیکن وہ منافق پلٹ گیا اور صاف انکار کر گیا اور کہا کہ زید نے جھوٹ بولا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور حضرت زید کی سچائی بیان فرمائی لیکن مشہور بات یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کا ہے۔ ممکن ہے راوی کو اس آیت کے ذکر میں وہم ہو گیا ہو اور دوسری آیت کے بدلے اسے بیان کر دیا ہو۔ یہی حدیث بخاری شریف میں ہے لیکن اس جملہ تک کہ زید وہ ہیں' جن کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی سچائی کی شہادت خود خدائے علیم نے دی۔ ممکن ہے بعد کا حصہ موسیٰ بن عقبہ راوی کا اپنا قول ہو۔ اس کی ایک روایت میں یہ پچھلا حصہ ابن شہاب کے قول سے مروی ہے واللہ اعلم۔

مغازی اموی میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے تبوکی واقعہ کے بعد ہے کہ جو منافق مؤخر چھوڑ دیئے گئے تھے اور جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔ ان میں سے بعض آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی تھے۔ ان میں جلاس بن سوید بن صامت تھا۔ ان کے گھر میں عمیر بن سعد کی والدہ تھیں۔ جو اپنے ساتھ حضرت عمیر کو بھی لے گئی تھیں۔ جب ان منافقوں کے بارے میں قرآنی آیتیں نازل ہوئیں' تو جلاس کہنے لگا کہ واللہ اگر یہ شخص اپنے قول میں سچا ہے تو ہم گدھوں سے بدتر ہیں۔ حضرت عمیر بن سعد یہ سن کر فرمانے لگے کہ یوں تو آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور آپ کی تکلیف مجھ پر اپنی تکلیف سے زیادہ شاق ہے۔ لیکن آپ نے اس وقت تو ایسی بات منہ سے نکالی ہے کہ اگر اسے پہنچاؤں تو رسوائی ہے اور نہ پہنچاؤں تو ہلاکت ہے۔ رسوائی یقیناً ہلاکت سے ہلکی چیز ہے۔ یہ کہہ کر یہ بزرگ حاضر حضور ہوئے اور ساری بات آپ کو کہہ سنائی۔ جلاس کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے سرکار نبوت میں حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر کہا کہ عمیر جھوٹا ہے۔ میں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی۔ اس پر یہ آیت اُتری۔

مروی ہے کہ اس کے بعد جلاس نے توبہ کر لی اور دل سے ایمان لائے۔ ممکن ہے کہ جلاس کے تائب ہونے کا خیال خود امام محمد بن اسحٰق کا ہو اور حضرت کعب سے اس سلسلہ میں کوئی تصریح منقول نہ ہو۔

اور روایت ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت اپنے سوتیلے بیٹے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبا سے آ رہے تھے۔ دونوں گدھوں پر سوار تھے۔ اس وقت جلاس نے یہ کہا تھا۔ اس پر ان کے صاحبزادے نے فرمایا کہ اے خدا کے دشمن میں تیری اس بات کی رسول اللہ ﷺ کو خبر دوں گا۔ فرماتے ہیں کہ مجھے تو ڈر لگ رہا تھا کہ میرے بارے میں قرآن نہ نازل ہو یا مجھ پر کوئی عذاب الٰہی نہ آ جائے یا اس گناہ میں میں بھی اپنے باپ کا شریک نہ کر دیا جاؤں۔ چنانچہ میں سیدھا حاضر ہوا اور تمام بات حضور ﷺ کو مع اپنے سلسلے میں خطرات کے سنائی۔ ابن جریرؒ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک سائے دار درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے فرمانے لگے کہ ابھی تمہارے پاس ایک شخص آئے گا اور تمہیں شیطان دیکھے گا۔ خبردار تم اس سے کلام نہ کرنا اسی وقت ایک انسان کیری آنکھوں والا آیا' آپ نے اس سے فرمایا' تو تیرے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہیں؟ وہ اسی وقت گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے آیا' سب نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم نے کوئی ایسا لفظ نہیں کہا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے ان سے درگزر فرما لیا۔ پھر یہ آیت اُتری۔ اس میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے وہ قصد کیا جو پورا نہ ہوا۔ مراد اس سے جلاس کا یہ ارادہ ہے کہ اپنے سوتیلے لڑکے کو جس نے حضور ﷺ کی خدمت میں بات کہہ دی تھی' قتل کر دے۔ ایک قول ہے

کہ عبداللہ بن ابی نے خود حضور ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اسے سردار بنا دیں۔ گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ دس سے زیادہ آدمیوں نے غزوۂ تبوک میں راستے میں حضور ﷺ کو دھوکہ دے کر قتل کرنا چاہا تھا۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کے آگے پیچھے تھے۔ ایک چلاتا تھا' دوسرا نکیل تھامتا تھا۔ ہم عقبہ میں تھے کہ بارہ شخص منہ پر نقاب ڈالے آئے اور اونٹنی کو گھیر لیا۔ حضور ﷺ نے انہیں للکارا اور وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ نے ہم سے فرمایا تم نے انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں' لیکن ان کی سواریاں ہماری نگاہوں میں ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ منافق تھے اور قیامت تک ان کے دل میں نفاق رہے گا جانتے ہو یہ کس ارادے سے آئے تھے؟ ہم نے کہا نہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو عقبہ میں پریشان کرنے اور تکلیف پہنچانے کے لئے۔ ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی قوم کے لوگوں سے کہلوا دیجئے کہ ہر قوم والے اپنی قوم کے جس آدمی کی شرکت اس میں پائیں' اس کی گردن اڑا دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں' ورنہ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں گی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلے تو انہی لوگوں کو لے کر اپنے دشمنوں سے لڑے ان پر فتح حاصل کر کے پھر ان ساتھیوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ آپ نے ان کے لئے بددعا کی کہ خدایا ان کے دلوں پر آتشیں پھوڑے پیدا کر دے۔

اور روایت میں ہے غزوۂ تبوک سے واپسی میں حضور ﷺ نے اعلان کرا دیا کہ میں عقبہ کے راستہ سے جاؤں گا اس راہ کوئی نہ آئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیچھے سے چلا رہے تھے کہ ایک جماعت اپنی اونٹنیوں پر سوار آ گئی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کی سواریوں کو مارنا شروع کیا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق آپ کی سواری کو نیچے کی طرف چلانے لگے۔ جب نشیبی علاقہ آ گیا تو آپ سواری سے اتر گئے۔ اتنے میں عمار رضی اللہ عنہ بھی واپس پہنچ گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ تھے' پہچانا بھی؟ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا منہ چھپے ہوئے تھے لیکن سواریاں معلوم ہیں۔ پوچھا ان کا کیا ارادہ تھا' جانتے ہو؟ جواب دیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ ارادہ تھا کہ شور کر کے ہماری اونٹنی کو بھڑکا دیں اور ہمیں گرا دیں۔ ایک شخص سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کی تعداد دریافت کی تو اس نے کہا چودہ۔ آپ نے فرمایا اگر تو بھی ان میں تھا تو پندرہ حضور ﷺ نے ان میں سے تین شخصوں کے نام گنوائے۔ انہوں نے کہا واللہ ہم نے نہ تو منادی کی ندا سنی اور نہ ہمیں اپنے ساتھیوں کے برے ارادے کا علم تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باقی کے بارہ لوگ اللہ رسول سے لڑائی کرنے والے ہیں۔ دنیا میں اور آخرت میں بھی۔ امام محمد بن اسحاق نے ان میں سے بہت سے لوگوں کے نام بھی گنوائے ہیں۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص کے ساتھ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا کچھ تعلق تھا تو اس سے آپ نے قسم دے کر اصحاب عقبہ کی گنتی دریافت کی۔ لوگوں نے بھی اس سے کہا کہ ہاں بتلا دو۔ اس نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ چودہ تھے۔ اگر مجھے بھی شامل کیا جائے تو پندرہ ہوئے۔ ان میں سے بارہ تو دشمن خدا اور رسول ہی تھے اور تین شخصوں کو اس قسم پر کہ ہم نے منادی کی ندا سنی نہ ہمیں جانے والوں کے ارادہ کا علم۔ اس لئے معذور رکھا گیا۔ گرمی کا موسم تھا' پانی بہت کم تھا' آپ نے فرما دیا تھا کہ مجھ سے پہلے وہاں کوئی نہ پہنچے لیکن اس پر بھی کچھ لوگ پہنچ گئے تھے۔ آپ نے ان پر لعنت کی۔ آپ کا فرمان ہے کہ میرے ساتھیوں میں بارہ منافق ہیں' جو جنت میں نہ جائیں گے۔ نہ اس کی خوشبو پائیں گے۔ آٹھ کے مونڈھوں پر

آتشی پھوڑا ہوگا۔ جو سینے تک پہنچے گا اور انہیں ہلاک کر دے گا۔ اسی باعث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دار کہا جاتا تھا۔ آپ نے صرف ان ہی کو ان منافقوں کے نام بتلائے تھے۔ واللہ اعلم۔

طبرانی میں ان کے نام یہ ہیں۔ معتب بن قشیر' ودیعہ بن ثابت' جد بن عبداللہ بن نبیل بن حارث جو عمرو بن عوف کے قبیلہ کا تھا اور ہارث بن یزد طائی اور اوس بن قیظی اور حارث بن سوید اور سفیہ بن دراہ اور قیس بن فہر اور سوید اور داعس قبیلہ بنو جعلی کے اور قیس بن عمرو بن سہل اور زید بن لصیت اور سلالہ بن ہمام یہ دونوں قبیلۂ بنو قینقاع کے ہیں۔ یہ سب بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے۔ اس آیت میں اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اس بات کا بدلہ لیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مالدار بنایا۔ اگر ان پر خدا کا پورا فضل ہو جاتا تو انہیں ہدایت بھی نصیب ہو جاتی۔ چنانچہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا کہ پھر اللہ تعالیٰ میری وجہ سے تمہاری رہبری کی۔ تم متفرق تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم میں الفت ڈال دی تم فقیر بے نوا تھے اللہ تعالیٰ نے میرے سبب سے تمہیں غنی اور مالدار کر دیا۔ ہر ہر سوال کے جواب میں انصار رضی اللہ عنہ فرماتے جاتے تھے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے زیادہ احسان ہے۔

الغرض بیان یہ ہے کہ بے وجہ بے قصور یہ لوگ دشمنی اور بے ایمانی پر اتر آئے۔ جیسے سورہ بروج میں ہے کہ ان مسلمانوں سے ان کافروں کا انتقام صرف ان کے ایمان کے باعث تھا۔ حدیث میں ہے کہ ابن جمیل صرف اس بات کا انتقام لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا' اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر وہ اپنے اسی طریقہ پر کاربند رہے تو انہیں دنیا میں بھی سخت سزا ہوگی۔ قتل سے بھی اور صدمہ سے وغم سے بھی اور دوزخ کے ذلیل رسوا کن اور ناقابل برداشت عذاب سے بھی۔ دنیا میں کوئی نہ ہوگا جو ان کی طرفداری کرے' ان کی مدد کرے۔ ان کے کام آئے۔ ان سے عذاب ہٹائے یا نفع پہنچائے یا بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔

وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٧٦﴾ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿٧٧﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٧٨﴾

اور ان (منافقین) میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ ہم کو اپنے فضل سے (بہت سا مال)

عطا فرمائے تو ہم خوب خیرات کریں اور ہم (اس کے ذریعے سے) خوب نیک کام کریں۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے (بہت سا) دے دیا۔ تو وہ اس میں بخل کرنے لگے (کہ زکوٰۃ نہ دی اور اطاعت سے روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کے (پہلے ہی سے) عادی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق (قائم) کر دیا۔ جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا اس سبب سے کہ وہ (اس وعدہ میں شروع ہی سے) جھوٹ بولتے تھے۔ کیا ان کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو انکے دل کا راز اور انکی سرگوشی سب معلوم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ○

منافق اپنے وعدہ سے پھر گئے ☆

بیان ہو رہا ہے کہ ان منافقوں میں وہ بھی ہے جس نے عہد کیا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ مالدار کر دے میں بڑی سخاوت کروں' اور نیک بن جاؤں' لیکن جب اللہ نے اسے امیر اور خوشحال بنا دیا۔ اس نے وعدہ شکنی کی اور بخیل بن بیٹھا۔ جس کی سزا میں قدرت نے اس کے دل میں ہمیشہ کے لئے نفاق ڈال دیا۔ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے مالداری کی دعا کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑا جس کا شکر ادا ہو' اس بہت سے اچھا ہے۔ جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو۔ اس نے پھر دوبارہ بھی درخواست کی' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سمجھایا کہ تو اپنا حال اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا رکھنا پسند نہیں رکھتا؟ واللہ اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونی چاندی کے بن کر میرے ساتھ چلتے۔ اس نے کہا' حضور واللہ میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ مجھے مالدار کر دے تو میں خوب داد سخاوت دوں۔ ہر ایک کو اس کا حق ادا کروں۔ آپ نے اس کے لئے مال کی برکت کی دعا کی۔ اس کی بکریوں میں اس طرح زیادتی شروع ہوئی' جیسے کیڑے بڑھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ مدینے شریف اس کے جانوروں کے لئے تنگ ہو گیا۔ یہ ایک میدان میں نکل گیا۔ ظہر عصر تو جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا' باقی نمازیں جماعت سے نہیں ملتی تھیں۔ جانوروں میں اور برکت ہوئی' اسے اور دور جانا پڑا۔ اب سوائے جمعہ کے اور سب جماعتیں اس سے چھوٹ گئیں۔ مال اور بڑھتا گیا۔ شدہ شدہ جمعہ کا آنا بھی اس سے چھوٹ گیا۔ آنے جانے والے قافلوں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ جمعہ کے دن کیا بیان ہوا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے سب کچھ بیان کر دیا۔ آپ نے اظہار افسوس کیا۔ ادھر آیت اُتری کہ ان کے مال سے صدقہ لے اور صدقہ کے احکام بھی ہوئے۔

آپ نے دو شخصوں کو جس میں ایک قبیلۂ جہینہ کا تھا اور دوسرا قبیلہ سلیم کا' انہیں تحصیلدار بنا کر صدقہ لینے کے احکام لکھ کر پروانہ دے کر بھیجا اور فرمایا کہ ثعلبہ سے اور بنی سلیم کے فلاں شخص سے صدقہ لے آؤ۔ یہ دونوں ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کھایا۔ صدقہ طلب کیا تو وہ کہنے لگا واہ وا یہ تو جزیہ کی بہن ہے۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ یہ کیا بات ہے۔ اچھا اب تو جاؤ لوٹتے ہوئے آنا۔

دوسرا شخص سلمی تھا' اسے جب معلوم ہوا تو اس نے اپنے بہترین جانور نکالے اور انہیں لے کر خود ہی آگے بڑھا۔ انہوں نے ان جانوروں کو دیکھ کر کہا نہ تو یہ ہمارے لینے کے لائق ہیں نہ تجھ پر ان کا دینا واجب۔ اس نے کہا میں تو اپنی خوشی سے بہترین جانور دینا چاہتا ہوں۔ آپ انہیں قبول فرمائیے۔ بالآخر انہوں نے لے لئے۔ اوروں سے بھی وصول کیا اور لوٹتے ہوئے پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے کہا ذرا مجھے وہ پرچہ تو پڑھاؤ جو تمہیں دیا گیا ہے۔ پڑھ کر کہنے لگا بھئی یہ تو صاف صاف

جزیہ ہے کافروں پر جو ٹیکس مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ تو بالکل ویسا ہی ہے۔ اچھا تم جاؤ میں سوچ سمجھ لوں۔ یہ واپس چلے گئے۔ انہیں دیکھتے ہی حضور ﷺ نے ثعلبہ پر اظہار افسوس کیا اور سلمی شخص کے لئے برکت کی دعا کی۔ اب انہوں نے بھی ثعلبہ کا اور سلمی کا دونوں کا واقعہ کہہ سنایا۔

پس اللہ تعالیٰ جل وعلا لے یہ آیت نازل فرمائی۔ ثعلبہ کے ایک قریبی رشتہ دار نے جب یہ سب کچھ سنا تو ثعلبہ سے جا کر کہا اور آیت بھی پڑھ کر سنائی۔ یہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور خواہش کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے۔ آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ آپ نے فرمایا یہ سب کچھ تیرا ہی کیا دھرا ہے۔ میں نے تو تجھ سے کہا تھا' لیکن تو نہ مانا' یہ واپس اپنی جگہ چلا آیا۔ حضور ﷺ نے انتقال تک اس کی کوئی چیز قبول نہیں فرمائی۔ پھر خلافت صدیقی میں آیا اور کہنے لگا کہ میری جو عزت حضور کے پاس تھی' وہ اور میرا جو مرتبہ انصار میں تھا' وہ آپ جانتے ہیں۔ آپ میرا صدقہ قبول فرمائیے۔ آپ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا تو میں کیوں کرنے لگا؟ غرض آپ نے بھی انکار کر دیا۔ جب آپ کا بھی انتقال ہو گیا اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے والی ہوئے تو پھر آیا اور کہا کہ امیر المومنین آپ میرا صدقہ قبول فرمائیے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب حضور ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔ خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں فرمایا تو اب میں کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں اس کا صدقہ قبول نہیں فرمایا۔ پھر خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو یہ ازلی منافق پھر آیا اور لگا منت سماجت کرنے لیکن آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ خود حضور ﷺ نے اور آپ کے دونوں خلیفاؤں نے تیرا صدقہ قبول نہیں فرمایا تو میں کیسے قبول کر لوں چنانچہ قبول نہیں فرمایا۔ اسی اثناء میں یہ شخص ہلاک ہو گیا۔

الغرض پہلے تو وعدے کئے تھے سخاوت کے اور وہ بھی قسمیں کھا کھا کر۔ لیکن بعد میں بجائے سخاوت کے اور بخیل ہو گیا اور وعدہ شکنی کی۔ اس جھوٹ اور عہد شکنی کے بدلے اس کے دل میں نفاق پیوست ہو گیا۔ جو اس وقت سے اس کی پوری زندگی تک اس کے ساتھ ہی رہا۔

منافق کی تین علامتیں ☆ حدیث میں بھی ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں: (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے خلاف کرے (۳) جب امانت سونپی جائے خیانت کرے۔

کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ چھپے کھلے کا' دل کے ارادے اور سینے کے بھیدوں کا عالم ہے۔ وہ پہلے سے ہی جانتا تھا کہ یہ خالی خولی زبانی بکواس ہے کہ اگر مالدار ہو گئے تو خیراتیں کریں گے۔ شکر گزاری کریں گے۔ نیکیاں کریں گے۔ لیکن دلوں پر نظریں رکھنے والا خدا خوب جانتا ہے کہ یہ مال میں مست ہو جائیں گے اور دولت پا کر خرمستیاں۔ ناشکری اور بخل کرنے لگیں گے وہ ہر حاضر غائب کا جاننے والا ہے۔ وہ ہر چھپے کھلے کا عالم ہے۔ ظاہر باطن سب اس پر روشن ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ

مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

یہ (منافقین) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور (خصوصاً) ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز مزدوری (کی آمدنی) کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا۔ یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا (تو خاص) بدلہ دے گا اور (مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے ہی گا کہ) ان کیلئے دردناک (آخرت میں) سزا ہوگی۔ ○

منافقوں کی ہرزہ سرائی: ☆

یہ بھی منافقوں کی ایک بدخصلت ہے کہ ان کی بدزبان سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا نہ سخی نہ بخیل۔ یہ عیب جو بدگو لوگ برے ہیں۔ اگر کوئی شخص بڑی رقم للہ دے تو یہ اسے ریاکار کہنے لگتے ہیں اور اگر کوئی مسکین اپنی مالی کمزوری کی بنا پر تھوڑا بہت دے تو یہ ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں' لو ان کی اس حقیر چیز کا بھی خدا بھوکا تھا۔ چنانچہ جب صدقات دینے کی آیت اُترتی ہے تو صحابہؓ اپنے اپنے صدقات لئے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔ ایک صاحب دل کھول کر بہت بڑی رقم دی۔ اسے تو ان منافقوں نے ریاکار کا خطاب دیا اور ایک صاحب بے چارے مسکین آدمی تھے۔ صرف ایک صاع اناج لائے تھے۔ انہیں کہا کہ اس کے اس صدقے کی خدا کو کیا ضرورت تھی؟ اس کا بیان اس آیت میں ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے بقیع میں فرمایا کہ جو صدقہ دے گا' میں اس کی بابت قیامت کے دن خدا کے سامنے گواہی دوں گا۔ اس وقت ایک صحابیؓ نے اپنے عمامے میں سے جو کچھ دینا چاہا۔ لیکن پھر لپیٹ لیا اتنے میں ایک صاحب جو سیاہ رنگ اور چھوٹے قد کے تھے' ایک اونٹنی لے کر آگے بڑھے۔ جس سے زیادہ اچھی اونٹنی بقیع بھر میں نہ تھی۔ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ یہ اللہ تعالیٰ کے نام پر خیرات ہے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ اس نے کہا لیجئے سنبھال لیجئے۔ اس پر کسی نے کہا کہ اس سے تو اونٹنی ہی اچھی ہے۔ آپ ﷺ نے سن لیا اور فرمایا تو جھوٹا ہے یہ تجھ سے اور اس سے تین گنا اچھا ہے۔ افسوس سینکڑوں اونٹ رکھنے والے تجھ جیسوں پر افسوس' تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر فرمایا مگر وہ جو اپنے مال کو اس طرح اس طرح کرے اور لپیں بھر بھر کر آپ نے اپنے ہاتھوں دائیں بائیں اشارہ کیا' یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ پھر فرمایا' انہوں نے فلاح پالی جو کم مال والے ہوں اور زیادہ عبادت والے ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چالیس اوقیہ چاندی لائے اور ایک غریب انصاری ایک صاع اناج لائے۔ منافقوں نے ایک کو ریاکار بتلایا دوسرے کے صدقے کو حقیر بتلایا۔ ایک مرتبہ آپ کے حکم سے لوگوں نے مال خیرات دینا اور جمع کرنا شروع کیا۔ ایک صاحب ایک صاع کھجوریں لے آئے اور کہنے لگے حضور ﷺ میرے پاس کھجوروں کے دو صاع تھے۔ ایک میں نے اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے روک لیا اور ایک لے آیا۔ آپ نے اسے بھی جمع شدہ مال میں ڈال دینے کو فرمایا۔ اس پر منافق بکواس کرنے لگے۔ کہ خدا اور رسول ﷺ کو اس سے بے نیازی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے پاس ایک سو اوقیہ سونا ہے۔ میں سب کو صدقہ کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہوش میں بھی ہے؟ آپ نے جواب دیا ہاں ہوش میں ہوں۔ فرمایا پھر کیا کر رہا ہے آپ نے فرمایا سنو! میرے پاس آٹھ ہزار ہیں۔ جن میں چار ہزار تو میں خدا کو قرض دے رہا ہوں اور چار ہزار اپنے لئے رکھ لیتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے جو تو نے رکھ لیا ہے اور جو تو نے خرچ کر دیا ہے۔ منافق اس پر فقرے چست کرنے لگے کہ پھول گئے اپنی سخاوت دکھانے کے لئے' لوگوں میں اتنی بڑی رقم دے دی۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت اتار کر بڑی رقم اور چھوٹی رقم والوں کی سچائی اور ان منافقوں کا موذی پن ظاہر کر دیا۔ بنو عجلان کے عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت بڑی رقم خیرات کی تھی لیکن منافقوں نے اسے ریاکاری پر محمول کیا تھا۔ اپنی محنت مزدوری کی تھوڑی سی خیرات دینے والے ابوعقیل تھے۔ یہ قبیلہ بنو انیف کے شخص تھے۔ ان کے ایک صاع خیرات پر منافقوں نے مذاق اُڑایا اور روایت میں ہے کہ یہ چندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کی ایک جماعت کو جہاد پر روانہ کرنے کے لئے کیا تھا۔ اس میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے دو ہزار دیئے تھے اور دو ہزار رکھے تھے۔ دوسرے بزرگ نے رات بھر کی محنت میں دو صاع کھجوریں حاصل کر کے ایک صاع رکھ لیں اور ایک صاع دے دیں۔ یہ حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ تھے۔ رات بھر اپنی پیٹھ پر بوجھ ڈھوتے رہے تھے۔ ان کا نام حباب تھا اور قول ہے کہ عبدالرحمٰن بن ثعلبہ تھا۔ پس منافقوں کے اس تمسخر کی سزا میں خدا تعالیٰ نے بھی یہی بدلہ لیا۔ ان منافقوں کے لئے اُخروی الم ناک عذاب ہیں اور انکے اعمال کا ان عملوں جیسا ہی برا بدلہ ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

ع ۸ ۱۰ ۱۶

اُن کیلئے تو استغفار کر یا نہ کر اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کرے تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ اسلئے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے رسولوں سے کفر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ○

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار منافقوں کے حق میں مفید ہے؟

فرماتا ہے کہ منافق اس قابل نہیں کہ اے نبی ان کیلئے خدا سے بخشش طلب کرے۔ ایک بار نہیں اگر تو ستر بار بھی بخشش ان کیلئے چاہے تو خدا انہیں نہیں بخشے گا۔ جو ستر کا ذکر ہے۔ اس سے مراد صرف زیادتی ہے۔ وہ ستر سے کم ہو یا بہت زیادہ ہو بعض نے کہا ہے کہ مراد اس سے ستر کا ہی عدد ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو ان کیلئے ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا کہ خدا انہیں بخش دے۔ پس خدا تعالیٰ نے اور آیت میں فرما دیا کہ ان کے لئے تیرا استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ میرا باپ نزع کی حالت میں ہے میرے تمنا یہ ہے کہ آپ اس کے پاس تشریف لے چلیں۔ اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حباب۔ آپ نے فرمایا تیرا نام عبداللہ ہے۔ حباب تو شیطان کا نام ہے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئے۔ ان کے باپ کو اپنا کرتہ اپنے پسینے والا پہنایا۔ اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ آپ سے کہا بھی گیا کہ آپ اس کے جنازے پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر مرتبہ استغفار سے بھی نہ بخشنے کو فرمایا ہے۔ تو میں ستر بار بار پھر ستر بار پھر ستر بار استغفار کروں گا۔[1]

[1] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اصرار محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کی وجہ سے تھا۔ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے کسی حکم کے سامنے ضد اور بے راہ روی کا مظاہرہ نہ تھا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں۔ یہ راہ خدا میں اپنے مال اور جانوں سے جہاد کرنا ناپسند رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہہ دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو۔ تو کہہ دے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے۔ کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے۔ پس انہیں بہت کم ہنسنا چاہئے اور بہت زیادہ روئیں۔ بدلہ میں اس کے جو یہ کیا کرتے تھے۔ O

جہنم کی لپٹ ☆

جو لوگ غزوہ تبوک میں حضور ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور گھروں میں بیٹھے اکڑ رہے تھے۔ جنہیں راہ خدا میں مال و جان سے جہاد کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ جنہوں نے ایک دوسرے کے کان بھرے تھے کہ اس گرمی میں کہاں نکلو گے؟ ایک طرف پھل پکے ہوئے ہیں، سائے بڑھے ہوئے ہیں، دوسری جانب لُو چل رہی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ جہنم کی آگ جس کی طرف تم اپنی اس بدکرداری سے جا رہے ہو، وہ اس گرمی سے زیادہ بڑھی ہوئی حرارت اپنے اندر رکھتی ہے۔ یہ آگ تو اُس آگ کا سترواں حصہ ہے۔ جیسے کہ صحیحین کی حدیث میں ہے اور روایت میں ہے کہ تمہاری یہ آگ آتش دوزخ کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے پھر بھی یہ سمندر کے پانی میں دو دفعہ بجھائی ہوئی ہے ورنہ تم اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکتے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں، ایک ہزار سال تک آتش دوزخ دھونکائی گئی تو سیاہ ہوگئی۔ پس وہ اندھیری رات جیسی سخت سیاہ ہوگئی۔ ایک بار آپ نے آیت ﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (البقرہ:۲۴) کی تلاوت کی اور فرمایا ایک ہزار سال تک جلائے جانے سے وہ سفید پڑ گئی۔ پھر ایک ہزار سال تک بھڑکانے سے سرخ ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال تک دھونکے جانے سے سیاہ ہو گئی۔ پس وہ سیاہ رات جیسی ہے۔ اس کے شعلوں میں بھی چمک نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دوزخ کی آگ کی ایک چنگاری مشرق میں ہو تو اس کی حرارت مغرب تک پہنچ جائے۔ ابویعلیٰ کی ایک غریب روایت میں ہے کہ اگر اس مسجد میں ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی ہوں اور کوئی جہنمی یہاں آ کر سانس لے تو اس کی گرمی سے مسجد اور مسجد والے سب جل جائیں اور حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا دوزخ میں وہ ہوگا۔ جس کے دونوں پاؤں میں دو جوتیاں آگ سمیت ہوں گی۔ جس سے اس کی کھوپڑی اس طرح جوش کھائے گی۔ جیسے کہ ہانڈی اور وہ سمجھ رہا ہوگا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی کو ہو رہا ہے۔ حالانکہ دراصل سب سے ہلکا عذاب اسی کا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کہ کھال اتار دیتی ہے اور آیت میں ہے ان کے سروں پر کھولتا ہوا گرم پانی بہایا جائے گا۔ جس سے ان کے پیٹ کی تمام چیزیں اور ان کی کھالیں

جھلس جائیں گی۔ پھر لوہے کے ہتھوڑوں سے ان کے سر کچلے جائیں گے اور جب وہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو اور آیت میں ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا انہیں ہم بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیں گے۔ ان کی کھالیں جھلستی جائیں گی اور ہم اور بدلتے جائیں گے کہ وہ خوب عذاب چکھیں۔

اس آیت میں بھی فرمایا ہے کہ اگر انہیں سمجھ ہوتی تو یہ جان لیتے کہ جہنم کی آگ کی گرمی اور تیزی بہت زیادہ ہے تو یقینا یہ باوجود موسمی گرمی کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں خوشی خوشی نکلتے اور اپنی جان و مال کو راہ خدا میں فدا کرنے پر تل جاتے۔ عرب کا شاعر کہتا ہے کہ تو نے اپنی عمر سردی سے بچنے کی کوشش میں گزار دی۔ حالانکہ تجھے لائق تھا کہ خدا کی نافرمانی سے بچتا کہ جہنم کی آگ سے بچ جائے۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ ان بدباطن منافقوں کو ڈرا رہا ہے کہ تھوڑی سی زندگی میں یہاں تو جتنا چاہیں ہنس لیں لیکن اس آنے والی بڑی زندگی میں ان کے لئے رونا ہی رونا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگو روؤ اور رونا نہ آئے[1] تو زبردستی روؤ۔ جہنمی روئیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے رخساروں پر نہروں جیسے گڑھے پڑ جائیں گے۔ آخری آنسو ختم ہو جائیں گے۔ اب آنکھیں خون برسانے لگیں گے۔ ان کی آنکھوں سے اس قدر آنسو اور خون بہا ہوگا کہ کوئی اس میں کشتیاں چلانا چاہے تو چلا سکتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جہنمی جہنم میں روئیں گے اور خوب روتے رہیں گے۔ آنسو ختم ہونے کے بعد پیپ نکلنا شروع ہوگا۔ اس وقت دوزخ کے داروغے ان سے کہیں گے کہ اے بدبخت رحم کی جگہ تو تم کبھی بھی نہ روئے۔ اب یہاں کا رونا دھونا لا حاصل ہے۔ اب یہ چلا چلا کر جنتیوں سے فریاد کریں گے کہ تم لوگ ہمارے ہو۔ رشتے کنبے کے ہو۔ سنو ہم قبروں سے پیاسے اٹھے تھے۔ پھر میدان محشر میں بھی پیاسے ہی رہے اور آج تک یہاں بھی پیاسے ہی ہیں۔ ہم پر رحم کرو۔ کچھ پانی ہمارے حلق میں ڈال دو یا جو روزی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے اس میں سے ہی تھوڑا بہت ہمیں دیدو۔ چالیس سال تک کتوں کی طرح چیختے رہیں گے۔ چالیس سال کے بعد انہیں جواب ملے گا کہ تم یوں ہی دھتکارے ہوئے بھوکے پیاسے ہی ان سخت عذابوں میں پڑے رہو۔ اب یہ تمام بھلائیوں سے مایوس ہو جائیں گے۔

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ إِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پس اگر اللہ تعالیٰ تجھے ان کی کسی جماعت کی طرف لوٹا کر واپس لے آئے پھر یہ تجھ سے میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں تو تو کہہ دے کہ تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے ہو اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا۔ پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو۔ ○

---

[1] مطلب یہ ہے کہ خدا کی ہیبت، گرفت، بطش اور عذاب جہنم کے تصور سے روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے والوں جیسی صورت ہی بنا لو کہ خدا کے یہاں صورت سے بھی کام چل جاتا ہے۔

کامل مقاطعہ ☆

ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تجھے سلامتی کے ساتھ اس غزوے سے واپس مدینے پہنچا دے اور ان میں کوئی جماعت تجھ سے کسی اور غزوے میں ساتھ چلنے کی درخواست کرے۔ تو بطور سزا تو صاف کہہ دینا کہ نہ تو تم میرے ساتھ والوں میں میرے ساتھ چل سکتے ہو نہ تم میری رفاقت میں دشمنوں سے جنگ کر سکتے ہو۔ تم جب موقعہ پر دغا دے گئے اور پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہے تو اب تیاری کے کیا معنی؟ پس یہ آیت مثل آیت: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ......﴾ (الانعام: ۱۱۰) کے ہے۔ بدی کا بدلہ برابدی کے بعد ملتا ہے۔ جیسے کہ نیکی کا بدلہ بھی نیکی کے بعد ہی ملتا ہے۔ عمرہ حدیبیہ کے وقت قرآن نے فرمایا تھا ﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ......﴾ (الفتح: ۱۵) یعنی یہ پیچھے رہ جانے والے لوگ تم سے جب تم غنائم لینے چلو گے کہیں گے کہ ہمیں اجازت دو ہم بھی تمہارے ساتھ ہولیں ...... یہاں فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ بیٹھ رہنے والوں میں ہی تم بھی رہو جو عورتوں کی طرح گھروں میں گھسے رہتے ہیں۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

ان میں سے کوئی مرجائے تو تو اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر ہو گئے اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے۔ ○

منافق کی نمازِ جنازہ ☆

حکم ہوتا ہے کہ اے نبی تم منافقوں سے بالکل بے تعلق ہو جاؤ۔ ان میں سے کوئی مرجائے تو تم نہ اس کے جنازے کی نماز پڑھو نہ اس کی قبر پر جا کر اس کے لئے دعائے استغفار کرو۔ اس لئے کہ یہ کفر وفسق پر زندہ رہے اور اس پر مرے یہ حکم تو عام ہے۔ گو اس کا شان نزول خاص عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں ہے۔ جو منافقوں کا رئیس اور امام تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اس کے مرنے پر اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے باپ کے کفن کے لئے آپ ﷺ خاص اپنا پہنا ہوا کرتا عنایت فرمایئے۔ آپ نے دے دیا۔ پھر کہا کہ آپ ﷺ خود اس کے جنازے کی نماز پڑھایئے۔ آپ ﷺ نے یہ درخواست بھی منظور فرمالی اور نماز پڑھانے کے ارادے سے اُٹھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کی کہ حضور ﷺ اس کے جنازے کی آپ نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ تو ان کے لئے استغفار کر یا نہ کر۔ اگر تو ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے گا تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں بخشے گا۔ تو میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ یہ منافق ہے لیکن تاہم حضور ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اس پر یہ آیت اُتری اور روایت میں ہے کہ اس نماز میں صحابہ بھی آپ کی اقتدا میں تھے اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ اس کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو میں صف سے نکل کر آپ کے سامنے

آ کھڑا ہوا اور کہا کہ کیا آپ اس دشمن خدا عبداللہ بن ابی کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے۔ حالانکہ فلاں دن اس نے یوں کہا اور فلاں دن یوں کہا۔ اس کی وہ تمام باتیں دہرائیں۔ حضور ﷺ مسکراتے ہوئے سب سنتے رہے۔ آخر میں فرمایا' عمر رضی اللہ عنہ مجھے چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے استغفار کا مجھے اختیار دیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار ان کے گناہ معاف کرا سکتا ہے تو میں یقیناً ستر مرتبہ سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا۔ چنانچہ آپ نے نماز پڑھائی۔ جنازے کے ساتھ بھی گئے۔ دفن میں بھی موجود رہے۔ اس کے بعد مجھے اس گستاخی پر بہت ہی افسوس ہونے لگا کہ خدا تعالیٰ اور رسول خدا ﷺ خوب علم والے ہیں۔ میں نے ایسی اور اس قدر جرأت کیوں کی۔ کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی' جو یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں اس کے بعد آخر دم تک نہ تو حضور ﷺ نے کسی منافق کے جنازے کی نماز پڑھی نہ اس کی قبر پر آ کر دعا کی[1]۔

اور روایت میں ہے کہ اس کے صاحبزادے رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لائے تو ہمیشہ کے لئے یہ بات ہم پر رہ جائے گی۔ جب آپ تشریف لائے تو اسے قبر میں اتار دیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس سے پہلے مجھے کیوں نہ لائے چنانچہ وہ قبر سے نکالا گیا۔ آپ نے اس کے سارے جسم پر تھتکار کر دم کیا اور اسے اپنا کرتہ پہنچایا اور روایت میں ہے کہ وہ یہ وصیت کر کے مرا تھا کہ اس کے جنازے کی نماز خود رسول اللہ ﷺ پڑھائیں۔ اس کے لڑکے نے آ کر حضور ﷺ کو اس کی آرزو اور اس کی وصیت کی بھی خبر کی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کی وصیت یہ بھی ہے کہ اسے آپ کے پیراہن میں دفن کفنایا جائے آپ ﷺ اس کے جنازے کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے' جو جبریل علیہ السلام یہ آیتیں لے کر اُترے اور روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کا دامن تان کر نماز کے ارادے کے وقت یہ آیت سنائی۔ لیکن یہ ضعیف روایت ہے اور روایت میں ہے کہ اس نے اپنی بیماری کے زمانے میں حضور ﷺ کو بلایا۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے اور جا کر فرمایا کہ یہودیوں کی محبت نے تجھے بتا کر دیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ یہ وقت ڈانٹ ڈپٹ کا نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے لئے دعا استغفار کریں۔ میں مر جاؤں تو مجھے اپنے پیرہن میں کفنائیں ...... بعض سلف سے روایت ہے پیرہن دینے کی وجہ سے تھی کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے تو ان کے جسم پر کسی کا کپڑا ٹھیک نہیں آیا۔ آخر اس کا کرتہ لیا۔ وہ ٹھیک آ گیا۔ یہ بھی لمبا پوری چوڑی چکلی ہڈی کا آدمی تھا۔ پس اس کے بدلے میں آپ ﷺ نے اسے اس کے کفن کے لئے اپنا کرتہ عطا فرمایا۔ اس آیت کے اُترنے کے بعد نہ تو کسی منافق کے جنازے کی نماز آپ نے پڑھی۔ نہ کسی کے لئے استغفار کیا۔ مسند احمد میں ہے کہ جب آپ کو کسی جنازے کی طرف بلایا جاتا تو آپ ﷺ پوچھ لیتے۔ اگر لوگوں سے اس کی بھلائیاں معلوم ہوتیں' تو تو آپ ﷺ جا کر اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات کان میں پڑتی تو صاف انکار کر دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ آپ کے بعد یہ رہا کہ جس کے جنازے کی نماز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پڑھتے' اس کے جنازے کی نماز آپ بھی پڑھتے جس کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نہ پڑھتے آپ بھی نہ پڑھتے۔ اس لئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے منافقوں کے نام گنوائے تھے اور صرف انہی کو یہ نام معلوم تھے۔ اسی بنا پر انہیں راز دار رسول ﷺ کو کہا جاتا تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[1] بعض علماء کا خیال ہے کہ منافق کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنا اس کی اہانت ہے اور دوسروں کے لئے سرمایہ عبرت۔ کہ اس نے نفاق اختیار کیا۔ سزا کے طور پر اس کی نماز جنازہ میں بھی مسلمان شرکت نہیں کرتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نفاق باقی نہیں رہا۔ اس لئے اب نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنے کا حکم بھی ختم ہوا۔

ایک شخص کے جنازے کی نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے۔ تو حضرت حذیفہ نے چٹکی لے کر انہیں روک دیا۔ جنازے کی نماز ضرور استغفار ان دونوں چیزوں سے منافقوں کے بارے میں مسلمانوں کو روک دینا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مسلمانوں کے بارے میں ان دونوں چیزوں کی پوری تاکید ہے۔ ان کے مردوں کے لئے بھی پورا نفع ہے اور زندوں کے لئے بھی کامل اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں۔ آپ فرماتے ہیں جو جنازے میں شرکت کرے نماز پڑھے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اسے دو قیراط ملتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ قیراط کیا ہے۔ فرمایا کہ سب سے چھوٹا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر وہیں اس کی قبر کے پاس ٹھہر کر حکم فرماتے کہ اپنے ساتھی کیلئے استغفار کرو۔ اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو۔ اس سے اس وقت سوال و جواب ہو رہا ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۸۵﴾

اور ان کے مال اولاد سے کچھ بھی تعجب نہ کر اللہ تعالیٰ چاہتا یہی ہے کہ انہیں ان چیزوں سے دنیوی سزا دے اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں۔ ○

اس مضمون کی آیت کریمہ گزر چکی، وہیں اسکی پوری تفسیر بھی بحمد اللہ لکھ دی گئی ہے۔ جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿۸۶﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۸۷﴾

جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول ﷺ سے مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولتمندوں کا ایک طبقہ تیرے پاس آ کر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں میں ہی چھوڑ دیجئے۔ یہ تو پردہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر ریجھ گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اب وہ کچھ سمجھ عقل نہیں رکھتے۔ ○

حیلہ سازیاں ☆

ان لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو وسعت طاقت قوت ہوتے ہوئے جہاد کے لئے نہیں اُٹھتے جی چراتے ہیں اور حکم خدا سن کر بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنے رکنے کی اجازت چاہتے ہیں ان کی بے حمیتی تو دیکھو کہ یہ عورتوں جیسے ہو گئے۔ لشکر چلے گئے۔ یہ نامرد عورتوں کی طرح پیچھے رہ گئے۔ بوقت جنگ بزدل ڈرپوک اور گھروں میں گھسے رہنے والے اور بوقت امن بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والے یہ بھونکنے والے کتوں اور گرجنے والے بادلوں کی طرح ڈھول کے پول ہیں۔ چنانچہ

دوسری جگہ خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ خوف کے وقت ایسی آنکھیں پھیرنے لگتے ہیں۔ جیسے کوئی مر رہا ہو اور جہاں وہ موقع گزر گیا تو چرب زبانی کرنے اور لمبے چوڑے دعوے کرنے اور باتیں بنانے لگ جاتے ہیں امن کے وقت تو مسلمانوں میں فساد پھیلانے لگتے ہیں اور وہ بلند بانگ بہادری کے ڈھول پیٹتے ہیں کہ کچھ ٹھیک نہیں۔ لیکن لڑائی کے وقت عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر پردہ نشین بن جاتے ہیں۔ بل اور سوراخ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے تئیں چھپاتے پھرتے ہیں۔ ایماندار تو سورت اُترنے اور خدا کا حکم ہونے کا انتظار کرتے ہیں لیکن بیمار دل والے جہاں سورت اُتری اور جہاد کا حکم سنا کہ آنکھیں بند کر لیں۔ ان پر افسوس ہے اور ان کے لئے تباہی خیز مصیبت ہے۔ اگر یہ اطاعت گزار ہوتے اگر ان کی زبان سے اچھی بات نکلتی۔ ان کے ارادے اچھے ہوتے اور یہ خدا کی باتوں کی تصدیق کرتے تو یہی چیز ان کے حق میں بہتر تھی لیکن ان کے دلوں پر تو ان کی بداعمالیوں سے مہر لگ چکی ہے۔ اب تو ان میں اس بات کی صلاحیت بھی نہیں رہی کہ اپنے نفع نقصان کو ہی سمجھ لیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع

لیکن خود رسول اور اس کے ساتھ کے ایمان دار اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے رہتے ہیں اور یہی لوگ خوبیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ انہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ ○

مؤمنوں کا امتیاز ☆

منافقوں کی مذمت ان کی اخروی درگت بیان فرما کر اب مومنوں کی مدحت اور ان کی اخروی راحت بیان ہو رہی ہے کہ مومن جہاد کے لئے کمر باندھے رہتے ہیں۔ یہ جان و مال راہ خدا میں فدا کرتے رہتے ہیں۔ انہی کے حصے میں بھلائیاں اور خوبیاں ہیں۔ یہی فلاں پانے والے لوگ ہیں۔ انہی کے لئے جنت الفردوس ہے اور انہی کے لئے بلند درجے ہیں۔ یہی مقصد حاصل کرنے والے یہی کامیابی کو پہنچنے والے ہیں۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

بادیہ نشینوں میں سے عذر والے حاضر ہوئے کہ انہیں رخصت دے دی جائے اور وہ بیٹھ رہے۔ جنہوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے جھوٹی باتیں بنائی تھیں۔ اب تو ان میں جتنے کفار ہیں انہیں دکھ دینے والی مار پہنچ کر رہے گی۔ ○

مجبوریاں ☆

یہ بیان ان لوگوں کا ہے جو حقیقتاً کسی شرعی عذر کے باعث جہاد کے باعث جہاد میں شامل نہ ہو سکتے تھے۔ مدینہ کے ارد گرد کے یہ لوگ آ کر اپنی کمزوری ضعیفی بے طاقتی بیان کر کے اللہ کے رسول سے اجازت لیتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ انہیں واقعی مجبور سمجھیں تو اجازت دے دیں۔ یہ بنوغفار کے قبیلے کے لوگ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت میں ﴿وَجَآءَ الْمُعْذِرُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۹۰) ہے۔ یعنی اہل عذر لوگ یہی معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ اسی جملے کے بعد ان لوگوں کا بیان ہے جو جھوٹے تھے۔ نہ آئے نہ اپنے رک جانے کا سبب پیش کیا نہ حضور ﷺ سے رک جانے کی اجازت چاہی۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ عذر پیش کرنے والے بھی دراصل عذر والے نہ تھے۔ اسی لئے اس کے عذر مقبول نہ ہوئے۔ لیکن پہلا قول صحیح اور وہی زیادہ ظاہر ہے واللہ اعلم۔ اسکی ایک وجہ تو یہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عذاب کا وعدہ بھی ان سے ہوا جو بیٹھے ہی رہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ناتواں ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ خدا اور اس کے رسول کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں۔ ایسے نیک کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے۔ ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو تیرے پاس آتے ہیں کہ تو انہیں سواری مہیا کر دے تو تو جواب دیتا ہے کہ میں تمہاری سواری کے لئے کچھ نہیں پاتا۔ تو وہ رنج و غم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انہیں حرج کرنے کے لئے کچھ بھی میسر نہیں۔ بے شک ان لوگوں پر تو راہ الزام ہے اور انہی پر ہے جو باوجود دولت مند ہونے کے تجھ سے اجازت طلب کرتے ہیں جو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں جن کے دلوں پر مہر خداوندی لگ چکی ہے جس سے وہ محض بے علم ہیں۔ ○

اِن پر جہاد فرض نہیں ☆

اس آیت میں ان شرعی مجبوریوں کا بیان ہو رہا ہے۔ جن کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص جہاد میں نہ جائے تو اس پر مواخذہ نہیں۔ پس ان اسباب میں سے ایک قسم تو وہ ہے جو لازم ہوتی ہے کسی حالت میں انسان سے الگ نہیں ہوتی۔ جیسے پیدائشی کمزوری یا اندھاپن یا لنگڑا پن کوئی لولا لنگڑا اپاہج بیمار یا بالکل ہی ناطاقت ہو۔ دوسری قسم کے وہ عذر ہوتے ہیں جو کبھی ہیں اور کبھی نہیں۔ یعنی اتفاقیہ اسباب ہیں۔ مثلاً کوئی بیمار ہو گیا ہے یا بالکل فقیر ہو گیا۔ سامان سفر سامان جہاد مہیا کر سکتا نہیں وغیرہ۔ پس یہ لوگ شرکت جہاد نہ کر سکیں تو ان پر شرعاً کوئی مواخذہ گناہ یا عار نہیں لیکن انہیں اپنے دل میں صلاحیت اور خلوص رکھنا چاہئے۔ مسلمانوں کے دین خدا کے خیر خواہ بنے رہیں اوروں کو جہاد پر آمادہ کریں۔ بیٹھے بیٹھے جو خدمت مجاہدین کی انجام دے سکتے ہیں دیتے رہیں۔ ایسے نیک کاروں پر کوئی وجہ الزام نہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ سے پوچھا کہ ہمیں بتلایئے خدا کا خیر خواہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اللہ کے حق کو لوگوں کے حق پر مقدم کرے اور جب ایک کام دنیا کا اور ایک دین کا آ جائے تو دینی کام کی اہمیت کا پورا لحاظ رکھے۔ پھر فارغ ہو کر دنیوی کام کو انجام دے۔ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر لوگ نماز استسقا کے لئے میدان میں نکلے۔ ان میں حضرت بلال بن سعد بھی تھے۔ آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا اے حاضرین کیا تم یہ مانتے ہو کہ تم سب خدا کے گنہگار بندے ہو۔ سب نے پورا اقرار کیا۔ اب آپ نے دعا شروع کی کہ پروردگار! ہم نے تیرے کلام میں سنا ہے کہ نیک کاروں پر کوئی راہ نہیں۔ ہم اپنی برائیوں کے اقراری ہیں، پس تو ہمیں معاف فرما۔ ہم پر اپنی رحمت سے بارشیں برسا۔ اب آپ نے ہاتھ اُٹھائے اور آپ کے ساتھ ہی اور سب نے ہاتھ اُٹھائے۔ رحمت خداوندی جوش میں آئی اور اسی وقت جھوم جھوم کر رحمت کی بدلیاں برسنے لگیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی تھا۔ سورہ برأت جب اُتر رہی تھی، میں اسے بھی لکھ رہا تھا۔ میرے کان میں قلم اڑسا ہوا تھا۔ جہاد کی آیات اُتر رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منتظر تھے کہ دیکھیں اب کیا حکم نازل ہوتا ہے جو ایک نابینا صحابی آئے اور کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد کے احکام اس اندھے پن میں کیسے بجا لا سکتا ہوں۔ اسی وقت یہ آیت اُتری۔ پھر اسی کا بیان ہوتا ہے۔ جو جہاد کی شرکت کے لئے تڑپتے ہیں۔ مگر قدرتی اسباب سے مجبور ہو کر بادل نخواستہ رک جاتے ہیں۔ جہاد کا حکم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہوا۔ مجاہدین کا لشکر جمع ہونا شروع ہوا، تو ایک جماعت آئی۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مغفل بن مقرن مزنی وغیرہ تھے۔ انہوں نے کہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سواریاں نہیں۔ آپ ہماری سواریوں کا انتظام کر دیں۔ تاکہ ہم بھی راہ خدا میں جہاد کرنے کا اور آپ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ واللہ میرے پاس تو ایک بھی سواری نہیں۔ یہ نا اُمید ہو کر روتے پیٹتے، غمزدہ اور رنجیدہ لوٹے۔ ان پر اس سے زیادہ بھاری بوجھ کوئی نہ تھا کہ یہ اس وقت ہمرکابی اور جہاد کی سعادت سے محروم رہ گئے اور عورتوں کی طرح انہیں یہ مدت گھروں میں گزارنی پڑے گی۔ نہ ان کے پاس خود ہی کچھ ہے نہ کہیں سے کچھ ملتا ہے۔ پس جناب باری نے یہ آیت نازل فرما کر ان کی تسلی کر دی۔

یہ آیت قبیلہ مُزینہ کی شاخ بنی مقرن کے بارے میں اُتری ہے۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ سات آدمی تھے بنی عمرو کے: (۱) سالم بن عوف بنی واقف کے (۲) حرمی بن عمرو بنی مازن کے (۳) عبدالرحمٰن بن کعب بن معلیٰ کے (۴) فضل اللہ بنی سلمہ کے (۵) عمرو بن عثمہ اور (۶) عبداللہ بن عمرو مزنی (۷) بنو حارثہ کے علیہ بن زید۔ بعض روایتوں میں کچھ ناموں

وَاعْلَمُوْا ۱۰

میں ہیر پھیر بھی ہے۔ انہی نیک نیت لوگوں کے بارے میں اللہ کے رسول رسولوں کے سرتاج صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ اہل بیتہ وسلم کا فرمان ہے کہ اے میرے مجاہد ساتھیو! تم نے مدینے میں جو لوگ اپنے پیچھے چھوڑے ہیں ان میں وہ بھی ہیں کہ تم جو خرچ کرتے ہو جس میدان میں چلتے ہو جو جہاد کرتے ہو سب میں وہ بھی ثواب کے شریک ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی اور ایک روایت میں کہ یہ سن کر صحابہؓ نے کہا وہ باوجود اپنے گھروں میں رہنے کے ثواب میں ہمارے شریک ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں اس لئے کہ وہ معذور ہیں عذر کے باعث رکے ہیں اور روایت میں ہے انہیں بیماریوں نے روک لیا ہے۔ پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا' جنہیں فی الواقع کوئی عذر نہیں۔ مالدار' ہٹے کٹے ہیں لیکن پھر بھی سرکار نبوت میں آ کر بہانے تراش کر جہاد میں ساتھ نہیں دیتے۔ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ جاتے ہیں۔ زمین پکڑ لیتے ہیں[1] فرمایا ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر خداوندی لگ چکی ہے۔ اب وہ اپنے بھلے برے کے علم سے بھی کورے ہو گئے ہیں۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس جاؤ گے (سوائے محمد) آپ (سب کی طرف سے صاف) کہہ دیجئے کہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری (واقعی حالت کی) خبر دے چکے ہیں اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے۔ پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے۔ پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے (کہ ہم معذور تھے) جب تم ان کے پاس جاؤ گے تا کہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو سو تم ان کو ان کی

[1] یعنی زمین پر اس طرح بیٹھ گئے کہ اٹھنے اور ہلنے کا نام تک نہیں لیتے اور جہاد والے فریضہ کی ادائیگی سے جان بچاتے ہیں۔ غالباً ہم ہی کسی موقع لکھ چکے ہیں کہ جہاد خاص اوقات اور حالات میں فرض ہوتا ہے۔ عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہے

حالت پر چھوڑ دو۔ وہ بالکل گندے ہیں اور (اخیر میں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ وہ (نفاق وخلاف وغیرہ) کیا کرتے تھے۔ یہ اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو (ان کو کیا نفع) کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔ ○

عذر گناہ بدتر از گناہ ☆

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں یہ اطلاع دے دی ہے کہ جب تم مدینہ واپس ہو گے تو تمہارے سامنے اپنے عذر پیش کریں گے لیکن تم ان سے کہہ دو کہ تمہیں یہ خلاف عقل معذرتیں پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم تمہاری بات کو کبھی سچ نہ مانیں گے۔ اللہ پاک نے ہمیں تمہارے احوال معلوم کرا دیئے ہیں۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دنیا میں لوگوں کے سامنے ظاہر فرما دے گا اور تمہیں تمہارے اچھے برے سارے اعمال کی خبر دے دے گا اور پھر اپنے اعمال کا نتیجہ بھی دیکھنا پڑے گا۔ پھر ان سے متعلق مزید خبر دی گئی کہ وہ قسمیں کھا کھا کر بیان کریں گے تاکہ تم ان سے درگزر اور چشم پوشی کرلو۔ یہ اس وقت ہو گا جب تم مدینہ واپس جاؤ گے لیکن تم ہرگز ان کی تصدیق نہ کرنا اور ان سے اظہار حقارت کے لئے اعراض کر جانا ان میں نفس کی گندگی ہے۔ ان کے باطن اور ان کے اعتقادات نجس ہیں۔ آخرت میں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ ان کے اعمال کا یعنی خطا کاریوں کا صحیح بدلہ ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ اگر تم ان سے ان کی قسمیں کھانے کے سبب راضی ہو بھی جاؤ، تو اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔ جو خدا کی اطاعت اور رسول کی فرمانبرداری سے باہر ہو گئے ہیں وہ لوگ فاسق ہیں اور فسق کے لغوی معنی باہر نکلنے کے ہیں کہتے ہیں: الفارة فُوَيْسِقَة یعنی خرابیاں اور فساد پیدا کرنے کے لئے ہی اپنے بل سے نکلتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے: فَسَقَتِ الرُّطْبَةُ یعنی ڈالیوں سے کھجور کے خوشے نکل آئے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

ع ۱۲ / ۱

(ان منافقین میں جو) دیہاتی لوگ (ہیں وہ) کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو ان

احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں اور ان دیہاتیوں میں سے بعض ایسا ہے کہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کو جرمانہ سمجھتا ہے اور تم مسلمانوں کے واسطے (زمانہ کی) گردشوں کا منتظر رہتا ہے برا وقت انہی منافقین پر پڑنے والا ہے اور اللہ سنتے ہیں جانتے ہیں اور بعض اہل دیہات ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عنداللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بے شک ان کیلئے موجب قربت ہے ضرور ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرلیں گے اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔ O

عرب کے دیہاتی ☆

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اعراب میں کفار بھی ہوتے ہیں اور مومنین بھی اور ان کا کفر اور ان کا نفاق دوسروں کی نسبت بہت زیادہ شدید ہوتا ہے اور وہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ اللہ پاک نے اپنے رسول پر جو حدود احکام نازل فرمائے ہیں ان سے بے خبر رہیں جیسے کہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی بدوی زید بن صوحان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ اپنے ساتھیوں سے باتیں کر رہے تھے اور جنگ نہاوند میں ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ اعرابی ان سے کہنے لگا کہ تمہاری باتیں تو پیاری ہیں اور تم بڑے اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ لیکن یہ تمہارا کٹا ہوا ہاتھ مجھے تمہارے بارے میں شک پیدا کرتا ہے تو زید نے کہا کہ میرے کٹے ہوئے ہاتھ میں تمہیں شک کیوں ہوتا ہے یہ تو بایاں ہے۔ اعرابی نے کہا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ چوری میں بایاں ہاتھ کاٹتے ہیں یا داہنا ہاتھ۔ تو زید بن صوحان بول اُٹھے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ: ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ یعنی یہ کفار اعراب اسی کے سزاوار ہیں کہ حدود اللہ سے ناواقف رہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بالا سناد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صحرا نشین ہوا وہ گویا جلا وطن ہے اور جو شکار کے پیچھے دوڑا دوڑا پھرتا ہے۔ بڑا ہی بے سمجھ ہے اور جس نے کسی بادشاہ کی ہم نشینی اختیار کی۔ وہ فتنہ سے دو چار ہو گیا۔ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں بھی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب بتایا ہے۔ ثوری سے روایت کے سوا اور کسی سے روایت کا ہمیں علم نہیں۔ بدویوں میں چونکہ بدمزاجی اُجڈپن اور بدتمیزی ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اپنا رسول پیدا نہیں کیا۔ بعثت نبوت ہمیشہ شہری اور مہذب لوگوں میں ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ (یوسف: ۱۰۹) یعنی ہم نے تم سے پہلے بھی جتنے رسولوں کو انسانوں کی طرف بھیجا وہ سب شہری اور متمدن تھے۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے اپنا ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا تو اس وقت تک اس کا دل خوش نہ ہوا جب تک کہ آپ نے اس سے کئی گنا اس کے پاس نہ بھیج دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ قرشی' ثقفی' انصاری اور دوسی کے سوا اور کسی سے ہدیہ قبول نہ کروں گا کیونکہ یہ لوگ متمدن شہری ہیں۔ مکہ' طائف' مدینہ اور یمن میں رہتے ہیں۔ اخلاق میں یہ بدویوں سے بہت اچھے ہوتے ہیں کیونکہ اعرابی اجڈ بہت ہوتے ہیں۔ مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے کہ چند بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے' کیا تم اپنے بچوں کو چومتے ہو؟ تو صحابہؓ نے کہا ہاں۔ تو انہوں نے کہا

لیکن خدا کی قسم ہم نہیں چومتے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے محبت اور رحم کو نکال دیا ہے تو کیا میں اس کا ذمہ دار ہوں اور اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے ان لوگوں سے جو اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں علم اور ایمان کی توفیق دی جائے اور اس نے اپنے بندوں میں علم، جہل، ایمان، کفر اور نفاق کی تقسیم بڑی دانشوری سے کی ہے۔ وہ اپنی حکمت اور علم کی بنا پر جو کچھ کرتا ہے کون اس پر حرف گیری کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان ہی میں ایسے زبوں ہمت بھی ہیں کہ خدا کی راہ میں اگر وہ کچھ خرچ کرتے ہیں تو اس کو تاوان اور خسارہ سمجھ بیٹھتے ہیں اور تم پر حوادث مصائب اور آفات کے منتظر رہتے ہیں لیکن یہ حوادث انہیں پر منعکس ہوں گے اور گھوم پھر کر انہیں پر نازل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار کو سننے والا ہے اور اس بات کو جانتا ہے کہ ناکامیابی اور نامرادی کا کون مستحق ہے اور فتح و کامیابی کا کون سزاوار ہے۔

اور اعراب کی ایک اور قسم ممدوح ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی راہ میں اگر کچھ خرچ کرتے ہیں تو اس کو اللہ کے پاس قربت و پسندیدگی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے سبب اپنے لئے رسول ﷺ کی دعائے خیر حاصل کریں۔ ہاں یقیناً یہ انفاق ان کیلئے قربت خداوندی کا سبب ہوگا اور اللہ پاک ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے باغ مہیا کر رکھے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ O

مہاجرین سے ان کا خدا راضی ہے ☆

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ میں ان مہاجرین اور انصار اور تابعین سے راضی ہوں، جنہوں نے میری رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے میں سبقت کی ہے اور میری خوشنودی اس طرح ثابت ہے کہ میں نے ان کے لئے جنات نعیم تیار کر رکھے ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ مہاجرین و انصار میں سے سابقین و اولین وہ ہیں، جنہوں نے جنگ حدیبیہ میں بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا ہے اور شعبی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری اور سعید بن المسیب اور محمد بن سیرین اور حسن اور قتادہ نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قبلتین کی طرف نماز پڑھی۔

محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں کہ عمر بن الخطابؓ کسی کے قریب سے گزرے۔ اس وقت وہ یہ آیت پڑھ رہا تھا: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پوچھا کہ کس نے تمہیں یہ پڑھایا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے۔ اس پر آپ نے فرمایا اچھا چلو میں تمہیں ابی کے پاس لے چلتا ہوں تا کہ پوچھ لوں اور جب حضرت ابی کے پاس پہنچے تو پوچھا کیا تم نے اس آیت کو اس طرح پڑھنا بتایا ہے؟ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، آپ

نے کہا پوچھا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا ہے؟ کہا ہاں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم نے وہ اعلیٰ وارفع درجہ پالیا ہے کہ ہمارے بعد کوئی دوسرا یہ منزلت حاصل نہیں کرسکتا۔ تو ابی بن کعب کہنے لگے اس آیت کی تصدیق سورہ جمعہ کے اول میں بھی ہے۔ یعنی: ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (آیت:۳) اور سورہ حشر میں بھی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ اِلٰى آخره﴾ (آیت:۱۰) اور سورہ انفال میں بھی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا مَعَكُمْ﴾ (آیت:۷۵) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ حسن بصری وَالْاَنْصَارُ کے لفظ کو پیش سے پڑھتے تھے اور: ﴿السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ (التوبۃ:۱۰۰) پر عطف قرار دیتے تھے۔ گویا عبارت یوں ہوئی کہ مہاجرین میں سے سابقین اولین اور انصار اور ان کے تابعین سے خدا راضی ہے۔ افسوس کیا کم بختی ہے ان لوگوں کی جوان صحابہ سے بغض رکھتے ہیں۔ انہیں گالیاں دیتے ہیں یا بعض صحابہؓ کو سب وشتم کرتے ہیں خصوصاً وہ صحابی جو تمام صحابہ کا سردار ہے۔ پیغمبر ﷺ کا جانشین ہے۔ رسول کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ جس کو افضل صحابہؓ کا درجہ حاصل ہے۔ یعنی حضرت صدیق اکبر اور خلیفۂ اعظم ابوبکر بن قحافہ رضی اللہ عنہ۔ افسوس یہ نامراد فرقہ افضل صحابہؓ سے دشمنی رکھتا ہے۔ انہیں گالیاں دیتا ہے۔ ایسی حرکتوں سے خدا کی پناہ۔ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ عقل سے بے بہرہ ہیں۔ اگر یہ لوگ ان لوگوں کو گالیاں دیں' جن سے خدا راضی ہو چکا ہے اور قرآن میں اپنی رضامندی کی سند انہیں دے دی ہے۔ تو پھر کس منہ سے قرآن پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اب قرآن پر ایمان ہی کہاں رہا اور اہلسنّت ان لوگوں کی قدر کرتے ہیں اور ان سے راضی ہیں' جن سے کہ اللہ راضی ہے اور یہ اہلسنت برا بھلا کہتے ہیں تو ان کو جنہیں خدا نے اور رسول نے برا کہا ہے اور ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور ان کے مخالف ہیں کہ خدا تعالیٰ خود جن کا مخالف ہے۔ یہ اتباع ہدایت کرتے ہیں۔ بدعتی نہیں ہیں۔ نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہیں اور مذہب واعتقادات میں نئے نئے شاخسانے نہیں نکالتے۔ فلاح پانے والے اور مومن بندوں کی جماعت یہی ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

اور جو کچھ تمہارے گردو پیش والوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد مال پر پہنچے ہوئے ہیں (کہ) آپ (بھی) ان کو نہیں جانتے (کہ یہ منافق ہیں بس) ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔ ہم ان کو (اور منافقین کو آخرت سے پہلے) دہری سزا دیں گے۔ (ایک نفاق کی دوسری کمال نفاق کی) پھر (آخرت) میں وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔ ○

منافقین کے بارے میں اطلاع ☆

اللہ پاک اپنے رسول ﷺ کو خبر دے رہا ہے کہ عرب کے قبائل میں جو مدینہ کے اطراف میں رہتے ہیں' بعض منافق ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والے بعض مسلمان بھی درحقیقت منافق ہیں کہ اپنے نفاق کو لئے چل رہے ہیں اور منافقت سے باز

نہیں آتے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے شیطان مرید و مارد اور تمرد فلاں علی اللہ یعنی فلاں نے خدا کی نافرمانی اور سرکشی کی۔ خدا کا قول: ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (التوبۃ: ۱۰۱) خدا تعالیٰ کے اس قول ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ کے منافی اور متضاد نہیں ہے یعنی تم انہیں نہیں پہچانتے۔ ہم انہیں خوب جانتے ہیں اور یہ قول کہ اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں بتلا دیں گے کہ وہ کیسے ہیں تو پھر تم انہیں جان جاؤ گے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی اور انہیں پہچان لو گے ان کی بے تکی باتوں سے' یہ دونوں آیتیں آپس میں ضد نہیں۔ اس لئے کہ یہ اس قسم کی چیز ہے کہ اس کے ذریعے ان کی صفات کی نشان دہی کی گئی ہے تاکہ وہ پہچان لئے جاسکیں۔ یہ بات نہیں کہ تم تمام ہی منافقین کو علی التعیین جانتے ہو۔ آپ اہل مدینہ میں سے صرف ان بعض اہل نفاق کو جانتے تھے۔ جو رات دن ملتے جلتے رہتے تھے اور جنہیں آپ صبح و شام دیکھتے تھے۔ صحیح طور پر اس کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے' جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جبیر فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ مکہ میں ہمیں کوئی اجر نہیں ملا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے جبیر تم لوگوں کا اجر تمہیں ضرور دیا جائے گا۔ خواہ تم لوگ مکہ نہیں لومڑی کے بھٹ ہی میں کیوں نہ ہو۔ پھر آپ نے میری طرف سر جھکا کر راز دارانہ طور پر فرمایا کہ میرے اصحاب میں بعض منافق بھی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بعض منافقین ایسی بے تکی باتیں کرتے رہتے ہیں جن میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ بھی ایک قسم کا کلام تھا جس کو جبیر بن مطعم نے سنا تھا۔ ﴿وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ (التوبہ: ۷۴) کی تفسیر میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ کو اس کی اطلاع دے دی تھی کہ چودہ یا پندرہ متعین اشخاص ایسے ہیں' جو درحقیقت منافق ہیں اور یہ تشخیص اس بات کی مقتضی نہیں کہ آپ ان تمام کے نام جانتے تھے اور ان کے تشخص و عینیت سے واقف تھے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن عساکر ترجمہ ابو عمر البیرونی میں سند کے حوالے کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی جس کا نام حرطہ تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ ایمان تو یہاں ہے اور اشارہ کیا اپنی زبان کی طرف اور نفاق یہاں ہوتا ہے اور اشارہ کیا اپنے قلب کی طرف اور خدا کا نام بھی لیا تو کچھ معمولی سا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے خدا! تو اس کی زبان کو ذاکر بنادے اور قلب کو شاکر بنادے اور اس کو میری محبت عطا کردے اور مجھ سے محبت کرنے والوں کی محبت عطا فرما اور اس کے سارے امور خیر کی طرف پھیر دے۔ اب اس کی ساری منافقت دور ہوگئی اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ میرے اکثر ساتھی منافق ہیں اور میں ان سب کا سردار تھا۔ کیا میں ان سب کو آپ کے پاس پکڑ نہ لاؤں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ جو آپ ہی میرے پاس آ جائے گا تو ہم اس کے لئے خدا سے مغفرت چاہیں گے ور جو نفاق پر اصرار کئے رہے گا' اللہ اس کو دیکھ لے گا۔ تم کسی کا راز فاش نہ کرو۔ ایسی ہی روایت ابو احمد الحاکم نے بھی کی ہے اس آیت کے بارے میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے' جو بے تکلف لوگوں کے بارے میں اپنا یہ علم و یقین ظاہر کرتے رہتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے فلاں دوزخی ہے اور اگر خود ان سے پوچھا جائے کہ تم جنتی ہو یا دوزخی؟ تو کہتے ہیں میں نہیں جانتا۔ حالانکہ آدمی اپنے متعلق تو زیادہ بہتر طریقہ سے جان سکتا ہے جو دوسروں کے بارے میں جانتا ہے کہ دوزخی ہے یا جنتی وہ تو ایسی بات کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں جس کا دعویٰ تو انبیا نے بھی نہیں کیا۔

نبی اللہ نوح علیہ السلام نے کہا تھا کہ: ﴿وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الشعراء: ۱۱۲) یعنی میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کرتے ہیں اور نبی اللہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴾ (ہود: ۸۶) اللہ

تعالیٰ کے پاس تمہارے لئے خیر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر کوئی نگران کا روز مہ دار تو نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے فرمایا: ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (التوبة:۱۰۱) یعنی تم ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک روز جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے فلاں فلاں لوگو! تم مسجد سے چلے جاؤ کہ تم منافق لوگ ہو۔ چنانچہ بڑی رسوائی کے ساتھ وہ مسجد میں سے نکالے گئے۔ وہ مسجد سے نکل رہے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرف آ رہے تھے۔ عمرؓ نے یہ دیکھ کر کہ لوگ واپس گھر کو جا رہے ہیں۔ شاید نمازِ جمعہ ہو چکی ہے، شرما گئے اور شرم کے مارے ان لوگوں سے اپنے کو چھپانے لگے اور یہ لوگ بھی اپنے کو عمرؓ سے چھپانے لگے۔ یہ سمجھ کر کہ عمر کو بھی ہمارے اس نفاق کا علم ہو گیا ہوگا۔ غرض جب عمرؓ مسجد میں آئے تو معلوم ہوا کہ ابھی نماز نہیں ہوئی اور ایک مسلمان نے انہیں اطلاع دی کہ اے عمرؓ! خوش ہو جاؤ کہ آج منافقین کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کر دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ مسجد سے نکالا جانا عذاب اول ہے اور عذاب ثانی عذاب قبر ہوگا۔

ثوری نے بھی بالا سناد یہی کہا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے قولہ تعالیٰ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد قتل اور قید ہے اور ایک دوسری روایت میں بھوک اور عذاب قبر سے تعبیر کی گئی ہے۔ پھر وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ عذاب دنیا اور عذاب قبر مراد ہے۔ پھر وہ عذاب دوزخ میں مبتلا کئے جائیں گے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے دنیا کا اور قبر کا عذاب مراد ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ دنیا کا عذاب اموال اور اولاد کے فتنہ کا عذاب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھ کر سنایا: ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (التوبة:۸۵) یعنی ان کافروں کے اموال اور اولاد تم کو حسد میں مبتلا نہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ان چیزوں کے ذریعے دنیا کی زندگی ہی میں اللہ انہیں عذاب میں مبتلا نہ کر دے کیونکہ یہ مصائب ان کے لئے عذاب ہیں لیکن مومنین کے لئے باعث اجر ہیں اور آخرت کے عذاب سے مراد دوزخ کا عذاب ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ پہلے عذاب سے مراد وہ عذاب ہے جو اسلام کے پھیل جانے سے انہیں پہنچا ہے۔ جس کی وجہ سے بے انتہا رنج و افسوس ان کو ہوا ہے۔ دوسرا عذاب قبر کا عذاب ہے اور عذاب عظیم وہ ہے جو آخرت میں انہیں ملے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کا ہوگا۔

سعید نے قتادہ سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے کان میں کہا کہ بارہ منافقین ہیں ان میں سے چھ کو دبیلہ کافی ہے۔ یہ نار جہنم کا ایک شعلہ ہے جو ان کے کاندھے پر لگے گا۔ تو سینے تک جا پہنچے گا۔ یعنی پیٹ کے درد اندرونی بیماریوں اور دملوں سے مریں گے اور باقی چھ اپنی موت سے مر جائیں گے۔ سعید نے ہم سے بیان کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کوئی مرتا اور ان کی نظر میں مشتبہ ہوتا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے۔ اگر وہ اس میت کی نماز جنازہ پڑھتے تو خود بھی پڑھتے۔ یہ یقین کر کے کہ یہ میت ان بارہ منافقین میں سے نہیں ہے اور حذیفہ اگر نہ پڑھتے تو پھر خود بھی نہ پڑھتے۔ معلوم ہوا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ خدا کی قسم بتا دو میں ان بارہ میں سے تو نہیں ہوں۔ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نہیں ہو لیکن تمہارے سوا میں کسی اور کی ذمہ داری نہیں لیتا۔[1]

---

[1] آہ اسلاف کی دین کے بارے میں یہ احتیاط تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے "معیار اسلام" کو بھی اپنے دین کے سلسلہ میں اعتماد نہیں بلکہ ہر وقت خطرہ ہے اور آج کا مسلمان دین و عقیدہ میں کس قدر کمزور لیکن خود کو اسلام میں صدیق و فاروق (رضی اللہ عنہما) پر بھی فائق و برتر سمجھتا ہے اور ان مخلصین پر اعتراض کرتے ہوئے ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتا۔ فالی اللہ المشتکی

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

اور کچھ لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقرر ہو گئے۔ جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے (سو) اللہ سے امید ہے کہ ان (کے حال) پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمائیں گے (یعنی توبہ قبول کر لیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔ ○

ندامت' توبہ اور وعدۂ مغفرت:

جب اللہ تعالیٰ ان منافقین کا حال بیان کر چکا' جو مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے سے رک گئے تھے اور شرکت جنگ سے بے رغبتی تک اور شک کا مظاہرہ کرتے تھے تو پھر ان گنہگاروں کا ذکر شروع کرتا ہے جو جہاد میں شریک ہونے سے باز رہے۔ جس کی وجہ صرف سستی اور آرام طلبی تھی۔ حالانکہ انہیں تصدیق حق اور ایمان حاصل تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان منافقین کے سوا اور دوسرے لوگ جو جہاد سے رک گئے' انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف و اقرار کر لیا لیکن یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے دوسرے اعمال صالحہ بھی ہیں اور ان اعمال صالحہ کے ساتھ اپنی بعض تقصیرات جیسے جہاد سے باز رہنا بھی انہوں نے شامل کر لیا ہے۔ لیکن ان کی اس تقصیر کو اللہ پاک نے معاف فرما دیا ہے اور ان منافقین کی تقصیر کو وہ معاف نہیں کرے گا اور ان کے اعمال صالحہ ہیں بھی نہیں[1]۔ یہ آیت اگرچہ چند متعین اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن سارے مخلص خطا کاروں اور گنہگاروں کا بھی یہی حکم ہے اور مجاہد کا قول ہے کہ یہ ابولبابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب کہ انہوں نے بنی قریظہ سے کہا تھا کہ یہ ذبح کی جگہ ہے اور ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اٰخَرُوْنَ سے مراد ابولبابہ اور ان کے اصحاب ہیں جو غزوہ تبوک میں شرکت جہاد سے پہلو تہی کئے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ابولبابہ کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے یا سات تھے یا نو تھے اور جب غزوہ تبوک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو ان لوگوں نے اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہم کو نہیں کھولیں۔ ہم کو نہ کھولا جائے اور جب آیت: ﴿اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھول دیا اور ان کا جہاد میں شریک نہ ہونے کا قصور معاف کر دیا بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی رات دو آدمی میرے پاس آئے اور مجھے ایک ایسے شہر تک لے آئے جو چاندی اور سونے کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ وہاں ہمیں بعض ایسے آدمی دکھائی دیئے کہ ان کا آدھا جسم تو نہایت ہی خوش منظر تھا اور دوسرا آدھا جسم نہایت ہی بدصورت تھا کہ دیکھنے کو جی نہ چاہے۔ میرے ان ساتھیوں نے ان سے کہا کہ تم اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔ وہ غوطہ لگا کر جب باہر نکلے تو ان کا یہ عیب جاتا رہا اور ان کے اجسام سب کے سب حسین دکھائی دینے لگے۔ میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ "یہ جنت عدن ہے اور یہی تمہاری منزل ہے۔" اور کہا کہ وہ لوگ جن کا آدھا جسم خوبصورت تھا اور آدھا جسم نہایت بدصورت۔ سو اسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اعمال نیک کے ساتھ

[1] قرآن میں ارشاد ہے کہ نیکیاں برائیوں کو دھو دیتی ہیں تو جن کے دامن عمل میں برائیوں کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو۔ ان کی برائیاں ختم ہوں تو کس طرح۔

اعمالِ بد بھی ملا رکھے تھے اور خدا کی حدود سے تجاوز کر گئے تھے۔ اس آیت کی تفسیر میں بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً اسی طرح روایت کی ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے (لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے اور اللہ تعالیٰ (ان کے اعتراف کو) خوب سنتے ہیں (اور ان کی ندامت کو) خوب جانتے ہیں کیا ان کو خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور (کیا ان کو) یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے (کی صفت) اور رحمت کرنے (کی صفت) میں کامل ہے۔ ○

تطہیر کی ایک صورت ☆

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ان کے اموال سے زکوٰۃ وصول کر لیا کرو۔ یہ مال زکوٰۃ ان کو پاک اور مزکی بنائے گا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اَمْوَالِهِمْ کی ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع کی ہے۔ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا تھا اور اچھے اور برے دونوں قسم کے اعمال[1] کئے تھے لیکن درحقیقت یہ حکم خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ اسی لئے قبائل عرب میں بعض مانعین زکوٰۃ نے یہ اعتقاد کر لیا تھا کہ امام کو زکوٰۃ لینے کا حق نہیں اور یہ بات رسول اللہ ﷺ سے مخصوص تھی اور اسی لئے قولہ تعالیٰ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً سے انہوں نے دلیل لی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہؓ نے ان کی تاویل اور فہم فاسد کی تردید کر دی اور ان سے جنگ کی۔ تب کہیں انہوں نے خلیفہ وقت کو زکوٰۃ ادا کی۔ جیسا کہ وہ نبی ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ اونٹنی کا ایک بچہ یا رسی کا ایک ٹکڑا بھی مال زکوٰۃ کا روک لیں گے جو نبی ﷺ کو ادا کرتے تھے۔ تو منع زکوٰۃ پر میں ان سے قتال کروں گا۔ قولہ تعالیٰ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ یعنی ان کے لئے دعا کرو اور طلب

[1] کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن اصحاب نے جہاد میں شرکت نہیں کی تھی۔ شاید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زکوٰۃ بھی لینا چھوڑ دیا ہو۔ نماز تو گھر میں بھی پڑھی جا سکتی ہے لیکن زکوٰۃ تو امام وقت لے سکتا ہے۔ جس کے لینے اور نہ لینے کا سب کو علم ہو جاتا ہے۔ نماز کی طرح نہیں کہ پڑھنے نہ پڑھنے کا علم نہ ہو سکے۔ اب جب کہ ان کا قصور معاف کر دیا گیا تو آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ ان سے زکوٰۃ بھی لے لیں تاکہ عام مسلمانوں کی نظر میں ان کی ذلت ختم ہو یا یہ مطلب ہے کہ ان کی توبہ قبول ہے اور یہ زکوٰۃ نکالنے کا اہتمام کریں تاکہ مزید توبہ قبولیت حاصل کر سکے کیونکہ ان میں اکثر وہ تھے جنہوں نے صرف اپنے اموال و تجارت کی بنا پر ہی جہاد سے اعراض کیا تھا۔ گویا کہ جہاد میں عدم شرکت کی وجہ جو تھی اسی کا علاج بتایا گیا ہے کہ زکوٰۃ دیں تاکہ مال کی محبت ختم ہو اور آئندہ ایسے مواقع پر اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو سکے۔

مغفرت کرو جیسا کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ جب کسی کے پاس سے زکوٰۃ کا مال آتا تھا تو نبی ﷺ حسب حکم خداوندی اُس کے لئے دعا کرتے تھے۔ چنانچہ جب میرے باپ نے مال زکوٰۃ پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ! آلِ ابی اوفی پر رحم فرما۔ ایک دوسری حدیث میں ایک عورت نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ میرے اور میرے زوج کے لئے دعا فرمایئے۔ تو کہا کہ خدا تیرے اور تیرے زوج پر رحم و کرم فرمائے۔''

قولہ تعالیٰ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ تمہاری دعا ان کے سکون قلب کا سبب ہے۔ بعض نے صلوٰۃ کو جمع قرار دے کر صلوٰۃ پڑھا ہے اور دوسروں نے واحد قرار دے کر اِنَّ صَلٰوتَكَ پڑھا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ سکون کے معنی رحمت کے ہیں اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اس کے معنی ہیں وقار۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ یعنی اے نبی! اللہ تمہاری دعاؤں کو سننے والا ہے اور علیم ہے کہ کون تمہاری دعا کا مستحق ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وکیع نے بالا سناد روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کسی کے لئے دعا فرماتے تھے تو وہ اس کے بیٹوں پوتوں کے حق میں قبول ہو جاتی تھی[1]۔ پھر ابونعیم سے بالا سناد روایت ہے کہ نبی ﷺ کی دعا کسی آدمی اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کے حق میں ضرور قبول ہو جاتی تھی اور اللہ کا قول ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ یعنی کیا انہیں اس کا علم نہیں اس کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی نیکیوں کو لیتا ہے اور توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ اس سے مقصد توبہ اور صدقہ پر لوگوں کو آمادہ کرتا ہے کیونکہ یہی دونوں چیزیں گناہوں کو انسان سے چھڑا دیتی ہیں اور معاصی کو ملیامیٹ کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو اس کے پاس توبہ کرے وہ بندہ کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور جب کسب حلال کا ایک ٹکڑا بھی صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے سیدھے ہاتھ سے لے لیتا ہے۔ پھر وہ صدقہ دینے والے کے لئے اس صدقہ کی پرورش کرتا جاتا ہے اور اس کو چھوٹے سے بڑا بناتا ہے۔ حتیٰ کہ صدقہ کا وہ ایک کھجور کوہ احد کے مانند ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے اور جیسا کہ وکیع نے بھی بالا سناد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کو قبول فرماتا ہے اور اس کو اپنے سیدھے ہاتھ میں لیتا ہے اور اس کو نشوونما دیتا ہے۔ جیسا کہ تم اپنے گھوڑے کے بچہ کو پال کر بڑا کرتے ہو۔ یہاں تک کہ صدقہ کا ایک لقمہ بھی اُحد کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ اس کی تصدیق کتاب اللہ عزوجل سے بھی ہوتی ہے کہ کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور زکوٰۃ و صدقات کو لے لیتا ہے اور قولہ ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ (البقرہ:۲۷۶) یعنی اللہ تعالیٰ سود کے منافع کو برباد کر دیتا ہے[2] اور صدقات کو اضعافاً مضاعفاً بڑھاتا رہتا ہے۔ ثوری نے بالا سناد ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ صدقہ کا مال سائل کے ہاتھ میں پڑنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں پڑتا ہے۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما یہ آیت پڑھی: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ بہ ضمن تاریخ عبداللہ بن الشاکر السکسی (جو دمشقی تھے لیکن اصل وطن حمص تھا اور فقہا میں سے تھے) بیان کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں نے جہاد کیا۔ جن کے سردار عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ تو ایک مسلمان نے مالِ غنیمت میں سے سو دینار رومی غبن کر لئے اور جب لشکر واپس ہو گیا اور لوگ گھروں کو چلے گئے تو اسکی ندامت نے آ گھیرا۔ اس نے یہ دینار اب امیر لشکر کے پاس پہنچائے۔ اس نے ان کے

1۔ یہ آپ ﷺ کی دعا کا اثر تھا۔

2۔ اے حریص انسان اب تو اچھے اور برے نفع اور نقصان کو پہچان۔ سو (جس کو تو حاصل ہی کرتا ہے محض مالی نفع کے لئے خدائے علم کہتے ہیں کہ وہ نفع نہیں بلکہ نقصان ہے)۔

سے انکار کر دیا کہ وہ سب لوگ تو اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے جن کو یہ تقسیم کیا جا سکتا تھا۔ اب میں تو نہیں لے سکتا۔ اب تم قیامت کے روز اس کو خدا کے سامنے پیش کر دینا۔ اب یہ آدمی صحابہؓ میں سے ہر ایک سے پوچھتا رہا لیکن سب یہی کہتے رہے۔ پھر دمشق آیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو قبول کرنے کے لئے کہا۔ لیکن انہوں نے بھی انکار کیا۔ وہ وہاں سے اپنی حالت پر روتا ہوا نکلا اور عبداللہ بن الشاعر السکسی کے پاس سے گزرا۔ اس نے پوچھا کیوں روتے ہو؟ اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا کہ کوئی امیر بھی ان کو نہیں لیتا۔ تو عبداللہ نے کہا کیا تم میری بات سنو گے؟ اس نے کہا ضرور۔ تو تم معاویہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ پانچواں حصہ جو بیت المال کا حق ہے' لے لو۔ چنانچہ بیس دینار ان کے حوالے کر دو اور باقی اسی دینار ان لشکریوں کی طرف سے خیرات کر دو' جو ان کے حقدار ہو سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ناموں اور مقامات وغیرہ سے بھی واقف ہے وہ انہیں اس کا ثواب پہنچا دے گا۔ تو اس آدمی نے ایسا ہی کیا۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں نے اس کو ایسا فتویٰ دیا ہوتا تو مجھے یہ بات اپنی تمام مملکت سے زیادہ محبوب تھی۔ اس نے بہت اچھی تدبیر بتائی ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۱۰۵

اور آپ کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کئے جاؤ (سو) ابھی دیکھے لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان اور ضرور تم کو ایسے کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا۔ O

خدا البصیر ہے ☆

مجاہد کا قول ہے کہ یہ اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کے لئے خدا کی طرف سے وعید ہے کہ ان کے اعمال خدائے تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین میں بھی ان کے اعمال ظاہر کئے جائیں گے اور قیامت کے دن یہ ہونا ضرور ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ یعنی بروز قیامت تمہارے اعمال پیش ہوں گے اور ڈھکی چھپی بات بھی پوشیدہ نہ رہ سکے گی اور فرمایا اللہ پاک نے: ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ یعنی دلوں کے چھپے ہوئے بھید ظاہر ہو جائیں گے اور فرمایا: ﴿وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ یعنی دلوں میں جو کچھ ہے وہ ظاہر ہو جائے گا اور دنیا کے لوگ اس سے واقف ہو جائیں گے۔ جیسا کہ امام احمد نے کہا ہے کہ حسن بن موسیٰ نے باسناد مرفوعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی سخت پتھر کے اندر بھی سما جائے۔ جس میں نہ کوئی سوراخ باقی رہے نہ دروازہ اور اس کے اندر بھی چھپ کر کوئی عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی لوگوں پر ایسا ظاہر کر دے گا گویا یہ ان کے سامنے ہوا ہے اور حدیث میں ہے کہ زندوں کے اعمال ان اموات پر پیش کئے جاتے ہیں' جو ان کے عزیز و اقارب ہیں یا ان کے قبائل کے ہیں اور جو اس وقت عالم برزخ میں ہیں' جیسا کہ ابوداؤد والطیالسی نے کہا ہے۔

صلت بن دینار نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ اقربا اور قبائل پر ان کی

قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر اعمال خیر ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر بد ہوں تو دعا کرتے ہیں کہ اے خدا تو اپنی طاعت کی انہیں توفیق عطا فرما۔ امام احمد کہتے ہیں کہ عبدالرزاق نے ہمیں خبر دی ہے کہ سفیان نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ حضرت ﷺ فرماتے تھے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ اقارب وقبائل پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اچھے عمل ہوں تو مردے خوش ہوتے ہیں اور اچھے نہ ہوں تو کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو انہیں موت نہ دے جب تک تو انہیں بھی ایسی ہدایت نہ دے جیسی تو نے ہمیں دی تھی۔

بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کا عمل نیک تمہیں پسند خاطر ہو تو کہو کئے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس کا رسول اور مومنین بھی اس سے واقف ہو رہے ہیں۔ اس قسم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ باسناد انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے اچھے عمل کو دیکھ کر خوش نہ ہو جاؤ انتظار کرو کہ اس کا خاتمہ بھی اس عمل نیک پر ہوتا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ انسان ایک زمانہ تک نیک عمل کرتا رہتا ہے اور وہ اس نیک عمل پر مر جائے تو جنت میں داخل ہو جائے لیکن ناگہاں اس کے حالات بدل جاتے ہیں اور وہ برے اعمال کرنے لگتا ہے اور ایک بندہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک زمانہ تک برے اعمال کرتا رہتا ہے کہ اگر اسی پر مر جائے تو دوزخ میں چلا جائے گا لیکن یکایک تقدیر کا لکھا ہوا سامنے آتا ہے اور وہ نیک عمل کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو موت سے پہلے اس کی نیکی کی توفیق دے دیتا ہے اور وہ نیکی پر مرتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ قبض روح کے وقت وہ عمل صالح کے ساتھ ہوتا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے (اور) حکمت والا ہے۔ ○

انتظار ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہدؒ اور عکرمہؒ اور ضحاکؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ تین شخص تھے کہ جن کی توبہ کی قبولیت باقی رہ گئی تھی اور وہ مرارہ بن الربیع اور کعب بن مالک اور بلال بن امیہ تھے اور غزوہ تبوک میں یہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ رہے تھے۔ جنہوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی۔ بسبب سستی اور آرام طلبی کے اور اس سبب سے کہ ان کے باغات میں پھل پکنے کا موسم تھا۔ کاشت تیار کھڑی تھی۔ سایہ اور بہار کی لطف انگیزی کا زمانہ تھا۔ یہ کوتاہی از جنگ شک اور منافقت کی بنا نہیں تھی۔ چنانچہ ان میں چند لوگ ایسے تھے' جنہوں نے اپنے کو ستونوں سے باندھ رکھا تھا' جیسے کہ ابولبابہ اور ان کے ساتھی۔ دوسرے چند لوگوں نے ایسا نہ کیا اور یہ مذکورہ بالا تین اشخاص تھے۔ ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ تو ان لوگوں سے پہلے ہی قبول ہو چکی تھی اور زیر ذکر لوگوں کی توبہ کی قبولیت تعویق میں پڑ گئی تھی۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی اور وہ یہ ہے: ﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ......﴾ اور ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ......﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی اور مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کر لی (آخر آیت تک) اور ان تین شخصوں کی توبہ بھی قبول کر لی۔ جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حتیٰ کہ اتنی وسیع دنیا بھی تنگ تر ہو گئی تھی اور کہیں انہیں پناہ نہ مل سکتی تھی۔ جیسا کہ حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ میں اس کا بیان آنے والا ہے اور قولہ تعالیٰ: ﴿اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ﴾ یعنی وہ تحت عفو خداوندی ہیں۔ اگر چاہے وہ تو ان سے ایسا برتاؤ کرے اور اگر چاہے تو ویسا لیکن اللہ کی رحمت تو اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو مستحق عفو کو جانتا ہے کہ کون عفو کا مستحق ہے اور وہ اپنے افعال و اقوال میں حکیم ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا اور رب نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے اغراض کے لئے مسجد بنوائی ہے کہ (اسلام کو) ضرر پہنچائیں اور (اس میں بیٹھ بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے ہمارے کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اس میں کبھی (نماز کے لئے) کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (مراد مسجد قبا) وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ○

قصہ مسجدِ ضرار ☆

ان آیات کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک آدمی رہتا تھا' جس کا نام تھا ابو عامر راہب۔ یہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اہل کتاب کا علم حاصل کر چکا تھا۔ یہ ایک عبادت گزار شخص تھا۔ اپنے قبیلہ میں اس کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور مسلمانوں کا آپ ﷺ کے پاس اجتماع ہونے لگا اور اسلام کا بول بالا ہو گیا اور بدر کی لڑائی میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب رکھا تو ابو عامر پر یہ بات بہت شاق گزری اور کھلم کھلا عداوت ظاہر کرنے لگا اور مدینہ سے بھاگ کر کفار مکہ اور مشرکین قریش سے جا ملا اور انہیں رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر مائل کرتا تھا۔ اب سارے قبیلے عرب کے اکٹھے ہو گئے اور جنگ اُحد کے لئے پیش قدمی کی۔ نتیجہ میں مسلمانوں کو جو ضرر پہنچا اللہ عزوجل نے اس جنگ میں مسلمانوں کا امتحان لیا۔ دنیا نہ سہی لیکن عاقبت تو متقین
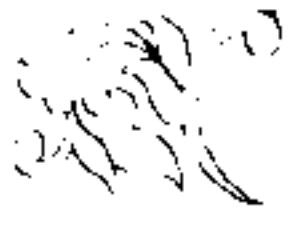
ہی کے لئے ہے۔ اس فاسق نے دونوں طرف کی صفوں کے درمیان کئی گڑھے کھود رکھے تھے۔ ان میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے اور آپ ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچی، چہرہ زخمی ہو گیا۔ نیچے کی طرف سے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ سر بھی نبی ﷺ کا زخمی ہو گیا۔

ابو عامر نے شروع جنگ میں اپنی قوم انصار کی طرف بڑھ کر انہیں مخاطب کیا اور انہیں مدد اور موافقت کی دعوت دی۔ جب انصار نے ابو عامر کی یہ حرکت دیکھی تو کہنے لگے کہ اے فاسق، اے عدو اللہ، خدا تجھے برباد کرے اور اس کو برا بھلا کہا اور ذلیل کیا۔ اب وہ یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ میرے بعد میری قوم تو اور بگڑ گئی۔

نبی ﷺ نے اس کے فرار ہونے سے پہلے اس کو دعوت اسلام دی تھی اور قرآن اسے سنایا تھا لیکن اسلام لانے سے انکار کیا اور سرکشی اختیار کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق میں بددعا کی کہ کم بخت جلاوطنی اور پردیس کی موت مرے۔ چنانچہ یہ بددعا اس طرح وقوع پذیر ہوئی کہ لوگ جنگ احد سے فارغ ہوئے اور اس نے دیکھا کہ نبی ﷺ کا تو اور بول بالا ہو رہا ہے۔ اسلام بڑھتا چلا جا رہا ہے تو وہ ملک روم ہرقل کے پاس گیا۔ اس سے نبی علیہ السلام کے خلاف مدد مانگی۔ اس نے وعدہ کیا۔ اس نے اپنی اُمیدیں کامیاب ہوتی دیکھیں تو ہرقل کے پاس ٹھہر گیا اور اپنی قوم انصار میں سے ان لوگوں کو مکہ بھیجا جو اہل نفاق تھے، کہ لشکر لے کر آ رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی ال علیہ وسلم سے خوب جنگ ہوگی۔ ان پر غالب آ جاؤں گا اور انہیں اپنے اسلام سے پہلے کی سابقہ حالت پر آنا پڑے گا اور ان اہل نفاق کو حکم بھیجا کہ اس کے لئے پناہ کی جگہ بنائے رکھو اور میرے احکام اور مراسلے جو لے کر آیا کریں، ان کے لئے قیام گاہ اور مامن بنائے رکھو۔ تاکہ اس کے بعد جب وہ خود آئے تو اس کے لئے کمین گاہ کا کام دے۔ چنانچہ ان منافقین نے مسجد قبا کے قریب ہی ایک مسجد بنا ڈالی۔ اس کی تعمیر کر دی۔ اس کو پختہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے تبوک سے نکلنے سے پہلے اس کام سے فارغ بھی ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ آپ ہمارے پاس آئیے۔ ہماری مسجد میں نماز پڑھیئے۔ تاکہ اس بات کی سند ہو سکے کہ یہ مسجد اپنی جگہ قابل استقرار اور قابل اثبات ہے اور آپ کے سامنے یہ بیان کیا کہ ضعیفوں اور کمزوروں کی خاطر یہ مسجد بنائی گئی ہے اور سردی کی راتوں میں جو بیمار لوگ دور کی مسجد میں نہیں جا سکتے۔ ان کے لئے آسانی کی غرض سے ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی ﷺ کو مسجد میں نماز پڑھنے سے بچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں تو اس وقت سفر درپیش ہے۔ جب ہم واپس ہوں گے اور خدا نے چاہا تو دیکھا جائے گا اور جب نبی ﷺ جنگ تبوک سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف واپس ہوئے اور مدینہ تک مسافت جب ایک دن یا اس سے کچھ کم رہ گئی تو جبریل علیہ السلام مسجد ضرار کی خبر لئے ہوئے آ پہنچے اور منافقین کے اس راز کو ظاہر کر دیا کہ مسجد قبا کے قریب ایک اور مسجد بنانے سے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرنے کا مقصد ان منافقوں اور کافروں نے پیش نظر رکھا ہے۔ وہ مسجد قبا ہے، جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر اُٹھائی گئی ہے۔ اس علم کے[1] بعد نبی ﷺ نے اپنے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی چند لوگوں کو اس مسجد ضرار کی طرف بھیج دیا کہ اس کو منہدم کر دیا جائے جیسا کہ علی ابن طلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ انصار کے لوگ تھے۔ جنھوں نے ایک مسجد بنائی تھی اور ابو عامر نے ان سے کہا کہ تم ایک مسجد بناؤ اور جس قدر بھی تم سے ممکن ہو اس میں ہتھیار اور سامان جنگ چھپائے رکھو اور اس کو اپنی پناہ گاہ بنا لینا۔ کیونکہ میں قیصر ملک روم کی

[1] معلوم ہوا کہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا۔ اگر عالم الغیب ہوتا تو مسجد ضرار بنانے والوں کے اس برے مقصد پر ضرور اطلاع ہوتی۔

طرف جا رہا ہوں۔ روم سے لشکر لے کر آؤں گا اور محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کو مدینہ سے نکال دوں گا۔ چنانچہ یہ منافقین جب مسجد ضرار بنا کر فارغ ہو گئے تو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم یہ دلی خواہش رکھتے ہیں کہ ایک بار آپ اس مسجد میں آ کر نماز پڑھیں اور اس میں ہمارے لئے برکت کی دعا کریں۔ تو اللہ عزوجل نے یہ وحی نازل فرما دی: ﴿لَا تَقُمْ فِيهِ اَبَدًا (الی قوله) الظّٰلِمِيْنَ﴾ یعنی ہرگز اس میں نماز نہ پڑھنا۔ یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد اول یوم سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ حقدار ہے اس بات کی کہ تم اسی میں نماز پڑھو۔ اس میں ایسے پاکیزہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ پاک دل رہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی پاکیزہ دلوں کو پسند کرتا ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بھی بالا سناد یہی روایت کی ہے اور محمد بن اسحاق نے بھی بالا سناد یہی روایت کی ہے کہ نبی ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مقام ذی روان میں فروکش ہوئے۔ مدینہ یہاں سے چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔ اب مسجد ضرار والے آپ کے پاس آئے' اس وقت آپ تبوک کی طرف جانے کی تیاری میں مصروف تھے اور کہا یارسول اللہ ﷺ ہم نے بیماروں' حاجتمندوں اور بارش اور سردی کی راتوں میں آنے والی جماعت مسلمین کی خاطر ایک مسجد بنائی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں تشریف لائیں اور ہمیں اس میں نماز پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تو سفر درپیش ہے اور میں بہت مصروف ہوں۔ یارسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اگر ہم واپس آئے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم تمہارے پاس آئیں گے اور تمہیں نماز پڑھائیں گے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ ذی روان میں اُترے تو اس مسجد ضرار کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مل گئی۔ آپ نے بنی سالم کے بھائی مالک بن دخشم کو بلایا اور معن بن عدی یا اس کے بھائی عامر بن عدی کو' غرض ان دونوں کو بلایا اور فرمایا کہ تم دونوں ان ظالموں کی مسجد کی طرف جاؤ اور اس کو منہدم کر دو اور جلا ڈالو۔ یہ دونوں فوراً گئے اور بنی سالم بن عوف کے پاس آئے۔ یہ مالک بن الدخشم کے قبیلہ کے لوگ تھے۔ اب مالک نے معن سے کہا' ٹھہرو میں اپنے لوگوں میں سے کسی کے پاس سے آگ لے آتا ہوں۔ اب مالک اپنے لوگوں میں آئے۔ درخت کی ایک بڑی سی لکڑی لی۔ اس کو سلگایا اور فوراً نکل کھڑے ہوئے اب یہ دونوں مسجد میں پہنچے۔ مسجد میں یہ کفار موجود تھے۔ ان دونوں نے مسجد کو جلا دیا اور اس کو گرا دیا۔ لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور قرآن کی یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا......﴾ یہ لوگ جنہوں نے یہ مسجد بنائی' بارہ افراد تھے۔ حذام بن خالد۔ اسی کے گھر سے مسجد شقاق کی راہ نکلتی ہے اور ثعلبہ بن حاطب بنی امیہ کے خادم اور معتم بن قشیر اور ابو جبیبہ بن الازعر اور عباد بن حنیف اور حارثہ بن عامر اور اس کے دونوں بیٹے مجمع اور زید اور نبتل الحارث اور نجرج اور بجاد بن عمران اور ودیعہ بن ثابت اور ابولبابہ کے قبیلہ کے خادم۔ وہ لوگ جنہوں نے اس کو بنایا' وہ قسمیں کھا کر کہہ رہے تھے کہ ہم نے تو نیک ارادہ سے اس کی بنیاد ڈالی ہے۔ ہمارے پیش نظر تو صرف لوگوں کی خیر خواہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾۔ اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ یعنی جو انہوں نے قصد کیا اور نیت کر رکھی ہے۔ اس میں جھوٹے ہیں۔ محض اس مقصد سے مسجد بنائی ہے کہ مسجد قبا کو ضرر پہنچائیں اور کفر کی اشاعت کریں۔ مسلمانوں میں تفریق ڈالیں۔ خدا سے اور خدا کے رسول سے لڑنے کی خاطر کمین گاہ بنائے رکھیں۔ جہاں ان کے مشورے ہوا کریں۔ وہ شخص ہے ابو عامر وہ فاسق جس کو راہب سمجھا جاتا ہے۔ خدا اس پر لعنت کرے وقولہ ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾ نبی ﷺ کو اس میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرما دی۔ نماز نہ پڑھنے میں اس کی تابع ان کی امت بھی ہے۔ چنانچہ

مسلمانوں کو بھی تاکید کی ہے کہ کبھی اس میں نماز نہ پڑھیں۔ پھر مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی کہ مسجد قبا کی بنیاد شروع ہی سے تقویٰ پر ڈالی گئی ہے۔ تقویٰ طاعت اللہ تعالیٰ اور اطاعت رسول ﷺ کو کہتے ہیں۔ یہاں مسلمان مل بیٹھتے ہیں۔ دینی مشورے کرتے ہیں اور یہ اسلام اور اہل اسلام کی پناہ کی جگہ ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾ اور سیاق عبارت مسجد قبا سے متعلق ہے۔ اسی لئے صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنا ایک عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔ صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد قبا کی طرف کبھی سوار ہو کر تشریف لاتے تھے اور کبھی پیادہ پا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اسے بنایا تو آپ کی سب سے پہلے تشریف آوری بنی عمرو بن عوف کے پاس تھی اور جہت قبلہ جبریل علیہ السلام نے معین کی تھی[1]۔ واللہ اعلم

ابوداؤد نے بالا سناد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا﴾ آپ نے فرمایا کہ وہ پانی سے طہارت کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعریف میں یہ آیت اُتری ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب متذکرہ بالا آیت اُتری تو آپ عویم بن سعدہ کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ تمہاری وہ کونسی طہارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی ہے تو عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے جب کوئی مرد یا عورت حاجت سے فارغ ہوتی ہے تو پانی سے اپنے اندام نہانی کو اچھی طرح دھولیتی ہے تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہی بات ہے[2]۔

امام احمد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ مسجد قبا میں تشریف لائے اور کہا کہ نماز کے لئے تمہاری طہارت کی اللہ پاک نے اچھے الفاظ میں تعریف کی ہے۔ سو وہ تمہاری کونسی طہارت ہے۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم کو تو اس کے سوا کوئی علم نہیں کہ یہود ہمارے پڑوسی ہیں اور وہ حاجت سے فارغ ہونے کے بعد پانی سے دھوتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے بھی یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے[3]۔

ابن خزیمہ نے اپنی کتاب حدیث میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عویم بن ساعدہ سے پوچھا کہ تمہاری کس طہارت کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے تو کہا کہ ہم طہارت کرنے میں پانی استعمال کرتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ آیت: ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ جو اُتری ہے وہ حاجت کے بعد پانی سے دھونے والوں کی شان میں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بالا سناد بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مسجد قبا میں آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طہارت کی بہت تعریف کی ہے۔ وہ کیا ہے؟ تو کہا کہ رسول اللہ ہم نے توریت میں پانی سے طہارت کے احکام پائے ہیں (اس میں ایک راوی عبداللہ بن سلام تھے جو اہل تورات تھے) حدیث صحیح میں ہے کہ مدینہ کے اندر جو مسجد نبوی ہے یہی وہ مسجد ہے جس کے لئے کہا گیا کہ تقویٰ پر اس کی بنیاد اُٹھی ہوئی ہے اور یہ صحیح بات ہے۔ اس آیت اور اس آیت میں کوئی منافات نہیں کیونکہ جب قبا کی تاسیس اوّل یوم سے بر بنائے تقویٰ ہے تو بدرجۂ اُولیٰ مسجد نبوی کو یہ خصوصیت حاصل ہونی چاہئے۔ اسی لئے امام احمد بن

---

[1] مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلہ کی سمت سے مطلع کیا تھا۔

[2] یعنی ڈھیلہ استعمال کرنے کے ساتھ پانی بھی استعمال کرتے ہیں جس سے مزید طہارت اور پاکی حاصل ہوتی ہے۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں دوسری قوم سے بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ لیکن کونسی وہ اچھی بات ہے جس کا اسلام میں حکم نہیں ہے۔

حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو مسجد تقویٰ کی اساس رکھتی ہے۔ وہ میری یہ مسجد ہے۔
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے پھر (بالاسناد) روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ اس خصوصیت کی مالک مسجد کونسی ہے؟ تو ایک نے کہا کہ وہ مسجد نبوی ہے اور دوسرے نے کہا کہ وہ مسجد قبا ہے۔ یہ دونوں نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے تحقیق کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے یہی میری مسجد مراد ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے پھر (بالاسناد) روایت کی کہ دو آدمی اس خصوصیت والی مسجد کے بارے میں مختلف الرائے تھے ایک مسجد قبا کو اور دوسرا مسجد نبوی کو بتا رہا تھا۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسجد تقویٰ یہ میری مسجد ہے۔ پھر اس کے بعد کئی حدیثیں اور مضمون کی وارد ہیں۔ چنانچہ حمید الخراط المدنی نے ابوسلمہ سے پوچھا کہ تم نے اپنے باپ سے مسجد تقویٰ کے بارے میں کیا سنا؟ تو کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا یا نبی اللہ! مسجد تقویٰ کونسی ہے؟ تو آپ نے مٹھی بھر کنکریاں زمین سے اُٹھائیں اور انہیں زمین پر مار کر کہا کہ وہ یہی مسجد ہے۔ اس وقت آپ کے صحن کے سامنے ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرہ میں تشریف فرما۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ (اس کو مسلم نے بالا اسناد حمید الخراط سے روایت کیا ہے کہ خلف اور سلف کی ایک جماعت اسی بات کی قائل ہے کہ وہ مسجد نبوی ہے اور عمر بن الخطابؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے بھی یہی روایت ہے اور ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ﴾ والی آیت پاک اس بات کی دلیل ہے کہ مساجد قدیمہ میں جن کی اول بنیاد عبادت خداوندی پر اُٹھائی گئی ہے۔ نماز پڑھنا مستحب ہے اور اس استحباب کی بھی دلیل ہے کہ جماعت صالحین اور عباد عاملین کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور وضو باقاعدہ طور پر مکمل کیا جائے اور نماز میں میلے یا گندے کپڑوں سے بالکل پاک رہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (بالاسناد) روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ روم پڑھی۔ پڑھنے میں آپ کو کچھ شک سا ہو گیا۔ آپ ﷺ جب واپس ہوئے تو فرمایا قرآن پڑھنے میں کچھ گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ دیکھو تم میں بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں لیکن وضو اچھی طرح نہیں کرتے۔ پس جو ہمارے ساتھ نماز پڑھنا چاہے اس کو چاہئے کہ وضو کامل کیا کرے۔ وضو میں کوئی خرابی نہ کرنے پائے[1]۔

ذوالکلاع سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی تھی۔ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حسن طہارت قیام فی العبادت میں آسانی پیدا کرتا ہے اور عبادت کی تتمیم و تکمیل میں مددگار ثابت ہوتا ہے ابوالعالیہ نے قولِ پاک ﴿واللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ کے بارے میں کہا کہ پانی سے طہارت کرنا تو بیشک بہت اچھی بات ہے لیکن جن کی طہارت کی خدائے تعالیٰ تعریف فرما رہا ہے وہ گناہوں سے اپنے کو پاک رکھنے والے لوگ ہیں۔ اعمش کہتے ہیں کہ اس طہارت سے مراد گناہوں سے توبہ اور شرک سے پاکیزگی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل قبا سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہاری طہارت کی تعریف کی ہے وہ کیسی طہارت ہے تو کہا ہم پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ حافظ ابوبکر بزار نے بالاسناد ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اہل قبا کے بارے میں اُتری ہے اور جب آپ نے اس سے سوال کیا تھا تو کہا تھا کہ ہم پہلے ڈھیلے لیتے ہیں پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ اس کو بزار نے روایت کیا ہے۔ اس کو صرف محمد بن العزیز نے

---

[1] جن کا قلب پاک ہو ان کو لوگوں کے عیوب پر گاہے گاہے اطلاع ہو ہی جاتی ہے۔ جیسے ایک ماہر حکیم صورت دیکھتے ہی سمجھ لیتا ہے کہ یہ شخص مریض ہے اور فلاں بیماری میں مبتلا ہے۔ اسی طرح قلب صافی رکھنے والے عیوب کو جان لیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اطہر قلب کس کا ہے۔

اوران سے ان کے بیٹے نے روایت کی ہے۔ میں نے یہاں یہ تصریح اس لئے کر دی ہے کہ یہ چیز اگر چہ فقہا میں مشہور ہے لیکن اکثر محدثین ومتاخرین اس کو معروف تسلیم نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد خدا سے ڈرنے پر اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی (یعنی غار) کے کنارہ پر جو گرنے ہی کو ہو رکھی ہو۔ پھر وہ (عمارت) اس (بانی) کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (دین) سمجھ ہی نہیں دیتا ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں (کانٹا سا) کھٹکتی رہے گی۔ ہاں مگر ان کے (وہ) دل ہی اگر فنا ہو جائیں تو خیر اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔ ○

بہت بڑا فرق ہے ☆

اللہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے مسجد کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر رکھی ہے اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد ضرار اور مسجد کفر بنائی اور مومنین میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کی اور خدا سے اور خدا کے رسول سے لڑنے کیلئے اسکو جائے پناہ قرار دیا۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے تو اس مسجد ضرار کی بنیاد گویا ایک گڑھے کے ڈھلتے ہوئے کنارہ پر رکھی۔ جو اسے جہنم کی آگ میں لے گری اور حدود سے تجاوز کرنے والوں کو اللہ ہدایت نہیں فرماتا ہے۔ یعنی مفسدین کے عمل کو اصلاح پذیر نہیں بناتا۔ جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ مسجد ضرار کو میں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ کے حسب فرمان جب اس میں آگ لگا دی گئی تو اس میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے ایک جگہ گڑھا کھودا تو اس میں سے دھواں نکلتا ہوا پایا۔ قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ خلف بن یاسین کوفی کہتے ہیں کہ میں نے منافقین کی اس مسجد کو دیکھا کہ جس کا ذکر اللہ پاک نے قرآن میں فرمایا یہ دیکھا کہ اس میں ایک سوراخ ہے۔ جس میں سے دھواں نکل رہا ہے اور آج کے روز وہ جگہ گندگی پھینکنے کی جگہ بنی ہوئی ہے۔ ابن جریرؒ نے ان کو روایت کیا اور قولہ تعالیٰ ﴿لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ یعنی انکی بنائی ہوئی یہ عمارت تو ہمیشہ ان کے دلوں میں شک وشبہ کا باعث ہی رہے گی اور اس عمل شنیع کا اقدام کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نفاق کا بیج بوتی رہے گی۔ جیسا کہ گوسالہ پرستوں کے دل میں گوسالہ کی محبت پڑی ہوئی تھی۔ ﴿اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ﴾ البتہ اس صورت میں ان منافقین کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس مسجد ہی کو ختم کر کے انکے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں[1]۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کو خوب جانتا ہے اور خیر وشر کا بدلہ دینے میں بڑا حکیم ہے۔

[1] جب ان کی سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا اور تدابیر ناکام ہو کر رہ گئیں تو شدت غم سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہی ہو گیا ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ جس میں قتل کرتے اور قتل کئے جاتے ہیں اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں (بھی) اور انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی) اور (یہ مسلم ہے) اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے (اللہ تعالیٰ سے) معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ ○

اَجر اور وہ بھی فردوس ☆

اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کی جانوں اور مالوں کے بدلے میں جن کو انہوں نے خدا کی راہ میں خرچ کر دیا ہے' جنت کا معاوضہ دے رہا ہے اور یہ معاوضہ معاوضہ نہیں' بلکہ اس کا فضل وکرم واحسان ہے کیونکہ بندوں کی قدرت میں جو کچھ تھا' وہ انہوں نے کیا۔ اب اپنے مطیع بندوں کے لئے خدائے پاک بھی کوئی معاوضہ دے تو جنت ہی دے گا۔ اسی لئے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے خرید وفروخت کی تو ان کی خدمت کی بڑی ہی زبردست قیمت دی ہے اور شمر بن عطیہ نے کہا ہے کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں' جس کی گردن میں خدا کا عہد و پیمان نہ ہو۔ جس پر اس کی موت آئی ہو اور اس کا پابند ہوتے ہوئے اس نے جان دی ہو۔ پھر مذکورہ بالا آیت تلاوت کی اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو خدا کی راہ میں جہاد کی خاطر نکل کھڑا ہوا۔ گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے سودا کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے ساتھ یہ عقد قبول کر لیا اور اس کو پورا کر دیا۔

محمد بن کعب القرظی وغیرہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیلۃ العقبہ میں بیعت کے وقت کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خدا کے لئے اور خود اپنے لئے بھی جو شرط چاہیں ہم سے منوا سکتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''خدا سے متعلق تو میں تم سے یہ شرط لیتا ہوں کہ اس کے سچے بندے بنے رہو۔ اس کی عبادت کیا کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو اور اپنے متعلق تم پر یہ شرط قرار دیتا ہوں کہ جن باتوں سے تم اپنی جانوں اور اپنے اموال کو بچاتے ہو' میرے بھی اسی طرح خیر خواہ بنے رہو۔ تو پوچھا پھر ہمیں کیا ملے گا؟ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا عوض ہے جنت۔ تو پوچھنے والوں نے کہا کہ یہ سودا بڑے نفع کا ہے۔ نہ ہم عہد شکنی کریں گے' نہ ہم سے عہد شکنی ہو گی۔ تو یہ آیت اتری: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ اور

قولہ تعالیٰ: ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ یعنی وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پس قتل بھی کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ دونوں باتیں برابر کے ثواب والی ہیں۔ چاہے وہ قتل کر کے غازی بنیں یا شہید ہوں۔ ہر صورت میں جنت ان کے لئے واجب ہے۔ اسی لئے صحیحین میں آیا ہے کہ جو خدا کی راہ میں نکلا اور اس نکلنے سے اس کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو کہ میری راہ میں جہاد کرے یا میرے رسولوں کی تصدیق کرے۔ حتیٰ کہ اسے موت آ جائے، تو خدا تعالیٰ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اس کو جنت میں داخل[1] کرے اور اگر نہ مرے تو خدا کے ذمہ ہے کہ جہاں سے وہ چلا ہے اسے وہاں پہنچائے اور اجر مال غنیمت کے ساتھ بامراد پہنچائے۔ وقولہ تعالیٰ ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾ یہ اپنے وعدے کی تاکید کے طور پر ہے اور یہ بتلایا جا رہا ہے کہ اس نے اپنی ذات پاک پر اس چیز کو فرض کر لیا ہے اور اپنے رسولوں پر اس وعدہ کی وحی بھی بھیج دی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اُتری ہوئی توریت میں درج ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل میں بھی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترے ہوئے قرآن میں بھی لکھا ہے۔ صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

وقولہ ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ اور ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ اور اسی لئے ارشاد فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ سے تم نے جو سودا کیا ہے اس پر خوش ہو جاؤ اور یہ کامیابی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ بشرطیکہ تم نے بھی اپنا عہد پورا کر لیا ہو۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

وہ ایسے ہیں جو (گناہوں سے) توبہ کرنے والے ہیں (اور اللہ) کی عبادت کرنے والے اور حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے (اور) سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا (یعنی احکام کا) خیال رکھنے والے (ہیں) اور ایسے مومنین کو (جن میں) جہاد اور یہ صفات ہیں خوشخبری سنا دیجئے۔ ○

توبہ، عبادت، حمد و ثنا وغیرہ ☆

یہ آیت پاک ان مومنین کی تعریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کی جانیں اور جن کے مال ان کے ان کے صفاتِ جمیلہ کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔ وہ تمام گناہوں اور سارے فواحش سے باز رہتے ہیں اور اپنے رب کی عبادت پر قائم ہیں۔ اپنے اقوال و افعال پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ اقوال میں خاص ترین چیز تو خدا کی حمد ہے۔ اسی لئے اَلْحَامِدُوْنَ اور اعمال و اعمال کی رو سے افضل اعمال صیام ہیں۔ صیام کہتے ہیں کھانے پینے اور جماع سے باز رہنے کو اور سیاحت سے یہی مراد ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿اَلسَّآئِحُوْنَ﴾ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے سائحات میں ازواج النبیؐ کی تعریف فرمائی گئی اور اس ''سائحات'' سے مراد ''صائمات'' ہے۔ اسی طرح رکوع و سجود سے نماز مراد ہے۔ چنانچہ کہا گیا ﴿الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ﴾ وہ عبادتیں کر کے نہ

[1] مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر جنت میں داخل کرنا ضروری نہیں۔ ہاں محض اپنے فضل و کرم سے انہوں نے اس کو ضروری قرار دے دیا۔ لوگوں کے اعمال کو اس میں دخل نہیں۔

صرف اپنا ہی فائدہ دیکھتے ہیں بلکہ اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی ان کو رشد و ہدایت کر کے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہو کر فائدہ پہنچاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کون سا کام کرنا مناسب ہے اور کون سے کاموں کو چھوڑنا ضروری ہے اور علماً اور عملاً دونوں طرح حلال و حرام کے بارے میں خدا تعالیٰ کے حدود کی حفاظت پیش نظر رہتی ہے۔ چنانچہ وہ بذات خود عبادت حق اور خیر خواہی خلق دونوں طرح کی عبادت کے علم بردار ہوتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ مؤمنین کو خوشخبری دے دو کیونکہ ایمان ان دونوں باتوں کے اجتماع کا نام ہے اور پوری طرح کی سعادت تو اسی کو حاصل ہے جو ان دونوں باتوں سے متصف ہو۔

سیاحت سے کیا مراد ہے؟ ☆ سفیان ثوری کا خیال ہے کہ ۔سَآئِحُوْنَ کے معنی صَائِمُوْنَ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جہاں کہیں اللہ پاک نے قرآن میں سیاحت کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں صیام ہی مراد ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس امت کی سیاحت ہے رمضان کے روزے رکھنا۔ مجاہد' سعید' عطا' عبدالرحمٰن' ضحاک اور سفیان بن عیینہ سب کا یہی خیال ہے۔ سائحین سے مراد روزہ دار ہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سائحون سے رمضان کے روزہ دار مراد ہیں۔ ابو عمرو العبدی بھی یہی کہتے ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صَائِحُوْنَ روزہ دار لوگوں کو کہتے ہیں۔ یہ حدیث موقوف زیادہ صحیح ہے۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ سوال کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''صائمین'' کو کہتے ہیں۔ یہ حدیث مرسل ہے اور جید ہے اور اصح الاقوال ہے اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ سیاحت سے جہاد مراد ہے۔ ابوداؤد نے اپنی کتاب سنت میں ابو امامہ کی حدیث بیان کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سیاحت کی اجازت دیجئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ عمارۃ بن غزیہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سیاحت کا ذکر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جہاد فی سبیل اللہ کو اور بلندیوں پر تکبیر بولتے ہوئے چڑھنے کو سیاحت بنایا ہے۔ عکرمہ کا خیال ہے کہ اس سے علم کے طالبین مراد ہیں اور عبدالرحمٰن بن زید نے کہا ہے کہ مہاجرین مراد ہیں۔ یہ دونوں باتیں ابن ابی حاتم سے منقول ہیں۔ یہ ذہن نشین رہے کہ یہاں سیاحت سے مراد وہ مفہوم نہیں ہے جو بعض عابد اور راہب قسم کے لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس سے مراد مجرد سفر اطراف عالم ہے اور وہ لوگ مراد ہیں' جو پہاڑوں اور غاروں اور جنگلوں میں پھرتے ہیں اور بستی سے بھاگتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسا کرنا مشروع نہیں ہے۔ ہاں جب فتنہ کا زمانہ ہو اور دین میں تزلزل واقع ہو جائے تو یہ حدیث صحیح بخاری میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے' جب کہ بہترین مال اس کی بکریاں ہوں گی۔ جن کو وہ پہاڑوں میں اور بارش گاہوں میں ہانکنے لئے پھرتا ہو گا اور فتنوں سے بچنے کے لئے اپنے دین کو لئے بھاگتا ہو گا۔ ﴿الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے والے لوگ ہیں اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ فرائض الٰہی کو انجام دینے والے اور احکام خداوندی پر قائم رہنے والے لوگ ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ

الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾

پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا وہ بھی صرف وعدہ کے سبب تھا۔ جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر بات ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے (یعنی کافر ہو کر مرا) تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے۔ واقعی ابراہیم بڑے رحیم المزاج حلیم الطبع تھے۔

مشرکین کے لئے استغفار قطعاً ناپسندیدہ ہے ☆

مسند امام احمد میں ابن مسیب سے روایت ہے کہ ابو طالب جب بستر مرگ پر تھے تو نبی ﷺ تشریف لائے۔ ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ابو طالب سے فرمایا کہ چچا آپ ﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ کہہ دیجئے۔ میں اسی ایک جملہ کو حجت بنا کر خدا کے پاس آپ کی بخشش کے لئے جدوجہد کروں گا۔ تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا کہ اب ابو طالب' کیا تم ملت عبدالمطلب سے روگردانی کرو گے؟ تو ابو طالب نے کہا کہ میں واقعی ملت عبدالمطلب پر جان دوں گا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک آپ کی مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ خدا مجھے منع نہ کر دے۔ چنانچہ آیت نازل ہوئی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ (تا آخر) یعنی نبی اور ایمانداروں کو یہ زیبا ہی نہیں کہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں۔ تا آخر۔ اور یہ آیت بھی اس سے متعلق نازل ہوئی۔ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ...... ﴾ (القصص: ۶۵) یعنی تم جس کو دوست رکھتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔ اللہ جس کو چاہے ہدایت کرے۔

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے مشرک والدین کے لئے مغفرت کی دعا کر رہا ہے۔ تو میں نے اس سے کہا کہ مشرکوں کے لئے تم استغفار کر رہے ہو۔ تو اس نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کے لئے استغفار نہیں کیا تھا؟ میں نے یہ واقعہ نبی ﷺ سے ذکر کیا۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔

لِأَبِيهِ کے بعد لَمَّا مَاتَ (یعنی جب ابراہیم علیہ السلام مر گئے) کے الفاظ کہے لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ الفاظ سفیان نے خود کہے یا اسرائیل نے یا خود حدیث میں یہ الفاظ شامل تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ثابت ہے کہ یہ الفاظ مجاہد نے کہے مسند احمد میں ہے کہ بریدہ نے روایت کی ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور سفر میں تھے کہ ایک جگہ اُترے اور ہم تقریباً ایک ہزار سوار تھے۔ آپ ﷺ نے یہاں دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ تو ہم نے دیکھا آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ کیوں رو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میری ماں کے لئے استغفار کی مجھے اجازت دے لیکن خدا تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ تو آگ کے خوف سے ماں پر میرا دل بڑا دکھا اور میری آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ میں نے

قبل ازیں تم کو تین باتوں سے منع کیا تھا: (۱) زیارت قبور سے لیکن اب قبور کی زیارت کر سکتے ہو صرف اس غرض سے کہ گورستان جانے سے تمہیں اپنی موت یاد آ جائے اور تم نیکیوں کی طرف مائل ہونے لگو۔ (۲) میں نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ اُٹھا رکھنے پر منع کیا تھا' اب چاہے جتنا کھاؤ اور جتنا ذخیرہ کر رکھو۔ (۳) اور برتنوں سے پینے کے بارے میں میری ممانعت تھی۔ اب چاہے جس برتن سے پیو' لیکن کوئی نشہ والی چیز نہ پینا۔ بریدہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ کی طرف آنے لگے تو راستے میں ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور قبر سے خطاب فرمانے لگے پھر روتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کی مصروفیت دیکھی ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت اللہ تعالیٰ سے طلب کی تھی۔ تو مجھے اجازت مل گئی۔ پھر میں نے استغفار والدہ کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت نہیں ملی۔ آپ ﷺ اس روز اتنا روئے کبھی اتنا نہیں روئے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ گورستان کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ہم بھی آپ کے پیچھے ہو لئے۔ آپ ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر بہت دیر تک مناجات میں رہے۔ پھر آپ رونے لگے۔ آپ کو دیکھ کر ہم بھی رونے لگے۔ اب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ کی طرف گئے۔ آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اور ہمیں بلایا اور پوچھا تم کیوں روئے؟ ہم نے کہا کہ آپ کو روتے ہوئے دیکھ کر ہمیں رونا آ گیا کہنے لگے کہ قبر جہاں میں بیٹھا تھا۔ یہ آمنہ کی قبر ہے اس کی زیارت خدا تعالیٰ سے چاہی تھی۔ تو مجھے اجازت دے دی گئی۔ اس حدیث کو ایک دوسری طرح بھی بیان کیا گیا۔ پھر حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہما بھی تقریباً یوں ہی بیان کیا گیا ہے لیکن اس میں اور یہ بھی ہے کہ آمنہ کے لئے دعا کی اجازت خدا تعالیٰ سے مانگی تھی لیکن اجازت نہیں ملی اور مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔ یعنی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ چنانچہ اپنے باپ کے لئے ایک اولاد کا دل جیسے دکھ سکتا ہے میرا بھی دل دکھا۔ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب زیارت کیا کرو۔ یہ چیز آخرت کو یاد دلائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور عمرہ کی نیت باندھی اور جب عسفان کی گھاٹی سے اُترے۔ تو آپ نے حکم دیا کہ تم لوگ عقبہ میں آرام سے بیٹھو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ آپ ﷺ گئے اور اپنی ماں کی قبر کے پاس ٹھہرے اور خدا تعالیٰ سے بڑی دیر تک مناجات کی۔ پھر آپ ﷺ رونے لگے اور بہت روئے آپ ﷺ کو دیکھ کر اور لوگ بھی رونے لگے اور کہا یہاں رسول خدا کو کس نے رلایا۔ کیا ایسی کوئی نئی بات تو امت میں نہیں پیدا ہو گئی' جس کو آپؐ برداشت نہیں کر سکتے۔ آپؐ یہ دیکھ کر ان کی طرف آئے اور کہا تم کیوں روتے ہو؟ کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو روتا دیکھ کر ہم بھی رو پڑے ہیں۔ ہم نے خیال کیا کہ امت میں کوئی نیا حادثہ تو نہیں ہو گیا۔ جس کو آپ برداشت نہیں کر سکے۔ فرمایا نہیں۔ ایک معمولی سی بات تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ماں کی قبر کے پاس ٹھہرا تھا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کے لئے اجازت چاہی تھی۔ سو اللہ تعالیٰ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ مجھ پر بہت رقت طاری ہوئی کیونکہ وہ میری ماں تھیں۔ پھر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ ''ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس بنا پر تھا کہ باپ سے انہوں نے وعدہ کر رکھا تھا کہ دعا کروں گا لیکن جب حکم خداوندی کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو پھر دست برداری اختیار کی۔ پس اے نبی! آپ بھی اپنی ماں سے ابراہیم کی طرح دست بردار ہو جائیے وہ میری ماں تھیں میرا دل کیسے نہ کڑھتا۔ میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میری امت سے چار چیزوں کا بوجھ اُٹھاتے تو اللہ تعالیٰ نے دو عذاب اُٹھا لئے اور دو باقی رکھے۔ میں نے

دعا کی تھی کہ آسمان سے سنگ باری میری امت پر نہ ہو جیسے کہ دوسری امتوں پر ہوئی ہے اور عذاب کے طور پر زمین میں وہ دھنسا نہ دیئے جائیں اور ان کا الٹ نہ جائے اور یہ کہ ان میں پھوٹ اور گروہ بندی اور فرقہ واریت نہ ہو اور ان میں آپس میں جنگ نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے سنگ باری اور غرق فی الارض سے متعلق دعا تو قبول فرمالی اور قتال اور پھوٹ سے متعلق دعا قبول نہیں کی۔ آپ راستہ کاٹ کر اپنی ماں کی قبر کی طرف گئے کیونکہ آمنہ ایک ٹیلے تلے مدفون تھیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا سیاق عجیب ہے اور اس سے بھی عجیب اور قابل انکار بات تو وہ ہے جو خطیب بغدادی نے کتاب السائق واللاحق میں بسند مجہول بیان کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسناد جوڑی ہے۔ یہ کہانی یوں بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں آمنہ کو زندہ کیا تھا۔ زندہ ہو کر وہ ایمان لے آئیں۔ پھر مر گئیں۔ سہیل نے بھی الروض میں مجہولین کی ایک جماعت سے سند لیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں اور باپ کو زندہ کر دیا تھا اور وہ ایمان لے آئے تھے۔ حافظ بن وحیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔ قرآن اور اجماع دونوں اس کو رد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ نہ وہ لوگ بخشے جائیں گے جو کفر کی حالت میں مر گئے۔ ابو عبداللہ قرطبی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مقتضی پر غور کرو اور ابو عبداللہ نے بڑا تیر مار کر یہ استدلال پیش کیا ہے کہ یہ حیات جدید بالکل اسی طرح ہو سکتی ہے جیسے عصر کا وقت گزر جانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے سورج ڈوبنے کے بعد پھر نکل آیا اور آپ نے نماز عصر کی پڑھ لی تھی۔ اس استدلال کے ذریعے ابن وحیہ کی تردید کی ہے۔ طحاوی کہتے ہیں کہ شمس والی حدیث ثابت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا زندہ ہو جانا نہ عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً اور میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کو بھی زندہ کیا تھا اور وہ ایمان لے آئے تھے۔ میں کہتا ہوں یہ سب صحت حدیث پر موقوف ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو کوئی مانع نہیں اور حدیث صحیح نہ ہو تو کوئی جھگڑا ہی نہیں[1]۔ واللہ اعلم۔

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کے لئے استغفار کا ارادہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے استغفار کیا تھا تو: ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ﴾ والی آیت اُتری۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت ہے کہ لوگ اپنے مردوں کے لئے استغفار کرتے تھے تو استغفار ابراہیم والی آیت اُتری۔ چنانچہ لوگ اس استغفار سے باز آ گئے۔ لیکن مسلمان اپنی زندہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے نہیں روکے گئے ہیں۔ قتادہ نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے کہا یا نبی اللہ ہمارے آباؤ اجداد بڑے نیک لوگ تھے۔ پڑوس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ صلہ رحمی کے عادی تھے۔ قیدیوں کو چھڑانا اور لوگوں کو تاوان ادا کرنے کے لئے رقمیں دیتے۔ پڑوس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ صلہ رحمی کے عادی تھے۔ کیا ہم ان مردوں کے لئے استغفار نہ کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ چنانچہ فوراً یہ آیت اُتری کہ نبی اور مسلمانوں کو اموات مشرکین کے لئے دُعا کرنا جائز نہیں۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے بارے میں کافی اختلاف ہے۔ بعض علماء نے تو اس موضوع پر مستقل تصانیف چھوڑی ہیں لیکن اس اختلافی مسئلہ میں بہتر اور صحیح راہ یہی ہے کہ آپ کے والدین کے ایمان لانے اور نہ لانے کے بارے میں قطعاً خاموشی اختیار کی جائے۔ نہ اس مسئلہ کی تحقیق پر نجات موقوف ہے اور نہ عقائد کے باب میں اس اختلاف کو کوئی اہمیت۔

پھر اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کی وجہ ذکر فرماتا ہے کہ ابراہیم کا استغفار وعدہ کی وجہ سے تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چند کلمات مجھ پر القاء فرمائے ہیں جو میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور میرے دل میں قرار پذیر ہیں مجھے حکم ہوا ہے کہ بحالت شرک مرنے والے کے لئے مغفرت طلب نہ کروں اور جس نے اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال صدقہ کر دیا وہ اس کے لئے بڑی خیر کا سبب ہے اور جس نے روک رکھا وہ اس کے لئے شر کا سبب ہوگا اور حسب ضرورت کھانے اور خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ کا کوئی اعتراض نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک یہودی مر گیا۔ اس کا بیٹا مسلمان تھا۔ وہ اس کے کفن دفن کے لئے آیا تک نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو علم ہوا تو کہا کہ بیٹے کو سزاوار تھا کہ باپ کا جا کر کفن کرتا اور زندہ رہنے تک اس کی خیر فلاح کے لئے دعا کرتا اور مر جانے پر اس کو اس کے حوالے کر دیتا اور اس کے لئے دعا نہ کرتا۔ اس کی صحت کی شہادت اس روایت سے ملتی ہے جو علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو طالب مر گئے تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گمراہ چچا مر گئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ انہیں دفنا دو اور کچھ نہ کرنا' میرے پاس آ جانا۔ پھر پوری حدیث بیان کی اور روایت کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب ابو طالب کا جنازہ گزرا تو آپ نے فرمایا کہ چچا میں نے تو صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا اور عطا بن ابی رباح کہتے ہیں کہ میں کسی کو اہل قبلہ کی نماز جنازہ پڑھنے سے نہ روکوں گا۔ خواہ وہ ناجائز حمل والی کوئی حبش کی عورت ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ صلوٰۃ جنازہ دعا ہے اور مشرکین کے سوا کسی کے لئے دعا کرنے سے خدا نے نہیں روکا ہے۔

ابن جریر سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اللہ اس آدمی پر رحم کرے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس کی ماں کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ میں نے کہا اور باپ کے لئے تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا نہیں میرا باپ مشرک مر گیا تھا اور قولہ تعالیٰ فَلَمَّا تَبَيَّنَ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ باپ کے مرنے تک استغفار کی دعا کرتے رہے اور مر جانے کے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ عدو اللہ تھا تو دست بردار اختیار کر لی اور سعید بن جبیر سے نقل ہے کہ قیامت کے روز ابراہیم جب باپ سے ملیں گے۔ تو اس سے دست بردار رہیں گے۔ باپ بدحواس اور پریشان ہوگا اور کہے گا کہ اے ابراہیم میں نے تیری نہ سنی لیکن آج تیرا خلاف نہ کروں گا۔ تو ابراہیم علیہ السلام کہیں گے اے رب! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا ہے کہ قیامت کے روز مجھے رسوا نہ کرے گا۔ پس آج کے روز اس رسوائی سے بڑھ کر اور کون سی رسوائی ہو سکتی ہے تو کہا جائے گا کہ تم پیچھے پلٹ کر تو دیکھو دیکھتے ہیں کہ ایک نیم جان جانور لتھڑا پڑا ہے اور ایک بجو کی شکل میں مسخ شدہ ہے۔ جس کی ٹانگیں کھینچ کر دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہے[1]۔

قولہ تعالیٰ ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "اوّاہ" کے معنی ہیں بہت دعا و زاری کرنے والا ابن الہاد سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ "اوّاہ" کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا بہت تضرع کرنے والا۔ ابن مسعود نے اس کے معنی رحیم بتائے ہیں۔ قتادہ وغیرہ نے رحیم بعباد اللہ کہا۔ ابن عباس اس کے معنی مومن بتاتے ہیں۔ علی بن ابو طلحہ مومن توّاب کہتے ہیں۔

---

[1] یہ شاید اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ خدا تعالیٰ میری رسوائی نہ ہو تو ان کی دعا کے احترام میں ان کی صورت ہی مسخ کر دی گئی کیونکہ رسوائی تو پہچاننے پر موقوف ہے اور اب کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کی صورت مسخ ہوگی۔ تو ان کو کون پہچان پائے گا۔

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ذوالبجادین نامی ایک شخص کے بارے میں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ اَوَّاہ ہے جہاں کہیں قرآن میں اللہ کا نام آجاتا ہے تو یہ شخص دعا کا ایک نعرہ بلند کرتا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صبح کے وقت تسبیح کی جو پابندی کرتا ہے اس کو اَوَّاہ کہتے ہیں۔ ابوایوب کہتے ہیں کہ اَوَّاہ اپنے خطایا کو یاد کر کے استغفار کرتا ہے۔ مسلم بن بیان کہتے ہیں کہ ایک آدمی کثرت سے ذکر و تسبیح کرتا تھا تو نبی ﷺ نے اس کو اَوَّاہ کہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دفن کرنے کے بعد کہا خدا تم پر رحم کرے تو ایک مرد اَوَّاہ تھا۔ آپ کی مراد تھی کہ قرآن کی بہت تلاوت کرنے والا تھا۔ ایک کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے بوقت دعا آہ آہ کرتا تھا۔ حضور ﷺ کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ''اَوَّاہ'' ہے۔ ابوذر کہتے ہیں کہ ایک رات میں باہر نکلا تو دیکھا کہ نبی ﷺ اسی شخص کو پراغ ساتھ لئے دفن کر رہے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ سب سے اچھا قول تو یہ ہے کہ اس کے معنی دعا کے ہیں اور یہ سیاق کے مناسب بھی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جب ذکر کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کا استغفار بر بناء وعدہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام کثیر الدعاء تھے۔ ناروا برتاؤ کرنے والے کے ساتھ حلیم تھے اور اسی لئے تو باپ کی اذیت پہنچانے کے باوجود اس کے استغفار کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا تعالیٰ نے: ﴿اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا﴾ یعنی اے ابراہیم کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرتا ہے۔ دیکھ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے پتھر ماردوں گا۔ مجھ سے باز رہ۔ تو ابراہیم نے کہا سلام علیک جاتا ہوں[1] لیکن آپ کے لئے اپنے خدا سے دعا کرتا رہوں گا۔ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ غرض یہ کہ باپ کی ایذا رسائی پر بھی ابراہیم علیہ السلام نے حلم اختیار کیا۔ باپ کے لئے دعا اور استغفار کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حلیم کا خطاب دیا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى یُبَیِّنَ لَهُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کئے پیچھے گمراہ کردے۔ جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلادے جن سے وہ بچتے رہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (اور) بلا شبہ اللہ ہی کو سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ وہی جلاتا اور مارتا ہے اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔ ()

ہدایت کے بعد گمراہ ہونا خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے ☆

اللہ تعالیٰ اپنے نفس کریمہ اور حکمت عادلہ سے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ جب تک خدا کسی قوم کی طرف پیغمبر بھیج کر حجت

[1] یہ رخصتی سلام تھا۔

ختم نہیں کر لیتا' اس کو گمراہی کے لئے چھوڑ نہیں دیتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا کہ اہل ثمود کو ہم نے ہدایت دی۔ مجاہد نے قولہ تعالیٰ: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ﴾ کے بارے میں کہا کہ اللہ عزوجل کا بیان مومنین سے مشرکین کے لئے ترک استغفار کے بارے میں خاص ہے اور ویسے مومنین کے لئے خدا کی اطاعت اور معصیت کا فعل عام ہے یعنی تم اپنی مرضی کے مختار ہو۔ اپنی مرضی سے طاعت اختیار کرو یا معصیت اختیار کرو۔ چھوڑنا چاہتے ہو تو چھوڑ دو لیکن ترک استغفار کا بیان عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اگر تم اپنے اموات مشرکین کے لئے استغفار کرو تو کیا ضروری ہے کہ اللہ تمہیں گمراہ قرار دے۔ جب کہ اس نے تم کو ذاتی حد تک ہدایت کی توفیق دے دی اور خدا اور رسول پر ایمان لانے کی عزت بخشی۔ حتیٰ کہ تم کو منہیات سے روک دیا اور تم اس سے باز رہے یعنی قبل اس کے کہ وہ ان منہیات کی کراہت اور ممانعت بیان فرمائے اور تم ان منہیات کی طرف جھک پڑو۔ وہ کیوں تم پر ضلال و گمراہی کا حکم لگائے۔ اس لئے کہ طاعت و معصیت تو امر و نہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جو ایمان ہی نہ لایا ہو اور نہ وہ باز رہا ہو۔ تو اس کو حکم کی انجام دہی سے متعلق مطیع اور ممنوع کے ارتکاب سے اپنے مومن بندوں کے لئے مشرکین اور کفار سے قتال کی تحریص ہے۔ اور یہ کہ انہیں اللہ کی مدد کا بھروسہ رکھنا چاہئے اور خدا کے دشمنوں سے ڈرنا نہیں چاہئے کیونکہ انہوں نے اگر خدا کو چھوڑ دیا تو پھر ان کا کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

حکیم بن حزام سے منقول ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم وہ سنتے ہو جو میں سنتا ہوں؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم تو کچھ نہیں سن رہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آسمان کا چر چرانا سن رہا ہوں اور وہ بوجھ سے کیوں نہ دبے اور کیوں نہ چر چرائے' آسمان میں بالشت بھر جگہ بھی تو ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں موجود نہ ہو۔ کعب الاحبار کہتے ہیں کہ سوئی کے نوک برابر بھی کوئی جگہ زمین میں ایسی نہیں۔ جہاں کوئی فرشتہ تسبیح خدا میں مصروف نہ ہو اور آسمان کے فرشتے ذرات زمین سے زیادہ تعداد میں ہیں اور عرش کے حامل فرشتوں کے ٹخنے سے ساق تک کی مسافت ایک سو برس کی مسافت ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ پھر اللہ نے ان (گروہ) کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت شفیق مہربان ہے۔ ○

واقعہ تبوک ☆

مجاہد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت غزوہ تبوک سے متعلق ہے۔ یعنی لوگ جب غزوہ تبوک کے لئے نکلے تو بڑی سخت

گرمی تھی۔ سخت قحط سالی تھی۔ پانی اور زادِ راہ کی بھی سخت تنگی تھی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جنگِ تبوک کے لئے جب چل کھڑے ہوئے تو بڑی سخت گرمی تھی۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کیسی سخت مصیبتیں مجاہدین کو پہنچی۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دو آدمیوں میں بانٹ دیا جاتا تھا۔ کھجور دست بدست بڑھائی جاتی۔ ایک اس کو تھوڑا سا چوستا۔ پھر پانی پی لیتا۔ پھر دوسرا چوستا اور پانی پی کر تسلی حاصل کر لیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سن لی۔ غزوہ سے وہ واپس ہوئے۔ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے تنگی کی کیفیت پوچھی گئی تو کہا کہ ہم جنگِ تبوک کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ نکلے۔ سخت موسم گرما تھا۔ ہم نے ایک جگہ قیام کیا۔ وہاں ایسی زبردست تشنگی سے ہمیں سابقہ پڑا کہ ہم نے گمان کر لیا کہ ہمارا دن ہی نکل جائے گا۔ اگر کوئی آدمی پانی کی تلاش میں نکل جاتا تو وہ یقین کر لیتا کہ واپس ہونے سے پہلے اس کو موت آ جائے گی۔ لوگ اونٹوں کو ذبح کرتے۔ ان کے معدوں میں ایک مقام پر پڑے ہوئے پانی کا ذخیرہ جمع رہتا تھا۔ اس کو نکال لیتے اور پی لیتے اور بچا ہوا کچھ حصہ اپنے جگر پر لگا لیتے۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا ہے ہمارے لئے دعا فرمایئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسا چاہتے ہو؟ صدیقؓ نے کہا ہاں۔ تو آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اُٹھائے۔ ابھی دعا کے لئے اُٹھائے ابھی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد پانی تھم گیا لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے اب ہم لشکر کے پڑاؤ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ چھاؤنی سے آگے کہیں پانی نہیں برسا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ قولہ تعالیٰ لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ...... کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں عسرۃ سے مراد نفقہ زادِ راہ اور پانی کی تنگی ہے۔ ﴿مِنْ بَعْدِ مَا کَادَ......﴾ یعنی اس کے بعد کہ ان کے دل بدگمانی اور شک سے ٹیڑھے ہونے لگے تھے حق سے ہٹنے لگے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق بخشی اور اثبات علی الدین کی عزت عطا فرمائی۔ وہ بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا۔ یہاں تک کہ جب (ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ) زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے پھر ان کے حال پر بھی (خاص) توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔ ○

ایک عبرت انگیز واقعہ☆

ابن کعب سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک میں اپنے شریک نہ ہونے کی داستان اور حضور ﷺ کا ساتھ نہ دینے کا واقعہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک کے سوا اور کسی جنگ میں حضور ﷺ کی معیت سے محروم نہیں رہا۔ البتہ جنگ بدر میں بھی شرکت سے عاجز تھا۔ لیکن ان شرکت نہ کرنے والوں پر کوئی عتاب نہیں ہوا تھا۔ بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت قریش کے ایک قافلہ کی خاطر مدینہ سے باہر نکلے تھے۔ وہاں حسب منشائے خداوندی خدا کے دشمنوں سے تصادم ہو گیا۔ کوئی قرارداد بھی نہ تھی۔ میں لیلۃ العقبہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ جب کہ اسلام پر ہم نے پیمان باندھا تھا اور میرے لئے تو لیلۃ العقبہ میں حاضری غزوۂ بدر کی حاضری سے بھی زیادہ پسند تھی۔ اگرچہ بدر کی شہرت اور آوازہ لوگوں میں بہت زیادہ ہے۔ اب غزوہ تبوک میں حضرت ﷺ کے ساتھ شرکت سے محروم رہنے کا میرا واقعہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں شرکت تبوک سے پیچھے رہ گیا' اس وقت میں انتہائی خوش حال اور مالدار تھا۔ اس سے پہلے دو سواریاں میرے پاس کبھی نہیں ہوئی تھیں اور اس جنگ میں تو دو سواریاں بھی رکھ سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنگ کا ارادہ فرماتے تو عام طور پر اس خبر کو پھیلنے نہ دیتے[1]۔

جب یہ جنگ ہوئی ہے تو بڑی سخت گرمی کا زمانہ تھا۔ دور دراز اور جنگلوں کا سفر در پیش تھا اور کثیر التعداد دشمن کا سامنا تھا نبی ﷺ نے اپنے امور میں مسلمانوں کو آزاد رکھا تھا کہ جس طرح چاہیں دشمن کا مقابلہ کی تیاری کر لیں اور اپنا ارادہ مسلمانوں پر ظاہر فرما دیا تھا اور مسلمان آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس کثیر تعداد میں تھے کہ درج رجسٹر نہ ہو سکتے تھے۔ کعب کہتے ہیں کہ بہت کم ایسے لوگ ہوں گے کہ جن کی غیر حاضری کا علم حضور ﷺ کو ہو سکے گا۔ بلکہ گمان تھا کہ کثرت لشکر کی وجہ سے غائب رہنے والے کا آپ کو علم بھی نہ ہو سکے گا[2] ۔ جب کہ خدا ہی کی طرف سے بذریعہ وحی علم نہ ہو جائے۔ یہ لڑائی جس وقت سرزد ہوئی تھی' وہ زمانہ پھلوں کے پکنے کا تھا۔ دور تک ٹھنڈے سائے پھیلے ہوئے تھے۔ ڈالیاں پھلوں سے لدی پڑی تھیں اور موسم بڑا ٹھنڈا تھا۔ ایسے زمانہ میں میری طبیعت آرام طلبی اور راحت گیری کی طرف بہت مائل ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ میں صبح اُٹھ کر جہاد کی تیاری کے لئے باہر نکلتا لیکن خالی واپس ہوتا اور تیاری اور اسباب سفر کی خریداری وغیرہ کچھ نہ کرتا۔ دل بہلا لیتا کہ جب چاہوں گا' دم بھر میں تیاری کر لوں گا۔ دن گزرتے چلے گئے۔ لوگوں نے تیاریاں مکمل کر لیں۔ حتیٰ کہ نبی ﷺ اور ان کے ساتھ دیگر مسلمان چل کھڑے ہوئے۔ جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ میں دل میں کہا کہ ایک دو دن بعد تیاری کر کے میں مل جاؤں گا۔ اس عرصہ میں مسلمانوں کا لشکر بہت دور جا چکا۔ میں تیاری کے لئے باہر نکلا لیکن پھر بغیر تیاری کے واپس آ گیا۔ حتیٰ کہ ہر روز یہی ہوتا۔ دن نکل گئے۔ لشکر جنگ کرنے لگا۔ اب میں نے کوچ کا ارادہ کر لیا کہ جلدی سے پہنچ کر شامل ہو جاؤں۔ کاش اب بھی کوچ کر جاتا لیکن آخر کار یہ بھی نہ ہو سکا۔ اب حضور ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد کبھی میں بازار میں نکلتا تو مجھے دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا کہ جو مسلمان نظر آتا ہے' اس پر یا تو نفاق کی پھٹکار نظر آتی ہے یا ایسے مسلمان دکھائی دیتے ہیں جو واقعی خدا کی طرف سے معذور اور لنگڑے لولے تھے۔ جب حضرت ﷺ تبوک پہنچ چکے تو مجھے یاد فرمایا اور

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہترین اور آزمودہ کار جرنیل بھی تھے' جو فوج کی قیادت اور جنگ کے بہترین اصول پر گہری نظر رکھتا ہو۔

[2] گویا کہ اُس دور میں یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ ﷺ عالم الغیب ہیں۔

پوچھا کعب بن مالک کیا کر رہا ہے؟ تو بنی سلمہ کے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس کو خوش عیشی اور آرام طلبی نے مدینہ ہی میں روک لیا ہے تو معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ تم نے غلط خیال قائم کیا۔ یا رسول اللہ! اسے تو بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں آتا۔

رسول اللہ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو رہے اور جب آپ تبوک سے واپس تشریف لانے لگے تو میں سخت پریشان تھا کہ اب کیا کروں۔ میں غلط حیلے سوچنے لگا۔ تا کہ آپ ﷺ کے عتاب سے محفوظ رہ سکوں۔ چنانچہ ہر ایک سے رائے لینے لگا اور جب معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں تو اب غلط سوچ بچار سے میں دست بردار ہو گیا۔ اب میں نے اچھی طرح معلوم کر لیا کہ میں کسی حیلہ سے نہیں بچ سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ سچ کہنے کا ارادہ کر لیا۔ نبی ﷺ جب سفر سے واپس آئے تو سب سے پہلے مسجد گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی[1]۔ پھر لوگوں کے ساتھ مجلس کی۔ اب جنگ میں شریک نہ رہنے والے آ آ کر عذر ومعذرت کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ ایسے لوگوں کی تعداد اسی سے کچھ اوپر تھی۔ نبی ﷺ بحکم ظاہر ان کی بات قبول کئے جا رہے تھے اور ان کی کوتاہیوں کے لئے طلب مغفرت کر رہے تھے۔ لیکن ان کے دلوں کے بھیدوں کو خدا کے حوالے کر رہے تھے۔ میری باری آئی۔ میں نے آ کر سلام عرض کیا۔ آپ نے غضب آلود تبسم فرمایا۔ پھر مجھ سے کہا' یہاں آؤ! میں سامنے جا بیٹھا۔ مجھ سے فرمایا تم کیوں رک رہے۔ کیا تم تیاری جہاد میں خریداری بھی کر لی تھی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اس وقت آپ ﷺ کے سوا کسی اور سے بولتا تو ایسے معقول عذرات پیش کر سکتا تھا کہ ان کو قبول کرتے ہی بنتی۔ کیونکہ مجھے بحث وتکرار ومعذرت کرنا خوب آتا ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اس وقت جھوٹی بات بنا کر میں آپ کو راضی کر لوں گا لیکن جلد تر ہی اللہ آپ ﷺ کو مجھ سے ناراض بنا دے گا اور اگر میں نے سچ سچ کہہ دیا تو حسن عاقبت کی مجھے خدا کی طرف سے امید ہو سکتی ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم میں کوئی معقول عذر نہیں رکھتا تھا۔ میرے پاس عدم شرکت جنگ کا درحقیقت کوئی حیلہ نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا ہاں یہ سچ کہتا ہے۔ اچھا تو اب چلے جاؤ اور انتظار کرو کہ اللہ تمہارے بارے میں کیا حکم نازل فرماتا ہے۔ چنانچہ میں چلا گیا۔ بنی سلمہ کے لوگ بھی میرے ساتھ اُٹھے اور ساتھ ہو لئے اور کہنے لگے خدا کی قسم ہم نے تمہیں پہلے کبھی کوئی خطا کرتے نہیں دیکھا ہے۔ دوسرے لوگوں نے جیسے عذر پیش کئے تم نے حضور ﷺ کے سامنے کچھ بھی عذر نہیں کیا۔ ورنہ نبی ﷺ نے دوسروں کے لئے جیسے استغفار کیا تھا' تمہارے لئے بھی حضرت کا یہ استغفار کافی ہوتا۔ غرض یہ کہ لوگوں نے اس بات پر اس قدر زور دیا کہ میں نے ایک بار یہ ارادہ ہی کر لیا تھا کہ پھر واپس جاؤں اور کوئی عذر تراش دوں لیکن میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ میری طرح کسی اور کی بھی صورت حال ہے؟ کہا ہاں' تمہاری طرح اور دو آدمی ہیں کہ سچ سچ کہہ دیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ کہا گیا مرارہ بن الربیع العامری اور ہلال بن امیہ الواقفی۔ کہا گیا کہ یہ دونوں مرد صالح ہیں۔ بدر میں شریک تھے۔ اب میرے سامنے ان کا نقش قدم تھا۔ اس لئے میں دوبارہ حضور ﷺ کے پاس نہ گیا۔ پھر معلوم ہوا کہ آپؐ نے ہم تینوں سے سلام کلام کرنے سے لوگوں کو ممانعت کر دی ہے اور لوگوں نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا ہے[2] اور

[1] سفر سے واپس آنے کے بعد یہ دو رکعت مسجد میں ادا کرنا مستحب ہے۔

[2] یہ سچ بولنے کی سزا نہیں تھی بلکہ جو جرم ہو چکا تھا۔ اس کی دنیا میں محدود اور مختصر سزا تھی۔ اس سزا کے بعد وہ ایسے پاک ہو گئے جیسے انہوں نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں تھا اور رہ گئے وہ جو غلط عذر پیش کر کے دنیا کی اس مختصر رسوائی سے اپنے آپ کو بچا لے گئے وہ آخرت کے اس عذاب میں مبتلائے محن وآفات ہیں جن سے پناہ خدا۔

ہم سے ایسے بدل گئے ہیں کہ زمین پر رہنا ہمیں بوجھ معلوم ہونے لگا۔ ہم پر اس ترکِ تعلقات کے پچاس دن گزر گئے۔ ان دونوں نے تو منہ چھپا کر خانہ نشینی ہی اختیار کر لی۔ بیٹھے روتے رہے۔ میں ذرا سخت مزاج تھا۔ قوت برداشت تھی۔ جا کر جماعت کے ساتھ برابر نماز پڑھتا تھا۔ بازاروں میں گھومتا تھا۔ لیکن مجھ سے کوئی نہ بولتا تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا۔ میں سلام عرض کرتا اور دیکھتا کہ جواب سلام کے لئے آپؐ کے ہونٹ ہلتے ہیں یا نہیں۔ پھر آپؐ کے قریب ہی نماز پڑھتا۔ کنکھیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا۔ میں نماز پڑھنے لگتا تو آپ مجھے دیکھتے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو جاتا تو نظر پھیر لیتے۔ جب اس بائیکاٹ کی مدت لمبی ہوتی چلی گئی تو میں ابوقتادہ کے گھر کی دیوار پھاندکر ان کے یہاں گیا۔ وہ میرے چچازاد بھائی تھے۔ میں انہیں بہت چاہتا تھا۔ سلام کیا تو بخدا انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ! تمہیں خدا کی قسم کیا تم نہیں جانتے کہ میں خدا تعالیٰ کو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کو دوست رکھتا ہوں۔ وہ سن کر خاموش ہو گئے۔ میں نے خدا کی قسم دے کر بات کی۔ پھر کچھ نہ بولے۔ میں نے پھر قسم دی۔ کچھ بھی نہ کہا۔ لیکن انجان پن سے بولے خدا کو اور رسولؐ خدا کو علم ہے میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ پھر دیوار پھاندکر واپس ہو گیا[1]۔

ایک دن بازارِ مدینہ میں گھوم رہا تھا کہ شام کا ایک قبطی جو مدینہ کے بازار میں کھانے کی کچھ چیزیں بیچ رہا تھا۔ لوگوں سے کہنے لگا' کہ کعب بن مالک کا کوئی پتہ دے۔ دو آدمیوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے پاس آیا اور شاہ غسان کا ایک مکتوب میرے حوالہ کیا۔ میں چونکہ پڑھا لکھا تھا' پڑھا تو لکھا تھا کہ "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے۔ اللہ نے تمہیں کوئی معمولی آدمی تو نہیں بنایا ہے تم کوئی گرے پڑے نہیں ہو۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ' ہم تمہیں نوازیں گے[2]۔"

میں نے یہ پڑھ کر کہا۔ پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی۔ یہ تو نئی مصیبت آ پڑی۔ میں نے اس منشور کو آگ میں جھونک دیا اور جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے پاس آیا اور کہا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہو۔ میں نے پوچھا کیا حکم ہے کہ طلاق دے دوں؟ کہا نہیں صرف الگ رہو' قربت نہ کرنا اور کہا دوسرے دونوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی عورت سے کہہ دیا کہ میکے چلی جاؤ حتیٰ کہ خدا کا کوئی اور حکم پہنچے۔ ہلال بن امیہ کی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کرنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال ایک شیخ ضعیف ہے۔ اس کی خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں۔ اگر میں ان کی خدمت میں لگی رہوں تو آپ نامنظور تو نہ کریں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اچھا لیکن وہ تم سے قربت نہ کرے۔ کہنے لگی' اس غریب کو تو ہلنا جلنا مشکل ہو گیا۔ آپ کی ناراضگی کے دن سے آج تک لگاتار روتا رہتا ہے۔ میرے گھر والوں میں سے ایک نے کہا تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عورت سے خدمت لینے کی اجازت حاصل کر لو۔ جیسے کہ ہلال کو اجازت مل گئی۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں اس بات کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست نہ کروں گا۔ نہ معلوم حضرت کیا فرمائیں۔ میں تو جوان آدمی ہوں' مجھے کسی سے خدمت لینے کی ضرورت نہیں۔ اب ہم نے اور دس گزارے اور لوگوں کے اس قطع تعلق کو پچاس دن گزر گئے۔ پچاسویں دن کی صبح اپنے گھر کی چھت پر صبح کی نماز پڑھ کر اس حال میں بیٹھا ہوا

[1] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا یہ احترام تھا کہ آپ کے ایک ہی اشارے پر دوست احباب عزیز و اقارب سب چھوٹ گئے۔

[2] اشتعال انگیزی کی ایک انتہا ہے۔ شاہ غسان کا ایک مکتوب' حالات بے حد نازک' کیا یہ کعب پر خدا تعالیٰ کا یہ احسان اور اپنی اس صداقت پسندی کا ثمرہ نہ تھا جو انہوں نے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی سچی وجہ بتائی تھی کہ کعب شاہ غسان کی اس سازش سے صاف بچ گئے۔

تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں فرمایا ہے۔ یعنی میری جان مجھ پر بھاری معلوم ہو رہی تھی یہ وسیع دنیا مجھے تنگ محسوس ہو رہی تھی کہ سلع پہاڑی پر سے ایک پکارنے والے کی آواز میرے کان میں پڑی۔ وہ بلند آواز سے چیخ رہا تھا کہ ''اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ'' میں یہ سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اب میری توبہ قبول کر لی' مصیبت کا زمانہ گزر گیا۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اطلاع سنادی کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول کر لی ہے۔ لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے دوڑ پڑے۔ ان دونوں کے پاس بھی گئے اور میرے پاس بھی ایک سوار تیز گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ لیکن پہاڑی پر چڑھ کر آواز دینے والا زیادہ کامیاب رہا کہ جلد تر مجھے خبر مل گئی۔ کیونکہ گھوڑے کی رفتار سے آواز کی رفتار تیز تر ہوتی ہے۔ چنانچہ جب وہ شخص مجھ سے ملا' جس کی آواز میں نے سنی تھی۔ تو اس خوشخبری دینے کے صلہ میں اپنے کپڑے اتار کر میں نے اسے پہنا دیئے۔ بخدا میرے پاس اس وقت دوسرا جوڑا نہیں تھا۔ میں نے اپنے مستعار کپڑے لے کر پہن لئے۔ میں آپ ؐ کے پاس جانے کے ارادہ سے نکلا۔ لوگ مجھ سے راہ میں جوق در جوق ملتے اور مجھے مبارک باد دیتے جاتے۔ میں مسجد میں داخل ہوا۔ تو نبی ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی دیکھتے طلحہ بن عبید اللہ دوڑ پڑے۔ مجھ سے مصافحہ کر کے مبارک باد دی۔ مہاجرین میں سے کسی نے ان کے سوا یہ اقدام نہیں کیا تھا۔ کعب نے طلحہ کے اس خلوص کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ میں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اس وقت آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مبارک ہو۔ جب سے تم پیدا ہوئے' ایسی خوشی کا دن تم پر نہ آیا ہوگا۔ میں نے پوچھا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے؟ فرمایا خدا تعالیٰ کی طرف سے۔ نبی ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ؐ کا چہرہ چمک اٹھتا تھا۔ گویا چاند کا ٹکڑا ہے اور آپ کی خوشنودی آپ ؐ کے چہرہ ہی سے ظاہر ہو جاتی۔ میں نے آپ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! میری قبولیت توبہ کی یہ برکت ہونی چاہئے کہ میں اپنا سارا مال و متاع خدا اور رسول خدا کی راہ میں لٹا دوں۔ آپ ؐ نے فرمایا ایسا نہیں' کچھ رکھو اور کچھ صدقہ کر دو۔ یہی بہتر صورت ہے[1]۔ میں نے کہا خیبر سے جو حصہ مجھے ملا تھا' وہ میں اپنے لئے رکھ لیتا ہوں۔ یا رسول اللہ سچائی کی برکتوں کے سبب اللہ تعالیٰ مجھے نجات بخشی۔ خدا کی قسم میں نے جب سے راست گوئی کا عہد کیا پھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ آئندہ بھی کبھی مجھ سے جھوٹ نہ بلوائے۔

قولہ تعالیٰ: لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ (الیٰ آخرہ) کے بارے میں کعب کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے خدا کی اس سے بڑی نعمت مجھ پر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے حضور ﷺ کے سامنے سچ سچ کہہ دینے کی توفیق بخشی۔ ورنہ میں بھی ایسا ہی ہلاک ہو جاتا جیسا کہ حضرت ﷺ کے سامنے دوسرے جھوٹ بولنے والے آخرت کی زندگی کے لحاظ سے تباہ ہو گئے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ......﴾ (التوبۃ: ۹۵) یعنی جب تم ان کی طرف واپس ہوئے تو قسمیں کھا کھا کر یہ لوگ تم سے کہتے ہیں۔ تاکہ تم ان سے اعراض کر جاؤ' ہاں اعراض کر جاؤ۔ ان کے دل ناپاک ہیں۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے کیونکہ انہوں نے کیا ہی ایسا۔ قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کر لیں۔ اگر تم ان سے دھوکہ

[1] یہ ہے اسلام کا مزاج جو ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی' نہ اتنی سخاوت کہ آنے والے کل میں مفلس اور قلاش بن جائے اور نہ ایسا بخل کہ ایک بھی پائی خدا کی راہ میں صرف نہ ہو۔

کھا کر راضی بھی ہو گئے تو کیا ہوا۔ اللہ تو ان بدکاروں سے راضی نہ ہوگا۔

یہ آیت پڑھنے کے بعد کعب کہتے ہیں کہ ہم تین لوگوں کا فیصلہ ان لوگوں سے پیچھے ڈال گیا تھا۔ جن لوگوں نے جھوٹی قسمیں کھالی تھیں اور حضرت ﷺ کو بظاہر مان کر ان کی بیعت قبول کر لینی پڑی تھی اور ان کے لئے استغفار بھی کیا تھا لیکن ہمارا فیصلہ آپ ﷺ نے روک دیا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ (التوبۃ: ۱۱۸) یہ ہمیں پیچھے ڈال دینا' اس سے مراد ہمارا فیصلہ پیچھے ڈال دینا ہے نہ یہ کہ ہم شرکتِ جنگ سے پیچھے ڈال دیئے گئے تھے۔ یہی حدیث صحیح اور ثابت ہے اور متفق علیہ ہے۔ بخاری اور مسلم نے بھی حدیث زہری سے اسی طرح روایت کی ہے۔ یہ حدیث باحسن وجوہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کر رہی ہے۔ سلف میں سے تقریباً سب نے اسی طرح تفسیر کی ہے۔ چنانچہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بھی اس آیت سے متعلق یہی قول ہے کہ یہ کعب بن مالکؓ اور ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم ہیں یہ سب انصاری ہیں اور یہی کہا ہے مجاہد اور ضحاک اور قتادہ اور سدی وغیرہ نے۔ سب نے مرارہ بن ربیعہ کہا ہے اور مسلم میں بھی ابن ربیعہ ہی لکھا ہے لیکن بعض نسخوں میں ربیعہ بن مرارہ ہے۔ صحیحین میں مرارہ بن ربیعہ لکھا ہے اور روایت بھی یہی ہے اور جو یہ کہا گیا ہے کہ دوسرے دونوں بدر میں شریک تھے۔ یہ زہری کی غلطی سمجھی گئی ہے۔ اس لئے کہ ان تینوں میں سے کوئی بھی شریک غزوۂ بدر نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی بندش کا ذکر فرمایا۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں کے بائیکاٹ کے پچاس دن گزارے تھے اور ان کی جانیں اور ان کی دنیا ان پر تنگ ہو گئی تھی۔ باہر آنا جانا تک ان کا ختم ہو گیا تھا۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ سوا اس کے کہ صبر کریں اور اپنی ذلت واستہانت پر راضی رہیں لیکن حضرت ﷺ کے سامنے سچ بولنے کے سبب اور کوئی عذر پیش نہ کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر کشائش فرمائی اور کچھ عرصہ تک انہیں مبتلائے عذاب رکھنے کے بعد ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی لئے فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ یعنی ایمان والو! سچ کو لازم قرار دے لو۔ تو مہالک ومصائب سے بچ جاؤ گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ سچ بولا کرو کیونکہ سچ نیکی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے۔ جو آدمی سچ بولتا رہتا ہے وہ خدا کے دفتر میں سچا لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بالکل دور رہو۔ جھوٹ فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے اور فجور دوزخ میں پہنچاتا ہے۔ آدمی جب جھوٹ ہی جھوٹ بولتا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کے دفتر میں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جھوٹ نہ سنجیدگی کے طور پر بول سکتے ہیں نہ دل لگی کے طور پر۔ چاہتے ہو تو پڑھو: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ پھر کہا کیا تم سمجھ سکتے کہ کوئی بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مع الصدقین سے مراد محمد ﷺ اور ان کے اصحاب ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ مراد ہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تم صادقین کے ساتھ ہونا چاہتے ہو تو دنیا میں زہد اختیار کرو اور لوگوں سے میل جول کم کرو۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

يَعْتَذِرُوْنَ ⑪

لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

مدینہ میں رہنے کو اور جو دیہاتی ان کے گردو پیش (رہتے) ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ (زیبا تھا) کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں (اور) یہ (ساتھ جانے کا ضروری ہونا) اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ہو ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ ○

ہر قدم باعثِ اَجر ہے ☆

غزوۂ تبوک میں اہل مدینہ کے جو عرب قبائل شرکتِ جہاد سے باز رہے تھے اور جو مشقتِ جنگ کہ نبی ﷺ کو پہنچی تھی' اس میں ہمدردی اور اشتراکِ عمل کے بجائے آرام طلبی اختیار کی تھی۔ ان پر اللہ پاک عتاب فرماتا ہے کہ انہوں نے اجر سے اپنے آپ کو محروم کر لیا۔ انہوں نے نہ پیاس کی تکلیف اُٹھائی نہ رنج و تعب پہنچا نہ بھوک سے سابقہ پڑا اور نہ اس موقف میں آئے کہ کافروں کو خوف زدہ کر دیں اور نہ کافروں پر غلبہ اور ظفر کا شرف حاصل کیا لیکن جنہوں نے یہ سختیاں جھیلیں وہ اپنے ارادے اور عمل ذاتی کی بنا پر تھیں' فطری اور جبری نہیں تھیں۔ اس لئے اللہ ایسے نیکو کاروں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور (نیز) جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام (نیکیوں میں) لکھ لیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو (ان کے سب) کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔ ○

اچھا کام نیک بدلہ ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ غازی لوگ خدا کی راہ میں تھوڑا بہت خرچ بھی کرتے ہیں اور کفار سے جنگ کے لئے جنگل کا تھوڑا سا راستہ بھی طے کرتے ہیں تو اس کا اجر انہیں ضرور ملتا ہے۔ یہاں ﴿اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ﴾ فرمایا گیا ہے اور گزشتہ آیت میں ﴿كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ نفقہ یا یہ دشمنوں پر حملے کے لئے سفر ان کا اپنا ذاتی فعل ہے۔ اسی لئے آیت شریفہ میں ﴿مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ فرمایا گیا ہے اور آیت سابقہ میں راہ خدا کے اندر بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیف یہ من جانب اللہ تھی۔ اس

لئے نہ بہ لایا گیا نہ عمل کو ان کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ سے حظ وافر اور نصیب عظیم حاصل کیا کیونکہ اس غزوہ تبوک میں انہوں نے لشکر کو اپنے نفقات جلیلہ اور اموال جزیلہ عنایت کئے تھے۔ ابن حباب السلمی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس جیش عسرت کی مدد کرنے کے لئے قوم کی توجہ دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میرے ذمے سو اونٹ مع پالان کجاوے وغیرہ کے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سے ایک سیڑھی اُتر کر پھر فرمایا کہ اے لوگو مدد کی اور ضرورت ہے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اور سو اونٹ مع ساز و سامان کے۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خوشی سے اپنے ہاتھ کو یوں ہلا رہے ہیں (عبدالصمد آخری راوی نے یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ ہلائے) اور آپ نے فرمایا کہ اب عثمان پر کوئی آنچ نہیں، چاہے جو عمل کرے[1]۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی لے آئے کہ جیش عسرت کی اس سے تیاری فرمایئے اور آپ کی گود میں یہ رقم ڈال دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اشرفیوں کو حرکت دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ آج سے عثمان کو اس کا کوئی عمل ضرر نہیں پہنچائے گا۔ یہی ایک عمل اس کی نجات کے لئے کافی ہے اور آپ خوشی سے بار بار اس رقم کو ہلا رہے تھے۔ قتادہ نے قولہ تعالیٰ ﴿وَلَا يَقْطَعُوْنَ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ راہِ خدا میں سفر کرتے ہوئے لوگ جتنا دور ہوتے جاتے ہیں اتنے ہی اللہ تعالیٰ کی قربت میں بڑھتے جاتے ہیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور (ہمیشہ کے لئے) مسلمانوں کو یہ (بھی) نہ چاہئے کہ (جہاد کے واسطے) سب کے سب (ہی نکل کھڑے ہوں گے۔ سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے۔ تاکہ یہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں تاکہ یہ لوگ اپنی (اس) قوم کو جبکہ وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈرائیں تاکہ وہ (ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے) احتیاط رکھیں۔ ○

دین کی تلاش میں گرم سفر ☆

اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوچ کرنے کا جب لوگوں نے ارادہ کیا تو سلف کی ایک جماعت کا یہ خیال ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ کے لئے نکلیں تو ہر مسلمان پر کوچ کرنا واجب ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ (التوبۃ: ۴۱) یعنی ہلکے اور لدے ہوئے نکل پڑو اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ﴾ (التوبۃ: ۱۲۰) اہل مدینہ کو کوئی حق نہیں کہ جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رہ جائیں (آخر تک) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت کے ذریعے اوپر والی آیت منسوخ ہوگئی ہے اور کہا جاتا کہ تمام قبائل کے سفر

[1] گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا تھا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی ایسا اقدام نہیں ہوگا۔ جو اسلام کے خلاف اور منافی ہو۔ چنانچہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعد کی زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شہید ہوگئے۔ لیکن ان کا کوئی عمل اسلام کے منافی نہیں تھا۔ رضی اللہ عنہ رضی ہو عن اللہ۔

کرنے یا کسی قبیلہ میں سے بعض کے کفر کرنے سے جبکہ سب نہ نکلیں۔ مراد خداوندی یہ ہے کہ سفر پر نہ جا کر نبی ﷺ کے ساتھ رہنے والے ہر اُترنے والی وحی کو لکھ لیں اور یاد رکھ لیں اور جنگ کر کے واپس آنے والے لوگوں کو احکام خداوندی بتائیں اور سفر سے واپس آنے والے یہ بتائیں کہ دشمن کے ساتھ کیسی گزری اور کفار کے کیا حالات ہیں۔ اب اس معینہ سفر میں دو باتیں جمع ہو گئیں۔ ایک سفر معینہ ان لوگوں کا جو جہاد پر جا رہے ہیں۔ دوسرے ان لوگوں کا قیام جو تفقہ کی غرض سے حضرت ﷺ کے پاس ٹھہر گئے۔ اس لئے کہ یہ فرض کفایہ ہیں۔ چند لوگ نہ کریں تو چند لوگوں کا ضروری اور فرض ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا ہے کہ: ﴿مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ کی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مؤمنین کو نہیں چاہئے کہ سب کے سب نبی ﷺ کے پاس سے چلے جائیں اور نبی کو تنہا چھوڑ دیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ جائیں۔ تاکہ آپ کے پاس دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب پھر واپس لوٹیں تو اپنی قوم کے پاس جا کر انہیں آگاہ کریں اور خدا سے ڈرائیں اور جب تک حضرت اجازت سفر نہ دیں نہ جائیں اور ان جماعتوں کی عدم موجودگی کے زمانہ میں جو قرآن اُترا ہے۔ ان کو حضرتؐ کے پاس رہ جانے والے لوگ واقف کرا دیں اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر یہ قرآن نازل کیا تھا۔ ہم نے سیکھ لیا۔ اب تم سفر سے واپس آئے ہو تو تم بھی سیکھ لو اور پھر دوبارہ دوسری جماعتیں بھیجی جائیں: ﴿لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ تاکہ اپنا بچاؤ کر سکیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت اصحاب نبی میں سے ان لوگوں کے بارے میں اُتری ہے جو سیکھ کر اپنے دیہات میں چلے گئے۔ وہاں لوگوں سے فائدے حاصل ہوئے۔ راحت و آرام ملا۔ مال بھی کمایا اور لوگوں میں تبلیغ دین بھی کی لیکن لوگ ان سے کہنے لگے کہ تم نے نبی اور اصحاب کا ساتھ دیا' ہمارے پاس آ گئے۔ نبی ﷺ کے پاس آئے۔ اسی چیز کی صفائی میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ کیا حرج ہے اگر ایک جماعت چل کھڑی ہو۔ تر فہ بھی حاصل کرے نبی کے ساتھ رہ کر حدیث و وحی بھی سنے اور دیہات میں جا کر لوگوں کو خدا سے ڈرائے بھی۔ کیا عجب کہ ان کی ہدایت ہو جائے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ اس موقع پر اُتری ہے جب کہ حضرت ﷺ نے لشکر کشی کے لئے فوج بھیجی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کے لئے مامور رکھا کہ نبی ﷺ کے ساتھ لڑیں۔ لیکن دوسری جماعت رسولؐ کے ساتھ رہے تاکہ دین میں تفقہ حاصل کرے اور ایک دوسری جماعت اپنے قبیلہ خاندانوں میں دیہات کی طرف چلی جائے اور اللہ کے عذاب سے انہیں ڈرائے۔ جو عذاب کہ ان سے پہلی قوموں پر نازل ہوا تھا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بذات خود جنگ کے لئے نکلیں تو اہل عذر کے سوا کسی کو اجازت نہیں کہ پیچھے رہ جائیں۔ اگر آپ بذات خود نہ جائیں بلکہ لشکر بھیج دیں تو اب آپ کی اجازت کے بغیر کوئی لشکر میں شریک نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی آپ کے بھیجے ہوئے لشکر کے ساتھ چلا جائے تو ٹھہرے ہوئے انہیں سنا دیں کہ تمہارے جانے کے بعد یہ وحی اُتری ہے اور انہیں بھی دین میں تفقہ پیدا کرا دیں۔ سب کے سب نہ چلے جانے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکر بھیج دیا ہو اور خود قیام فرما ہوں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ﴿لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ والی آیت جہاد کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ مضر پر قحط کی بددعا فرمائی اور سب قحط زدہ ہو گئے۔ تو سب مدینہ آ کر قیام کرنے لگے اور غلط سلط اپنے کو مسلمان بتانے لگے۔ اصحابِ رسول اللہ پر ان کی مہمان داری بار ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول کو آگاہ فرما دیا کہ یہ درحقیقت مسلمان نہیں ہیں۔ تو حضرت ﷺ نے انہیں اپنے قبائل میں واپس کر دیا اور دوبارہ ایسا کرنے کے بارے میں تحذیر فرما دی۔

چنانچہ فرمایا: ﴿وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ (الی آخرہ) اس آیت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ سے لوگ جوق در جوق حضور ﷺ کے پاس آنے لگے یہ لوگ آپ سے امور دین پوچھتے۔ تفقہ حاصل کرنا چاہتے اور حضرت نبی ﷺ سے پوچھتے کہ کیا خدمت انجام دینے کا حکم ہوتا ہے اور کہتے کہ ہم اپنے قبائل میں جائیں تو کیا کریں۔ آنحضرت ﷺ انہیں طاعت اللہ اور طاعتِ رسول کی تلقین کرتے اور کہتے کہ اپنے لوگوں میں جا کر صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو پھیلاؤ۔ وہ اپنی قوم میں آ کر صاف کہہ دیتے کہ اگر اسلام لاتے ہو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ورنہ نہیں اور انہیں خدا سے ڈراتے۔ حتیٰ کہ ایسا ہدایت یافتہ شخص اپنے کافر ماں باپ سے بھی قطع تعلق کر لیتا اور نبی ﷺ ان کو آگاہ کرتے خدا سے ڈراتے اور وہ لوگ جب اپنے لوگوں میں واپس جاتے تو انہیں دین اسلام کی طرف بلاتے۔ نار دوزخ سے ڈراتے اور جنت کی بشارتیں دیتے۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اُتری تو منافقین کہنے لگے کہ اب تو وہ دیہاتی مسلمان ہلاک ہو گئے۔ جو حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے۔ حالانکہ وہ لوگ تو اصحابِ نبی میں سے تھے۔ جو اپنی قوم کو دین سکھانے کے لئے گئے ہوئے تھے اور عدم شرکت جنگ کا سبب یہ مقصد بنا ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یہی لوگ جنگ کے لئے کیوں جائیں۔ بعض دوسرے لوگ دوسروں کو دین سکھانے کے لئے رہ کیوں نہ جائیں اور یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ...... ﴾ (الشوریٰ:۱۶) حسن بصری کہتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ جو جنگ کے لئے گئے ہیں۔ جب اپنے لوگوں میں واپس آئیں تو جنگ کے نتیجہ میں انہوں نے کفار پر اپنا غلبہ دیکھا اور اسلام کی شان دار فتح دیکھی ہے اس سے لوگوں کو آگاہ کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾

اے ایمان والو ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس (رہتے) ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (کی امداد) متقی لوگوں کے ساتھ ہے (پس ان سے ڈرو د بومت)۔ ○

اللہ تعالیٰ کس کے ساتھ ہے؟ ☆

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ کافروں سے لڑو تو پہلے ان لوگوں سے لڑو جو مرکز اسلام سے قریب تر ہیں[1]۔ اسی لئے حضرت ﷺ نے مشرکین سے جنگ شروع کی تو جزیرۃ العرب سے ابتدا کی۔ یہاں سے فارغ ہو کر مکہ مدینہ طائف یمن یمامہ ہجر خیبر حضر موت غرض یہ کہ جزیرۃ العرب کے دوسرے اقالیم کو فتح کر لیا اور مسلمان بنالیا اور عرب کے قبائل دین اسلام میں جوق در جوق شامل ہونے لگے تو اب اہل کتاب سے جنگیں شروع ہونے لگیں اور روم سے جنگ کا ارادہ ہو گیا۔ یہ لوگ جزیرۃ العرب سے قریب رہنے والے ہیں اور اس بات کی ضرورت ہے کہ دعوتِ اسلام کی سب سے پہلے ان ہی سے ابتدا ہو اور اس

[1] کیونکہ ان سے اسلامی اسٹیٹ کو نقصان پہنچنے کا بڑا خطرہ ہے۔

لئے بھی کہ وہ اہل کتاب ہیں لیکن تبوک تک پہنچ کر آگے بڑھے واپس ہو گئے کیونکہ لوگوں میں تنگ حالی قحط ناسازگاری حالات تھی۔ یہ ۹ ہجری کا واقعہ ہے۔ ۱۰ ہجری میں نبی ﷺ حجۃ الوداع کی مصروفیت رکھتے تھے اور حجۃ الوداع سے اکیاسی دن بعد نبی ﷺ کا وصال ہو گیا۔ آپؐ کے بعد آپ کے قائم مقام آپؐ کے وزیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوئے۔ اس انقلاب ناگزیر کے وقت دین میں ایک تزلزل سا آ گیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے دین کو پھر استقامت عطا فرمائی۔ آپ نے دین کو مضبوط کر دیا۔ اس کے دعاوی ثابت ہو گئے اور مرتدین کو پھر دین کی طرف واپس لے آئے۔ جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا ان کو زکوٰۃ ادا کرنا پڑی اور جو مسائل دین سے ناواقف ہو گئے تھے۔ ان کو واقف کر دیا گیا اور رسولؐ سے متعلق جو فرائض تھے۔ ان کی تکمیل کی۔ پھر اسلامی لشکر کو روم کی طرف بھیجا جو صلیب پرست تھے اور اہل فارس کی طرف بھی جو آتش پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ان ممالک پر فتح بخشی اور کسریٰ اور قیصر اور ان کے ہم مذہبوں کو ذلت اُٹھانا پڑی اور ان دونوں ملکوں نے جو خزانے جمع کر رکھے تھے۔ ان کو خدا کی راہ میں خرچ کیا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پہلے خبر دے دی تھی۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کی تکمیل آپؐ کے وصی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی۔ پھر صدیق کے جانشین عمر بن خطابؓ سے تکمیل کی۔ عمرؓ کے ذریعے ان کفار ملحدین کو بڑی ذلت پہنچی۔ عمرؓ نے منافقین اور سرکشیوں کا قلع قمع کیا اور ان کی ساری سلطنتوں پر شرقاً غرباً غالب آ گئے اور قریب و بعید تمام ملکوں کے خزائن و اموال مرکز اسلام میں کھنچ آئے اور یہ ساری دولت حسب احکام شرع مستحق لوگوں میں اور واجبی امور میں صرف کی گئی۔ حضرت عمرؓ زندہ رہے تو نیک نام رہے اور جب آپ کی وفات ہوئی تو شہید تھے۔ اب مہاجرین و انصار نے بالاتفاق امیر المومنین عثمان بن عفانؓ کو خلیفہ بنایا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام کو بڑی زینت و نیک نامی حاصل رہی اور تمام دنیا میں انسانوں پر حجت اسلام غالب آ گئی۔ انہیں کے زمانہ میں مشرق و مغرب سب جگہ اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ کلمۃ اللہ کا رعب ہر جگہ کے انسانوں پر چھا گیا اور ملت حنیفیہ نے اعدائے خدا پر غلبہ کامل حاصل کر لیا۔ کبھی کسی قوم پر مسلط ہوئے اور کبھی کسی اور پر۔ یا ایسی قوم پر جو ان کافروں اور سرکشوں سے جوڑ توڑ رکھتی ہے۔

یہ خدا کے اس فرمان کے تحت تھا کہ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ اور ﴿وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً﴾ یعنی کافروں سے قتال میں نہایت سختی برتا کرو۔ اس لئے کہ مومن کامل وہ ہے جو اپنوں پر شفیق ہو اور کافروں پر سخت گیر ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ﴿سَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ......﴾ (المائدۃ: ۵۴) اور قولہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ اور قولہ تعالیٰ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ (التوبۃ: ۷۳) اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں خندہ جبیں بھی ہوں اور قتال کرنے والا بھی ہوں۔ یعنی دوستوں کے لئے خوش مزاج اور دشمنوں کے ساتھ جنگ جو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں سے قتال کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور یقین رکھو کہ اگر تم خدا سے ڈرے اور اس کی اطاعت کی تو خدا ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ یہ چیز قرون ثلثہ میں جو اس امت کا بہترین زمانہ گزرا ہے غایت استقامت میں تھی اور یہ زمانہ قیام اطاعت خداوندی کا زمانہ تھا۔ مسلمان ہمیشہ کافروں پر غالب رہے۔ ہمیشہ فتوحات ہوتی رہیں۔ دشمن ہمیشہ خسارہ اور ذلت میں رہے اور جب بادشاہوں کے درمیان فتنے اور اختلافات بڑھ گئے تو دشمنوں نے اطراف و بلاد پر نظریں ڈالنا شروع کر دیں۔ اسلامی ممالک کی طرف بڑھنے

لگے اور ملوک اعداء ایک دوسرے کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے لگے۔ پھر ایک دوسرے کی مدد سے اسلامی حدود پر چڑھ آئے اور مسلمانوں کے بہت سے ملکوں پر قبضہ کرلیا۔ لیکن جس کسی اسلامی بادشاہ نے احکام الٰہی کی اطاعت کی۔ خدا پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ضرور فتوحات عنایت فرمائیں اور کھوئے ہوئے ممالک دوبارہ حاصل کئے جاسکے۔ خدا سے امید ہے کہ پھر وہ مسلمانوں کو غلبہ دے گا اور ساری دنیا میں توحید کا کلمہ بلند ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تو فیاض اور کریم ہے۔

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۲۴﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ﴿۱۲۵﴾

اور جب کوئی سورت (جدید) نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین (غربا و مسلمین سے بطور تمسخر) کہتے ہیں کہ (کہو) اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی سو (سنو) جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے (تو) ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ (اس ترقی کے ادراک سے) خوش ہو رہے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) آزار ہے اس سورت نے ان میں ان کی (پہلی) گندگی کے ساتھ اور نئی گندگی بڑھادی اور وہ حالت کفر میں مر گئے۔ ○

آیات کا نزول اور کفار کا لایعنی اعتراض ☆

یہ آیتیں اُتریں تو منافقین چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ اس سورت نے بھلا ان مسلمانوں کے اندر کونسا مزید ایمان اور مزید خوبی پیدا کردی تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہاں یہ مزید ایمان مسلمانوں کے اندر یقیناً پیدا ہوا ہے اور وہ اس سے خوش بھی ہیں۔ یہ آیت ان بڑے دلائل میں سے ہے کہ ایمان کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اکثر علمائے خلف و سلف کا مذہب ہے۔ بلکہ اکثر کا یہ قول ہے کہ اس اعتقاد پر اجماع امت[1] ہے اور اول شرح بخاری میں اس مسئلہ پر مضبوط اور طویل بحث ہو چکی ہے۔ لیکن جن کے دلوں میں مرض ہے ان میں تو اس آیت سے اور شک ہی کے اندر اضافہ ہوتا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ......﴾ یعنی قرآن تو مومنوں کے دلوں میں شفا بخشتا ہے اور قولہ تعالیٰ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ یعنی ایمانداروں کے لئے قرآن ہدایت اور شفا ہے۔ کافروں کے کان تو قرآن کی طرف سے بہرے ہیں۔ ان کی آنکھیں اندھی ہیں۔ گویا وہ بہت دور سے پکارے جا رہے ہیں کہ سن ہی نہیں سکتے۔ یہ کتنی بڑی بدبختی کی بات ہے کہ جو چیز دلوں کی ہدایت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ ان کی ضلالت و ہلاکت کا سبب بن جائے۔ جیسے کہ بیمار کو اچھی غذا بھی دی جائے تو

[1] ہم اس سے قبل اس مسئلہ پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک لکھ چکے ہیں ناظرین مراجعت کرلیں۔

نقصان ہی پہنچتا ہے[1]۔

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں (مگر) پھر بھی (اپنی حرکات شنیعہ سے) سے باز نہیں آتے اور نہ کچھ سمجھتے ہیں (جس سے باز آنے کی آئندہ امید ہو) اور جب کوئی سورت (جدید) نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں (اور اشارہ سے باتیں کرتے ہیں) کہ تم کو کوئی (مسلمان) دیکھتا تو نہیں۔ پھر چل دیتے ہیں (یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے) خدا نے ان کا دل (ہی ایمان سے) پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ محض بے سمجھ لوگ ہیں (کہ اپنے نفع سے بھاگتے ہیں)۔ ○

فتنوں کی بھٹی ☆

یہ منافقین کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ سال بھر میں ایک بار یا دو بار فتنوں میں مبتلا کئے جا رہے ہیں۔ پھر بھی اپنے سابقہ گناہوں سے باز نہیں آتے اور اس سلسلہ میں آئندہ جوان پر گزرنے والا ہے۔ اس سے اندیشہ نہیں کرتے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ منافقین بھوک اور قحط کے فتنوں میں مبتلا کئے جاتے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جنگ کی آفت ان کے سر پر پڑتی تھی[2]۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم ہر سال کوئی نہ کوئی جھوٹی افواہیں سنتے ہی رہتے۔ جس سے اکثر لوگ بھٹک جاتے تھے۔ انسؓ سے منقول ہے کہ سختی کا زمانہ بڑھتا جا رہا ہے۔ تنگ دلی اور کوتاہ حوصلگی زیادہ ہو رہی ہے۔ ہر سال گزشتہ سال سے بدتر آتا جا رہا ہے۔ مندرجہ بالا آیت منافقین کے بارے میں ہے کہ جب کوئی سورت نبی ﷺ پر نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ کوئی تمہیں دیکھتا تو نہیں تھا[3]۔ پھر وہ حق سے روگرداں ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں ان منافقین کا یہ حال ہے کہ نہ حق بات کے سامنے آتے ہیں۔ نہ اس کو سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ خدا ہے: ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِیْنَ......﴾ وقولہ تعالیٰ ﴿فَمَا لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ......﴾ یعنی ان لوگوں کو کیا ہوا کہ حق بات سے اعراض کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ وحشی جانور ہیں کہ شیروں

[1] باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست: در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

[2] اور اس وقت ان کے اسلام و ایمان یا نفاق کا بھرم کھلتا اپنے نفاق کی وجہ سے وہ ان معرکوں سے جان چراتے۔ جن میں مسلمان بے دھڑک کود جاتے۔

[3] قاعدہ ہے کہ مجرم کے جرم کا جب انکشاف ہوتا ہے تو ایک ندامت اور خجالت اس کے چہرہ پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ جب آیت اُترتی اور منافقین کے چھپے ہوئے نفاق کا بھانڈا پھوٹتا تو ایک دوسرے کو دیکھتے اور خاص طور پر مسلمانوں پر ان کی نظر رہتی کہ کہیں ہمارے چہرے بشرے سے ان کو اندرونی احساسات کا علم نہ ہو جائے۔

سے بھاگتے ہیں۔ دائیں اور بائیں کھسک جاتے ہیں۔ حق سے باطل کی طرف جھک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو پھیر دیا ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کو سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

(اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں۔ جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں۔ یہ (حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے (میرا کیا نقصان ہے) کہ میرے لئے (تو) اللہ تعالیٰ (حافظ و ناصر) کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔ ○

ایسا شفیق اتنا رحیم ☆

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنا احسان ظاہر فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے ایک رسول بھیجا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ اور ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ......﴾ اور ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے نجاشی سے اور مغیرہ رضی اللہ عنہ نے سفیر کسریٰ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ہماری ہی قوم کا ایک رسول بھیجا ہے[1]۔ جس کے نسب سے ہم واقف ہیں۔ جس کی صفات جانتے ہیں۔ جس کے اُٹھنے بیٹھنے آنے جانے صدق و امانت سب ہی باتوں سے آشنا ہیں۔ زمانہ جاہلیت سے بھی جس کے خاندان پر کوئی دھبہ نہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا سارا نسب بر بناء نکاح رہا۔ کہیں کسی زنا کا شائبہ نہیں۔ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک کوئی میرے آباء و اجداد میں بغیر نکاح نہیں پیدا ہوا۔ قولہ تعالیٰ: ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ یعنی امت پر کوئی تکلیف اس کے لئے بہت ہی شاق ہے۔ حدیث میں ہے کہ: ﴿بعثت بِالْحَنِيفِيَّةِ السمحة﴾ یعنی آسانی دین لے کر آیا ہوں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ یہ شریعت نہایت آسان اور سہل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت آسان کر کے بھیجا ہے۔ انہیں بڑی تمنا رہتی ہے کہ تم ہدایت پا جاؤ اور دنیوی اور اُخروی نفع اندوزی کر سکو۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس قدر معلومات عامہ دی ہیں کہ فرض کرو کوئی پرندہ جو آسمان پر اُڑتا ہے' اس کے بارے میں بھی معلومات بخشیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور کرنے والی کوئی بات ایسی نہ رہی جو میں نے تمہیں نہ بتا دی ہو۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ پاک نے ہر حرام اور ناجائز چیز کے متعلق مکمل طور پر تمہیں سمجھا دیا ہے اگر تم اس کے بیان کردہ محرمات سے دور نہ رہو گے تو تمہیں بتلا دیتا ہوں کہ دوزخ کے شعلوں میں ایسے گرو گے جیسے پروانہ شمع پر گرتا ہے۔

[1] یہ بڑا احسان ہے اگر نبی غیر جنس سے آتا تو اس سے فائدہ اُٹھانا ممکن نہ ہوتا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ ایک پائینتی بیٹھ گیا اور ایک سرہانے۔ پائینتی والے فرشتے نے سرہانے والے سے کہا کہ ان کی اور ان کی امت کی کوئی مطابق حال مثال بیان کرو۔ تو وہ کہتا ہے کہ آپ کی مثال امت کے ساتھ ایسی ہے جیسے لوگ سفر کرتے ہوئے ایک لق و دق جنگل میں پہنچ گئے ہوں۔ زادِ راہ توشہ وغیرہ کچھ باقی نہ رہا ہو۔ نہ آگے سفر جاری رکھ سکتے ہیں نہ ہی واپس ہونے کی کوئی صورت ہے۔ ایسے میں ایک مرد خوش پوش ان کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا میں تمہیں یہاں سے نکال کر ایسے باغوں میں لے چلوں جو سرسبز و شاداب ہوں نہریں اور حوض ہوں' کیا میری ساتھ چلو گے؟ وہ بڑی خوشی سے راضی ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں لے چلتا ہے۔ وہ انہیں سرسبز و شاداب باغ میں لے آتا ہے۔ وہ خوب میوے کھاتے ہیں۔ پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ پھر ان سے کہتا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ خیر خواہی کا حق ادا نہیں کیا اور کیا تمہیں ایسے سرسبز و شاداب جگہ پر نہیں پہنچایا۔ اب سنو! آگے اور باغات ایسے ہیں جو اس سے بھی زیادہ پُر بہار ہیں۔ اس سے بھی کہیں زیادہ شاداب حوض ہیں۔ آؤ تمہیں اب وہاں لے چلوں۔ تو بعض نے کہا' تم نے پہلے بھی سچ کہا تھا اور اب بھی سچ کہہ رہے ہو' ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں اور بعض نے کہا' ہم تو یہیں اچھے ہیں۔ ہمیں یہی بس ہے مزید راحتوں کی ضرورت نہیں۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کے پیچھے ہی دیوانے ہو گئے ہیں۔ عاقبت کی خبر نہیں لیتے۔ حالانکہ یہاں سے کہیں زیادہ وہاں راحت و عیش میسر ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مالی مدد مانگی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ خون بہا ادا کرنے کے لئے مدد چاہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ دیا اور فرمایا لو میں نے تمہارا کام نکال دیا ہے اور تمہارے ساتھ سلوک کیا۔ اس نے کہا نہیں کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ سن کر بعض صحابہ غضب ناک ہو گئے اور اس پر دست درازی کا ارادہ کیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے انہیں منع کر دیا۔ آپ اُٹھ کر اپنی منزل پر تشریف لے گئے اور اعرابی کو بلا بھیجا اور کہا تم نے مانگا اور میں نے دیا اور خیر تم نے جو کچھ کہا سو کہا۔ اچھا یہ اور بھی لے لو اور پھر پوچھا۔ اب بھی میرا سلوک تمہارے ساتھ اچھا رہا یا نہیں؟ اعرابی نے کہا ہاں اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میرے اصحاب تیری طرف سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔ اب تم ان کے سامنے جاؤ تو اس وقت تم نے مجھ سے جو کہا ہے۔ ان کے سامنے بھی تصدیق کرو۔ تا کہ ان کے دل کی خلش نکل جائے۔ کہا' اچھا۔ پس جب اعرابی آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے آ کر سوال کیا تھا' میں نے دیا لیکن اس نے جو کہا تھا' تم جانتے ہو۔ میں نے اسے بلا کر اور دیا ہے۔ اب وہ راضی ہے۔ کیوں اسے بدوی! یہ بات ٹھیک ہے؟ بدوی نے کہا ہاں۔ خدا آپ کو جزا دے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسم فرماتے ہیں کہ میری اور بدوی کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کی اونٹنی ہو وہ بھڑک گئی ہو۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے۔ اونٹنی اور بھی متوحش ہو گئی۔ تو اونٹنی والے نے کہا تم اس کو مطیع کرنے کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اس کے انداز سے خوب واقف ہوں۔ میں اس کو نرم کر لوں گا۔ پھر اس نے گھاس لی اور اسے بلایا۔ وہ آ گئی۔ اس کو گھاس کھلا کر پکڑ لیا اور اس پر پالان ڈال دیا۔ اگر اس کی بدتمیزی کی بات کرنے پر میں بھی تمہاری طرح ناراض ہو جاتا تو وہ دوزخی بن جاتا لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قولہ تعالیٰ ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ چنانچہ اس آیت کریمہ میں بھی یہی حکم ہوتا ہے کہ جو شریعت عظیمہ کہ تم

لائے ہو اگر یہ لوگ اس سے پیٹھ پھیریں تو کہہ دو کہ مجھے اللہ کافی ہے۔ میں تم پر نہیں اس پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ خدا ہر شے کا مالک اور خالق ہے اور رب عرش عظیم ہے۔ اس کا عرش عظیم سقف مخلوقات ہے۔ زمین وآسمان کی ساری مخلوق اس کے عرش تلے ہے ساری مخلوق اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن کی آخری آیت: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ ہے اور یہ کہ قرآن کی تمام آیتیں اور سورتیں خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں قرآن مرتبہ کی صورت میں جمع کی گئیں۔ لوگ لکھتے جاتے۔ جب سورہ برأت کی اس آیت پر پہنچے: ﴿ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ تو یہ گمان کیا گیا کہ یہ قرآن کی آخری آیت ہے۔ تو اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد مجھے یہ دو آیتیں بھی سنائی ہیں۔ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ﴾ آخر سورت تک اور کہا کہ قرآن کی آخری آیت ہے اور اسی پر ختم ہے۔ جس سے ابتدا ہوئی تھی۔ یعنی اس خدا کے نام پر جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اسی سے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾۔

عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حارث بن خزیمہ نے دو آیتیں پیش کی تھیں جو آخر سورہ برأت کی ہیں حضرت عمر نے فرمایا کہ اس وحی کی شہادت اور کون دے سکتا ہے؟ حارث نے کہا یہ تو مجھے علم نہیں کہ اور کون اس کو جانتا ہے لیکن خدا کی قسم میں نے خود اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور اس کو خوب یاد رکھا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ کم از کم تین آیتیں ہوتیں تو میں اس کو ایک علیحدہ سورت قرار دے دیتا، تم اسے قرآن میں کہیں رکھ دو[1]۔ چنانچہ اس کو سورہ براۃ کے آخر میں رکھ دیا گیا۔ یہ بات آگے گزر چکی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا تھا کہ قرآن کی ساری آیتوں کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر لینا نہایت ہی قرین مصلحت ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت کو جمع قرآن کا حکم دیا۔ وہ قرآن کو جمع اور ترتیب کرتے جاتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود ہوتے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورت برأت آخری حصہ میں نے خزیمہ بن ثابت یا ابی خزیمہ کے پاس دیکھا اور یہ بھی ہم نے بیان کیا کہ صحابہؓ کی ایک ایک جماعت نے اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا جیسا کہ خزیمہ بن ثابت نے کہا۔ واللہ اعلم۔ ابو الدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ جو صبح شام سات بار پڑھ لیا کرے: ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس کے سارے کام بنا دے گا اور جو ارادہ کر رہا ہو اس کو پورا کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ صدق و دل سے پڑھا یا نہیں۔ لیکن اس جملہ کی زیادتی غریب ہے۔ ایک مرفوع روایت میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ لیکن یہ بھی ناقابل تسلیم ہے۔

---

[1] کہیں رکھ دو کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جہاں جی چاہے رکھ دو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب یہ آیات ہیں تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت کرو کہ یہ کہاں کی آیات ہیں ان کے بتانے کے مطابق ان کو شامل قرآن کر دو۔ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کی پوری ترتیب آیات کی بھی اور سورتوں کی بھی توقیفی ہے۔ اس میں کسی کی عقل و ادراک کو دخل نہیں۔

سُورَةُ یُونُس

سُورَةُ یُونُسَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّ تِسۡعُ اٰیَاتٍ فِیۡ اِحۡدٰی عَشَرَ رُکُوۡعًا

کُل رکوع: ۱۱ ﴿ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴾ کُل آیات: ۱۰۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ قف تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِیۡمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ط قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾

یہ پرحکمت (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں کیا اُن (مکہ کے) لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو (احکام خداوندی کے خلاف کرنے پر) ڈرایئے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنایئے کہ ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ کافر کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔ ○

حیرت کیوں ہو؟

حروف مقطعات جو سورتوں کے آغاز میں ہوا کرتے ہیں' ان پر کلام پہلے گزر چکا ہے اور سورہ بقر کے اوائل میں اس پر کافی سیر حاصل تبصرہ ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (الٓرٰ) سے انا اللہ اری مراد ہے۔ یعنی میں خدا ہوں اور سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ ضحاک وغیرہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ یہ قرآن محکم و مبین کی آیتیں ہیں مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ حسن کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد تورات و زبور ہیں۔ قتادہ کا خیال ہے کہ کتاب سے مراد وہ تمام الہامی کتابیں ہیں' جو قرآن سے قبل تھیں لیکن یہ خیال زیادہ صحیح نہیں ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا۔ کفار تو تعجب کرتے ہیں۔ اس پر اللہ پاک فرماتا ہے کہ اس تعجب کی کونسی بات ہے کہ پیغمبر جنس بشر سے ہوں۔ جیسا کہ اللہ پاک نے قرون ماضیہ کے کفار کا قول نقل فرمایا ہے کہ ﴿اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا﴾ یعنی بشر ہمیں ہدایت کرے گا؟ یہاں کافروں کی مراد ہود و صالح علیہ السلام سے تھی۔ ہود علیہ السلام صالح علیہ السلام کہتے ہیں' اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ اگر تمہیں میں سے کسی پر وحی بھیجی گئی اور اسے پیغامبر بنایا گیا۔ چنانچہ کفار قریش سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو سارے خداؤں ایک خدا بنا دیا اور یہ بڑی ہی عجیب بات ہے۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو عربوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ اللہ کی شان تو اس سے بڑی

ہے کہ محمد ﷺ جیسے شخص کو رسول بنا کر بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس تعجب کی کوئی بات نہیں: ﴿اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کے بارے میں اختلاف ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ قَدَمَ صِدْقٍ سے مراد ہے کہ پہلے ہی بیان پر تصدیق کرنا اور سعادت حاصل کر لینا ہے اور اپنے اعمال کا اجر حسن پانا ہے۔ یہ بالکل خدا تعالیٰ کے اس قول کے مشابہ ہے کہ: ﴿لِيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا﴾ یعنی تا کہ انہیں جنگ اور عذاب سخت سے ڈرائے۔ ﴿قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کے بارے میں مجاہد کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ مراد ہیں۔ جیسے نماز' روزہ' صدقہ' تسبیح اور شفاعتِ پیغمبر۔ قتادہ سلف صدق مراد لیتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد کی تائید کرتے ہوئے اعمال صالحہ مراد لیا ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ: لَهٗ قدم صِدْقٍ فِي الْاِسْلَامِ۔ حسان رضی اللہ عنہ کا شعر ہے

لنا ان القدم العليا اليك و خَلْفُنَا ☆ الاوّلنا فِي طَاعة الله تابعٌ

''ہمارے اعمال اور ہمارے طور طریق تمہارے ساتھ ہیں اور طاعتِ خداوندی کے بارے میں ہمارے اخلاق اپنے اسلاف کے تابع ہیں۔''

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے باوجود کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ پھر بھی یہ کافر کہتے ہیں کہ تو جادوگر ہے۔ یہ کافر بالکل جھوٹے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

بلاشبہ تمہارا رب (حقیقی) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کر دیا۔ پھر عرش (یعنی تخت شاہی) پر قائم ہوا۔ وہ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے (اس کے سامنے) کوئی سفارش کرنے والا (سفارش) نہیں (کر سکتا) بدوں اس کی اجازت کے ایسا اللہ تمہارا رب (حقیقی) ہے سو تم اس کی عبادت کرو (اور شرکت مت کرو) کیا تم (ان دلائل کو سننے کے بعد) پھر بھی نہیں سمجھتے۔ ○

خدائے کائنات ☆

ارشادِ باری ہے کہ اللہ تمام عالم کا پروردگار ہے۔ اس نے زمینوں اور آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا[1]۔ کہا گیا ہے کہ یہ دن ہمارے دنوں جیسے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہزار سال کا ایک دن تھا۔ جس کا بیان آگے آئے گا۔ پھر وہ عرشِ عظیم پر متمکن

[1] خدا تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے اور ان کا سارا کاروبار کن فیکون پر چلتا ہے لیکن بندوں کو عجلت پسندی سے روکنے کی تعلیم دیتے ہوئے دنیا کو چھ روز میں پیدا کیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تعجیل شیطان کو پسندیدہ ہے اور جناب رحمٰن اپنے امور کو تدریجاً انجام دیتے ہیں۔ اگرچہ بعض علما نے کہا ہے کہ کن فیکون کا تعلق زبان الٰہی سے ہے۔ جبکہ عالم کی تخلیق کے چھ دنوں کا تعلق زبان خلق سے ہے۔ کن فیکون کا مطلب زیادہ بہتری ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرمالیں تو وہ یقیناً ہوگی۔ تخلف نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ بعض امور میں ترتیب دنیا کے عام امور و حوادث کی طرح ملحوظ رہتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ہو گیا اور عرش سب مخلوقات میں سے بڑی مخلوق ہے۔ وہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ یا یہ کہ وہ بھی خدا کا ایک نور ہے۔ خدا تعالیٰ سارے خلائق کا مدبر سرپرست اور کفیل ہے۔ اس کی نگہداشت سے زمین یا آسمانوں کا ایک ذرہ بھی بچا چھوٹا نہیں۔ ایک طرف کی توجہ اس کو دوسری طرف کی توجہ سے نہیں روک سکتی۔ اس کے لئے کوئی بات بھی غلط طور پر باقی نہیں رہ سکتی۔ پہاڑوں' سمندروں' آبادیوں اور جنگلوں میں کہیں بھی کوئی بڑی تدبیر چھوٹی طرف دھیان سے اس کو نہیں روک سکتی۔ کوئی جاندار بھی دنیا میں ایسا نہیں' جس کا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو۔ ایک چیز بھی حرکت کرتی ہے' ایک پتہ بھی گرتا ہے تو وہ اس کا علم رکھتا ہے۔ زمین کی تاریکیوں میں کوئی ذرہ ایسا نہیں اور نہ کوئی تر و خشک ایسا ہے جو اس کی لوح محفوظ یعنی کتاب علم میں نہ ہو۔ جس ذلت وقت یہ آیت اُتری: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کہ مسلمانوں کو ایک بڑا قافلہ آتا دکھائی دیا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ بدوی لوگ ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ تو کہا ہم جن ہیں۔ اس آیت کے سبب ہم شہر سے نکل پڑے ہیں اور قولہ تعالیٰ ﴿مَامِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ اور ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ......﴾ یعنی ان لوگوں نے عبادت کے لئے خدا تعالیٰ ہی کی ذات کو خاص کر لیا ہے اور اے مشرکو! تم عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خداؤں کو بھی شریک کر لیتے ہو۔ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ پیدا کرنے والا خدا ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم ان سے پوچھو کہ تمہیں کس نے پیدا کیا؟ تو اعتراف کر لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اگر پوچھو کہ عرش عظیم اور ساتوں آسمانوں کا خدا کون ہے؟ تو فوراً بول اُٹھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تو پھر ان سے پوچھو کہ اس خدا سے ڈرتے کیوں نہیں ہو اور شرک کیوں کرتے ہو۔

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ④

تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اللہ نے اس کا سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی (قیامت کو) پیدا کرے گا تا کہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انصاف کے ساتھ (پوری پوری) جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے (آخرت میں) کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہو گا ان کے کفر کی وجہ سے ○

کائنات درہم برہم ہو جائے گی ☆

اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ قیامت کے روز مخلوق کا رجوع اس طرح ہو گا۔ ہر متنفس جس کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ ضرور وہ پھر اس کی طرف لوٹایا بھی جائے گا کیونکہ جیسے پہلے پیدا کیا تھا' دوبارہ بھی اس کو پیدا کر سکتا ہے اور نیک اعمال کی جزا عدل کے ساتھ دے گا۔ کم نہ کرے گا اور کافروں کو ان کے کفر کے سبب قیامت میں مختلف عذاب دیئے جائیں گے۔ جیسے کہ گرم ہوائیں' کھولتا ہوا پانی اور اسی طرح کے دوسرے سخت عذاب۔ یہ جہنم جسے یہ کافر جھٹلا رہے ہیں۔ اسی میں رات دن ان کا ٹھکانا ہو گا اور گرم

پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پانی پینے کو ملے گا۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝۶

وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو بھی نورانی بنایا اور اس (چال) کے لئے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کریں۔ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بنا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں۔ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے (توحید کے) دلائل ہیں جو (خدا کا) ڈر مانتے ہیں۔ ○

آفتابِ جہاں تاب اور بدرِ منیر ☆

اللہ پاک اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت پر اور عظمت سلطنت پر دلالت کرنے والی کیسی کیسی نشانیاں قائم کیں۔ شمس سے نکلنے والی شعاعوں کو اس نے تمہارے لئے ضیا بنایا اور قمر کی روشنی کو تمہارے لئے نور بنایا۔ روشنی شمس الگ قسم کی ہے اور روشنی قمر الگ نوعیت کی ہے۔ روشنی ایک ہی ہے۔ پھر بھی دونوں میں بڑا فرق ہے کہ ایک روشنی دوسری سے میل نہیں کھاتی[1]۔ دن میں سورج کی بادشاہت ہے تو رات میں چاند کی۔ اجرام سماوی دونوں لیکن سورج کے منازل نہیں مقرر کیے اور چاند کے منازل مقرر کیے۔ پہلی تاریخ کو چاند نکلتا ہے۔ تو بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے۔ پھر اس کی روشنی بھی بڑھتی جاتی ہے اور جرم بھی بڑھتا ہے۔ حتیٰ کہ کامل ہو جاتا ہے گول دائرہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور پورے ایک مہینے کے بعد پھر اپنی حالت اول پر آ جاتا ہے ہے جیسا کہ فرمایا اللہ پاک نے: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ......﴾ قمر کے لئے ہم گھٹنے اور بڑھنے کے منازل مقرر کر دیے ہیں کہ وہ گھٹ گھٹ کر پرانی سوکھی ٹہنی کے مانند ہو جاتا ہے۔ نہ تو سورج چاند کو جا پکڑتا ہے اور نہ رات ہی دن سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے ضابطہ اور قانون کی رو سے اپنے اپنے مدار پر گھوم رہا ہے اور قولہ تعالیٰ ﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ شمس اور قمر کا اپنا اپنا حساب ہے۔ اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ شمس کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں اور قمر کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا حساب لگتا ہے۔
اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ شمس کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں اور قمر کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا حساب لگتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ان کو عبث نہیں پیدا کیا ہے۔ بلکہ خلق عالم میں ایک حکمت عظیمہ پنہاں ہے اور اس کی قدرت پر حجۃ بالغہ ہے۔ جیسا

[1] یہ ٹھیک بھی ہے۔ کیونکہ آفتاب کی روشنی حرارت لئے ہوئی ہے اور چاند کی روشنی ٹھنڈی اور نورانی ہے۔

کہ فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ......﴾ یعنی ہم نے آسمان وزمین و مافیہا کو بے کار نہیں پیدا کیا ہے۔ یہ کافروں کا گمان ہے۔ کافروں پر دوزخ کی ہلاکت ہے اور قولہ تعالیٰ ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ......﴾ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے۔ عبث پیدا ہو کر تم عبث مر گئے اور پھر ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند و بالا ہے۔ وہ خدائے واحد رب عرش کریم ہے۔ آیات آیات کا مطلب یہ ہے کہ ہم حجت و دلائل کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں۔ اختلاف لیل ونہار کا مطلب یہ ہے کہ دن جاتا ہے تو رات آتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن آتا ہے۔ ایک دوسرے پر غالب آ کر قرار پذیر نہیں ہو جاتا جیسا کہ قول باری ہے: ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا﴾ رات دن پر چھا جاتی ہے اور دن رات پر چھا جاتا ہے مگر کیا مجال کہ سورج چاند سے جا ملے۔ قولہ تعالیٰ ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا﴾ صبح کو پو پھٹتی ہے اور رات سکون سے گزر جاتی ہے خدا تعالیٰ نے آسمان وزمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ اس بات کی نشانیاں ہیں کہ اس کی قدرت کتنی عظیم ہے۔ جیسا کہ قول خداوندی ہے۔ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ زمین و آسمان میں خدا کی کتنی ہی نشانیاں بھری پڑی ہیں ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ......﴾ غور کرو کہ آسمان و زمین میں کیا کچھ نشانیاں نہیں اور کافروں کو متنبہ کرنے والے کیا کیا دلائل نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا وہ آسمان وزمین میں اِدھر اُدھر اپنے آگے اور پیچھے نظر نہیں ڈالتے۔ یہ نشانیاں عقل والوں کے لئے ہیں اور خدا کے عتاب و عذاب سے بچنے والوں کے لئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں (آخرت کی طلب اصلاً نہیں کرتے) اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (آئندہ کی کچھ فکر نہیں) اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔ ○

دُنیاوی زندگی پر قناعت ☆

جو اشیاء کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملنے کا انکار کرتے ہیں اور رویت باری کا ذرا بھی یقین نہیں۔ صرف حیات دنیوی کے طالب ہیں اور اسی دنیا سے وہ خوش ہیں۔ اس آیت میں انہیں سے متعلق خبر دی گئی ہے۔ حسن کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ان کافروں نے حیات دنیوی کو نہ تو زینت دی نہ اس کو مرتفع کیا اور پھر اس حیات سے راضی بھی ہو گئے۔ وہ خدا کی آیات کونیہ سے بڑے ہی غافل ہیں ذرا بھی اپنی زیست پر غور و تدبر نہیں کرتے۔ قیامت کے روز ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ ٹھیک بدلہ ہے ان کے اعمال دنیاوی کا۔ کیونکہ خدا اور رسول خدا اور یوم آخرت سے انہوں نے جو انکار کیا اور جو معاصی اور جرائم کہ انہوں نے

کے ان کا تقاضا یہی تھا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰

(اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کا رب ان کو بوجہ ان کے مومن ہونے کے ان کے مقصد (یعنی جنت) تک پہنچا دے گا۔ ان کے (مسکن کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی چین کے باغوں میں۔ ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا السلام علیکم اور ان کی (اس وقت کی ان باتوں میں) اخیر بات یہ ہوگی الحمد للہ رب العالمین ۝

حسن انجام ☆

یہاں ان سعادت مندوں کو خبر دی جاری ہے جو ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔ فرمانبرداریاں کیں۔ نیک عمل کئے اور یہ وعدہ کیا گیا کہ ان کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں ہدایت بخشی جائے۔ یہاں: ﴿بِاِیْمَانِهِمْ﴾ کا (ب) سببیہ ہو سکتا ہے۔ یعنی دنیا میں ان کے ایمان لانے کا سبب قیامت کے روز صراط مستقیم پر اللہ تعالیٰ انہیں قائم رکھے گا۔ حتیٰ کہ وہ اس کو طے کر لیں گے اور جنت تک جا پہنچیں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ (ب) استعانۃ کی ہو۔ جیسے کہ مجاہد نے کہا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایک نور ہوگا۔ جس کی مدد سے وہ راستہ چلیں گے اور ابن جریر کا قول ہے کہ ان کے اعمال ایک اچھے مجسمہ اور ہوائے خوشبودار کی شکل میں ہوں گے اور جب قبر سے اٹھیں تو یہ خوبصورت مجسمے ان کے آگے آگے چلیں گے اور انہیں ہر طرح خیر کی خوشخبری دیتے رہیں گے اور جب وہ نیکوکار پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم تمہارے اعمال صالحہ ہیں۔ اب وہ اس کے سامنے نور بن کے چلتے رہیں گے اور جنت تک اسے لا چھوڑیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ﴿یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ﴾ اور کافر کے اعمال نہایت بدصورت شکل میں ہوں گے اور نہایت بدبودار جسم اختیار کریں گے۔ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ چمٹے رہیں گے اور دوزخ میں لا گرائیں گے۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔

اہل جنت کا یہ حال ہوگا کہ ان کی زبان پر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ہوگا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب ان کے پاس سے کوئی پرندہ اڑتا گزرے گا۔ جس کی خواہش انہیں پیدا ہوگی۔ تو مذکورہ بالا کلمہ زبان پر لائیں گے۔ یہی ان کا بلاوا ہوگا۔ تو ایک فرشتہ ان کی مرغوبات لے کر حاضر ہو جائے گا۔ سلام کرے گا۔ وہ جواب سلام دیں گے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ﴾ وہ جب کھا چکیں گے تو اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد کیا کریں گے۔ اسی لئے کہا کہ: ﴿اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ جب اہل جنت کوئی کھانے کی چیز منگوانا چاہیں گے تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے۔ تو اس کے پاس

دس ہزار خادم سونے کے خوان لئے حاضر ہو جائیں گے کہ ہر خوان میں ایک تازہ تازہ کھانا ہوگا۔ وہ ہر ایک میں سے کچھ نہ کچھ کھائے گا۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کوئی چیز مانگے گا تو سُبْحَانَکَ کہے گا اور یہ آیت: ﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ﴾ والی آیت کے مشابہ ہے اور قولہ تعالیٰ: ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا﴾ وغیرہ یہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رب پاک ہمیشہ ہمیشہ محمود ہے اور ہمیشہ کا محمود ہے۔ اسی لئے ابتدائے خلق میں بھی اس نے اپنی ذات کی حمد فرمائی اور استمرار حال میں بھی ابتدائے قرآن میں بھی اور ابتدائے تنزیل میں بھی۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ......﴾ جس کی شرح احوال بہت طویل و بسیط ہے۔ وہ اول و آخر محمود ہے خواہ دنیا ہو یا دین ہو۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو تسبیح و تحمید سکھائی گئی جیسا کہ نفس کی خواہشات بھی انہیں دی گئی اور جیسے جیسے اللہ کی نعمتیں ان پر بڑھتی جائیں گی، یہ تسبیح و تحمید بھی مستزاد ہوتی جائے گی۔ نہ اس کا اختتام ہوگا نہ انقضاء خدا کے سوا کوئی اور پالنے والا نہیں۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر (ان کے جلدی مچانے کے موافق) جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا۔ جس طرح وہ فائدہ کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان سے وعدہ (عذاب) کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔ سو (اس لئے) ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ان کے حال پر (بلا عذاب) چند روز چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ○

مصلحت مانع ہے ☆

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے لطف و حلم کی خبر دے رہا ہے کہ اگر اپنی تنگ دلی اور غصہ کے سبب اپنی جان اور مال اور اولاد کو کوستا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بددعا قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ بددعا کچھ دلی ارادہ سے نہیں کی گئی ہے۔ یہ خدا کی عین رحمت و کرم کا اقتضا ہے لیکن وہ دعا قبول کر لیتا ہے اگر وہ اپنے نفسوں اور مال اولاد کے لئے کریں اور اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں مصیبت پہنچانے میں بھی ایسی ہی جلدی کرے جیسے کہ انسان اپنی خیر کے لئے جلدی کرتا ہے تو اس کے لئے تو نہ آتی موت آ جائے لیکن انسان کے لئے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ بار بار ایسا کہنے لگے اور بددعائیں دینے کی عادت ہی ڈال لے جیسے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے کو کوسا نہ کرو اور نہ اپنی اولاد کو اور اموال کو بددعائیں دو کیونکہ کوئی گھڑی قبولیت دعا کی ہوتی ہے اگر اس وقت بددعا زبان سے نکل گئی تو کارگر ہی ہو کر رہے گی۔ مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ بددعا انسان کا قول ہے جو غصہ کے وقت اپنے یا اپنے اموال و اولاد کے لئے کرتا ہے۔ ایسی صورت میں چاہئے کہ آدمی فوراً یہ کہہ لے اَللّٰهُمَّ لَمَا تَبَارَكَ فِيْهِ۔ یعنی اے خدایا! اس بات میں برکت نہ دے ورنہ اس کی بات قبول ہو جائے تو اس کا ستیاناس ہی ہو جائے گا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ

لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی بیٹھے بھی کھڑے بھی پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال (بد) ان کو اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں (جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے) ○

انسان کا بھی عجیب حال ہے:

اس آیت کے ذریعہ اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ جب انسان کو کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاءٍ عَرِيْضٍ﴾ یعنی مصیبت پڑتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ سابقہ آیت اور یہ آیت دونوں ہم معنی ہیں کیونکہ جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو بے تاب اور بے صبر ہو جاتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' مصیبتوں کے بادل ہٹ جانے کی دعا مانگتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس کو پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات دیتا ہے تو اب اعراض کر جاتا ہے۔ پہلو تہی کرتا ہے جیسے کبھی اس پر مصیبت آئی ہی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس شیوہ کی مذمت فرماتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ بات تو گنہگاروں اور بدکاروں ہی کو زیب دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنہیں ہدایت و توفیق عطا فرمائی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے۔ جو کچھ منجانب اللہ اس پر واقع ہوتا ہے اس کے لئے خیر ہی بن جاتا ہے۔ مضرت پہنچی اور اس نے صبر کیا تو اجر ملا۔ راحت و مسرت پہنچی اور شکر کیا تو اجر ملا۔ یہ نوازش تو صرف مومن ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے تم سے پہلے گروہوں کو (انواع عذاب سے) ہلاک کر دیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا (یعنی کفر و شرک) حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور (بوجہ غایت عناد کے) ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے۔ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ (جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے) پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو آباد کیا تاکہ (ظاہری طور پر) ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔ ○

ہلاک شدہ قومیں ☆

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ سابقہ رسل جب ان کافروں کے پاس بین دلائل اور واضح براہین لے کر آئے تھے انہوں نے تکذیب کی تھی تو کیسے ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ پھر اللہ پاک نے ان کے بعد اس قوم کو پیدا کیا ہے اور ان کے اپنا ایک رسول بھیجا ہے اور دیکھنا چاہا کہ یہ بھی اپنے رسول وقت کی بات سنتے ہیں یا نہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا بڑی شیریں اور بڑی سرسبز ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تم کو سابقہ قوم کا جانشین بنایا ہے۔ تا کہ دیکھے تم کیسا عمل کرتے ہو۔ چاہئے کہ دنیا کی ناجائز خواہشات سے الگ تھلگ ہی رہو اور بڑی بات یہ ہے کہ عورتوں سے بہت محتاط رہو کیونکہ پہلا فتنہ جو بنی اسرائیل پر آیا وہ عورتوں کا فتنہ تھا[1]۔

ایک دفعہ عوف بن مالکؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اپنا خواب بیان کیا کہ گویا ایک رسی آسمان سے لٹکی ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو کھینچ لیا۔ پھر وہ آسمان سے متعلق ہو گئی تو اب اس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھینچ لیا۔ پھر لوگ منبر کے اطراف اس کو ناپنے لگے اور عمر رضی اللہ عنہ کے ناپ میں وہ منبر سے تین ہاتھ لمبی نکل آئی۔ وہاں عمرؓ تھے۔ عمرؓ نے سن کر کہا "ارے تمہارا خواب چھوڑو بھی' کہاں کا خواب اور ہمیں اس سے کیا واسطہ۔ لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عوف سے کہنے لگے' عوف! تم اپنا خواب تو سناؤ۔ عوف نے کہا' اب خواب کی کیا پڑی ہے۔ تم نے تو مجھے اس کے سنانے پر جھڑک دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم نفس صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول ﷺ کی خبر مرگ سناؤ۔ پھر عوف نے خواب بیان کیا۔ حتیٰ کہ جب یہاں پہنچے کہ لوگ منبر تک تین تین ہاتھ اسے ناپنے لگے تو عمرؓ نے کہا کہ ایک تو ان تین میں سے خلیفہ تھا۔ یعنی ابوبکرؓ اور دوسرا وہ خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت و ناراضی کی پروا نہیں کرتا اور تیسرے ہاتھ پر اختتام کا مطلب یہ ہے کہ وہ شہید ہو گا۔ عمرؓ نے کہا۔ قولہ تعالیٰ ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ اب ہم تم کو خلیفہ بناتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔ چنانچہ اے عمرؓ! اب تو خلیفہ بنا ہے اور کرتے وقت سوچ کہ کیا کر رہا ہے۔ لومۃ لائم سے نہ ڈرنے کا جو ذکر عمرؓ نے کیا وہ احکام خداوندی کے بارے میں تھا اور لفظ شہید سے حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ میرے لئے شہادت مقدر ہے اور اس وقت ہے کہ سارے لوگ میرے فرمانبردار ہوں گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

[1] عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور اچھا معاملہ اور چیز ہے اور ان کو اپنے دینی اور دنیاوی کاموں میں امام بنا لینا اور چیز ہے۔ دنیا میں یا عورت کے ساتھ افراط سے کام لیا گیا ہے یا پھر تفریط سے۔ بعض قوموں نے ان کو ایک گندی اور نجس چیز قرار دے کر ہر طرح کا ظلم ان پر روا رکھا ہے اور بعض نے ملک کی باگ ڈور تک ان کے سپرد کر دی ہے۔ اسلام اپنے معتدل مزاج کے پیش نظر عورت کو اس کا صحیح مقام دینے کی سفارش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آنکھ کی ٹھنڈک بھی ہے اور شیطان کا جال بھی۔ تم ان سے ان حدود میں فائدہ اٹھاؤ جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا اور ان حدود میں اس سے بچو جو حدود ان کے لئے قطعاً مناسب نہیں۔

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (آپ سے) یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی (پورا) دوسرا قرآن (ہی) لائیے یا (کم سے کم) اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں۔ بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعے سے پہنچا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ میں تم کو یہ (کلام) پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا کیونکہ اسے پہلے بھی تو میں ایک بڑے حصہ تک تم میں رہ چکا ہوں پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے۔ ○

کیسا غلط مطالبہ ☆

مشرکین قریش میں سے جو سرکش کافر تھے اور جو ہر بات سے انکار اور اعراض کرتے تھے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اللہ کی کتاب انہیں سناتے ہیں اور دلائل واضح پیش کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لاؤ۔ جو دوسرے ڈھنگ سے لکھا ہوا ہو[1]۔ اب اللہ پاک اپنے نبی سے ارشاد فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ بھلا مجھے کیا حق ہے کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں۔ میں تو ایک بندۂ مامور ہوں اور خدا کا پیام پہنچانے والا ہوں ایک قاصد ہوں۔ یہ جو کچھ میں نے تمہیں پیش کیا ہے۔ یہ خدا ہی کی مشیت اور ارادے سے ہوا ہے۔ میں وہی کہتا ہوں جو مجھ سے وحی اُترتی ہے۔ اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب قیامت کا سخت خوف ہے اور اس بات کی دلیل کہ یہ میری طرف سے بنائی ہوئی باتیں نہیں ہیں۔ یہ ہے کہ میں اگر بنا سکتا تو تم بھی بنا سکتے[2]۔ حالانکہ تم بھی اس کے بنانے سے عاجز ہو۔ تو پھر میں کیسے عاجز نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ خدا کے سوا اور کسی کا کلام نہیں ہوسکتا اور پھر یہ کہ تم میری صداقت اور امانت کو اس وقت سے جانتے ہو جب سے کہ میں تمہاری قوم میں پیدا ہوا ہوں اور اب بھی میری صداقت کو جانتے ہو جب کہ میں تمہاری طرف مبعوث ہو کر آیا ہوں۔ تم میری صداقت و سچائی پر کوئی حرف نہیں کر سکتے۔ اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ کہہ دو کہ میں تو ایک طویل زندگی تمہارے ساتھ گزاری ہے۔ ارے کیا تم کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ حق اور باطل کو الگ الگ کر سکو۔ اسی لئے جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں سے نئے نبی کے حالات دریافت کئے اور ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا کبھی اس کا جھوٹ تم پر ثابت ہوا ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا نہیں۔ ابوسفیان تو اس زمانہ میں کافروں کے سردار اور مشرکین کے قائد تھے لیکن باوجود اس کے حق بات کا انہیں اعتراف کرنا پڑا۔ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ تو ہرقل نے ان سے کہا کہ جس شخص نے کبھی انسانوں کے معاملہ میں جھوٹ نہ کہا ہو۔ وہ خدا کے معاملہ میں کیسے جھوٹ کہے گا؟ اور جعفر بن ابی طالب نے نجاشی ملک روم سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جس کی ذاتی سچائی اور نسب کی خوبی اور امانت سے ہم خوب واقف ہیں اور نبوت سے پہلے آپ کا قیام ہمارے ساتھ چالیس برس تک رہا ہے۔ سعید بن المسیب ۴۳ برس تک کہتے ہیں اور صحیح تر قولِ اوّل ہے۔

[1] کیونکہ اس قرآن میں بیشتر ان امور کا ذکر تھا۔ جن کا کرنا یا ترک کرنا ان پر نہایت شاق تھا۔

[2] کیونکہ تم بھی عرب کے رہنے والے ہو اور میں بھی۔ بلکہ تم تو پڑھے لکھے بھی ہو اور میں تو امی ہوں۔ اس لئے تمہارے لئے تو اس قرآن جیسا کوئی دوسرا کلام تیار کر دینا ممکن ہونا چاہئے تھا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

سواس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلا دے یقیناً ایسے مجرموں کو اصلاً فلاح نہ ہوگی (بلکہ معذب ابدی ہوں گے)○

پھر اب تو جرم کی نوعیت بڑھ گئی ☆

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور سرکش کون ہوسکتا ہے۔ جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے۔ خدا کے بارے میں جھوٹی باتیں بناتا ہے اور جھوٹ موٹ یہ دعویٰ کر بیٹھتا ہے کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی مجرم اور گنہگار نہیں ہوسکتا۔ یہ بات تو کسی نبی سے چھپی ڈھکی نہیں تو دانشمندوں اور انبیاء سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ جو نبوت کا دعویٰ کرے۔ خواہ وہ جھوٹا ہو یا سچا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیکوکاری اور بدکاری پر دلائل قائم کر دیتا ہے جو اظہر من الشمس ہوتے ہیں۔ چنانچہ محمد ﷺ اور مسیلمہ کذاب کو جس نے دیکھا ہے۔ وہ دونوں کا فرق بالکل اس طرح پہچان سکتا ہے کہ جیسے کوئی دن چڑھنے کی روشنی اور آدھی رات کی تاریکی میں فرق کر لیتا ہے۔ اب دونوں کی خصلتوں' افعال اور کلام کا موازنہ کرو تو صاف طور پر بصیرت ہو جائے گی کہ محمد ﷺ کے قول و فعل میں کس قدر صداقت ہے اور مسیلمہ کذاب اور سجاح اور اسود عنسی میں کس قدر کذب و بے ایمانی ہے۔

عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کے آنے پر بڑے خوش ہوئے۔ خوش ہونے والوں میں میں بھی تھا۔ میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تو ادل نے گواہی دی کہ حاشا وکلا یہ نورانی چہرہ تو کسی جھوٹے شخص کا ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے آپ کی زبان سے پہلے جو بات سنی وہ یہ کہ "اے لوگو! آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرو۔ فلاح کی خدا سے دعا مانگو۔ غریبوں اور بھوکوں کا پیٹ بھرو۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ راتوں کو نماز پڑھو جب کہ سب لوگ سوئے ہوئے ہوں[1] تم بلا کھٹکے جنت میں جا پہنچو گے۔"

ضمام بن ثعلبہ اپنی قوم سعد بن بکر کی طرف سے جب نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ سے کہا کہ اچھا بتائیے کہ یہ آسمان کس نے اس قدر بلند بنایا؟ آپ ﷺ نے کہا' اللہ تعالیٰ نے۔ پھر کہا' یہ پہاڑ کس نے زمین کے اندر قائم کر دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ پھر پوچھا یہ زمین کس نے بچھادی ہے۔؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ پھر کہا کہ قسم ہے تمہیں اسی کی جس نے یہ اونچا آسمان بنایا یہ بڑے بڑے پہاڑ زمین میں گاڑے اور اتنی بڑی وسیع زمین کو پھیلا رکھا ہے' کیا اسی نے تم کو سب انسانوں کی طرف رسول ﷺ بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں۔ اسی خدا کی قسم کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے۔ پھر آپ ﷺ سے صلوٰۃ' زکوٰۃ' حج اور صیام کے بارے میں ہر ایک سے متعلق قسمیں دے دے کر پوچھا اور آپ ﷺ اسی خدا کی قسمیں کھا کھا کر جواب دے رہے تھے۔ تو اس نے کہا۔ پھر تو سچے ہو اور جس نے ذاتِ خداوندی نے تمہیں سچا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں ان ارکان اربعہ پر نہ زیادہ کروں گا نہ کم۔ صحیح طور پر عمل کروں گا چنانچہ اس قدر تعمیل اس کے لئے کافی ہوگی اور وہ نبی ﷺ کی

[1] تہجد کی نماز مراد ہے۔ کیونکہ تہجد کی نماز ں پر شاق بھی بہت ہے اور اسی لئے اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے۔

صداقت پر ایمان لے آیا کیونکہ اس نے شواہد اور دلائل پالئے تھے۔ حسان بن ثابت کہتے ہیں:

لولم تکن فیه اٰیات مبیّنه ☆ کانت بدیهیة تاتیكَ بالخَیر

یعنی دلائل اگر آپ کے پاس نہ بھی ہوتے تو آپ کے چہرہ کی پاکیزگی' سادگی اور معصومیت خود آپ کی صداقت و حقانیت کی دلیل تھی لیکن مسیلمہ کذاب کو صاحبان بصیرت میں سے جس کسی نے دیکھا' وہ اس کے رکیک اقوال' رذیلانہ گفتگو' غیر فصیح کلام اور افعال قبیحہ اور اس کے جھوٹے اور ادعائے قرآن کو دیکھ کر جو اس کو دوزخ میں لے جا کر چھوڑے گا۔ یہ نتیجہ نکال لے گا کہ وہ کیسا جھوٹا مدعی نبوت تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ (الیٰ آخرہ) اور مسیلمہ کے قول: یَا ضفدع بنت ضفدعین نقی کم تنقین لا الماء تکدرین ولا الشارب تمنعین۔ اے مینڈکوں کی اولاد مینڈک ٹرا کتنا ٹراتی ہے۔ تیرے ٹرانے سے نہ پانی گدلا ہوگا نہ پینے والے باز رہیں گے اور ایک اس ظالم کی وحی ہے کہ: لقد انعم الله علی الحبلی اذا خرج منها نسیة تسعی من بین صفاق وحشی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی احسان کیا ہے حاملہ عورت پر کہ ایک زندہ روح کو اس کی جھلی اور آنتوں کے اندر سے نکال باہر کیا اور: الفیل وما الفیل وما ادراك مالفیل له ذنب قصیر و خرطوم طویل۔ ہاتھی' ہاتھی یعنی کیسا۔ کیا تم سمجھے کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔ اس کی دُم چھوٹی ہوتی ہے اور سونڈ لمبی ہوتی ہے اور والعاجنات عجنا والخابزات خبزا واللاقمات لقما اهالة وسمنا ان قریشا قوم یعتدون قسم ہے آٹا گوندھنے والیوں کی۔ روٹی پکانے والیوں کی۔ سالن اور گھی میں لقمے چور چور کر کھانے والیوں کی کہ قریش بڑی ہی ظالم قوم ہے۔ اب حضرت ﷺ کی وحی پاک اور اس کاذب کی خرافات وہذیانات دونوں پر غور کرو کہ بچے بھی اس کے کلام کا مذاق اڑائیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کر دیا اور یوم حدیقہ میں اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کی جماعت پراگندہ ہوگئی۔ اس کے ساتھیوں پر لعنت برسی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت اس کے لوگ توبہ کرتے ہوئے آئے اور دین اللہ میں داخل ہونے لگے۔ تو خلیفہ رسول ﷺ صدیق اکبرؓ نے ان سے کہا کہ مسیلمہ کا کوئی قرآن تو سناؤ' تو انہوں نے معافی مانگی۔ حضرت صدیقؓ نے اصرار کیا اور کہا ضرور سنانا ہوگا۔ تاکہ اور لوگ بھی سنیں اور انہیں ہدایت وعلم والی جو وحی پہنچی ہے۔ اس کی افضلیت واہمیت کو بعد از موازنہ پہچان سکیں۔ چنانچہ ہم نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ سنایا۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کم بختو تمہاری عقلیں کدھر گئیں۔ خدا کی قسم یہ تو کسی بیوقوف کی زبان سے بھی نہ نکلے گا۔

کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص مسیلمہ کے پاس آئے۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ اس کے دوست تھے۔ اب تک عمرو بن العاص اسلام لائے نہیں تھے۔ تو ان سے مسیلمہ نے کہا کہ اے عمرو! تمہارے آدمی (نبی ﷺ) پر آج کل کیا وحی اُتری ہے تو ابن العاص نے کہا کہ میں نے ان کے اصحاب کو ایک بڑی زبردست سورت لیکن مختصر پڑھتے سنا ہے۔ پوچھا کیا؟ عمرو نے کہا: ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ......﴾ مسیلمہ نے تھوڑی دیر سوچا اور کہنے لگا مجھ پر بھی ایک ایسی ہی وحی اُتری ہے۔ عمرو نے پوچھا وہ کیا ہے؟ تو کہا: یاوبر یاوبر انما انت اذنان و صدرو سائرك حقرو نقر۔ اے وبر اے وبر (جانور) تیرے دو کان اور اُبھرا ہوا سینہ ہی نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ باقی تمام جسم تو ہیچ پوچ ہے۔ پھر کہنے لگا کیوں عمر! وحی کیسی رہی؟ تو عمر بن العاص نے کہا خدا کی قسم تم خود جانتے ہو کہ مجھے تمہاری وحی کے کذب کا یقین ہے۔ جب ایک مشرک کا یہ حال ہو کہ نبی ﷺ کی صداقت اور مسیلمہ کا کذب اس پر بھی مخفی نہیں تو صاحبان بصیرت پر یہ بات کب پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ اسی لئے اللہ پاک

فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْقَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ﴾ (الانعام: ۹۳) اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر وحی اُترتی ہے۔ حالانکہ اس پر وحی نہیں اُترتی ہے۔ یا یہ کہتا ہے کہ پیغمبر کی طرح میں بھی پیغمبر ہوں اور ایسا ہی وہ شخص بھی بڑا جھوٹا ہے جو پیغمبر کی پیش کی ہوئی وحی کو جھٹلا دے۔ جس پر کہ خدا کی دلیلیں قائم ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ وہ بڑا ہی کم بخت اور ظالم ہے۔ جس نے نبی کو قتل کیا یا کسی نبی نے اس کو قتل کر دیا ہو۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور یہ لوگ اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے اور تمام آدمی ایک ہی طریقے کے تھے (پھر اپنی کجرائی سے) انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلافات کر رہے ہیں۔ ان کا فیصلہ (دنیا میں) ہو چکا ہوتا۔ ○

غلط فہمی' شفاعت کا غلط تصور اور اتحاد کے بعد اختلاف ☆

اللہ تعالیٰ سرزنش کرتا ہے ان مشرکوں کو جو خدا کو چھوڑ کر ان جھوٹے معبودوں کی پرستش کرتا ہے۔ جو نہ خدا کے پاس سفارش کر سکتے ہیں (جیسا کہ ان مشرکین کا خیال ہے) نہ مضرت پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ وہ جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَایَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ﴾ یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو چیز نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں ہے۔ پھر شرک اور کفر سے اپنی ذات کریمہ کو منزہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ﴿سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ شرک لوگوں میں پیدا ہو گیا۔ اس کا وجود نہیں تھا لیکن ہو گیا۔ سب لوگ دین واحد پر تھے اور وہ ابتدا ہی سے اسلام تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان دس قرن گزرے۔ یہ سب لوگ آدمؑ کے سچے دین پر تھے۔ پھر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور بتوں کی لوگ عبادت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؑ دلائل و براہین کے ساتھ بھیجے۔ جس نے خدا کی دلیل کو چھوڑ دیا وہ ہلاک

ہو گیا اور جس نے دلیل کو لے لیا وہ سلامت بچ گیا۔ وقولہ تعالیٰ ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتا جب تک کہ پیغمبروں کو بھیج کر اس پر دلیل و حجت نہ قائم کر دے۔ اللہ تعالیٰ تو مخلوق کو ایک وقت مقررہ تک زندہ رکھتا ہے پھر مار دیتا ہے اور جس کے بارے میں وہ آپس میں اختلافات رکھتے تھے' قیامت کے روز اس کا فیصلہ کر دے گا۔ مومنین کامیاب رہیں گے اور کافر ذلیل رہیں گے۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوا سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کی خبر صرف خدا تعالیٰ کو ہے (مجھ کو نہیں) سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں ۔O

انتظار ☆

یہ کافر کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کو بھی دلیل نبوت ایسی کیوں نہ ملی جیسے صالح کو ناقہ ملی یا یہ کہ کوہ صفا سونا کیوں نہیں بن گیا۔ یا مکہ کے پہاڑ مکہ سے ہٹ کر اس کی جگہ باغ اور نہریں کیوں نہیں بن گئیں۔ جب خدا قادر ہے تو ایسا ہونا چاہئے تھا لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ خدا اپنے افعال میں بڑا ہی قادر ہے اور حکیم ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ...... ﴾ باری تعالیٰ کی ذات مبارک اگر چاہے تو تمہارے لئے اس سے بھی اچھے باغات پیدا کر دے۔ جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور اس کے اندر محل ہوں لیکن انہوں نے تو قیامت کا انکار کر دیا ہے اور قیامت کا انکار کرنے والے کے لئے تو ہم نے دوزخ کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مخلوق کے بارے میں میرا اصول یہ ہے کہ وہ جو معجزہ مانگتے ہیں' میں دیتا ہوں۔ اب وہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے تو بہتر ورنہ جلد تر ان پر عذاب نازل کر دیتا ہوں۔ پھر قیامت کی مہلت نہیں دیتا۔ اسی لئے جب اللہ پاک نے نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ ان دو باتوں میں سے اختیار کر لو کہ میں ان کے حسب الطلب معجزہ دوں' وہ ایمان لائے فبہا ورنہ عذاب فوری دے دیئے جائیں گے اور دوسری بات یہ کہ میں انہیں مرتے دم تک مہلت دوں کہ اصلاح پذیر ہو جائیں۔ تو حضرت ﷺ نے امت کے بارے میں دوسری بات یہ کہ میں انہیں مرتے دم تک مہلت دوں کہ اصلاح پذیر ہو جائیں۔ تو حضرت ﷺ نے امت کے بارے میں دوسری بات کو اختیار فرمایا۔ جیسا کہ بیسیوں بار نبی ﷺ کا حکم ان کافروں کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔ اللہ پاک نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ کہہ دو کہ ہر چیز خدا کے اختیار میں ہے۔ امور کے عواقب اور نتائج کو وہی جانتا ہے۔ اگر تم اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر ایمان نہیں لانا چاہتے ہو تو میرے اور اپنے بارے میں خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ حالانکہ انہوں نے نبی ﷺ کے بعض ایسے معجزات بھی دیکھے جو ان کے مطلوبہ معجزات سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ یعنی حضرت ﷺ نے ان کی آنکھوں کے سامنے چودھویں کے چاند کو انگلی سے اشارہ کر دیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک پہاڑ کے اس طرف اور ایک اس طرف ہو گیا۔ یہ تو زمین پر سرزد ہونے والے معجزات سے بھی بڑا معجزہ تھا اور مسئول اور غیر مسئول ہر نشانی سے افضل تھا۔ اب بھی اگر خدا کے علم میں ہوتا کہ یہ کوئی بھی معجزہ طلب رشد و ہدایت کے جذبہ کے تحت طلب کر رہے ہیں۔ تو خدا ضرور قبول کر لیتا ہے لیکن وہ عناد و تعنت کے طور پر طلب کر

رہے تھے۔ اس لئے ان کی درخواست رد کر دی گئی۔ خدا کو علم تھا کہ اب بھی وہ ایمان نہ لائیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ......﴾ ان پر خدا کی دلیل محقق ہو چکی ہے۔ خواہ کیسی ہی نشانی کیوں نہ پیش کی جائے وہ ایمان نہ لائیں گے وقولہ ﴿وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى......﴾ اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی لا کھڑے کر دیں اور مردے بھی ان سے بات کرنے لگیں اور ہر چیز ان کے پاس جمع کر دی جائے۔ ہر معجزہ بتا دیا جائے تو بھی یہ کبھی ایمان نہ لائیں گے کیونکہ ان کا مقصد صرف مکابرہ کرنا اور ضد کرنا ہے جیسے کہ فرمایا: ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ......﴾ (الحجر: ۱۴) اور ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِي قِرْطَاسٍ......﴾ (الانعام: ۷) اگر ہم ان پر آسمانوں کا دروازہ بھی کھول دیں اور وہ آسمان کا ایک ٹکڑا گرتا ہوا بھی دیکھ لیں اور ان پر کوئی کتاب آسمانی بھی نازل کی جائے جو کاغذوں کا دفتر ہو۔ جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے بھی چھو سکتے ہوں۔ پھر بھی یہ کافر کہیں گے کہ ارے یہ تو کھلا جادو ہے۔ پھر ان کے مطالبات قبول کرنے سے حاصل ہی کیا۔ اس لئے کہ ان کے مطالبات تو بربنائے عناد و تعنت ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ میں انتظار کرتا ہوں تم بھی انتظار کرو۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا ۚ قُلِ اللّٰهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتّٰىٓ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوا بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوٓا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ أَنْجٰىهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰىٓ أَنْفُسِكُمْ ۖ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾

اور جب ہم لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں۔ تو فوراً ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا۔ بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے یہاں تک کہ جب (بعض اوقات) تم کشتی میں (سوار) ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعے سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ (ان کی رفتار سے) خوش ہوتے ہیں (اس حالت میں دفعتہً) ان پر ایک جھوکا (مخالف) ہوا کا آتا ہے اور ہر

طرف سے ان پر موجیں اُٹھتی چلی آتی ہیں لہذا وہ سمجھتے ہیں کہ (برے) آ گھرے۔ (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں کہ (اے اللہ) اگر آپ ہم کو اس (مصیبت) سے بچالیں تو ہم ضرور حق شناس (موحد) بن جائیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ (ان کو اس مہلک سے) بچالیتا ہے تو فوراً ہی (اطراف واقطار) زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو (سن لو) یہ تمہاری سرکشی تمہاری لئے وبال (جان) ہونے والی ہے (بس) دنیوی زندگی میں (چندے اس سے) حظ اُٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتا دیں گے (اور اس کی سزا دیں گے)۔O

انسان اور اِس کی مختلف کیفیتیں ☆

باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ مصیبتوں کا مزہ چکھنے کے بعد جب انسان کو ہماری رحمتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ جیسے مفلسی کے بعد خوشحالی قحط کے بعد بہترین پیداوار اور بارش وغیرہ۔ تو وہ تمسخر اور تکذیب کے درپے ہو جاتے ہیں اور جب انسان کو مصیبتیں آ گھیرتی ہیں تو وہ اُٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے دعاؤں کی بھرمار شروع کر دیتا ہے۔

نبی ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی وہ برسات کی رات تھی۔ آپ ﷺ فرمانے لگے کیا تم جانتے ہو کہ آج کی رات خدا تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا خدا اور خدا تعالیٰ کا رسول بہتر جانتے ہیں تو فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ آج میرے مومن بندے بھی صبح اُٹھے اور کافر بندے بھی۔ لیکن جس نے یہ کہا کہ یہ بارش خدا کے فضل اور رحمت کے سبب ہے تو وہ مجھ پر ایمان لایا ہے اور ستاروں کے اثرات کا منکر ہے اور جو عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ بارش ستاروں کے اثرات کے سبب ہوتی ہے تو وہ مجھ سے تو کفر کر رہا ہے اور ستاروں پر ایمان لا رہا ہے۔ کہہ دو اے پیغمبر ﷺ! میری حکمتِ عملی بڑی کارگر ہوتی ہے۔ ایسے مجرم گمان کرتے ہیں کہ ہم کو کوئی عذاب کفر کی بنا پر نہیں دیا گیا۔ لیکن درحقیقت ان کے ساتھ ڈھیل روا رکھی گئی ہے اور جب وہ اپنی انتہائی غفلت میں کھو جائیں گے تو ایک دم سے دھر لئے جائیں گے۔ ہمارے فرشتے ان کے اعمال لکھ رہے ہیں۔ پھر وہ عالم الغیب کے پاس پیش کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر وہ ہر بڑے اور چھوٹے گناہ کی سزا پاتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ بری اور بحری سفر کیلئے اس نے تمہارے لئے آسانیاں پیدا کر دی ہیں اور پانی کے اندر بھی اس نے تمہیں اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اور جب تم کشتیوں[1] میں ہوتے ہو ہوائیں ان کشتیوں کو چلانے لگتی ہیں تو ان کی نرم رفتاری یا سرعت سیر پر خوش ہوتے ہو۔ عین خوشی کے عالم میں ان کشتیوں کو تیز و تند آندھی آ گھیرتی ہے اور ہر طرف سے موجیں لپٹ پڑتی ہیں۔ تو تمہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب تو ہلاک ہو گئے۔ اب زار زار خدا سے دعا مانگنے لگتے ہو۔ اس وقت تم کو نہ کوئی صنم یاد آتا ہے نہ کوئی اور بت نہ لات و ہبل۔ بلکہ ہمیں مخاطب کرتے ہو۔ پس سمندر کے اندر جب خدا تم کو صحیح سلامت کنارے پر پہنچا دیتا ہے تو پھر ہم سے روگرداں ہو جاتے ہو۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ یہاں کہا گیا کہ: ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا......﴾ (آیت:۲۲) یعنی بڑے مخلص ہو کر پکارنے لگتے ہیں کہ اگر تو ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دے۔ تو ہم بڑے شکر گزار بن جائیں گے اور جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے تو ملک میں وہ ناحق شرارت کرنے لگتے ہیں۔ گویا کبھی ان پر مصیبت آئی ہی نہ تھی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾ (آیت:۲۳) وغیرہ۔ اے لوگو! تمہاری بغاوت کا وبال تم ہی پر پڑے گا۔ خوب یاد رکھو کہ کسی اور کو اس کا ضرر نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ بغاوت از خدا اور قطع صلہ رحمی' یہ دو ایسے گناہ ہیں کہ

[1] یا آج کل بحری جہاز جو لاکھوں من بوجھ اُٹھائے ہوئے سمندر پر تیرتے ہیں۔

آخرت میں تو عذاب ہوگا ہی لیکن دنیا میں بھی جلد تر اس کی سزامل جاتی ہے۔اس دنیائے ناپائیدار کی زندگی میں تمہارے لئے چندروز متاع ہے۔ پھر تمہاری بازگشت ہماری طرف ہے اور جب ہماری طرف لوٹ آؤ گے تو ہم تمہارے سب اعمال تم کو سمجھا دیں گے اور اس پر پوری پوری جزا دیں گے۔ جس کو اچھی جزا ملی ہو تو وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جس کو سزا ملی ہو وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس پانی سے زمین کی نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور اس (زمین) کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو (ایسی حالت میں) دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا جیسے بالا یا خشکی یا اور کچھ سو ہم نے ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل (یہاں) وہ موجود ہی نہ تھی۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دارالبقا کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست کی طرف چلنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ ○

دُنیا کی مثال ☆

دنیا کی ظاہری زینت سرسبزی وشادابی پھر اس کے زوال پذیر ہو جانے کی مثال اللہ پاک روئید گیوں سے دے رہا ہے جن کو آسمان سے پانی برسا کر اللہ نے زمین سے نکالا ہے۔ جن کو انسان کھاتے ہیں۔ جیسے اناج غلہ مختلف انواع واصناف کے پھل پھلاری جو نہ صرف انسان کی غذا بلکہ مویشی بھی ان کے ڈنٹھل اور ٹھنڈ کھاتے ہیں اور جب زمین کی یہ زینت بہار پر ہوتی ہے اور مختلف اشکال' بہت سے رنگوں کی سبزیاں کمال سرسبزی پر آتی ہیں تو زمیندار کاشت کار گمان کرتے ہیں کہ اب کھیت کاٹ لیں گے' میوہ اتار لیں گے کہ یکا یک بجلی یا آندھی ایسی آپڑتی ہے کہ درختوں کے سارے پتے سوکھ جاتے ہیں جل جاتے ہیں۔ پھل پھول تلف ہو جاتے ہیں اور سبزی اور شادابی کے بعد وہ ایک سوکھا ساڈھیر بن جاتے ہیں۔ گویا کہ یہ کبھی سرسبز تھے ہی نہیں

اور کبھی یہ نعمت زمیندار کو دی ہی نہیں گئی تھی۔ اس لئے حدیث میں ہے کہ اہل دنیا کو نعمتیں دی جاتی ہیں۔ پھر اسے آگ میں جھونکا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ کبھی تم کو راحت ملی تھی' تو وہ کہتا ہے ہرگز نہیں۔ ایک اور شخص ہوتا ہے' جو دنیا میں بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ پھر وہ جنت میں بھیجا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ کیا تمہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچی تھی؟ تو کہتا ہے' کبھی نہیں۔ اللہ پاک ان ہلاک ہونے والوں کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ایسے ویران ہو گئے کہ گویا کبھی بسے ہی نہیں تھے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ یعنی ہم اس طرح بات کو کھول کھول کر دلائل و حجت کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ اس بات کی عبرت حاصل کریں کہ دنیا بڑی تیزی سے زوال پذیر ہے۔ دنیا پر قادر ہونے کے باوجود وہ ان کے ساتھ دغا کرتی ہے۔ جو اس کی طرف بڑھتا ہے اس سے بھاگتی ہے اور جو اس سے بھاگتا ہے۔ اس کے پیروں پر آ گرتی ہے۔ اللہ پاک نے دنیا کی مثال نباتات ارضی سے سورۂ کہف کی دوسری آیتوں میں بھی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ......﴾ (الکہف: ۴۵) حیات دنیوی کی مثال باران نازل شدہ کی مانند ہے' جو نباتات سے ملا ان کے سرسبز ہو چکنے کے بعد پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ نباتات خشک گھاس بن کر رہ گئے۔ جس کو ہوائیں اِدھر اُدھر لے اُڑاتی ہیں۔ اللہ تو ہر شے پر قادر ہے۔ سورۂ زمر اور حدید میں ایسا ہی بیان کیا گیا ہے۔ خلیفہ مروان بن حکم منبر پر یہ پڑھتے ہوئے دیکھے گئے کہ زمین جب شاداب ہو گئی اور کاشت کار سمجھے کہ اب فصل کاٹ لیں لیکن ساری کھیتی برباد ہو جاتی ہے اور یہ ساری ہلاکت ان کے گناہوں اور بغاوت کے سبب ہوتی ہے اور قولہ تعالیٰ ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ (آیت: ۲۴) جب اللہ تعالیٰ دنیا کے زوال پذیر ہونے اور جنت کی ترغیب کا ذکر کر چکا تو اب جنت کی طرف آتا ہے اور جنت کو دارالسلام کہتا ہے۔ یعنی وہ ہر آفت و نقصان و نکبت سے پناہ کی جگہ ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہاری آنکھیں تو بظاہر سوتی رہیں۔ لیکن دل تمہارا جاگتا ہے اور کان تمہارے سنتے رہیں۔ چنانچہ میری آنکھیں تو سچ مچ سو ہی گئیں' لیکن دل ہوشیار تھا۔ کان کھلے تھے پھر مجھ سے کہا گیا کہ ایک دولت مند نے ایک گھر بنایا' لوگوں کو دعوت دی' بلاوے بھیجے تو جس نے دعوت قبول کی' وہ آیا' جی بھر کے کھایا۔ بلانے والا بھی خوش ہوا اور جس نے دعوت قبول نہ کی نہ وہ آیا اور نہ کچھ کھا سکا اور نہ دعوت دینے والا خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہی وہ داعی ہے اور وہ گھر اسلام ہے اور دستر خوان جنت ہے اور پیغامبر محمد ﷺ ہیں۔ جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے سوتے ہوئے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام میرے سر کے پاس ہیں اور میکائیل میرے پاؤں کے پاس اور ایک اپنے دوسرے ساتھی سے کہہ رہا ہے کہ اس سونے والے کی کوئی مثال دو۔ تو دوسرے نے کہا اے سونے والے تیرے کان سنتے ہیں' تیرا دل جاگتا ہے۔ تیری اور تیری اُمت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ نے کوئی گھر بنایا اور اس میں بڑا سا کمرہ اور اس میں خوان چُن دیا گیا۔ پھر قاصد کو بھیج کر لوگوں کو کھانے کے لئے بلایا گیا۔ کوئی آیا کوئی نہیں آیا۔ چنانچہ وہ بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہے اور گھر اسلام ہے اور کمرہ جنت ہے اور تم محمدؐ! وہ قاصد ہو جو آیا تھا وہ داخل اسلام ہوا تھا اور جو داخل اسلام ہوا وہ داخل جنت ہوا اور داخلِ جنت شخص دعوت سے فیض یاب رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب سورج نکلتا ہے تو اس کے دونوں طرف فرشتے ہوتے ہیں اور آواز دیتے ہیں۔ جن و انس کے سوا اس کے سننے میں۔ وہ کہتے ہیں کہ اے لوگو! خدا کی طرف آؤ۔ کم ملے اور کافی ہو جائے تو وہ اچھا ہے اس زیادہ سے جو خدا سے غافل کر دے۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾

جن لوگوں کے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی (یعنی جنت) ہے اور مزید برآں (خدا کا دیدار) بھی ہے اور ان کے چہروں پر نہ کدورت (غم کی) چھائے گی اور نہ ذلت۔ یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ○

نیک کاموں کی اچھی جزا ☆

اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے نیک عمل کئے اس کو آخرت میں اچھی جزا ملے گی کیونکہ نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے بلکہ کچھ اور زیادہ بھی ہے یعنی کم از کم دس گنا۔ حتیٰ کہ سات سو گنا۔ زیادہ بلکہ اس سے کچھ اور بڑھ کر۔ جو اللہ تعالیٰ کے دیگر عطیات پر مشتمل ہے جیسے جنت میں حور وقصور اور خدا کی خوشنودی اور ایسا سرور قلب جو ابتک سے اب تک مخفی ہی ہے لیکن ان سب سے بڑھ کر خدائے برتر کے روئے مبارک کا دیدار۔ یہ سارے لطف وکرم سے بڑھ کر کرم ہوگا کہ وہ اپنے عمل کے سبب اس کے مستحق نہیں ہوں گے۔ بلکہ محض اس کے فضل اللہ ورحمت کی بنا پر۔

صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نے یہ آیت زِيَادَةٌ والی تلاوت فرمائی' کہ جب جنتی اور دوزخی اپنے اپنے ٹھکانے میں چلے جائیں گے تو ایک منادی پکارے گا کہ اے اہل جنت تم سے خدا کا وعدہ ہے وہ پورا کرنا چاہتا ہے تو وہ کہیں گے اب کون سا وعدہ؟ ترازو میں ہمارے وزن ثقیل بنے۔ ہمارے چہرے روشن کر دیئے گئے۔ ہمیں دوزخ سے نجات بخشی گئی' تو یکایک ان پر سے پردہ اُٹھا دیا جائے گا اور ان کی نظر خدا پر پڑ جائے گی۔ خدا کی قسم اس سے بڑھ کر اور کوئی عطا جنتیوں کے لئے نہ ہوگی۔ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی تسکین کے لئے سب سے بڑی چیز ہوگی۔ غرض مختلف حدیثوں میں ہے کہ زِیَادَةٌ سے مراد روایت باری تعالیٰ ہے[1]۔

اللہ پاک فرماتا ہے کہ: ﴿لَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ﴾ یعنی عرصہ حشر میں ان کے چہرے بے رونق نہ رہیں گے۔ نہ پھٹکار ہوگی نہ سیاہی۔ جیسا کہ کافروں کے چہرے سیاہ غبار آلود ہوں گے۔ پھٹکار برستی ہوگی اور نہ جنتیوں کو ظاہراً و باطناً کسی قسم کی ذلت نصیب ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے: ﴿فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ......﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کے شر سے بچا لے گا اور ان کے چہرے سرخرو اور ان کے دل مسرور ہوں گے۔ اللہ پاک اپنے فضل ورحمت سے ہمیں ایسے ہی لوگوں میں سے اُٹھائے۔ آمین

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا لا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ط

---

[1] اللہ تعالیٰ اس دولت عظیم سے حقیر محشی اور تمام مومنین کو شادکام فرمائے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧﴾

اور جن لوگوں نے بدکام کیے ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی اور ان کو ذلت چھالے گی ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ (ان کے چہروں کی کدورت کی ایسی حالت ہوگی) کہ گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ○

برائی کی سزا ☆

جب اللہ تعالیٰ نے ان نیک بختوں کے متعلق خبر دی کہ ان کی نیکیوں کی جزا دگنی چوگنی ہوتی چلی جائے گی تو اب ان بدبختوں گنہگاروں اور مشرکوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ ان کے ساتھ عدل کیا جائے گا کہ ان کے گناہوں کی سزا دگنی چوگنی نہیں ہوگی۔ بلکہ برابر ہوگی۔ ان پر ان کے گناہوں کی ذلت چھائی ہوئی رہے گی۔ فرماتا ہے کہ جب کہ وہ ہوں گے تو تم ان کو شرمندہ اور ذلیل دیکھو گے اور یہ نہ سمجھنا کہ خدا ان ظالموں کے اعمال سے غافل ہے۔ قیامت کے دن تک کے لئے ان کے عذاب میں تاخیر کر دی گئی ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ سے بچانے اور سفارش کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دن انسان کہے گا کہ بھاگ ہی کہاں سکتے ہیں۔ وہ ہرگز نہیں چھوڑے جائیں گے۔ خدا تعالیٰ کے سامنے انہیں آنا پڑے گا۔ ان کے چہرے اس قدر کالے رہیں گے کہ گویا تاریک رات کی چادر ان کے چہروں پر چڑھا دی جائے گی۔ اس دن بعض چہرے تو روشن ہوں گے اور بعض سیاہ اور جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا ارے کیا ایمان لا چکنے کے بعد بھی تم نے کفر کیا تھا۔ تو اب کفر کا مزہ چکھو اور جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ خدا کی رحمت میں رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بعض کے چہرے روشن اور ہنستے ہوئے خوش خوش ہوں گے اور بعض پر اداسی اور تاریکی رہے گی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾

اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب (خلائق) کو (میدان قیامت میں) جمع کریں گے۔ پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو۔ پھر ہم ان (عابدین و معبودین) کے آپس میں پھوٹ ڈالیں گے اور ان کے وہ شرکاء ان سے خطاب کر کے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔ اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کیے ہوئے کاموں کا امتحان کرے گا اور یہ لوگ

اللہ (کے عذاب) کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ معبود تراش رکھے تھے سب ان سے غائب (اور گم) ہو جائیں گے (کوئی بھی تو کام نہ آئے گا)۔ ○

روزِ قیامت جن وانس کی حاضری اور مشرکین سے ایک سوال ☆

قولِ باری تعالیٰ ہے کہ جن وانس نیک و بد سب ہی کو ہم قیامت کے روز حاضر کریں گے کوئی بھی نہیں چھوڑا جائے گا اور مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور مومنین سے الگ ہو جاؤ۔ جس روز قیامت کا دن ہوگا۔ یہ دونوں قسم کے لوگ الگ الگ رہیں گے۔ یہ اس وقت ہوگا جب کہ تبارک وتعالیٰ فصلِ مقدمات کا ارادہ فرمائے گا اور اسی لئے کہا گیا کہ مومنین اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ جلد تر فصل مقدمات فرمائے اور ہمیں اس انتظار کی گھڑی سے نجات بخشے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ہم لوگ دوسرے سب لوگوں سے اونچی جگہ پر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے مشرکو! تم اور تمہارے شرکاء جن کی تم عبادت کرنے لگے تھے سب اپنی اپنی جگہ الگ الگ رہو۔ ان متقدمین شرکاء نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ ان سے اپنی عبادات کراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن بزرگوں کی یہ پیروی کرتے تھے اور اسی بنا پر انہیں شریک خدا سمجھ کر شرکاء بنالیا تھا۔ اب یہی شرکاء ان سے بیزاری ظاہر کریں گے۔ قولہ تعالیٰ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوگا جو ایسے شرکاء کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے اور اس کی دعا کو سن ہی نہیں سکتے اور جب لوگ قیامت میں اُٹھائے جائیں گے تو وہ خود اپنی پرستش کرنے والوں کے دشمن ہوں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تو ان کی پرستش کا کوئی علم نہیں تم ہماری عبادت کرتے ہو گے لیکن ہم جانتے تک نہیں اور اس کا گواہ خدا ہے۔ ہم نے تو تمہیں کبھی کہا ہی نہیں تھا کہ ہماری پرستش کرو اس طرح مشرکین کا منہ بند کر دیا گیا ہے کہ جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ نہ کسی کے کام آ سکتے ہیں۔ انہیں تم نے پوجا کیوں تھا۔ ان کی نہ تو مرضی تھی۔ نہ ارادہ تھا۔ ہم نے حیّ اور قیوم بصیر اور سمیع کی عبادت چھوڑ دی جو ہر بات کا عالم اور قادر ہے۔ جس نے اپنے رسول اور اپنی کتابیں صرف اس غرض کے لئے بھیجی ہیں کہ محض اس کی پرستش کی جائے۔ جیسے فرمایا کہ ہر قوم کے اندر ہمارا رسول ہماری عبادت کی ترغیب دینے اور باطن کی پرستش چھڑانے آیا ہے۔ اب جس نے ہدایت پالی سو پالی اور جو گمراہ ہو گیا سو ہو گیا۔ تم سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہی وحی تھی کہ خدا صرف میں ہوں۔ صرف میری ہی عبادت کرائی جائے۔ چنانچہ ہم اپنے رسولوں سے پوچھیں گے کہ تم نے ہمارے سوا کسی اور کی پرستش کرنے کا حکم دیا تھا۔ مشرکوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اقوال واحوال بیان کر کے ان کی تردید کی ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز موقف حساب میں ہر شخص کی آزمائش ہوگی اور اچھا برا جو بھی عمل کیا ہے سامنے لایا جائے گا۔ اس روز سارے بھید ظاہر ہو جائیں گے اور انسان کو اپنے اگلے پچھلے سارے گناہ ظاہر کر دینے پڑیں گے۔ قیامت کے روز ان کا اعمال نامہ سامنے لایا جائے گا کہ پڑھ لو اپنا اعمال نامہ۔ اس وقت تم اپنا آپ احتساب کرنے کے لئے کافی ہو۔ آزمائش ہوگی۔ ترجمہ تھا: ﴿هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ﴾ میں تَبْلُوْا کا لیکن بعض لوگوں نے اس کو تَتْلُوْا پڑھا ہے جس کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ پھر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اچھا یا برا جو کام وہ کریں گے۔ اس کا نتیجہ بھگتیں گے۔'' جیسے حدیث میں ہے کہ ہر امت اپنے معبود کے پیچھے رہے گی۔ آفتاب پرست آفتاب کے پیچھے اور قمر پرست قمر کے پیچھے اور بت پرست بت کے پیچھے۔ قولہ تعالیٰ ﴿وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ وہ اپنے مولیٰ خدا کی طرف پھیر دیئے جائیں گے۔ وہ کیا

سب ہی امور خدا کی طرف پھیرے جائیں گے۔ چنانچہ وہ فیصلہ کر کے جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ کی طرف بھیجے گا۔ اب ان گمراہوں نے اپنی طرف سے جو جھوٹ موٹ معبود بنا رکھے تھے۔ سب ہوا کی طرح اُڑ جائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۞ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞

آپ (ان مشرکین سے) کہئے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا (یہ بتلاؤ) کہ وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو جاندار (چیز) کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان (چیز) کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے (ان سے یہ سوالات کیجئے سو ضرور وہ جواب میں) یہی کہیں گے کہ (ان سب افعال کا فاعل) اللہ ہے۔ تو ان سے کہئے کہ پھر (شرک سے) کیوں نہیں پرہیز کرتے۔ سو یہ ہے اللہ جو تمہارا رب حقیقی ہے (اور جب امر حق ثابت ہوا) پھر (امر) حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے۔ پھر (حق کو چھوڑ کر) کہاں (باطل کی طرف) پھرے جاتے ہو۔ اسی طرح آپ کے رب کی یہ (ازلی) بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے تمام مسترد (سرکش) لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے۔ ○

خدا تعالیٰ کی وحدانیت ☆

مشرکین پر اللہ تعالیٰ حجت پیش کرتا ہے کہ خدا کی وحدانیت اور ربوبیت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ یعنی اے نبی ﷺ پوچھو کہ جو آسمان سے بارش برساتا ہے اور اپنی قدرت سے زمین کو چیرتا ہے۔ جس کے اندر سے دانے انگور نیشکر' زیتون' خرما' باغ اور خوشہ دار میوے پیدا کرتا ہے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہو سکتا ہے' تو انہیں ماننا پڑے گا کہ یہ خدا ہی کے کام ہیں۔ اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کون ہے کہ کھول دے اور جس نے کہ یہ قوت سامعہ اور قوت باصرہ دی ہے' اگر چاہے تو سلب کر لے۔ تم خود کہہ دو کہ یہ سماعت و بصارت اور ساری انسانی قوتیں اللہ ہی نے پیدا کی ہیں۔ کیا تم اس کو ناراض کر کے پسند کرو گے کہ وہ تمہاری بصارت و سماعت چھین لے۔ جو اپنی قدرت عظیمہ سے میت سے زندہ کو پیدا کرتا ہے اور زندہ سے میت کو نکالتا ہے اور اس آیت کے بارے میں اختلاف رائے پہلے گزر چکا ہے اور اس آیت کا مفہوم سب پر عام اور بادی ہے اور کون ساری کائنات کا انتظام اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اس کی صوابدید اور مرضی سے۔ سب کو وہ پناہ دیتا ہے۔ اس کے برخلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ سب پر متصرف اور حاکم ہے۔ اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم کوئی چیز نہیں۔ وہ جس کو چاہے پوچھے لیکن اس کو کون پوچھ سکتا ہے۔ آسمان و زمین کی ساری مخلوقات اسی کی دست نگر ہیں۔ ہر وقت اس کی نرالی شان

ہے۔ آسمان وزمین کی ساری بادشاہت اسی کی ہے۔ ملائکہ انس وجن سب اسی کے محتاج ہیں اس کے غلام ہیں۔ سب کا جواب ان کے پاس یہی ہے کہ خدا تعالیٰ ہی میں یہ ساری قدرت ہے۔ کفار و مشرکین ان ساری باتوں کو جانتے ہیں اور معترف بھی ہیں۔ پھر تم اس سے پوچھو کہ اچھا تم پھر اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو۔ اپنی خودسری اور جہالت سے اس کو چھوڑ کر کسی اور پرستش کیوں کرتے ہو۔ سچا خدا تو یہی خدا ہے جس کا تم کو آپ اعتراف ہے۔ پھر تو افراد بالعبادۃ کا مستحق یہی ہے۔ حق بات کو سمجھ لینے کے بعد پھر یہ گمراہی کیسی؟ ہر معبود اس کے سوا باطل ہے۔ تم عبادت حق چھوڑ کر عبادت ماسوا کی طرف کدھر بھٹکے جا رہے ہو۔ ان سارے دلائل کے بعد اللہ کی بات ثابت ہو چکی یعنی جس طرح ان مشرکین نے کفر کیا اور کفر پر قائم رہے۔ اسی طرح انہوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ وہی پاک پروردگار خالق ورازق ہے۔ ساری کائنات میں صرف وہی متصرف ہے۔ اسی نے اپنے پیغمبروں کو توحید کا داعی بنا کر بھیجا۔ یہ مسلم ہے کہ یہ اشقیا دوزخی ہیں۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

آپ (ان سے) یوں بھی کہیے کہ کیا تمہارے (تجویز کیے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی مخلوق کو پیدا کرے پھر (قیامت میں) دوبارہ بھی پیدا کر لے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ سو پھر تم کہاں (حق سے) پھرے جاتے ہو (اور) آپ (ان سے یوں بھی) کہیے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا رستہ بتاتا ہو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی امر حق کا رستہ (بھی) بتلاتا ہے تو پھر آیا جو شخص امر حق کا رستہ بتلاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بے بتلائے خود ہی رستہ نہ سوجھے۔ تو (اے مشرکین) تم کو کیا ہو گیا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو اور ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں (اور) یقیناً بے اصل خیالات امر حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں (خیر) یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے (وقت پر سزا دے گا)۔

موازنہ نہ کرو☆

مشرکین نے جو اللہ کے درجہ میں غیر اللہ کو لا کھڑا کیا اور اصنام واوثان کو پوجنے لگے ان کے اس دعوے کو غلط قرار دیا جا

رہا ہے کہ اے نبی (ﷺ) ان سے پوچھو کہ کیا تمہارے قرار دادہ شرکاء میں کوئی ہے جس نے ان آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہو۔ پھر اس میں جو مخلوقات ہیں انہیں وجود میں لایا ہو۔ یا اجرام سماوی کو اپنی جگہ سے ہٹائے یا انہیں بدل دے یا فنا کر کے پھر از سرنو دوسری مخلوق پیدا کر سکے۔ کہہ دو کہ تم کسی کو نہیں پیش کر سکو گے۔ یہ تو خدا ہی کے کام ہیں۔ پھر تم طریق راست چھوڑ کر باطل کی طرف کیوں جھکے ہو۔ کیا کوئی ہے کہ حق کی طرف رہنمائی کر سکے۔ ایسی رہنمائی تو خدا ہی کر سکتا ہے۔ اس بات کو تم خود جانتے ہو کہ تمہارے شرکا ایک بھی گمراہ کو سیدھی راہ پر نہیں لا سکتے۔ اللہ پاک ہی ایسے حیران و گمراہ کی ہدایت کرتا ہے اور گمراہی سے رشد کی طرف انسانوں کے دل پھیر سکتا ہے۔ کوئی بندہ جو حق کی طرف پھرنے والے کی اتباع کرے اور بصیرت تامہ رکھے۔ یہ اچھا یا وہ جو کچھ ہدایت نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنے اندھے پن کے سبب اس بات کا محتاج ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کوئی لے چلے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے بابا! تم اندھے بہرے معبود کی پرستش کیوں کرتے ہو۔ جو بالکل ہی تمہارے کام کا نہیں اور اپنی قوم سے بھی فرمایا تھا کہ تم لوگ اپنی ہی بنائی ہوئی چیزوں کی آپ عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے معبودوں کو سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔ تمہاری رائے کیسی غلط ہے تمہاری عقلیں جاتی رہیں۔ تم نے اللہ کو اور اللہ کی مخلوق دونوں کو برابر کیسے بنا دیا۔ اس کو بھی مانتے ہو اُس کو بھی مانتے ہو۔ پھر خدا کو چھوڑ کر شرکاء کی طرف کیوں جھکتے ہو۔ رب جلیل ہی کو عبادت کے لئے مخصوص تم نے کیوں نہ کر لیا کہ اس کی عبادت کر کے گمراہیوں سے نکل آتے اور دعائیں خاص کر خدا ہی سے کیوں نہیں مانگتے۔ یہ لوگ کسی دلیل کو کام میں نہیں لاتے بلکہ اس اصنام پرستی کی بنیاد کسی یقین کے بجائے گمان اور اوہام پر اٹھی ہوئی ہے مگر اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اللہ پاک ان کے ہر فعل کو خوب جانتا ہے۔ یہ ان کافروں کے لئے تہدید اور وعید شدید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ عنقریب ان کی ان حماقتوں کی انہیں سزا مل جائے گی۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

اور یہ قرآن افترا کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو۔ بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے قبل (نازل) ہو چکی ہیں اور احکام ضرور یہ (الٰہیہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے (اور) اس میں کوئی بات شک (وشبہ) کی نہیں (اور وہ) رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے کیا لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اسے افترا کر لیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت (بنا) لاؤ اور (اکیلے نہیں) جن جن غیر اللہ کو بلا سکو ان کو (مدد کے لئے) بلاؤ اگر تم سچے ہو بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس (کے صحیح وسقیم ہونے) کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز ان کو اس (قرآن کی تکذیب) کا اخیر نتیجہ نہیں ملا۔ جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی (امور حقہ کو) جھٹلایا تھا سو دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا برا ہوا (اسی طرح ان کا ہوگا) اور ان میں سے بعضے ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے اور آپ کا رب (ان) مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔ ○

قرآن ہر شک وشبہ سے بالا ہے ☆

ان آیات میں اعجازِ قرآن پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی بشر بھی اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس جیسا قرآن پیش کر سکے۔ نہیں بلکہ اس پر قادر نہیں کہ اس کی ایک سورت جیسی ہی کوئی سورت ہی بنا لائے۔ یہ اس کے دعویٰ فصاحت و بلاغت کی بنا پر ہے۔ قرآن کا اختصار، اس کی شیرینی اور آخرت کے لئے نفع دینے والی لاکھوں چیزوں پر مشتمل ہونا' ان چیزوں کو کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتی کیونکہ یہ خدا کی کتاب ہے۔ وہ خدا جو اپنی ذات وصفات اور اپنے افعال واقوال میں واحد و یکتا ہے۔ مخلوق کا کلام اس کے کلام کے ساتھ کیونکر مشابہ ہو سکتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ اس جیسی تحریر خدا کے سوا کسی اور کی ہو ہی نہیں سکتی۔ بشر کا کلام ذرا بھی اس سے میل نہیں کھا سکتا اور پھر یہ کہ قرآن وہی کہتا ہے جو سابقہ کتب سماوی کہتی ہیں۔ البتہ سابقہ الہامی کتابوں میں سے جو تحریف ہوئی ہے اس کو اُجاگر کر دیا گیا ہے اور احکام حلال وحرام کو کافی اور شافی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ خدائے رب العالمین کی طرف سے اس کے ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں گزشتہ زمانہ کی خبریں بھی ہیں اور آئندہ زمانہ کی پیش گویاں بھی ہیں۔ ماضی اور مستقبل سب باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور لوگوں کو اس راستہ پر چلایا گیا ہے جو بالکل صحیح اور پسندیدۂ خدا ہو سکتا ہے اور اگر تم کو اس کے منجانب اللہ ہونے میں ذرا بھی شک ہو اور یہ غلط خیال تمہارے دل نشین ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے خود بنا لیا ہے تو محمد بھی تو تمہارے ہی جیسے بشر ہیں۔ اگر وہ ایسا قرآن بنا سکتے ہیں تو تم میں سے قابل ترین کوئی آدمی کیوں نہیں بنا سکتا؟ لہٰذا اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے اس جیسی بس ایک ہی سورت پیش کرو۔ جو قرآن جیسی بلاغت اور اختصار و معنویت رکھتی ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اکیلے تھے۔ اب تم دنیا بھر کے انسان اور جنات سبھی مل کر کوشش کر دیکھو۔ اس طرح خدا تعالیٰ گویا انہیں چیلنج کرتا ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تصنیف کردہ ہے تو آؤ اس چیلنج کو قبول کرو۔ تنہا نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں مل کر۔ اس کے بعد ایک دوسرا اس سے بھی زبردست دعویٰ ہے کہ یہ سن رکھو کہ تم کبھی اس پر قادر نہ ہو سکو گے۔ یہ بات بھی ہم ابھی سے کہہ دیتے ہیں کہ تمام جن وانس بھی اگر جمع ہو جائیں کہ ایسا ہی کوئی قرآن بنا سکیں تو ہرگز نہیں بنا سکتے۔ خواہ اپنے کتنے ہی مددگار کیوں نہ بنا لیں۔ پھر اس دعویٰ کو دس سورتوں تک بھی محدود کر کے کہا گیا[1]۔

[1] اس وجہ سے کہ ہم عالم الغیب ہیں اور جانتے ہیں کہ تم ایسا کبھی نہیں کر سکو گے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ہم نے تم کو اس مقابل پیش کرنے سے عاجز کر دیا ہے اور اس کی نظیر لانے کی تم میں جو صلاحیتیں تھی وہ سلب کر لیں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ بندوں کو اس حد تک مکلف بناتے ہیں۔ جہاں تک ان میں کسی کام کی طاقت ہو۔ سلب طاقت کے باوجود قرآن مجید کی نظیر پیش کرنے کا مطالبہ قطعاً غلط ہوتا۔

جس کا ذکر اور سورہ ہود میں ہے کہ کیا وہ کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے اس کو بنالیا ہے۔ اچھا تو پھر اس جیسی دس ہی سورتیں تم بنا کر لے آ ؤ۔ پورا قرآن نہ سہی اتنا ہی سہی۔ خدا کو تم نے چھوڑ دیا تو دوسرے سب کی مدد تم لے سکتے ہو۔ سچے ہو تو سامنے کیوں نہیں آتے پھر اس سے نیچے اُتر کر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر اس کو محمد ﷺ نے بنالیا ہے تو زیادہ نہیں ایک ہی سورت پیش کرو۔ سورہ بقر (جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی) میں ایک سورت ہی کا چیلنج ہے اور یہ بتلا دیا گیا ہے کہ تم کو ایسا کرنے پر قدرت نہیں ہے۔ تو سنو! اگر تم نے ایسی آیتیں پیش نہ کیں اور پیش کر بھی کہاں سکتے ہو۔ تو عذاب دوزخ سے بچو حالانکہ فصاحت عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور یہ ان کا خاص کمال جاتا تھا۔ ان کے اشعار اور وہ قصائد جو کعبہ کے دروازے پر آویزاں ہوتے تھے ان کے کمال بغاوت کا ثبوت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو قرآن پیش کر دیا' کوئی اس کی فصاحت و بلاغت کو چھو بھی نہیں سکا۔ چنانچہ اس کی بلاغت اور حلاوت واختصار اور افادہ و کمال کو دیکھ کر جو ایمان لایا' وہ لے آیا' کیونکہ ان ہی فصحاء و بلغا میں ایسے نکتہ رس اور صاحب فہم بھی تھے۔ جنہوں نے قرآن کی بلاغت کا لوہا مان لیا اور سر جھکا دیا' معترف ہو گئے کہ یہ ہو سکتا ہے تو خدا ہی کا کلام ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر' جو اپنی ساحری میں یکتائے زمانہ تھے' بول اُٹھے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا مظاہرۂ عصا سحر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تائید ربانی ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اس لئے کہ یقیناً موسیٰ علیہ السلام خدا کے پیغمبر ہیں کیونکہ کوئی صاحب فن ہی کسی فن کے کمال کو سمجھ سکتا ہے اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ایسے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ جب کہ طب نے بڑی ترقی حاصل کر لی تھی اور مریضوں کے علاج میں ماہرین طب اپنا کمال دکھا رہے تھے۔ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ جب کہ طب نے بڑی ترقی حاصل کر لی تھی اور مریضوں کے علاج میں ماہرین طب اپنا کمال دکھا رہے تھے۔ ایسے زمانہ میں مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو حضرت عیسیٰ کا اچھا کر دینا بلکہ خدا کا نام لے کر مردوں کو بھی زندہ کر دینا ایسی چیزیں ہیں جن کے آگے کسی علاج و دوا کی کچھ نہیں چل سکتی۔ چنانچہ سمجھنے والے سمجھ گئے کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے ہیں۔ جن کو دیکھ کر بشر ایمان لے آ سکیں اور مجھے بھی جو قرآن دیا گیا ہے۔ اس سے متعلق میں بھی اُمید کرتا ہوں کہ اکثر و بیشتر اس کی صداقت کو مان لیں گے۔ بلکہ ان میں سے بعض نے جو قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے' تکذیب کرنا شروع کر دی لیکن اس کی کوئی دلیل نہ لا سکے اور یہ ان کی جہالت اور حماقت کی وجہ سے تھا۔ اسی قسم کی تکذیب اپنے پیغمبروں کی سابقہ قوموں نے بھی کی تھی۔ تو اب تم ذرا نظر دوڑاؤ کہ ان جھٹلانے والوں کا کیسا برا حشر ہوا۔ جو محض عناد اور ضد کی بنا پر تکذیب کرتے رہے تھے۔ تو اب اے قریش کے انکار کرنے والو! ان کا حشر دیکھ کر عبرت پکڑو چنانچہ اس زمانہ میں بھی بعض لوگ تو ایمان لے آئے اور قرآن سے مستفیض ہوئے اور بعض جو ایمان نہیں لائے وہ کفر کی موت مر گئے۔ ان لوگوں کو خدا خوب جانتا ہے جو مستحق ہدایت ہیں۔ ان ہی کو ہدایت بھی کرتا ہے اور مستحق ضلالت ہیں ان کو بھٹکنے دیتا ہے۔ اس عمل میں وہ عادل ہے ظالم نہیں۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ

تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾

اوران کودلیل کے بعد (بھی) اگر آپ کوجھٹلاتے ہیں تو بس اخیر بات یہ کہہ دیجئے کہ (اچھا صاحب) میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تم کو ملے گا تم میرے کئے ہوئے کے جواب دہ نہیں ہو اور میں تمہارے کئے ہوئے کا جوابدہ نہیں ہوں اور آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے (کیونکہ) ان میں بعض ایسے (بھی) ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگا لگا بیٹھتے ہیں۔ کیا آپ بہروں کو سنا (کر ان کے ماننے کا انتظار کرتے) ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو اور (اسی طرح) ان میں بعض ایسے ہیں کہ (ظاہراً) آپ کو (مع معجزات وکمالات) دیکھ رہے ہیں۔ پھر کیا آپ اندھوں کو رستہ دکھانا چاہتے ہیں گو ان پر بصیرت بھی نہ ہو یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے کو تباہ کرتے ہیں۔ ○

بیزاری کا اعلان ☆

نبی ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے کہ اگر یہ مشرک تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم بھی ان سے اور ان کے اعمال سے اپنی بیزاری ظاہر کرو اور صاف کہہ دو کہ میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے۔ میں تمہارے معبودوں کو نہ مانوں گا۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ میں تم سے اور تمہارے ان جھوٹے معبودوں سے بے تعلق ہوں۔ قریش ہی میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو تمہارے کلام اور قرآن عظیم کو سنتے ہیں اور جو متاثر ہو سکتے ہیں اور یہی بہت کافی تھا۔ لیکن پھر بھی وہ راہ راست پر نہ آئے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں کیونکہ تم بہروں کو سنانے پر قادر نہیں ہو[1] اور نہ تم کو خود یہ قدرت ہے کہ تم ان کی ہدایت کرو جب تک کہ خدا کی مرضی بھی شامل نہ ہو اور ان ہی میں ایسے بھی ہیں کہ جو تمہاری طرف گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ تمہارے پاکیزہ اخلاق اور حسن صورت اور تمہارے دلائل نبوت (جس سے اہل بصیرت ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں) کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ تو دیدہ و قار سے دیکھ رہے ہیں اور کفار نظر ڈالتے ہیں تو چشم احتقار سے وہ تمہیں دیکھتے ہیں تو ہنسی اُڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتے۔ ایک سنتا ہے اور ہدایت پاتا ہے اور دوسرا بھی سنتا ہے اور دیکھتا ہے لیکن اندھا اور بہرہ بنا رہتا ہے۔ آنکھیں کھلی ہیں، پھر بھی اندھے ہیں۔ کان رکھتے ہوئے بہرے ہیں۔ دل ہے مگر مردہ۔ ایک نے فائدہ اُٹھایا دوسرے نے نقصان۔ باری تعالیٰ کی ذات پاک مختار و متصرف ہے وہ سب سے باز پرس کرے گا لیکن اس سے باز پرس کون کر سکتا ہے۔ وہ تو ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کر لیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اے میرے بندو! میں نے ظلم کرنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تم پر بھی حرام قرار دیتا ہوں۔ جس کو اچھی جزا ملی وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جس کو سزا ملی اُس کو چاہئے کہ اپنی ہی ذات کو ملامت کرے۔

[1] یہ کانوں کے بہرے نہیں بلکہ دلوں کے بہرے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور ان کو وہ دن یاد دلائیے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس کیفیت سے جمع دے گا کہ (وہ ایسا سمجھیں گے) گویا وہ (دنیا یا برزخ میں) سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے (بھی) واقعی (اس وقت سخت) خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ (دنیا میں بھی) ہدایت پانے والے نہ تھے۔ ○

قیامت اور دُنیا ایک مختصر گھڑی ☆

یاد دلایا جا رہا ہے کہ قیامت قائم ہوگی اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اُٹھ کر عرصۂ حشر میں جمع ہو جائیں گے اور جب وہ دن آ پہنچے گا تو وہ سمجھیں گے کہ دنیا میں دن کا بعض حصہ ہی گزار آئے ہیں۔ یعنی شام نہیں تو صبح رہے تھے اور صبح نہیں تو شام گزاری تھی۔ جس روز صور پھونکا جائے گا۔ تو مجرمین جوق در جوق نکل آئیں گے۔ چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں گے کہ بس دس روز ہمارا قیام رہا ہوگا۔ ان میں کے ممتاز اور تیز حافظ کہیں گے ارے کہاں کے دس روز' ایک ہی دن تو دنیا میں گزارا۔ گنہگار طبقہ تو قسمیں کھا کھا کر کہے گا کہ گھنٹے بھر سے زیادہ کب رہے۔ یہ سب دلیل ہے اس بات کہ دار الآخرت میں دنیا کی زندگی کیسی حقیر اور کتنی مختصر ہے۔ پوچھا جائے گا کہ بتاؤ دنیا میں کتنے سال گزارے؟ تو کہیں گے ایک دن یا اس سے بھی کم۔ چنانچہ یادداشت رکھنے والوں سے پوچھ لیا جائے۔ کہا جائے گا کہ کاش تمہیں علم ہوتا کہ دنیا کی زندگی کتنی تھوڑی ہوتی ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ ماں بچوں کو اور بچے ماں باپ کو' اہل قرابت اپنے رشتہ داروں کو لیکن ہر ایک اپنی اپنی مصیبت یا اپنی اپنی راحت میں مصروف و مشغول رہے گا۔ جب صور پھونکا جائے گا تو حسب نسب کچھ نہیں' کوئی عزیز اپنی عزیز کو نہیں پوچھے گا۔ جن لوگوں نے خدا سے ملاقات کی تکذیب کی تھی وہ بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ افسوس ہے ان جھٹلانے والوں پر کہ قیامت کے دن انہوں نے اپنی ذات اور اپنے متعلقین کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے سامنے حسرت و ندامت اُٹھانی پڑے اور الگ رہنا پڑے۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَإِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور جس (عذاب) کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا (عذاب) اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا (اس کے نزول کے قبل ہی) ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے پھر سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے

سب افعال کی اطلاع رکھتا ہے اور ہر ہر امت کے لئے ایک حکم پہنچانے والا (ہوا) ہے۔ سو جب ان کا وہ رسول ان کے پاس آ جاتا ہے (اور احکام پہنچا دیتا ہے اس کے بعد) ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان پر (ذرا) ظلم نہیں کیا جاتا۔ ○

فیصلے ☆

اپنے نبی (ﷺ) سے خطاب ہوتا ہے کہ اگر ہم تمہاری حیات میں ان سے انتقام لیں تا کہ تمہارے دل کو تسکین ملے یا تمہاری ہی زندگی ختم ہو جائے۔ بہر حال ان کی بازگشت ہماری ہی طرف ہے۔ اگر تم نہ بھی رہو تو تمہاری بعد ان کے افعال کا گواہ خدا تعالیٰ بن جائے گا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ گزشتہ رات میری اگلی اور پچھلی ساری امت میرے سامنے پیش کی گئی۔ تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگلی امت تو خیر لیکن پچھلی امت جو آنے والی ہے اور ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی ہے وہ کیسے پیش کی گئی؟ تو فرمایا کہ ان کی ایک خاکی صورت سامنے لائی گئی اور میں ان میں سے ہر ایک کو اس سے بھی بہتر طور پر پہچان رہا تھا۔ جیسے کہ تم اپنے کسی ساتھی کو پہچان لیتے ہو۔ ہر امت کے لئے ایک ایک رسول ہوتا ہے جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان ایک منصفانہ فیصلہ ہو جاتا ہے جیسے اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ زمین کے نور سے چمک اُٹھتی ہے۔ چنانچہ ہر امت اپنے پیغمبر کی موجودگی میں خدا کے سامنے پیش ہوتی ہے۔ ان کا اچھا یا برا نامۂ اعمال ساتھ ہوتا ہے۔ جو بحیثیت ان کے گواہ کے ہوتا ہے۔ نیز ملائکہ بھی گواہ ہوتے ہیں۔ جنہیں ان پر نگران مقرر کیا گیا تھا۔ یکے بعد دیگرے ہر امت پیش ہوتی رہے گی اور یہ امت اگر چہ آخری امت ہے لیکن قیامت کے روز یہ سب سے پہلی امت بن جائے گی۔ جس کا فیصلہ اللہ پاک سب سے پہلے فرمائے گا بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم اگر چہ سب کے بعد ہیں لیکن قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے اور ساری مخلوق سے پہلے ہمارا حساب کتاب ہو جائے گا۔ اس امت نے یہ شرف اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے حاصل کیا ہے۔ آپ پر قیامت تک درود و سلام ہو۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اے نبی اور اے مسلمانو) یہ وعدہ (عذاب کا) کب (واقع) ہوگا۔ اگر تم سچے ہو (تو واقع کیوں نہیں کرا دیتے) آپ فرما دیجئے کہ میں (خود) اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور کسی ضرر (کے دفع کرنے) کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا (اختیار) خدا کو منظور ہو۔ ہر امت کے (عذاب کے) لئے ایک معین وقت ہے (سو) جب ان کا وہ معین آ پہنچتا ہے تو (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔ آپ (اس کے متعلق ان سے) فرما دیجئے کہ اگر تم پر خدا رات کو آ پڑے یا دن کو تو (یہ بتلاؤ) کہ عذاب میں کون چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں۔ کیا پھر جب وہ (اصل موعود) آ ہی پڑے گا (اسی وقت) اس کی تصدیق کرو گے ہاں اب مانا۔ حالانکہ (پہلے سے) تم (بقصد تکذیب) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔ پھر ظالموں (یعنی مشرکوں) سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو تم کو تو تمہارے ہی کئے کا بدلہ ملا ہے۔ ○

کیسا بیہودہ مطالبہ ☆

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ مشرکین عذاب میں جلدی کرتے ہیں اور وقت عذاب آنے سے پہلے عذاب مانگتے ہیں۔ اس میں ان کی کوئی بھلائی نہیں۔ کافر تو جلدی کرتے ہیں لیکن مومن اس سے ڈرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ واقعتہً عذاب ضرور آئے گا۔ اگرچہ اس کا وقت معین معلوم نہ ہو۔ اسی لئے اللہ پاک نبی ﷺ کو جواب سکھا رہا ہے کہ کہہ دو کہ میں اپنے نفس کے لئے نہ مضرت کا مالک ہوں نہ منفعت کا۔ میں صرف اتنا ہی کہتا ہوں جو مجھے بتا دیا گیا ہے اور اگر میں کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں تو اس پر قادر نہیں' جب تک کہ اللہ پاک خود مجھے آگاہ نہ فرمائے۔ میں تو اس کا بندہ اور تمہارے لئے اس کا قاصد ہوں۔ میں نے تمہیں خبر دے دی ہے کہ قیامت ضرور ہوگی لیکن اس کا وقت مجھے نہیں بتلایا گیا۔ ہر قوم کے لئے ایک مقررہ مدت ہوتی ہے اور جب وہ ختم ہو جائے تو ایک ساعت کی بھی نہ اس میں تقدیم ہوگی نہ تاخیر۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ جب کسی کا وقت آ جاتا ہے تو ذرہ بھر کی بھی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ کافروں پر خدا کا عذاب ناگہاں آ جائے گا۔ اگر دن اور رات میں کسی بھی وقت یکا یک آ جائے تو بتاؤ کیا کرو گے۔ اس لئے جلدی کیوں کرتے ہو۔ جبکہ آ ہی جائے گا تو اس وقت کیا ایمان لاؤ گے۔ وہ ایمان کا وقت کب رہے گا۔ اس وقت کہا جائے گا کہ لو جس عذاب کی تم جلدی کرتے تھے۔ اس وقت کہیں گے اے خدا! ہم نے دیکھ لیا' ہم نے سن لیا۔ عذاب سے سابقہ پڑنے پر بول اٹھیں گے کہ ہم اب اکیلے خدا کو مانتے ہیں اور دوسرے تمام معبودوں کو چھوڑتے ہیں لیکن اس وقت کا ایمان کوئی ایمان نہیں۔ اللہ کی عداوت تو اپنے بندوں میں یوں ہی چلی ہوئی ہے۔ ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب دائمی عذاب چکھو۔ اس طرح انہیں خوب ڈانٹ بتائی جائے گی۔ جس عذاب جہنم کا وہ انکار کرتے تھے اس عذاب میں انہیں دھکے دے دے کر جھونکا جائے گا۔ تم جادو کہتے تھے تو کیا وہ جادو ہے نہیں بلکہ تم خود اندھے ہو۔ اب خواہ صبر کرو نہ کرو۔ اپنے اعمال کا بدلہ ضرور پاؤ گے۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ړ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

يَعْتَذِرُوْنَ ﴿۱۱﴾

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۴﴾

اور وہ (غایت تعجب وانکار سے) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی امر ہے آپ فرما دیجئے کہ ہاں قسم میرے رب کی کہ وہ واقعی امر ہے اور تم کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کر سکتے (کہ وہ عذاب دینا چاہے اور تم بچ جاؤ) اور اگر ہر ہر مشرک شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ ساری زمین میں بھر جائے تب بھی اس کو دے کر اپنی جان بچانے لگے اور جب عذاب دیکھیں گے تو (مزید فضیحت کے خوف سے پشیمانی کو (اپنے دل ہی میں) پوشیدہ رکھیں گے اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا اور ان پر (ذرا ظلم نہ ہوگا)۔ ○

بخدا یہی حق ہے ☆

تم سے یہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ مٹی ہو جانے کے بعد یہ قبروں سے اُٹھنا کیا سچ ہے تو کہہ دو کہ ہاں خدا کی قسم سچ ہے تمہارا مٹی ہو جانا اور پھر ہمارا تم کو پہلی حالت پر لے آنا ہمارے لئے آسان ہے۔ ہم اس میں عاجز نہیں۔ خدا تو جب کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا' پس وہ چیز وجود پذیر ہو جاتی ہے ایسی قسمیں قرآن میں صرف دو ہی جگہ اور بیان ہوئی ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ جو معاد کا انکار کرتے ہیں ان سے قسم کھا کر بیان کرو۔ سورۂ سبا میں ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ قیامت نہ ہوگی۔ کہہ دو کہ خدا کی قسم ہوگی اور سورہ تغابن میں ہے کہ کافر سمجھتے ہیں کہ پھر زندہ نہیں ہوں گے۔ کہہ دو کہ خدا کی قسم زندہ ہوں گے اور تمہارے اعمال تم کو بتائے جائیں گے اور یہ بات خدا پر کچھ دشوار نہیں ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو یہ کافر یہ چاہیں گے کہ زمین بھر سونا دے کر عذاب سے چھٹکارا پائیں لیکن نہ ہو سکے گا اور جب عذاب کو دیکھ لیں گے تو ایک خاموش ندامت سے دوچار رہیں گے لیکن جو کچھ بھی ان سے برتاؤ ہوگا انصاف کے ساتھ ہوگا۔ ذرا بھی زیادتی نہ ہوگی۔

اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملک ہیں یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے (پس قیامت ضرور آئے گی) لیکن بہت سے آدمی یقین ہی نہیں کرتے۔ وہی جان ڈالتا ہے وہی جان نکالتا ہے اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے (اور حساب وکتاب ہوگا)۔ ○

سب کچھ خدا کا ہے ☆

وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے۔ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ وہ زندہ کرتا ہے' وہ مارتا ہے۔ بازگشت اسی کی طرف ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ سمندروں' میدانوں' اطراف عالم سے اُنکے ذرات خاک کو پھر جمع کرے اور پھر زندہ جسم بنا دے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْاؕ هُوَخَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو بُرے کاموں سے روکنے کے لئے نصیحت ہے اور دلوں میں جو (برے کاموں سے) روگ (ہو جاتے ہیں) ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت (اور ذریعہ ثواب) ہے (اور یہ سب برکات) ایمان والوں کے لئے ہیں۔ آپ (ان سے) کہہ دیجئے (کہ جب قرآن ایسی چیز ہے) تو پس لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے۔ وہ اس (دنیا) سے بدر جہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں۔ ○

نسخۂ شفا ☆

قرآن عظیم جو دیا گیا ہے اس پر احسان جتایا جاتا ہے کہ اے لوگو! یہ پند و نصیحت کا ایک دفتر ہے جو تمہارے خدا کی طرف سے ہے اور تمہارے دلوں کے لئے شفا ہے۔ یعنی شک و شبہ کو اور دلوں کی گندگی اور ناپا کی کو دور کرنے والا ہے۔ اس سے خدا کی ہدایت و رحمت حاصل ہوگی۔ مگر صرف انہی کو' جو خدا پر ایمان و یقین رکھتے ہیں۔ قرآن کو ہم نے مومنین کے لئے شفا اور رحمت بنا کر اتارا ہے لیکن گنہگاروں کے لئے یہ نقصان اور خسارہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ کہہ دو کہ یہ قرآن خدا کا فضل اور رحمت ہے۔ اس کو لے کر خوش ہو جاؤ اور دنیائے فانی کے منافع جو تم حاصل کرتے ہو' ان سب میں بہترین چیز یہ قرآن ہے۔ جب عراق کا خراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حضرت عمرؓ اسے دیکھنے کے لئے نکل آئے۔ ان کا خادم بھی ان کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ خراج میں آئے ہوئے اونٹوں کو گننے لگے' لیکن کہاں تک' گنتے گنتے تھک گئے تو کہنے لگے خدا کا شکر ہے۔ ان کا خادم کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ بھی خدا کا فضل اور رحمت ہے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایسا نہیں اللہ تعالیٰ نے: ﴿بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ﴾ کہہ کر قرآن اور اس سے استفادہ مراد لیا ہے۔ اس لئے اس کو فضل و رحمت نہیں بلکہ ﴿مِمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ہمارا جمع کردہ ہے۔ فضل و رحمت تو بہت بڑی شان ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًاؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے (انتفاع کے) لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے (اپنی طرف سے) اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ ان سے پوچھئے کہ کیا تم کو خدا نے حکم دیا ہے یا (محض)

اللہ پر (اپنی طرف سے) احتراز ہی کرتے ہو اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں' ان کا قیامت کی نسبت کیا گمان ہے واقعی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر آدمی بے قدر ہیں (ورنہ توبہ کر لیتے)۔O

تمہاری اپنی اپج ☆

مشرکوں نے بعض جانوروں کو بحائر' سوائب وصائل' نام دے کر کسی کو اپنے پر حلال اور کسی کو حرام قرار دے لیا تھا۔ اس کی تردید فرمائی جارہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ کھیتوں میں جو نکلتا ہے اور مویشی جو پیدا ہوتے ہیں' وہ اس میں سے خدا کا ایک حصہ خاص قرار دیتے ہیں۔ ابو الاحوص روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور صورت اور لباس کی حیثیت سے میں بدحال تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ مال و دولت ہے کہ نہیں؟ میں نے کہا کہ خدا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے۔ اونٹ' گھوڑوں' بکروں کے گلے ہیں۔ لونڈی غلام ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم پر خدا کے آثار نعمت کیوں ظاہر نہیں ہیں۔ پھر فرمایا تمہارے اونٹوں سے بچے ہوتے ہیں' وہ ہر عضو سے تندرست ہوتے ہیں لیکن تم استرا لے کر اٹھتے ہو' ان کے کان کاٹ دیتے ہو کہتے ہو کہ یہ بحائر ہیں۔ ان کی کھال چیر دیتے ہو' کہتے ہو کہ اب یہ صرم ہے۔ اپنے پر بھی حرام کر لیتے ہو اور اپنے اہل پر بھی۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اب آپ ﷺ نے فرمایا کہ سنو! جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال دیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے حلال ہے حرام ہو نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی تر ہے اور اللہ تعالیٰ کا چاقو تمہارے چاقو سے زیادہ تیز ہے۔ اللہ پاک ان لوگوں سے اپنی سخت ناراضی کا اظہار کرتا ہے جو اس کے حلال کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں یا حرام کو اپنے لئے حلال بنا لیتے ہیں اور یہ صرف اپنی ذاتی رائے اور خواہش کی بنا پر جس کی کوئی دلیل نہیں۔ پھر ان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ فرماتا ہے کہ جو لوگ خدا پر افترا کرتے ہیں۔ آخر وہ سمجھتے کیا ہیں کہ قیامت کے روز ہم ان سے کیا برتاؤ کریں گے۔ وقولہ تعالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کے ترک میں گویا دنیا ہی میں انہیں عقوبت دے کر ان کا معالجہ مقصود ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ شاید اس سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب فضل ہے۔ لوگوں پر کہ دنیا پر بہت سی ایسی چیزیں انسانوں کے لئے پیدا کر دیں۔ جن سے مسرت اور ان کی منفعت ہے اور ایسی چیزیں انسان کے لئے حرام فرما دیں' جن میں سراسر مضرت بھی۔ یا تو بحیثیت دین یا بحیثیت دنیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ یعنی خدا کے انعامات کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور اپنے نفسوں پر تنگی کر لیتے ہیں۔ یعنی اپنی طرف سے کسی کو حلال اور کسی کو حرام قرار دے لیتے ہیں۔ مشرکین میں اس چیز کا خوب رواج ہو گیا تھا اور انہوں نے اپنا مسلک ہی ایسا بنا لیا تھا اور اہل کتاب میں اگرچہ یہ بات نہیں تھی' لیکن انہوں نے بھی یہ بدعت اختیار کر لی تھی موسیٰ بن صباح سے۔ قولہ تعالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ کے بارے میں منقول ہے کہ قیامت کے دن تین قسم کے خدا پرست پیش کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک قسم سے دریافت فرمائے گا کہ تم نے کس خیال سے یہ اعمال اختیار کئے تھے۔ تو وہ کہیں گے کہ یارب تو نے جنت پیدا کی۔ جنت میں باغ' پھل' اشجار' انہار' حور و قصور اور اہل طاعت کے لئے ہر قسم کی نعمتیں مہیا کیں' اسی کو حاصل کرنے کے لئے میں نے رات رات بھر جاگ کر عبادت کی۔ دن دن بھر روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جنت کی خاطر جب یہ عمل کئے تو جا جنت ہی تیرا ٹھکانا ہے۔ لیکن یہ تیرے عمل کا بدلہ نہیں۔ میں تجھے دوزخ سے نجات دیتا ہوں' میرا یہ فضل ہے اور میں تجھے جنت میں داخل کرتا ہوں اور یہ بھی میرا فضل ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر

دوسرے لوگ بلائے جائیں گے۔ خدا ان سے بھی یہی پوچھے گا تو وہ کہیں گے۔ یارب! تو نے دوزخ پیدا کی دوزخ میں طوق و زنجیر رکھے۔ گرم ہوائیں اور کھولتا ہوا پانی اس میں پیدا کئے۔ اہل معصیت کے لئے سارے ہی عذاب اس میں مہیا کئے۔ چنانچہ میں رات رات بھر جاگ کر عبادت کرتا رہا۔ دوزخ کے خوف سے دن دن بھر بھوکا پیاسا رہ کر روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے دوزخ سے ڈر کر نیک اعمال کئے ہیں تو لے میں نے تجھے دوزخ سے نجات بخشی اور پھر میرا یہ مزید فضل ہے کہ دوزخ سے نجات دینے کے بعد تجھے جنت بھی دے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ جنت میں جا داخل ہوگا۔ اب تیسری نوع کے لوگ حاضر کئے جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو وہ بتائیں گے کہ یارب! ہم نے تو تیرے شوق اور تیری محبت کے لئے تیری عبادت کی۔ رات بھر بھی عبادت کی اور دن بھر روزے بھی رکھے۔ صرف تیری رضامندی اور تیری اشتیاق ملاقات کے لئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب میرے شوق بقا میں تم نے ایسے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے سامنے جلوہ افروز ہو جائے گا اور فرمائے گا' لو مجھے دیکھو، مجھ پر نظر ڈالو کہ تم کو سب کو بڑی دولت ملی ہے۔ پھر فرمائے گا کہ میں نے اپنے فضل سے تمہیں دوزخ سے بھی نجات دیتا ہوں اور جنت سے بھی تمہیں سرفراز کرتا ہوں۔ میرے ملائک تیرے پاس حاضر رہیں گے اور بذات خود تم پر اپنی سلامتی نازل فرماتا رہوں گا۔ چنانچہ ایسے بھی جنت میں جا داخل ہوں گے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾

اور آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور (اسی طرح اور لوگ بھی جتنے ہوں) تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے۔ جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب (کے علم) سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (بلکہ سب اس کے علم میں حاضر ہیں) اور نہ کوئی اس (مقدار مذکور) سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز (اس سے) بڑی ہے مگر یہ سب (بوجہ علم الٰہی کے) کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں (مرقوم) ہے۔ O

ذرہ ذرہ کا علم ☆

نبی ﷺ کو خبر دی جا رہی ہے کہ خدا تمہاری امت اور جمیع خلائق کے سارے احوال سے ہر لحظہ اور ہر ساعت واقف ہے۔ ذرہ بھر چیز بھی زمین اور آسمان کے اندر خواہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ کتاب مبین میں یعنی علم الٰہی میں موجود ہے۔ اس کے علم سے باہر نہیں ہو سکتی۔ غیب کی معلومات اسی کے پاس ہیں۔ بحر غیب کی بات اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ایک پتہ بھی ٹوٹ کر گرتا ہے رات کی تاریکیوں میں کہیں کوئی چیز ذرہ بھی پڑا رہتا ہے اور کوئی چیز تر ہو کہ خشک اچھی ہو کہ بری سب کا اس کو علم ہے۔

اشجار و جمادات و حیوانات کی ہر حرکت کو جانتا ہے۔ زمین پر جتنے جاندار ہیں' ہوا میں جتنے پرندے اُڑتے ہیں' یہ بھی تمہاری طرح گروہ در گروہ ہیں۔ ہر جاندار کی غذا کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ جب ان اشیاء کی حرکات کا بھی اس کو علم ہے تو انسان مکلّف اور مامور بالعبادۃ کے حرکات و اعمال کا علم اس کو کیسے نہ ہوگا۔ جیسا کہ فرماتا ہے کہ تم اسی عزیز و رحیم پر بھروسہ رکھو' جو تم کو اگر نماز میں کھڑے بھی ہو تو دیکھ رہا ہے' سجدہ بھی کر رہے ہو تو دیکھ رہا ہے اور اسی لئے فرمایا کہ خواہ تم کسی مشغلے میں ہو قرآن پڑھ رہے یا کوئی اور عمل کر رہے ہو' ہم دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔ چنانچہ جب جبریل علیہ السلام نے احسان کے معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے تو فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ تم خدا کی اس طرح عبادت کرو۔ گویا خدا کو دیکھ کر عبادت کر رہے ہو اور اگر یہ نہیں تو کم از کم اس طرح کہ تم اس کے سامنے ہو اور وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾

یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ (ناک واقعہ پڑنے والا) ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں۔ وہ (اللہ کے دوست) ہیں جو ایمان لائے اور (معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں۔ ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی (منجانب اللہ تعالیٰ خوف و حزن سے بچنے کی خوشخبری ہے (اور) اللہ تعالیٰ کی باتوں میں (یعنی وعدوں میں) کچھ فرق نہیں ہوا کرتا۔ یہ (بشارت جو مذکور ہوئی) بڑی کامیابی ہے۔ ○

کیسا خوف' کیسا رنج؟ ☆

ارشاد باری ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد پرہیزگاری بھی اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ جو پرہیزگار ہے خدا کا ولی ہے۔ احوال آخرت سے اگر انہیں سابقہ پڑے گا تو ان کو کوئی خوف دامن گیر نہ ہوگا اور نہ دنیا میں انہیں کوئی حزن و غم گھیرے گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت ذکر و فکر خداوندی میں دیکھے جاتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اولیاء اللہ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ وہ لوگ کہ جب دیکھو یاد خدا میں مصروف۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے بندوں میں ایسے بھی بندے ہیں کہ انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں' ہم بھی ان سے محبت رکھیں گے۔ فرمایا انبیاء کے لئے بھی قابل رشک لوگ وہ ہیں کہ نہ مال کا کوئی تعلق نہ نسب کا لگاؤ۔ مگر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہیں وہ نور کے منبروں پر ہیں۔ لوگ جہاں خوف سے تھرا جائیں' وہاں ان پر ذرا بھی آثار خوف نہیں۔ لوگوں پر رنج و غم طاری ہے اور ان کو رنج سے کوئی واسطہ نہیں۔ ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مختلف قبائل سے اور چاروں طرف سے لوگ جمع ہوں گے اور ان میں کوئی رشتہ داری نہ ہوگی۔ لیکن وہ محض آپس میں اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہوں گے اور خلوص و محبت ہوگی۔ قیامت کے روز اللہ ان کے لئے نور کے منبر قائم

کرے گا۔ جس پر وہ بیٹھے ہوں گے۔ لوگ قیامت میں پریشان پھر رہے ہوں گے۔ لیکن وہ مطمئن۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء یہی لوگ ہیں۔ ابوالدرداء سے کسی نے آنحضرت ﷺ کی وضاحت: ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ کے بارے میں پوچھی تو کہا بشارت سے رویائے صالحہ مراد ہیں، جن کو کوئی مسلم دیکھتا ہے یا دوسروں کو اس سے متعلق خواب دکھایا جاتا ہے۔ ابوالدرداء نے کہا کہ تم نے مجھے یہ سوال کیا اور اس سے پہلے صرف ایک وقت ایک شخص نے نبی ﷺ سے یہ سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سچے خواب جو کوئی دیکھے یا اس کے حق میں کوئی دوسرا دیکھے تو دنیا کی زندگی میں بھی اس کے لئے خوشخبری ہے اور آخرت میں جنت کی بشارت ہے۔ عبادہ بن صامت سے حضرت ﷺ نے یہی فرمایا تھا کہ تم سے پہلے مجھ سے کسی نے یہ سوال نہیں کیا تھا۔ بُشْرٰى سے مراد رویائے صالحہ مراد ہیں۔

ابن صامت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ اس آیت میں آخرت کی بشارت تو جنت ہے لیکن دنیا کی بشارت سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچے خواب جس کو کوئی دیکھے یا اس کے حق میں کسی کو دکھائے جائیں اور یہ سچے خواب بھی نبوت کے ستر یا چوالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی انسان اچھے عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی ستائش کرتے ہیں تو گویا یہ مومن کے لئے دنیا ہی میں جنت کی بشارت ہے اور یہ اُنچاس ۴۹ اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہے۔ پس جو اچھے خواب دیکھے تو وہ لوگوں کے سامنے بیان کر دیا کرے اور جو برے خواب دیکھے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے تو چاہئے کہ تین دفعہ اپنی بائیں طرف تھوک دے اور خدا کی تکبیر پڑھ لے اور کسی سے بیان نہ کرے۔ ایک دوسری جگہ خواب کو چھیالیس ۴۶ اجزائے نبوت میں سے ایک قرار دیا ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رویائے حسنہ اللہ تعالیٰ کی بشارت ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کے مرنے کے وقت ملائکہ اس کو جنت اور مغفرت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا......﴾ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے پھر مرتے دم تک اس پر قائم بھی رہے تو اس پر فرشتے نازل ہوں گے اور کہیں گے کہ نہ خوف کرو نہ غمگین ہو۔ تم کو اس جنت کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے والی ہیں۔ تم جو چاہتے ہو تم کو مل گیا ہے۔ یہ خدائے رحیم کی طرف سے تحفہ ہے۔ حدیث براء میں ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو روشن چہرے والے اور سفید لباس والے فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پاک روح راحت و ریحان کی طرف چل۔ خدا تجھ سے ناراض نہیں۔ تو یہ روح اس کے منہ سے اس طرح نکل پڑے گی جیسے مشک کے منہ سے پانی نکلتا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ قیامت ان کو گھبرا نہ دے گی۔ فرشتے ان سے کہیں گے کہ یہ وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ تھا۔ اس دن مومنین کے سامنے نور چل رہا ہوگا' سامنے بھی اور سیدھی طرف بھی۔ آج تمہیں بشارت ہے جنت کی۔ جس کے نیچے ہمیشہ بہنے والی نہریں چل رہی ہیں۔ یہ بڑی زبردست کامیابی ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں تمام تر غلبہ (اور قدرت بھی) خدا ہی کے لئے (ثابت) ہے وہ ان کی باتیں سنتا ہے (اور ان کی حالت) جانتا ہے وہ آپ کا بدلہ ان سے خود لے لے گا یاد رکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں (یعنی جن وانس اور فرشتے) یہ سب اللہ ہی کی (مخلوق) ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کر رہے ہیں (خدا جانے) کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں۔ محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے ہیں اور محض قیاسی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ (بوجہ روشن ہونے کے) دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے۔ اس (بنانے) میں دلائل (توحید) ہیں ان لوگوں کے لئے جو (تدبیر کے ساتھ ان مضامین کو) سنتے ہیں۔ ○

خدائے غالب ☆

اللہ پاک رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ مشرکین کا یہ قول تم کو رنجیدہ نہ کرے۔ تم ان پر غالب آنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اس پر بھروسہ کرو۔ ہر طرح کی عزت اور غلبہ خدا اور خدا کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سنتا ہے ان کے احوال کو جانتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے۔ مشرکین جو اصنام کی عبادت کرتے ہیں وہ اصنام نہ ضرر پر قادر ہیں نہ نفع پر نہ ان مشرکین کے پاس کوئی معقول دلیل ہے۔ وہ تو جھوٹ، اٹکل اور قیاس آرائیوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے رات بنائی تاکہ دن بھر کی تکان سے سکون و راحت حاصل کریں اور دن کو حصول معاش کی خاطر روشن بنایا۔ وہ دن میں سفر کرتے ہیں اور روشنی کے اندر ان کے دیگر مصالح ہیں۔ ان دلائل کو سن کر عبرت حاصل کرنے والوں کیلئے ان آیتوں میں نشانیاں ہیں اور وہ عظمت خالق پر دلیل ہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِى الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ

نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾

وہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ (کیسی سخت بات کہی) وہ تو کسی کا محتاج نہیں (اور سب اس کے محتاج ہیں) اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تمہارے پاس (بجز بیہودہ دعویٰ کے) اس (دعویٰ) پر کوئی دلیل (بھی) نہیں (تو) یا اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم (کسی دلیل سے) علم نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں (جیسے مشرکین) وہ (کبھی) کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش ہے (جو بہت جلد ختم ہوا جاتا ہے۔ پھر (مرکر) ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہے۔ پھر (آخرت میں) ہم ان کو کفر کے بدلے سزائے سخت (کا مزہ) چکھا دیں گے۔ ○

بیہودہ ترین بات ☆

اِس میں تردید ہے ان لوگوں کی جو اس کے قائل ہیں کہ نعوذ باللہ خدا کا بھی کوئی لڑکا ہے۔ وہ تو پاک خدا ہے۔ وہ اولاد تو کیا ہر چیز سے بے نیاز ہے اور ہر موجود چیز اس کے کرم کی محتاج ہے۔ زمین اور آسمان اور مافیہا میں سب اسی کا ہے۔ پھر وہ اپنے مملوک اور اپنے عبد ہی کو اپنا بیٹا کیسے بنالے گا۔ اے مومنو! تمہارے پاس تو یہ دلیل ہے لیکن ان کے پاس اپنے کذب و بہتان کی کوئی دلیل نہیں۔ ارے تم جانتے کچھ بھی نہیں اور دعویٰ کر بیٹھتے ہو۔ یہ مشرکین کو زبردست تنبیہ ہے۔ یہ کافر کہتے ہیں کہ خدا کے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ یہ ایسی زبردست گستاخی ہے کہ اس کو سن کر آسمان پھٹ پڑے زمین شق ہو جائے پہاڑ گر پڑیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ خدا کو بھلا یہ کہاں سزاوار ہے کہ اس کے بھی کوئی بیٹا ہو۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز تو خدا کی ممنون اور اسی کی عبد ہے۔ سب اس کے شمار میں ہیں۔ وہ ان کی گنتی جانتا ہے ہر ایک انفرادی طور پر قیامت کے روز اس کے پاس حاضر ہوگا۔ پھر ان بہتان لگانے والے کافروں کو اللہ پاک دھمکی دیتا ہے کہ یہ دین اور دنیا میں کہیں فلاح نہ پائیں گے۔ لیکن دنیا میں انہیں جو کچھ مل رہا ہے۔ وہ ان کے لئے عذاب کا پیش خیمہ ہے اور ان کے لئے ڈھیل ہے تاکہ چندے اور وہ دنیا کی متاع قلیل سے مستفید ہو جائیں پھر تو انہیں زبردست عذاب سے دوچار ہونا ہی پڑے گا۔ یہ دنیا تو ان کے لئے چند روز زندگی کی راحت ہے۔ پھر ہماری طرف لوٹنا ہی ہوگا۔ وہاں ہم انہیں عذاب شدید کا مزہ چکھائیں گے۔ یہ ان کے کذب وافترا اور کفر کے سبب سے ہوگا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور آپ ان کو نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنایئے (جو کہ اس وقت واقع ہوا تھا) جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا (وعظ گوئی کی حالت میں) اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا (بھاری) ناگوار معلوم ہوتا ہے تو میرا تو خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ سو تم (میرے ضرر پہنچانے کے متعلق اپنی تدبیر (جو کر سکو) مع اپنے شرکاء (یعنی بتوں) پختہ کر لو پھر تمہاری گھٹن (اور دل تنگی) کا باعث نہ ہونا چاہئے پھر میرے ساتھ (جو کچھ کرنا ہے) کر گزرو اور (اصلا) مہلت نہ دو۔ پھر اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ تو (یہ سمجھو کہ) میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا (اور میں تم سے کیوں مانگتا کیونکہ) میرا معاوضہ تو صرف (حسب وعدہ کرم) اللہ ہی کے ذمہ ہے اور چونکہ مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں طاعت کرنے والوں میں رہوں۔ سو (باوجود اس موعظت بلیغہ کے بھی) وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے۔ پس (اس پر عذاب مسلط ہوا اور) ہم نے (اس عذاب سے) ان کو اور جوان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو (زمین پر) آباد کیا اور (باقی جو لوگ رہ گئے تھے) جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو (اس طوفان میں) غرق کر دیا۔ سو دیکھنا چاہئے کیسا (برا) انجام ہوا ان لوگوں کا جو (عذاب الٰہی سے ڈرائے جا چکے تھے)۔ ○

قصہ قوم نوح ☆

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار مکہ کو جنہوں نے تمہیں جھٹلایا ہے اور تمہاری مخالفت کی ہے نوح علیہ السلام کے اور نوح علیہ السلام کی قوم کے واقعات سنا دو۔ جس نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوم کو کس طرح غرق آب کر دیا۔ تاکہ متقدمین کے افسوس ناک نتیجہ کو دیکھ کر یہ ہوشیار ہو جائیں کہ کہیں انہیں بھی ہلاکت سے سامنا نہ ہو جائے۔ وہ واقعات یہ ہیں کہ نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اگر ایسا ہی تم کو میرا تمہارے درمیان ٹھہرنا اور تمہیں راہ راست پر لانے کے لئے نصیحتیں کرنا گراں گزرتا ہے تو خیر مجھے بھی پروا نہیں میرا بھروسہ تو خدا پر ہے تمہیں گراں گزرے یا نہ گزرے میں تو تبلیغ سے باز نہیں آ سکتا۔ اچھا تم اور تمہارے شرکاء یعنی اصنام و اوثان جن کی تم خدا کے بجائے پرستش کرتے ہو سب یک دل ہو جاؤ اور اپنی کوششوں میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو اور ہر طرح سے اپنے کو مضبوط بنا لو۔ اگر تم کو یہی گمان ہے کہ تم حق پر ہو تو میرے متعلق اپنا فیصلہ نافذ کر دو اور مجھے ایک گھنٹے بھر کی مہلت نہ دو۔ جس قدر کر سکتے ہو کر گزرو۔ مجھے نہ تمہاری پروا ہے نہ تم سے خوف ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے قیاس کی بنیاد تو کچھ ہے ہی نہیں۔ ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے ایسا ہی کہا تھا کہ میں بھی خدا تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو جو شریک خدا بنا لیتے ہو میں اس ذہنیت سے بالکل بری ہوں۔ اب چاہو تو تم سب میرے خلاف سازش کر لو اور مجھے دم بھر کی بھی مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ تو خدا پر ہے جو تمہارا بھی ہے اور میرا بھی۔ اب اگر تم نے تکذیب کی اور پیٹھ پھیر لی تو کیا مجھے تم سے کچھ لینا تھا کہ جس کے ضائع ہونے کا افسوس ہوگا۔ میں جو تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اس پر کچھ تم سے اجرت تو نہیں مانگ رہا۔ مجھے تو اجر دینے والا خدا تعالیٰ ہے۔ مجھے تاکید ہے کہ سب سے پہلے میں ایمان لاؤں اور مجھ پر فرض ہے کہ اسلام کے احکام کی تعمیل کروں۔ کیونکہ تمام انبیاء کا دین

اسلام ہی تھا۔ چاہے وہ ابتدائی ہوئی یا آخری۔ طریقۂ کار اور مشرب بدل جائے تو ہو جائے کچھ مضائقہ نہیں۔ توحید کی تعلیم تو ایک ہی رہے گی۔ قول باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے ہر ایک کے لئے ایک شریعت' الگ الگ قانون اور جدا جدا راستہ بنایا ہے۔ یہ نوح ہیں جو کہہ رہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے ایمان لاؤں۔

ابراہیم خلیل اللہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''جب ان کے رب نے ان سے کہا کہ ایمان لاؤ تو فوراً بول اُٹھے کہ میں ایمان لایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں' پوتوں اسمٰعیل علیہ السلام اور یعقوبؑ کو بھی نصیحت کر رکھی کہ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین اسلام کو انتخاب کیا ہے۔ اس لئے اسلام کو اختیار کر رکھو۔ قبل اس کے کہ تمہیں موت آ جائے۔ یوسف علیہ السلام نے بھی کہا تھا کہ اے خدا! تو نے مجھے بادشاہت عطا فرمائی اور بات کی توجیہہ وتاویل کی تعلیم دی۔ زمین اور آسمان کو پیدا کرنے والا تو ہی ہے دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا والی ہے۔ میں مروں تو اسلام پر قائم رہ کر مروں اور مجھے صالحین کے گروہ میں شامل رکھ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے لوگو! اگر تم مسلمان ہو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو اور اسی پر ایمان لاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں نے کہا تھا کہ یا رب ہم کو ثابت قدم رکھ اور اسلام کی موت دے۔ بلقیس نے کہا تھا کہ الٰہی! میں حدود سے آگے بڑھ گئی تھی۔ میں اسلام لاتی ہوں اور دین اسلام اختیار کرتی ہوں۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ہم نے جو تورات نازل کی ہے وہ سراسر ہدایت اور نور ہے۔ مسلمانوں پر نبی اس کے ذریعے حکم قائم کرتے ہیں اور ارشاد باری ہے کے حواریین عیسیٰ کی طرف ہم نے القاء کیا تھا کہ مجھے پر اور میرے رسولؑ پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور اے خدا تو ہی گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔ خاتم الرسل سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری نماز اور میری عبادت میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے' جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے حکم کا میں مامور ہوں اور پہلے میں ہی اسلام لاتا ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم انبیاء کے گروہ گویا علاتی بھائی ہیں۔ کہ باپ سب کا ایک ہے اور مائیں جدا جدا۔ یعنی دین ہم سب کا ایک ہے اور وہ خدائے واحد کی عبادت ہے۔ چاہے سب کی شریعتیں الگ الگ ہوں۔ پھر فرماتا ہے۔ ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے دین پر چلنے والوں کو کشتی پر بٹھا کر نجات دے دی اور ان کو زمین پر بحیثیت خلیفہ قرار دیا اور جنہوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا تھا' ان کو غرق کر دیا۔ دیکھو ان بدنصیبوں کا کیسا برا حشر ہوا ہے۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھو ہم نے مومنین کو کیسی نجات دی اور نہ ماننے والوں کو کیسا ہلاک کر دیا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۷۴

پھر نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے (مگر) پھر بھی ان کی ضد اور ہٹ کی یہ کیفیت تھی کہ جس چیز کو انہوں نے اول میں (ایک بار) جھوٹا کہہ دیا نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے (اور جیسے یہ لوگ دل کی سخت تھے) ہم اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں۔ ○

رسول اور معجزات ☆

ارشاد ہے کہ ہم نے نوحؑ کے بعد دوسرے رسولوں کو بھی ان قوموں کی طرف بینات و دلائل اور معجزے دے کر بھیجا۔ لیکن جس طرح تکذیب کر چکے تھے اسی پر قائم رہے اور سابقہ رسولوں کی تکذیب کے گنہگار تو تھے ہی۔ اب ان رسولوں پر بھی ایمان نہ لائے۔ جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہم ان کے دلوں اور نگاہوں سے سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت ہی نکال دیتے ہیں اور ان سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ یعنی جیسا کہ سابقہ اُمتوں نے پیغمبر کی تکذیب کی تھی تو ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی۔ اسی طرح ان گمراہیوں کی پیروی کرنے والوں کے دلوں پر بھی مہر لگا دی۔ چنانچہ جب تک وہ دردناک عذاب سے دوچار نہ ہوں گے یقین نہ کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ تکذیب رسل کرنے والی امتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا اور جو رسولوں پر ایمان لائے انہیں نجات عطا فرمائی۔ یہ نوحؑ کے بعد کے لوگوں کا ذکر ہے ورنہ آدم علیہ السلام کے زمانہ کے بعد کے لوگ تو اسلام پر قائم تھے لیکن بعد میں ان کے اندر بتوں کی عبادت کا رواج ہو گیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ اسی لئے تو قیامت کے روز مؤمنین نوح علیہ السلام کو کہیں گے کہ آپ پہلے پیغمبر ہیں جو دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان دس صدیاں گزری تھیں۔ یہ سب مذہب اسلام پر قائم تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نوحؑ کے بعد کتنے ہی زمانے ہم نے ختم کر دیئے۔ آیت متذکرہ بالا کے ذریعے مشرکین عرب کو ڈرایا گیا ہے جو خاتم الرسل کی تکذیب کر رہے تھے۔ جب کہ سابقہ پیغمبروں کو جھٹلانے پر عذاب و نکال کا اللہ تعالیٰ نے اس قدر ذکر فرمایا ہے تو قریش کو تکذیب رسول پر غور کرنا چاہئے کہ وہ ان سے بھی بڑے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں کہ یہ تو خاتم الانبیاء ہیں۔ اب پھر نہ کوئی نبی آئے گا نہ انہیں ہدایت کا کوئی دوسرا موقع ملے گا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاۗءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

پھر ان (مذکورین) پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنے معجزات (عصا اور ید) دے کر بھیجا سو انہوں نے (دعویٰ نبوت کے ساتھ ہی ان کی تصدیق کرنے سے) تکبر کیا اور وہ لوگ جرائم کے خوگر تھے (اسی لئے اطاعت نہ کی) پھر جب (بعد دعویٰ کے) ان کو ہمارے پاس سے (نبوت موسویہ پر) صحیح دلیل پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے۔ موسیٰ نے فرمایا کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جبکہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے

ہو (کہ یہ جادو ہے) کیا یہ جادو ہے۔ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم اس کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے اور (اس لئے آئے ہو کہ) تم دونوں کو دنیا میں ریاست (اور سرداری) مل جائے اور (تم خوب سمجھ لو کہ) ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔ ○

ہر فرعونے را موسیٰ ☆

پھر ان رسولوں کے بعد ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کی طرف موسیٰ اور ہارونؑ کو بھیجا اور اپنی نشانیاں اور دلائل و براہین بھی ساتھ دیئے لیکن اتباع حق اور انقیاد و طاعت سے اس مجرم قوم نے انکار کر دیا اور جب ان کے پاس ہماری طرف سے امر حق آ پہنچا تو بلا تامل کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ گویا کہ انہوں نے اپنی سرکشی پر قسم ہی کھا رکھی تھی[1]۔ حالانکہ انہیں یقین تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں فی الواقع وہ جھوٹ اور بہتان ہے جیسا کہ خود اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ انکار تو کر رہے ہیں لیکن ان کے دل خود یقین رکھتے ہیں کہ یہ ہمارا ظلم اور سرکشی ہے۔ غرض موسیٰ نے تردیداً کہا کہ حق بات تمہارے سامنے آتی ہے تو کہہ اُٹھتے ہو کہ یہ جادو ہے۔ حالانکہ جادوگر تو کبھی خیر و فلاح کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ منکرین کہتے ہیں کہ اے موسیٰ! کیا تم اسی لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمارے باپ دادا کے دین سے ہمیں پھیر دو اور پھر ساری عظمت و ریاست غلبہ و سطوت سب تمہارے بھائی ہارون کے ہو جائے۔ ہم تو کبھی تم کو ماننے والے نہیں۔ اللہ پاک نے اپنی کتاب عزیز میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کو متعدد بار ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ عجیب تر قصہ ہے۔ فرعون پہلے ہی سے موسیٰ سے خوفزدہ رہتا تھا۔ لیکن قدرت کی کرشمہ کاریاں کہ جس سے فرعون اتنا خوفزدہ تھا۔ اللہ پاک نے اسی کو فرعون کے پاس پالا پوسا اور شہزادوں کی طرح آپ اس کے گھر پرورش پاتے رہے۔ پھر ایک انقلاب آیا اور ایک ایسا سبب پیدا[2] ہو گیا کہ آپ فرعون کے پاس سے نکل کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور کلام بالشافہ سے آپ کو سرفراز فرمایا۔ پھر اسی فرعون کی طرف بھیجا کہ جاؤ اسے دعوت اسلام دو کہ وہ ہماری طرف رجوع کرے اور بے دینی کے بجائے ہمارے دین پر چلے۔ حالانکہ جو عظمت و سطوت کہ فرعون کو حاصل تھی سو تھی۔ چنانچہ آپ خدا کا پیغام لے کر آتے ہیں اور آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کے سوا اور کوئی آپ کا مددگار نہیں لیکن فرعون نے سرکشی کی غرور کیا۔ اس میں حمیت بے جا پیدا ہو گئی۔ اس کا نفس خبیثہ جاگ اُٹھا وہ موسیٰ سے روگردان ہو گیا اور وہ دعویٰ کر بیٹھا جس کا اس کو کوئی حق نہ تھا۔ بغاوت و سرکشی کی۔ بنی اسرائیل کے مومنین کی اہانت کی۔ ایسے موقف پر بھی فرعون کی دست برد سے موسیٰ اور ہارون محفوظ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے اور یکے بعد دیگرے موسیٰ کے ساتھ مجادلہ اور نوک جھونک ہوتی رہتی ہے اور موسیٰ ایسی نشانیاں اور معجزات پیش کرتے ہیں کہ عقلیں حیران رہ جاتی ہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی طرف سے تائید یافتہ کے سوا اور ایسے دلائل نہیں پیش کر سکتا۔ ایک نشانی سے بڑھ کر دوسری نشانی پیش کی جاتی ہے۔ لیکن فرعون اور اس کی جماعت بھی قسم کھا بیٹھی تھی کہ نہ مانیں گے۔ حتیٰ کہ جب عذاب آیا تو ایسا آیا کہ کوئی اس کو رد ہی نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ ایک دن وہ سب غرق کر دیئے گئے اور اس ظالم قوم کا استیصال ہو گیا۔

---

[1] یعنی اپنی غلط بات پر بھی اس طرح اڑے ہوئے تھے جیسا کہ کوئی قسم کھانے والا اپنی بات پر اڑ جاتا ہے۔

[2] اس سبب کی تفصیل آگے آتی ہے۔ مختصر یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہو گیا جس کے قاتل کی تلاش تھی۔ بعض قرائن سے متعین ہو گیا کہ یہ قبطی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اس پر آپ کی گرفتاری کا حکم ہوا اور مصر سے تشریف لے گئے۔ یہ بات خوب یاد رکھنا کہ قبطی کا یہ قتل آپ نے قصداً نہیں کیا تھا بلکہ اتفاقاً یہ صورت پیش آ گئی تھی۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾

ع ۸ ۱۲ ۱۴

اورفرعون نے (اپنے سرداروں سے) کہا کہ میرے پاس تمام جادوگروں کو (جو ہماری قلمرو میں ہیں) حاضر کرو (چنانچہ جمع کئے گئے) سو جب وہ آئے (اور موسیٰ سے مقابلہ ہوا) موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم کو (میدان میں) ڈالنا ہے۔ سو جب انہوں نے (اپنا جادو کا سامان) ڈالا تو موسیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ تم بنا کر لائے ہو جادو ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (جادو) کو درہم برہم کئے دیتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ دلیل صحیح (یعنی معجزہ) کو اپنے وعدوں کے موافق ثابت کر دیتا ہے گو مجرم (اور کافر) لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔ ○

قصہ ساحرین ☆

اللہ پاک نے جادوگروں اور حضرت موسیٰ کے قصہ کا ذکر سورہ اعراف میں فرمایا ہے اور وہاں اس قصہ پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اس سورت اور سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء میں بھی ذکر ہے کہ فرعون نے ارادہ کیا کہ موسیٰ کے حق مبین کا معارضہ اپنے جادوگروں کے خرافات اور شعبدوں سے کرے لیکن وہ مقصد میں ناکام رہ گیا اور محفل عام میں براہین الٰہیہ غالب آ گئے اور سب جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم تو رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارونؑ کا رب ہے۔ فرعون کا تو گمان تھا کہ وہ جادوگروں سے مدد لے کر خدا کے رسول پر غالب آئے گا لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مستوجب دوزخ ہو گیا۔ فرعون نے ان سے وعدہ کر رکھا تھا کہ غالب آ جاؤ گے تو تم لوگ میرے مقرب بنو گے اور تمہیں بڑا انعام و اکرام دیا جائے گا۔ ساحروں نے کہا کہ موسیٰ تم پہلے اپنا کرتب دکھاؤ گے کہ ہم پہلے دکھائیں۔ موسیٰ نے کہا تم ہی پہل کرو۔ اس غرض سے کہا کہ لوگ دیکھ سکیں کہ جادوگر کیا چیز پیش کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد حق سامنے آئے اور باطل کی سرکوبی کرے۔ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں ڈال دیں اور لوگوں کی آنکھوں پر جادو چلا دیا۔ رسیاں سانپ بن گئیں۔ لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ اتنا بڑا زبردست جادو پیش کیا کہ موسیٰ بھی خوفزدہ ہو گئے۔ ہم نے کہا موسیٰ ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ اپنے ہاتھ کا عصا بھی میدان میں پھینک دو۔ وہ اژدہا بن کر ان کے سانپوں کو نگل جائے گا۔ ساحروں کا یہ کرتب جادو کا کھیل ہے اور جادوگر تو کسی صورت میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسے موسیٰ نے ان سے کہا کہ یہ تمہارا کھیل تو جادو کا کھیل ہے اللہ تعالیٰ اسے باطل کر کے رہیں گے۔ مفسدین کے عمل کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کر کے رہے گا۔ خواہ گنہگاروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ ابن ابی سلیم سے روایت ہے کہ یہ آیتیں بحکم خدا سحر سے شفا کا کام دیں گی۔ اس آیت کو پڑھ کر پانی پر پھونکو۔ پھر مسحور کے سر پر انڈیل دو۔

یہ سورہ یونس کی آیت وہ ہے: ﴿فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسٰى ...... كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾ (یونس: ۸۱-۸۲) دوسری آیت ہے: ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ......﴾ (الاعراف: ۱۱۸) اور: ﴿إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى﴾ (طٰہٰ: ۶۹)۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پس (جب عصا کا معجزہ ظاہر ہوا تو) موسیٰ (علیہ السلام) پر (شروع شروع میں) ان کی قوم میں سے صرف قدرے قلیل آدمی ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں (ظاہر ہونے پر) ان کو تکلیف نہ پہنچائے اور واقعہ میں ڈرنا ان کا بیجا نہ تھا کیونکہ فرعون اس ملک میں زور (سلطنت) رکھتا تھا اور یہ بھی بات تھی کہ وہ حد (انصاف) سے باہر ہو جاتا تھا۔ ○

انسان کا خوف ☆

اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ موسیٰ نے آیات بینات جو پیش کیں تو فرعون کی قوم اور اس کے ذریات میں سے بہت ہی تھوڑے ایمان لائے۔ ایمان لانے والے نوجوانوں اور اس کے افراد قوم کو یہ خوف تھا کہ جبراً وہ حالت کفر پر لوٹا دیئے جائیں گے کیونکہ فرعون بڑا عیار' سرکش تھا۔ اس کی شوکت و دبدبہ بہت زیادہ تھا۔ اس کی قوم اس سے بہت ڈرتی تھی۔ غیر بنی اسرائیل میں سے صرف فرعون کی بیوی اور آل فرعون سے ایک اور شخص' پھر فرعون کا خازن اور اس کی بیوی۔ پس جو قلیل جماعت تھی' جو ایمان لے آئی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ: ﴿إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ﴾ موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل مراد ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ذُرِّيَّةٌ سے ان لوگوں کی اولاد مراد ہے۔ جن کی طرف موسیٰ بھیجے گئے تھے اور جو بہت عرصہ پہلے اس اولاد کو چھوڑ کر مر گئے تھے۔ ابن جریر ذُرِّيَّةٌ کے بارے میں مجاہد کا قول پسند کرتے ہیں کہ وہ قوم فرعون سے نہیں بلکہ بنی اسرائیل سے تھے کیونکہ ضمیر جب بھی راجع ہوئی ہے تو قریب تر کی طرف راجع ہوتی ہے اور یہاں قریب تر موسیٰ کا لفظ ہے نہ کہ فرعون کا اور یہ غور طلب بات ہے۔ اس لئے کہ ذُرِّيَّةٌ سے مراد نوجوان لوگ ہیں اور وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اور مشہور ہے کہ بنی اسرائیل تو سب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور انہیں بشارت دی جا چکی تھی اور وہ موسیٰ کے صفات سے خوب واقف ہو چکے تھے اور انہیں بشارت کتب مقدسہ سے مل چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں فرعون کی قید سے نجات دے گا اور فرعون پر غالب بنائے گا اور اسی لئے جب فرعون کو یہ بات معلوم ہوئی تو بہت محتاط رہنے لگا اور جب موسیٰ مبلغ ہو کر فرعون کے پاس آئے تو فرعون بنی اسرائیل کو بہت تکلیفیں پہنچانے لگا۔ اب وہ کہنے لگے کہ موسیٰ! تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جا رہے تھے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں۔ موسیٰ نے کہا' ذرا صبر کرو خدا قریب تر عرصہ میں تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور اس کا جانشین تمہیں بنا دے گا اور دیکھے گا کہ اب تم خود کیسا عمل کرتے ہو اور جب یہ بات ہے تو ذُرِّيَّةٌ سے پھر قوم موسیٰ یعنی بنی اسرائیل کے سوا اور کیا مراد ہو سکتی ہے۔ بنی اسرائیل کو فرعون اور پھر اپنی جماعت سے خوف تھا کہ وہ پھر انہیں کافر بنا لیں گے اور بنی اسرائیل میں قارون کے سوا کوئی ایسا نہ تھا' جس سے وہ ڈرتے۔ کیونکہ قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا لیکن باغی تھا' فرعون سے ملا ہوا

تھا۔ یہاں .مَلَاۡئِہِمۡ. کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف گئی ہے لیکن جو یہ کہتے ہیں کہ یہ ضمیر فرعون اور عمائد فرعون کی طرف جاتی ہے کیونکہ اس کے عمائد بھی اس کے متبعین میں سے تھے۔ یا یہ کہ فرعون سے پہلے آل کا لفظ محذوف سمجھا جائے۔ اس لئے جمع کی ضمیر ہے اور مضاف کی جگہ مضاف الیہ رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی آل کی جگہ کہ فرعون رکھ دیا گیا ہے۔ سو یہ بعید از قیاس بات ہے۔ اگرچہ ابن جریر نے یہ دونوں باتیں لکھی ہیں۔ یہ سب بیانات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سب مومن تھے۔

وَقَالَ مُوۡسٰی یٰقَوۡمِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ فَعَلَیۡہِ تَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوۡا عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِکَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۸۶﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم (سچے دل سے) اللہ پر ایمان رکھتے ہو (تو سوچ بچار مت کرو) بلکہ اسی پر توکل کرو۔ اگر تم (اسی کی) اطاعت کرنے والے ہو۔ انہوں نے (جواب میں) عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے صدقہ ان کافروں سے نجات دے۔ ○

خدائے غالب پر توکل ☆

اللہ پاک فرماتا ہے کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کر بیٹھو۔ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کا کفیل ہو جاتا ہے اور اکثر دفعہ عبادت اور توکل کو ملا کر کہا گیا ہے: ﴿فَاعۡبُدۡہُ وَتَوَکَّلۡ عَلَیۡہِ قُلۡ ہُوَ الرَّحۡمٰنُ اٰمَنَّا بِہٖ وَعَلَیۡہِ تَوَکَّلۡنَا﴾ (ہود: ۱۲۳) وغیرہ اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ ہر نماز میں متعدد بار کہو کہ: ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ چنانچہ بنی اسرائیل حکم بجا لائے اور کہا کہ: ﴿عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡنَا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ (ہود: ۵۸) ہم تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اے خدا ہم کو ان ظالموں کا مشق ستم نہ بنا ہم پر انہیں کامیاب نہ کر۔ ورنہ وہ یہ گمان کریں گے کہ ہم ہی حق پر ہیں اور یہ بنی اسرائیل باطل پر ہیں۔ چنانچہ اور زیادہ ہم پر ستم توڑیں گے آل فرعون کے ہاتھوں ہمیں عذاب نہ دے اور نہ اپنے عذاب میں مبتلا کر۔ ورنہ فرعون کی قوم کہے گی کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو مبتلائے عذاب نہ ہوتے اور ہم ان پر غالب نہ آتے اور ہمیں اپنی رحمت و احسان سے اے خدا اس کافر قوم سے نجات بخش۔ یہ کافر ہیں اور ہم مومن ہیں اور تجھ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰی وَاَخِیۡہِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِکُمَا بِمِصۡرَ بُیُوۡتًا وَّاجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً وَّاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی (ہارون) کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لئے (بدستور) مصر میں گھر برقرار رکھو اور (نماز کے اوقات) تم سب اپنے انہیں گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور (یہ ضروری ہے کہ) نماز

کے پابند رہو اور (اے موسیٰ) آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں۔ ○

بنی اسرائیل اور سرزمین مصر☆

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دینے کے سبب کو بیان کرتا ہے کہ موسیٰ اور ہارونؑ کو ہم نے حکم دیا کہ تم اپنی قوم کو لے کر مصر میں جا بسو۔ ﴿وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً﴾ میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے گھروں ہی کو مسجدیں بنالو اور ابراہیم کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل خوفزدہ تھے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ گھروں میں ہی نماز پڑھا کرو اور اس حکم کی حیثیت بالکل ایسی ہے کہ جب فرعون اور قوم فرعون کی طرف سے گرفت بہت بڑھ گئی تو کثرت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب کسی وقت بہت پریشان ہوتے تو نماز سے مدد حاصل کرتے۔ اسی لئے اس آیت میں ہے کہ گھروں ہی کو مسجدیں سمجھ کر نمازیں پڑھنے لگو اور مومنین کو ثواب اور نصرت قریب کی بشارت دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنواسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم فرعونیوں کے سامنے کھلے بندوں نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اچھا گھروں پڑلو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو فرعون سے خوف تھا کہ مسجد میں نماز پڑھیں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہا گیا کہ اچھا چھپ کر گھروں میں پڑھ لو اور گھروں کو آمنے سامنے بنائے رکھو۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٨٨﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے (دعا میں) عرض کیا اے ہمارے رب (ہم کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ) آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں اے ہمارے رب اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے ان کے دلوں کو (زیادہ) سخت کر دیجئے (جس سے ہلاکت کے مستحق ہو جائیں) سو یہ ایمان نہ لانے پائیں۔ یہاں تک کہ عذاب الیم (کے مستحق ہو کر اس) کو دیکھ لیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی قبول کر لی گئی سو تم (اپنے منصبی کام یعنی تبلیغ پر) مستقیم رہو ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔ ○

پیغمبر کی بددُعا ☆

اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ جب فرعون اور اس کی جماعت نے قبول حق سے انکار کیا اور اپنی گمراہی و کفر پر قائم رہی۔ ظلم و ستم و سرکشی اختیار کی۔ تو موسیٰ نے خدا سے کہا کہ یا رب تو نے فرعون اور اس کے لوگوں کو زینت دنیا اور اموال کثیر اس دنیا میں دے رکھا ہے۔ اس سے تو وہ اور بھٹک جائیں گے یا دوسروں کو بھٹکانے لگیں گے۔ لِیَضِلُّوْا فتح یا کے ساتھ یہ معنی ہوئے کہ تو نے انہیں یہ نعمتیں دیں۔ حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ یہ تو ان پر انعام ہوا۔ دوسرا قول ہے لِیُضِلُّوْا ضمہ یا کے ساتھ۔ یعنی تیرے عطیات کے سبب لوگ یہ خیال کریں گے کہ تیرے ان پر جو انعامات ہیں' وہ گویا اس بات کا ثبوت ہیں کہ تو انہیں دوست رکھتا ہے' جب ہی تو انہیں خوشحال رکھا۔ یہ گویا سبیل ہوئی اس بات کی کہ ان کی وجہ سے لوگ بھٹکے۔ اس لئے اے خدا! ان کے اموال کو ہلاک کر دے۔ ضحاک اور ابوالعالیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال کو پتھر بنا دیا۔ وہ پتھر ویسے ہی منقش بنے ہوئے قلب ماہیت پائے گئے۔ جس کی کیفیت میں وہ اموال اپنی اصلی حالت میں تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہمارے علم میں آیا ہے کہ ان کے اناج نے بھی پتھر کی شکل اختیار کر لی تھی اور شکر وغیرہ بھی پتھر کے ذرات کی شکل میں آ گئی تھی۔ محمد بن کعب نے عمر بن عبدالعزیز کے سامنے سورہ یونس پڑھی اور جب اس آیت پر پہنچے: ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ﴾ تو عمر نے کہا اے حمزہ طمس کا کیا مطلب ہے؟ تو ابوحمزہ نے کہا کہ ان کے مال و متاع پتھر بن گئے تھے۔ تو عمر بن عبدالعزیز نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ تھیلی لے آؤ۔ جب وہ تھیلی لے آیا تو اس میں چنے اور انڈے رکھے ہوئے جو پتھر بنے ہوئے تھے۔ وقولہٗ ﴿وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ یعنی اے اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ عذاب الیم دیکھنے تک ایمان ہی نہ لائیں۔ یہ دعا موسیٰ علیہ السلام نے غضب میں آ کر فرعون اور قوم فرعون کے حق میں کی تھی۔ جن کے بارے میں موسیٰ کو یقین ہو چکا تھا کہ اب ان میں خیر کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور اب کسی اچھی بات کی ان سے امید ہی باقی نہیں۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام نے کہا تھا کہ: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ......﴾ اے خدا! ان کافروں سے کسی باشندے کو نہ چھوڑ۔ اگر تو ان کو چھوڑے گا تو یہ تیرے دوسرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کے جتنی بھی اولاد ہو گی' سب کافر ہی پیدا ہو گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور ان کے بھائی ہارونؑ نے اس پر آمین کہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم دونوں کی دعا قبول کی جاتی ہے اور آل فرعون ہلاک کئے جاتے ہیں۔ اس آیت سے اس بات پر دلیل لائی جاتی ہے کہ اگر مقتدی امام کی قراءت فاتحہ پر آمین کہے تو یہ مقتدی کے بھی خود قرآن پڑھنے کے بمنزلہ ہے۔ اسی لئے موسیٰ نے دعا کی تھی اور ہارونؑ نے آمین کہی تھی۔ وَاسْتَقِيْمَا جیسے کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے۔ اب تم بھی اسی طرح میرے حکم پر مستقیم رہو اور میرے احکام نافذ کرو۔ استقامت اسی کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس دعا کے چالیس سال بعد فرعون ہلاک ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس دن بعد۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَھُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ

حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ

بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

ع ۹ ۱۰ ۱۴

اور ہم نے بنی اسرائیل کو (اس) دریا سے پار کر دیا۔ پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر ظلم اور زیادتی کے ارادے سے (دریا میں) چلا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا (اور ملائکہ عذاب کے نظر آنے لگے) تو (سراسیمہ ہو کر) کہنے لگا میں ایمان لاتا ہوں کہ بجز اس کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں۔ جواب دیا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے (اور معائنہ آخرت کے) پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا (اب نجات چاہتا ہے) سو (بجائے نجات مطلوبہ کے) آج ہم تیری لاش (پانی میں تہ نشین ہونے سے) نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لئے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ (پھر بھی) بہت سے آدمی ہماری (ایسی ایسی) عبرتوں سے غافل ہیں (اور مخالفت احکام الٰہیہ سے نہیں ڈرتے)۔ ○

فرعون اور اس کی شقاوت' موج' فوج موجوں کی نذر ☆

اللہ پاک فرعون اور لشکر فرعون کے غرق ہونے کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے اور وہ چھ لاکھ سپاہی تھے فرعون کی ایمان لائی ہوئی ذریت کو چھوڑ کر۔ بنی اسرائیل نے فرعون کی قوم والے قبطیوں سے کثیر تعداد میں زیور مانگ لئے تھے اور لے نکل گئے۔ چنانچہ فرعون کا غصہ اور بھی تیز ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے کارندوں کو اپنے ہر ملک سے لشکر جمع کرنے کو کہا اور ایک لشکر عظیم لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل پڑا اور خدا کا منشا ہی یہی تھا۔ چنانچہ اس کے ملک میں جتنے بھی صاحبان ثروت و دولت تھے' کوئی شرکت سے باز نہ رہا۔ سب ہی فرعون کے ساتھ ہو گئے۔ صبح صبح کے وقت ان لوگوں نے بنی اسرائیل کو پا لیا۔ فریقین نے جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰ پکار اُٹھے کہ "اے موسیٰ! اب تو ہم دھر لئے گئے۔" اور یہ اس وقت کی بات تھی' جب کہ بنی اسرائیل دریا کے کنارے آ پہنچے تھے اور فرعونی ابھی پیچھے تھے۔ صورت اس کے سوا کوئی باقی نہ رہی تھی کہ فریقین میں تصادم ہو جائے' موسیٰ علیہ السلام سے لوگ بار بار پوچھنے لگے کہ اب کیا ہوگا۔ فرعونیوں سے کیسے بچیں گے۔ آگے دریا پیچھے دشمن۔ موسیٰ علیہ السلام کہتے تھے کہ مجھے تو یہی حکم ہے کہ دریا میں راستہ پیدا کروں۔ ہم کبھی نہیں پکڑے جائیں گے۔ میرا رب میرا نگہبان ہے جب انتہائی مایوسی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یاس کو اُمید سے بدل دیا اور حکم دیا کہ دریا پر اپنا عصا مارو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا' دریا پھٹ پڑا۔ پانی کا ہر ٹکڑا ایک بلند پہاڑ تھا۔ دریا میں بارہ راستے بن گئے اور ہر گروہ کے لئے ایک ایک راستہ بن گیا۔ دریا کے اندر گیلی زمین کو خشک ہواؤں نے فوراً سکھا دیا اور راستہ گزرنے کے قابل ہو گیا۔ دریائی راستے خشک ہو گئے۔ اب نہ گرفتار ہونے کا ڈر تھا اور نہ کسی بات کا ڈر کہ ڈوب جائیں گے۔ پانی کی دیواروں کے اندر دریچے سے بن گئے تھے۔ تاکہ ہر راستے والے اپنے ساتھیوں کو ان دریچوں کے ذریعے دیکھ سکیں اور مطمئن ہو سکیں کہ دوسرے ہلاک تو نہیں ہو گئے ہیں۔ اب بنی اسرائیل نے دریا کو طے کر لیا۔ جب آخری اسرائیلی بھی دریا کے

پار اُتر گیا۔ تو فرعون کا لشکر دریا کے اس دوسرے کنارے پہنچ چکا تھا۔ اس لشکر میں ایک لاکھ سوار تو صرف سیاہ گھوڑوں والے تھے۔ دوسرے رنگ کے گھوڑے اس کے سوا تھے۔ اس سے لشکر فرعون کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرعون نے جب یہ ہیبت ناک منظر دیکھا تو ڈر گیا اور واپس ہونے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن افسوس کہ اب نجات کا موقعہ جا چکا تھا۔ تقدیر نافذ ہو چکی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا نے قبولیت حاصل کر لی تھی جبریل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار تھے۔ فرعون کے گھوڑے کے پاس سے گزرے۔ گھوڑی کو دیکھ کر گھوڑا ہنہنا اُٹھا۔ جبریل علیہ السلام نے اپنی گھوری دریا میں ڈال دی۔ گھوڑا بھی دریا میں کود پڑا۔ فرعون اس کو نہ تھام سکا۔ مجبور اُدریا میں ہو گیا لیکن اس کو اپنی بہادری ثابت کرنے کے لئے اپنے ساتھی امراء کو للکارا کہ بنی اسرائیل ہم سے زیادہ دریا کے اندر داخل ہونے کے حقدار نہیں۔ سب دریا میں کود پڑو۔ راستہ بنا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا لشکر دریا کے اندر سما گیا میکائیل سب کے پیچھے تھے اور اس کے لشکر کو ہانک کر آگے بڑھا رہے تھے۔ چنانچہ ایک بھی پیچھے نہ رہا۔ جب داخل دریا ہو گئے اور بنی اسرائیل سب دریا پار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو جوڑ دیا۔ اب کوئی فرعونی بھی نہ بچ سکا۔ موجیں بلند ہو رہی تھیں اور پست ہو رہی تھیں۔ مدو جزر پیدا ہو گیا تھا۔ فرعون پر سکرات موت طاری تھی۔ اب وہ کہہ اُٹھا کہ ہاں بنی اسرائیل کے خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ میں ایمان لاتا ہوں۔ لیکن افسوس کہ وہ اس وقت ایمان لایا جب ایمان لانا کچھ بھی مفید نہ تھا۔ قول باری ہے کہ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو بول اُٹھے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور کفر و شرک سے باز آئے لیکن ہمارا عذاب دیکھ چکنے کے بعد ایمان نفع بخش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے۔ کافر خسارے میں رہیں گے۔ اسی لئے اللہ پاک نے فرعون کے جواب میں کہا کہ اب ایمان لاتا ہے اور اب تک نافرمان بنا ہوا تھا اور فتنے مچا رہا تھا اور لوگوں کو گمراہ کر رہا تھا۔ وہ لوگ دوزخ میں لے جانے کے لئے دوسروں کے امام بنے ہوئے تھے۔ اب ان کی ہرگز مدد نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی یہ بات کہ: ﴿اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمائی۔ یہ ان غیب کی باتوں میں سے تھی، جس کی خبر صرف آپ ہی کو ہو سکی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فرعون نے ایمان کا کلمہ زبان سے نکالا تو جبریل علیہ السلام مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذریا کی کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونس دی کہ کہیں ان کے کلمات سے دریائے رحمت جوش میں نہ آ جائے۔

قولہ تعالیٰ ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً﴾ اب ہم تیری روح کو نہیں تیرے جسم کو محفوظ کرتے ہیں۔ تاکہ بعد والوں کے لئے وہ عبرت بن جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض بنی اسرائیل نے فرعون کی موت کے بارے شک کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ فرعون کے جسد بے روح کو جس پر لباس بھی موجود ہے، زمین کے ایک ٹیلہ پر پھینک دے۔ تاکہ لوگوں کو فرعون کی موت کا حقیقی ثبوت مل جائے۔ بدن یعنی جسم بلا روح۔ ﴿اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾ یعنی اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے عبرت و نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ یہ ہلاکت یوم عاشورہ میں ہوئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو ان دنوں یہود عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پوچھا کہ ان دن کیوں روزہ رکھتے ہو تو یہود نے کہا اس دن موسیٰ فرعون پر غالب آئے تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میری لوگو! تم اس دن روزہ رکھنے کے یہود سے زیادہ مستحق ہو۔ اس لئے عاشورہ کا روزہ رکھا کرو۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور ہم نے (غرق فرعون کے بعد) بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں (جنات وعیون وغیرہ سے) کھانے کو دیں۔ سوانہوں نے (جہل کی وجہ سے) اختلاف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس (احکام کا) علم پہنچ گیا۔ یقینی بات ہے کہ آپ کا اب ان (اختلاف کرنے والوں) کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ (عملی) کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ ○

بنی اسرائیل پر خدا کے انعامات اور ان کی ناشکری ☆

اللہ پاک بنی اسرائیل پر اپنی دینی اور دنیوی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو رہنے کے لئے اچھی جگہ دی۔ یعنی بلاد شام ومصر جو بیت المقدس کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرعون کو ہلاک کر دیا تو حکومت موسوی بلادِ مصر پر قابض ومتصرف ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس قوم کو وارث بنا دیا جو مشرق ومغرب ہر جگہ کمزور تھی۔ ہم نے انہیں برکت دی اور بنی اسرائیل سے تمہارے رب کا وعدہ پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور فرعون کی قوم نے جو کچھ محلات تیار کئے تھے، سب تہس نہس کر دیئے گئے۔ ہم نے انہیں باغوں اور چشموں سے نکال باہر کیا۔ خزائن ان سے چھین لئے اور ان سب کا وارث بنواسرائیل کو بنا دیا۔ انہوں نے بے شمار باغات وچشمے چھوڑے تھے لیکن بنی اسرائیل موسیٰؑ سے ہمیشہ ہی بلادِ بیت المقدس کا مطالبہ کرتے رہتے۔ تھے جو حضرت خلیل اللہ کا وطن تھا۔ ان دنوں یروشلم پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا۔ بنواسرائیل کو ان سے لڑنے کے لئے کہا گیا تو وہ انکار کر بیٹھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دشت تیہ میں سرگرداں وحیران چھوڑ دیا۔ چالیس برس وہاں گزرے۔ اس عرصہ میں ہارونؑ اور پھر موسیٰؑ وفات پا گئے۔ اب بنی اسرائیل تیہہ سے یوشع بن نون کی معیت میں باہر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس ان کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔ یہ عرصہ تک ان کے قبضہ میں رہا۔ پھر بخت نصر نے قبضہ کرلیا۔ پھر دوبارہ بنواسرائیل کا قبضہ ہوا۔ پھر ملوک یونان اس پر متصرف ہوئے۔ ان کے احکام طویل عرصہ تک چلتے رہے۔ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجا۔ یہود نے حضرت عیسیٰؑ کی دشمنی میں ملوکِ یونان سے ساز باز کی۔ حضرت عیسیٰؑ کی چغلیاں کھائیں اور کہا کہ عیسیٰؑ رعایا میں فساد وفتنہ پیدا کر رہا ہے۔ ملک یونان نے ان کو پکڑ کر سولی دینا چاہا۔ لیکن مشیت باری سے ایک حواری پر عیسیٰؑ کا گمان ہوگیا۔ اس کا پکڑ کر سولی دے دی اور گمان کیا کہ عیسیٰؑ یہی تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ اللہ عزیز وحکیم ہے۔ پھر مسیح علیہ السلام کے تقریباً تین سو برس بعد ایک یونانی بادشاہ قسطنطین نے دین نصرانی قبول کیا۔ لیکن یہ فلسفی تھا۔ کہتے ہیں کہ دین نصاریٰ میں تقیہ اور حیلہ کے طور پر شامل ہوگیا تھا تاکہ دین عیسیٰؑ میں فتنہ پردازی کرے۔ نصرانی پادریوں نے اس کے حکم سے شریعت کے نئے نئے قانون وضع کئے، بدعتیں پھیلائیں۔ چھوٹے بڑے کلیسا اور عبادت گاہیں بنائیں ہیکل اور معبد قائم کئے۔ اس زمانہ میں دین نصرانیت بہت پھیل گیا اور

تغیر وتحریف اس میں ہونے لگیں۔ رہبانیت پیدا ہوگئی۔ سچے دین مسیح کی مخالفت ہونے لگی۔ حقیقی دین صرف چند عبادت گزاروں کے اندر ہی باقی رہ گیا۔ اب یہ بھی راہبوں کی شکل میں جنگلوں اور میدانوں میں صومعے بنا کر رہنے لگے۔ نصاریٰ کا قبضہ شام جزیرہ اور بلادِ روم پر ہوگیا۔ اسی بادشاہ نے شہر قسطنطنیہ اور قمامہ بسایا۔ بیت المقدس میں بیت اللحم اور کنائس بنائے۔ جوران کے شہر بسائے جیسے بصریٰ وغیرہ۔ بڑی بڑی محکم عمارتیں بنائیں۔ یہیں سے صلیب پرستی کی ابتدا پڑی۔ عیسائی مشرق بعید تک جا پہنچے اور وہاں بھی کنیسے بنائے۔ خنزیر کا گوشت حلال کرلیا۔ دین کے فروغ و اصول میں عجیب عجیب بدعتیں پیدا کیں۔ امانت حقیرہ کا اصول وضع کر کے امانت کبیرہ کا نام رکھ دیا۔ بادشاہ کے حکم سے نئے نئے قوانین شریعت بنائے۔ اس کی شرح بہت طویل ہے۔ غرض یہ کہ ان بلاد پر ان کا قبضہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ تک رہا۔ حتیٰ کہ بیت المقدس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ للہ الحمد علیٰ ذلک۔

ہم نے انہیں پاک پاک چیزیں دی تھیں۔ تاکہ طیب چیزیں کھائیں لیکن معلومات مذہبی کے باوجود وہ اختلاف کرنے لگے۔ حالانکہ اختلاف فی المذہب کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ اللہ نے تو سب باتیں بلا التباس صاف صاف بیان کر دیں تھیں۔ حدیث میں ہے کہ یہود نے اکہتر فرقے بنا لئے تھے اور نصاریٰ نے بہتر بنائے اور میری امت تہتر فرقے بنائے گی۔ جن میں سے صرف ایک ناجی ہوگا اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ ایک کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس میں اور میرے اصحاب چل رہے ہیں۔ اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ میں قیامت کے روز ان کے اختلاف کا فیصلہ کردوں گا۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۹۷﴾

پھر اگر آپ بالفرض اس (کتاب) کی طرف سے شک (وشبہ) میں ہوں جس کو ہم نے آپؐ کے پاس بھیجا ہے تو آپؐ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو آپؐ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں (مراد تورات وانجیل ہیں تو وہ قرآن کو سچ بتلائیں گے) بے شک آپؐ کے پاس آپؐ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں اور (نہ شک کرنے والوں سے بڑھ کر) ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ کہیں آپ (نعوذ باللہ) تباہ نہ ہو جائیں۔ یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی (یہ ازلی) بات (کہ ایمان نہ لائیں گے) ثابت ہو چکی ہے وہ (کبھی) ایمان نہ لائیں گے گو ان کے پاس تمام دلائل ثبوت حق کے پہنچ جائیں۔ جب تک کہ عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں

(مگر اس وقت ایمان نافع نہیں ہوتا)۔○

اہلِ کتاب کا عناد☆

قتادہ بن دعامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ میں شک کرتا ہوں نہ مجھے پوچھنے کی ضرورت ہے۔اس آیت میں امت کو ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی کی صفت کتب مقدسہ توریت وانجیل میں موجود تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جولوگ نبی اُمّی ﷺ کی پیروی کرتے ہیں وہ اس بناپر کہ آپ کی صفات توریت وانجیل میں مکتوب پاتے ہیں لیکن اس کے باوجود کہ آنحضور ﷺ کو اس طرح جانتے ہیں کہ جیسے اپنی اولاد کے ہونے کو۔ پھر بھی اسے چھپاتے ہیں۔تحریف وتبدیلی انجیل میں کردیتے ہیں۔قیام حجت کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر حق کی حجت قائم ہو چکی ہے۔لیکن کیسا ہی ثبوت ان کو کیوں نہ ملے یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں گے۔لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا کچھ نفع بخش نہ ہوگا۔قوم کے اسی درجہ پر پہنچ جانے کے بعد ہی موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددعا کی تھی کہ اے خدا ان کے اموال فنا کردے۔ان کے دلوں پر مہر لگادے۔عذاب کے بغیر یہ نہ مانیں گے۔اسی طرح فرمان باری ہے کہ اگر ہم ان پر ملائکہ بھی نازل کردیں اور مردے بھی ان سے بات کرنے لگیں اور ہر چیز ان کے لئے جمع کردیں۔پھر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں اور ان میں سے اکثر تو جانتے ہی نہیں ہیں۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا ہاں مگر یونس علیہ السلام کی قوم جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک خاص وقت (یعنی وقت موت) تک (خیروخوبی کے ساتھ) عیش دیا۔○

اُمتوں نے انبیاء علیہم السلام کا ہمیشہ انکار کیا☆

امم سابقہ میں سے کوئی بھی امت ساری کی ساری ایمان نہیں لائی۔جس کی طرف کہ ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے تھے۔بلکہ تم سے پہلے بھی اے محمد (ﷺ) جو رسول آیا ضرور اس کی تکذیب کی گئی۔جیسا کہ قول باری ہے کہ افسوس بندوں پر کہ رسول ان کے پاس آتا ہے تو اس کا مذاق اُڑائے بغیر نہیں رہتے۔کہتے ہیں کہ یہ تو جادوگر ہے مجنون ہے۔جس قریہ میں بھی ہمارا کوئی نبی پہنچا تو وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلیں گے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ انبیاء میرے سامنے پیش کئے گئے۔کسی نبی کے ساتھ بڑی بڑی جماعتیں امتیوں کی تھیں اور کسی نبی کے ساتھ ایک ہی آدمی تھا اور کسی نبی کے ساتھ دو آدمی اور کسی کے ساتھ تو ایک بھی نہیں۔پھر موسیٰ علیہ السلام کی امت کی کثرت کا ذکر فرمایا۔پھر اپنی امت کی کثرت کا ذکر جس نے کہ مشرق ومغرب کو ڈھانپ لیا تھا۔غرض یہ کہ قوم یونس کے سوا کسی ملک کی قوم سب کی سب ایمان نہیں لائی۔یونس علیہ السلام کی قوم اہل نینوا تھے۔ان کا ایمان عذاب دکھائی دینے کے بعد ڈر کی بنا پر تھا۔عذاب

سے ڈرا کر اللہ تعالیٰ کا نبی علیہ السلام اپنی قوم کے اندر سے باہر نکل گیا تھا۔ اب ان لوگوں کو سخت افسوس ہوا۔ خدا کی پناہ چاہی' اللہ تعالیٰ سے فریاد وزاری کی۔ اپنے بچوں اور مویشیوں کو لے کر سب خدا کے سامنے آ کھڑے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ جس عذاب کی نبیؐ نے خبر دی ہے اور پھر ہم سے جدا ہو گیا۔ اس کو دور فرما دے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا۔ عذاب جو سامنے آ چکا تھا' ہٹ گیا۔ جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ قوم یونس علیہ السلام جب ایمان لے آئی تو حیات دنیوی میں ان پر آیا ہوا عذاب ہم نے ہٹالیا اور تاحیات اس عذاب سے ہم نے انہیں بچالیا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف دنیوی عذاب ہٹایا یا عذاب آخرت بھی ہٹ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف دنیا کا عذاب کیونکہ آیت سے صرف اسی پر روشنی پڑتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ہم نے نبیؐ کو ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا تھا۔ وہ ایمان لائے چنانچہ میعاد معینہ تک ہم نے انہیں فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا۔ یہاں ایمان کا لفظ مطلق ہے' بلاقید ہے اور مطلق ایمان تو عذاب اُخروی سے نجات دینے والا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عذاب آ چکنے کے بعد کوئی قوم ایمان لائے تو نہیں چھوڑا جاتا ہے لیکن جب یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور لوگ سمجھ گئے کہ اب عذاب سے نجات نہیں تو ان کے دلوں میں توبہ کے جذبات پیدا ہوئے انہوں نے خراب کپڑے پہن کر اپنے کو بدحال بنالیا۔ مویشیوں کا گروہ اور ان کے بچوں کا گروہ الگ الگ کیا۔ اپنے ساتھ بچوں' جانوروں تک کو لے گئے۔ چالیس دن تک فریاد وزاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلوص نیت اور توبہ کے مخلصانہ جذبہ کو دیکھ کر عذاب ان پر سے ہٹا دیا۔ قوم یونس ارض موصل میں نینویٰ کی رہنے والی تھی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فَلَوْ لَا كَانَتْ کو فَهَلَّا كَانَتْ پڑھتے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ عذاب ان کے سروں پر اس طرح منڈلا رہا تھا۔ جیسے تاریک رات میں بادل کے ٹکڑے۔ یہ لوگ اپنے ایک عالم کے پاس گئے کہ ہمیں ایک دعا لکھ دیجئے کہ جس کی برکت سے عذاب ٹل جائے۔ اس نے یہ دعا لکھ دی تھی۔ ﴿يَاحَيُّ حِيْنَ لَا حَيَّ يَا حَيُّ يُحْيِ الْمَوْتٰى يَاحَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ﴾ چنانچہ عذاب ٹل گیا۔ یہ تمام قصہ سورۃ الصّٰفّٰت ان شاء اللہ بیان ہوگا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اور (ان اقوام وقریٰ کی کیا تخصیص ہے) اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے۔ سو (جب یہ بات ہے تو) کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں۔ جس میں وہ ایمان ہی لے آئیں۔ حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا بدوں خدا کے حکم (یعنی حقیقت) کے ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر (کفر کی) گندگی واقع کر دیتا ہے۔ ○

ہر حال میں خدا ہی کا حکم ☆

اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اللہ چاہتا تو سب کے سب ایمان لے آتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس میں حکمت ہوتی ہے۔ خدا کی مرضی ہوتی تو سب ایک ہی خیال کے ہوتے لیکن لوگ مختلف الرائے ہیں۔ صحیح رائے پر وہ ہیں جن پر اللہ کا رحم ہے اور ان کی فطرت بھی ایسی ہی بنائی ہے۔ خدا کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ اگر سب کے سب ہدایت یافتہ ہوتے تو ایمان کیا بے معنی سی بات ہو کر نہ رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم مجبور کر کے انہیں مومن بنانا چاہتے ہو۔ نہ یہ تم پر واجب ہے نہ تمہارے لئے سزاوار ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔ تم ان پر افسوس کر کے اپنا دل نہ کڑھاؤ۔ اس خیال کے تحت کہ وہ ایمان نہیں لا رہی ہیں' کیا تم اپنی جان ہلاک کر دو گے۔ تم اپنی طاقت سے کسی کو راستی پر نہیں لا سکتے۔ تمہارا کام تو صرف تبلیغ کر دینا ہے۔ پھر ان کو منانا ہم سے ہے۔ تم فقط ناصح ہو' نصیحت کر دو' سمجھا دو۔ اس کے بعد تم ذمہ دار نہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو (اور دیکھو) کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور جو لوگ (عناداً) ایمان نہیں لاتے' ان کو دلائل اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں (یہ بیان ہوا ان کے عناد کا) سو وہ لوگ (بدلالت حال) صرف ان لوگوں کے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو تم (تو اس کے) انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ (اس کے) انتظار میں ہوں۔ پھر ہم (اس عذاب سے) اپنے پیغمبروں کو بچا لیتے ہیں (جس طرح ان مومنین کو ہم نے نجات دی تھی) ہم اسی طرح سب ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ یہ (سب وعدہ ہمارے ذمہ ہے)O

نظر عبرت ☆

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی فرما رہا ہے کہ ساری کائنات میں ہماری جو نشانیاں جیسے آسمان' ستارے' سیارے' شمس و قمر' لیل و نہار پھیلی ہوئی ہیں' ان پر نظر عبرت ڈالو کہ رات میں دن اور دن میں رات کیسے داخل ہو جاتی ہے۔ کبھی دن بڑا اور کبھی رات بڑی۔ آسمان کی بلندی اور پھیلاؤ' ستاروں سے اس کی زیب و زینت' آسمان سے پانی برسنا' زمین کا سوکھ جانے کے بعد پھر زندہ سرسبز ہو جانا' درختوں میں پھل' پھول' کلیاں پیدا ہونا' مختلف نباتات کا اُگنا' مختلف نوع کے جانور' ان کی شکلیں الگ الگ' ان کے رنگ' ان کے فائدے سب الگ الگ' پہاڑ' چٹیل میدان' جنگل' باغ' آبادیاں اور ویرانے' سمندر کے عجائبات موجیں' ان کے مدوجزر' اس کے باوجود سفر کرنے والوں کے لئے سمندر کا مسخر ہو جانا' جہاز چلنا۔ یہ سب خدائے قادر کی نشانیاں

ہیں۔ جس کے سوا کوئی دوسرا خدا ہے ہی نہیں۔ لیکن افسوس کہ یہ ساری نشانیاں کافروں کے غور وفکر کا کچھ بھی سبب نہیں۔ خدا کی دلیل ثابت ہو چکی ہے۔ ایمان نہیں لاتے ہیں نہ لائیں۔ یہ لوگ تو ان ہی عذاب کے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں جس سے سابقہ پہلے کی قوموں کو پڑا تھا۔ اے نبی کہہ دو کہ وقت کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں اور جب ختم انتظار پر عذاب آ جائے گا تو پھر ہم اپنے رسولوں کو بچا لیں گے اور ان کی امت کو بھی اور پیغمبروں کا انکار کرنے والوں کو ہلاک کر دینگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ مومنین کو بچا لے۔ جیسے کہ نیکوکاروں پر رحمت اپنے ذمے لے لی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لوح محفوظ جو عرش پر ہے۔ اس میں مکتوب ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٤﴾ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٥﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک (اور تردد) میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو لیکن ہاں اس معبود کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو (منجانب اللہ) یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں اور یہ کہ اپنے آپ کو اس دین (مذکور توحید خالص) کی طرف اس طرح متوجہ رکھنا اور سب طریقوں سے علیحدہ ہو جاؤ اور (مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ) کبھی مشرک مت بننا اور (یہ حکم ہوا ہے کہ) خدا (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا کہ جو تجھ کو نہ (عبادت کرنے کی حالت میں) کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ (ترک عبادت کی حالت میں) کوئی ضرر پہنچا سکے۔ پھر اگر (بالفرض) ایسا کیا (یعنی غیر خدا کی عبادت کی) تو تم اس حالت میں (اللہ کا) حق ضائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اور (مجھ سے کہا گیا ہے کہ) اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچا دے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں (بلکہ) وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے مبذول فرمائیں اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والے ہیں۔ ○

دین باطل سے بیزاری ☆

اللہ پاک اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے کہ اے نبیؐ! سنا دو کہ میں دین حنیف جو لایا ہوں جس کی وحی مجھ پر اُتری ہے اگر اسکی صحت میں بہر حال تمہیں شک ہو تو میں تمہارے معبودوں کی کبھی پرستش نہ کروں گا۔ میں خدائے وحدہٗ لاشریک کا بندہ ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے اور جس نے زندگی دی تھی یقیناً تم سب کو اسی کی طرف جانا ہے۔ فرض کرو کہ وہ حقیقت تمہارے معبود حق ہیں تو ان سے کہو کہ مجھے نقصان پہنچائیں۔ یاد رکھو کہ ان میں مضرت و نفع پہنچانے کی کوئی قدرت نہیں ہے۔ نفع و ضرر تو خدائے لاشریک کے ہاتھ میں ہے۔ اے نبیؐ کفار سے اعراض کر کے باخلاص تمام خدا کی عبادت میں لگ جاؤ۔ شرک کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا۔ اگر مضرت و نقصان کے اندر خدا تمہیں گھیر لے تو کون اس گھیرے سے تم کو باہر نکال سکتا ہے۔ نفع و ضرر، خیر و شر تو خدا کی طرف راجع ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' عمر بھر خیر کے طالب رہو اور خدا کی نعمتوں کو یاد رکھو۔ خدا کی رحمتوں کی ہوائیں جس خوش نصیب کو پہنچ گئیں تو پہنچ گئیں وہ جس کو چاہے رحمت سے سرفراز فرمائے اور اللہ پاک سے درخواست کرو کہ تمہاری عیب پوشی کرتا رہے اور تمہیں آفات زمانہ اور آفات نفس سے امن میں رکھے۔ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ کیسا ہی گناہ کیوں نہ ہو' توبہ کرلو' حتیٰ کہ شرک کر کے بھی توبہ کرلو تو وہ قبول کر لے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

ع ۱۱ / ۶ / ۱۶

آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اے لوگو تمہارے پاس (دین) حق تمہارے رب کی طرف سے (بدلیل) پہنچ چکا ہے۔ سو (اس کے پہنچ جانے کے بعد) جو شخص راہ راست پر آ جائے گا سو وہ اپنے (نفع کے) واسطے راہ راست پر آئے گا اور جو شخص اب بھی بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا (یعنی اس کا وبال بھی) اسی پڑے گا اور میں تم پر (کچھ بطور ذمہ داری کے) مسلط نہیں کیا گیا اور آپ اس کا اتباع کرتے رہئے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور ان کے کفر (وایذا پر) صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (انکا) فیصلہ کر دینگے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا (فیصلہ کرنے والا) ہے۔○

حق قائم ہو چکا ہے ☆

اللہ پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ لوگوں سے کہہ دو کہ خدا کے پاس سے جو کچھ وحی آئی ہے وہ حق ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں۔ جس نے ہدایت پائی اور اتباع کی اس کا فائدہ آپ اس کو پہنچے گا اور جو ہدایت حاصل نہ کرے اس کا وبال اس کی اپنی جان پر ہے۔ میں کوئی خدائی فوجدار نہیں کہ زبردستی تم کو مومن بناؤں۔ میں تو خدا کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں۔ ہدایت دینا اللہ کا کام ہے۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تم آپ وحی کی پیروی کرو۔ خدا کی وحی کو مضبوطی سے پکڑے رہو' جو تمہاری مخالفت کر رہے ہیں۔ اس پر صبر کرو۔ حتیٰ کہ خدا کا حکم فیصل آ جائے۔ وہ خیر الحاکمین ہے۔

سُوْرَةُ هُوْد

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۱۰ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۱۲۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے بوڑھا بنا دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہود' واقعہ 'عم یتساء لون اور اذا الشمس کورت نے۔ دوسری روایت ہے کہ ہود اور اس کی ساتھ والی سورتوں اور سورۂ حاقہ نے۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴

الٓرٰ (کے معنی تو اللہ کو معلوم) یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں (دلائل سے) محکم کی گئی ہیں۔ پھر (اس کے ساتھ) صاف صاف (بھی) بیان کی گئی ہیں (وہ کتاب ایسی ہے کہ) ایک حکیم باخبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے (ہے) یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو میں تم کو اللہ کی طرف سے (ایمان نہ لانے پر عذاب سے) ڈرانے والا اور (ایمان لانے پر ثواب کی) بشارت دینے والا ہوں اور یہ (بھی) ہے کہ تم لوگ اپنے گناہ و (شرک و کفر وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ پھر (ایمان لا کر) اللہ کی طرف (عبادت سے) متوجہ رہو وہ تم کو وقت مقرر (یعنی وقت موت) تک دنیا میں خوش عیشی دے گا اور (آخرت میں) ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا اور اگر (ایمان لانے سے) تم لوگ اعراض (ہی) کرتے رہو تو مجھ کو (اس صورت میں) تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے تم (سب) کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ○

قرآن کی باعتبار مضامین تقسیم ☆

سورۂ بقرہ میں حروف ہجاء پر بحث گزر چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس لئے الٓرٰ پر روشنی نہیں ڈالی جاتی ہے۔ اللہ کی آیتیں محکم ہیں۔ فُصِّلَتْ کے معنی ہیں کہ صورۃً ومعناً یہ آیتیں کامل ہیں۔ یہ اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ وہ اقوال میں حکیم ہے اور نتائج امور میں خبیر ہے۔ حکم دیا جاتا ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس سے پہلے بھی جس کی رسول طرف ہم نے وحی بھیجی تو یہی کہ میں اکیلا خدا ہوں۔ پرستش میری ہی کرو۔ ہم نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجا ہے کہ عبادت صرف خدا کی کرو اور بتوں کی پرستش سے بچو۔ میں تجھے دوزخ سے ڈراتا ہوں اور جنت کی بشارت دیتا ہوں حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کے قبیلوں کو آواز دی۔ تھوڑی ہی دیر میں یکے بعد دیگرے سب جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے قبیلۂ قریش اگر میں تمہیں خبر دوں کہ صبح ہوتے ہوتے دشمن تم پر حملہ کرنے کے لئے آ پہنچنے والا ہے تو میری بات تم سچ مانو گے نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہمیں تو کبھی تجربہ ہی نہیں ہوا کہ تم نے کوئی غلط کہہ دی ہو تو آپ نے فرمایا تو سنو! میں خدا کے عذاب شدید سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ وہ تمہیں آ لینے والا ہی ہے۔ اب بھی خدا سے معافی مانگ لو۔ توبہ کر لو۔ وہ خدا تمہارے ساتھ برتاؤ کرے گا اور ہر صاحب فضل کو اپنے فضل سے بہرہ ور فرمائے گا۔ وہ دنیا میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گا اور دار آخرت میں بھی۔ جو بھی مرد عورت بشرطیکہ ایمان لے آئے، ہم اسے مرنے کے بعد حیات طیبہ کے ساتھ اٹھائیں رسول اللہ ﷺ نے سعدؓ سے کہا کہ اگر تم کسی پر کچھ خرچ کرو اور تمہاری نیت خالص لوجہ اللہ ہے تو یقیناً اس کا اجر پاؤ گے حتیٰ کہ جو اپنی عورت کو کھلاتے ہو اس کا بھی اجر تمہیں ملے گا۔ جس نے برا عمل کیا، اس پر ایک گناہ لکھ دیا گیا اور جس نے ایک نیکی کی اس پر دس اجر لکھ دیئے۔ اگر دنیا میں ایک عملِ بد کی سزا دی گئی تو اس کے دس حسنات اس کے حق میں رہتے ہیں اور اگر دنیا میں اس کی سزا نہ دی گئی ہو تو اس کے دس حسنات میں سے ایک نیکی سوخت ہو جاتی ہے اور اس کے نو حسنات اس کے حق میں رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ شخص بڑے خسارے میں رہا کہ اس کی اکائیاں اس کے ہر عشرہ پر غالب آ جاتی ہیں۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو مجھے تم پر عذاب قیامت کا خوف ہے۔ یہ اس شخص کے لئے جو اوامر الٰہی سے منہ پھیرتا ہے۔ رسولوں کی تکذیب کرتا ہے تو یقیناً قیامت کے روز عذاب سی دوچار ہو گا۔ تمہاری بازگشت خدا کی طرف ہے وہ اپنی اولیاء پر احسان کرنے اور اعدا کو سزا دینے پر قادر ہے اور اعادۂ خلق پر قادر ہے۔ یہ زبردست تنبیہ ہے، جیسا کہ اس سے پہلے ترغیب دی گئی تھی۔

أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

یاد رکھو وہ لوگ دوہرا کئے دیتے ہیں اپنے سینوں کو (اور اوپر سے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں) تاکہ اپنی باتیں خدا سے چھپا سکیں۔ یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت (دوہرے ہو کر) اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لیتے ہیں وہ اس وقت بھی سب جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ وہ باتیں ظاہر کرتے ہیں (کیونکہ) بالیقین وہ (تو) دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے۔ ○

خدا سب جانتا ہے☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ کھلے آسمان کے سامنے بول و براز کرنے اور صحبت کرنے سے بچتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یَثْنُوْنَ کو تَثْنُوْنِیْ پڑھا ہے تو ابن جعفر نے کہا کہ: ﴿تَثْنُوْنِیْ صُدُوْرُهُمْ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے کہا کہ وہ آدمی جو کہ صحبت کرتے شرم اختیار کرتا ہے یا خلوت کرنے میں بھی اس کو شرم دامنگیر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ آیت اُتری۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لوگ کھلے آسمان کے نیچے خلوت اور صحبت کرنے میں بھی شرم کرتے تھے اور اپنے رخ پھیر لیتے تھے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ رات کو بستر اوڑھ کر لیٹ جاتے اور اپنے سر ڈھانک لیتے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم مکان میں رہ کر یا کپڑا اوڑھ کر کسی برے کام کا ارتکاب کریں تو خدا سے اپنے گناہ کو چھپا سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں سوتے وقت کپڑا اوڑھ لیتے ہیں لیکن کوئی چھپائے کہ ظاہر کرے اللہ تعالیٰ واقف رہتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان کے دل کی نیت اور ضمیر کے ارادوں اور بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ سبعہ معلقات کا مشہور شاعر کہتا ہے ؎

فلا تکتمن اللہ مافی قلوبکم ☆ لیخفی و مھمایکتم اللہ یعلم

یؤخر فیوضع فی کتاب فیدخر ☆ لیوم الحساب او یعجل فینتقم

تم اپنے دلوں کی مخفی بات کو خدا سے چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ خدا ضرور جان لیتا ہے۔ وہ عمل جمع رہے گا اور نامۂ اعمال میں یوم قیامت کے لئے محفوظ رہے گا۔ ورنہ جلدی سزا دی گئی تو دنیا ہی میں سزا دی جائے گی۔ اس زمانۂ جاہلیت کے شاعر نے بھی شاعر نے وجود صانع کا اعتراف کیا ہے اور یہ بھی کہ وہ جزئیات سے بھی واقع ہے۔ میعاد ہے جزا ہے نامۂ اعمال ہیں۔ یوم قیامت ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی مشرک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے جاتے وقت اپنا منہ موڑ لیا اور سر ڈھانک لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری: ﴿یستخفوا منه﴾ (ہود: ۵) لیکن اس بات کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے چھپنا چاہتے ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی آتا ہے: ﴿اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ......﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے: ﴿اَلَا اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ﴾ (سورۂ ہود: ۵) پڑھا ہے۔ اس کے معنی بھی قریب قریب وہی ہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶﴾

اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چند روزہ رکھنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ سب چیزیں کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں (بھی منضبط اور مندرج) ہیں۔ ○

خدا رزاق ☆

اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات جو چھوٹی بڑی، خشکی وتری میں ہیں، ان سب کے رزق کا ذمہ دار ہے۔ وہی ان کے چلنے پھرنے، آنے جانے اور ٹھہرنے، رہنے سہنے اور جائے موت اور رحم میں رہنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ مفسرین کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ تمام ماجرا اس کتاب میں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لکھا ہوا ہے اور وہی کتاب اس کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ......﴾ (الانعام: ۳۸) روئے زمین پر چلنے والے جانور اور پرندے جو اپنے پروں سے اڑتے ہیں۔ سب کے سب تمہاری جیسی ہی امتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کوئی چیز لکھنے سے نہیں چھوڑی۔ یہ سب کے سب اپنے رب کی طرف اکٹھے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ......﴾ (الانعام: ۵۹) یعنی غیب کی کنجیاں بھی اس کے پاس ہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کوئی نہیں جانتا جو کچھ دریا اور جنگل میں ہے اسے بھی وہی جانتا ہے اور جو پتہ جھڑتا ہے اس کے علم میں ہے زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور تر و خشک میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلٰٓى أُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾ ع

اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ سب آسمان اور زمین کو چھ دن (کی مقدار) میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم

کو آزمائے کہ (دیکھیں) تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے اور اگر آپ (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد (قیامت کے دن دوبارہ) زندہ کئے جاؤ گے تو (ان میں) جو لوگ کافر ہیں قران کی نسبت جس میں بعث کی خبر ہے کہتے ہیں کہ تو زا جادو ہے اور اگر تھوڑے دنوں تک (مراد نبوی زندگی ہے) ہم ان سے عذاب (موجود) کو ملتوی رکھتے ہیں (کہ اس میں حکمتیں ہیں) تو بطور انکار و استہزاء کے کہنے لگتے ہیں کہ اس عذاب کو کونسی چیز روک رہی ہے یاد رکھو جس دن (وقت موجود) وہ عذاب ان پر آ پڑے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا اور جس (عذاب) کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں وہ ان کو آ گھیرے گا۔ ○

خدا قادرِ مطلق ☆

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اسے ہر چیز پر قدرت ہے۔ آسمان و زمین کو اس نے صرف چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ اس سے پہلے اس کا عرش کریم پانی کے اوپر تھا۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنو تمیم تم خوش خبری قبول کرو۔ انہوں نے کہا خوش خبریاں تو آپ ﷺ نے سنا دیں اب کچھ دلوایئے۔ آپؐ نے فرمایا اے اہل یمن تم قبول کرو۔ انہوں نے کہا ہاں ہمیں قبول ہے۔ مخلوق کی ابتدا تو ہمیں سنایئے کہ کس طرح ہوئی؟ آپؐ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ تھا۔ اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ اس نے لوحِ محفوظ میں ہر چیز کا تذکرہ لکھا۔ راوی حدیث حضرات عمرانؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اتنا ہی فرمایا تھا جو کسی نے آ کر مجھے خبر دی کہ تیری اونٹنی زانو کھلوا کر بھاگ گئی۔ میں اسے ڈھونڈنے چلا گیا۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا بات ہوئی۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تھا اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے ہر چیز کا تذکرہ لکھا۔ پھر آسمان و زمین کو پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر لکھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ایک قدسی حدیث لائے ہیں کہ اے انسان تو میری راہ میں خرچ کر۔ میں تجھے اور دوں گا اور فرمایا اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات کا خرچ اس میں کوئی کمی نہیں لاتا۔ خیال تو کرو کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے اب تک کتنا کچھ خرچ کیا ہوگا۔ لیکن تاہم اس کے ہاتھ میں جو تھا وہ کم نہیں ہوتا۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کے ہاتھ میں میزان ہے جھکاتا ہے اور اونچی کرتا ہے۔ مسند میں ہے ابورزین لقیط بن عامر بن منتفق عقیلی نے آنحضور ﷺ سے سوال کیا کہ مخلوق کی پیدائش کرنے سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا؟ آپ نے کہا عما میں نیچے بھی ہوا اور اوپر بھی ہوا۔ پھر عرش کو اس کے بعد پیدا کیا۔ یہ روایت ترمذی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرے اس سے پہلے عرش خداوندی پانی پر تھا۔ وہب ضمرہ قتادہ بن جریر وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں۔

قتادہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ابتدائے مخلوق کس طرح ہوئی۔ ربیع بن انس کہتے ہیں اس کا عرش پانی پر تھا۔ جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تو اس پانی کے دو حصے کر دیئے۔ نصف عرش کے نیچے یہی بحر مسجور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بوجہ بلندی کے عرش کو عرش کہا جاتا ہے۔ سعد طائی فرماتے ہیں کہ عرش سرخ یاقوت کا ہے۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں اللہ اسی طرح تھا جس طرح اس نے اپنے نفس کریم کا وصف کیا۔ اس لئے کہ کچھ نہ تھا۔ صرف پانی تھا اس پر عرش تھا۔ عرش پر خداوند ذوالجلال والاکرام ذوی العزت والسلطان ذوالملک والقدرۃ ذوالعلم والرحمۃ والنعمۃ تھا۔ جو چاہے کر

گزرنے والا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا کہ پانی کس چیز پر تھا۔آپ نے فرمایا ہوا کی پیٹھ پر پھر فرماتا ہے آسمان کی پیدائش تمہارے نفع کے لئے ہے اور تم اس لئے ہو کہ اسی ایک خالق کی عبادت کرو۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔یادرکھو تم بے کار نہیں پیدا کئے گئے۔آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں باطل پیدا نہیں کی گئیں۔یہ گمان تو کافروں کا ہے اور کافروں کے لئے آگ کی ویل ہے اور آیت میں: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا......﴾ (مومنون:۱۱۵) کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے؟ اللہ تعالیٰ جو سچا مالک ہے وہی حق ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش کریم کا رب ہے اور آیت میں ہے۔انسانوں اور جنوں کو میں نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔وہ تمہیں آزمارہا ہے کہ تم میں اچھے عمل والے کون ہیں۔یہ نہیں فرمایا کہ زیادہ عمل والے ہیں؟ اس لئے کہ عمل حسن وہ ہوتا ہے، جس میں خلوص ہو اور شریعت محمدیہ کی تابعداری ہو۔ان دونوں باتوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل بے کار اور غارت ہے۔پھر فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر آپ انہیں کہیں کہ تم مرنے کے بعد بھی جینے والے ہو۔جس خدا نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم اسے نہیں مانتے۔حالانکہ قائل بھی ہیں کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ظاہر ہے کہ شروع جس پر گراں نہ گزرا اس پر دوبارہ کی پیدائش کیسے گراں گزرے گی؟ یہ تو بہ نسبت اول کے بہت ہی آسان ہے۔

فرمان خدا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (الروم:۲۷) اسی نے پہلی پیدائش شروع کی وہی دوبارہ پیدائش کرے گا اور یہ تو اس پر اور بھی آسان ہے اور آیت میں ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا اور مار کر جلا دینا مجھ پر ایسا ہی ہے جیسا ایک کا لیکن یہ لوگ اسے نہیں مانتے تھے اور اسے کھلے جادو سے تعبیر کرتے تھے۔کفر وعناد سے اس قول کو جادو کا اثر خیال کرنے لگتے تھے۔پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم عذاب اور پکڑ کو ان سے کچھ مقررہ مدت تک کے لئے مؤخر کر دیں تو یہ اسے نہ جان کر جلدی مچانے لگتے ہیں کہ عذاب ہم سے مؤخر کیوں ہو گیا؟ ان کے دل میں کفر وشرک اس طرح بیٹھ گیا ہے کہ اس سے چھٹکارا ہی نہیں ملتا۔امت کا لفظ قران وحدیث میں کئی ایک معنیٰ میں مستعمل ہے۔اس سے مراد مدت بھی ہے۔اس آیت کے اور آیت: ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ (یوسف:۴۵) جو سورہ یوسف میں ہے کے یہی معنی ہیں۔امام ومقتدیٰ کے معنی میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ﴿اُمَّةً قَانِتًا......﴾ (النحل:۱۲۰) آیا ہے۔ملت اور دین کے بارے میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔جیسے مشرکوں کا قول ہے: ﴿اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَ نَا عَلٰى اُمَّةٍ﴾ (الزخرف:۲۲) ہے اور جماعت کے معنی میں بھی آیا ہے۔﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً﴾ (القصص:۲۳) والی میں اور آیت: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ﴾ (النحل:۳۶) میں اور آیت: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾ (یونس:۴۷) میں۔ان آیتوں میں امت سے مراد کافر۔مومن سب امتی ہیں۔جیسے مسلم کی حدیث میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس امت کا جو یہودی نصرانی میرا نام سنے اور مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔ہاں تابعدار امت وہ ہے جو رسولوں کو مانے۔جیسے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ (آل عمران:۱۱۰) والی آیت میں۔صحیح حدیث میں ہے۔میں کہوں گا امتی امتی۔اسی طرح امت کا لفظ فرقے اور گروہ کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔جیسے آیت: ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ﴾ (الاعراف:۱۵۹) میں ہے اور جیسے آیت: ﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ﴾ (آل عمران:۱۱۳) الآیۃ میں۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ نا امید اور ناشکر ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیں تو (ایسا اتراتا ہے کہ) کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا (اب کبھی نہ ہوگا) وہ اترانے لگتا ہے۔ شیخی بگھارنے لگتا ہے مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ ○

انسان ناشکرا اتراتا ہے:

سوائے کامل ایمان والوں کی عموماً لوگوں میں جو برائیاں ہیں' ان کا بیان ہو رہا ہے کہ راحت کے بعد کی سختی پر مایوس اور محض نا اُمید ہو جاتے ہیں۔ خدا سے بدگمانی کر کے آئندہ کے لئے بھلائی کو بھول بیٹھتے ہیں۔ گویا کہ نہ کبھی اس سے پہلے کوئی آرام اُٹھایا تھا نہ اس کے بعد کسی راحت کی توقع ہے۔ یہی حال اس کے برخلاف بھی ہے کہ اگر سختی کے بعد آسانی ہوگئی تو کہنے لگتے ہیں کہ بس اب برا وقت ٹل گیا۔ اپنی حالت پر اور اپنے پاس کی چیزوں پر مست و بےفکر ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کے مقابلہ میں فخر و ناز کرنے لگتے ہیں۔ اکڑفوں میں پڑ جاتے ہیں اور آگے کی سختی سے بالکل بےفکر ہو جاتے ہیں۔ ہاں ایماندار اس بری خصلت سے محفوظ ہوتے ہیں۔ وہ دکھ درد میں صبر کرتے ہیں۔ راحت و آرام میں خدا کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ یہ صبر پر مغفرت اور نیکی پر ثواب پاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مومن کو کوئی سختی کوئی مصیبت کوئی دکھ کوئی غم ایسا نہیں پہنچتا۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف نہ فرماتا ہو۔ یہاں تک کہ کانٹا چبھنے پر بھی۔ صحیحین کی اور حدیث میں ہے' مومن کے لئے خدائے تعالیٰ کا ہر فیصلہ سراسر بہتر ہی بہتر ہوتا ہے۔ یہ راحت پا کر شکر کرتا ہے اور بھلائی کو سمیٹتا ہے۔ تکلیف اُٹھا کر صبر کرتا ہے نیکی پاتا ہے۔ یہ حال مومن کے سوا اور کسی کا نہیں ہوتا۔ اسی کا بیان سورہ العصر میں ہے۔ یعنی عصر کے وقت کی قسم تمام انسان نقصان میں ہیں' سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کریں اور ایک دوسرے کو دین حق کی اور صبر کی ہدایت کرتے ہیں۔ یہی بیان آیت: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا......﴾ (المعارج:۱۹) میں ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ

اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

شاید آپ تنگ ہو کر ان احکام میں سے جو کہ آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں بعض کو (کہ وہ تبلیغ ہے) چھوڑ دینا چاہتے ہیں اور آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ (اگر یہ) نبی ہیں تو ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوتا یا ان کے ہمراہ کوئی فرشتہ (جو ہم سے بھی بولتا) کیوں نہیں آیا۔ آپ تو (ان کفار کے اعتبار سے) صرف ڈرانے والے ہیں اور پورا اختیار رکھنے والا ہر شے پر (تو) اللہ ہی ہے۔ کیا (اس کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ نے اس کو (اپنی طرف سے) خود بنالیا ہے۔ آپ (جواب میں) فرمادیجئے کہ اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے تو (اچھا) تم بھی اس جیسی دس سورتیں (جو تمہاری) بنائی ہوئی ہوں لے آؤ اور (اپنی مدد کیلئے) جن جن غیر اللہ کو بلا سکو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر یہ کفار اگر تم لوگوں کا کہنا (کہ اس کی مثل بنالاؤ) نہ کرسکیں تو تم (ان سے) کہہ دو کہ اب تو یقین کرلو کہ یہ قرآن اللہ ہی کے علم (اور قدرت) سے اترا ہے اور یہ (بھی یقین کرلو) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو یا نہیں۔ ○

آپ (ﷺ) اپنا کام کئے جائیے ☆

کافر لوگ جو ان کی زبان پر چڑھتے وہی طعن رسول اللہ ﷺ پر توڑتے تو اللہ تعالیٰ اپنے سچے پیغمبر ﷺ کو دلاسا اور تسلی دیتا ہے کہ آپ نہ اس کام میں سستی کریں نہ دل تنگ ہوں یہ تو ان کا شیوہ ہے۔ کبھی وہ کہتے اگر یہ رسول ہے تو کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ بازاروں میں کیوں آتا جاتا ہے؟ اس کی ہم نوائی میں کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترا؟ اسے کوئی خزانہ کیوں نہیں دیا گیا؟ اس کے کھانے کو کوئی خاص باغ کیوں نہیں بنایا گیا؟ مسلمانوں کو طعنہ دیتے کہ تم تو اس کے پیچھے ہو لئے جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر! آپ طول خاطر نہ ہوں۔ آزردہ دل نہ ہوں۔ اپنے کام سے نہ رکئے۔ انہیں حق کی پکار سنانے میں کوتاہی نہ کیجئے۔ دن رات اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہیے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی تکلیف دہ باتیں آپ کو بری لگتی ہیں۔ آپ توجہ بھی نہ کیجئے۔ ایسا نہ ہو آپ کوئی بات چھوڑ دیں یا تنگ دل ہو کر بیٹھ جائیں کہ یہ آوازے کستے ہیں۔ فقرے چست کرتے ہیں۔ اپنی سے پہلے رسولوں کو دیکھئے۔ سب جھٹلائے گئے۔ ستائے گئے اور صابر و ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ مدد خدا آ پہنچی۔ پھر قرآن کا معجزہ بیان فرمایا کہ اس جیسا قرآن لانا تو کہاں؟ اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی ساری دنیا مل کر بھی نہیں لاسکتی۔ اس لئے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ جیسی اس کی ذات مثال سے پاک ویسے ہی اس کی صفتیں بھی

بے مثال ناممکن ہے کہ اس کے کلام جیسا مخلوق کا کلام ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و بالا پاک اور منزہ ہے۔ معبود اور رب صرف وہی ہے۔ جب تم سے یہ نہیں ہو سکتا اور اب تک نہیں ہو سکا تو یقین کر لو کہ تم اس کے بنانے سے عاجز ہو اور دراصل یہ خدا کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کا علم اس کے حکم احکام سے اس کے روک ٹوک اس میں ہیں اور ساتھ ہی مان لو کہ معبودِ حق صرف وہی ہے۔ بس آؤ اسلام کے جھنڈے تلے کھڑے ہو جاؤ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض حیات دنیوی (کی منفعت) اور اس کی رونق (کو حاصل کرنا) چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے (اُن) اعمال (کی جزا) ان کو دنیا میں ہی پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ (ثواب وغیرہ) نہیں اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب (کاسب) ناکارہ (ثابت) ہوگا اور (واقع میں تو) جو کچھ کر رہے ہیں وہ (اب بھی) بے اثر ہے۔ ○

دُنیا دار طلبِ آخرت سے محروم ہیں ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ریاکاروں کی نیکیوں کا بدلہ سب کچھ اسی دنیا میں مل جاتا ہے۔ ذرا سی بھی کمی نہیں ہوتی۔ پس جو شخص دنیا میں دکھلاوے کے لئے نماز پڑھے یا روزے رکھے یا تہجد گزاری کرے۔ اس کا اجرا سے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ آخرت میں وہ خالی ہاتھ اور محض بے عمل اٹھتا ہے۔ حضرت انس وغیرہ کا بیان ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں اُتری ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ ریاکاروں کے حق میں اُتری ہے الغرض جس کا جو قصد ہو اسی کے مطابق اس سے معاملہ ہوتا ہے۔ دنیا طلبی کے لئے جو اعمال ہوں وہ آخرت میں کارآمد نہیں ہو سکتے۔ مومن کی نیت اور مقصد چونکہ آخرت طلبی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں اس کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے اور دنیا میں بھی اسے اس کی نیکیاں کام آتی ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔ قرآن کریم کی آیت: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ......﴾ (الاسراء: ۱۸) میں بھی اسی کا تفصیلی بیان ہے کہ دنیا طلب لوگوں میں سے جسے ہم جس قدر چاہیں دے دیتے ہیں۔ پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے۔ جہاں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوتا ہے۔ ہاں جس کی خواہش آخرت کی ہو اور بالکل اسی کے مطابق اس کا عمل ہو اور ہو بھی وہ ایماندار تو ایسے لوگوں کی کوشش کی قدردانی کی جاتی ہے۔ اُنہیں اور اِنہیں ہر ایک کو ہم تیرے رب کی عطا سے بڑھاتے رہتے ہیں۔ میرے پروردگار کا انعام کسی سے رکا ہوا نہیں۔ تو آپ دیکھ لیں کہ کس طرح ہم نے ایک کو ایک پر فضیلت بخش رکھی ہے۔ آخرت کیا باعتبار درجوں کے اور کیا باعتبار فضیلت کے بہت ہی بڑی اور زبردست چیز ہے اور اس آیت میں ارشاد ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ......﴾ (الشوریٰ: ۲۰) جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم خود اس میں اس کے لئے برکت عطا فرماتے ہیں اور جس کا ارادہ دنیا کی کھیتی کا ہو ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیں لیکن آخرت میں وہ نانصیب رہ جاتا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

کیا منکر قرآن ایسے شخص کی برابری کر سکتا ہے جو قرآن کریم پر قائم ہو جو کہ اس کے رب کی طرف سے آیا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ ایک گواہ تو اس میں موجود ہے اور (ایک) اس سے پہلے (یعنی) موسیٰ کی کتاب ہے جو کہ (احکام بتلانے کے اعتبار سے) امام ہے اور رحمت ہے۔ ایسے لوگ اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور (کافر کا حال یہ ہے کہ) جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کا انکار کرے گا تو دوزخ اس کے وعدہ کی جگہ ہے۔ سوائے مخاطب تم قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑنا بلا شک وشبہ وہ سچی کتاب ہے تمہارے رب کے پاس سے (آئی ہے) لیکن باوجود ان دلائل کے غضب ہے کہ بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے۔ ○

خصوصیت مومن ☆

ان مومنوں کا وصف بیان ہو رہا ہے جو فطرت پر قائم ہیں۔ جو خدا کو ایک اور یکتا دل سے مانتے ہیں۔ جیسے حکم خداوندی ہے کہ: ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ......﴾ (الروم: ۳۰) اپنا منہ دین حنیف پر قائم کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی فطرت جس پر اس نے انسانی فطرت قائم کی ہے۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسے کہ جانوروں کے بچے صحیح سالم پیدا ہوتے ہیں پھر لوگ ان کے کان کاٹ ڈالتے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث قدسی میں ہے' میں نے اپنے تمام بندوں کو موحد پیدا کیا لیکن پھر شیطان آ کر ان کے دین سے بہکا دیتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ میرے ساتھ انہیں شریک کریں جن کی کوئی دلیل نہیں۔ مسند اور سنن میں ہے کہ ہر بچہ اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی زبان کھلے...... پس مومن فطرت خدا پر ہی باقی رہتا ہے۔ پس ایک تو فطرت اس کی صحیح سالم ہوتی ہے۔ پھر اس کے پاس خدائی شاہد آتا ہے یعنی شریعت خدا بمعرفت پیغمبرؑ پہنچتی ہے۔ جو شریعت حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ ختم ہوئی۔ پس شاہد سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں' حضرت محمد ﷺ ہیں۔ خدا کی رسالت اولاً جبریل علیہ السلام لائے اور آپ کے واسطے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں لیکن وہ قول ضعیف ہے۔ اس کا کوئی قائل ثابت ہی نہیں۔ ٹھیک بات پہلی ہی ہے۔ پس مومن کی فطرت خدا کی وحی سے مل جاتی ہے[1]۔ اجمالی طور پر اسے پہلے ہی یقین ہوتا ہے۔ پھر شریعت کی تفصیل کو مان لیتا ہے۔ اس کی

[1] یعنی ایمان اور وحی میں بڑی گہری مناسبت ہے۔ وحی الٰہی بھی اچھی باتوں کے کرنے اور بری باتوں سے رکنے کا حکم دیتی ہے اور ایمان وفطرت سلیم کا بھی یہی تقاضا ہوتا ہے تو اس طرح فطرت و وحی میں پورا فرق ہے۔

فطرت ایک مسئلہ کی تصدیق کرتی جاتی ہے۔ پس فطرتِ تسلیم اس کے ساتھ قرآن کی تعلیم جسے حضرت جبریل علیہ السلام نے خدا کے نبی کو پہنچایا اور آپؐ نے اپنی امت کی تصدیق کرتی جاتی ہے۔ پس فطرت سلیم اس کے ساتھ قرآن کی تعلیم جسے حضرت جبریل علیہ السلام نے خدا کے نبی کو پہنچایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو۔ پھر اس سے پہلے کی ایک اور تائید بھی موجودہ کتاب موسیٰ یعنی تورات جسے خدا نے اس زمانہ کی امت کے لئے پیشوائی کے قابل بنا کر بھیجا تھا اور جو خدا کی طرف سے رحمت تھی۔ اس پر جن کا پورا ایمان ہے وہ لامحالہ اس نبی اور اس کی کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں کیونکہ اس کتاب نے اس کتاب پر ایمان لانے کی رہنمائی ہے۔ پس یہ لوگ اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ پھر پورے قرآن کو یا اس کے کسی حصہ کو نہ ماننے والوں کی سزا کا بیان فرمایا کہ دنیا والوں میں سے جو گروہ جو فرقہ اسے نہ مانے' خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی' کہیں کا ہو کوئی ہو' کسی رنگت اور شکل وصورت کا ہو' قرآن پہنچا اور نہ مانا' وہ جہنمی ہے۔ جیسے رب العالمین نے اپنے نبی کی زبانی اسی قرآن میں فرمایا: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الانعام:۱۹) کہ میں اس سے تمہیں بھی آگاہ کر رہا ہوں اور انہیں بھی جنہیں یہ پہنچ جائے اور آیت میں ہے: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف: ۱۵۸) لوگوں میں اعلان کر دو۔ کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغمبر ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس امت میں سے جو بھی مجھے سن لے اور پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں جو صحیح حدیث سنتا ہوں اس کی تصدیق کتاب اللہ میں ضرور پاتا ہوں۔ مندرجہ بالا حدیث سن کر میں اس تلاش میں لگا کہ اس کی تصدیق قرآن کی کس آیت سے ہوتی ہے تو مجھے یہ آیت ملی۔ پس تمام دین والے اس سے مراد ہیں۔ پھر جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ اس قرآن کے رب العالمین کی طرف سے سراسر حق ہونے میں تجھے کوئی شک وشبہ نہ کرنا چاہئے[1]۔ جیسے ارشاد ہے کہ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور جگہ ہے: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ (البقرہ:۲) اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ پھر ارشاد ہے کہ اکثر لوگ ایمان سے کورے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یوسف:۱۰۳) یعنی گو تیری خواہش ہو لیکن یقین کر لے کہ اکثر لوگ مومن نہیں ہوں گے اور آیت میں ہے: ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الانعام:۱۱۶) اگر تو دنیا والوں کی اکثریت کی پیروی کرے گا تو وہ تجھے راہ خدا سے بھٹکا دیں گے اور آیت میں ہے: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سباء:۲۰) یعنی ان پر ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا اور سوائے مومنوں کی ایک مختصر جماعت کے باقی سب کے سب اسی کے پیچھے لگ گئے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ

وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ

---

[1] یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب نہیں کیونکہ معاذ اللہ آپ کے قلب اطہر میں اس طرح کا کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا بلکہ روئے سخن بظاہر اس طرف کر کے درحقیقت مراد وہ ہیں جن کا دامن شکوک وشبہات کے کانٹوں میں اُلجھ رہا ہے۔

عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٨﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٩﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٢٢﴾

اور ایسے شخص سے کون زیادہ ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے ایسے لوگ (قیامت کے روز) اپنے رب کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور (اعمال کے) گواہ فرشتے (علی الاعلان) یوں کہیں گے کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنے رب کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھی۔ سب سن لو کہ ایسے ظالموں پر خدا کی زیادہ لعنت ہے۔ جو کہ (اپنے کفر و ظلم کے ساتھ) دوسروں کو بھی خدا کی راہ (یعنی دین) سے روکتے تھے اور اس (راہ) میں بھی (اور شبہات) نکالنے کی تلاش (اور فکر) میں رہا کرتے تھے۔ (تاکہ دوسروں کو گمراہ کریں) اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے۔ یہ لوگ (تمام) زمین (کے تختہ) پر (بھی) خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ان کا خدا کے سوا کوئی مددگار ہوا۔ (کہ بعد گرفتاری کے چھڑا لیتا) ایسوں کو (اوروں سے) دونی سزا ہوگی۔ یہ لوگ سن نہ سکتے تھے اور نہ (غایت عناد سے راہ حق کو) دیکھتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے اور جو معبود انہوں نے تراش رکھے تھے (آج) ان سے سب غائب (اور گم) ہو گئے (کوئی بھی تو کام نہ آیا پس) لازمی بات ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہوں گے۔ ○

اس سے بڑھ کر کونسا ظلم ہوگا ☆

جو لوگ خدا پر بہتان باندھ لیں ان کا انجام اور قیامت کے دن کی ساری مخلوق کے سامنے ان کی رسوائی کا بیان ہو رہا ہے۔ مسند احمد میں ہے صفوان بن محرز کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن کی سرگوشی کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل مومن کو اپنے سے قریب کرے گا۔ یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور اسے لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا کہ کیا تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ اور فلاں بھی؟ یہ اقرار کرتا جائے گا۔ یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ بس اب ہلاک ہوا۔ اس وقت ارحم الراحمین فرمائے گا کہ میرے بندے میں دنیا میں ان پر پردہ ڈالتا رہا۔ سن! آج بھی میں اسے بخشتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا عمل نامہ اسے دے دیا جائے گا اور کفار اور منافقین پر تو گناہ پیش ہوں گے۔ جو کہیں گے کہ یہی وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے تھے۔ یاد رہے کہ ان ظالموں پر خدا کی

لعنت ہے...... یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ یہ لوگ اتباع حق اور ہدایت کے راستے سے اور جنت سے اوروں کو روکتے رہے اور اپنا طریقہ ٹیڑھا ترچھا ہی تلاش کرتے رہے۔ ساتھ ہی قیامت کے اور آخرت کے دن کے منکر ہی رہے اسے مان کر ہی نہ دیا۔ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے ماتحت ہیں۔ وہ ان سے ہر وقت انتقام لینے پر قادر ہے۔ اگر چاہے تو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی پکڑ لے لیکن اس کی طرف سے تھوڑی سی ڈھیل انہیں مل گئی ہے۔ صحیحین میں ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا ہے۔ بالآخر جب پکڑتا ہے تب پھر چھوڑتا ہی نہیں۔ ان کی سزائیں بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔ اس لئے کہ خدا کی دی ہوئی قوتوں سے انہوں نے کام نہ لیا۔ حق کے سننے سے کانوں کو بہرہ رکھا' حق کو دیکھنے سے آنکھوں کو اندھا رکھا' جہنم میں جاتے وقت خود ہی کہیں گے کہ: ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ (الملک: ۱۰) یعنی اگر سنتے ہوتے' عقل رکھتے ہوتے تو آج دوزخی نہ بنتے۔ یہی فرمان آیت: ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ﴾ (النحل: ۸۸) میں ہے کہ کافروں کو راہ خدا سے روکنے والوں کو عذاب پر عذاب بڑھتے چلے جائیں گے۔ ہر ہر حکم عدولی پر ہر ہر برائی کے کام پر سزا بھگتیں گے۔ پس قول یہی ہے کہ آخرت کی نسبت کے اعتبار سے کفار بھی فروغ شرع کے مکلف ہیں[1]۔ یہی ہیں وہ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور خود اپنے تئیں جہنمی بنایا۔ جہاں کا عذاب ذرا سی دیر بھی ہلکا نہیں ہوگا۔ آگ کے شعلے کم ہونے تو کہاں اور تیز تر ہوتے جائیں گے۔ جنہیں انہوں نے گھڑ لیا تھا یعنی بت اور شریک خدا وغیرہ وہ آج انہیں کچھ کام نہ آئیں گے۔ بلکہ نظر بھی نہ پڑیں گے بلکہ اور نقصان پہنچائیں گے۔ وہ تو ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے شرک سے صاف انکار کر دیں گے۔ گویا انہیں باعث عزت سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ان کے لئے باعث ذلت ہیں۔ کھلے طور پر اس بات کا قیامت کے دن انکار کر دیں گے کہ ان مشرکوں نے ان کی پرستش کی ہو۔ یہی ارشاد خلیل اللہؑ کا اپنی قوم سے تھا کہ ان بتوں سے اپنے دنیوی تعلقات کو تم وابستہ رکھو لیکن قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کر جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگے گا اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور کوئی کسی کو کچھ مدد نہ پہنچائے گا۔ یہی مضمون آیت: ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا......﴾ (البقرہ: ۱۶۶) میں ہے یعنی اس وقت پیشوا لوگ اپنے مریدوں سے دست بردار ہو جائیں گے۔ عذاب الٰہی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور باہمی تعلقات سب منقطع ہو جائیں گے۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ وہ بھی ان کی ہلاکی اور نقصان کی خبر دیتی ہیں۔ یقیناً یہی لوگ قیامت کے دن سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ جہنم کے گڑھے جنت کے درجوں کے بدلے انہوں نے لئے۔ خدا کی نعمتوں کے بدلے آتش جہنم قبول کی۔ میٹھے ٹھنڈے خوش گوجنتی پانی کے بدلے جہنم کا کھولتا ہوا گرم پانی آگ جیسا انہیں ملا۔ حورعین کے بدلے لہو پیپ اور بلند و بالا محلات کے بدلے دوزخ کے تنگ مقامات انہوں نے لئے۔ خدائے رحمٰن کی نزدیکی اور دیدار کے بدلے اس کا غضب اور سزا انہیں ملی۔ بیشک یہاں یہ سخت ٹوٹے میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ

[1] امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فروعات وجزئیات کے سلسلہ میں کفار کو مخاطب تسلیم نہیں کرتے۔

وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اچھے کام کئے اور (دل سے) اپنے رب کی طرف جھکے ایسے لوگ اہل جنت ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریق (مذکورین یعنی مومن وکافر) کی حالت ایسی ہے جیسے ایک شخص ہو اندھا بھی اور بہرا بھی اور ایک شخص ہو کہ دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو (اس کو سمجھنا بہت آسان ہے) کیا یہ دونوں شخص حالت میں برابر ہیں۔ کیا تم (اس تفاوت) سمجھتے نہیں۔ ○

ایک مثال ☆

بروں کے ذکر کے بعد اب بھلوں کا بیان ہو رہا ہے۔ جن کے دل ایمان والے' جن کے اعضاء فرماں برداری کرنے والے تھے۔ قول وفعل سے فرمان خدا بجالانے والے اور نافرمانی رب سے بچنے والے تھے۔ یہ لوگ جنت کے وارث ہوں گے۔ بلند بالا گھر۔ بچھے بچھائے سجے سجائے تخت' جھکے ہوئے خوشوں اور میووں کے درخت' اُبھرے اُبھرے فرش' خوبصورت بیویاں' قسم قسم کے خوش ذائقہ پھل۔ حسب منشا کھانے۔ لذیذ مشروبات اور سب سے بڑھ کر دیدار خداوندی۔ یہ نعمتیں ہوں گی۔ جوان کے لئے ہمیشہ ہوں گی نہ انہیں موت آئے نہ بڑھاپا' نہ بیماری نہ غفلت' نہ پاخانہ نہ پیشاب' نہ تھوک نہ ناک' مشک کا سا پسینہ آیا اور غذا ہضم۔ پہلے بیان کردہ کافر شقی لوگ اور یہ مومن متقی لوگ بالکل وہی نسبت رکھتے ہیں جو اندھے بہرے اور بینا اور سنتے میں ہے۔ کافر دنیا میں حق کو دیکھنے سے اندھے تھے اور آخرت میں بھی خیر کی طرف راہ نہیں پائیں گے نہ اسے دیکھیں گے۔ وہ حقانیت کی دلیلوں کے سننے سے بہرے تھے۔ نفع دینے والی بات سنتے ہی نہ تھے۔ اگر ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو خدائے تعالیٰ انہیں ضرور سناتا۔ ان کے برخلاف مومن سمجھ دار ذکی عاقل عالم دیکھتا بھالتا سوچتا سمجھتا حق و باطل میں تمیز کرتا۔ بھلائی لے لیتا برائی چھوڑ دیتا دلیل اور شبہ میں فرق کر لیتا۔ پس باطل سے بچتا' حق کو مانتا۔ بتلایئے یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ تعجب ہے کہ پھر بھی تم ایسے دو مختلف شخصوں میں فرق نہیں جانتے۔ ارشاد ہے: ﴿لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ......﴾ (الحشر: ۲۰) دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو بالکل کامیاب ہیں اور آیت میں ہے اندھا اور دیکھتا برابر نہیں۔ اندھیریاں اور اجالا برابر نہیں۔ سایہ اور دھوپ برابر نہیں۔ زندے اور مردے برابر نہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تو جسے چاہے سنا سکتا ہے تو قبر والوں کو سنا نہیں سکتا۔ تُو تو صرف آگاہ کرنے والا ہے۔ ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ہر ہر امت میں ڈرانے والا ہو چکا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ

هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر (یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو۔ میں تم کو (در صورت عبادت غیر اللہ کے) صاف صاف ڈراتا ہوں۔ میں تمہارے حق میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں۔ سو ان کی قوم میں جو کافر سردار تھے وہ (جواب میں) کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارا اتباع انہیں لوگوں کے سامنے بالکل رذیل ہیں۔ (جن کی عقل اکثر خفیف ہوتی ہے پھر) وہ (اتباع) بھی محض سرسری رائے سے اور ہم تم لوگوں میں (یعنی تم میں اور مسلمانوں میں) کوئی بات اپنے سے زیادہ بھی نہیں پاتے بلکہ ہم تم کو (بالکل) چھوٹا سمجھتے ہیں۔ ○

مسلسل تبلیغ ☆

سب سے پہلے کافروں کی طرف رسول بنا کر بت پرستی سے روکنے کے لئے زمین پر حضرت نوح علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمہیں عذاب خدا سے ڈرانے آیا ہوں۔ اگر تم غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑو گے تو عذاب میں پھنسو گے۔ دیکھو تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے رہو۔ اگر تم نے خلاف ورزی کی تو قیامت کے دن دردناک سخت عذاب کا مجھے تم پر خوف ہے۔ اس پر قوم کے کافروں اور رؤسا اور اُمراء بول اُٹھے کہ آپ کوئی فرشتہ تو ہیں نہیں۔ ہم ہی جیسے انسان ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم سب کو چھوڑ کر ایک ہی کے پاس وحی آئے اور ہم اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ایسے رذیل لوگ آپ کے حلقہ میں شامل ہو گئے ہیں کوئی شریف اور رئیس آپ کا فرمانبردار نہیں ہوا اور یہ لوگ بے سوچے سمجھے بغیر غور وفکر کے آپ کی مجلس میں آ بیٹھے ہیں اور ہاں میں ہاں ملائے جاتے ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس نئے دین نے تمہیں کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچایا کہ تم خوش حال ہو گئے ہو۔ تمہاری روزیاں بڑھ گئی ہوں۔ یا خَلق وخُلق میں تمہیں کوئی برتری ہم پر حاصل ہو گئی ہو بلکہ ہمارے خیال سے تو تم سب جھوٹے ہو نیکی اور صلاحیت اور عبادت پر جو وعدے تم ہمیں دار آخرت کے دے رہے ہو ہمارے نزدیک تو یہ سب بھی جھوٹی باتیں ہیں۔ ان کے کفار کی ذرا اس بیہودگی کو دیکھئے اگر حق کے قبول کرنے والے نیچے درجے کے لوگ ہوئے تو کیا اس سے شانِ حق گھٹ گئی؟ حق حق ہی ہے۔ خواہ اس کے ماننے والے بڑے لوگ ہوں خواہ چھوٹے لوگ ہوں۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ حق کی پیروی کرنے والے ہی شریف لوگ ہیں۔ گو وہ مسکین مفلس ہوں اور حق سے روگردانی کرنے والے ہی ذلیل اور رذیل ہیں گو وہ غنی مالدار اور امیر ہوں۔ ہاں یہ واقعہ ہے کہ سچائی کی آواز کو پہلے پہل غریب مسکین لوگ ہی قبول کرتے ہیں اور امیر کبیر لوگ ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ فرمانِ قرآن ہے کہ تجھ سے پہلے جس جس بستی میں ہمارے انبیاء آئے وہاں کے بڑے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے ہم تو ان ہی کی راہ پر چلتے رہیں گے۔ شاہ روم ہرقل نے جب ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ شریف لوگوں نے اس کی تابعداری کی ہے یا ضعیف لوگوں نے؟ تو اس نے جواب دیا تھا کہ ضعیفوں نے۔ جس پر ہرقل نے کہا تھا کہ رسولوں کے تابعدار یہی لوگ ہوتے ہیں۔ حق کی فوری قبولیت بھی کوئی عیب کی بات نہیں۔ حق کی وضاحت کے بعد رائے فکر کی ضرورت ہی کیا؟ بلکہ ہر عقل مند کا

کام یہی ہے کہ حق کے ماننے میں سبقت اور جلدی کرے۔ اس میں تامل کرنا جہالت اور غباوت ہے۔ اللہ کے تمام پیغمبر بہت واضح اور صاف اور کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں نے جسے بھی اسلام کی طرف بلایا اس میں کچھ نہ کچھ جھجک ضرور پائی سوائے ابوبکرؓ کے کہ انہوں نے کوئی تردد و تامل نہ کیا۔ واضح چیز کو دیکھتے ہی فوراً بے جھجک قبول کرلیا۔ ان کا تیسرا اعتراض کہ ہم کوئی برتری تم میں نہیں دیکھتے۔ یہ بھی ان کی حماقت کی وجہ سے ہے۔ ان کی اگر آنکھیں یا کان نہ ہوں اور موجود چیز کا انکار کریں تو فی الواقع اس کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہ تو نہ حق کو دیکھیں نہ حق کو سنیں بلکہ اپنے شک میں غوطے لگاتے رہتے ہیں۔ اپنی جہالت میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔ جھوٹے مفتری خالی ہاتھ رذیل اور نقصان والے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

نوحؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں (جس سے میری نبوت ثابت ہوئی ہو) اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہو۔ پھر وہ نبوت یا اس کی حجت، تم کو نہ سوجھتی ہو تو (میں کیا کروں مجبور ہوں) کیا ہم اس (دعویٰ یا دلیل) کو تمہارے گلے مڑھ دیں اور تم اس سے نفرت کیے چلے جاؤ۔ ○

نوح علیہ السلام کا جواب ☆

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا کہ سچی نبوت یقین اور واضح چیز میرے پاس آچکی ہے۔ بہت بڑی رحمت و نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے اور وہ تم سے پوشیدہ رہی تم اسے نہ دیکھ سکے۔ نہ تم نے اس کی قدر کی نہ اسے پہچانا بلکہ بے سوچے سمجھے تم نے اسے دھکے دے دیئے اور اسے جھٹلانے لگے۔ اب بتلاؤ کہ تمہاری اس ناپسندیدگی کی حالت میں میں یہ کرسکتا ہوں کہ تمہیں اس کا ماتحت بنادوں۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور (اتنی بات اور زائد فرمائی کہ) اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ پر) کچھ مال نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور میں تو ان ایمان والوں کو نکالتا نہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے رب کے پاس (عزت و مقبولیت کے ساتھ) جانے والے ہیں لیکن واقعی میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ (خواہ مخواہ) جہالت کر رہے ہو (اور بے ڈھب باتیں کر رہے

ہو) اور (بالفرض والتقدیر) اگر میں ان کو بھی نکال دوں تو (یہ بتلاؤ) مجھ کو خدا کی گرفت سے کون بچالے گا۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ ۞

ایک حقیقت ☆

آپ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ نصیحت تمہیں کر رہا ہوں۔ جتنی خیر خواہی تمہاری کرتا ہوں' اس کی کوئی اجرت تو تم سے نہیں مانگتا؟ میری اجرت تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ تم جو مجھ سے کہتے ہو کہ ان غریب مسکین ایمان والوں کو میں دھکے دے دوں۔ مجھ سے تو یہ کبھی نہیں۔ یہی مطالبہ آنحضرت ﷺ سے بھی کیا گیا تھا۔ جس کے جواب میں یہ آیت اُتری: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ......﴾ (الانعام: ۵۲) یعنی صبح شام اپنے رب کے پکارنے والوں کو اپنی مجلس سے نہ نکال اور آیت میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ......﴾ (الانعام: ۵۳) اسی طرح ہم نے ایک کو دوسرے سے آزمالیا اور وہ کہنے لگے کہ کیا یہی لوگ وہ ہیں جن پر ہم سب کو چھوڑ کر فضل خدا نازل ہوا۔ کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا؟

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں اور نہ میں (یہ کہتا ہوں کہ میں) تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہوں' میں ان کی نسبت (تمہاری طرح) یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو ثواب نہ دے گا۔ ان کے دل میں جو کچھ ہو اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ میں تو (اگر ایسی بات کہہ دوں تو) اس صورت میں ستم ہی کروں۔ ۞

کچھ اور حقائق ☆

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں صرف رسول اللہ ہوں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت اور توحید کی طرف اس کے فرمان کے مطابق تم سب کو بلاتا ہوں۔ اس سے میری مراد تم سے مال سمیٹنا نہیں۔ ہر بڑے چھوٹے کے لئے میری دعوت عام ہے۔ جو قبول کرے گا' نجات پائے گا۔ خدا کے خزانوں میں تصرف کا مجھ کو کوئی اختیار نہیں۔ میں غیب نہیں جانتا۔ ہاں جو بات اللہ مجھے معلوم کرا دے' معلوم ہو جاتی ہے۔ میں فرشتہ ہونے کا دعویدار نہیں ہوں۔ بلکہ ایک انسان ہوں' جس کی تائید خدا کی طرف سے معجزوں سے ہو رہی ہے۔ جنہیں رذیل اور ذلیل سمجھ رہے ہو۔ میں تو اس کا قائل نہیں کہ انہیں خدا کے ہاں ان کی نیکیوں کا بدلہ نہیں ملے گا۔ ان کے باطن کا حال بھی مجھے معلوم نہیں۔ اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔ اگر ظاہر کی طرح باطن میں بھی ایماندار ہیں تو انہیں خدا کے ہاں ضرور نیکیاں ملیں گی۔ جو ان کے انجام کی برائی کو کہے اس نے ظلم کیا اور جہالت کی بات کہی۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

وہ کہنے لگے کہ اے نوحؑ تم ہم سے بحث کر چکے ہو پھر بات بھی بہت کر چکے اب ہم بحث وحث نہیں کرتے ہو (کہ عذاب آ جائے گا۔ وہ ہمارے سامنے لے آؤ۔ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ بشرطیکہ اس کو منظور ہو تمہارے سامنے لائے گا اور (اس وقت پھر) تم اس کو عاجز نہ کر سکو گے اور میری خیر خواہی تمہارے کام نہیں آ سکتی گو میں تمہاری کیسی ہی خیر خواہی کرنا چاہوں جب کہ اللہ تعالیٰ ہی کو تمہارا گمراہ کرنا منظور ہو۔ وہی تمہارا مالک ہے اور اسی کے پاس تم کو جانا ہے۔ ○

شقاوت کی انتہا اور بدقسمتی کا خوفناک مظاہرہ ☆

قوم نوح کی عجلت بیان ہو رہی ہے کہ عذاب مانگ بیٹھے۔ کہنے لگے بس حجتیں تو ہم نے بہت سن لیں۔ آخری فیصلہ ہمارا یہ ہے کہ ہم تیری تابعداری نہیں کریں گے۔ اب اگر تو سچا ہے تو دعا کر کے ہم پر عذاب لے آ۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ بھی میرے بس کی بات نہیں' خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسے کوئی عاجز کرنے والا نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی تمہاری گمراہی اور بربادی کا ہے تو پھر واقعی میری نصیحت بے سود ہے۔ سب کا مالک اللہ ہی ہے۔ تمام کاموں کی تکمیل اسی کے ہاتھ میں ہے۔ متصرف حاکم عادل غیر ظالم حکم کا امر کا مالک' ابتدا پیدا کرنے والا' پھر لوٹانے والا' دنیا اور آخرت کا تنہا مالک وہی ہے۔ ساری مخلوق کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (نعوذ باللہ) یہ قرآن تراش لیا ہے آپ (جواب میں) فرما دیجئے اگر (بالفرض) میں نے تراشا ہوگا تو میرا یہ جرم مجھ پر (عاید) ہوگا (اور تم میرے جرم سے بری الذمہ رہو گے) اور میں تمہارے اس جرم سے بری الذمہ رہوں گا۔ ○

جواب ☆

یہ درمیان کلام اس قصہ کے بیچ میں اس کی تائید اور تقریر کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسولؐ سے فرماتا ہے کہ یہ

کفار تجھ پر اس قرآن کے از خود گھڑ لینے کا الزام لگا رہے ہیں تو جواب دے کہ اگر ایسا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ خدا کے عذاب کیسے کچھ ہیں؟ پھر کیسے ممکن ہے کہ میں خدا تعالیٰ پر جھوٹ افترا گھڑ لوں۔ ہاں اپنے گناہوں کے ذمہ دار تم خود ہو۔

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُۥ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ ءَامَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَٱصْنَعِ ٱلْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَٰطِبْنِى فِى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوٓا۟ ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ ٱلْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِۦ سَخِرُوا۟ مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا۟ مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾

اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سوا ان کے جو (اس وقت تک) لا چکے ہیں اور کوئی (نیا) شخص تمہاری قوم میں سے ایمان نہ لائے گا سو جو کچھ یہ لوگ کفر و ایذا اور استہزا کر رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو اور تم (اس طوفان سے بچنے کے لئے) ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کر لو اور (یہ سن لو کہ) مجھ سے کافروں (کی نجات) کے بارہ میں کچھ گفتگو مت کرنا کیونکہ وہ سب غرق کئے جائیں گے اور وہ کشتی تیار کرنے لگے اور (اثنائے تیاری میں) جب کبھی ان کی قوم میں سے کسی رئیس گروہ کا ان پر گزر ہوتا تو ان سے ہنسی کرتے۔ آپ فرمانے لگے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا کہ تم ہم پر ہنستے ہو سو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر (دنیا میں) ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور (بعد مرگ) اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔ ○

طوفانِ عظیم ☆

قوم نوح نے جب عذاب کی جلدی مچائی تو آپ نے خدا سے دعا کی کہ خدایا زمین پر کسی کافر کو رہتا بستا نہ چھوڑ[1]۔ پروردگار میں عاجز آ گیا ہوں تو میری مدد کر۔ اسی وقت وحی آئی کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہ لائے گا۔ تو ان پر افسوس نہ کر نہ ان کا کوئی خاص خیال کر۔ ہمارے سامنے ہماری تعظیم کے مطابق ایک کشتی تیار کرا اور اب ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر۔ ہم ان کا ڈبو دینا مقرر کر چکے۔ بعض سلف کہتے ہیں، حکم ہوا کہ لکڑیاں کاٹ کر سکھا کر تختے بنالو۔ اس میں ایک سو سال گزر گئے۔ پھر مکمل تیاری میں سو سال اور نکل گئے۔ ایک قول ہے چالیس سال لگے۔ واللہ اعلم۔ امام محمد بن اسحاق تورات سے نقل کرتے ہیں کہ ساگ کی لکڑی سے یہ کشتی تیار ہوئی۔ اس کا طول اسی ہاتھ تھا اور عرض

[1] یہ بددعا خدا تعالیٰ ہی کے علم پر تھی۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ امت پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا تاوقتیکہ اس امت کے نبی سے بھی امت کے حق میں دعا نہ کرائی جائے گویا کہ ضابطہ کے طور پر نبی کی طرف سے بھی اس قوم سے مایوسی کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔

پچاس ہاتھ کا تھا اور چوڑائی چھ سو ہاتھ کی بھی۔ کہا گیا ہے کہ طول دو ہزار ہاتھ اور چوڑائی ایک سو ہاتھ کی تھی۔ واللہ اعلم۔ اس کی اندرونی اونچائی تیس ہاتھ کی تھی۔ اس میں تین درجے تھے۔ ہر درجہ دس ہاتھ اونچا تھا۔ سب سے نیچے حصہ میں چوپائے اور جنگلی جانور تھے۔ درمیان کے حصہ میں انسان تھے۔ اوپر کے حصہ میں پرندے تھے۔ دروازہ خوب لمبا چوڑا تھا اور اوپر سے بالکل بند تھا۔ ابن جریرؒ نے ایک غریب اثر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے درخواست کی کہ اگر آپ بحکم خدا کسی ایسے مردے کو جلاتے' جس نے کشتی نوحؑ دیکھی ہو تو اس سے معلومات حاصل ہوتیں۔ آپ انہیں لے کر چلے۔ ایک ٹیلہ پر پہنچ کر وہاں کی مٹی اُٹھائی اور فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کو ہی علم ہے۔ آپؑ نے فرمایا یہ پنڈلی ہے۔ حام بن نوح کی۔ پھر آپ نے اپنی لکڑی اس ٹیلے پر مار کر فرمایا' اللہ کے حکم سے اُٹھ کھڑا ہو۔ اسی وقت ایک بڈھا سا آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بڑھاپے میں مرا تھا؟ اس نے کہا نہیں مرا تو تھا جوانی میں لیکن اب دل میں دہشت بیٹھی کہ قیامت قائم ہوگئی۔ اس دہشت نے بوڑھا کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا حضرت نوحؑ کی کشتی کی بابت اپنی معلومات بیان کر اس نے کہا وہ بارہ سو ہاتھ لمبی اور چھ سو ہاتھ چوڑی تھی۔ تین درجوں کی تھی۔ ایک میں جانور اور چوپائے تھے۔ دوسرے میں انسان تیسرے میں پرند۔ جب جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ اس کے ہلاتے ہی اس سے خنزیر نر مادہ نکل آئے اور وہ میلا کھانے لگے۔ چوہوں نے جب اس کے تختے کترنے شروع کئے تو حکم ہوا کہ شیر کی پیشانی پر انگلی لگا۔ اس سے بلی کا جوڑا نکلا اور چوہوں کی طرف لپکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو شہروں کے غرق و آب ہونے کا علم کیسے ہوگیا؟ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کوّے کو خبر لینے کے لئے بھیجا لیکن وہ لاش پر بیٹھ گیا۔ دیر تک نہ آیا۔ آپ نے اس کے لئے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بددعا کی۔ اسی لئے وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا۔ وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ لے کر آیا اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ شہر ڈوب چکے ہیں۔ آپ نے اس کی گردن میں خصرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لئے امن وانس کی دعا کی۔ پس وہ گھروں میں رہتا سہتا ہے۔ حواریوں نے کہا کہ اے رسول اللہ آپ انہیں ہمارے ہاں لے چلیں کہ ہم میں بیٹھ کر اور بھی باتیں ہمیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے ساتھ کیسے آسکتا ہے۔ جبکہ اس کی روزی نہیں۔ پھر فرمایا اللہ کے حکم سے جیسا تھا' ویسا ہی ہو جا۔ وہ اسی وقت مٹی ہو گیا[1]۔ نوح علیہ السلام تو کشتی بنانے میں لگے اور کافروں کو ایک مذاق ہاتھ لگ گیا۔ وہ چلتے پھرتے انہیں چھیڑتے اور باتیں بناتے اور طعن کرتے کیونکہ انہیں جھوٹ جانتے تھے اور عذاب کے وعدے پر انہیں یقین نہ تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام فرماتے اچھا دل خوش کر لو وقت آ رہا ہے کہ اس کا پورا بدلہ لے لیا جائے گا۔ ابھی جان لو گے کہ کون عذاب خدا سے دنیا میں رسوا ہوتا ہے اور کس پر اخروی عذاب آچمٹتا ہے جو ٹالے نہ ٹلے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

[1] یہ روایت نہایت کمزور اور ضعیف ہے۔

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۴۰

یہاں تک کہ (جب ہمارا) حکم (عذاب کا قریب آ پہنچا اور زمین میں سے پانی اُبلنا شروع ہوا ہم نے (نوحؑ سے) فرمایا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو عدد اس (کشتی) میں چڑھا لو اور اپنے گھر والوں کو بھی (چڑھا لو) باستثنا اس کے جس پر (غرق ہونے کا) حکم نافذ ہو چکا ہے اور (گھر والوں کے علاوہ) دوسرے ایمان والوں کو بھی اور بجز قلیل آدمیوں کے ان کے ساتھ کوئی ایمان نہ لایا تھا۔ ○

جوش وخروش ☆

حسب فرمان خداوندی آسمان سے موسلا دھار بارش برسنے لگی اور زمین سے بھی پانی اُبلنے لگا اور ساری زمین پانی سے پُر ہوگئی اور جہاں تک منظور خدا تھا' پانی بھر گیا اور حضرت نوح علیہ السلام کو رب العالمین نے اپنی نگاہوں کے سامنے چلنے والی کشتی پر سوار کر دیا۔ اور کافروان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ تنور کے ابلنے سے بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ مطلب یہ ہے کہ روئے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے۔ یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے پانی ابل پڑا۔ یہی قول جمہور سلف وخلف کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نور صبح کا نکلنا اور فجر کا روشن ہونا ہے۔ یعنی صبح کی روشنی اور فجر کی چمک لیکن زیادہ ظاہر پہلا قول ہے۔ مجاہد اور شعبی کہتے ہیں یہ تنور کوفہ میں تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہند میں ایک نہر ہے۔ قتادہ کہتے ہیں جزیرہ میں ایک نہر ہے' جسے عین الوردہ کہتے ہیں لیکن یہ سب اقوال غریب ہیں۔ الغرض ان علامتوں کے ظاہر ہوتے ہی نوح علیہ السلام کو حکم خدا ہوا کہ اپنی ساتھ کشتی میں جاندار مخلوق کی ہر قسم کا ایک ایک جوڑا نر مادہ سوار کرا لو۔ کہا گیا ہے کہ غیر جاندار کے لئے بھی یہی حکم تھا۔ جیسے نباتات' کہا گیا ہے ہ پرندوں میں سب سے پہلے درہ کشتی میں آیا اور سب سے آخر میں گدھا سوار ہونے لگا۔ ابلیس اس کی دم میں لٹک گیا۔ جب اس کے دو اگلے پاؤں کشتی میں آ گئے اور اس نے اپنے پچھلے دھڑ کو اُٹھانا چاہا تو نہ اُٹھ سکا۔ کیونکہ دم پر اس معلون کا بوجھ تھا۔ حضرت نوحؑ جلدی کر رہے تھے۔ یہ بہتیرا چاہتا تھا مگر پچھلے پاؤں چڑھ نہیں سکتے تھے۔ آخر آپ نے فرمایا آ جا گو تیرے ساتھ ابلیس بھی ہو۔ تب وہ چڑھ گیا اور ابلیس بھی اس کے ساتھ ہی آ گیا۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ شیر کو اپنے ساتھ لے جانا مشکل ہو پڑا۔ آخر اسے بخار چڑھ آیا چڑھ آیا تب اسے سوار کر لیا۔ ابن حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب تمام مویشی اپنی کشتی میں سوار کر لئے تو لوگوں نے کہا کہ شیر کی موجودگی میں یہ موشی کیسے آرام سے رہ سکیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر بخار ڈال دیا۔ اس سے پہلے زمین پر یہ بیماری نہ تھی۔ پھر لوگوں نے چوہے کی شکایت کی کہ ہمارا کھانا اور دیگر سب چیزیں خراب کر رہے ہیں۔ تو خدا کے حکم سے شیر کی چھینک میں سے ایک بلی نکلی جس سے چوہے دبک کر کونے کھدرے میں بیٹھ رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لو۔ مگر ان میں سے جو ایمان نہیں لائے انہیں ساتھ نہ لینا۔ آپ کا لڑکا یام بھی انہیں کافروں میں تھا۔ وہ الگ ہو گیا اور آپ کی بیوی کہ وہ بھی اللہ ورسول کی منکر تھی اور اپنی قوم کے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لے لیکن ان مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ ساڑھے نو سال کے قیام کی طویل مدت میں آپ پر بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' کل اسی

آدمی تھے' جن میں عورتیں بھی تھیں کعب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہتر شخص تھے۔ ایک قول ہے صرف دس شخص تھے۔ ایک قول ہے حضرت نوح علیہ السلام تھے اور ان کے تین لڑکے تھے۔ سام' حام اور یافث اور چار عورتیں تھیں تین ان تینوں کی بیویاں اور چوتھی یام کی بیوی اور کہا گیا ہے کہ خود حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی۔ لیکن اس میں نظر ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں ہلاک ہوئی۔ اس لئے کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہی تھی۔ تو جس طرح لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی' اسی طرح یہ بھی۔ واللہ اعلم

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ (آؤ) اس کشتی میں سوار ہو جاؤ (اور کچھ اندیشہ مت کرو کیونکہ) اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (سب) اللہ ہی کے نام سے ہے۔ بالیقین میرا رب غفور رحیم ہے اور وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی اور نوح علیہ السلام نے اپنے (ایک سگے یا سوتیلے) بیٹے کو پکارا اور وہ (کشتی سے) علیحدہ مقام پر تھا کہ میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور (عقیدہ میں) کافروں کے ساتھ مت ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھ کو پانی میں غرق ہونے سے بچا لے گا۔ نوحؑ نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں (نہ پہاڑ نہ کوئی اور چیز) لیکن جس پر وہی رحم کرے اور دونوں (باپ بیٹوں) کے بیچ میں ایک موج حائل ہو گئی۔ پس وہ (بھی مثل دوسرے کافروں کے) غرق ہو گیا۔ ○

ایمان کے نتیجہ میں خوشگوار امن ☆

حضرت نوح علیہ السلام جنہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے' ان سے فرمایا کہ آؤ اس میں سوار ہو جاؤ۔ اس کا پانی پر چلنا اللہ کے نام کی برکت سے ہے اور اسی طرح اس کا آخری ٹھہراؤ بھی اسی پاک نام سے ہے۔ ایک قراءت میں: ﴿مَجْرٰهَا وَمُرْسٰهَا﴾ (ہود:۴۱) بھی ہے۔ یہی اللہ کا آپ کو حکم تھا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ تو کہنا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (المومنون:۲۸) اور یہ بھی دعا کرنا کہ: ﴿رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ (المومنون:۲۹) اسی لئے مستحب ہے کہ تمام کاموں کے شروع میں بسم اللہ کر لی جائے۔ خواہ کشتی پر سوار ہونا ہو خواہ جانور پر سوار ہونا ہو۔ جیسے فرمانِ باری ہے کہ اسی خدا نے تمہارے لئے تمام جوڑے پیدا کئے اور کشتیاں اور چوپائے تمہاری

سواری کے لئے پیدا کئے ہیں کہ تم ان کی پیٹھ پر سواری لے کر...... حدیث میں بھی اس کی تائید اور رغبت آئی ہے۔ سورۂ زخرف میں اس کا پورا بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ طبرانی میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے لئے ڈوبنے سے بچاؤ ان کے اس قول میں ہے کہ سوار ہوتے ہوئے کہہ لیں: ﴿بِسْمِ اللهِ الْمَلِكِ وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ (الزمر:۶۷) پوری آیت: ﴿بِسْمِ اللهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (ہود:۴۱) اس دعا کے آخر میں خدا کا وصف غفور و رحیم اس لئے لائے کہ کافروں کی سزا کے مقابلہ میں مومنوں پر رحمت و شفقت کا اظہار ہو۔ جیسے فرمان ہے تیرا رب جلد سزا کرنے والا اور ساتھ ہی غفور و رحیم بھی ہے اور اس آیت میں: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ (الرعد:۶) یعنی تیرا پروردگار لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں رحمت اور انتقام کا بیان ملا جلا ہے۔ پانی روئے زمین پر پھر گیا ہے۔ کسی اونچے سے اونچے پہاڑ کی بلند سے بلند چوٹی بھی دکھائی نہیں دیتی کہ پہاڑوں سے بھی پندرہ ہاتھ اور بقوے اسی میل اوپر کو ہو گیا۔ باوجود اس کے کشتی نوح بحکم خدا تعالیٰ برابر صحیح طور پر جا رہی ہے۔ خود خدا اس کا محافظ ہے اور وہ خاص اس کی عنایت و مہربانی ہے جیسے فرمان ہے: ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَی الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ......﴾ (الحاقۃ:۱۱) یعنی پانی کی طغیانی کے وقت ہم نے خود تمہیں کشتی میں چڑھا لیا کہ ہم اسے تمہارے لئے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں اور آیت میں ہے کہ ہم نے تمہیں اس تختوں والی کشتی پر سوار کرا کر اپنی حفاظت سے پار اُتارا اور کافروں کو ان کے کفر کا انجام دکھا دیا اور اسے نشان بنا دیا۔ کیا اب بھی کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے؟ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادہ کو بلایا۔ یہ آپ کے چوتھے لڑکے تھے۔ اس کا نام یام تھا۔ یہ کافر تھا۔ اسے آپ نے کشتی میں سوار ہونے کے وقت ایمان کی اور اپنے ساتھ بیٹھ جانے کی ہدایت کی۔ تاکہ ڈوبنے سے اور کافروں کے عذاب سے بچ جائے۔ مگر اس بدنصیب نے جواب دیا کہ نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ پہاڑ پر چڑھ کر طوفان باراں سے بچ جاؤں۔ ایک اسرائیلی روایت میں ہے کہ اس نے شیشے کی کشتی بنائی تھی۔ واللہ اعلم۔

قرآن میں تو یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھا کہ یہ طوفان پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچے گا میں جا پہنچوں گا تو یہ پانی میرا کیا بگاڑے گا۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ آج عذاب الٰہی سے کہیں پناہ نہیں ہے۔ وہی بچے گا جس پر خدا کا رحم ہو۔ یہاں عاصم بمعنی معصوم ہے۔ جیسے طاعم مطعوم کے معنی میں اور کاسی مکسوم کے معنی میں آیا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی ہیں، جو ایک موج آئی اور پسر نوح کو لے ڈوبی۔

وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

اور (جب کفار غرق ہو چکے تو) حکم ہو گیا کہ اے زمین اپنا پانی جو کہ تیری سطح پر موجود ہے نگل جا اور اے آسمان (برسنے سے) تھم جا۔ (چنانچہ دونوں امر واقع ہو گئے اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا اور کشتی (کوہ) جودی پر آ ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور۔ ○

ظالم وسرکش قوم کا استیصال ☆

روئے زمین کے سب لوگ اس طوفان میں جو درحقیقت غضب الٰہی اور مظلوم پیغمبر کی بددعا کا عذاب تھا' غرق ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ عزوجل نے زمین کو اس پانی کے نگل لینے کا حکم دیا جو اس کا اگلا ہوا اور آسمان کا برسایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی آسمان کو بھی پانی برسانے سے رک جانے کا حکم ہوا۔ پانی گھٹنے لگا اور کام پورا ہو گیا۔ یعنی تمام کافر نابود ہو گئے۔ صرف کشتی والے مومن ہی بچے۔ کشتی بحکم خدا تعالیٰ جودی پر رکی۔ مجاہد کہتے ہیں یہ جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے۔ سب پہاڑ موجوں میں ڈوب گئے تھے اور یہ پہاڑ بوجہ اپنی عاجزی اور تواضع کے غرق ہونے سے بچ رہا تھا[1]۔ یہیں کشتی نوح لنگر انداز ہوئی۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مہینے بھر تک یہیں لگی رہی اور سب اتر گئے اور کشتی لوگوں کی عبرت کے لئے یہیں ثابت و سالم رکھی رہی۔ یہاں تک کہ اس امت کے اول لوگوں نے بھی اسے دیکھ لیا[2]۔ حالانکہ اس کے بعد کی بہترین اور مضبوط سینکڑوں کشتیاں بنیں' بگڑیں' خاک ہو گئیں۔ ضحاک فرماتے ہیں' جودی نام کا پہاڑ موصل میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ طور پہاڑ کو ہی جودی بھی کہتے ہیں۔ زر بن جیش کو ابواب کندہ سے داخل ہو کر دائیں طرف کے زاویہ میں نماز بکثرت پڑھتے ہوئے دیکھ کر نوبہ بن سالم نے پوچھا کہ آپ جو جمعہ کے دن برابر یہاں اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں' اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کشتی نوح یہیں لگی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بال بچوں سمیت کل اسی آدمی تھے۔ ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ شریف کی طرف کر دیا۔ یہاں وہ چالیس دن تک بیت اللہ شریف کا طواف کرتی رہی۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے جودی کی طرف روانہ کر دیا۔ وہاں وہ ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے۔ وہ ایک مردار کے کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی۔ آپ نے ایک کبوتر کو بھیجا۔ وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتا اور پنجوں میں مٹی لے کر واپس آیا۔ اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔ پس آپ جودی کے نیچے اُترے اور وہیں ایک بستی کی بنا ڈال دی' جسے ثمانین کہتے ہیں۔ ایک دن صبح کو جب لوگ جاگے تو ہر ایک کی زبان بدلی ہوئی تھی۔ اسی زبانیں بولنے لگے۔ جن میں سب سے اعلیٰ اور بہتر عربی زبان تھی۔ ایک کو دوسرے کا کلام سمجھنا محال ہو گیا۔ نوح کو اللہ تعالیٰ نے سب زبانیں سکھا دیں۔ آپ ان سب کے درمیان مترجم تھے۔ ایک کا مطلب دوسرے کو سمجھا دیتے تھے۔ کعب احبار فرماتے ہیں کہ کشتی نوح مشرق و مغرب کے درمیان چل پھر رہی تھی' پھر جودی پر ٹھہر گئی۔

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ رجب کی دسویں تاریخ کو مسلمان اس میں سوار ہوئے تھے۔ پانچ ماہ تک اسی میں رہے۔ انہیں لے کر کشتی جودی پر مہینہ بھر تک ٹھہری رہی۔ آخر محرم کے عاشورہ کے دن وہ سب اس میں سے اُترے۔ اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن جریر میں ہے۔ انہوں نے اس دن روزہ بھی رکھا۔ واللہ اعلم۔

مسند میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یہودیوں کو عاشورہ کے دن روزہ رکھے ہوئے دیکھا۔ ان سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دریا سے پار اُتارا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا تھا

---

[1] روایت کے یہ الفاظ بالکل غلط ہیں کیونکہ جن وانس کو چھوڑ کر دنیا کی تمام ہی چیزیں خدا تعالیٰ کے سامنے مطیع ومنقاد ہیں۔ اس لئے اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ بعض پہاڑ سرکش ہوں اور بعض مطیع ومنقاد۔

[2] بلکہ اس دور میں بھی اس کشتی کے اجزا پائے گئے جیسا کہ پچھلے دنوں اخبارات میں خبریں آتی رہیں اور تو اور قرآن مجید کے بیان کے مطابق جودی پہاڑ کے متعلق اس طرح کی خبریں آئیں کہ وہاں سے کشتی نوح کے کچھ اجزا ملے۔

اور اسی دن کشتی نوح جودی پر لگی تھی۔ پس ان دونوں پیغمبروں نے شکر خدا کا روزہ اس دن رکھا تھا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا پھر موسیٰ علیہ السلام کا سب سے زیادہ حقدار میں ہوں اور اس دن کے روزے کا میں زیادہ مستحق ہوں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے جو آج روزہ سے ہو وہ تو اپنا روزہ پورا کرے اور جو ناشتہ کر چکا ہو وہ بھی باقی دن کچھ نہ کھائے۔ یہ روایت اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض اجزا کے شاہد صحیح حدیث میں بھی موجود ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ظالموں کو ہلاکت اور رحمت خدا سے دوری ہوئی۔ وہ سب ہلاک ہوئے۔ ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح علیہ السلام میں سے کسی پر بھی رحم کرنے والا ہوتا تو اس بچہ کی ماں پر رحم کرتا۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک ٹھہرے۔ آپ نے ایک درخت بویا تھا۔ جو سو سال تک بڑھتا رہا اور بڑا ہوتا رہا۔ پھر اسے کاٹ کر تختے بنا کر کشتی بنانی شروع کی۔ کافر لوگ مذاق اڑاتے کہ یہ اس خشکی میں کشتی کیسے چلائیں گے۔ آپ جواب دیتے تھے کہ عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ جب آپ بنا چکے اور پانی زمین سے ابلنے لگا اور آسمان سے برسنے لگا اور راستے اور گلیاں پانی سے ڈوبنے لگے تو اس بچہ کی ماں جسے اپنے اس بچہ سے غایت درجہ کی محبت تھی۔ وہ اسے لے کر پہاڑ کی طرف چلی گئی اور جلدی جلدی اس پر چڑھنا شروع کیا۔ تہائی حصہ پر چڑھ گئی لیکن جب اس نے دیکھا کہ پانی وہاں بھی پہنچا تو اور اوپر چڑھی۔ دو تہائی تک پہنچی۔ جب پانی وہاں بھی پہنچا۔ تو اس نے چوٹی پر جا کر دم لیا۔ لیکن پانی وہاں بھی پہنچ گیا۔ جب گردن گردن پانی چڑھ گیا تو اس نے اپنے بچہ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اونچا اٹھا لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچا ماں اور بچہ دونوں غرق ہو گئے۔ پس اگر اس دن کوئی کافر بھی بچنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بچہ کی ماں پر رحم کرتا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ کعب احبار اور مجاہد بن جبیر سے بھی اس بچے اور اس کی ماں کا یہی قصہ مروی ہے۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِىْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور (جب) نوح نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا (یہ) وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین (اور بڑی قدرت والے) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح یہ شخص (ہمارے علم ازلی میں) تمہارے (ان) گھر والوں میں نہیں (جو ایمان اور نجات پائیں گے بلکہ) یہ (خاتمہ تک)

تباہ کار (یعنی کافر رہنے والا) ہے۔ سو مجھ سے ایسی (مشکل) چیز کی درخواست نہ کرو جس کی تم کو خبر نہیں۔ تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ) نادان نہ بن جانا (یعنی ایسی دعا نادانی کی بات ہے) انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس امر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ (آئندہ) آپ سے ایسے امر کی درخواست کروں جس کی مجھ کو خبر نہ ہو اور گزشتہ گناہ معاف کر دیجئے کیونکہ اگر میری مغفرت نہ مانیں گے اور مجھ پر رحم نہ فرمائیں گے تو میں بالکل تباہ ہی جاؤں گا۔ ○

قرابت نبی بھی عذابِ خدا سے محفوظ نہ رکھ سکی ☆

یاد رہے کہ یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام کی محض اس غرض سے تھی کہ آپ کو صحیح طور پر اپنے ڈوبے ہوئے لڑکے کا حال معلوم ہو جائے کہتے ہیں کہ پروردگار یہ بھی ظاہر ہے کہ میرا لڑکا میرے اہل میں سے تھا اور میرے اہل کو بچانے کا تیرا وعدہ تھا اور یہ بھی ناممکن کہ تیرا وعدہ غلط ہو۔ پھر یہ میرا بچہ کفار کے ساتھ کیسے غرق کر دیا گیا؟ جواب ملا کہ تیری جس اہل کو نجات دینے کا میرا وعدہ تھا۔ ان میں تیرا یہ بچہ داخل نہ تھا۔ میرا یہ وعدہ ایمانداروں کی نجات کا تھا۔ میں کہہ چکا تھا کہ: ﴿وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ (ہود: ۴۰) یعنی میرے اہل کو تو کشتی میں چڑھا دے مگر جس پر میری بات بڑھ چکی ہے۔ یہ بوجہ اپنے کفر کے ان ہی میں سے تھا۔ جو میرے سابق علم میں کفر والے اور ڈوبنے والے مقرر ہو چکے تھے۔ (ف) یہ بھی یاد رہے کہ جن لوگوں نے کہا ہے کہ یہ دراصل حضرت نوحؑ کا لڑکا تھا ہی نہیں کیونکہ آپ کے بطن سے نہ تھا بلکہ بدکاری سے تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ آپ کی بیوی کا اگلے گھر کا لڑکا تھا۔ یہ دونوں قول غلط ہیں۔ بہت سے بزرگوں نے صاف لفظوں میں اسے غلط کہا ہے۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے سلف سے منقول ہے کہ کسی نبیؑ کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔ پس یہاں اس فرمان سے کہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں' یہی مطلب ہے کہ تیرے جس اہل کی نجات کا میرا وعدہ ہے' یہ ان میں سے نہیں۔ یہی ٹھیک ہے اور یہی قول قابل قبول ہے۔ اس کے سوا اور کوئی توجیہہ محض غلطی ہے۔ اللہ کی غیرت اس بات کو قبول ہی نہیں کر سکتی کہ اپنے کسی نبی کے گھر میں زانیہ عورت دے۔ خیال فرمایئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت جنہوں نے بہتان بازی کی تھی' ان پر خدا تعالیٰ کس قدر غضب ناک ہوا؟ اس لڑکے کے اہل میں سے نکل جانے کی وجہ خود قرآن نے بیان فرما دی ہے کہ اس کے عمل نیک نہ تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ایک قراءت: اِنَّهٗ عَمَلٌ عَمَلًا صَالِحٍ (تفسیر طبری) ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو: ﴿اِنَّهٗ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحٍ﴾ پڑھتے سنا ہے اور: ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ......﴾ (الزمر: ۵۳) پڑھتے سنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ: ﴿فَخَانَتَاهُمَا﴾ (التحریم: ۱۰) کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد زنا نہیں بلکہ حضرت نوحؑ کی بیوی کی خیانت تو یہ تھی کہ لوگوں سے کہتی تھی کہ یہ مجنون ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جو مہمان آپ کے ہاں آتے اپنی قوم کو خبر کر دیتی۔ پھر آپ نے آیت: ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ پڑھی۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے جب حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ سچا ہے۔ اس نے اسے حضرت نوح علیہ السلام کا لڑکا فرما دیا ہے۔ پس وہ یقیناً حضرت نوح علیہ السلام کا ثابت النسب لڑکا ہی تھا۔ دیکھو خدا فرماتا ہے: ﴿وَنَادٰى نُوْحُ نِ ابْنَهٗ﴾ (ہود: ۴۲) اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔ ایسا ہی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور یہی ابن جریر کا پسندیدہ ہے اور فی الواقع ٹھیک اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾

کہا گیا کہ اے نوحؑ (اب جودی پر سے زمین پر) اترو۔ ہماری طرف سے سلام اور برکتیں لے کر جو تم پر نازل ہوں گی اور ان جماعتوں پر یہ تمہارے ساتھ ہیں اور بہت سی ایسی جماعتیں بھی ہوں گی کہ ہم ان کو (دنیا میں) چند روز عیش دیں گے پھر آخرت میں ان پر ہماری طرف سے سزائے سخت واقع ہوگی۔ ○

اللہ کی سلامتی میں:

کشتی ٹھہری اور خدا کا سلام آپ پر اور آپ کے تمام مومن ساتھیوں پر اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک جو ایماندار آنے والے ہیں۔ سب پر نازل ہوا۔ ساتھ ہی کافروں کے دنیوی فائدہ سے مستفید ہونے اور پھر عذاب میں گرفتار ہونے کا بھی اعلان ہوا۔ پس یہ آیت قیامت تک کہ مومنوں کی سلامتی اور برکت اور کافروں کی سزا پر ناطق ہے۔ امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب جناب باری جل شانہٗ نے طوفان ختم کرنے کا ارادہ فرمالیا تو روئے زمین پر ایک ہوا بھیج دی جس نے پانی کو ساکن کر دیا اور اس کا اُبلنا بند ہوگیا۔ ساتھ ہی آسمان کے دروازے بھی جو اب تک پانی برسا رہے تھے' بند کر دیئے گئے۔ زمین کو پانی جذب کر لینے کا حکم ہوگیا۔ اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہوگیا اور بقول اہل تورات ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کشتی نوحؑ جودی پر لگی۔ دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں کھل گئیں۔ اس کے چالیس دن کے بعد کشتی کے روزن پانی کے اوپر دکھائی دینے لگے۔ پھر آپ نے کوے کو پانی کی تحقیق کے لئے بھیجا لیکن وہ پلٹ کر نہ آیا۔ آپ نے کبوتر کو بھیجا' جو واپس آیا۔ اسے پاؤں رکھنے کو جگہ نہ ملی۔ آپ نے اپنے ہاتھ پر لے کر اسے اندر لے لیا۔ پھر رات دن کے بعد اسے دوبارہ بھیجا۔ شام کو وہ واپس آیا۔ اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ لئے ہوئے تھا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے نبی نے معلوم کر لیا کہ پانی زمین سے کچھ ہی اونچا' گیا ہے۔ پھر سات دن کے بعد بھیجا۔ اب کی مرتبہ وہ نہ لوٹا تو آپ نے سمجھ لیا کہ زمین بالکل خشک ہوگئی ہے۔ پورے ایک سال کے بعد حضرت نوحؑ نے کشتی کا سرپوش اُٹھایا اور آواز آئی کہ اے نوحؑ! ہماری نازل کردہ سلامتی کے ساتھ اب اُتر آؤ۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ڔ فَاصْبِرْ ڔ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

یہ قصہ (آیت کے اعتبار سے) منجملہ اختیار غیب کے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کو پہنچاتے ہیں اس (قصہ) کو اس (ہمارے بتلانے) کے قبل نہ آپ جانتے تھے اور آپ کی قوم سو صبر کیجئے یقیناً نیک انجامی متقیوں ہی کے لئے ہے۔ ○

علم غیب کی نفی:

قصہ نوح علیہ السلام اور اسی قسم کے گزشتہ واقعات وہ ہیں جو اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے نہیں ہوئے۔ لیکن بذریعہ وحی

کے ہم آپ کو خبر دے رہے ہیں اور آپ لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت اس طرح کھول رہے ہیں گویا ان کے ہونے کے وقت وہیں موجود تھے۔ اس سے پہلے نہ تو آپ ہی کو ان کی کوئی خبر تھی نہ آپ کی قوم میں سے کوئی اور ان کا علم رکھتا تھا کہ کسی کو بھی گمان ہو کہ شاید اس سے سیکھ لئے ہوں۔ بس صاف صاف یہ ہے کہ یہ وحی خدا سے معلوم ہوئے اور ٹھیک اسی طرح جس طرح اگلی کتابوں میں موجود ہیں۔ پس اب آپ کو ان کے ستانے جھٹلانے پر صبر وتحمل کرنا چاہئے۔ ہم آپ کی مدد پر ہیں۔ آپ کو اور آپ کی تابعداروں کو ان پر غلبہ دیں گے انجام کے لحاظ سے آپ ہی غالب رہیں گے۔ یہی طریقہ اور پیغمبروں کا بھی رہا۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف ان کے (برادری یا وطن کے) بھائی (حضرت ہود علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں تم محض مفتری ہو۔ اے میری قوم میں نے تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو صرف اس (اللہ کے ذمہ ہے) جس نے مجھ کو عدم محض سے پیدا کیا کہ کیا تم اس کی نہیں سمجھتے۔ تو اے میری قوم تم اپنے گناہ (کفر و شرک وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ (یعنی ایمان لاؤ اور) پھر (ایمان لا کر) اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر بارشیں برسائے گا اور ایمان و عمل کی برکت سے تم کو اور قوت دے کر تمہاری قوت (موجودہ) میں ترقی کر دے گا (پس ایمان لے آؤ) اور مجرم رہ کر (ایمان سے اعراض مت کرو) ○

قصہ ہود علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ انہوں نے قوم کو خدا کی توحید کی دعوت دی اور اس کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ سے روکا اور بتلایا کہ جن کو تم پوجتے ہو ان کی پوجا خود تم نے گھڑ لی ہے۔ بلکہ ان کے نام اور وجود تمہارے خیالی ڈھکوسلے ہیں۔ ان سے کہا کہ میں اپنی اس نصیحت کا کوئی بدلہ اور معاوضہ تم سے نہیں چاہتا۔ میرا ثواب میرا رب مجھے دے گا۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم یہ موٹی سی بات بھی عقل میں نہیں لاتے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی کی تمہیں راہ دکھانے والا تم سے کوئی اجرت طلب کرنے والا نہیں، تم استغفار میں لگ جاؤ۔ گزشتہ گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو اور توبہ کرو آئندہ کے لئے گناہوں سے رک جاؤ۔ یہ دونوں باتیں جس میں ہوں اللہ تعالیٰ اس کی روزی اس پر آسان کر

دیتا ہے۔ اس کا کام اس پر سہل کرتا ہے۔ اس کی شان کی حفاظت کرتا ہے سنو ایسا کرنے سے تم پر بارشیں برابر عمدہ اور زیادہ برسیں گی اور تمہاری قوت وطاقت میں دن دونی رات چوگنی برکتیں ہوں گی۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص استغفار کو لازم پکڑ لے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل سے نجات دیتا ہے۔ ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور روزی تو ایسی جگہ سے پہنچاتا ہے جو خود اس کے بھی خواب وخیال میں نہ ہو۔

قَالُوۡا یٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحۡنُ بِتَارِكِیۡۤ اٰلِهَتِنَا عَنۡ قَوۡلِكَ وَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۳﴾ اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰىكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیۡۤ اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَاشۡهَدُوۡۤا اَنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۵۴﴾ مِنۡ دُوۡنِهٖ فَكِیۡدُوۡنِیۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیۡ تَوَكَّلۡتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیۡ وَرَبِّكُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۶﴾

ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہودؑ آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل تو پیش کی نہیں اور آپ کے (مجرد) کہنے سے تو اپنے معبودوں (کی عبادت) کو چھوڑنے والے ہیں نہیں اور ہم اسی طرح آپ کا یقین کرنے والے نہیں (اور) ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی خرابی میں (مثل جنون وغیرہ کے) مبتلا کر دیا ہے۔ ہودؑ نے فرمایا کہ میں (علی الاعلان) اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی (سن لو اور) گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے (بالکل) بیزار ہوں جن کو تم خدا کے سوا شریک (عبادت) قرار دیتے ہو۔ سو تم (اور وہ) سب مل کر میرے ساتھ (ہر طرح کا) داؤ گھات کرلو (اور) پھر ذرا مجھ کو مہلت دو میں نے اللہ پر توکل کر لیا ہے جو میرا مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے۔ یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر (چلنے سے ملتا) ہے۔ ○

قوم ہود کی سرکشی ☆

قوم ہود نے اپنے نبی کی سرکشی سن کر جواب دیا کہ آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں اس کی کوئی دلیل وحجت تو آپ ہمارے پاس لائے نہیں اور یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپ کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دو اور ہم چھوڑ ہی نہیں سکتے۔ نہ ہم آپ کو سچا ماننے والے ہیں۔ نہ آپ پر ایمان لانے والے ہیں۔ بلکہ ہمارا تو خیال یہ ہے کہ چونکہ تو ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے روک رہا ہے اور انہیں عیب لگاتا ہے۔ اس لئے جھنجھلا کر ان میں سے کسی کی مار تجھ پر پڑی ہے۔ یہ سن کر اللہ کے نبی نے فرمایا! اگر یہی ہے تو سنو! میں نہ صرف تمہیں ہی بلکہ خدا کو بھی گواہ کر کے اعلان کرتا ہوں کہ میں خدا کے سوا جس جس کی عبادت ہو رہی ہے سب سے بری اور بیزار ہوں۔ اب تم ہی نہیں بلکہ اوروں کو بھی بلا لو اور اپنی ان سب جھوٹے معبودوں کو بھی بلا لو اور تم سے جو ہو سکے مجھے نقصان پہنچا دو مجھے کوئی مہلت نہ لینے دو۔ نہ مجھ پر کوئی ترس کھاؤ۔ جو نقصان تمہارے بس میں ہے

مجھے پہنچانے میں کمی نہ کرو۔ میرا توکل ذات خدا پر ہے وہ میرا اور تمہارا سب کا مالک ہے۔ ناممکن ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر میرا بگاڑ کوئی بھی کر سکے۔ دنیا بھر کے جاندار اس کے قبضہ میں اور اس کی ملکیت میں ہیں۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم سے باہر اس کی بادشاہی سے الگ ہو۔ وہ ظالم نہیں جو تمہارے منصوبے پورے ہونے دے۔ وہ صحیح راستہ پر ہے۔ بندوں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں[1]۔ مومن پر وہ اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جو مہربانی ماں باپ کو اولاد پر ہوتی ہے۔ وہ کریم ہے اس کے کرم کی کوئی حد نہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگ بہک جاتے ہیں اور غافل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کے اس فرمان پر دوبارہ غور کیجئے کہ آپ نے عادیوں کے لئے اپنے اس قول میں توحید خدا کی بہت سی دلیلیں بیان کر دیں۔ بتلا دیا جب خدا کے سوا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جب اس کے سوا کسی چیز پر کسی کا قبضہ نہیں تو وہی ایک مستحق عبادت ٹھہرا اور جن کی عبادت تم اس کے سوا کر رہے ہو وہ سب باطل ٹھہرے۔ اللہ ان سے پاک ہے۔ ملک تصرف قبضہ اختیار اسی کا ہے سب اسی کی ماتحتی میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ڒ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع ۵

پھر اگر (اس بیان بلیغ کے بعد بھی) تم (راہ حق سے) پھرے رہو گے تو میں تو (معذور سمجھا جاؤں گا کیونکہ) جو پیغام دے کر مجھ کو بھیجا گیا تھا وہ تم کو پہنچا چکا ہوں اور تمہاری جگہ میرا رب دوسرے لوگوں کو زمین میں آباد کر دے گا اور اس کا تم کچھ نقصان نہیں کر رہے ہے۔ بالیقین میرا رب ہر شے کی نگہداشت کرتا ہے اور (سامان عذاب شروع ہوا سو) جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) پہنچا ہم نے ہوڈ کو اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت سے (اس عذاب سے) بچا لیا اور ان کو (کیسی چیز سے بچا لیا) ایک بہت ہی سخت عذاب سے بچا لیا اور یہ (جن کا ذکر ہوا) عاد تھی جنہوں نے اپنے رب کی آیات سے انکار کیا اور اس کے رسولوں کا کہنا نہ مانا اور تمام تر ایسے لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو ظالم اور ضدی تھے اور ان افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی خوب سن لو قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو رحمت سے دوری ہوئی (دونوں جہان میں) جس کو ہود کی قوم تھی۔ ○

[1] یہ عرب کا ایک محاورہ ہے۔ جس کا مطلب کسی پر کسی کا کامل قبضہ اور ملکیت ثابت کرنا مقصود ہوتی ہے۔

روز بد ☆

حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرا کام تو پورا ہو چکا خدا کی رسالت تمہیں پہنچا چکا۔ اب اگر تم منہ موڑو اور نہ مانو تمہارا وبال تم ہی پر ہے نہ مجھ پر۔ خدا میں قدرت ہے کہ وہ تمہاری جگہ انہیں دے جو اس کی توحید کو مانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں۔ اسے تمہاری کوئی پروا نہیں۔ تمہارا کفر سے کوئی نقصان نہیں دے گا۔ بلکہ اس کا وبال تم پر ہی ہے۔ میرا رب بندوں پر شاہد ہے ان کے اقوال و افعال اس کی نگاہوں میں ہیں۔ آخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا۔ خیر و برکت سے خالی عذاب و سزا سے بھری ہوئی آندھیاں ان پر چلنے لگیں۔ اس وقت ہود علیہ السلام اور آپ کی جماعت مسلمین خدا کے فضل و کرم سے اور اس کے لطف و رحم سے نجات پا گئے۔ سزاؤں سے بچ گئے۔ سخت عذاب ان پر سے ہٹا لئے گئے۔ یہ تھے عادی جنہوں نے خدا کے ساتھ کفر کیا۔ خدا کے پیغمبروں کی مان کر نہ دی۔ یہ یاد رہے کہ ایک نبی کا نافرمان کل نبیوں کا نافرمان ہے [۱]۔

یہ انہی کی مانتے رہے جو ان میں ضدی اور سرکش تھے۔ خدا کی اور اس مومن بندوں کی لعنت ان پر برس پڑی۔ اس دنیا میں بھی ان کا ذکر لعنت سے ہونے لگا اور قیامت کے دن بھی میدان محشر میں سب کے سامنے ان پر لعنت خداوندی اور پکار دیا جائے گا کہ عادی خدا کے منکر ہیں۔ حضرت سدی کا قول ہے کہ ان کے بعد جتنے نبی آئے سب ان پر لعنت ہی کرتے آئے۔ ان کی زبانی خدا کی لعنتیں بھی ان پر ہوتی رہیں۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾

اور ہم نے (قوم) ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں اس نے تم کو زمین (کے مادہ) سے پیدا کیا اور تم کو اس (زمین میں) آباد کیا تو تم اپنے گناہ (شرک و کفر وغیرہ) اس سے معاف کراؤ پھر (ایمان لا کر) اس کی طرف (عبادت سے) متوجہ رہو۔ بیشک میرا رب (اس شخص سے) جو قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔ ○

سیدنا صالح علیہ السلام ☆

حضرت صالح علیہ السلام ثمودیوں کی طرف خدا کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قوم کو آپ نے خدا کی عبادت کرنے کی اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے رکنے کی نصیحت کی۔ بتایا کہ انسان کی ابتدائی پیدائش اللہ تعالیٰ نے مٹی سے شروع کی ہے۔ تم سب کے باپ آدم علیہ السلام اسی مٹی سے پیدا ہوئے۔ اسی نے اپنے فضل سے تمہیں زمین پر بسایا ہے کہ اس میں گزر کر

[۱] کیونکہ انبیاء کی تعلیمات توحید و رسالت اور بنیادی چیزوں کے بارے میں مختلف نہیں ہوتیں اس لئے ایک نبی کا انکار گویا کہ تمام ہی انبیاء کی تعلیمات سے انکار ہے۔

رہے ہو۔ تمہیں اللہ سے استغفار کرنا چاہئے۔ اس کی طرف جھکے رہنا چاہئے۔ وہ بہت ہی قریب ہے اور قبول فرمانے والا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

وہ لوگ کہنے لگے کہ اے صالح تم اس کے قبل ہم میں ہونہار (معلوم ہوتے) تھے کہ تم ہم کو ان چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں (یعنی تم اس سے منع مت کرو) اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو (یعنی توحید) واقعی ہم تو اس کی طرف سے بڑے (بھاری) شبہ میں ہیں جس نے ہم کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔ آپ نے (جواب میں) فرمایا اے میری قوم یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہو سو (اس حالت میں) اگر میں خدا کا کہنا مانوں تو یہ بتلاؤ (کہ) پھر مجھ کو خدا (کے عذاب) سے کون بچائے گا۔ تو تم سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو۔ ○

صالح علیہ السلام کا جواب ☆

حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے درمیان جو بات چیت ہوئی یہ اسی کا تذکرہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو یہ بات زبان سے نہ نکال۔ اس سے تو ہماری بہت کچھ امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں۔ لیکن تو نے ان سب پر پانی پھیر دیا ہے اور ہمیں پرانی روش اور باپ دادوں کی چال اور پوجا پاٹ سے ہٹانے کا اہتمام شروع کر دیا۔ ہمیں تو تیری اس نئی رہبری سے بڑا بھاری شک و شبہ ہے۔ آپ نے فرمایا سنو! میں اعلیٰ دلیل پر ہوں۔ میرے پاس رب کی نشانی ہے۔ مجھے اپنی سچائی پر دلی اطمینان ہے۔ میرے پاس خدا کی نشانی رسالت اور رحمت ہے۔ اب اگر میں اس کی دعوت نہ دوں اور خدا کی نافرمانی کروں اور اس کی عبادت کی طرف تمہیں نہ بلاؤں تو کون ہے جو میری مدد کر سکے اور خدا کے عذاب سے مجھے بچا سکے۔ میرا ایمان ہے کہ مخلوق میرے کام نہیں آ سکتی۔ تم میرے لئے محض بے سود ہو۔ سوائے میرے نقصان کے تم میرا اور کچھ بڑھا نہیں سکتے[1]۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا

[1] یعنی تمہارے ساتھ تعلقات میں سوائے نقصان کے نفع کچھ بھی نہیں۔

فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع

اور اے میری قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے اور اس کو برائی (اور تکلیف دہی) کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو فوری عذاب آ پکڑے۔ سو انہوں نے اس (اونٹنی) کو مار ڈالا تو صالح (علیہ السلام) نے فرمایا (خیر) تم اپنے گھروں میں تین دن اور بسر کر لو۔ یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں۔ سو جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آ پہنچا۔ ہم نے صالح (علیہ السلام) کو اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت سے (ان عذاب سے) بچالیا اور اس دن کی بڑی رسوائی سے بچالیا بے شک آپ کا رب ہی قوت والا غلبہ والا ہے اور ان ظالموں کو ایک نعرہ نے آ دبایا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ خوب سن لو (قوم) ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو رحمت سے ثمود کو دوری ہوئی۔ ○

ان تمام آیتوں کی تفسیر پوری اور ثمود کی ہلاکت کے اور اونٹنی کے مفصل واقعات سورۂ اعراف میں بیان ہو چکے ہیں یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ

عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (بشکل بشر) ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر آئے اور (آنے کے وقت) انہوں نے سلام کیا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی سلام کیا۔ پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لائے۔ سو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے تک نہیں بڑھتے تو ان سے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے۔ وہ فرشتے کہنے لگے ڈرو مت ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم (علیہ السلام) کی بی بی (حضرت سارہ کہیں) کھڑی (سن) رہی تھیں پس ہنسیں سو ہم نے ان کو (مکرر) بشارت دی اسحٰق (کے پیدا ہونے) کی اور اسحٰق سے پیچھے یعقوب کی کہنے لگیں ہائے پڑے اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا ہو کر اور یہ میرے میاں (بیٹھے) ہیں بالکل بوڑھے واقعی یہ بھی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو اور خصوصاً اس خاندان کے لوگوں پر اللہ کی (خاص) رحمت اور اس کی (انواع واقسام کی) برکتیں (نازل ہوتی رہتی) ہیں۔ بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) تعریف کے لائق (اور) بڑی شان والا ہے۔ ○

ملٰئکۃ اللہ سے خلیل اللہ علیہ السلام کی ایک ملاقات ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وہ فرشتے بطور مہمان بشکل انسان آتے ہیں جو قوم لوط کے ہلاکت کی خبر اور حضرت ابراہیم کے ہاں فرزند ہونے کی بشارت لے کر خدا کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ آ کر سلام کرتے ہیں۔ آپ ان کے جواب میں سلام کہتے ہیں۔ اس لفظ کو پیش سے کہنے میں علم بیان کے مطابق ثبوت ودوام پایا جاتا ہے۔ سلام کے بعد ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے سامنے کھانا پیش کرتے ہیں۔ بچھڑے کا گوشت جسے گرم پتھروں پر سینک لیا گیا تھا۔ جب دیکھا کہ نو وارد مہمانوں کے ہاتھ تو بڑھتے ہی نہیں۔ اس وقت ان سے کچھ بدگمان سے ہو گئے اور کچھ دل میں خوف کھانے لگے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہلاکت قوم لوط علیہ السلام کے لئے جو فرشتے بھیجے گئے تھے۔ وہ بصورت نوجوان انسان زمین پر آئے۔ حضرت براہیم علیہ السلام کے گھر پر اترے۔ آپؑ نے انہیں دیکھ کر بڑی تکریم کی۔ جلدی جلدی اپنا بچھڑا لے کر اسے گرم پتھروں پر سینک کر لا حاضر کیا اور خود بھی ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہؓ کھلانے پلانے کے کام کاج میں لگ گئیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتے کھانا نہیں کھاتے۔ وہ کھانے سے رکے اور کہنے لگے' ابراہیمؑ ہم جب تک کسی کھانے کی قیمت نہ دے دیں' کھایا نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا ہاں قیمت دے دیجئے۔ انہوں نے پوچھا کیا قیمت ہے۔ آپ نے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا اور کھا کر الحمد للہ کہنا۔ یہی اس کی قیمت ہے۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت میکائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا اور آپس میں کہا کہ فی الواقع اس قابل ہیں کہ خدا تعالیٰ انہیں اپنا خلیل بنائے۔ اب بھی جو انہوں نے کھانا شروع نہ کیا تو آپ کے دل میں طرح طرح کے خیالات اس قابل ہیں کہ خدا تعالیٰ انہیں اپنا خلیل بنائے۔ اب بھی جو انہوں نے کھانا شروع نہ کیا تو آپ کے دل میں طرح طرح کے خیالات گزرنے لگے۔ حضرت سارہ نے دیکھا خود حضرت ابراہیمؑ ان کے اکرام میں یعنی ان کے کھلانے کی خدمت میں ہیں۔ تاہم وہ کھانا نہیں کھاتے' تو ان مہمانوں کی اس عجیب حالت پر انہیں بے
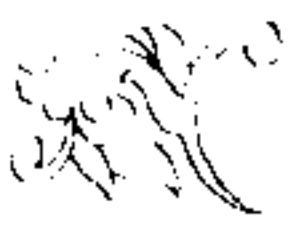
ساختہ ہنسی آ گئی۔ حضرت ابراہیم کو خوفزدہ دیکھ فرشتوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے۔ اب دہشت دور کرنے کے لئے اصلی واقعہ کھول دیا کہ ہم کوئی انسان نہیں۔ فرشتے ہیں۔ قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں کہ انہیں ہلاک کریں۔ حضرت سارہؑ کو قوم لوط کی ہلاکت کی خبر نے خوش کر دیا۔ اسی وقت انہیں ایک دوسری خوشخبری بھی ملی کہ اس نا اُمیدی کی عمر میں تمہارے ہاں بچہ ہوگا۔ انہیں یہ بھی تعجب تھا کہ جس قوم پر عذاب خدا اُتر رہا ہے۔ وہ پوری غفلت میں ہے۔ الغرض فرشتوں نے آپ کو اسحاق نامی بچہ ہونے کی بشارت دی اور پھر اسحاق کے یہاں یعقوب کے ہونے کی بھی ساتھ ہی خوشخبری سنائی۔ اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے کیونکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی تو بشارت دی گئی تھی اور ساتھ ہی ان کے ہاں بھی اولاد ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ یہ سن کر حضرت سارہؑ نے عورتوں کی عام عادت کے مطابق اس پر تعجب ظاہر کیا کہ میاں بیوی دونوں کے اس بڑھے ہوئے بڑھاپے میں اولاد کیسی؟ یہ تو سخت حیرت کی بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ امر اللہ میں کیا حیرت۔ تم دونوں کو اس عمر میں ہی خدا بیٹا دے گا۔ گو تم سے آج تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور تمہارے میاں کی عمر بھی ڈھل چکی ہے۔ لیکن خدا کی قدرت میں کمی نہیں۔ وہ جو چاہے ہو کر رہتا ہے۔ اے نبیؑ کے گھر والو تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں۔ تمہیں اس کی قدرت میں تعجب نہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ تعریفوں والا اور بزرگ ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾ يٰٓإِبْرٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَآ إِنَّهُ قَدْ جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ ءَاتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾

پھر جب ابراہیم علیہ السلام کا وہ خوف دور ہو گیا اور ان کو خوشی کی خبر ملی (کہ اولاد پیدا ہوگی) تو ہم سے لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں جدال کرنا شروع کیا۔ واقعی ابراہیمؑ بڑے حلیم الطبع، رحیم المزاج، رقیق القلب تھے۔ اے ابراہیم اس بات کو جانے دو تمہارے رب کا کلام (اس کے متعلق) آ چکا ہے اور (اس کے سبب سے) ان پر ضرور ایسا عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح ٹلنے والا نہیں۔ ○

ابراہیم علیہ السلام کا اصرار:

مہمانوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں جو دہشت ہوگئی تھی ان کا حال کھل جانے پر دور ہوگئی۔ پھر آپ نے اپنے ہاں لڑکا ہونے کی خوشخبری بھی سن لی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ فرشتے قوم لوط کی ہلاکت کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ تو آپؑ فرمانے لگے کہ اگر کسی بستی میں تین سو مومن ہوں کیا پھر بھی وہ بستی ہلاک کی جائے گی؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ اگر چالیس ہوں؟ جواب ملا پھر بھی نہیں۔ دریافت کیا اگر تیس ہوں؟ کہا گیا پھر بھی نہیں۔ یہاں تک کہ تعداد گھٹاتے گھٹاتے پانچ کی بابت پوچھو؟ فرشتوں نے یہی جواب دیا۔ پھر ایک ہی کی نسبت سوال کیا اور یہی جواب ملا۔ تو آپ نے فرمایا پھر اس بستی کو حضرت لوط علیہ السلام کی موجودگی میں کیسے ہلاک کرو گے؟ فرشتوں نے کہا ہمیں وہاں حضرت لوط کی موجودگی کا علم ہے اسے اور اس کے اہل کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچا لیں گے۔

اب آپ کو اطمینان ہوا اور خاموش ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بردبار، نرم دل اور رقیق القلب تھے۔ اس آیت کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی بہترین صفات بیان فرمائی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس گفتگو اور سفارش کے جواب میں فرمان باری ہوا کہ اب آپ اس سے چشم پوشی کیجئے۔ قضائے خدا نافذ و جاری ہو گئی۔ اب خدائے آئے گا اور وہ لوٹایا نہ جائے گا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾

اور جب ہمارے وہ فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو لوط علیہ السلام ان (کے آنے) کی وجہ سے (اس لئے) مغموم ہوئے اور (اس سے) ان کے (آنے کے) سبب تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری ہے اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور پہلے سے نامعقول حرکتیں کیا ہی کرتے تھے۔ لوط علیہ السلام فرمانے لگے کہ اے میری قوم یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں وہ تمہارے (نفس کی کامرانی کے) لئے (اچھی) خاصی ہیں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھ کو فضیحت مت کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی (معقول آدمی اور) بھلا مانس نہیں۔ وہ لوگ کہنے لگے آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو آپ کی ان (بہو) بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کو تو معلوم ہے (یہاں آنے سے) جو ہمارا مطلب ہے۔ O

قوم لوط عذاب کے چکر میں ☆

حضرت ابراہیم کو یہ فرشتے اپنا بھید بتا کر وہاں سے چل دیئے اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کی زمین میں یا ان کے مکان میں پہنچے۔ امرد خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے۔ تاکہ قوم لوط کی پوری آزمائش ہو جائے۔ حضرت لوط ان مہمانوں کو دیکھ کر قوم کی حالت سامنے رکھ کر حیران ہو گئے۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگے۔ اگر انہیں مہمان بناتا ہوں تو ممکن ہے خبر پا کر لوگ چڑھ دوڑیں اور اگر مہمان نہیں رکھتا تو یہ ان ہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے زبان سے بھی نکل گیا کہ آج کا دن بڑا ہیبت ناک دن ہے۔ قوم والے اپنی شرارت سے باز نہیں آئیں گے۔ مجھ میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں' کیا ہو گا؟ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت لوط اپنی زمین میں تھے کہ یہ فرشتے بصورت انسان آئے اور ان کے مہمان بنے۔ طبعی شرافت کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام انکار نہ کر سکے اور انہیں لے کر گھر چلے۔ راستہ میں صرف اس نیت سے کہ یہ اب بھی واپس چلے جائیں۔ ان سے کہا کہ واللہ یہاں کے لوگوں سے زیادہ برے اور خبیث لوگ اور کہیں کے نہیں ہیں۔ کچھ دور جا کر پھر یہی کہا۔

غرض گھر پہنچتے تک چار بار یہی کہا۔ فرشتوں کو خدا کا حکم بھی یہی تھا کہ جب تک ان کا نبی ان کی برائی نہ بیان کرے انہیں ہلاک نہ کرنا۔ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے چل کر دوپہر کو یہ فرشتے نہر سدوم پہنچے۔ وہاں حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی جو پانی لینے گئی تھیں مل گئیں ان سے انہوں نے پوچھا کہ یہاں ہم ٹھہر سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ یہیں رکئے میں واپس آ کر جواب دوں گی۔ انہیں ڈر لگا کہ اگر قوم والوں کے ہاتھ یہ لگ گئے تو ان کی بڑی بے عزتی ہو گی۔ یہاں آ کر والد صاحب سے ذکر کیا کہ شہر کے دروازے پر چند پردیسی نوعمر لوگ ہیں۔ ان جیسے میں نے تو آج تک نہیں دیکھے۔ جاؤ اور انہیں ٹھہراؤ ورنہ قوم والے انہیں ستائیں گے۔ اس بستی کے لوگوں نے حضرت لوطؑ سے کہہ رکھا تھا کہ دیکھو کسی باہر والے کو تم اپنے ہاں ٹھہرایا نہ کرو۔ ہم آپ سب کچھ کر لیا کریں گے۔ آپ نے جب یہ حالت سنی تو جا کر چپکے سے انہیں اپنے گھر لے آئے۔ کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ مگر آپ کی بیوی جو قوم سے ملی ہوئی تھی اسی کے ذریعے بات آشکارا ہو گئی۔ اب کیا تھا دوڑے بھاگے آ گئے۔ جسے دیکھو خوشیاں مناتا جلدی جلدی لپکتا چلا آتا ہے۔ ان کی تو یہ خصلت ہو گئی تھی۔ اس سیاہ کاری کو تو گویا انہوں نے عادت بنا لیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے نبی انہیں نصیحت کرنے لگے کہ تم اس بدخصلت کو چھوڑو۔ اپنی خواہشیں عورتوں سے پوری کرو۔ بناتی یعنی میری لڑکیاں۔ اس لئے فرمایا کہ ہر نبی اپنی امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے کہ اس وقت انہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی آپ کو منع کر چکے تھے کہ کسی کو اپنے ہاں نہ ٹھہرایا کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھایا اور دنیا اور آخرت کی بھلائی انہیں سمجھائی اور کہا کہ عورتیں ہی اس بات کے لئے موزوں ہو سکتی ہیں۔ ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کرنا ہی پاک کام ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سمجھا جائے کہ آپ نے اپنی لڑکیوں کی نسبت یہ فرمایا تھا نہیں بلکہ نبی اپنی پوری امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔ قتادہ وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے۔

امام ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے عورتوں سے بے ملاپ کرنے کو فرمایا ہو۔ نہیں مطلب آپ کا ان سے نکاح کر لینے کا حکم تھا۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرا کہا مانو۔ عورتوں کی طرف رغبت کرو۔ ان سے نکاح کر کے حاجت روائی کرو۔ مردوں کی طرف اس رغبت سے نہ آؤ اور خصوصاً یہ تو میرے مہمان ہیں۔ میری عزت کا خیال کرو۔ کیا تم میں ایک بھی سمجھدار نیک راہ یافتہ بھلا آدمی نہیں؟ اس کے جواب میں ان سرکشوں نے کہا کہ عورتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں بھی بَنٰتِكَ یعنی تیری لڑکیاں کے لفظ سے مراد قوم کی عورتیں ہیں اور تجھے معلوم ہے کہ ہمارا کیا ہے؟ یعنی ہمارا ارادہ ان لڑکوں سے ملنے کا ہے۔ پھر جھگڑا اور نصیحت بے سود ہے۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾

لوطؑ فرمانے لگے کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور چلتا یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا۔ فرشتے کہنے لگے کہ اے لوطؑ ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں۔ آپ تک (بھی) ہرگز ان کی رسائی نہ ہوگی۔ سو آپ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر (یہاں سے باہر) چلے جائیں اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے ہاں مگر آپ کی بیوی (بوجہ مسلمان نہ ہونے کے) نہ جائیں گی۔ اس پر بھی یہی آفت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آئے گی۔ ان کے (عذاب کے) وعدہ کا وقت صبح کا وقت ہے کیا صبح کا وقت قریب نہیں۔ ○

قوم لوط تباہی کے شکنجہ میں ☆

حضرت لوط علیہ السلام نے جب دیکھا کہ میری نصیحت ان پر اثر نہیں کرتی تو انہیں دھمکایا کہ اگر مجھ میں قوت و طاقت ہوتی یا میرا کنبہ قبیلہ زوردار ہوتا تو میں تمہیں اس شرارت کا مزہ دکھا دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو حضرت لوط علیہ السلام پر کہ وہ زور آور قوم کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ مراد اس سے ذات اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔ آپ کے بعد پھر جو پیغمبر بھیجا گیا وہ اپنی قوم ثروت میں ہی بھیجا گیا۔ ان کی اس افسردگی اور کامل ملال اور سخت تنگی دلی کے وقت فرشتوں نے ظاہر کر دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہم تک یا آپ تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ آپ رات کے آخری حصے میں اپنی اہل و عیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے۔ خود ان سب کے پیچھے رہیے[1] اور سیدھے اپنے راہ چلے جائیے۔ قوم والوں کی آہ و پکار پر ان کے چیخنے چلانے پر تمہیں مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہئے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا استثناء کر لیا کہ وہ اس حکم کی پابندی نہ کر سکے گی۔ وہ عذاب کے اس وقت کی ہائے وائے سن کر مڑ کر دیکھے گی۔ اس لئے کہ خدائی قضا میں اس کا بھی ان کے ساتھ ہلاک ہونا طے ہو چکا ہے۔

ایک قراءت میں: ﴿اِلَّا امْرَاَتُكَ﴾ ہمزہ کے پیش سے بھی ہے۔ جن لوگوں کے نزدیک پیش اور زبر دونوں جائز ہیں ان کا بیان ہے کہ آپ کی بیوی بھی یہاں سے نکلنے میں آپ کے ساتھ تھی۔ لیکن عذاب کے نازل ہونے پر قوم کا صبر نہ کر سکی۔ مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور زبان سے نکل گیا کہ ہائے میری قوم۔ اسی وقت آسمان سے ایک پتھر اس پر بھی آیا اور اس کا بھی ڈھیر ہو گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی مزید تسلی کے لئے فرشتوں نے اس خبیث قوم کی ہلاکت کا وقت بھی بتا دیا کہ صبح ہوتے ہی یہ تباہ ہو جائے گی اور صبح اب بالکل قریب ہے۔ یہ کور باطن آپ کا گھر گھیرے ہوئے تھے اور ہر طرف سے لپکتے ہوئے آ پہنچتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام آزردہ خاطر ہو کر تنگ آ گئے۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام گھر میں سے نکلے اور ان کے منہ پر اپنا پر مارا۔ جس سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خود ابراہیم علیہ السلام بھی ان لوگوں کے پاس آتے انہیں سمجھاتے کہ دیکھو عذاب خدا نہ خریدو۔ مگر انہوں نے خلیل خدا کی بھی نہ مان کر دی۔ یہاں تک کہ عذاب آنے کا وقت آ پہنچا۔ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ اس وقت کھیت میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آج کی رات ہم آپ کے مہمان ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو فرمان خدا تعالیٰ ہو چکا تھا کہ جب تک حضرت لوط علیہ السلام تین

[1] تا کہ پیچھے رہ کر دیکھ سکیں کہ مومنین میں تو کوئی باقی نہیں رہا اور وہ سب اس بستی سے نکل چکے ہیں یا نہیں اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ قوم جس پر خدا تعالیٰ کا عذاب آیا ہو اس کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہئے اور جو ان کو دیکھتا ہے تو وہ گویا کہ ان سے دلی تعلق رکھتا ہے اور جن کو ان سے نفرت ہے وہ مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تو حضرت لوط علیہ السلام کو حکم تھا کہ وہ دیکھیں کہ کون ان کو دیکھتا ہے اور کون نہیں جو دیکھے گا اس کا حشر اسی معذب قوم سے ہو گا۔ چنانچہ لوط علیہ السلام کی بیوی نے دیکھا اور وہ اسی قوم کے خوفناک حشر میں شریک ہو گئی۔

مرتبہ ان کی بدچلنی کی شہادت نہ دے لیں ان پر عذاب نہ کیا جائے۔ آپ جب انہیں لے کر چلے تو چلتے ہی خبر دی کہ یہاں کے لوگ بڑے بد ہیں۔ یہ یہ برائی ان میں گھسی ہوئی ہے۔ کچھ دور اور جانے کے بعد دوبارہ کہا کہ کیا تمہیں اس بستی کے لوگوں کی برائی کی خبر نہیں؟ میرے علم میں تو روئے زمین پر ان سے زیادہ برے لوگ نہیں۔ آہ میں تمہیں کہاں لے جاؤں؟ میری قوم تو تمام مخلوق سے بدتر ہے۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا دیکھو دو مرتبہ یہ کہہ چکے ہیں۔ جب انہیں لے کر آپ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو رنج وافسوس سے رو دیئے اور کہنے لگے میری قوم تمام مخلوق سے بدتر ہے۔ تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ کسی بدی میں مبتلا ہیں۔ روئے زمین پر کوئی بستی اس بستی سے بری نہیں۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے پھر فرشتوں سے فرمایا دیکھو یہ تین مرتبہ اپنی قوم کی بدچلنی کی شہادت دے چکے ہیں۔ یاد رکھنا اب عذاب طے ہو چکا۔ گھر میں گئے اور یہاں سے آپ کی بڑھیا بیوی اونچی جگہ پر چڑھ کر کپڑا ہلانے لگی۔ جسے دیکھتے ہی بستی کے بدکار دوڑ پڑے۔ پوچھا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں۔ میں نے تو ان سے زیادہ خوبصورت اور ان سے زیادہ خوشبو والے لوگ کبھی نہیں دیکھے۔ اب کیا تھا یہ خوشی خوشی مٹھیاں[1] بند کئے دوڑتے بھاگتے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر گئے۔ ہر طرف سے آپؑ کے گھر کو گھیر لیا۔ آپ نے انہیں قسمیں دیں نصیحتیں کیں۔ فرمایا کہ عورتیں بہت ہیں لیکن وہ اپنی شرارت اور اپنے برے ارادے سے باز نہ آئے۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے عذاب کی اجازت چاہی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اجازت مل گئی۔ آپؑ نے اصلی صورت کا پر کھول دیا۔ آپ کے دو پر ہیں جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہے۔ آپ کے دانت صاف چمکتے ہیں۔ آپؑ کی پیشانی اونچی اور بڑی ہے۔ مرجان کی طرح دانے ہیں جو لؤلؤ ہیں اور آپؑ کے پاؤں سبزی کی طرح ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام سے آپ نے فرمایا کہ ہم تو تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ تجھ تک پہنچ نہیں سکتے۔ آپ اس دروازے نکل جائیے۔ یہ کہہ کر ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے۔ راستوں تک کو نہیں پہچان سکتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل وعیال کو لے کر راتوں رات چل دیئے۔ یہی خدا تعالیٰ کا حکم تھا۔ محمد بن کعب قتادہ سدی وغیرہ کا یہی بیان ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

ع ۱۵

سو جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آ پہنچا تو ہم نے اس زمین (کوالٹ کراس) کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور اس زمین پر کھنگر کے پتھر برسانا شروع کئے جو لگاتار گر رہے تھے۔ جن پر آپ کے رب کے پاس (یعنی عالم غیب میں) خاص نشان بھی تھا اور بستیاں (قوم لوط کی) ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہیں۔ ○

[1] تیز دوڑنے کے وقت ہاتھ کی مٹھیاں بند ہی ہو جاتی ہیں۔

آخر کار دُنیا اِس ناپاک قوم کے وجود سے پاک ہوگئی ☆

سورج کے نکلنے کے وقت عذاب خدا ان پر آ گیا۔ ان کی بستی سدوم نامی تہ و بالا ہوگئی۔ عذاب نے اوپر تلے سے ڈھانپ لیا۔ آسمان سے پتھر پکی مٹی کے ان پر برسنے لگے جو سخت اور وزنی اور بہت بڑے بڑے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے۔ سجین سجیل دونوں ایک ہی ہیں۔ منضود سے مراد پے در پے تہ بہ تہ ایک کے بعد دوسرے کے ہیں۔ ان پتھروں پر قدرتی طور سے ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جس کے نام کا پتھر تھا' اسی پر گرتا تھا۔ وہ مثل طوق کے تھے جو سرخی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ان شہریوں پر برسے اور یہاں کے جو لوگ اور گاؤں گوٹھ میں تھے۔ ان پر بھی وہیں گرے۔ ان میں سے جو جہاں تھا وہیں پتھر سے ہلاک کیا گیا۔ کوئی کھڑا ہوا کسی جگہ کسی سے باتیں کر رہا تھا' وہیں آسمان سے پتھر آیا اور اسے ہلاک کر گیا۔ غرض ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت جبریل علیہ السلام نے انہیں سب جمع کر کے ان کے مکانات اور مویشیوں سمیت اونچا اٹھا لیا۔ یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آسمان کے فرشتوں نے سن لیں۔ آپ اپنے داہنے پر کے کنارے پر ان کی بستی کو اُٹھائے تھے۔ پھر انہیں زمین پر الٹ دیا۔ ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیا اور سب ایک ساتھ غارت ہو گئے۔ اکے دکے جو رہ گئے تھے' ان کے بھیجے آسمان پتھروں نے پھوڑ دیئے اور محض بے نام ونشان کر دیئے گئے۔ مذکور ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں۔ ہر بستی میں ایک ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ تین بستیاں تھیں۔ بڑی بستی کا نام سدوم تھا۔ یہاں کبھی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آ کر وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ چیزیں کچھ ان سے دور نہ تھیں۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ کسی کو اگر لواطت کرتا ہوا پاؤ تو اوپر والے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔[1]

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾

اور ہم نے مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے (اہل مدین سے) فرمایا کہ اے میری قوم تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اللہ کے سوا کوئی تمہارا معبود بننے کے قابل نہیں تم ناپ تول میں کمی مت کیا کرو (کیونکہ) تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور مجھ کو تم پر ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو انواع مصائب کا جامع ہوگا۔ ○

ایک اور بدقسمت قوم ☆

عرب کا ایک قبیلہ جو حجاز وشام کے درمیان معان کے قریب رہتا تھا' ان کے شہروں کا نام اور ان کا نام مدین تھا۔ ان کی جانب اللہ تعالیٰ کے نبی شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ آپ ان میں شریف النسب اور اعلیٰ خاندان کے تھے اور ان ہی میں سے

[1] لیکن فقہا نے کہا ہے کہ لواطت اتنا بڑا شدید اور غلیظ جرم ہے کہ اس کی کوئی سزا کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو' متعین نہیں کی جا سکتی۔

تھے۔اسی لئے اَخَاہُم کے لفظ سے بیان کیا یعنی ان کے بھائی آپ نے بھی انبیاء کی عادت اور سنت اور اللہ تعالیٰ کے پہلے اور تاکیدی حکم کے مطابق اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرنے کا حکم دنیا۔ساتھ ہی ناپ تول کی کمی سے روکا کہ کسی کا حق نہ مارو اور خدا کا یہ احسان یاد دلایا کہ اس نے تمہیں فارغ البال اور آسودہ حال کر رکھا ہے اور اپنا ڈر ظاہر کیا کہ اپنی مشرکانہ روش اور ظالمانہ حرکت سے اگر باز نہ آؤ گے تو تمہاری یہ اچھی حالت بدحالی سے بدل جائے گی۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

اور اے میری قوم تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور (شرک اور نقض حقوق کر کے) زمین میں فساد کرتے ہوئے حد (توحید وعدل) سے مت نکلو۔اللہ کا دیا ہوا جو کچھ (حلال مال) بچ جائے وہ تمہارے لئے (اس حرام کمائی سے) بدرجہا بہتر ہے اگر تم کو یقین آ جائے (تو مان لو) اور میں تمہارا پہرہ دینے والا دینے والا تو ہوں نہیں۔○

لاجواب نصائح ☆

پہلے تو اپنی قوم کو ناپ تول کی کمی سے روکا۔اب لین دین کے دونوں وقت عدل و انصاف کے ساتھ پورے پورے ناپ تول کا حکم دیتے ہیں اور زمین میں فساد اور تباہی مچانے سے منع کرتے ہیں۔ان میں رہزنی اور ڈاکے مارنے کی بدخصلت بھی تھی۔لوگوں کے حق مار کر آپ نفع اُٹھانے سے خدا کا دیا ہوا نفع بہت بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ کی یہ وصیت تمہارے لئے خیریت لئے ہوئے ہیں۔عذاب سے جیسے ہلاکت ہوتی ہے۔اس کے مقابلہ میں رحمت سے حیات ہوتی ہے ٹھیک ناپ تول کر پورا ناپ کر حلال سے جو نفع ملے۔اسی میں برکت ہوتی ہے۔خبیث وطیب میں کیا مساوات؟ دیکھو میں تمہیں ہر وقت دیکھ نہیں رہا۔ تمہیں برائیوں کا ترک اور نیکیوں کا فعل اللہ ہی کے لئے کرنا چاہئے نہ کہ (محض) دکھاوے کے لئے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

وہ لوگ (یہ تمام نصائح سن کر) کہنے لگے کہ اے شعیبؑ کیا تمہارا (مصنوعی اور وہمی) تقدس تم کو (ایسی ایسی باتوں کی) تعلیم کر رہا ہے کہ ہم ان چیزوں (کی پرستش کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں تصرف کریں۔واقعی آپ ہیں بڑے عقل مند دین پر چلنے والے۔○

کیسی بیہودگی ☆

حضرت اعمش فرماتے ہیں' صلوٰۃ سے مراد یہاں قراءت ہے۔ وہ لوگ از راہ مخول کہتے ہیں کہ واہ آپ اچھے رہے کہ آپ کی قرأت نے حکم دیا کہ ہم باپ دادوں کی روش کو چھوڑ کر اپنے پرانے معبودوں کی عبادت سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ اور بھی لطف ہے کہ ہم اپنے مال کے بھی مالک نہ رہیں کہ جس طرح جو چاہیں اس میں کمی کریں دھریں۔ کسی کو ناپ تول میں کم نہ دیں۔ حضرت حسن فرماتے ہیں' واقعہ یہی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز کا حکم یہی تھا۔ آپ انہیں غیر اللہ کی عبادت اور مخلوق کے غصب سے روکیں۔ ثوری فرماتے ہیں کہ ان کے اس قول کا مطلب کہ جو ہم چاہیں اپنے مالوں میں کریں یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دیں؟ نبی اللہ کو ان کا حلیم و رشید کہنا از راہ مذاق و حقارت تھا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے ایک عمدہ دولت (یعنی نبوت) دی ہو تو پھر کیسے تبلیغ نہ کروں اور میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں' جن سے تم کو منع کرتا ہوں میں تو اصلاح چاہتا ہوں۔ جہاں تک میرے امکان میں ہے اور مجھ کو جو کچھ (عمل و اصلاح کی) توفیق ہو جاتی ہے صرف اللہ ہی کی مدد سے ہے اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف (تمام امور میں) رجوع کرتا ہوں۔ ○

بیزاری کا اعلان ☆

آپ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ دیکھو میں اپنے رب کی طرف سے دلیل و حجت اور بصیرت قائم ہوں اور اسی کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔ اس نے اپنی مہربانی سے مجھے بہترین روزی دے رکھی ہے۔ یعنی نبوت یا رزق حلال یا دونوں میری روش تم یہ نہ پاؤ گے کہ تمہیں تو بھلی بات کا حکم کروں اور خود تم سے چھپ کر اسکے برعکس کروں۔ میری مراد تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنی ہے۔ ہاں میرے ارادے کی کامیابی خدا کے ہاتھ ہے۔ اسی پر میرا توکل اور بھروسہ ہے اور اسی کی جانب توجہ اور جھکنا ہے۔

مسند امام احمد میں ہے' حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس کے بھائی مالک نے کہا کہ اے معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پڑوسیوں کو گرفتار کر رکھا ہے۔ تم آپ کے پاس جاؤ۔ آپ سے تمہاری بات چیت بھی ہو چکی ہے اور تمہیں آپ پہچانتے بھی ہیں۔ پس میں اس کے ساتھ چلا۔ اس نے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو آپ رہا کر دیجئے وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وہ غضب ناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا' واللہ اگر آ نے یہ کہا تو لوگ تو کہتے ہیں

کہ تو ہمیں کسی امر کا حکم دیتا ہے اور خود تو اس کے خلاف کرتا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا لوگوں نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے؟ اگر میں ایسا کروں تو اس کا وبال مجھ ہی پر ہے۔ ان پر تو کوئی چیز نہیں۔ جاؤ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو اور روایت میں ہے کہ اس کی قوم کے چند لوگ کسی شبہ میں گرفتار تھے۔ اس پر قوم کا ایک آدمی حاضر حضور ﷺ ہوا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ اس نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کسی چیز سے روکتے ہیں اور خود اسے کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے سمجھا نہیں اس لئے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ حضرت بہز بن حکیم کے دادا کہتے ہیں' میں نے بیچ میں بولنا شروع کر دیا کہ اچھا ہے آپ کے کان میں یہ الفاظ نہ پڑیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے منہ سے میری قوم کے لئے کوئی بد دعا نکل جائے کہ پھر انہیں فلاح نہ ملے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ برابر اسی کوشش میں رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کی بات سمجھ لی اور فرمانے لگے کیا انہوں نے ایسی بات زبان سے نکال دی؟ یا ان میں سے کوئی اس بات کا قائل ہے؟ واللہ اگر میں ایسا کروں تو اس کا بوجھ بار میرے ذمے ہے۔ ان پر کچھ نہیں۔ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔ اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے۔ جسے مسند احمد میں لائے میں کہ آپ نے فرمایا جب تم میری جانب سے کوئی ایسی حدیث سنو کہ تمہارے دل اس کا انکار کریں اور تمہارے بدن اور بال اس سے علیحدگی کریں اور تم سمجھ لو کہ وہ تم سے بہت دور ہے تو میں اس سے بھی زیادہ دور ہوں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

حضرت مسروق کہتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کیا آپ بالوں میں بال لگانے سے منع کرتے ہیں[1]؟ آپؓ نے فرمایا' ہاں۔ اس نے کہا آپ کے گھر کی بعض عورتیں تو ایسا کرتی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا اگر ایسا ہو تو میں نے خدا کے نیک بندے کی وصیت کی حفاظت نہیں کی۔ میرا ارادہ نہیں کہ جس چیز سے تمہیں روکوں اور اسے خود کروں۔ حضرت ابو سلیمان ضبی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے رسالے آتے تھے جن میں حکم احکام اور بعض چیزوں کی ممانعت درج ہوتی تھی اور آخر میں یہ ہوا کرتا تھا کہ میں بھی وہی ہوں جو خدا کے نیک بندے نے فرمایا کہ میری[2] توفیق اللہ ہی کے فضل سے ہے۔ اسی پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾

اور اے میری قوم میری ضد (اور عداوت) تمہارے لئے اس کا باعث نہ بن جائے کہ تم پر بھی اسی طرح کی مصیبتیں آ پڑیں جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر پڑی تھیں اور قوم لوط تو (ابھی) تم سے (زیادہ) دور (زمانہ میں) نہیں ہوئی اور تم اپنے رب سے اپنے گناہ (یعنی شرک وظلم) معاف کراؤ پھر (اطاعت وعبادت کے ساتھ) اس کی طرف

[1] عرب میں قاعدہ تھا کہ عورتیں دوسری عورتوں کے بال اپنے سر میں لگا لیتی تھیں۔ مقصود یہ ہوتا کہ بال سر پر زیادہ معلوم ہوں۔ کیونکہ سر کے بال اگر زیادہ ہوں تو عورت کے حسن کا باعث ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

[2] جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

متوجہ ہو بلاشک میرا رب بڑا مہربان بڑی محبت والا ہے۔ ○

انتباہ ☆

فرماتے ہیں کہ میری عداوت اور بغض میں تم اپنے کفر پر اور اپنے گناہوں پر جم نہ جاؤ۔ ورنہ تمہیں وہ عذاب پہنچے گا جو تم سے پہلے ایسے کاموں کے کرنے والوں کو پہنچا ہے۔ خصوصاً قوم لوط جو تم سے قریب زمانہ میں ہی گزری ہے اور ان کی بستیاں بھی تم سے کچھ دور نہیں۔ پس اے قوم تم اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو۔ آگے کے لئے گناہوں سے توبہ کرلو۔ ایسا کرنے والوں پر میرا رب بہت ہی مہربان ہو جاتا ہے اور ان کو اپنا پیارا بنالیتا ہے۔ ابولیلی کندی کہتے ہیں کہ میں اپنے مالک کا جانور تھامے کھڑا تھا۔ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھے۔ آپ نے اوپر سے سر بلند کیا اور یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا میری قوم کے لوگو! مجھے قتل نہ کرو۔ تم اس طرح تھے۔ پھر آپؓ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھائی۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب بہت سی باتیں تمہاری کہی ہوئی ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تم کو اپنے (مجمع میں) کمزور دیکھ رہے ہیں اور اگر تمہارے خاندان کا (کہ ہمارے ہم مذہب ہیں ہم کو) پاس نہ ہوتا تو ہم تم کو (کبھی کا) سنگسار کر چکے ہوتے اور ہماری نظر میں تمہاری تو کچھ توقیر ہی نہیں۔ شعیب علیہ السلام نے (جواب میں) فرمایا کہ اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک (نعوذ باللہ) اللہ سے بھی زیادہ باتوقیر ہے اور اس کو (یعنی اللہ تعالیٰ کو) تم نے پس پشت ڈال دیا۔ یقیناً میرا رب تمہارے اعمال کو (اپنے) علم میں احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ○

حماقت کا مظاہرہ ☆

قوم مدین نے کہا کہ اے شعیب آپ کی اکثر باتیں ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں اور خود آپ بھی ہم میں بے انتہا کمزور ہیں۔ سعید وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کی نگاہ کم تھی۔ تھے آپ بہت ہی صاف گو یہاں تک کہ آپ کو خطیب الانبیاء کا لقب تھا۔ سدی کہتے ہیں کہ اس وجہ سے کمزور کہا گیا ہے کہ آپ اکیلے ہی تھے۔ مراد اس سے آپ کی حقارت تھی۔ اس لئے کہ آپ کے کنبے والے بھی آپ کے دین پر نہ تھے۔ کہتے ہیں کہ اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم پتھر مار مار کر تیرا قصہ ہی ختم کر دیتے یا یہ کہ تجھے دل کھول کر برا کہتے۔ ہم میں تیری کوئی قدر و منزلت رفعت و عزت نہیں۔ یہ سن کر آپؑ نے فرمایا تھا۔ بھائیو! تم مجھے میری قرابت داری کی وجہ سے چھوڑتے ہو۔ خدا کی وجہ سے نہیں چھوڑتے' تو گویا یا تمہارے نزدیک قبیلہ والے خدا سے بھی بڑھ

کرہیں۔اللہ کے نبی کو تکلیف پہنچاتے ہوئے اللہ کا خوف نہیں کرتے۔افسوس تم نے کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا۔اس کی کوئی عظمت واطاعت تم میں نہ رہی۔خیر اللہ تعالیٰ تمہارے حال احوال جانتا ہے۔وہ تمہیں پورا بدلہ دے گا۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع

اور اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہو (سو) اب جلد ہی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کردے گا اور وہ کون شخص ہے جو جھوٹا تھا اور تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آپہنچا (تو) ہم نے (اس عذاب سے) شعیب علیہ السلام کو اور جو ان کی ہمراہی میں اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت (خاص) سے بچالیا اور ان ظالموں کو ایک سخت آواز نے (کہ نعرہ جبریل تھا) آپکڑا۔سو اپنے گھروں کے اوندھے گرے رہ گئے (اور مر گئے) جیسے کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔خوب سن لو (اور عبرت پکڑلو) مدین کو رحمت سے دوری ہوئی جیسا کہ ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے۔ ○

پھر وہ وقت آپہنچا ☆

جب اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو تھک کر فرمایا کہ اچھا تم اپنے طریقے پر چلے جاؤ میں اپنے طریقہ پر قائم ہوں، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والے عذاب کن پر نازل ہوتے ہیں اور خدا کے نزدیک جھوٹا کون ہے۔تم منتظر رہو، میں بھی انتظار میں ہوں۔آخرش ان پر بھی عذاب الٰہی مسلط ہو گیا۔اس وقت نبی اللہ اور مومن بچالئے گئے۔ان پر رحمت خدا ہوئی اور ظالموں کو تہس نہس کر دیا گیا۔وہ جل کر بے حس وحرکت رہ گئے۔ایسے کہ گویا کبھی اپنے گھروں میں آباد ہی نہ تھے اور جیسے کہ ان سے پہلے کے ثمودی لعنت خدا کے محل بنے تھے۔ویسے ہی یہ بھی ہو گئے۔ثمودی ان کے پڑوسی تھے اور کفر میں اور بدامنی میں ان ہی جیسے تھے اور تھیں بھی یہ دونوں قومیں عرب کی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ

قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَ

اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

اور ہم نے موسیٰ کو (بھی) اپنے معجزات اور دلیل روشن دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ سو وہ لوگ (بھی) فرعون (ہی) کی رائے پر چلتے رہے اور فرعون کی رائے کچھ صحیح نہ تھی (وہ فرعون) قیامت کے دن اپنی قوم سے آگے آگے ہوگا پھر ان (سب) کو دوزخ میں جا اُتارے گا اور وہ (دوزخ) بہت ہی جگہ ہے اترنے کی جس میں یہ لوگ اتارے جائیں گے اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ ہی اور قیامت کے دن بھی۔ برا انعام جو ان کو دیا گیا۔○

فراعنۂ مصر کی سرکشی ☆

فرعون سردار قوم قبط اور اس کی جماعت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتوں اور ظاہر باہر دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔ لیکن انہوں نے فرعون کی اطاعت نہ چھوڑی۔ اس کی گمراہ روش پر اس کے پیچھے لگے رہے۔ جس طرح یہاں انہوں نے اس کی فرماں برداری ترک نہ کی اور اسے اپنا سردار مانتے رہے۔ اسی طرح قیامت کے دن اسی کے پیچھے یہ ہوں گے اور وہ اپنی پیشوائی میں انہیں سب کو اپنے ساتھ ہی جہنم میں لے جائے گا اور خود دگنا عذاب برداشت کرے گا۔ یہی حال بروں کی تابعداری کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ وہ کہیں گے بھی کہ خدایا ان ہی لوگوں نے ہمیں بہکایا۔ تو انہیں دونا عذاب کر۔

مسند میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جاہلیت کے شاعروں کا جھنڈا امراؤ القیس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ انہیں لے کر جہنم میں جائے گا۔ اس عذاب آتش پر یہ اور زیادتی ہے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ یہ لوگ ابدی لعنت میں پڑے۔ قیامت کے دن کی لعنت مل کر ان پر دو لعنتیں پڑ گئیں۔ یہ دوسرے لوگوں کو جہنم کی دعوت دینے والے امام تھے۔ اس لئے ان پر دوہری لعنت پڑی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا

ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ يَدْعُوْنَ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ

تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

یہ ان (غارت شدہ) بستیوں کے حالات تھے جن کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں سو بعض بستیاں تو ان میں (اب بھی) قائم ہیں اور بعض کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ سو ان کے وہ معبود جن کو وہ خدا کو چھوڑ کر

پوجتے تھے۔ ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے۔ جب آپ کے رب کا حکم (عذاب کے لئے) آ پہنچا (کہ ان کو عذاب سے بچا لیتے) اور الٹا ان کو نقصان پہنچایا۔ ○

کوئی کام نہیں آیا ☆

انبیاء اور ان کی اُمتوں کے واقعات بیان فرما کر ارشاد باری ہوتا ہے کہ یہ ان بستی والوں کے واقعات ہیں' جنہیں ہم تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔ بعض بستیاں تو اب تک آباد ہیں اور بعض مٹ چکی ہیں۔ ہم نے انہیں ظلم سے ہلاک نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے اپنے اوپر اپنے ہاتھوں سے ہلاکت لے لی اور جن معبودان باطل کے سہارے ان کو تھے وہ بروقت ان کے کچھ کام نہ آ سکے۔ بلکہ ان کی پوجا پاٹ نے انہیں اور غارت کر دیا۔ دونوں جہان کا وبال ان پر آ پڑا۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

اور آپ کے رب کی دارو گیر ایسی ہی (سخت) ہے جب وہ کسی بستی والوں پر دارو گیر کرتا ہے جبکہ وہ ظلم (وکفر) کیا کرتے ہیں بلاشبہ اس کی دارو گیر بڑی الم رساں (اور) سخت ہے۔ ○

ایک ہی قانون ☆

جس طرح ان ظالموں کی ہلاکت ہوئی' ان جیسا جو بھی ہوگا اسی نتیجہ کو وہ دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ المناک اور بہت سختی والی ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو ڈھیل دے کر پھر پکڑنے کے وقت ناگہاں دبا لیتا ہے۔ پھر مہلت نہیں ملتی۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِىٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو وہ (آخرت کا دن) ایسا دن ہوگا کہ ان میں تمام آدمی جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے اور ہم اس کو تھوڑی مدت کے لئے (بعض مصلحتوں سے) ملتوی کئے ہوئے ہیں۔ پھر جس وقت وہ دن آئے گا کوئی شخص بدوں خدا کی اجازت کے بات تک (بھی) نہ کر سکے گا۔ پھر (آگے) ان میں (یہ فرق ہوگا کہ) بعضے تو شقی (یعنی کافر) ہوں گے اور بعضے سعید (یعنی مومن) ہوں گے۔ ○

سامانِ عبرت ☆

کافروں کی ہلاکت اور مومنوں کی نجات میں صاف دلیل ہے۔ ہمارے ان وعدوں کی سچائی پر جو ہم نے قیامت کے بارہ میں کئے ہیں' جس دن تمام اول و آخر کے لوگ جمع کئے جائیں گے۔ ایک بھی باقی نہ چھوٹے گا۔ وہ بڑا بھاری دن ہے۔ تمام فرشتے' تمام رسول' تمام مخلوق حاضر ہوگی۔ حاکم حقیقی عادل کافی انصاف کرے گا۔ قیامت کے قائم ہونے کی دیر کی وجہ یہ ہے کہ رب یہ بات پہلے ہی مقرر کر چکا ہے کہ اتنی مدت تک دنیا بنی آدم سے آباد رہے گی۔ اتنی مدت خاموشی سے گزرے گی۔ پھر فلاں وقت قیامت قائم ہوگی۔ جس دن قیامت آجائے گی کوئی نہ ہوگا جو بلا اجازت خدا لب بھی کھول سکے۔ مگر رحمٰن جسے اجازت دے اور وہ بات بھی ٹھیک بولے۔ تمام آوازیں خدائے رحمٰن کے سامنے پست ہوں گی۔ صحیحین کی حدیث شفاعت میں ہے کہ اس دن صرف رسول ہی بولیں گے اور ان کا کلام بھی صرف یہی ہوگا کہ خدایا سلامت رکھ۔ خدایا سلامتی دے۔ مجمع محشر میں بہت سے تو بد ہوں گے اور بہت سے نیک۔ اس آیت کے اترنے پر حضرت عمرؓ پوچھتے ہیں کہ پھر یا رسول اللہ ہمارے اعمال اس بنا پر ہیں جس سے پہلے ہی فراغت کر لی گئی ہے یا کسی نئی کی بنا پر؟ آپ نے فرمایا نہیں' بلکہ اس حساب پر جو پہلے سے ختم ہو چکا ہے' جو قلم چل چکا ہے لیکن ہر ایک کے لئے وہی آسان ہوگا جس کے لئے اس کی پیدائش کی گئی ہے۔ (مسند ابو یعلی)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

سو لوگ شقی ہیں وہ تو دوزخ میں ایسے حال سے ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ و پکار پڑی رہے گی (اور) ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے۔ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں ہاں اگر خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے (کیونکہ آپ کا رب جو کچھ چاہے اس کو پورے طور سے کر سکتا ہے۔ ○

جہنم کی ہیبت ناک آوازیں ☆

گدھے کے چیخنے میں جیسے زیر و بم ہوتا ہے' ایسی ہی ان کی چیخیں ہوں گی۔ یہ یاد رہے کہ عرب کے محاوروں کے مطابق قرآن کریم نازل ہوا ہے وہ ہیشگی کے محاورہ کو اسی طرح بولا کرتے ہیں کہ یہ ہیشگی والا ہے۔ جب تک آسمان و زمین کو قیام ہے' یہ بھی ان کے محاورہ میں سے ہے کہ باقی رہے گا جب تک دن رات کا چکر بندھا ہوا ہے۔ پس ان الفاظ سے ہیشگی مراد ہے نہ کہ قید۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمین و آسمان کے بعد دار آخرت میں ان کے سوا اور آسمان و زمین ہوگا۔ پس یہاں مراد جنس ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہر جنت کا آسمان و زمین ہے۔ اس کے بعد خدا کے منشا کا ذکر ہے جیسے آیت: ﴿اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (الانعام: ۱۲۸) میں ہے۔ اس استثنا کے بارے میں بہت سے قول ہیں جنہیں جوزی نے زاد المیسر میں نقل کیا ہے۔ ابن جریر نے خالد بن معدان' ضحاک' قتادہ اور ابن سنان کے اس قول کو

پسند فرمایا ہے کہ استثنا عائد ہے موحد گنہگاروں کی طرف۔ بعض سلف سے اس کی تفسیر میں بڑے ہی غریب اقوال وارد ہوئے ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں اللہ ہی کو اس کا پورا علم ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں سو وہ جنت میں ہوں گے (اور) وہ اس میں (داخل ہونے کے بعد) ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ جب تک آسمان وزمین قائم ہیں ہاں اگر خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے۔ وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا۔

فردوس بریں ☆

رسولوں کے تابعدار جنتوں میں رہیں گے جہاں سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ زمین وآسمان کی بقاء تک ان کی بھی جنت میں بقا رہے گی۔ مگر جو خدا تعالیٰ چاہے یعنی یہ بات بذاتہ واجب نہیں بلکہ خدا کی مشیت اور اس کے ارادہ پر ہے۔ بقول ضحاک وحسن یہ موحد گنہگاروں کے حق میں ہے۔ وہ کچھ مدت جہنم میں گزار کر اس کے بعد وہاں سے نکالے جائیں گے۔ یہ ہے عطیہ خداوندی جو ختم نہ ہوگا۔ نہ گھٹے گا۔ یہ اس لئے فرمایا کہ کہیں ذکر مشیت سے یہ کھٹکا نہ گزرے کہ ہمیشگی نہیں، جیسے کہ دوزخیوں کے دوام کے بعد بھی اپنی مشیت اور ارادہ کی طرف رجوع کیا۔ سب اس کی حکمت وعدل ہے۔ وہ ہر اس کام کو کر گزرتا ہے جس کا ارادہ کرے۔ صحیحین میں ہے کہ موت کو چت کبرے بھیڑیے کی صورت میں لایا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ فرما دیا جائے گا کہ جنتیو! ہمیشگی ہے اور موت نہیں اور اے جہنمیو! ہمیشگی ہے موت نہیں۔

فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾

سو (اے مخاطب) جس چیز کی یہ پرستش کرتے ہیں اس کے بارے میں ذرا شبہ نہ کرنا یہ لوگ بھی اسی طرح (بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل) عبادت (غیر اللہ) کی کر رہے ہیں جس طرح ان سے قبل ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم یقیناً (قیامت کو) ان کا حصہ (عذاب کا) ان کو پورا پورا بے کم وکاست پہنچا دیں گے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی سو اس میں (بھی مثل قرآن کے) اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف

سے پہلے سے ٹھہر چکی ہے تو ان کا (قطعی) فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا کہ یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں (پڑے) ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے اور بالیقین سب کے سب ایسے ہی ہیں کہ آپ کا رب ان کو ان کے اعمال (کی جزا) کا پورا پورا حصہ دے گا۔ وہ بالیقین ان کے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ ○

مشرکین کے تمرد سے صرفِ نظر کیجئے ☆

مشرکوں کے شرک کے باطل ہونے میں ہرگز شبہ تک نہ کرنا ان کے پاس بجز باپ دادوں کی بھونڈی تقلید کے اور دلیل ہی کیا ہے؟ ان کی نیکیاں انہیں دنیا میں مل جائیں گی۔ آخرت میں سخت عذاب ہی عذاب ہوں گے۔ جو خیر و شر کے وعدے ہیں' سب پورے ہونے والے ہیں۔ ان کے عذاب کا مقرر حصہ انہیں ضرور ملے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی لیکن پھر لوگوں نے پھوٹ ڈالی۔ کسی نے اقرار کیا تو کسی نے انکار کر دیا۔ بس سابقہ انبیاء کی طرح آپ کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ کوئی مانے گا کوئی انکار کرے گا۔ چونکہ ہم وقت مقرر کر چکے ہیں۔ چونکہ ہم حجت پوری کئے بغیر عذاب نہیں کیا کرتے۔ اس لئے یہ تاخیر ہے۔ ورنہ ابھی ہی انہیں ان کے گناہوں کا مزہ یاد آ جاتا ہے۔ کافروں کو خدا کی اس کے رسول کی باتیں غلط ہی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کا شک و شبہ زائل نہیں ہوتا۔ سب کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا اور ان کے لئے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس قراءت کا معنی بھی اسی ہمارے ذکر کردہ معنی کی طرف ہی لوٹتا ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

تو آپ جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے (راہ دین پر) مستقیم رہئے اور وہ لوگ بھی (مستقیم رہیں) جو کفر سے توبہ کر کے آپ کی ہمراہی میں ہیں اور دائرہ دین سے ذرا مت نکلو۔ یقیناً وہ تم سب کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے اور (اے مسلمانو!) ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جائے اور (اس وقت) خدا کے سوا تمہارا کوئی رفاقت کرنے والا ہو۔ پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو گی۔ ○

حق پر استقلال کے ساتھ قائم رہئے ☆

استقامت اور سیدھی راہ پر دوام ہمیشگی اور ثابت قدمی کی ہدایت اللہ تعالیٰ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام مسلمانوں کو کر رہا ہے۔ یہی سب سے بڑی چیز ہے۔ ساتھ ہی سرکشی سے روکتا ہے کیونکہ یہی تباہ کرنے والی چیز ہے۔ گو کسی مشرک ہی پر کی گئی ہو۔ پروردگار بندوں کے اعمال سے آگاہ ہے۔ مداہنت اور دین کے کاموں میں سستی نہ کرو۔ شرک کی طرف نہ جھکو۔ مشرکین کے اعمال پر رضامندی کا اظہار نہ کرو۔ ظالموں کی طرف نہ جھکو۔ ورنہ آگ تمہیں چھوئے گی۔ ظالموں کی طرفداری ان کے ظلم پر مدد ہے۔ یہ ہرگز نہ کرو۔ اگر ایسا کیا تو کون ہے جو تم سے عذاب خدا ہٹائے؟ اور کون ہے جو اس سے تمہیں بچائے؟

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نماز کی پابندی رکھئے اور دن کے دونوں سروں پر (یعنی اول و آخر میں) اور رات کے کچھ حصوں میں بیشک نیک کام (نامہ اعمال سے) مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو۔ یہ بات ایک (جامع) نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے اور صبر کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ ○

نیکیاں برائیوں کے اثرات سے محفوظ رکھتی ہیں ☆

ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کہتے ہیں' دن کے دونوں سرے سے مراد صبح اور مغرب کی نماز ہے۔ قتادہ ضحاک وغیرہ کا قول ہے کہ پہلے سرے سے مراد صبح کی نماز ہے اور دوسرے سے مراد ظہر' عصر کی نماز۔ رات کی گھڑیوں سے مراد عشا کی نماز اور بقول مجاہد وغیرہ مغرب و عشا کی نمازیں۔ نیکیوں کا کرنا گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنن میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے۔ پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کیا' پھر فرمایا اس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے۔ جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

مسند میں ہے کہ آپ نے پانی منگوایا' وضو کی' پھر فرمایا اسی طرح رسول اللہ علیہ وسلم وضو کیا کرتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے اور کھڑے ہو کر ظہر کی نماز ادا کرے۔ اس کے صبح سے لے کر اب تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر عصر کی نماز پڑھے تو ظہر سے عصر تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر مغرب کی نماز ادا کرے تو عصر سے مغرب تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر عشا کی نماز سے مغرب سے عشا تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سوتا ہے لوٹ پوٹ ہوتا ہے۔ پھر صبح اُٹھ کر نماز فجر پڑھ لینے سے عشا سے لے کر صبح کی نماز تک کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ بھلائیاں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بتلاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے مکان کے دروازہ پر ہی نہر جاری ہے اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر ذرا سا بھی میل باقی رہ جائے گا؟ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں۔ آپؐ نے فرمایا بس یہی مثال ہے پانچ نمازوں کی کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں اور گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پانچوں نمازیں اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان رمضان تک کا کفارہ ہے جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ مسند احمد میں ہے ہر نماز اپنے سے پہلے کی خطاؤں کو مٹا دیتی ہے۔ بخاری میں ہے کہ کسی شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس گناہ کی ندامت ظاہر کی۔ اس پر یہ آیت

اُتری۔ اس نے کہا کیا میرے لئے ہی یہ مخصوص ہے؟ آپؐ نے جواب دیا نہیں۔ بلکہ میری ساری امت کے لئے یہی حکم ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا میں باغ میں اس عورت سے سب کچھ کیا۔ ہاں جماع نہیں کیا۔ اب میں حاضر ہوں جو سزا میرے لئے آپ تجویز کریں، میں برداشت کرلوں گا۔ حضور ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی۔ کاش یہ بھی اپنے نفس کی پردہ پوشی کرتا۔ آنحضرت ﷺ برابر اسی شخص کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا اسے واپس بلاؤ۔ جب وہ آ گیا تو آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا یہ اسی کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ سب لوگوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزیاں تقسیم کی ہیں۔ اخلاق بھی تقسیم فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے خوش ہو اور اسے بھی جس سے غضب ناک ہو۔ لیکن دین صرف ان ہی کو دیتا ہے جن سے اسے محبت ہو۔ پس جسے دین مل جائے یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے اور بندہ ایمان دار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کے ایذاؤں سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ لوگوں نے پوچھا یہ کس طرح کی ایذائیں ہیں؟ فرمایا دھوکا اور ظلم۔ سنو! جو شخص مال حرام کمائے پھر اس میں سے خرچ کرے اللہ تعالیٰ اسے برکت سے محروم رکھتا ہے۔ اگر وہ اس میں سے صدقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا اور جتنا کچھ اپنے بعد باقی چھوڑ مرے وہ سب اس کے لئے آتش دوزخ کا توشہ بنتا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا ایک عورت سودا لینے کے لئے آئی تھی۔ افسوس کہ میں اسے کوٹھڑی میں لے جا کر اس سے بجز جماع کے اور ہر طرح لطف اندوز ہوا۔ اب جو حکم خدا ہو وہ مجھ پر جاری کیا جائے۔ آپ نے فرمایا شاید اس کا خاوند یہاں نہیں ہے؟ اس نے کہا جی ہاں یہی بات تھی۔ آپؓ نے فرمایا تم جاؤ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ مسئلہ پوچھو۔ حضرت صدیق اکبر نے بھی یہی سوال کیا۔ پس آپ نے بھی حضرت عمر کی طرح فرمایا۔ پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حالت بیان کی۔ آپؐ نے فرمایا شاید اس کا خاوند راہ خدا میں گیا ہوا ہوگا؟ پس قرآن کریم کی یہ آیت اُتری۔ تو وہ کہنے لگا کیا یہ خاص میرے لئے ہی ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں۔ اس طرح صرف تیری ہی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ سب لوگوں کے لئے عام ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمرؓ سچے ہیں۔

ابن جریر میں ہے کہ وہ عورت مجھ سے ایک درہم کی کھجوریں خریدنے آئی تھیں تو میں نے اسے کہا کہ اندر کوٹھڑی میں اس سے بہت اچھی کھجوریں ہیں۔ وہ اندر آ گئی۔ میں نے اندر جا کر اسے چوم لیا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے نفس پر پردہ ڈالے رہ لیکن ابوالیسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا افسوس تو نے ایک غازی مرد کی اس کی غیر حاضری میں ایسی خیانت کی۔ میں نے تو یہ سن کر خود کو جہنمی سمجھ لیا اور میرے دل میں خیال آنے لگا کہ میرا اسلام اس کے بعد کا ہوتا۔ حضور ﷺ نے ذرا سی دیر اپنی گردن جھکا لی۔ اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر اُترے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر

حضور ﷺ سے درخواست کی کہ خدا کی مقرر کردہ حد مجھ پر جاری کیجئے۔ ایک دو دفعہ اس نے یہ کہا لیکن آپؐ نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ پھر جب نماز کھڑی ہوئی اور نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور ﷺ میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو نے اچھی طرح وضو کیا؟ اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا بس تو تو ایسا ہی ہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ خبردار اب کوئی ایسی حرکت نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت ابوعثمان کا بیان ہے کہ میں حضرت سلمانؓ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے ایک درخت کی خشک شاخ پکڑ کر اسے جھنجھوڑا تو تمام پتے جھڑ گئے۔ پھر فرمایا ابوعثمان تم پوچھتے نہیں ہو کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا ہاں جناب ارشاد ہو۔ فرمایا اسی طرح میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ پھر فرمایا جب بندہ مسلمان اچھی طرح وضو کر کے پانچوں نمازیں ادا کرتا ہے۔ تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں۔ جیسے اس خشک شاخ کے پتے جھڑ گئے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ برائی اگر کوئی ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی نیکی کر لو کہ اسے مٹا دے اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے ملا کرو اور حدیث میں ہے۔ جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی نیکی کر لیا کرو کہ اسے مٹا دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا لا الہ الا اللہ پڑھنا بھی نیکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو بہترین اور افضل نیکی ہے۔ ابویعلیٰ میں ہے دن رات کے جس وقت میں کوئی لا الہ الا اللہ پڑھے اس کے نامۂ اعمال میں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی جگہ ویسی ہی نیکیاں ہو جاتی ہیں۔ اس کے راوی عثمان میں ضعف ہے۔ بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حضور ﷺ میں نے کوئی خواہش نہیں چھوڑی جسے پورا نہ کیا ہو۔ آپ نے فرمایا تو خدا کے ایک ہونے کی اور میری رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا بس یہ ان سب پر حاوی اور غالب رہے گی۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿١١٧﴾

تو جو امتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ نہ ہوئے جو کہ (دوسروں کو) ملک میں فساد (یعنی کفر و شرک) پھیلانے سے منع کرتے۔ بجز چند آدمیوں کے کہ جن کو ان میں سے ہم نے (عذاب سے) بچا لیا تھا اور جو لوگ نافرمان تھے اور وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور جرائم کے خوگر ہو گئے اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو کفر کے سبب ہلاک کر دے اور ان کے رہنے والے (اپنی اور دوسروں کی) اصلاح میں لگے ہوں۔ ○

نیک لوگ خدا کے عذاب سے محفوظ ہیں ☆

یعنی بجز چند کے ہم گزشتہ زمانہ کے لوگوں میں سے ایسے کیوں نہیں پاتے جو شریروں اور منکروں کو برائیوں سے روکتے

ہیں۔ یہی وہ ہیں جنہیں ہم اپنے عذابوں سے بچالیا کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت میں ایسی جماعت کی موجودگی کا قطعی اور یقینی حکم دیا۔ فرمایا: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ......﴾ (آل عمران: ۱۰۴) اور نیکی کی دعوت دینے والی ایک جماعت تم میں ہر وقت موجود رہنی چاہئے...... ظالموں کا شیوہ یہی ہے کہ وہ اپنی بری عادتوں سے باز نہیں آتے۔ نیک علما کی باتوں کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ عذاب خدا ان کی بے خبری پرآ پڑتے ہیں۔ بھلی بستیوں میں خدا کی طرف از راہ ظلم عذاب کبھی نہیں آتے۔ ہم ظلم سے پاک ہیں۔ لیکن خود ہی وہ اپنی جانوں پر مظالم کرنے لگتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اور اللہ کو منظور ہوتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا اور آئندہ (بھی) ہمیشہ اختلاف رہی کرتے رہیں گے۔ مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں دونوں سے بھر دوں گا۔ ○

خدا ہر بات پر قادر ہے ☆

خدا کی قدرت کسی کام سے عاجز نہیں۔ وہ چاہے تو سب کو ہی اسلام یا کفر پر جمع کر دے۔ لیکن اس کی حکمت ہے جو انسانی رائے ان کے دین و مذہب جداگانہ برابر جاری و ساری ہیں۔ طریقے مختلف مالی حالات جداگانہ ایک دوسرے کے ماتحت۔ یہاں مراد دین و مذہب کا اختلاف ہے۔ ہاں جن پر خدا کا رحم ہو جائے وہ رسولوں کی تابعدار اور خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں لگے رہتے ہیں۔ اب وہ نبی آخر الزماں ﷺ کے مطیع ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں چنانچہ مسند و سنن میں حدیث ہے۔ جس کی ہر سند دوسری سنت کو تقویت پہنچا رہی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کے اکہتر گروہ ہوئے۔ نصاری بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ سب جہنمی ہیں سوائے ایک جماعت کے۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے جواب دیا وہ جو اس پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔

(مستدرک حاکم)

بقول عطاء مُخْتَلِفِيْنَ سے مراد یہودی نصرانی مجوسی ہیں اور خدا کے رحم والی جماعت سے مراد یک طرفہ دین اسلام کے مطیع لوگ ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہی جماعت ہے۔ گو ان کے وطن اور بدن ایک ہی جگہ جمع ہوں۔ قدرتی طور پر ان کی پیدائش ہی اسی لئے ہے۔ شقی وسعید کی ازلی تقسیم۔ یہ بھی مطلب ہے کہ رحمت حاصل کرنے والی یہ جماعت ہے ہی اسی لئے۔ حضرت طاؤسؒ کے پاس دو شخص اپنا جھگڑا لے کر آئے اور حدود اختلاف سے آگے بڑھ گئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جھگڑے اور خوب ہی اختلاف کیا۔ ایک نے اس پر کہا اسی لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا غلط ہے اس نے اپنے ثبوت میں اسی آیت کی تلاوت کی تو آپؒ نے فرمایا اس لئے نہیں پیدا کیا کہ آپس میں اختلاف کریں۔ بلکہ پیدائش تو جمع

کے لئے اور رحمت حاصل کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رحمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ عذاب کے لئے اور آیت میں ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذریات: ۵۶) میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ تیسرا قول یہ بھی ہے کہ رحمت اور اختلاف کے لئے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ مالک اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک فرقہ جنتی اور ایک جہنمی۔ انہیں رحمت حاصل کرنے اور انہیں اختلاف میں لگے رہنے کے لئے پیدا کیا۔ تیرے رب کا یہ فیصلہ ناطق ہے کہ اس کی مخلوق ان دونوں اقسام کے لوگ ہوں گے اور ان دونوں سے جنت دوزخ پُر کئے جائیں گے۔ اس کی کامل حکمتوں کو وہی جانتا ہے۔

صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت دوزخ میں باہم گفتگو ہوئی۔ جنت نے کہا مجھ میں تو صرف ضعیف اور کمزور لوگ ہی داخل ہوتے ہیں اور جہنم نے کہا کہ میں تکبر اور تجبر کرنے والوں کے ساتھ مخصوص کی گئی ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے۔ جسے میں چاہوں تجھ سے نوازوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے جس سے میں چاہوں تیرے عذاب سے انتقام لوں گا۔ تم دونوں پُر ہو جاؤ گی۔ جنت میں تو برابر زیادتی رہے گی۔ یہاں تک کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا اور اسے اس میں بسائے گا اور جہنم بھی برابر زیادتی طلب کرتی رہے گی۔ یہاں تک کہ اس پر اللہ رب العزت اپنا قدم رکھ دے گا[1] تب وہ کہنے لگے گی تیری عزت کی قسم اب بس ہے اب بس ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود بھی راست (اور واقعی) ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے۔ ○

مقصد ☆

اگلی امتوں کا اپنے نبیوں کو جھٹلانا' نبیوں کا ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا' آخر خدا کے عذاب کا آنا' کافروں کا برباد ہونا' نبیوں' رسولوں اور مومنوں کا نجات پانا یہ سب واقعات ہم تجھے سنا رہے ہیں۔ تاکہ تیرے دل کو ہم اور مضبوط کر دیں اور تجھے کامل سکون حاصل ہو جائے۔ اس سورت میں بھی حق تجھے واضح ہو چکا یا یہ کہ اس دنیا میں بھی تیرے سچے واقعات بیان ہو چکے ہیں۔ یہ عبرت ہے کفار کے لئے اور نصیحت ہے مومنوں کے لئے کہ وہ اس سے نفع حاصل کریں۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ

[1] یہ آیت متشابہات میں ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اس پر ایمان لانا چاہئے یعنی ایسا ضرور ہو گا لیکن خدا تعالیٰ کے قدم رکھنے کا کیا مطلب ہے اور قدم رکھنے کی کیفیت کیا ہوگی۔ ان امور کا علم خدا ہی کے علم پر چھوڑنا چاہئے۔

إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾

اور جو لوگ (باوجود ان حجت قاطعہ کے بھی) ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے الجھتا نہیں تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو۔ ہم بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہے ہیں اور (ان اعمال کے نتیجہ کے) تم (بھی) منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں (عنقریب حق و باطل کھل جائے گا) ○

انتظار ☆

بطور دھمکانے ڈرانے اور متنبہ کرنے کے ان کافروں سے کہہ دو کہ اچھا تم اپنے طریقہ سے نہیں ہٹتے تو نہ ہٹو۔ ہم بھی اپنے طریقہ پر عامل ہیں۔ تم منتظر رہو کہ آخرت انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم بھی اسی انجام کی راہ دیکھتے ہیں۔ فالحمدللہ دنیا نے ان کافروں کا انجام دیکھ لیا اور ان مسلمانوں کا بھی۔ جو خدا کے فضل و کرم سے دنیا چھا گئے۔ مخالفین پر کامیابی کے ساتھ غلبہ حاصل کر لیا۔ دنیا کو مٹھی میں لے لیا۔ فلِلّٰہ الحمد

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں ان کا علم خدا ہی کو ہے اور سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے۔ تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اسی کی عبادت کیجئے (جس میں تبلیغ بھی داخل ہے) اور اسی پر بھروسہ رکھئے اور آپ کا ربّ اِن باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو۔ ○

عالم الغیب ☆

آسمان و زمین کے سب غیب پر اطلاع رکھنے والا صرف اللہ عزوجل ہی ہے۔ اسی کی سب کو عبادت کرنی چاہئے اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ جو بھی اس پر بھروسہ رکھے وہ اس کے لئے کافی ہے۔ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات کا خاتمہ بھی ان ہی آیتوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے کسی عمل سے بے خبر نہیں۔